رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۲۷۶

مسیحی پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس

کانفرنس نمبر

مسیحی

لاہور

مینجنگ ایڈیٹر مسٹر پی ایل ملیارام

سالانہ چندہ پیشگی دو روپے

فی کاپی چار آنہ

ہندوستانی مسیحیوں کا ماہوار رسالہ

جس میں رسالہ قاصد بھی شامل کردیا گیا ہے

دورِ جدید	ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۳ء	جلد ۳ نمبر ۳

۸ ۱-

مکتی فوج اور اُس کا کام

بتاریخ ۱۵ ماہ حال ٹاؤن ہال لاہور میں ایک جلسہ بزیر صدارت گورنر صاحب پنجاب منعقد ہوا جس میں مکتی فوج کے جنرل بریمویل بوتھ نے اس فوج کے آغاز اور اُس کی خدمات کا دلچسپ بیان کیا۔ مکتی فوج کا کام ستر مختلف ملکوں میں پچیس ہزار افسروں یا لیڈروں اور اُستادوں کی زیر نگرانی ہو رہا ہے۔ ہندوستان میں مکتی فوج نے مختلف الانواع کی خدمت اپنے ذمے لی ہے۔ چنانچہ ۷۰۰ سکول کھولے گئے ہیں۔ جن میں پچیس ہزار طلبا تعلیم پا رہے ہیں اور ڈیڑھ ہزار بچے اُن کے بورڈنگ سکول میں ہیں۔ انہوں نے جرایم پیشہ لوگوں میں جن کی تعداد بارہ ہزار ہے کام شروع کیا ہے۔ اور جذامیوں اور اندھوں اور گداگر پیشہ لوگوں کے درمیان خدمت کر رہے ہیں۔ گرے ہوئے اور پست حال مردوں اور عورتوں میں انکے اعلےٰ کام پر شاہ معظم نے خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔ اور ملک میں جہاں کہیں جنرل صاحب تشریف لیجاتے ہیں وہاں کے گورنر اور وزرا انہیں آنکھوں پر بٹھاتے ہیں اور روپیہ جمع کر کے انہیں امداد دیتے ہیں

دورِ جدید جنوری سنہ ۱۹۲۳ء جلد ۳ نمبر ۳

نوٹ اور رائیں

"تو کہاں ہے"؟ کتاب مقدس میں یہ اوّل سوال ہے جو خدا نے انسان سے کیا۔ قادرِ مطلق خدا باپ کو اپنے اشرف المخلوقات فرزند کی فکر تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ آدم اُس کے حکم کی نافرمانی کرکے گِر گیا ہے مگر وہ چاہتا تھا۔ کہ انسان خود دل میں سوچ کر جواب دے کہ اب اُس کی کیا حالت ہوگئی ہے۔ اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے یہی سوال ہمارے سامنے ہو کہ تو کہاں ہے اسی سوال پر غور کرتے ہوئے مسرف بیٹے نے کہا ہوگا۔ کہ "میں اُٹھ کر اپنے باپ کے پاس جاؤں گا۔ الخ"

ہندوستانی مسیحی علم ادب مشہور علامہ ڈاکٹر جے۔ این فارقہر صاحب نے ماہ دسمبر میں کلکتہ مشنری کانفرنس کے سامنے اس مضمون پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مشنریوں نے ہندوستان کے مسیحی علم ادب کے مہیا کرنے میں نہایت اعلےٰ خدمات انجام دی ہیں۔ اُنہوں نے

ہندوستان کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں بائیبل کا ترجمہ کیا۔ بہت سی زبانوں میں پہلی لغت اور صرف و نحو کی کتابیں لکھیں۔ مختلف زبانوں کی درسی اور دیگر مضامین کی کتابیں تصنیف کیں اور اخبارات جاری کئے۔ مگر اب ضرورت ہے کہ ہمارے علم ادب کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور اس میں نئی روح پھونکی جائے ہندوستان میں تعلیم نہایت تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ خواندہ لوگوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے جن کے لئے مسیحی علم ادب کی نئی نئی کتابوں کی مانگ ہونے والی ہے۔ ہمیں ہر ایک بڑی زبان میں تازہ تصانیف کی ضرورت ہے ہندوستانیوں کے اندر نئی نئی امنگوں اور جذبات نے ایک نئی روح پیدا کر دی ہے اور مخالف اپنی تصانیف میں چاروں طرف سے مسیحی مذہب پر نہایت سختی سے حملے کر رہے ہیں جن کے مقابلے کے لئے مسیحیوں کو تیار ہونا چاہئے۔ اس کے لئے ضرور ہے کہ مسیحی علم ادب کی کتابیں ہندوستانی طرز پر اور سودیشی روح میں ہوں یہ مدعا اسی صورت سے پورا ہو سکتا ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے خود ہندوستانی مسیحی یہ کام اپنے ذمے لیں۔ ہر ایک شخص جو اس معاملے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ ایسے ہندوستانی مسیحیوں کو تیار کرے جو اپنی اپنی زبان میں مسیحی کتب تصنیف کریں۔ ہمیں دو قسم کی کتابوں کی ضرورت ہے۔ اول تعلیم یافتہ غیر مسیحیوں کے لئے۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے نے ایسے لوگوں کے لئے کئی ایک سلسلے کتابوں کے جاری کئے ہیں۔ تامل زبان کے ایک نہایت عالم و فاضل ہندوستانی مسیحی مسٹر جے دورائی سوامی کو اس زبان میں کتابیں تصنیف کرنے کی غرض سے مقرر کیا گیا ہے۔ مسٹر موصوف علاوہ خود تصنیف کا کام کرنے کے اور ہندوستانی مسیحیوں کو اس خدمت کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ دوسری قسم کی کتابیں ناخواندہ عوام کے لئے جو زیادہ تر دیہات میں بود و باش کرتے ہیں درکار ہیں۔ عام طور پر یہ لوگ سستے داموں کی کتابیں جو ان کے مذہبی ہادیوں نے لکھی ہیں پڑھتے یا سنا کرتے ہیں۔ پھر یہ ناخواندہ لوگ مذہبی گیت یا بھجن گاتے ہیں۔ مستورات کو

ایسی نظمیں حفظ ہوتی ہیں جو وہ اپنے بچوں کو سکھایا کرتی ہیں۔ جنوبی ہند میں ایسے کتھا کرنے والے ہیں جو پرانی مذہبی نظموں کو زبانی گا گا کر ان کی شرح کرتے ہیں اور سینکڑوں لوگ ساری ساری رات بیٹھے اس کتھا کو سنا کرتے ہیں۔ اسی قسم کا ایک رواج بنگال میں بھی سنکیرتن کے نام سے مروج ہے جس میں گھنٹوں گانے بجانے کی محفل لگی رہتی ہے۔ ان سب دستوروں کی بنیاد اعلےٰ مذہبی نظموں پر ہے۔ اسی قسم کی نظم ہندوستانیوں کے دلوں پر اثر کرتی ہے۔ اس لئے اس طریق کو کام میں لانے کے لئے ہمیں ہندوستان کی ہر ایک زبان میں اعلیٰ درجے کی مسیحی نظموں کی ضرورت ہے۔ اور اس ضرورت کو خود ہندوستانی ہی بوجہ احسن پورا کر سکتے ہیں۔ اگر کوشش کی جائے اور مناسب گروہ ہوائی پیدا کیا جائے تو ہندوستانی مسیحیوں میں قابل شاعر پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس صیغے میں خواتین بھی مردوں کے ساتھ حصہ لے سکتی ہیں۔ شاید اس مدعا کے حصول کے لئے بہتر ہوگا کہ ہندوستانی علم موسیقی اور علم ادب کی تعلیم دیئے اور عملی طور پر گاتے بجانے اور شعر سازی کا فن سکھانے کے لئے جماعتیں بنائی جائیں۔ مسیحی نظم میں دو باتوں کا ہونا لازمی ہے اوّل یہ کہ وہ مسیحی مذہب کی تعلیم اور پیغام سے سرشار ہو اور دوسرا یہ کہ وہ قدیم ملکی علم ادب پر مبنی ہو۔ یعنے شاعر کا طرز کلام پرانی ملکی نظموں کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو اس طور پر قدیم تہذیب کی خوبی مسیح کے نور سے منور ہو کر نئی خوبصورتی کے ساتھ چمکیگی۔ اچھا مسیحی علم ادب نئے اور پرانے دونوں قسم کے اجزاء کا مرکب ہونا چاہئے۔

ہندوستان میں مسیحی اخبارات

کچھ عرصہ سے مختلف صوبجات کے مسیحیوں کے دل میں نئے نئے مسیحی اخبارات جاری کرنے کے ولولے پیدا ہو رہے ہیں۔ چنانچہ کلکتہ سے ہفتہ وار اخبار گارڈین اور لکھنؤ سے مسٹر آیس ڈیوڈ کا اخبار کرسچن آبزرور جو مہینے میں دو بار شائع ہوتا ہے، نکل چکے ہیں۔ اور بمبئی سے ماہواری رسالہ انڈین کرسچن ریویو کے شائع ہونیکا اعلان کیا گیا ہے۔ شائد ناظرین کو معلوم ہوگا کہ یہ رسالہ جنگ سے بیشتر بھی جاری ہوا تھا مگر مالی دقتوں کی وجہ سے اسے بند کرنا پڑا۔ یہ سب مطبوعات انگریزی زبان

میں جاری ہو رہے ہیں۔ اُدھر ہمارا آل انڈیا کانفرنس کا ماہوار رسالہ بھارت سیوک (یادش بخیر) سال بھر تک نیم مُردہ حالت میں رہ کر اب پھر خم ٹھونک کر اور مونچھوں پر تاؤ دیکر نئے ارادوں کے ساتھ اخباری دنیا میں قدم بڑھانے کو ہے۔ لکھنؤ کانفرنس کے موقعہ پر عام طور پر یہ رائے تھی کہ بجائے اپنی طاقت کو منتشر کرنے کے بھارت سیوک کو کرسچن ایڈوکیٹ کے ساتھ ملحق کیا جائے۔ مگر یہ تجویز کثرت رائے سے نامنظور ہوئی اور آخر یہ قرار پایا کہ آل انڈیا کانفرنس کے آرگن کی اشاعت کا انتظام آیندہ کے لئے پروفیسر ایس۔ سی مکرجی کے ہاتھ میں سونپا جائے۔ چوتھا۔ اس رسالے کو سال گذشتہ میں ہوا تھا وہ بذریعہ چندے کے پورا کیا گیا۔ اب پروفیسر مکرجی صاحب نے اس رسالے کی مالی ذمہ واری بھی اپنے سر پر لے لی ہے۔ امید ہے کہ وہ آپکے زیر سایہ دلچسپ اور مفید مضامین سے مزین ہوگا اور ہندوستانی مسیحیوں کے بہترین خیالات اور رائے کا آئینہ ثابت ہوگا۔ ہندوستان بھر کے مختلف صوبجات کے لئے جن میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں رسالے کا انگریزی زبان میں شائع ہونا لازمی تھا مگر ہم پوچھتے ہیں کہ ہمارے اُن مسیحی بھائیوں کے لئے جو انگریزی سے بے بہرہ ہیں اور جن کے درمیان آزاد مسیحی رائے کا مادہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے یا اُن دیہاتی مناادوں کے لئے جن کو مسیحی خیالات اور نئے نئے مذہبی اور سوشل حالات معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کیا کیا جا رہا ہے؟ پنجاب میں رسالہ مسیحی بزیر سرپرستی پنجاب کرسچن کانفرنس ہر مہینے میں شائع ہوتا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ کسی اور صوبے میں بھی کوئی رسالہ یا اخبار مسیحی انجمنوں کے مقاصد کو پورا کرنے کی غرض سے نکالا جاتا ہے یا نہیں۔ ہم یہ اشارہ سب کرسچن اسوسی ایشنوں کی توجہ کے لئے پیش کرتے ہیں۔

قیاسی حساب اخبار لائیف آف فیتھ کے کسی نامہ نگار نے بائیبل میں سے ایک نیا حساب پیش کیا ہے۔ گزشتہ جنگ عظیم ۱۵۶۴ دنوں تک جاری رہا یعنے جب سے جرمنی نے بتاریخ ۳۱ جولائی ۱۹۱۴ء معرکہ آرائی کی ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء تک جب جنگ کا خاتمہ ہوا ۱۵۶۴ دن ہوتے ہیں۔ اب مکاشفہ کے

ویں باب کی پندرھویں آیت میں لکھا ہے کہ " وہ چاروں فرشتے کھول دیئے گئے .... خاص گھڑی اور دن اور مہینے اور برس کے لئے ....." اب نبوت کا سال ۳۶۰ دن کا اور ایک مہینہ ۳۰ دن کا ہوتا ہے۔ اس میں ایک دن اور ایک گھنٹہ جمع کرنے سے ۳۶۱ دن اور ایک گھنٹہ بنا۔ اگر چاروں فرشتوں میں سے ایک کو اس عرصہ کے لئے کھولا جائے تو کل مدت ۱۵۶۴ دن اور چار گھنٹے ہوگی جو جنگ کے ایام کی میعاد ہے نامہ نگار دریافت کرتا ہے کہ کیا یہ اعدادی مطابقت محض اتفاق کا نتیجہ ہے؟ اُسکے خیال میں ممکن ہے کہ جس جس روز ہر ایک فرشتہ کھولا گیا اُس دن جنگ میں کچھ نہ کچھ واقع ہوا ہو۔ پھر ایک اَور نیا حساب جنگ کے متعلق کتاب مقدس میں سے نکالا گیا ہے دانیل نبی کی کتاب کے بارھویں باب کی بارھویں آیت میں لکھا ہے کہ " مبارک ہے وہ جو انتظار کرتا ہے۔ اور ایک ہزار تین سو پینتیس ۱۳۳۵ روز تک آتا ہے " نبوت کے محاورے میں ایک دن ایک سال کے برابر ہوتا ہے۔ اب ہجری حساب سے جو یروسلم میں مروج تھا جنرل ایلنبی نے سنہ ۱۳۳۵ھ میں یروسلم کو سر کیا اور بعد ازاں سنہ عیسوی کا حساب شروع ہوا۔ اس حساب سے گویا دانیل نبی نے جنرل ایلنبی کے یروسلم میں داخل ہونے کی پیشین گوئی کی ہمارے خیال میں اس قسم کے فرضی حساب محض قیاسی ڈھکوسلے ہیں جن سے کلام مقدس کی وقعت اور عزت کو پامال کیا جاتا ہے۔ ایسے حساب بارہا غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ باوجود اس کے کہ کلام کے اعداد پر سوچنے والے اس قسم کی اعدادی تطبیق کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔

روحانی امراض کا نقشہ

چین کے شہر کانٹن کے مشن ہسپتال سے ڈاکٹر ٹوبنڈ صاحب ایک معزز ہمعصر کی طرف رقمطراز ہیں کہ " ہر ایک شفا خانہ میں مریض کے حالات کا نقشہ رکھا جاتا ہے جس میں اُس کے مرض کی گزشتہ کیفیت اور موجودہ حالت درج ہوتی ہے .... بعینہ اسی طریق پر ہم نے کانٹن کے ہسپتال میں روحانی امراض کے لئے ایک نقشہ تیار کیا ہے۔ جب کوئی مریض ہسپتال میں داخل ہوتا ہے تو مبشر اور اُس کا عملہ ایک کارڈ اُس کے پاس رکھ دیتے ہیں جس میں اُس کے گزشتہ اور موجودہ مذہبی اعتقاد کا اندراج کیا جاتا ہے۔ یہ بھی نوٹ

کیا جاتا ہے کہ اس نے کبھی انجیل کا پیغام سنا ہے یا نہیں۔ یا کیا وہ مسیحی ہے یا نہیں۔ وقتاً فوقتاً اس کارڈ کی پڑتال کی جاتی ہے اور مریض کی روحانی ترقی کا نوٹ کیا جاتا ہے۔ ہر ایک چارپائی کے پاس ایک خاص رنگین کارڈ لگایا جاتا ہے۔ جس کو دیکھتے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ کیا مریض نے کبھی انجیل کی منادی سنی ہے یا نہیں۔ اور اگر سنی ہے تو اس نے مسیح کو اپنا نجات دہندہ قبول کرلیا ہے یا نہیں یا وہ مسیحی ہے یا نہیں۔ اس طور پر مبشر مریض کے روحانی مرض کی تشخیص کرکے اس کی حالت کے مطابق اس سے کلام کرنا شروع کرتا ہے اس شخصی طور پر سال گزشتہ میں ۲۷ اشخاص نے مسیح کا اقرار کیا اور اس کو اپنا شخصی نجات دہندہ مان لیا۔ عام طور پر یہ نتیجہ تسلی بخش سمجھا جائیگا۔ مگر ڈاکٹر صاحب موصوف کے خیال میں یہ خاطر خواہ نہیں ہے۔ وہ امید ظاہر کرتے ہیں کہ اس سال میں زیادہ ترقی نظر آئیگی۔ یہ ہے چین کے ایک مشنری ہسپتال میں مسیحی خدمت کا فوٹو۔ اس کے ساتھ ہمارے ہندوستان کے میڈیکل مشنوں کا مقابلہ کرو۔ اس وقت خصوصاً کشمیر کے مشن ہسپتال کی ۱۹۲۱ء سالانہ رپورٹ کے الفاظ ہمارے کان میں گونج رہے ہیں کہ ہم مشن کے ہسپتالوں کو اس لئے استعمال نہیں کرتے کہ اس سے انجیل کے پیغام کے لئے رستہ کھل جائے۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا +

پریسبٹیرین کلیسیائے ہند

اس کلیسیا کے متعلق شمالی ہند کی سنڈ کے گزشتہ اجلاس کی مندرجہ ذیل رپورٹ پادری اے رلارام صاحب سے موصول ہوئی ہے:۔

شمالی ہند کی سنڈ کا اجلاس سہارنپور عبادتگاہ میں بتاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۲۲ء بروز بدھ بوقت ۸ بجے فراہم ہوا۔ سابق میر مجلس پادری پی۔ سی۔ اپل صاحب نے ایک مؤثر وعظ سنایا۔ اور بعد ازاں بذریعہ رفعات پادری اے ٹھاکرداس ناولکھا لاہور کلیسیا کے پاسبان سنڈ کے ماڈریٹر چنے گئے۔ آپ نے بڑی خوبی سے صدر نشین کا کام انجام دیا۔ کل پریسبٹیریوں سے ۳۳ ایلچی حاضر ہوئے۔ بہت سے ضروری اور مفید کام انجام پائے جن کا تفصیلاً ذکر کرنا بہت مشکل معلوم دیتا ہے۔ پر چند امورات کا مختصر ذکر

ہدیہ حاضرین کرتا ہوں ✦

(۱)۔ سہارنپور کے پادری بی۔ بی۔ رائے صاحب نے قومیت اور کلیسیا کے مضمون پر ایک نہایت ہی دلچسپ درس سنایا اور آپ کے درس کی بنیاد پر سنڈ نے کئی ایک ریزولیوشن منظور کئے جن میں سے بعض مفصلہ ذیل ہیں:۔

"خدا کے کلام کی ہدایت کے مطابق سنڈ کل کلیسیاؤں کو ترغیب دیتی ہے کہ وہ اپنے ہندو اور مسلمان بھائیوں کا خیال کر کے پولوس کی ذیل کی نصیحت کو مدنظر رکھیں "یہ بھلا ہے کہ نہ تو گوشت کھائے اور نہ مے پئے اور نہ کوئی ایسا کام کرے جس سے تیرے بھائی کو ٹھوکر لگے"۔

"ہم ان سب کاموں میں مسیح کے اصولوں کو مدنظر رکھکر مدد دیں جن میں ہمارے ہندو اور مسلمان بھائی لگے ہوئے ہیں۔ مثلاً کفایت شعاری۔ شراب کو بند کرنا۔ گرے ہوئے لوگوں کو اٹھانا"۔ ✦

"کلیسیا کو ترغیب دی جائے کہ وہ یورپین یا اینگلو انڈین لوگوں کو بلحاظ رنگ یا نسل اپنے سے بالا ذات تصور نہ کریں۔ وہ انسانیت کے اعتبار سے ہمارے برابر ہیں۔ ہم اپنے مسیحیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ریل کی نوکری یا کسی اور دنیاوی نفع کے لئے اپنے آپ کو اینگلو انڈین نہ کہیں۔ جیسا بعض دفعہ بعض آدمی کرتے ہیں۔ اور ہم کلیسیاؤں سے درخواست کرتے ہیں کہ جنہوں نے ایسا کیا ہے اُن کو قومیت میں لانے کی کوشش کریں۔ پر کلیسیا یہ بھی یاد رکھے کہ یوروپین اور اینگلو انڈین بھائی جنہوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا ہے وہ ہماری قومیت میں حصہ دار ہیں"۔

"ہر مسیحی پر فرض ہے کہ وہ اپنے غیر مسیحی رشتہ داروں سے اپنے خون کے رشتہ کو جہانتک ہو سکے قائم رکھے اور اُن سے ایسا برتاؤ کرے جس سے اُن پر ظاہر ہو کہ مسیح کو قبول کرنے سے کسی کا خاندانی یا ملکی رشتہ منقطع نہیں ہوتا"۔

"کلیسیا یاد رکھے کہ ہندوستان میں ایک روحانی وراثت موجود ہے کہ ہندو

اور محمدی مذہب میں ایسی اُمنگیں اور اُمیدیں موجود ہیں جن کو صرف مسیح پورا کر سکتا ہے ۔ کلیسیا اس طور پر مسیح کو پیش کرے کہ ہمارے ملک کے لوگ اس میں اپنی سیری اور آسودگی پائیں (۲) وہ کلیسیا نت سوچتی رہے کہ کن کن طریقوں سے وہ اپنی پاسبانی اور بشارتی اور تمدنی خدمت میں اور کلیسیائی عبادتوں میں ہندوستانی طریقوں کو مدنظر رکھ کر اس طور پر خدمت کر سکتی ہے جس سے ہر معنوں میں کلیسیا جلد اپنے پاؤں پر کھڑی ہو اور غیر ممالک کی منتوں کا سہارا چھوڑ دے +

(۲) پادری سکھ لال صاحب پاسبان کٹرہ کلیسیا الہ آباد نے اس مضمون پر درس سنایا "پاسبان کا تعلق جماعت اور فیسوں سے"۔ اس درس پر غور کرتے ہوئے سنڈ نے ذیل کی تجویزوں کو منظور کیا :-

(۱) ایک ایسی کتاب کو لکھوانے اور چھپوانے کا انتظام کیا جائے جس میں پاسبان نیز جماعت کے فرائض مندرج ہوں +

(۲) ہر ایک پریسبیٹری سنڈ کو صلاح دے کہ اگر ایک مرکزی خزانے کا انتظام کیا جائے جس سے پاسبانوں کو تنخواہ دی جائے تو کیا پریسبیٹریاں ایسے انتظام کو منظور کریں گی ؟ +

(۳) ایسا انتظام کیا جائے کہ ہماری کلیسیاؤں میں رضا کار پاسبان ہوں جو اپنی پرورش کے لئے کلیسیاؤں پر بوجھ نہ ہوں ۔ بلکہ کوئی اور کام کر کے اپنا گذارہ کریں اور کلیسیاؤں کی خدمت آزادی سے کریں +

(۳) پرہیزگاری کے متعلق ایک رپورٹ پیش ہوئی ۔ اور سنڈ نے ذیل کی رائے منظور کی :-

"ہم ہدایت دیتے ہیں کہ جو مسیحی شراب پیتے اور جوا کھیلتے ہیں وہ کلیسیا کی شراکت سے خارج کئے جائیں اور وہ خداوند کی میز کے آگے آنے نہ پائیں +

(۴) سنڈ نے بڑی خوشی سے سُنا کہ جنرل اسمبلی نے غیر ممالک میں بشارتی خدمت کا انتظام کیا ۔ سنڈ نے دعا کرنے کے بعد یہ منظور کیا کہ ہر کلیسیا اور پریسبیٹری سے درخواست کرے کہ وہ اس خدمت کے متعلق ذیل کے طریقوں کو کام میں لائے :- (بقیہ مضمون صفحہ ۱۰ پر)

ہماری ولایتی چٹھی

(ہماری درخواست پر ایک بزرگ مشنری صاحب جو مدت مدید تک اس ملک میں کام کرنے کے بعد اب انگلستان میں مقیم ہیں مسیحی کے لئے ایک ماہوار چٹھی ارسال فرمایا کرینگے۔ ہمیں یقین ہے کہ ناظرین اُن کی تحریر کو دلچسپی سے پڑھا کرینگے۔ ہم اس وقت ناظرین کی طرف سے پادری صاحب موصوف کا ان کی محنت کی خدمت کے لئے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جب ماہ دسمبر کی چٹھی موصول ہوئی تو رسالہ چھپنے کے لئے مطبع میں جا چکا تھا۔ اس لئے اُس کو اور دوسری چٹھی کو جنوری میں ملی ہے۔ اسی ماہ کے رسالے میں درج کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر)

لنڈن ۳۰ نومبر ۱۹۲۲ء

مسیحی کے ناظرین کو یہ خبر سن کر رنج ہوگا کہ پادری پی آئرلینڈ جونس صاحب جن کو بہت سے لوگ شخصی طور پر جانتے تھے اِس جہان فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ مسٹر آئرلنڈ جونس نے بہت سال تک ہندوستان میں کام کیا۔ آپ اول کلکتہ میں اور بعد ازاں لاہور میں سی۔ ایم۔ ایس کے سکرٹری کی حیثیت میں کام کرتے رہے۔ اور آخر کار آپ کراچی میں رہے جہاں سے وہ انگلستان کو تشریف لے گئے۔ آپ کی بڑی آرزو تھی کہ ہندوستان کو جس سے آپ کو بہت محبت تھی واپس جائیں۔ آپ اپنی وفات سے چند روز پیشتر تک تحریر اور تقریر کے ذریعے انگلستان میں ہندوستان کی بہبودی کے لئے خدمت کرتے رہے۔ اُن کے سب کام پر اور اُن تمام دوستوں کو جو ہندوستان میں رہتے ہیں خدا برکت دے۔

انگلستان میں ہندوستانی خیالات کی نسبت دلچسپی روبترقی ہے۔ دی مشرقی حکمتا کے سلسلۂ کتب میں لنڈن میں پچاس جلدیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سے نو جلدیں ہندوستان سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس سلسلہ کی بعض کتابیں چین اور جاپان کے علماء کی تصانیف ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد ہندوستان کے متعلق کتابیں خود ہندوستانیوں

ں تصنیف ہونگی۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ ہندوستان کے اپنے خیالات ہمارے سامنے ہوں۔ اس سلسلۂ کتب کا خاص مدعا یہ ہے کہ اعلےٰ ترین مشرقی علم ادب یعنے حکمت اور فلسفہ اور نظم اور تصورات کے ذریعے مشرق اور مغرب کو باہمی ہمدردی اور خیر خواہی اور فہمید کے رشتے میں منسلک کیا جائے۔ ہندوستانی مسیحیوں کو اس میدان میں قدم بڑھانے کا کیا عمدہ موقعہ ہے۔ ہندوستان کی مذہبی زندگی اور جستجو وغیرہ کے متعلق اور کئی ایک سلسلے کتابوں کے شائع ہو رہے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آجکل ہندوستان پر کس قدر توجہ دی جا رہی ہے ✦

کچھ عرصہ ہوا مجھے لنڈن میں ایک نہایت دلچسپ بات دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بعض انگریزی مسیحی نوجوان جو دن بھر اپنے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں شام کے وقت اپنے کام کے بعد اُردو سیکھا کرتے ہیں تاکہ وہ ان آدمیوں کی جو لنڈن کے بندرگاہ میں اُن سے ملتے ہیں مدد کریں۔ اُن کے دوست بنیں اور اُن کو مسیحی مذہب کی تعلیم دیکر اُن کو مسیح کے پاس لے آئیں۔ ان نوجوانوں کو اس محبت کی خدمت میں وقتاً فوقتاً امداد دینا کیسے فخر کی بات ہے ✦

یہ خبر آپ سن چکے ہونگے کہ پارلیمنٹ کے نئے ممبروں میں ایک پارسی منتخب کیا گیا ہے۔ یعنی مسٹر سکلت والا جو لیبر کا ممبر ہے ✦

آجکل انگلستان میں موسیقی ساز بجانے والے چینی نابینا لڑکوں کا ایک مجمع اِدھر اُدھر گشت کر رہا ہے۔ قریب ایک درجن چینی مسیحی لڑکے ملک میں دورہ کر کے ملک چین اور اُس کے باشندوں میں مشنری خدمت کی نسبت دلچسپی پیدا کر رہے ہیں۔ فن موسیقی میں اُن کی مہارت دیکھ اور سن کر کیسی حیرت پیدا ہوتی ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ اُن کو راگیں اور سازوں کو بجانا سیکھنے میں کیسی مشکل پیش آئی ہوگی ✦

کچھ عرصہ سے مشن کے علاقوں میں بائیبل کی تعلیم کی نسبت بہت چرچا ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ اس سے ہندوستانی مسیحیوں میں کلام اللہ کے مطالعہ کا بڑا بھاری

جوش پیدا ہو جائے گا۔ یہی مطالعہ سب سے افضل ہے۔ پاک اور زندہ کلیسیا کے لئے اس سے بڑھکر کوئی بات ضروری نہیں کہ اُس کے تمام ممبر بائیبل کا غور سے مطالعہ کرنے والے اور متعلم ہوں۔ ہمیں یقین ہے کہ بائیبل کا روزانہ مطالعہ اور خلوتی روزانہ دعا ہندوستان کی بڑھتی ہوئی کلیسیا کے نمایاں نشان ہونگے +

---

۴ جنوری ۱۹۲۳ء

انگلستان میں اس ماہ کی خاص مشنری خبر یہ ہے کہ ڈاکٹر بارڈسیلی صاحب کلیسیائے انگلستان کی قومی اسمبلی کی مشنری کونسل کے اول سکرٹری مقرر ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف ۱۹۱۰ء سے سی۔ ایم۔ ایس کے چیف سکرٹری رہے ہیں۔ اور اُن کی زیرکانہ اور سرگرم ہدایت کے ذریعے کئی قسم کی نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ سی۔ ایم۔ ایس کے جلسوں میں آپ کی غیر حاضری بہت محسوس کی جائیگی۔ مگر امید ہے۔ کہ آپ کی خدمت کا حلقہ وسیع ہو جانے سے آپ کے کام پر بڑی بھاری برکت نازل ہوگی۔ اور آپ کے ذریعے سے کلیسیائے انگلستان بحیثیت مجموعی تمام دنیا میں انجیل پھیلانے میں زیادہ حصہ لیگی۔ زمانہ حال کا میلان بہت کچھ اس طرف ہے کہ تمام مسیحی کلیسیا سرگرمی سے مشنری خدمت میں مشغول ہو جائے اور نہ محض مختلف سوسائیٹیوں کے ذریعے کام کرے اور یہ میلان صحیح رُخ پر ہے ہمیں امید ہے کہ ہندوستان کی نوخیز کلیسیا شروع ہی سے اس بات کو محسوس کریگی اور ہندوستان میں انجیل پھیلانے کے کام کو ہمیشہ اپنا مقدم فرض سمجھے گی قوی امید ہے کہ وہ کثیر التعداد ہندوؤں کو جن میں ابتک نہایت جزوی طور پر انجیل کا پیغام پہنچا ہے مسیح کے پاس لے آنے کے لئے آگے قدم بڑھائے گی۔ ہندوستان میں اس وقت قریب اکیس کروڑ ستر لاکھ ہندو ہیں۔ اور اس تعداد پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسیحیوں کے لئے کتنا بھاری کام اور سرگرمی سے آگے بڑھنے کے لئے کیسی ہمت افزا بلاہٹ ہے +

دہلی کے کیپن آلنٹ صاحب کی سوانح عمری حال ہی میں شائع ہوئی ہے ۔ یہ کتاب خصوصاً پنجابی مسیحیوں کے لئے دلچسپ ہوگی۔ اگر ہندوستانی کلیسیا اس کو غور سے مطالعہ کرے تو نہایت عمدہ بات ہوگی ۔ اور خدا کرے کہ جو دلچسپی اس کے پڑھنے سے پیدا ہوگی اُس سے نوجوانوں کے دل میں ہندوستان کی روحانی بہتری کے لئے جوش پیدا ہو اور وہ اُسی رُوح اور ثابت قدمی سے کام کریں جس سے کیپن آلنٹ نے اپنی زندگی بھر خدمت انجام دی ۔

مغربی لوگوں میں دیگر اقوام کی بہبودی کی نسبت زیادہ دلچسپی پیدا ہو رہی ہے ۔ آکسفورڈ پریس نے حال میں ایک کتاب "مغربی اقوام اور دنیا" شائع کی ہے ۔ اس کا مرکزی مقولہ یہ ہے کہ "آپس میں ایک دوسرے کے اعضا" یہ ایک الٰہی اصول ہے جسے سب قوموں کو کبھی نہ کبھی ماننا پڑیگا ۔ ایک باب ہندوستان کے متعلق ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس علیحدگی کی حالت میں ہندوستان برسوں سے چلا آیا ہے اب اُس کا خاتمہ ہو چکا ہے ۔ اور اب وہ بنی آدم کی رو میں شامل ہو گیا ہے ۔ دیگر اقوام کے ساتھ ملکر اُسے کچھ دینا اور کچھ حاصل کرنا پڑیگا وہ اپنی پُرانی علیحدگی کی حالت میں کبھی واپس نہیں جا سکتا ۔ یہ سب سے بڑھ کر ہندوستانی مسیحیوں کا فرض ہوگا کہ دیگر اقوام اور نوع انسان کے ساتھ لگاؤ کو پورے طور پر حقیقی برکت دینے اور لینے میں استعمال کیا جائے ۔ یہاں مغرب میں عوام جہانتک ممکن ہو ہندوستان کی تمام خوبیوں کا علم حاصل کرنے کے مشتاق ہیں ۔ اُن کتابوں کی تعداد جو مشرق کی نسبت لنڈن سے شائع ہوتی ہیں اور جنکی بابت میں نے اپنی ماہ گزشتہ کی چٹھی میں لکھا تھا نہایت حیرت افزا ہے ۔ دوسری طرف ہمیں یہ بھی امید ہے کہ ہندوستان مغرب کے ساتھ ملنے سے جو کچھ مغرب میں بہترین ہے اُسے حاصل کریگا تاکہ آخرکار ساری دنیا ایک قوم اور خدا کی ایک امت بن جائے ۔

ہر روز بہت سے لوگ لنڈن میں اُن تصویروں کو دیکھنے جاتے ہیں جو حال

ہی ہیں کہ وہ آیورسٹ کا حال دریافت کرنے والے سیاح اس ملک میں لے آئے ہیں۔ یہ تصاویر نہایت عجیب ہیں اور ان سیاحوں کا مصمم ارادہ اور ہمت ایک نہ ایک دن دنیا کے سب سے اونچے پہاڑ پر چڑھنے میں یقیناً کامیاب ہوگی ہم سب کے لئے جو انگلستان یا ہندوستان میں رہتے ہیں ایک تمثیل ہے۔ یعنے ؎

مشکلے نیست کہ آسان نشود　　مرد باید کہ ہراساں نشود

خدا کرے کہ یہ نیا سال جو ابھی شروع ہوا ہے ہندوستانی کلیسیا کے لئے برکت کا سال ہو۔ اس کی ذمہ واریاں ایسی بھاری ہیں کہ پیشتر کبھی نہ تھیں۔ مگر نئی خدمت کے ساتھ نیا فضل بھی مل جائیگا۔ دیگر اقوام اور کلیسیائیں محبت بھری دلچسپی سے دیکھتی رہیں گی کہ ہندوستانی مسیحی اس خدمت کو کیونکر انجام دیتے ہیں

(بقیہ مضمون صفحہ) (۱) اس کام کیلئے دعا مانگی جائے (۲) پاسبان جماعت کے لوگوں کی شخصی ملاقات اور پلپٹوں سے اس کام کے لئے اُبھاریں۔ (۳) کلیسیائیں کوشش کریں کہ جوان اس کام کیلئے اُبھارے جائیں (۴) کلیسیائیں پریسبٹریوں کے ذریعے اسمبلی کی کمیٹی کو خبر دیں کہ وہ اس کام کیلئے چندہ دینے میں کہانتک مدد دے سکتی ہیں +

(۵) سنڈ نے ایک بورڈ آف پبلیکیشن قائم کیا۔ پادری بی ہبی رائے صاحب کو ایڈیٹر اور پادری سکھ لال صاحب کو منیجر منتخب کیا (۶) پادری انڈریو ٹھاکرداس صاحب نے کلیسیائی اتحاد پر ایک درس دیا اور سنڈ نے ذیل کی تجویز کو منظور کیا "ہماری مقامی کلیسیائیں کوشش کریں کہ ہر ماہ کم از کم ایک متحدہ عبادت ہوا کرے" "شمالی ہند کی کل مشنریوں کے بورڈوں کے پاس ایک ایک ایلچی بھیجا جائے کہ وہ ان سے یہ درخواست کرے کہ سب مشنریاں اپنے اپنے نمایندے بھیجکر ایک جلسہ کریں جسمیں متحدہ مشنریاں قائم کرنیکی کوشش کیجائے" "ہماری سنڈ کیطرف سے یونائیٹڈ پریسبٹیرین چرچ کی سنڈ میں اور میتھوڈسٹ کلیسیا کی نارتھ انڈیا کانفرنس میں ایلچی بھیجے جاویں جو ان کلیسیاؤں کو اتحادی کلیسیا میں شامل ہونے کی دعوت دیں۔ پادری ٹھاکرداس صاحب اور پادری اے رلارام صاحب ایلچی مقرر ہوئے"

(۷) "کلیسیا کو آج کل کس قسم کے منادوں کی ضرورت ہے؟" اس مضمون پر پادری اے رلارام نے درس سنایا۔

(۸) سنڈ نے پریسبٹریوں کو ہدایت دی کہ وہ کسی شخص کو عہدہ خادم الدین کے لئے تقرر نہ دیں تاوقتیکہ وہ مڈل پاس یا مڈل کے برابر لیاقت نہ رکھتا ہو۔ سہارنپور کے مہمان نوازوں اور خصوصاً مسنز لی بی رائے صاحبہ کا شکریہ سنڈ نے کھڑے ہو کر ادا کیا +

۲۹ دسمبر رات ½ ۸ بجے سنڈ کا جلسہ دعا اور عبادت کے بعد برخاست ہوا اور اعلان ہوا کہ سنڈ کا اگلا اجلاس ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۴ء میں شہر ڈیرہ دون میں فراہم ہو +

ہندوستانی مسیحیوں کی آل انڈیا کانفرنس کا نواں اجلاس

یہ سالانہ اجلاس ماہ گزشتہ کے آخری ہفتے میں بمقام لکھنؤ منعقد ہوا۔ جلسے روزانہ لکھنؤ کرسچن کالج کے ہال میں فراہم ہوتے رہے۔ اسی کالج کی عمارات میں بیرونجات کے ڈیلیگیٹوں کے رہنے اور کھانے پینے کا انتظام کیا گیا۔ فراخ پرفضا مکانات اور عزلت کے لحاظ سے یہ موقع نہایت موزوں تھا۔ جلسوں کی اوسط حاضری قریب ایک سو کے تھی۔ جن میں قدرتی طور پر زیادہ تعداد یوپی کے شرکا کی تھی پنجابیوں کی تعداد دوسرے درجہ پر تھی۔ ان میں ہم کانفرنس کے صدر انجمن ڈاکٹر ایس کے دتا صاحب کو شامل کرتے ہیں جن کے آبا و اجداد کا اصلی وطن خواہ بنگال ہو مگر پنجاب ہی کو ان کی پیدائش اور پرورش کا فخر حاصل ہے۔ افسوس ہے کہ صوبہ مدراس سے اس سال بھی کوئی ڈیلیگیٹ تشریف فرما نہ ہوا۔

ریل کے اسٹیشن پر رضا کاران سُرخ فیتوں سے مزین ہو کر ڈیلیگیٹوں کے استقبال کے لئے موجود تھے اور ہر قسم کی امداد دیتے تھے۔ پہلے روز یعنی ۲۷ تاریخ کی شام کو لال باغ کالج کے احاطے میں ایک استقبالیہ جلسہ کیا گیا جس میں دور دور کے مسیحیوں کو اپنے یوپی کے برادران کے ساتھ میل ملاقات کا موقعہ ملا۔ چار بجے کے قریب کانفرنس کے صدر انجمن کلکتہ سے تشریف لے آئے اور "جے۔ جے" کے نعروں سے اُن کا خیر مقدم کیا گیا۔ جن اصحاب نے سال گزشتہ میں صدر انجمن پروفیسر مکرجی صاحب کا خیر مقدم پنجاب میں دیکھا تھا وہ اس سال کے استقبال کو کسی قدر پھیکا سمجھتے تھے۔ آنریبل مسٹر چنتامنی وزیر تعلیم بھی اس جلسہ میں رونق افروز تھے۔ حاضرین کی چائے پانی سے تواضع کی گئی اور کالج کی لڑکیوں نے سب کو اپنے انگریزی گیتوں سے محظوظ کیا۔ لباس کے لحاظ سے اس مجمع نے ثابت

کر دیا کہ یو پی کے آدمیوں میں انگریزیت ابتک زوروں پر ہے۔ اس معاملے میں پنجاب بہت آگے بڑھا ہوا ہے۔ البتہ خواتین کی ساڑیاں نہایت خوشنما تھیں معاشرتی پہلو سے یہ ایک نہایت مفید اور قابل تحسین لباس ہے۔ قریب دو گھنٹوں تک خوب چہل پہل رہی۔ بعد ازاں کالج ہال میں کانفرنس کی ابتدائی کارروائی شروع ہوئی۔ استقبالیہ کمیٹی کے صدر انجمن پادری جے آر چیتمبر صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر میں ڈیلی گیٹوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے شہر لکھنؤ کی اعلیٰ منزلت اور پایہ کا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہندوستانی مسیحیوں کو ہندوستان کی سیاسی بیداری میں نمایاں حصہ لینا چاہئے۔ اور مسیحی جماعت کے شرکاء کو نصیحت کی کہ نان کو آپریشن طریق پر نہیں بلکہ ضابطہ کی حدود کے اندر کام کریں۔ اس کے بعد ڈاکٹر دتا صاحب باقاعدہ طور پر کانفرنس کے صدر انجمن منتخب ہوئے۔ آن کے صدارتی خطبے کے ایک ایک لفظ سے آپ کے خیالات کی بلند پروازی اور آزاد طبعی کا ثبوت ملتا تھا۔ اس تقریر کے بعض الفاظ جو آپ نے مہاتما گاندھی کی نسبت استعمال کئے ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندوں نے فوراً بذریعہ تار ہندوستان کے گلی کوچوں میں مشتہر کر دیئے (اس تقریر میں سے چند اقتباس کسی دوسرے موقع پر درج کئے گئے ہیں)، ان ہر دو اصحاب نے اپنی تقریروں میں فرقہ وار نیابت کے اصول کو مطعون ٹھیرایا۔ آنریبل مسٹر چیتامنی نے بھی جو اس جلسے میں بطور وزیٹر کے تشریف فرما تھے اپنی تقریر میں اس قسم کی نیابت کو کم تعداد فرقوں کے حق میں نہایت نقصان دہ قرار دیا۔ اس سے دیگر فرقوں کے ساتھ نفاق بڑھ جاتا ہے۔ آپ نے بھی نصیحت کی کہ قانونی حدود کے اندر رہ کر حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کرنی چاہئے +

اس جلسے میں گو رومی کلیسیا کا ایک بھی ممبر موجود نہ تھا تو بھی کسی گزشتہ معاہدے کی پابندی کے لحاظ سے جلسہ بلا دعا کے ساتھ شروع نہ کیا گیا۔ دو منٹ کے لئے خاموش دعا ہی کافی سمجھی گئی۔ آئندہ روزمرہ صبح کی عبادت کا سلسلہ جو سال گزشتہ میں بند ہو گیا تھا پھر شروع کیا گیا۔ اس زمانے میں ہر قسم کے حقوق کسی

رتبے کی تعداد کی تناسب کے مطابق حاصل ہوتے ہیں۔ اسی لحاظ سے رومی کلیسیا کے شرکا کو جن کی تعداد ہندوستان خصوصاً علاقہ مدراس میں اور سب مسیحی فرقوں سے بڑھکر ہے۔ سیاسی اور معاشرتی معاملات میں ساتھ ملانے کی کوشش کی گئی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اب پھر تجویز ہو رہی ہے کہ آل انڈیا کیتھولک ایسوسی ایشن سے دریافت کیا جائے کہ وہ باقی مسیحیوں کے ساتھ مل جل کر کام کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ اس کانفرنس میں شامل ہونا نہیں چاہتے تو اس کا یہی تدارک ہے کہ آل انڈیا کرسچن کانفرنس کے بعد ''پروٹسٹنٹ فریق'' ایزاد کیا جائے اور سیاسی امور میں کیتھولک ایسوسی ایشن کے ساتھ بذریعہ خط وکتابت فیصلہ کر لیا جایا کرے +

کانفرنس کے جلسوں میں علاوہ ڈیلی گیٹوں کے دیگر حاضرین کی تعداد بھی معقول تھی جس میں چند امریکن مشنری لیڈیاں بھی شامل تھیں میتھوڈسٹ مشن کے بشپ وارن صاحب بھی قریب تمام جلسوں میں بطور وزیٹر کے تشریف لاتے رہے۔ کانفرنس کی نسبت اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تمام ہندوستان کے مسیحیوں کی نمایندہ انجمن نہیں ہے۔ کیونکہ جب رومن کیتھولک کلیسیا کے شرکار جن کی تعداد اور سب فرقوں کے مسیحیوں سے زیادہ ہے اور سیرین کلیسیا کے ممبر اور دیہاتی مسیحیوں کے نمایندے اس میں حصہ نہیں لیتے اور نہ کوئی ڈیلی گیٹ صوبہ مدراس سے شامل ہوا ہے تو یہ کانفرنس ''آل انڈیا'' کے نام سے کیونکر کہلا سکتی ہے۔ اور اس کی آواز ہندوستانی مسیحیوں کی مجموعی آواز کیسے ہو سکتی ہے؟ اس اعتراض میں بہت کچھ راستی ہے۔ مگر کسی قوم کا خواندہ طبقہ اپنی دیہاتی بے زبان جماعت کی نمایندگی با سانی کر سکتا ہے۔ باقی رہا دیگر فرقوں کی شمولیت کا سوال۔ اس کا حل شاید اُسی طریق سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر کیا گیا۔ اگر وہ فرقے نہ مانیں تو ان کی مرضی +

ڈاکٹر دتا صاحب کے زیر صدارت کانفرنس کی تمام کارروائی نہایت

باضابطہ اور خوش ترتیبی سے ہوئی جو جو اوصاف ایک قابل ہندوستانی مسیحی لیڈر میں ہونے چاہئے وہ سب آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ ہماری مسیحی جماعت اپنے مسیحی اصولوں کو لیکر غیر مسیحیوں کے پہلو بہ پہلو سیاسی میدان میں قدم بڑھائے اور ملکی اصلاحوں میں نمایاں حصہ لے۔ تقریریں انگریزی زبان میں ہوتی رہیں اور چونکہ کوئی ناخواندہ یا دیہاتی ڈیلیگیٹ موجود نہ تھے۔ اس لئے ہندوستانی زبان میں مضمون ادا کرنے کی ضرورت لاحق نہ ہوئی جیسی کہ گذرے سال پنجاب میں ہوئی تھی۔ نہایت نازک اور پیچیدہ سیاسی امور پر بحث کرتے ہوئے کسی ممبر نے تیزی نہ دکھائی اور نہ کوئی بد اطواری یا بدمزگی پیدا ہوئی۔ خصوصاً یوپی کے ممبروں کی موزونی طبع اور سنجیدگی قابل تعریف تھی۔ اور باوجود اس کے کہ اُن کی کثرت رائے سے عموماً سب معاملات کا فیصلہ ہوتا تھا اُنہوں نے کسی تجویز کی بیجا مخالفت نہ کی۔ اس ضمن میں ہم افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس سال کانفرنس کو بنارس کے رائے بہادر مسٹر اے سی مکرجی کے بیش قیمت اور وزنی صلاح مشورہ سے محروم رہنا پڑا۔ مسٹر مکرجی بنارس میونسپل کمیٹی کی کسی اُلجھن میں پھنس کر اس موقعہ پر تشریف نہ لا سکے۔ اسی وجہ سے کانفرنس نے اُن کی مشکلات میں اُن کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور اُن پر اعتماد کلی کی ایک روئیداد منظور کی۔ ہر ایک شخص نے اُن کی عدم موجودگی کو محسوس کیا۔ اس کے مقابلے میں یوپی انڈین کرسچن اسوسی ایشن کے سال گزشتہ کے صدر انجمن کو اُن کی غیر حاضری میں کسی نے یاد تک نہ کیا ◆

اجلاس میں بہت سی قراردادیں منظور ہوئیں بعض تجاویز کی ترمیم در ترمیم اور بحث پر بہت سا وقت صرف ہوا قدرتی طور پر اُن امور پر زیادہ توجہ دی گئی جن کا چرچا ہندوستان کی مختلف انجمنوں کے زیر غور تھا۔ سوائے دو ایک تقریر کنندوں کے عموماً سب نے مہاتما گاندھی کی پاکیزہ زندگی اور بعض مسیحی اصولوں کی پابندی کی تعریف کی۔ مگر کانفرنس نے فقط باتوں ہی میں سارا وقت صرف نہیں کیا۔ کسی شخص یا جماعت کی ہمدردی اور دلچسپی کا عملی ثبوت یہ ہے کہ وہ کہاں تک خود انکاری کرنے کو تیار رہے

یا دوسرے الفاظ میں وہ کس قدر روپیہ دینے پر راضی ہے۔ اس عملی معیار سے بھی اس سال کا اجلاس بہت کچھ پورا اترتا ہے۔ جب اس قرضے کا ذکر کیا گیا جو اخبار بصارت سیوک کے خسارے کے سبب سے کانفرنس کے ذمے ہے تو ہاتھوں ہاتھ آٹھ سو روپے کے قریب جمع ہو گیا جو صرف عورت سے قریب دو سو روپیہ کے زیادہ تھا پھر اسی روز شام کے وقت ان دو لڑکیوں کی امداد کے لئے جو کانفرنس کی مدد سے ولایت میں تعلیم پانے کے لئے بھیجی گئی ہیں ایک ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ جس میں سے پانسو روپے کی رقم مسٹر منڈل سیشن جج شاہجہانپور نے اپنی گرہ سے دی۔ کانفرنس کا ایک ہی دن میں اس قدر روپیہ جمع کر لینا ایک ہمت افزا نشان ہے +

۲۹ تاریخ کی شام کو ایک عام ضیافت دی گئی۔ یہ اختتامی دعوتِ عام کانفرنس کی سالانہ کارروائی کا ایک مستقل جزو بن گئی ہے اس کے اخراجات کی ذمہ واری میں پھر اس سال مسٹر منڈل نے ہاتھ بٹایا۔ فی الحقیقت مسٹر اور مسز منڈل کا دم ہماری مسیحی جماعت کے لئے غنیمت ہے۔ ضیافت کے دوران میں راگ و رنگ اور لطیفہ بازی ہوتی رہی۔ اور اس کے اختتام پر بشپ وارن صاحب نے ایک تقریر میں بیان کیا کہ کانفرنس کی کس کس بات نے آپ کے دل پر اثر کیا۔ آپ نے اجلاس کی کارروائی کی نہایت تعریف کی اور ان اعلےٰ امیدوں کا جو ہندوستانی مسیحی جماعت کے ساتھ وابستہ ہیں نہایت ہمدردانہ اور بزرگانہ الفاظ میں اظہار کیا۔ پھر مس ہیاداس صاحبہ نے اُن دو لڑکیوں کی امداد کے لئے اپیل کی جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ چونکہ کانفرنس کی کارروائی ابتک ختم نہ ہوئی تھی ۳۰ تاریخ کو بھی ایک جلسے کی ضرورت پڑی جس کے بعد اکثر ڈیلیگیٹ اپنے اپنے گھر کو رخصت ہوئے +

ہم اس مختصر بیان کو یو۔ پی کی انڈین کرسچن ایسوسی ایشن کے قابل تعریف انتظام کے لئے مبارکباد دیئے بغیر ختم نہیں کر سکتے۔ اگر قیصر کا حق قیصر کو دینا ضرور ہے تو ہم کہیں گے کہ اگر مسٹر چیتمبر منتظم کمیٹی کے چیرمین تھے تو مسز چیتمبر سارے انتظام کی روح رواں تھیں۔ رضاکاروں نے بھی اپنے فرائض عمدگی سے ادا کئے۔ یہ فیصلہ نہیں ہوا

کہ آیندہ کانفرس کا اجلاس کس جگہ منعقد ہوگا۔ دراصل مدراس اسوسی ایشن کا فرض تھا کہ وہ اُس کو اپنے صوبے میں مدعو کرے مگر چونکہ مدراس سے کوئی قائمقام ڈیلی گیٹ نہیں تھا اس لئے یہ معاملہ ملتوی کر دیا گیا۔ کانفرنس کی کارکن کمیٹی بذریعہ خط و کتابت اس کا فیصلہ کریگی +

صدر انجمن آل انڈیا کرسچن کانفرنس کی صدارتی تقریر میں سے چند اقتباس

صدر انجمن ڈاکٹر ایس کے دتا صاحب نے دوران تقریر میں فرمایا کہ :-

مجھے اس موقعہ پر حاضر ہونے سے خاص طور پر فرحت حاصل ہوئی ہے۔ گزشتہ سالوں میں میرے اور ہندوستانی مسیحی جماعت کے خیالات میں اختلاف رہا ہے ایسے امور کی نسبت جن کو اُس جماعت کے اکثر شرکا اپنی ہستی کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ اس لئے میرا کرسئے صدارت کے لئے منتخب کیا جانا کچھ معنی رکھتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جماعت میں بردباری اور بے تعصبی پیدا ہو گئی ہے اور کہ وہ ایک ایسے آدمی کو اپنا صدر انجمن چن لینے پر راضی ہیں جو ان کی ہر ایک رائے میں اُن کے ساتھ متفق نہیں ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ سالوں کے واقعات نے اس جماعت کے نوجوان شرکا کے دل میں نئے نئے جوش اور خیالات پیدا کر دیئے ہیں جنکو وہ مسیحی قومیت کے الفاظ میں ادا کرنا چاہتے ہیں +

انڈین کرسچن ایسوسی ایشن اور اس کی خدمات کی نسبت میرا حافظہ مجھے اس زمانہ ماضی تک لے جاتا ہے جب ہماری جماعت جوبلی یا تاج پوشی یا کسی اور خاص موقعہ پر جوش میں آکر عارضی منفقہ کوشش کیا کرتی تھی اور ہمارے لیڈر محسوس کرتے تھے کہ ہمیں بھی اوروں کے ساتھ مل کر اس جشن سعید پر شاہ معظم کو مبارکباد

دینا ضروری ہے۔ مگر کوئی جماعت فقط اسی قسم کی کوششوں کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتی۔ خواہ وہ کوشش کیسی ہی قابلِ تحسین کیوں نہ ہوں۔ ہمیں کسی ایسے دستور العمل کی ضرورت ہے جو روزمرہ کارآمد ہو۔ ہماری اسوسی ایشنوں نے کسی حد تک تعلیم کے سوال میں بھی دلچسپی دکھائی۔ مثلاً ہندوستان کے مختلف مقامات میں طلباء کے لئے وظائف مقرر کئے گئے ہیں۔ مگر اب جنگ کے بعد ان دلچسپیوں کا حلقہ وسیع ہوگیا ہے۔ اور اس کی دو وجوہات ہیں۔ اول ملکی نظم و نسق کے متعلق اصلاحی سکیم کے جاری ہونے سے مسیحی جماعت کے سامنے یہ سوال پیش ہوگیا ہے کہ نئی قانونی مجالس میں ہمیں کونسی جگہ ملیگی۔ دوسرے نوخیز پشت رفتہ رفتہ زور پکڑ رہی ہے۔ کالجوں میں قومی تاثرات نے اُن کی زندگی پر اثر کیا ہے اور جنگ نے اُن کی خدمات کا مطالبہ کیا۔ بعض تو برطانیہ کی فوج میں بھرتی ہوکر بیرونجات کو چلے گئے۔ اور اَور وائی ایم سی۔ اے میں شامل ہوکر دور و دراز ملکوں کو نکل گئے۔ اِن تجربوں نے قدرتی طور پر نوجوانوں کے خیالات کو وسیع کردیا ہے +

سالِ گزشتہ حیرت افزا اختلافات کا زمانہ تھا۔ سنہ ۱۹۲۲ء کے ابتدائی حصے میں عوام میں جوش پھیلا ہوا تھا۔ جس کا بڑا بھاری اثر ہمارے کالجوں اور سکولوں کے طلباء پر پڑا۔ سال کا دوسرا حصہ بظاہر تھا بلکہ امن و امان عرصہ تھا۔ غالباً ان قومی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے جو مسٹر گاندھی اور اُس کے مقلدوں نے پیش کردیئے ہیں ملک اپنی طاقتوں کا جائزہ لیکر پھر آگے بڑھنے کے لئے تیار ہورہا ہے ...... ہماری قوم کے مسٹر گاندھی کے لئے مسٹر گاندھی کی شخصیت اور نمونہ نہایت پُر معنی ہے۔ اس دعویٰ میں کچھ بھی مبالغہ نہیں۔ گو سب اس کو نہ مانیں کہ مسٹر گاندھی ہمارے زمانہ کا سب سے بڑا ہندوستانی مسیحی ہے۔ جس مرکزی مسئلے کی طرف اُس نے توجہ دلائی ہے اور جسے اُس نے مضبوطی سے پکڑ کر اپنے پروگرام میں وسطی جگہ دی ہے

یعنی عدم تشدد کا مسئلہ مسیحی مذہب کا ایک بنیادی اصول ہے۔ کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اس اصول کا بڑا بھاری اثر ملک پر ہوا ہے۔ گورنمنٹ ہند نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اس عدم تشدد کے اصول نے ۱۹۲۱ء میں بنگال کے جوانوں میں بدعملی کا قلع قمع کر دیا۔ چند روز کا عرصہ گزرا کہ مجھے ایک معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ سلطنت کے پرانے دشمن پھر شبہ میں پڑ گئے ہیں کہ کیا اسی مسیحی اصول سے ہندوستان کو آزادی حاصل ہوگی۔ میرے خیال میں بحیثیت ایک قوم کے ہمارا فرض ہے۔ خواہ ہمارے سیاسی خیالات کچھ ہی ہوں کہ مسٹر گاندھی کو حتی الامکان جس قدر جلد ہو سکے رہائی دلانے کے لئے خاص طور پر کوشش کریں۔

قومی تحریک کا ہر طرف سے ہمارے ساتھ تعلق ہے۔ ہماری جماعت کے ممبر قانونی مجالس میں ہیں۔ بعض سلطنت کے بڑے بڑے ذمہ واری کے عہدوں پر ممتاز ہیں۔ ہمارے نوجوان مرد اور مستورات سکولوں اور کالجوں میں انہی طاقتوں سے متاثر ہو رہے ہیں جن کا اثر دیگر اقوام پر ہے۔ قومی تحریک عوام میں پھیل رہی ہے۔ اور اگرچہ دیہاتی مسیحی جماعتوں میں جو ہماری قوم کا بڑا حصہ ہیں تبدیلی کے نشانات ظاہر نہیں ہوئے۔ مگر انہیں بھی اپنے ملکی بھائیوں کی طرح معاشرتی اور سوشل مظالم کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ اور آخر ایک دن وہ بھی اُن تحریکوں میں جا ملیں گے جو آج کے دن دیہات پر بڑا بھاری اثر کر رہی ہیں۔ بعض ہندوستانی مسیحی اپنی سیاسی سرگرمی کی وجہ سے قید ہو چکے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہم اُن تاثرات سے بچ نہیں سکتے جن کو گزری پشت کے مسیحی مضر سمجھتے تھے۔ اسی قسم کے حالات میں ہمیں جو ملک کے تمام صوبجات کی انڈین کرسچن اسوسی ایشنوں کے نمائندے ہیں اس بڑے مجمع میں اپنی رائے کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ ہمارے درمیان بعض لوگوں کی رائے ہے کہ ہماری اسوسی ایشنوں کو سیاسی انجمن نہیں بننا چاہئے۔ اُن کے خیال میں ہماری اسوسی ایشن کا اصلی مدعا یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی قوم کی بہبودی مدنظر رکھے اور اُس کے اُن حقوق کی محافظ رہے جو عنان نظام اور قوموں کے

ہاتھ میں منتقل ہو جانے سے معرض خطر میں پڑ جائینگے۔ گزشتہ چند سال میں ہماری اسوسی ایشن کے غیر سیاسی جماعت بن جانے پر سخت اعتراض کئے گئے ہیں۔ مثلاً کلکتہ کی کانفرنس میں یہ قرارداد پیش کی گئی تھی کہ ہندوستانی مسیحی جماعت کو کانگرس میں شامل ہونا چاہئے۔ گو یہ تجویز منظور نہ ہوئی۔ مگر کانفرنس میں اس کی بڑی بھاری حمایت کی گئی +

میری رائے میں ان دونوں قسم کے خیالات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بشرطیکہ الفاظ کا صحیح مطلب سمجھ لیا جائے۔ مثلاً اول ہماری اسوسی ایشن کی بنیاد رکھنے والوں نے اُس کو غیر سیاسی قرار دینے میں دانائی کی کیونکہ کسی قوم کے نظم ونسق کو کسی خاص سیاسی دستور العمل پر قائم نہیں کر سکتے۔ مگر انہوں نے غلطی بھی کی کیونکہ غیر سیاسی قرار دینے سے ہم عام معاملات میں دست اندازی نہیں کر سکتے خواہ وہ مسیحی رستے سے منحرف ہو گئے ہوں یا مسیحی روح کے خلاف ہوں۔ بحیثیت مسیحی قوم کے ہم کبھی بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ اگر ہمیں معلوم ہو کہ ہمارے اعلےٰ تصورات کا خون کیا جا رہا ہے تو ہمیں دلیری کے ساتھ بولنا اور کام کرنا چاہئے۔ ہم ان فرائض سے بھی سبکدوش نہیں ہو سکتے جو ہندوستان کی نسبت ہیں۔ ہم ہندوستان کا انگ ہیں جو بات اس کی بہتری کی ہے وہ ہماری بہتری کی بھی ہے۔ اس لئے اگر غیر سیاسی ہونے سے ہمارا مطلب یہ ہو کہ ہم ہندوستانی قومیت کو متحد کرنے والی بڑی طاقتوں سے علیحدہ ہو جائیں یا جب کوئی ہماری اخلاقی اصول پامال ہو رہا ہے تو زبان نہ ہلائیں تو ہم مسیحی کہلانے کے لائق نہیں۔ دوسری طرف میرا اعتقاد ہے کہ ہم اپنی جماعت کے شرکاء کو کوئی خاص سیاسی عقیدہ ماننے پر مجبور نہیں کر سکتے......

بعض امور ہیں جن پر ہماری ضروری توجہ درکار ہے +

اول جیلخانوں کے انتظام میں اصلاح کا سوال۔ یہ تو مدت سے محسوس ہو رہا تھا کہ جیلخانوں کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے۔ مگر سال گزشتہ میں خاص طور پر ایسے حالات منکشف ہو گئے ہیں جن سے اس خیال کو تقویت مل گئی ہے۔ ہزاروں نوجوان سیاسی

الزامات کی وجہ سے قید خانے میں ہیں۔ اور اُن کے تعلیم یافتہ والدین کے جذبات کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ مغربی ممالک کے نمونے پر سیاسی قیدیوں کے لئے خاص رعایتیں طلب کی جا رہی ہیں۔ مگر اس قسم کی اصلاح ہرگز کافی نہیں ہو سکتی۔ اُن ہزارہا قیدیوں کا کیا حال ہوگا جو معمولی طور ہمارے جیلخانوں میں ہیں؟ ......

دویم۔ بمبئی میں گری ہوئی عورتوں کے متعلق سوال اُٹھایا گیا ہے۔ اگر اس بدی کو روکا نہ جائے تو مغرب کے ممالک کی طرح جن میں بڑے بڑے کارخانے ہیں یہ ملک بھی ناپاک ہو جائیگا۔ ہندوستان میں دن بدن حرفت اور دستکاری کے کارخانے کھل رہے ہیں...... اس کے یہ معنے ہیں کہ جوں جوں کارخانے ترقی کرینگے فن زراعت رفتہ رفتہ مفقود ہوتا جائیگا۔ اور جن شہروں میں تجارت بڑھتی جاتی ہے اُن میں مزدوروں کی تعداد بھی بڑھ جائیگی۔ یہی وہ مقامات ہیں کہ جن میں قومی اخلاق گر جاتے ہیں..... اس کی اصلاح بھی ہماری توجہ کے لائق ہے

اسی سلسلے میں ہم پرہیزگاری غیر ممالک کو مہاجرت منشرہ محنت مزدوری وغیرہ کے سوالات کا ذکر بھی کر سکتے ہیں۔ ان پر دوسری قوموں کی توجہ بھی ہو رہی ہے۔ مگر بعض ایسی باتیں ہیں جن پر عوام نے دلچسپی نہیں دکھائی۔ اب ہم ان پر غور کرینگے۔

بعض اور باتیں بھی ہیں جو بحیثیت مسیحی ہونے کے ہماری جماعت کے قابل توجہ ہیں...

... ہم اُن سب باتوں میں جو ہندوستان کے لئے فائدہ مند ہیں اپنے ہموطنوں کے ساتھ متفق ہیں۔ ۱۹۲۲ء کے شروع میں مہاتما گاندھی نے بردولی میں بعض قطعی معاملات پیش کئے جن پر اُس کے ہموطنوں کو عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم بھی اُن پر غور کر کے فیصلہ کریں کہ ہم کہانتک اُن کی تکمیل میں حصہ لے سکتے ہیں؟ میں فقط دو ایک باتوں کا ذکر کرونگا...... ذرا **اتحاد** کے سوال پر غور کرو۔ مہاتما گاندھی پہلا لیڈر ہے جس نے مسیحیوں کو ہندوستان کے اتحاد میں شامل کیا ہے۔ اُس کی اپیل جو اُس نے ہندوؤں مسلمانوں پارسیوں مسیحیوں اور یہودیوں کی طرف مخاطب ہو کر پیش کی اب تک ہمارے کانوں میں گونج رہی ہے۔ ہم اپنے آپ کو علیحدہ سمجھتے رہے

ہیں مگر وہ دن جاتا رہا ہے جب کوئی ذمہ وار لیڈر ہم کو اس اتحاد سے خارج سمجھے گا
ہم اُس ناچاقی کو جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان واقع ہوگئی ہے دیکھ کر افسوس
کرتے ہیں ہم نے اُن دونوں میں میل ملاپ کرانے کے لئے کیا کیا ہے۔ شاید ہم اس خدمت
کو اَور قوموں سے بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔

بردولی کے پروگرام میں اچھوت کے اصول کو ترک کرنے کا سوال بھی ہے۔
اس معاملے میں بھی ہم سب قوموں سے آگے ہیں۔۔۔۔ اچھوت جاتی والوں کو اٹھا کر کھڑا
کرنے میں ہندو سوسائٹی کی ازسرِ نو تعمیر کا سوال مضمر ہے۔۔۔۔۔ اسی طرح کھدر پوشی
کی تہ میں بھی گہرے مطالب پنہاں ہیں۔ اس سے دبے اور پسے ہوئے لوگوں کو معاشرتی
آزادی حاصل ہوگی۔۔۔۔۔۔

ہماری اسوسی ایشن سیاسی جماعت نہیں ہے مگر سیاسی ذمہ واری اُس کے سر پر
ہے۔ بطور اسوسی ایشن کے ہم کو اس بات سے کچھ تعلق نہیں کہ موجودہ گورنمنٹ کے اختیار
کو کیونکر گھٹایا جائے یا نظم ونسق کے رستہ میں روڑا کیونکر اٹکایا جائے۔ مگر ہمارا واسطہ
اُن اخلاقی اور روحانی طاقتوں کے ساتھ ہے جو ہندوستان کے لوگوں میں اپنے انتظام کی
باگ ڈور خود اپنے ہاتھ میں لینے کی قابلیت پیدا کرسکتی ہیں۔ اور ہندوستان کو اس معراج
تک پہنچا سکتی ہیں جو اُن کے مدنظر ہے +

ہماری جماعت کے نوجوانوں میں سوراج کا خیال پیدا ہوگیا ہے لفظ سوراج نہایت
دھوکا دینے والا ہے مختلف لوگ اس کے مختلف معنے لیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔

۔۔۔ اس لحاظ سے اگر سوراج مل بھی جائے تو تمام ملک میں گڑبڑی مچ جائیگی +

فرقہ وار نیابت کی نسبت آپ نے فرمایا کہ پہلے اس امر کی کوشش کی جاتی تھی
کہ مسیحیوں کو علیحدہ نیابت کا حق دیا جائے چنانچہ علاقہ مدراس میں پانچ ممبر مسیحیوں میں
سے نامزد بھی کئے گئے۔ مگر اب معاملات کا رُخ پلٹ گیا ہے۔ چنانچہ پنجاب کرسچن کانفرنس
کے دوسرے سالانہ اجلاس میں جو ماہ نومبر میں منعقد ہوا یہ تجویز منظور ہوئی کہ فرقہ وار
انتخاب کا اصول خصوصاً اسامیاں پُر کرنے کے واسطے ملک کے حق میں نقصان دہ ہے

میری رائے میں چاہئے کہ ملک میں تمام مسیحیوں سے اس کے بارے میں رائے لی جائے
شخصی طور پر ہم اس فرقہ وار نیابت کے خلاف ہوں اور ہندوستانی مسیحی جماعت کے
لئے اس اصول کی مخالفت فایدہ مند ہوگی۔ کیا اب تک اس اصول پر عملدرآمد کرنے
سے ہندوستانی مسیحیوں کو کچھ فایدہ حاصل ہوا ہے۔ کیا اس سے ہماری جماعت میں کسی
قسم کی ترقی ہوئی ہے۔ اس اصول پر قائم رہکر ہم نے ملک کے ساتھ دلچسپی کا حلقہ تنگ
کر لیا ہے۔ اگر ہم اس مطالبہ کو ترک کر دیں تو ہم بہتر طور پر ہندوستانی قوم کے شریک ہو سکینگے +

قراردادیں

جو آل انڈیا کرسچن کانفرنس کے نویں اجلاس میں منظور ہوئیں

۱۔ یہ کانفرنس صوبجات متحدہ کی انڈین کرسچن اسوسی ایشن کے پریزیڈنٹ رائے بہادر
مسٹر اے۔ سی۔ مکرجی کی بنسبت کامل اعتماد کا اظہار کرتی ہے۔ اور اُن کو صدق دل
سے مدعو کرتی ہے کہ وہ تشریف لاکر کانفرنس کے مشوروں میں شریک ہوں +

۲۔ یہ کانفرنس رائیٹ آنریبل سری نواس شاستری کی اہم خدمات کے لئے جو آپ نے
سلطنت کے مختلف ممالک میں گشت کرتے ہوئے انجام دیں شکریہ کا اظہار کرتی ہے
لیکن جو سلوک مسیحی رُوح کے متناقض برطانیہ کے مختلف علاقوں اور نو آبادیوں
میں ہندوستانی باشندوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے اُس کے خلاف بڑے
زور سے صدائے احتجاج بلند کرتی ہے۔ اس سلوک کے لحاظ سے جو ابتدائی
مسیحی اصولوں کے خلاف ہے یہ کانفرنس نیشنل مشنری کونسل سے درخواست کرتی
ہے کہ ہندوستانی مسیحیوں کی آل انڈیا کانفرنس کے ساتھ [illegible]
غور و فکر کے ساتھ ہاتھ میں لے +

۳۔ یہ کانفرنس مہاتما گاندھی کی اُن بیش قیمت خدمات کا کامل اعتراف کرتی ہے جو آپ نے

ملک میں ہمارے ہموطنوں کے درمیان خودداری اور سیاسی بیداری کی نئی رُوح پیدا کرنے اور مسیحی علم الاخلاق کے بعض ابتدائی اصولوں کی اشاعت کے ذریعے انجام دی ہیں۔ مگر سول نافرمانی کے پروگرام اور درسگاہوں اور کالجوں اور عدالتوں کے بائیکاٹ کو نامناسب اور قابل نفرین سمجھتی ہے +

۴۔ ہندوستانی مسیحیوں کی آل انڈیا کانفرنس انڈین نیشنل کانگریس اور نیشنل لبرل فیڈریشن کو جن کا اجلاس اس وقت ہو رہا ہے ودستانہ آداب ارسال کرتی ہے۔ اُسے یہ خبر سن کر خوشی حاصل ہوئی ہے کہ کانگریس کونسلوں میں داخل ہونے کے سوال پر مکرّر غور کر رہی ہے۔ مگر اُس کی رائے میں کونسلوں کے اندر تعمیری پروگرام کی انجام دہی ہی حصول سوراج کے لئے سب سے اعلےٰ عملی طریق ہے +

۵۔ (الف) یہ کانفرنس بڑے زور سے سفارش کرتی ہے کہ ملکی دستکاری کی اشیا حقیقی سودیشی رُوح میں زیادہ استعمال کی جائیں نہ کہ بائیکاٹ کے خیال سے جس کی بنیاد نسلی وجوہات پر مبنی ہے۔ اور گورنمنٹ کی خدمت میں سرگرمی سے التماس کرتی ہے کہ بہت جلد ایسی تجاویز عمل میں لائے جس سے عوام میں تمدنی ترقی ہو اور باہمی امدادی اصول پر سوسائیٹیاں قائم ہو جائیں +

(ب) یہ کانفرنس دیہاتی دستکاریوں کی دلی خیرخواہ ہے۔ اور سفارش کرتی ہے کہ جہاں ممکن ہو چرخہ کاتنے کا رواج جاری کرنا چاہئے +

۶۔ یہ کانفرنس موجودہ ہندوستانی فوجی پالیسی کو بڑے زور سے مسترد قرار دیتی ہے اور سفارش کرتی ہے کہ فوجی اخراجات میں ایک بھاری تخفیف کی جائے۔ اسکی رائے میں تخفیف کو عمل میں لانے کے بعض اعلےٰ ذرائع یہ ہیں کہ ہندوستانیوں کو زیادہ تعداد میں فوجی خدمات پر مامور کیا جائے اور انڈین ٹیری ٹوریل فوج کو توسیع اور ترقی دی جائے اور مقبول عام کیا جائے۔ یہ کانفرنس ایگزیکٹیو کمیٹی کی توجہ اس ضروری سوال کی طرف منعطف کرتی ہے +

۷۔ یہ کانفرنس گو مہاتما گاندھی کے خیالات کے ساتھ کلیتًا اتفاق نہیں کرتی مگر اُس کی

پاکیزہ زندگی اور اُس کی پیشوائی کے خلوص اور اعلےٰ پایہ کے لحاظ سے اور اُن نہایت ناگوار جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے جو اُس کے مدت تک قید میں رہنے سے عوام کے دل میں پیدا ہو رہے ہیں گورنمنٹ کی خدمت میں بڑے زور سے پیش کرتی ہے کہ اُس کے جلد رہا کرنے کی مناسبت پر غور کرے +

۸۔ کارکن کمیٹی کو اختیار دیا جائے کہ وہ آل انڈیا کیتھولک اسوسی ایشن کے ساتھ خط و کتابت کر کے معلوم کرے کہ کیا وہ ہندوستانی مسیحیوں کی آل انڈیا کانفرنس کے ساتھ مل جل کر کام کرنا چاہتی ہے یا نہیں +

۹۔ پادری آئیس ۔ کے طرفدار صاحب (انڈسٹریل کمیٹی کے میر مجلس) اور مسٹر وی ایم الٰہی بخش اور مس میا داس صاحبہ سے درخواست کی جائے کہ وہ اُس وظیفہ فنڈ کے مقاصد کی اشاعت کے لئے بہت جلد مضامین وغیرہ تیار کریں جو لڑکوں اور لڑکیوں دونو کے لئے کھولا جائیگا ۔ مس میا داس صاحبہ اور مسٹر الٰہی بخش سے کانفرنس کی طرف سے یہ درخواست بھی کی جائے کہ وہ اپنے دورانِ گشت میں کانفرنس کے کام کی ترقی میں ساعی رہیں +

۱۰۔ یہ کانفرنس جملہ پروونشل اور متعلقہ اسوسی ایشنوں کے غور اور توجہ کے لئے مندرجہ ذیل قراردادیں پیش کرتی ہے :۔

(ا) یہ کانفرنس ہندوستان میں بین الاقوام بدظنی کی بڑھتی ہوئی بدمزگی کو نہایت تشویش کے ساتھ دیکھ رہی ہے ۔ اُسے یقین ہے کہ جداگانہ نیابت کا اصول خصوصاً جب وہ کونسل اور لوکل باڈیوں میں فرقہ وار انتخاب پر مبنی ہو اس بدظنی کو طوالت دینے والا ہے ۔ اور اس لئے وہ گورنمنٹ سے سفارش کرتی ہے کہ اگر ممکن ہو تو فرقہ وار نیابت کے قاعدے کو موقوف کر دے یا کم از کم فرقہ وار انتخاب کو چھوڑ دے +

(ب) وہ انڈین نیشنل کانگریس اور نیشنل لبرل فیڈریشن اور آل انڈیا مسلم لیگ اور دیگر قومی اور جماعتی انجمنوں سے اپیل کرتی ہے کہ ایسے ریزولیوشن منظور کر کے

سرکار کے ہاتھ کو تقویت دیں کہ جن میں فرقہ وار نیابت کے قاعدہ کو ملعون ٹھیرایا جائے خصوصاً جب اس کی بنیاد فرقہ وار انتخاب پر ہے۔ کیونکہ اس قسم کی نیابت مادر وطن کی بہتری اغراض کے حق میں زہر قاتل ہے +

۱۱۔ آل انڈیا کانفرنس کا اخبار بھارت سیوک جاری رکھا جاسکے۔ اور اس کا کل انتظام پروفیسر ایس سی مکرجی صاحب کے ہاتھ میں سونپا جائے۔ پروفیسر صاحب موصوف اس اخبار کی مالی ذمہ واری اپنے سر پر لیتے ہیں جس کے لئے یہ کانفرنس ان کا شکریہ ادا کرتی ہے +

۱۲۔ اس کانفرنس کو پنجاب کے مسٹر آئی سی۔ لال جبلپور کے مسٹر اے سی چپکوم۔ مدراس کے مسٹر اے۔ ایس ہسٹن اور بمبئی کے مسٹر ڈگمبر دلیا کی وفات حسرت آیات پر سخت رنج ہے۔ ان کے انتقال سے مسیحی جماعت کو سخت صدمہ پہنچا ہے کانفرنس مرحومین کے خویش واقارب کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے +

۱۳۔ یہ کانفرنس لکھنؤ کرسچن کالج کے افسران کا شکریہ ادا کرتی ہے جنہوں نے یہ مکان اور سامان کانفرنس کے استعمال کے لئے مرحمت فرمایا۔ نیز وہ مسٹر اور مسز جے آر چیتمبر اور استقبالیہ کمیٹی کے ممبر کا نام رضا کاران اور دیگر اصحاب کا ان کے حسن اخلاق اور شفقت اور مہمان نوازی کے اعلےٰ انتظام کے لئے تہ دل سے شکر گزار ہے +

(ب) کانفرنس کے صدر انجمن کا خوش اسلوبی اور قابلیت کے ساتھ کارروائی کو انجام دینے اور پیشوائی کا حق ادا کرنے کے لئے شکریہ ادا کیا جائے +

جلد ضرورت ہے

ہوشیار پور مونا میموریل پریسبٹیرین چرچ کے لئے ایک دیندار محنتی اور ہوشیار پاسبان کی جلد ضرورت ہے۔ درخواستیں معہ اسناد ذیل کے پتہ پر آنی چاہئیں +

المشتہر مسٹر ایم۔ این ہوز ڈکلرک سیشن ہوشیار پور پلیڈر کپورتھلہ

پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس کا دوسرا سالانہ اجلاس

یہ اجلاس بمقام لاہور ۵ و ۶ نومبر ۱۹۲۲ء کو منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل قراردادیں منظور ہوئیں :-

۱- اول سوال جو بحث کے لئے پیش ہوا وہ "دیہاتی مسیحیوں کی مشکلات اور اُن کا حل" تھا۔ اس پر چند تقریروں کے بعد یہ قرار پایا کہ

(ا) جہاں جہاں مسیحی جماعتیں قایم ہو چکی ہیں۔ یہ کانفرنس اُن کی توجہ اس امر کی طرف دلاتی ہے۔ کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ وہ اپنے گردونواح میں انجیل پھیلانے کی ذمہ واری بذریعہ پریم سبھاؤں کے اپنے سر پر لیں۔ اور اپنی جماعت کے شرکاء کی روحانی زندگی کو ترقی دیں +

(ب) ایک کمیٹی بزیر صدارت مسٹر پی۔ آین۔ دوھاوا مل مقرر کی جائے تاکہ وہ دیہاتی مسیحی پنچائتوں کے لئے قواعد وضوابط وضع کرے۔ ان پنچائتوں کا مدعا یہ ہوگا کہ دیہاتی مسیحیوں کی مذہبی سوشل اور معاشرتی حالات کی اصلاح کی جائے۔ یہ قوانین عام جلسے یا جلسوں میں جو اسی غرض سے منعقد ہوں منظور کئے جائیں۔ دیہات کے ڈیلیگیٹ بھی اس موقعہ کے لئے مدعو ہوں جب قواعد منظور ہو جائیں تو اُن کو تمام دیہات میں مروج کیا جائے +

(ج) کارکن کمیٹی کو ہدایت کی جائے کہ بذریعہ ایک کمیٹی کے ان اشخاص کے حالات دریافت کرے جو جھوٹا دعوےٰ کر کے دیہاتی مسیحیوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور ایسے اشخاص کی نسبت دیہاتیوں کو متنبہ کریں +

۲- اس کانفرنس کی رائے میں فرقہ وار انتخاب کا اصول عام طور پر اور فرقوں اور مذہب کے لحاظ سے سرکاری اسامیاں پر کرنے اور طلباء کو سرکاری کالجوں میں داخل کرنے کا قاعدہ خاص طور پر ملک کی بہترین اغراض کے حق میں سخت نقصان دہ ہے +

۳- یہ کانفرنس ہندوستانی مسیحی جماعت کے شرکا سے درخواست کرتی ہے کہ جہاں تک

ممکن ہو اس ملک کی ساخت اشیا کو استعمال کریں۔ وہ خصوصاً بڑے زور سے پیش کرتی ہے کہ ہندوستان کا بنا ہوا کپڑا پہنیں +

یہ کانفرنس کارکن کمیٹی کو تاکید کرتی ہے کہ ہر ایک گانوں اور قصبے میں شاخیں قائم کرے اور خاص آدمی مقرر کرے جو اِدھر اُدھر دورہ کر کے اس مدعا کو پورا کریں ان کے اخراجات ایک خاص فنڈ سے ادا کئے جائیں جو اسی غرض سے قائم کیا جائیگا۔ اور یہ گشتی سکرٹری جہاں کہیں جائیں جس قدر ممکن ہو روپیہ جمع کیا کریں +

۴۔ سال ۱۹۲۳ء میں مبلغ ۸۰۰ روپے کنیا رڈ کالج کی امداد کے لئے دیئے جائیں +

۵۔ کانفرنس کے ضابطہ کے متعلق جو ترمیمیں کارکن کمیٹی نے تجویز کر کے مشتہر کی تھیں وہ اتفاق رائے سے منظور ہوئیں +

۶۔ سال آیندہ کے لئے مندرجہ ذیل عہدہ داران منتخب ہوئے:۔

پریزیڈنٹ۔ مسٹر کے۔ ایل۔ رلیا رام۔ ایم۔ ایل۔ سی +

وائس پریزیڈنٹ۔ مسٹر الیف ڈی وارث۔ مسٹر آئی۔ جے۔ انگلس ممبر اسمبلی۔ راس صاحب مسٹر حاکم دین۔ پادری وزیر چند صاحب۔ مسٹر ایس۔ ڈیوڈ۔ مسٹر جے ڈانیل پروفیسر سراج الدین صاحب تعلیمی سب کمیٹی کا چیرمین اور بحیثیت عہدہ پریزیڈنٹ

سکرٹری۔ مسٹر ٹی۔ ایل رلیا رام

جائنٹ سکرٹری۔ مسٹر ایس پی سنگھا

خزانچی۔ منشی غلام قادر صاحب

کمیٹیاں قائم کرنیوالے سکرٹری۔ مسٹر ٹی۔ این وَدھاوا مل اور مسٹر ہیرا لعل۔

کارکن کمیٹی کے ممبر۔ ڈاکٹر آئی۔ تو۔ ناصر۔ مسٹر ٹھاکر داس دنیگسن آبادی، پادری آسے۔ دی ٹھاکر داس صاحب۔ چودھری صادق صاحب۔ پروفیسر سنکلئر صاحب۔ پادری ڈاکٹر کے۔ این دنیا ناتھ صاحب۔ منشی نواب دین صاحب۔ مسز سراج الدین صاحبہ۔ مسز نجم الدین صاحبہ۔ مسٹر درگا پرشاد +

گلشن بائبل

پولس رسول کا خط فلیمون کے نام

اس خط کا مرکز اور لب لباب "محبت کی راہ سے" ہے (۹ آیت) دنیا میں یہ محبت ہے کہاں؟ مختلف اقوام کے درمیان بجائے محبت کے شبہات منافرت اور ناسازی کا زور ہے۔ آقا اپنے نوکروں کے خلاف ہیں اور نوکر اپنے آقاؤں کے ساتھ برسرپرخاش ہیں۔ سوشل زندگی اور محنت شفقت کے متعلق معاملات میں گڑبڑی مچی ہوئی ہے۔ دنیا کی یہ حالت دیکھکر ہمیں بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ جبتک دنیا کے سب کام محبت کی راہ سے کئے نہ جائینگے بنی آدم کی سلامتی نہیں ہے۔ اس مدعا کو حاصل کرنے کیلئے ضرور ہے کہ دنیا مسیح کے قدموں میں آجائے۔ فلیمون کے نام کا خط اسی اصول کا ایک عملی اطلاق ہے۔ پولس کے زمانے میں غلام رکھنے کا عام رواج تھا۔ بیچارے غلاموں پر ہر قسم کے مظالم روا رکھے جاتے تھے قانون اسے جایز قرار دیتا تھا۔ اور جمہور کی رائے اسکی حامی تھی۔ آخر مسیحی محبت نے اس قبیح رسم کا خاتمہ کردیا +

اب ذرا خط کے مضمون پر غور کرو۔ پولس رسول تین سال تک افسس میں رہا وہاں سے منجملہ دیگر مقامات کے کلسے میں گیا اور وہاں ایک مسیحی جماعت قائم کی۔ اس کلیسیا میں ایک مالدار سوداگر فلیمون نامی تھا جسنے اپنے گھرانے اور خادموں سمیت مسیحی مذہب اختیار کرلیا۔ کلسے کی مسیحی جماعت اسکے ہاں دعابندگی کیلئے جمع ہوا کرتی تھی۔ گو فلیمون میں بہت سی خوبیاں تھیں مگر مسیحی نقطہ خیال سے اسکے دامن پہ غلام رکھنے کا دھبہ نہایت بدنما تھا۔ اس زمانے میں یہ عمل ویسا ہی سمجھا جاتا تھا جیسا کہ اس زمانے میں نوکر رکھنا ایک معمولی بات ہے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ فلیمون کا حبشی غلام انیسمس اسکے ہاں سے چوری کرکے بھاگ گیا اور روما میں جاکر پناہ لی کسی نہ کسی طور پر اسکو پتہ لگ گیا کہ پولس بھی وہیں ہے۔ ممکن ہے کہ ہاتھ تنگ ہونے کے سبب وہ پولس کے پاس آیا ہو جیسا کہ آوارہ گرد لوگ پادریوں کے دروازے پر آگرا کرتے ہیں۔ بہرصورت وہ پولس کو جیل خانے میں جا ملا۔

اور پولس قیدی اُسکو مسیح کے پاس لے آنے کا ذریعہ ٹھیرا - انجیل کا کرشمہ دیکھو کہ ایک عالم فاضل آدمی اور ایک جاہل حبشی غلام کے درمیان اخوت کا رشتہ قایم ہوجاتا ہے - پولس اس کو اپنے کلیجے کا ٹکڑا کہتا ہے - اب ایک نئی مشکل پیدا ہوگئی ہے اُدھر تو پولس چاہتا تھا کہ جب وہ آزاد ہو چکا ہے تو پھر غلامی میں نہ پھنسے - اِدھر وہ اس کو اپنے پاس بھی رکھ نہیں سکتا تھا کیونکہ کسی بھگوڑے غلام کو گھر میں جگہ دینا جُرم تھا - اور پولس حاکم وقت کا قانون توڑنا نہیں چاہتا تھا - پھر وہ غلام قانونی طور پر فلیمون کی ملکیت تھا - آخر دونوں میں بات چیت ہوکر یہ فیصلہ ہوا کہ وہ غلام اپنے آقا کے پاس لوٹ جائے - سو پولس نے اُسے ایک قاصد کے ساتھ جو اس کی طرف سے کلسیوں کی کلیسیا کے لئے خط لے جا رہا تھا روانہ کیا - اور فلیمون کو نصیحت کی کہ اس کے ساتھ مہربانی سے سلوک کرنا اور سزا نہ دینا بلکہ سے عزیز بھائی سمجھنا غلاموں کے ساتھ اس قسم کا برادرانہ سلوک مسیحی مذہب ہی کا حصہ ہے - جو اصول ان چند سطور میں مسطور ہے اُس نے دنیا میں غلاموں کے ساتھ سلوک کی کایا پلٹ دی - یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ خط کے شروع میں پولس فلیمون کی محبت اور ایمان کی تعریف کرتا ہے - اگر کسی آدمی سے کوئی احسان یا نیکی کروانا چاہو تو اسکی خوبیوں کی تعریف کرو - عیب جوئی اور طعن و طنز سے کام اور بھی بگڑ جاتا ہے پھر پولس اپنے بڑھاپے اور قیدی ہونے کی طرف اشارہ کرکے اس کے دل کو نرم کرتا ہے - اور آخر اس کو امید دلاتا ہے کہ میں تمہارے پاس آکر ٹھیرونگا - پادری سپیئر صاحب کا قیاس ہے کہ خط کا یہ حصہ شاید مسز فلیمون کی طرف ہوگا جو اس کو پڑھکر ضرور کہے گی کہ میاں اس غلام کو ضرور رکھ لو - کہیں بڈھا پولس آکر ناراض نہ ہو - ایک معتبر روایت ہے کہ فلیمون نے انیسمس کو پھر رکھ لیا - اور وہ چھوٹا غلام کلسے کے متصل چند کلیسیاؤں کا پاسبان مقرر ہوا - یوں محبت نے غلامی کے عقدے کو حل کرکے رکھ دیا +

ماہ دسمبر کی چیستاں کے جواب

نمبر ۱ } (۱) توما - یوحنا ۱۱: ۱٦ (۲) یوتخس - اعمال ۲۰: ۹ (۳) میلیتس - اعمال ۲۰: ۱۷ و ۳۵ (۴) تھیوداس - اعمال ۵: ۳٦ - (۵) یوناہ - یوناہ ۱: ۱۰ (٦) سمرون - ۲ سلاطین ٦: ۱۹ - یہ تیمتھیس کا نام ہے - ۲ تیمتھیس ۱: ۵ +

نمبر ۲ } (۱) رُدے - اعمال ۱۲: ۱۳ (۲) ابیجیل - ۱ سموئیل ۲۵: ۱۸ - (۳) حنّہ - ۱ سموئیل ۲: ۱ و ۹ (۴) یاعیل قاضیوں ۵: ۲۴ (۵) لیاہ - پیدائش ۲۹: ۲۵ - یہ راخیل کا نام ہے پیدائش ۳۵: ۱۸ +

نوٹ - ماہ جنوری سے چیستاں اور بائبل کے سوالات کا سلسلہ کچھ عرصے کیلئے بند کردیا گیا ہے مگر انشاءاللہ "گلشن بائیبل" کا پرانا سلسلہ جاری رہیگا - (ایڈیٹر) +

ضمیمہ مسیحی ماہ جنوری ۱۹۲۳ء

قاصد

چندہ ۸ رسالانہ

این ۔ ایم ۔ ایس کا ماہوار رسالہ

سلسلہ جدید جلد ۱	ماہ جنوری ۱۹۲۳ء	نمبر ۵

سوسائٹی کی خبریں

یہ خبر نہایت خوشی اور مسرت سے پڑھی اور سنی جائیگی۔ کہ چک ۱۲۱ کے سرگرم مسیحی اور نوجوان نمبردار مسٹر ڈیوڈ صاحب صوبیدار کی نیک کوشش سے اہل دِہ نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ موجودہ فصل خریف کی آمدنی سے ایک سو روپیہ فی مرتبہ چندہ جمع کر کے این ۔ ایم ۔ ایس کے حوالے بدیں غرض کیا جائے۔ کہ دِہ ہذا میں وہ ایک گرجا تعمیر کرے۔ شکر ہے۔ کہ خدا کے بندوں کی ابھی کمی نہیں +

ڈاکٹر ایس ۔ بی ۔ لاما صاحب نے سینٹ اینڈریوز مشن میمن سنگھ ڈسٹرکٹ مشن ہاؤس کی تعمیر کے لئے ۴۰۰ روپیہ کا دان دیا ہے۔ اور مسٹر ایم ۔ بی بوس نے مشن مذکور کو خرید اراضی کے لئے ڈیڑھ سو روپیہ کا عطیہ دیکر نیشنل مشنری سوسائٹی کے مقصد کو تقویت دی ہے۔ کیونکہ اینڈریوز مشن کا اب این ۔ ایم ۔ ایس سے الحاق ہو گیا ہے۔ خدا برکت دے +

کسی دوسری جگہ مشن مذکور کی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کارندوں نے جو کہ مجرد انہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہوئے خدا کا کام کرنا چاہتے ہیں۔ باہمی معاہدہ کر کے ایک اخوۃ کی بنیاد رکھی ہے۔ اور وہ عموماً بلا تنخواہ کام کرتے ہیں۔ ہم کرشٹ آشرم کے بانی مبانی اصحاب سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ ہر دو آریس آشرم جاری کرنے کے بعد سینٹ اینڈریوز مشن کے سادھوؤں کی تقلید کرتے ہوئے۔ این ۔ ایم ۔ ایس سے الحاق کرنے پر غور فرمائیں۔ اور آنے والی میٹنگ میں جو کہ کرشٹ آشرم کے متعلق کسی جگہ ہونیوالی ہے۔ اس مسئلہ کو بھی مدنظر رکھیں۔ بکھری ہوئی طاقتوں کی نسبت اتفاق واتحاد میں زیادہ برکت و طاقت ہوتی ہے +

(مطبوعہ مسیحی پریس لاہور باہتمام مسٹر غلام قادر مسیحی پرنٹر)

مسٹر ہنیمین مرحوم

این۔ ایم۔ آیس کی انتظامیہ کمیٹی نے جس کا اجلاس ۱۲ نومبر کو منعقد ہوا۔ مسٹر ہنیمین مرحوم کے متعلق حسب ذیل رزولیوشن پاس کیا:۔

یہ کمیٹی مسٹر ہنیمین مرحوم کی وفات پر اپنے گہرے دلی افسوس کا اظہار قلمبند کرتی ہے۔ آپ کا شروع ہی سے سوسائٹی سے نزدیکی تعلق رہا ہے۔ پہلے بحیثیت اعزازی سکرٹری اور خزانچی۔ چند سالوں تک میر مجلس اور کئی سالوں تک آنریری خازن۔ سوسائٹی کے ابتدائی سالوں میں جبکہ ہندوستانی مسیحیوں نے ایک نئے جوکھم پر کمر باندھی۔ اور اندرونی کمزوری اور بیرونی بدگمانی کا مقابلہ کرنا ضروری تھا مسٹر ہنیمین کا سوسائٹی سے تعلق نعمت بیش قیمت ثابت ہوا۔ اور سوسائٹی کو جو قدر ومنزلت تمام ملک کے ہندوستانی مسیحیوں میں اس وقت حاصل ہے۔ اس کو صاحب ممدوح کی نیک مشورت اور دعائیہ رہنمائی اور مستعد مستقل و دیانتدارانہ کام سے جو وہ تادم آخر انجام دیتے رہے۔ بہت بڑی مدد ملی۔ کمیٹی اُن کی موجودگی اور قیمتی رائے صائب کے نقصان کو محسوس کرتی ہوئی مسز ہنیمین اور خاندان سے اس رنج مفارقت میں اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے۔ اور دعاگو ہے۔ کہ خدا ان کو اور تمام رشتہ داروں کو جو مرحوم کی جدائی کے غم میں ہیں۔ صبر جمیل اور اطمینان قلب عطا فرمائے"۔

سوسائٹی کے معاون

بہار اور اڑیسہ کے دو صوبجات بیرون از مشنری یونین" کے ایک مشن سٹیشن سے مندرجہ ذیل خبر نہایت خوشی سے پڑھی جائیگی:۔

"میں مبلغ بائیس روپیہ کا ایک منی آرڈر این۔ ایم۔ ایس کے لئے ارسال کرتا ہوں۔ اس میں ہمارے گرجا کا وہ خاص چندہ جو این۔ ایم۔ آیس اتوار کے

لئے لیا گیا مبلغ بارہ روپیہ شامل ہے۔ اکثر لڑکوں نے اینٹ اٹھانے اور لکڑی کاٹنے وغیرہ کے کام سے دو تین روز میں کچھ نہ کچھ رقم کمائی۔ تاکہ وہ اِس خاص چندہ میں چند پیسے زیادہ دے سکیں +

مسٹر جے ٹیلر اور مسٹر آے۔ این سندری سنم صاحبان کی مشترکہ ادارت میں ,,گارڈین،، کے نام سے ایک نیا ہفتہ وار مسیحی پرچہ۔ ماہ جنوری ۱۹۲۳ء سے جاری ہونے والا ہے۔ ناظرین کرام کو یاد ہوگا۔ کہ مسٹر سدری سنم پہلے این۔ ایم۔ ایس سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ جنرل سکرٹری کے شخصی معاون تھے۔ جبکہ مسٹر کے۔ ٹی۔ پال اس عہدہ پر سرفراز تھے۔ بعد میں اسسٹنٹ سکرٹری مقرر ہو گئے۔ ہم نئے پرچہ کی کامیابی کی دعا کرتے ہیں +

التماس۔ تمام مشنری صاحبان سے التماس ہے کہ اپنے اپنے کام کی رپوٹیں ہمیں ماہ بماہ بھیجتے رہا کریں + ایڈیٹر

وفات حسرت آیات

ہم کسی دوسری جگہ این - ایم - ایس کی انتظامیہ جماعت کا رزولیوشن جو کہ انہوں نے مسٹر ای۔ ایس ہیمیسن مرحوم کی وفات پر اپنے گہرے دلی رنج و قلق کے متعلق پاس کیا ہے۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں اور اشک ریز خامہ سے درج کرتے ہیں سو واقعی یہ خبر تمام ہندوستان اور خاصکر معاونانِ این - ایم - ایس کے درمیان بڑے افسوس سے پڑھی جائیگی۔ کہ مرحوم۔ حرکت قلبی کی رکاوٹ سے ۱۷ نومبر کو اس سرائے فانی سے اُس دار بقا کو چل دئے۔ سوسائٹی آپ کے اقربا اور اعزا سے اس اچانک اور رُوح فرسا جدائی سے اپنی دلی ہمدردی اور افسوس کا اظہار کرتی ہے۔ جس میں این - ایم - ایس کے تمام بہی خواہان شامل ہیں +

آپ پادری جان رینیین صاحب کے چھٹے فرزند تھے۔ جو کہ لنکا میں سی۔ ایم۔ ایس کے سب سے پہلے مشنری تھے۔ آپ جافنا میں ۶ مارچ ۱۸۵۲ء کو پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم حاصل کر لینے پر وہ ہندوستان میں چلے آئے۔ ۱۸۷۵ء میں مدراس یونیورسٹی میں گریجوایٹ ہوئے۔ اور چند عرصہ تک وسلی کالج مدراس میں سکول ماسٹر کا کام کرنے کے بعد محکمہ مالگذاری میں ڈیٹر جنرل کے شخصی معاون (پرسنل اسسٹنٹ) ہو کر سرکاری ملازمت اختیار کی۔ اس عہدہ کے متعلق اُنہوں نے سارے ہندوستان کا دورہ کیا۔ اور انجام کار اکونٹنٹ جنرل کے دفتر کے سپرنٹنڈنٹ (نگران اعلےٰ) ہو کر مدراس واپس پہنچے۔ ذہانت۔ قابلیت اور ایمانداری سے اُنہوں نے اعلےٰ افسروں کی خوشنودی حاصل کی۔ اور ترقی پا کر دفتر مذکور کے چیف سپرنٹنڈنٹ کے عہدۂ جلیلہ پر مامور ہو گئے۔ جہاں سے ستمبر ۱۹۱۰ء میں سبکدوش ہوئے۔ اس کے بعد بھی وہ کئی ریاستوں کے نظام مال وحساب میں مفید ثابت ہوتے رہے۔

مسٹر رینیین مرحوم کا کئی مسیحی جماعتوں اور سوسائٹیوں سے تعلق رہا۔ کرسچن بینفٹ فنڈ مدراس کے آنریری سکرٹری۔ چرچ مشنری سوسائٹی کی چرچ کونسل کے اعزازی سرو فتر۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے مدراس کے ایک ڈائرکٹر۔ سی۔ ایم۔ ایس کی کارسپانڈنگ کمیٹی کے ممبر۔ انڈین کرسچن ایسوسی ایشن کے وائس پریذیڈنٹ اور کئی سالوں تک مدراس کارپوریشن کے ممبر اور مدراس شہر کے آنریری پریزیڈنسی مجسٹریٹ رہے مدراس صوبہ کے باہر وہ تمام ملک کے مسیحی حلقوں میں این۔ ایم۔ ایس کے مخصوص کارگذار اور مددگار ہونے کے باعث خاص عزت رکھتے تھے۔

ابتدائے سوسائٹی یعنی ۲۵ دسمبر ۱۹۰۵ء سے لیکر ہمیشہ ہی آپ این۔ ایم۔ ایس کے مستعد کارندے اور معاون بنے رہے۔ اور ایک قلیل وقفہ کی مدراس سے عدم موجودگی کو چھوڑ کر تا مدت العمر۔ کامل ایمانداری اور خوش اسلوبی سے اس عہدہ کو انجام دیتے چلے آئے۔ ان کی کوشش سے ۱۹۰۶ء میں دو ہزار روپیہ سے

۱۹۲۱ء میں ۴۰ ہزار روپیہ کی سالانہ آمدنی کی ترقی ہوگئی۔ سوسائٹی اس خاص احسان کے لئے ہمیشہ ان کی مقروض اور مشکور رہیگی۔ اعزازی خازن کے علاوہ چند عرصے تک انہوں نے آنریری سکرٹری کا کام بھی نباہا۔ عرصہ ۱۹۱۹-۱۹۲۰ کے لئے سوسائٹی کا پریزیڈنٹ ہوجانا ظاہر کرتا ہے۔ کہ سوسائٹی بھی ان کی تہ دل سے قدر کرتی تھی۔ ۱۶ سال کے طویل عرصہ تک جو کام انہوں نے سوسائٹی کی بہتری کے لئے کیا ہے۔ ہندو مسیحیوں کے ہمیشہ تک ورد زبان رہیگا۔ اور آئندہ نسلیں ان کے نام۔ کام اور نمونہ سے سوسائٹی مذکور کو مدد دینا فخر سمجھتی رہینگی +

ہمارا رنج مفارقت قدرے ہلکا ہو جائیگا۔ اگر ہمیں ایک اور زندہ اور مستعد ہینیمین مل جائے۔ اب دیکھیں۔ کون کون خدا کے بندے ان کی کمی کو پورا کرنے کے لئے میدان عمل میں آتے ہیں۔ تاکہ مرحوم کے زندہ نام اور تقلید سے عملی فائدہ پہنچتا رہے۔ ع

نوشیرواں نمرد کہ نام نکو گذاشت

سینٹ اینڈروز مشن کا

این۔ ایم۔ ایس سے الحاق

جو لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ این۔ ایم۔ ایس اپنے مقصد میں ناکام رہی۔ وہ اصل حالات سے آگاہی پاکر معلوم کرینگے۔ کہ کس مستقل رفتار سے سوسائٹی کے کام میں دن بدن برکت اور ترقی آتی جا رہی ہے۔ (ایڈیٹر)

ضلع میمن سنگھ کے شمال میں گارو قوم کے ۴۰ ہزار نفوس کوہستانی علاقہ میں آباد ہیں۔ یہ لوگ تبتی اور برمی مخلوط النسل۔ مذہب سے بے بہرہ اور شرابخوری کے عادی ہیں۔ اب ہندو ہمسایہ اقوام کی عادات و رسوم کو چندے جذب کرتے جا رہے ہیں

درکئی مسلم مولوی بھی دینی اشاعت کے لئے ان میں جا پہنچے ہیں +

گارو کی پہاڑیوں میں امریکن مشن کام کر رہی ہے ۔ اور ان کے ممبروں کی تعداد اندازاً دس ہزار تک ہے اور وکٹوریہ بپٹسٹ مشن ضلع کے میدانی علاقہ میں کام کر رہی ہے +

عرصہ قریباً بارہ سال کا گذرنے کو آیا ۔ جبکہ بابو جے ناتھ چودھری نے گارو زبان سیکھ کر بپٹسٹ مشن میں وہاں کام شروع کیا ۔ مشن مذکور سے قطع تعلق کر کے آپ سی ۔ ایم ۔ ایس میں شامل ہو گئے اور خود مختار ہو کر بمقام ہلوا گھاٹ دینی کام کا اجرا کیا ۔ ابتدا میں بشپ صاحب کلکتہ نے اس نئے سٹیشن کی منظوری نہ دی ۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد کام کی روانی اور ترقی کو دیکھ کر بشپ صاحب ممدوح نے اجازت دیدی مگر افسوس ہے کہ ابھی محنتیں زیادہ پھل نہ لائی تھیں کہ بابو صاحب انتقال کر گئے ۔ اور کام میں بھی کمی واقع ہو گئی

بعد میں آکسفورڈ یونیورسٹی مشن نے بابو جی کے مریدوں میں معمولی کام کیا ۔ چند آدمیوں نے اختتام ۱۹۱۱ء ریورنڈ مہندر ناتھ چکرورتی اور ریورنڈ اینڈریوز صاحبان کی سرکردگی میں بلاہٹ کو محسوس کیا ۔ اور بشپ صاحب کلکتہ کی منظوری سے مرحوم بابو صاحب کے کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ۔ تمام کارندے بلا مشاہرہ کام اور سادھوؤں کی سی سادہ زندگی بسر کرنے لگے ۔ ابتدا ہی سے انہوں نے گارو لوگوں کو سیلف سپورٹ بنانے کی عادت ڈالی ۔ تاہم جن کارندوں کے اہل و عیال تھے ۔ ان کو ایک قلیل رقم بطور گذارہ دی جاتی تھی ۔ عرصہ مدید سے ان کی خواہش ایک مضبوط جماعت سے اتحاد کرنے کی تھی جو کہ خدا کے فضل سے کامل ۱۰ سال کے بعد پوری ہوئی ۔ اور سینٹ اینڈریوز مشن کا ایس ۔ ایم ۔ ایس سے الحاق ہو گیا +

شروع میں اس مشن کا کوئی نظام نہ تھا مگر اب ان میں سے چند ممبروں نے اخوت (برادرہڈ) بنا لی ہے ۔ جو کہ کمال تجرد اور غریبی کا عہد کرتے ہیں +

جے ناتھ چودھری مرحوم کی وفات پر ۵۰ نو مرید اور ۵ امتلاشی تھے ۔ جن سے کہ نئی مشن کا ۱۹۱۱ء میں اجرا ہوا ۔ چونکہ پادری چکرورتی صاحب جو کہ مشن کے سردار ہیں ۔ کوئی رپورٹ شائع نہیں کرتے ۔ لہذا خاص شمار ممبران بتانا مشکل ہے

تاہم قیاس کیا گیا ہے۔ کہ قریباً ۷۰۰ تک تعداد پہنچ گئی ہے۔ پادری صاحب اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ کہ جب تک ضروری ابتدائی دینی تعلیم حاصل نہ ہو جائے اور شراب کی عادت ترک نہ کی جائے۔ وہ بپتسمہ نہیں دیا کرتے۔ مشن کی دنیوی۔ مالی اور اقتصادی کمزور حالت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ ممبرانِ مشن صدق دلی اور راستی سے مسیح کو قبول کر رہے ہیں۔ علاقہ قریباً ۲۰ میل طویل اور ۱۴ میل وسیع ہے۔ مشن کا ہیڈ کوارٹر بمقام ہلواگھاٹ ہے۔ جو کہ میمن سنگھ سے ۲۷ میل دور شمال کی جانب مشہور تجارتی منڈی ہے ✦

مشن کے کارندوں کی سادہ زندگی اور سادہ طرز رہائش و خورش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ ۴ مشنری کا۔ اور ۱۲ کارندوں کا تمام خرچ خوراک و پوشاک وغیرہ صرف ۱۸۷۵ روپیہ ایک سال یعنی ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ جو کہ فی کس ۹ روپیہ ۱۲ آنہ ماہوار پڑتا ہے ✦

ہلواگھاٹ میں مشن کا ایک بورڈنگ سکول ہے جس میں گرد و نواح کے لڑکے بھی پڑھنے کے لئے ہر روز آتے ہیں۔ اس کے علاوہ اکثر جگہوں میں پاٹھ شالائیں بھی کھولی گئی ہیں۔ مشن نے کمال دوراندیشی سے ۱۹۱۹ء میں کچھ قطعات اراضی دھان کی کاشت کے لئے حاصل کئے۔ اور کچھ ۱۹۲۰ء میں۔ تاکہ طلبائے بورڈنگ اور سٹاف کے لئے خوراک مہیا کی جائے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ ۱۹۲۰ء میں ۱۵ من چاول پیدا ہوئے۔ اور ۱۹۲۱ء میں اس سے دوچند پیداوار حاصل ہوئی۔ فادر چکرورتی فرماتے ہیں:-

کہ جس قدر زیادہ تعداد طلباء ممکن ہو۔ ہلواگھاٹ بورڈنگ میں تعلیم پائے۔ تاکہ ضروری مذہبی واقفیت حاصل کریں۔ لیکن تاوقتیکہ اجناس خوراک کا ذخیرہ کافی نہ ہو۔ طلباء کی تعداد میں ترقی ممکن نہیں۔ لہذا اور قطعہ اراضی خرید کر لینا چاہئے۔ کیونکہ قیمت ہر سال ترقی پر ہے۔ اس مقصد کے لئے بہی خواہوں اور دوستوں سے مالی مدد کی ضرورت ہے"

مشن کی آمدنی جس کا حصہ غالب بنگال کی دیسی کلیسیا سے وصول ہوا۔ ۷ ۸ ۲ ۳ روپیہ ۸ آنہ ۹ پائی ہے۔ جس میں سے ڈاکٹر ایس۔ بی لا صاحب کی ۴۰۰ روپیہ کی رقم برائے تعمیر اور مسٹر بی۔ ایم بوس کا عطیہ مبلغ ۵۰۱ روپیہ برائے خریدِ اراضی شامل ہے +

بورڈنگ کے تمام لڑکے ایک بانس اور مٹی کے چھت کی جھونپڑی میں جو چار سال ہوئے بنائی گئی تھی۔ رہائش رکھتے ہیں۔ اس قسم کی جھونپڑی پہ آندھی اور بارش کے اثر سے جو متواتر اخراجات مرمت پہ خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے ایک لوہے کا گھر بنانے کی تجویز ہے۔ جو کہ سمٹ سکے۔ جس کے لئے ۴۰۰ روپیہ کے خرچ کا اندازہ لگایا گیا ہے +

ایک اور علاقہ

بھی جس میں کہ پادری آسے پنجہ صاحب کام کرتے ہیں۔ اسی مشن میں شامل ہوگیا ہے۔ آٹھ میل طولاً اور ۵ میل عرضاً کلکتہ کے جنوب اور ۲۴ پرگنہ میں واقع ایک وسیع علاقہ ہے۔ کثرت آبادی اہل ہنود و مسلم کی ہے۔ اور جا بجا پھیلے ہوئے گاؤں میں اندازاً ۳۰۰ مسیحی آباد ہیں۔ اس علاقہ کی روحانی حالت بہت کمزور ہے جس کے لئے کئی سالوں کی صبر اور تحمل کی محنت درکار ہے +

(بھارت سیوک)

(آنریری خزانچی۔ این۔ ایم۔ ایس۔ ماؤنٹ روڈ۔ مدراس بڑی خوشی سے ان تمام عطیات کو جو کہ مشن مذکورہ کے لئے ارسال کئے جائینگے وصول کر کے مشن کے کارگذاروں کو پہنچا دینگے۔ اڈیٹر)

مسیحی شعرا و اصحاب قلم سے استدعا ہے۔ کہ چھوٹی چھوٹی نظمیں مختصر مضامین اور وعظ قاصد کے لئے ارسال کریں جو کہ شکریہ کے ساتھ درج کئے جائینگے +

(الیف نجم الدین۔ پنجاب ریلجس ٹبک سوسائٹی۔ انارکلی۔ لاہور)

متفرقات

وفات کی خبریں ۔ سال گزشتہ کے اخیر پر چند ایسے انتقال پُر ملال واقع ہوئے ہیں کہ جن سے ہماری ہندوستانی مسیحی جماعت کو سخت صدمہ پہنچا ہے ۔ پادری آئرلینڈ جونس صاحب بشپ تھوبرن صاحب ڈاکٹر ہوپر صاحب اور مس لفیلڈی صاحبہ ایسے نام ہیں جنکو ہندوستانی کلیسیا مدت تک یاد رکھے گی ۔ ان بزرگوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے حلقہ خدمت میں انجیل کے پھیلانے اور کلیسیا کے مستحکم اور منضبط کرنے میں اپنی ساری زندگی بسر کی اور اب وہ اچھی لڑائی لڑ چکے اور اپنی دوڑ کو تمام کرکے آرام میں داخل ہوگئے ہیں ۔ خدا ہم سب کو توفیق عطا کرے کہ ان کے نمونے پر اپنی زندگی اپنے خداوند کی خدمت میں وقف کر دیں ۔

ڈاکٹر ویری صاحب ۔ ڈاکٹر ویری صاحب امریکہ سے ایک ہمعصر کو رقمطراز ہیں کہ میں نہایت افسوس کے ساتھ خبر دیتا ہوں کہ میں ہندوستان کو واپس نہیں جاؤنگا ۔ پچپن سال کا عرصہ گزرا کہ مسز ویری اور میں شہر بوسٹن سے کلکتہ کی طرف جہاز پر روانہ ہوئے ہم دس سال تک ہندوستان سے غیر حاضر رہے یعنے ہم اُس ملک میں پینتالیس سال تک رہے ۔ اب ہماری عمر کا اناسیواں سال ہے ۔ میں اپنے ہندوستانی مشنوں کی تاریخ لکھ رہا ہوں کام میں میری دلچسپی میں سرمو فرق نہیں آیا اور مجھے امید ہے کہ میں اس ملک میں رہکر خدمت کرونگا میں امید رکھتا ہوں کہ ہمیں مسلمانوں کے درمیان ایک وسیع تحریک کی خبر جلد ملیگی ۔ اُسکے لئے رستہ صاف ہو رہا ہے ۔ اور مسلمانوں کے درمیان روحانی بیقراری اُسکی متقاضی ہے ۔

سوال جواب طلب از پاسٹر صاحبان ۔ پادری واعظ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ کلارک آباد میں پاک رفاقت میں شامل ہونے کے واسطے عموماً زیادہ عورتیں ہوتی ہیں میں یہ خیال کرتا رہا ۔ کہ ہمارے مسیحی زمیندار ہیں فرصت کم ہوتی ہے شاید اپنے آپکو تیار نہیں پاتے ۔ اسلئے کم حاضر ہوتے ہیں مگر اس دورے میں مجھے دوسری کلیسیاؤں میں بھی یہی تجربہ حاصل ہوا ہے ۔ رڑکی میں ایس پی جی چرچ میں میرے ہوتے ہوئے دو دفعہ عشاء ربانی ہوئی مستورات آدمیوں سے زیادہ تھیں دہلی ایس پی جی چرچ میں یہی حال دیکھا کیا کوئی پاسٹر اپنے تجربہ سے میری اس مشکل کو حل کرسکتا ہے

مطبوعات جدید بزبان اُردو

واقعات بزرگان بائبل با تصویر۔ نوح۔ ابراہام۔ لوط۔ اضحاق۔ ربقہ۔ عیسو۔ یعقوب کے حالات قیمت ۱ر

موسیٰ کی حکایت باتصویر۔ موسیٰ کی کہانی کو عجیب طور پر آسان کر کے بچّوں کیلئے تیار کیا ہے قیمت ۱ر

الفریڈ اعظم معہ تصویر و نقشہ انگلستان۔ برطانیہ کے مشہور و معروف بادشاہ کی زندگی کے حالات ۲ر

سرگزشت رابنسن کروسو۔ یہ شہرۂ آفاق سفرنامہ بحری و بری جزایر ہند غربی ملک افریقہ اور چند وحشی اقوام و سیاح ممدوح کی عجیب و غریب زندگی و حالات ملکی کے متعلق ہے جو بیشمار زبانوں میں ترجمہ ہو کر ساری دنیا میں مقبول عام ہو گیا ہے۔ صفحہ ۱۲۰۔ قیمت ایک روپیہ

خدا کی پرستش کا بھید۔ روزانہ تلاوت۔ حمد اور معرفت الٰہی کے ایک مہینہ بھر کے لئے ورد۔ از پادری انڈرو مرے صاحب۔ صفحہ ۶۷۔ قیمت ۳ر

میں کون ہوں؟ اس سوال پر کہ "لوگ ابن آدم کو کیا کہتے ہیں"، فاضل مصنف کے مدلل رسالہ تیار کیا ہے۔ اور مولوی عماد الدین صاحب۔ قیمت صرف ۹ پائی۔

شہیدان کا رتھیج معہ تصاویر۔ اوائل تیسری صدی کے قدیم مسیحیوں پر ظلم و ستم کا انتہا اور اُن کا مسیح کے نام پر جانیں قربان کر دینے کا نہایت دردناک تذکرہ بطور ناول موجودہ ہلچل کے زمانہ میں ہر ایک ہندی مسیحی کو ضرور مطالعہ کرنا چاہئے صفحہ ۲۹۹ قیمت عہ؍ ۲ر جلد عہ؍ کپڑا عہ؍

محبوب آتا ہے۔ آخری زمانہ کی مصائب و نوائب اور مسیح کی دوبارہ آمد پر پہلی دفعہ یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ صفحہ ۵۸۔ قیمت ۴ر

محبت انگریزی۔ پادری ڈایل صاحب کی انگریزی کتاب کا ترجمہ اس قدر مقبولیت اس رسالہ کو حاصل ہے کہ اب تیسری بار ۱۰۰۰ چھاپی گئی ہے صفحہ ۵۲ قیمت ۲ر

بیگناہی مسیح۔ خداوند یسوع مسیح کی معصومیت پر پادری ہوپر صاحب کی قابل قدر کتاب ہے، مناظرہ میں پڑھیں صفحہ ۲۹ قیمت ۲ر

... دیس اور پنجابی نظم میں ایک نئی کتاب رسالہ یوسف زیر طبع ہیں +

سکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی۔ انارکلی لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۳۷۶

[illegible] پنجاب انڈین کرسچن [illegible]

مسیحی لاہور

منیجنگ ایڈیٹر مسٹر [illegible] پیارام

سالانہ چندہ [illegible] فی کاپی چار آنے

ہندوستانی مسیحیوں کا ماہوار رسالہ

جس میں رسالہ قاصد بھی شامل کردیا گیا ہے

دورِ جدید	ماہ فروری ۱۹۲۳ء	جلد ۳ نمبر ۲

ڈاکٹر کلے صاحب نے ایک کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ عبرانی لوگ اصل میں ارامی ہیں۔ بعض تاریخ دان جو یہ خیال کرتے ہیں کہ عبرانی قوم عرب سے آکر کنعان میں آباد ہوئی۔ غلطی پر ہیں۔ پھر یہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ کتاب مقدس میں پیدائش اور طوفان نوح کے قصے بابلی کتابات سے لئے گئے ہیں۔ یہ بھی سراسر غلط ہے کیونکہ حال ہی میں عبرانی طوفان کا حال مثلث نما حروف میں پایا گیا ہے جس میں بہت سے عبرانی الفاظ ہیں۔ اور بابل کے اور بہت سے قصوں میں بھی عبرانی الفاظ پائے جاتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بابلی قصے بائیبل میں سے اخذ کئے گئے ہیں +

مسیحی لاہور

دورِ جدید فروری سنہ ۱۹۲۳ء جلد ۳ نمبر ۴

نوٹ اور رائیں

رانچی میں ہندوستانی مسیحیوں کی کانفرنس

ہندوستانی مسیحیوں کی آل انڈیا کانفرنس

کے بعد ایک اور کانفرنس نیشنل مشنری کونسل کے متعلق جنوری کے پہلے ہفتے میں بمقام
رانچی منعقد ہوئی جس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی مشنری کونسلوں کے چُنے
ہوئے ہندوستانی ممبر قریب چالیس کی تعداد میں جمع ہوئے۔ لکھنؤ کی کانفرنس میں زیادہ تر
ان معاملات پر غور کی گئی جنکا چرچا عام طور پر ملک میں ہو رہا ہے۔ رانچی کی کانفرنس میں کلیسیا
کے تعلیمی مسائل اور اندرونی انتظام اور اس کی ہندوستانی ساخت پر بحث ہوتی رہی
جو جو سوال پیش ہوا اس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ مسیحی مذہب کو کیونکر ہندوستانی
قومی مذہب بنایا جائے اور اس مُلک کی کلیسیا کا انتظام ہندوستانی طرز پر کیونکر کیا جائے۔
غیر ممالک کے مشنریوں نے جو کلیسیا تعمیر کی وہ اپنے مُلکی نمونے پر کی۔ مگر اب وقت آگیا
ہے کہ مسیحی خدمت کو ہندوستانی بنایا جائے۔ اب چونکہ نیشنل مشنری کونسل ہی ایک ایسی انجمن

ہے جس میں کلیسیا کے اندرونی نظم ونسق کے متعلق سوالات پیش ہو سکتے ہیں۔ اور آئندہ
اس میں ہندوستانی مسیحیوں کی ایک معقول تعداد ہوگی۔ اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ اس
کونسل کا نام نیشنل کرسچن کونسل رکھا جائے۔ اس کے متعلق ہر صوبے میں ایک پروونشل
کونسل قائم کی جائے جس کے نصف قدر کا مشنری اور نصف ہندوستانی مسیحی ہوں چونکہ
نہایت دقیق تعلیمی اور دیگر مسائل کیوجہ سے نیشنل کرسچن کونسل کا کام بہت بڑھ جائیگا
اس لئے بجائے ایک کے کم از کم چار مستقل سکریٹری مقرر کئے جائیں جن کی تنخواہ کا
کچھ حصہ ہندوستانی مسیحیوں کے سر پر ہو۔ ان میں سے دو سکریٹری نامزد ہو چکے ہیں یعنی
مسٹر ہیڈن جو اس سال کے لئے چنے گئے ہیں اور سال آئندہ کیلئے مسٹر کے۔ ٹی پال سے
بشرط گنجائش درخواست کی جائیگی کہ وہ دو سال کیلئے مسٹر ہیڈن کیساتھ جائنٹ سکریٹری
ہونا منظور کریں۔ باقی دو سکریٹری مشنری بورڈوں کی اجازت سے مختلف مشنوں میں
سے چن لئے جائیں۔ ایک ان میں سے غالباً پادری ہیکی صاحب ہونگے جنکا موگا سکول
دیہاتی مدارس کا نمونہ تصور کیا گیا ہے۔ فرقہ اناث میں سے لونا کے سکاچ مشن کی مس
گارڈن صاحبہ کی خدمات اس عہدے کیلئے طلب کیجائینگی۔ مختلف قسم کے سوالات پر غور
کرنے کیلئے کونسل نے تین کمیٹیاں مقرر کیں۔ اوّل مسیحی تعلیم کی کمیٹی۔ اس کمیٹی کی رائے
میں ہندوستان میں مسیحی تعلیم کا یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ ہندوستانی کلیسیا کی تعمیر کیجائے اور
غیر مسیحیوں کو مسیحی مذہب کی تعلیم دی جائے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے مختلف قسم کے مدارس
اور مناسب تعلیم اور معلموں کی ضرورت پر چند تجاویز منظور ہوئیں۔ دوسری کمیٹی میں ایسا مور پر
بحث ہوتی رہی جن میں عوام کو دلچسپی ہے چنانچہ غور و فکر کے بعد قرار پایا کہ سوراج بلا انس
قومی وغیرہ صفات مسیحی مذہب کے مطابق اور مسیحی زندگی کی موید ہیں۔ مسیحی کلیسیا کا فرض
ہے کہ وہ ہندوستانیوں کی امنگوں کو سوراج کیطرف بڑھنے میں مسیح کی روح کیساتھ مالا مال
کرے۔ ضرور ہے کہ مسیحی انجمنیں عام دلچسپی کے سوالوں کا مطالعہ کر کے مسیحیوں اور غیر مسیحیوں
میں تعلیم اور بلدیت اور حفظان صحت اور پرہیزگاری اور پاکیزگی اور دیگر اخلاقی اور رفاہ عام
کاموں کے متعلق سوشل خدمت کو انجام دیں۔ تیسری کمیٹی میں مسیحی مذہب کو ہندوستانی طرز

پیدا کرنیکی نسبت غور کیگئی۔ یہ ایسا بھاری مضمون تھا کہ اسکے متعلق سرپرست کونسل میں کوئی فیصلہ کرنا ناممکن تھا۔ اس مقصد کیلئے ہندوستانی لیڈروں کی سخت ضرورت ہے اس کانفرنس نے تمام کلیسیاؤں کو بڑے زور سے ہدایت کی کہ مختلف مقامات میں ایسے مجمعے قائم کریں جو طریق عبادت اور بشارت کے کام اور تعلیم اور علم ادب اور سوشل خدمت میں مسیح کو ہندوستانی طرز پر پیش کریں۔ اور ایک مرکزی کالج علم الہیات کی تعلیم کیلئے کھولا جائے جسمیں آزاد خیالات کے لوگ مسیحیت کو ہندوستانی خیال کے سانچے میں ڈھالکر پیش کریں یہ کانفرنس چھ روز تک ہوتی رہی اور مسیحی رفاقت اور یگانگت کی روح نمایاں تھی۔ ایک بات جو خاص طور پر قابل لحاظ ہے یہ تھی کہ اتوار کے روز قریب سب ممبر عشائے ربانی میں شریک ہوئے۔ کہاں آل انڈیا کانفرنس کا اجلاس جسمیں رومن کیتھلکوں کے ڈر کے مارے ہزمنٹ کی خاموش دعا ہی کافی سمجھی جاتی ہے اور کہاں یہ منظر کہ قریب سب فرقے ملکر خداوند کی موت کی یادگاری میں شریک ہو رہے ہیں۔ عبادت کے بعد کرسچن پیٹریئٹ کے ایڈیٹر مسٹر چکرائی نے مسیحی مذہب کو ہندوستانی طرز پر ادا کرنے اور اس ملک کی رسوم کے مطابق عبادت کرنے پر چند طبع زاد دلچسپ خیالات کا اظہار کیا۔ صاحب موصوف کا میلان کیتھولک کلیسیا کی رسم پرستی کیطرف ہے۔ اس لئے سب مسیحی اُنکے ساتھ متفق نہیں ہو سکتے غرض ہر نوع رانچی کی کانفرنس ایک نہایت وزنی اور قابل یادگار مجلس تھی +

برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی کی سالانہ رپورٹ

جو اعلیٰ خدمت اس سوسائٹی نے قریب ایکسو بیس سال کے عرصے میں بائبل کی اشاعت کے متعلق کی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اسکا مدعا یہ ہے کہ ہر ایک خواندہ آدمی کے پاس اُسکی مادری زبان میں خدا کا پیغام پہنچایا جائے۔ اور اُسکی سالانہ رپورٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسے خدا کی مدد سے اس مدعا میں کسقدر کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ پیشتر اسکے کہ ہم چند اعداد کے ذریعے بتائیں کہ اس سوسائٹی نے سال گذشتہ میں کیا خدمات کی ہیں یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ یہ سوسائٹی چند انجمنوں میں سے ایک ہے جو اسی مقصد کیلئے دنیا میں قائم کیگئی ہیں چنانچہ علاوہ اسکے سکاٹلینڈ

اور آئرلینڈ اور ہالینڈ اور امریکہ اور دیگر ممالک میں اسی قسم کی سوسائٹیاں نہایت شاداب کی
حالت میں ہیں۔ اور انجیل کی اشاعت کا کام نہ فقط پروٹسٹنٹ کلیساؤں میں ہو رہا ہے
بلکہ رُوما میں بھی پوپ کی منظوری سے سینٹ جیروم کی سوسائٹی اسی غرض سے بیس برس
سے کام کر رہی ہے جو شخص اس رومی سوسائٹی کا بانی اور اول پریزیڈنٹ تھا وہ حال
ہی میں پوپ کے عہدے پر ممتاز کیا گیا ہے۔ اس سوسائٹی نے تیس لاکھ جلدیں مشرح
اناجیل اور اعمال کی کتاب کی اطالیانی زبان میں شائع کی ہیں اور اگر اناجیل سے
مختلف صحائف کا شمار اس میں شامل کیا جائے تو ان جلدوں کی مجموعی اشاعت چالیس لاکھ
کے قریب ہوگی۔

برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی نے سال زیر رپورٹ یعنی ۱۹۲۱-۲۲ء میں ۵۸۹۶۵۲
مطبوعات کتاب مقدس کی شائع کیں جو سال ماقبل کی نسبت چھیاسٹھ ہزار کم ہیں ۱۸۰۴ء
سے یعنی سوسائٹی کے آغاز سے سالِ حال تک قریب تینتیس کروڑ جلدیں کتاب مقدس
کی شائع ہو چکی ہیں اور ہر سال لاکھوں کی تعداد میں چھپ رہی ہیں باوجود اسکے بعض
کور باطن لوگ جہلا کو فریب دینے کی غرض سے کہا کرتے ہیں کہ بائبل ایک متروک کتاب ہے
جسے اب کوئی نہیں پڑھتا۔ اس سوسائٹی کے کارنامے نہایت حیرت افزا ہیں مثلاً وہ قریب
پانچ یا چھ ہفتوں میں اوسطاً ایک نئی زبان میں انجیل کا ترجمہ شائع کرتی ہے ماہ مئی ۱۹۱۳ء
میں ساڑھے چار سو زبانوں میں ترجمہ ہو چکا تھا۔ اب نو سال کے عرصے میں یہ تعداد ساڑھے
پانسو تک پہنچ گئی ہے۔ قابلِ لحاظ ہے کہ اسی نو سال کے عرصے میں زمانہ جنگ بھی شامل
ہے جب ہر قسم کی اشاعت کا کام بہت کچھ رُک گیا تھا۔ نئے ترجموں کی تعداد کے لحاظ
سے سال گذشتہ سب سالوں سے سبقت لے گیا ہے یعنی گزرے بارہ مہینوں میں کتاب مقدس
بارہ نئی زبانوں میں شائع کی گئی ہے جس قدر جلدیں اس سوسائٹی کی کوشش سے چھاپی جاتی
ہیں انمیں سے قریباً ایک تہائی انگلستان میں طبع ہوتی ہیں۔ باقی جلدیں اُن ممالک
میں چھاپی جاتی ہیں جنکی زبانوں میں وہ ترجمہ ہوتا ہے۔ کتاب مقدس کی چھپائی کیلئے
یہ سوسائٹی ساٹھ سے زیادہ اقسام کے حروف استعمال کرتی ہے بعض ممالک میں ایک

ہی زبان مختلف قسم کے حروف میں چھاپی جاتی ہے۔ مثلاً پنجاب میں پنجابی زبان فارسی یا گورمکھی حروف میں چھپی ہے۔ ترکی زبان کی بائبل عربی اور ارمنی اور یونانی حروف میں چھاپی جاتی ہے بعض مطبوعات میں دو یا تین اور بعض اوقات چار قسم کے ترجمے متوازی کالموں میں دیئے جاتے ہیں۔ بائبل یا اُسکے چند حصے اٹھتیس قسم کے اُبھرے ہوئے حروف میں اندھوں کیلئے شائع کئے گئے ہیں۔ اس سوسائٹی نے اپنی مطبوعات فروخت کرنے کیلئے دنیا کے قریب ایکسو شہروں میں ڈپو بنائی اور ایجنٹ مقرر کئے ہیں سال گذشتہ میں اسکے کتب فروشوں (کلپورٹیروں) کی تعداد دنیا بھر میں نوسو آدمیوں سے زیادہ تھی اسکی سب شاخیں انگلستان اور دیگر ممالک میں ایکہزار سے کچھ اوپر ہیں۔ چونکہ سوسائٹی کا مدعا یہ ہے کہ ہر ایک خواندہ آدمی کے ہاتھ میں انجیل کا نسخہ پہنچایا جائے اور زیادہ حصہ اُنمیں سے غریب لوگ ہیں اسلئے اُسنے اپنی مطبوعات کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی ہے۔ ماسوائے اسکے سوسائٹی شفاخانوں کے مریضوں اور جیلخانوں کے قیدیوں اور یتیم خانوں کے بچوں اور قحط اور وبا زدہ علاقوں کے خستہ حال لوگوں میں کتاب مُقدس مفت تقسیم کرتی ہے ہندوستان میں یونیورسٹیوں کے طلبا کو مختلف امتحانات پاس کرنے پر ایک جلد کتابِ مُقدس کی مکمل یا اُسکا ایک حصہ بطور تحفہ کے دیا جاتا ہے سنہ ۱۹۲۱ء میں آٹھ ہزار جلدوں سے زیادہ اسطور پر تقسیم کیگئیں سال گذشتہ میں سوسائٹی کی آمدنی قریب چار لاکھ پونڈ ہوئی اور خرچ اسکے مقابلے میں قریب پونے چار لاکھ پونڈ تھا۔

جرائم پیشہ اقوام اور مذہب

مسٹر کریرار ہوم سکرٹری نے کونسل آف سٹیٹ میں جرائم پیشہ اقوام کے متعلق مسودہ قانون پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ جہانتک میں نے بمبئی میں اس ایکٹ پر عملدرامد ہوتے دیکھا ہے گورنمنٹ غیر سرکاری ایجنسیوں مثلاً مکتی فوج اور مختلف مشنری سوسائٹیوں کی نہایت مشکور ہے جنہوں نے انسانی ہمدردی کی اس بھاری اور ضروری خدمتمیں گورنمنٹ کو امداد دی ہے۔ اسپر بعض معزز ممبر صاحبان کے کان کھڑے ہو گئے۔ اُنہوں نے ان شبہات کا اظہار کیا جو عوام کے دل میں پیدا ہو گئے ہیں کہ مشنری سوسائٹیاں اور مکتی فوج ہمدردی کے کام کی آڑ میں ان اقوام کو اپنے مذہب میں لانا چاہتی ہے۔ ایک ممبر صاحب نے نکتہ افشانی کی کہ گورنمنٹ مذہبی معاملات میں غیر جانبدار ہے

اسلئے اچھا نہیں کہ اسپر یہ الزام لگایا جائے کہ وہ اس قسم کے کام کی اجازت دیتی ہے اس نکتہ چینی کے جواب میں مسٹر کریرار نے فرمایا کہ جو لوگ ایسے شبہات میں پڑگئے ہیں میں اُنسے دریافت کرتا ہوں کہ کیا وہ کبھی جرائم پیشہ لوگوں کی بستیوں میں تشریف لیگئے ہیں۔ صوبہ بمبئی میں مَیں نے کبھی اس قسم کی شکایات نہیں سُنیں۔ یہ نہایت مناسب ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی غیر سرکاری ایجنسیاں جرائم پیشہ اقوام کو اپنی تحویل میں لیلیں۔ اگر کوئی ایجنسیاں ہوں جو اس خدمت کو اپنے ذمے لینا چاہیں تو مَیں بڑی خوشی سے انکی مدد کرونگا۔ اسپر ایک ہندو ممبر نے کہا کہ اگر سرکار ہماری مدد کرے تو ہم مظفرنگر کے علاقے میں کام شروع کرینگے۔ ہمیں اُمید ہے کہ سرکار خوشی سے اس علاقہ کی جرائم پیشہ اقوام کو ہندوؤں کے سپرد کریگی۔ تعجب ہے کہ صدیوں سے یہ لوگ اس ملک میں بود و باش کرتے آئے ہیں اور کبھی کسی غیر مسیحی فرقے کے خیال میں بھی نہیں آیا کہ اُنکی اصلاح کیجائے۔ اور انکو کسی مفید کام میں لگا کر انکی بدعادات کو توڑا جائے۔ اب جو مسیحی لوگ اُنکو اپنے حلقہ خدمت میں لے آئے ہیں تو ہمارے ہندو اور مسلمان بھائیوں کی مذہبی حمیت کی رگ جوش میں آگئی ہے ہمارے خیال میں اس نئے جذبے کی تہہ میں مسیحی مذہب کی مخالفت ہے۔ اگر انمیں انسانی ہمدردی یا ذرہ بھر اُنس ہوتا تو ان لوگوں کو خوش ہونا چاہئے تھا کہ ان اچھوت جاتی والوں کو کیچڑ میں سے اُٹھا کر اعلیٰ انسان بنایا جارہا ہے۔ اگر مشنریوں یا مکتی فوج نے ان گرے ہوئے اور رذیل لوگوں کو معاشرتی طور پر اُٹھانیکی کوشش کی اور اُنکے زیر اثر اگر بعض اشخاص نے خوشی سے مسیحی مذہب اختیار کرلیا تو اس میں مخالفت کی کیا بات ہے۔ افسوس ہے کہ یہ غل مچانیوالے نہ تو خود اس خدمت کو اپنے ذمے لیتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں کہ مسیحی لوگ اسکو اپنے طور پر انجام دیں یہ بھی ممکن ہے کہ آجکے دن حصول سوراج کی غرض سے ان نیچ جاتی والوں کو اکٹھا کر کے اکرنا مصلحت سمجھا جاتا ہو۔ مگر یہ بھی ایک قسم کی خود غرضی ہے جسمیں انسانی ہمدردی کی بو پائی نہیں جاتی۔

چین کی مسیحی کلیسیا

ماہ گذشتہ کے آخری اتوار کے روز لاہور کی متحدہ عبادت میں چین کے مسٹر ٹی۔ زیڈ کو نے جو دنیا کے مسیحی طلباء فیڈریشن کے سکرٹری کی حیثیت میں اسوقت ہندوستان میں دورہ کر رہے ہیں چین کی کلیسیا پر ایک نہایت

دلچسپ تقریر کی۔ دوران تقریر میں آپ نے فرمایا کہ سنہ ۱۸۰۶ء سے جبکہ کوششیں مسیحی مذہب کو اس ملک میں
پھیلانے کی ہو چکی ہیں سنہ ۱۹۰۰ء میں بوکسروں نے طوفانِ بے تمیزی اٹھایا اور مسیحی مذہب کو نیست و نابود
کرنے پر کمربستہ ہو گئے۔ اگر انہوں نے کلیسیا کی گزشتہ تواریخ سے سبق سیکھا ہوتا تو اس قسم کی مجنونانہ
حرکت نہ کرتے۔ کیونکہ کیا شہیدوں کا خون کلیسیا کا بیج نہیں ہے؟ کیا اس قسم کی ایذا رسانی سے کسی
ملک میں مسیحی مذہب کی ترقی مسدود ہو گئی ہے؟ باوجود مخالفت کے چین میں مسیحی مذہب ترقی پر
ہے۔ اس ملک کی کلیسیا جو مغربی کلیسیا کے نمونے پر قائم ہوئی ہے اس فکر میں ہے کہ چین میں کیونکر
ایک متحدہ قومی کلیسیا اپنے ملکی طرز پر بنائی جائے جو اپنے پاؤں پر کھڑی ہو اور اپنا انتظام خود کرے
اور بشارت کا کام خود اپنے ذمے لے۔ مگر انکے رستے میں خاص مشکلات حائل ہیں جو بہت کچھ وہی
ہیں جو ہندوستانی کلیسیا کو پیش آ رہی ہیں۔ اول بقول مسٹر کو وہاں کے مسیحی نہایت ناخواندہ
ہیں خصوصاً مستورات میں ۷۰ فیصدی لکھ پڑھ نہیں سکتیں۔ دوم چونکہ اس ملک میں کلیسیا
شروع میں غریب اور ادنیٰ درجے کے لوگوں کے درمیان قائم ہوئی ہے اسلئے روپیہ پیسہ کی قلت ہے
سوم کام کیلئے لائق تعلیمیافتہ کارندوں کی کمی ہے۔ اور چہارم انکی روحانی زندگی کا درجہ نہایت
پست ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اتوار کے روز گرجے میں جانا ہی مسیحی ہونا ہے اسلئے عوام انکو
"اتواری مسیحی" کہتے ہیں۔ پھر جو تعلقات اس ملک کی کلیسیا کے مشنریوں کیساتھ ہیں وہ بھی بعینہٖ وہی
ہیں جو ہم یہاں دیکھتے ہیں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ چونکہ ہندوستان ایک "مفتوح" ملک ہے اور
بدقسمتی سے جو مغربی ممالک کے باشندے ایک ہاتھ میں بندوق لائے وہی دوسرے ہاتھ میں انجیل بھی
لائے ہیں اسلئے مشنری اور ہندوستانی کلیسیا میں حاکم و محکوم کا تعلق قائم رہتا ہے مگر چین کی کلیسیا کا حال سنکر
معلوم ہوتا ہے کہ حکومت لینے کا مادہ مغربی مشنری کی سرشت ہی سے خارج نہیں ہو سکتا خواہ وہ پاتال میں
چلا جائے۔ چنانچہ مسٹر کو نے فرمایا کہ چینی مسیحی مشنریوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور انکے کام کو "اجنبی" کہا
جاتا ہے پھر وہاں مشن کا انتظام بڑے بھاری خرچ سے چلایا جاتا ہے۔ اور مشنریوں میں فرقہ بندی کے
تفرقے موجود ہیں۔ کیا ہندوستان میں بھی یہی مضمون صادق نہیں ہے؟ اور جیسا اس ملک میں دیکھا جاتا ہے وہاں
بھی لائق سیکھے ہوئے مسیحی کارندوں کی کمی ہے۔ تعلیمی خدمت کا کام سراسر مشنریوں کے ہاتھ میں ہے جو اچھا
کامیاب ثابت ہوا ہے۔ مشنری حلقہ کے باہر خود چینی مسیحیوں نے بعض خدمات شروع کر دی ہیں مثلاً

اُنہوں نے ایک متحدہ مہم مشنری سوسائٹی قائم کی ہے جو تین علاقوں میں کام کر رہی ہے۔ دوئم اُنہوں نے وائی ایم سی اے کا کام آدمیوں میں اور وائی ڈبلیو سی اے کا کام مستورات میں جاری کیا ہے۔ جو گزرے سات سال میں ایک سے سات علاقوں میں پھیل گیا ہے اور جسکے شرکاء کی تعداد اسوقت چالیس ہزار ہے۔ اس کام کے ڈائرکٹروں میں وہ بعض غیر مسیحی بھی ہیں۔ سوئم اُنہوں نے طلبا میں سٹوڈنس یونین قائم کیا ہے جسکے ذریعے ۳۰۰ طالب العلم بپتسمہ پا چکے ہیں اس قسم کے کام کا جوش زیادہ تر طلبا میں پایا جاتا ہے۔ یہ ہمارے مسیحی طلبا کیلئے ایک نمونہ ہے۔ اگر انہیں اپنی مسیحی قومیت کا خیال پیدا ہو جائے تو ہندوستان کیلئے تازگی کے دن بہت جلد آئینگے۔ پرانے مسیحی جنہوں نے خود تکالیف اُٹھا کر مسیح کو قبول کیا گزرتے جا رہے ہیں اور اب آئندہ کلیسیا کی آنکھیں اُس نوخیز پشت کیطرف لگ رہی ہیں جو اپنے آباؤ اجداد کی طفیل مسیحی برکات سے مستفیض ہو رہی ہے۔ کیا ہمارے طلبا چین کے طلبا کے نمونے پر کوئی ایسا یونین قائم نہیں کر سکتے جو مسیحی خدمت کو اپنے ذمے لیکر مسیح کی بادشاہت اس مُلک میں قائم کرنے اور پھیلانے کا ذریعہ ہو۔

مغربی تہذیب کے کرشمے

اب تک تو ہم مغربی اخبارات میں اُس وحشیانہ سلوک کے رقت انگیز قصے پڑھا کرتے تھے جو ہندوستانی آدمی اپنی بیویوں کیساتھ کیا کرتے ہیں۔ مگر اب امریکہ میں اُلٹی گنگا بہنے لگی ہے۔ اس ملک کے مرد اپنی بیویوں کے ہاتھ سے نالاں ہیں۔ اُنہوں نے حفاظت خود اختیاری کی غرض سے ایک انجمن قائم کی ہے اور عدالت عالیہ میں ایک عرضداشت اس مضمون کی پیش کی ہے کہ (۱) مرد کو خاندان کا مرکز اور منتظم قرار دیا جائے (۲) گھر کے تمام کاروبار مثلاً جھاڑو دینے خرید و فروخت کرنے کھانا پکانے اور برتن دھونے سے مرد کو محفوظ رکھا جائے (۳) سوائے مرد کی صلاح اور منظوری کے بیوی کو خواہ نقد خواہ اُدھار کسی چیز کے خریدنے کی اجازت نہ دی جائے (۴) مرد کو قانونی حق حاصل ہو کہ وہ اپنی بیوی کے بالوں کی چھوٹائی اور ساڑھے کی لمبائی کا فیصلہ کرے۔ علاوہ ازیں یہ بھی استدعا کی گئی ہے کہ سوائے مرد کی تحریری اجازت کے اُسکی خوشدامن اور بیوی کے دیگر لواحقین اُسکے گھر میں نہ آنے پائیں۔ عدالت عالیہ کے جج صاحب نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا کہ وہ اس درخواست پر بہت غور کرینگے۔ اسپر ہمعصر کرسچن پیٹریٹ راقم زن ہے کہ ہماری ہمدردی تمام و کمال امریکہ کی بیویوں کیساتھ ہے اور اُمید ہے کہ جج صاحب اپنے مردانہ تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر اس عرضی کو خارج کر دینگے اور اُن وحشی آدمیوں کی بیویوں کو خرچہ دلوائینگے جس سے وہ اپنی حسب مرضی ساڑھے بنوا لینگی۔

ہندوستانی مسیحیوں کی بشارتی اُمنگیں

ہماری کلیسیا میں مختلف قسم کی بشارتی تحریکیں پیدا ہو رہی ہیں جن سے کم از کم یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم میں زندگی کے آثار شروع ہو گئے ہیں علاقہ مدراس میں جہاں مسیحیوں کی معقول آبادی ہے بعض بشارتی انجمنیں ہیں۔ ہم نیشنل مشنری سوسائٹی کو بھی اسی زندگی کا ایک ثبوت سمجھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہمیں اپنے نیک ارادوں کی تکمیل کیلئے ضروری سامان نہ ملے یا ہم بغیر لاگت کا حساب کرنے کے برج ... شروع کر دیں اور ہمیں اپنی توقع کے مطابق کامیابی نصیب نہ ہو۔ یہ ہمارے ایمان کی کمی اور کمزور زندگی کا نتیجہ ہو سکتا ہے مگر ہماری نیت کا قصور نہیں بلکہ ایک اور بشارتی اُمنگ ہماری مسیحی جماعت میں پیدا ہو رہی ہے۔ یہ عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ہمارے ملک کیلئے بہترین مبشر ہندوستانی مسیحی ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی مانی ہوئی بات ہے کہ انجیلی خدمت کا مغربی طریق چنداں مفید ثابت نہیں ہوا اور کہ بشارتی خدمت احسن طور پر مسیحی سادھوؤں اور سنیاسیوں کے ذریعے انجام پا سکتی ہے۔ اسلئے ملک کے مختلف علاقوں سے فرحت افزا خبریں مل رہی ہیں کہ مبشر سادھوؤں کے لئے رہبان خانے یا انبیازادوں کے مدرسے قائم کرنے کی تجویز ہو رہی ہے۔ علاقہ مدراس میں کئی ایک سادھو ہیں۔ پنجاب میں بھی بعض "رمتے" سادھو ... کی طرح کبھی کبھی نظر آ جاتے ہیں آسام میں سینٹ اینڈریو مشن قائم کیا گیا ہے جو حال ہی میں نیشنل مشنری سوسائٹی سے ملحق کیا گیا ہے رڑکی کے پادری فرینک صاحب چند احباب کی مدد سے گنگا کے کنارے جوالاپور میں ایک آشرم مسیحی سادھوؤں کی تیاری کیلئے کھولنے والے ہیں۔ اس تجویز کا قطعی فیصلہ ایک جلسے میں ہونیوالا ہے۔ اب پونا کے علاقے سے ایک "کرسٹ سیوا سنگھ" کے جاری ہونے کی خبر ملی ہے۔ بمبئی کے نئے ماہوار رسالے "انڈین کرسچن ریویو" میں پادری جے سی ونسلو صاحب ایم اے (دیواآنتا) تحریر فرماتے ہیں کہ اسوقت اس سنگھ یا برادری میں چار سادھو ہیں جنمیں سے ایک سنیاسی ہے یہ آشرم ضلع پونا کے ایک خوبصورت علاقے میں بمقام جوننار سیواجی کی جائے ولادت قلعہ شیونیری کے دامن میں واقع ہے زراعت کیلئے ایک بڑا بھاری قطعہ اراضی دربادلی سے ہمارے سپرد کیا گیا ہے اور ہمیں امید ہے کہ ہم کاشتکاری او

کپڑا بننے اور اور دستکاریوں کے ذریعے اس آشرم کو جلد اپنے پاؤں پر کھڑا کر لینگے ۔

ہم اس آشرم کے قواعد اور ضوابط اپنے اُن ناظرین کی واقفیت کیلئے مفصل درج کرتے ہیں جو جوالاپور والی تجویز پر غور کر رہے ہیں ۔

۱ **نام** ۔ اس رفاقت کا نام "کرسٹ سیوا سنگھ" ہوگا۔ یعنی مسیح کے سیوکوں کی سنگت یا خدمت کی مسیحی سنگت ۔ یہ برادری "مُقدّس برنباس کی رفاقت" کہلائیگی۔ کیونکہ یہی مقدس اس کا سرپرست اور نمونہ ٹھیرایا گیا ہے ۔

۲ مقاصد

(ا) بھگتی (عبادت و مراقبہ) جبتک ہم خود مسیح کی روح سے معمور نہ ہوں ہم اوروں کی خدمت نہیں کر سکتے۔

(ب) بائبل کا مطالعہ۔ یہ بھگتی کیلئے لازمی ہے ۔

(ج) خدمت ۔ اپنے خداوند کے نمونے پر سب آدمیوں کی خدمت کریں۔ خصوصاً بیماروں اور غمزدوں اور محتاجوں کی ۔

(د) بشارتی کام ۔ ہم اپنے زندہ اور نجات دہندہ مسیح کی منادی کرنا چاہتے ہیں۔

(ہ) خدمت بلا مشاہرہ اور مشترک کھانا ۔

ان سب امور میں مُقدّس برنباس ہمارا نمونہ ہے ۔

۳ **وزیٹر** (معائنہ) ۔ علاقے کے بشپ صاحب وزیٹر ہونگے۔ سب کام عام طور پر اُنکی زیر نگرانی ہوگا۔ اور کسی مشنری سوسائٹی کے ماتحت یا متعلق ہوگا ۔

۴ **شرکاء** ۔ سب مسیحی جنہوں نے بپتسمہ پایا اور عشائے ربانی میں شریک ہوتے ہیں اور متعلق بکلیسیائے انگلستان ہیں۔ موجودہ شرکا کی رضامندی سے اس سنگھ کے ممبر ہو سکتے ہیں (اگر کوئی شخص کلیسیائے انگلستان کا ممبر نہ ہو مگر اسقفی اصول کو تسلیم کرتا ہو تو وہ جناب بشپ صاحب اور تمام موجودہ ممبروں کی رضامندی سے اس رفاقت میں شامل ہو سکتا ہے)۔

پورا ممبر بننے کے تین درجے ہیں۔ اوّل مُمکشو یعنی ایسا شخص جو آزمائشی طور پر

اس برادری میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ دوئم سادھک۔ کم ازکم تین ماہ تک اس قسم میں مُمکشو رہ کر وہ شخص سب موجودہ ممبروں کی رضامندی سے سادھک بن سکتا ہے عمر اُس کی اٹھارہ سال سے کم نہ ہو۔ سادھک ہو جانے پر جو نقد اُسکی جیب میں ہو وہ بلا حیل وحجت برادری کے حوالے کردے۔ اور اگر اسکو کسی روپیہ کا سود آتا ہو تو اُسکے دیدینے کا بھی وعدہ کرے۔ اگر وہ نہ چاہے تو زر اصل یا کتابیں یا اور جائداد برادری کے حوالے نہ کرے گو یہ سب کچھ برادری کے پاس بطور امانت کے رہیگا جبتک کہ وہ برادری میں شریک ہے سوئم کم ازکم سوا سال تک سادھک کے درجے میں رہ کر بشپ صاحب اسکو سب ممبروں کی رضامندی سے "سیدھا" کے درجے میں شامل کرینگے۔ سیدھا بننے سے پیشتر وہ یہ اقرار کریگا کہ میں زندگی بھر سینٹ برنباس کی رفاقت کا ممبر رہونگا بشرطیکہ بشپ صاحب اور شرکا کے نزدیک میرے چھوڑنے کیلئے کافی وجہ ہو۔ اگر کوئی سیدھا کسی بُرائی کا مرتکب ہو تو وہ ممبروں کے متفقہ فیصلے اور بشپ صاحب کی اجازت سے برادری سے خارج کیا جائیگا۔ چھوڑتے وقت وہ ممبر اپنا سب کچھ جو برادری کے پاس بطور امانت ہو واپس لے سکتا ہے۔

۵ **عہدہ داران**:۔ یہ برادری سوائے مسیح کے جو ہمارا خداوند ہے اور کسی کو اپنا گرو یا اپنا سر تسلیم نہیں کرتی۔ مگر خدمت کی غرض سے تین عہدہ داروں کو سالانہ جلسے میں منتخب کر لیا کریگی یعنی (۱) پریذیڈنٹ یا مذہبی منتظم (۲) سیکرٹری یا خانگی منتظم اور (۳) کاروباری یا جائداد اور احاطے کا منتظم۔

۶ **طرز رہائش**:۔ صفائی اور صحت کو مد نظر رکھ کر سادہ ہوگا۔

۷ **لباس**:۔ سب کے لئے خاص لباس کفنی ہوگا جو سنیاسیوں کیلئے زعفرانی رنگ کی اور اوروں کیلئے سفید ہوگی۔۔

۸ **روزمرہ کا دستور العمل**:۔ ہر ممبر کے مقررہ کام میں مندرجہ ذیل باتیں شامل ہونگی۔

(۱) صبح اور شام کی سندھیا (۲) دھیان (۳) دوپہر کا مراقبہ (۴) بائبل اور دیگر کتب کا مطالعہ (۵) دستکاری۔ امید ہے کہ سب شرکا کم ازکم ہفتے میں ایک دفعہ عشائے ربانی میں شریک ہونگے اور سال میں عموماً چند ماہ کیلئے بشارتی کام کرینگے۔

۹ سالانہ عید۔ مُقدّس برنباس کا دن بطور سالانہ عید کے منایا جائیگا۔ اور اُسی روز سالانہ جلسہ ہوگا اس موقعہ پر اور دیگر مجالس میں بغیر اتفاق سب ممبروں کے کوئی تجویز منظور نہ ہوگی

۱۰ سنیاسی:۔ اگر کوئی ممبر بلا مشاہرہ کام کرنے اور مجرد رہ کر اپنی زندگی خدا کی خدمت کیلئے وقف کر دینے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ باقی سب ممبروں کی رضامندی سے برادری میں شریک ہو کر سنیاسی بن سکتا ہے اگر وہ آشرم سے باہر جاکر کام کرے تو جو کچھ اُسے دیا جائے وہ اُسی پر گزارہ کریگا۔

۱۱ اسوسی ایٹ:۔ جو لوگ اس رفاقت کے مقاصد سے ہمدردی رکھتے اور اُسکے لئے بلا ناغہ دعا مانگنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ وہ بڑی خوشی سے اسکے اسوسی ایٹ (اہل انجمن) قبول کئے جائینگے۔

کتابِ مُقدّس کے ترجمے کی مشکلات

برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی کی سالانہ رپورٹ کے پڑھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب مُقدّس کا ترجمہ کرنے والوں کو کس قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے ایک انگریز پادری صاحب کی مثال دی گئی ہے جو اپنی سہ ماہی تعطیلات بسر کرنیکے لئے اٹلی میں تشریف لے گئے۔ آپ نے اٹلی کی زبان اپنے ملک میں سیکھی تھی اور اُنہیں خیال تھا کہ وہاں سب لوگ ان کی باتیں بآسانی سمجھ جائینگے۔ اتفاقاً ایک روز کسی خاتون نے شہر نیپلس میں آپ سے درخواست کی کہ مجھے کرکٹ کا کھیل سمجھا دیجئے۔ اول تو ایک خاتون کو جو اس کھیل کے قواعد سے واقف نہ ہو انگریزی زبان میں سمجھانا کچھ آسان نہیں۔ اور اٹلی کی زبان میں تو اس مضمون کو ادا کرنا اور بھی ٹیڑھی کھیر ہے اب پادری صاحب عجب مخمصے میں پھنس گئے۔ بھلا سٹمپس بیلز اور فیلڈ اور پوئنٹ اور سلپ اور لانگ سٹاپ اور بولنگ اور دیگر مختلف اصطلاحات کا جو گیند یا بلے وغیرہ کے متعلق ہیں کیا ترجمہ کیا جائے؟۔ آخر پادری صاحب ایسے گرداب میں پڑ گئے کہ

اُس خاتون کو کہنا پڑا کہ کرکٹ ایک عجیب قسم کا پیچیدہ کھیل ہے۔ جسے اجنبی لوگ آسانی نہیں سمجھ سکتے۔ یہ ایک خواندہ خاتون کا حال ہے۔ مگر جب مسیحی مشنری کسی جنگلی قوم کے درمیان انجیل کی منادی کرنا چاہتا ہے۔ تو اُسے کیسی مشکل پیش آتی ہوگی۔ اول تو اُسے اُن جنگلیوں کی گفتگو کے گہر ا سپڑ کو سیکھنا پڑتا ہے۔ پھر اُس زبان کو احاطہ تحریر میں لانے کیلئے اُسکے حروف تہجی اور لغات اور صرف و نحو کی کتاب تصنیف کرنی پڑتی ہے یہاں تک پہنچ کر اس کی سب سے بھاری مشکلات شروع ہو جاتی ہیں جن چیزوں کو اُن لوگوں نے کبھی دیکھا نہیں انکو کیا نام دیا جائے؟ برفانی ملک کے باشندے (اسکیمو) انجیر کا درخت کیونکر سمجھیں گے اور افریقہ کے گولڈ کوسٹ کے باشندوں کے لئے برف کا کیا ترجمہ کیا جائے؟ پولینیشیا کے جزائر میں جہاں سوأر اور کتے ہی سب سے بڑے حیوان ہیں۔ عوام بڑے بڑے چوپایوں کا تصور دل میں کیونکر لا سکتے ہیں؟ سائبیریا کے خانہ بدوش لوگوں کیلئے جن کے پاس جادوگروں کے ڈھول کے سوا اور کوئی موسیقی باجا نہیں۔ نے اور ستار اور رباب اور بربط او چغانہ کا کیا ترجمہ کیا جائے؟ پھر اخلاقی اور روحانی مشکلات ان سے بڑھکر ہیں۔ بعض وحشی لوگوں میں خدا کیلئے جو لفظ پایا جاتا ہے اُسکا مطلب بدصورت معبود یا مخاصم جن ہوتا ہے۔ اب انکے لئے کوئی ایسا لفظ وضع کرنا جس کے ذریعے اس بڑی مسیحی صداقت کا مضمون اُنکی سمجھ میں آجائے کہ خدا روح ہے اور خدا محبت ہے کیسا دشوار ہے۔ مشنری کا یہی کام نہیں کہ بُت پرستوں کو نومرید بناکر بپتسمہ دے۔ اُسکا یہ بھی فرض ہے کہ انجیل کا پیغام دینے اور مسیح کی تعلیم کا مضمون پیش کرنے سے پیشتر وہ اُنکی زبان کو نومرید بنائے اور اُنکی لغات کو بپتسمہ دے۔

جزیرہ سینٹس میں اول اول جرمن مشنریوں نے انجیل کی منادی کی جب سنہ ۱۹۱۴ء میں پادری کرافٹ صاحب اُس جزیرے میں وارد ہوئے تو وہاں کے باشندے آدم خور تھے اور اُن میں خانہ جنگی کا زور تھا۔ اُنکی زبان میں ذہنی تصورات کی کمی تھی آخر پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد آپ نے مرقس کی انجیل کا ترجمہ اُس زبان میں شروع کیا جو حال ہی میں بائبل سوسائٹی نے شائع کیا ہے اُن لوگوں

میں سلام اور شکرگزاری کے لئے کوئی لفظ نہ تھا۔ اُن کی بھیڑیں ایسی جنگلی اور تند خو ہوتی ہیں کہ اُن کے لئے جو اشارات بھیڑوں کی نسبت کتاب مقدس میں پائے جاتے ہیں کچھ معنے نہیں رکھتے۔ پھر اُس جزیرے میں گیہوں اور کھیت اور باغ کے لئے کوئی لفظ نہیں۔ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میں مدت تک فرمانبرداری کے لئے لفظ تلاش کرتا رہا۔ یہ صفت ان لوگوں میں پائی نہیں جاتی۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ جب میں گاؤں سے لوٹ کر گھر کو جا رہا تھا کہ میرا کتا پیچھے رہ گیا۔ میں نے سیٹی مار کر اُس کو بلایا اور وہ میرے پاس بڑی تیزی سے بھاگتا ہوا آیا۔ یہ دیکھ کر ایک بڈھے نے جو سڑک کے کنارے کھڑا تھا تعجب سے کہا کہ کتا تمہارا اور کان اُسکا فقط یعنی تمہارا کتا "ہمہ گوش" یا تابعدار ہے۔ میں نے اس لفظ کو استعمال کر کے دیکھا کہ اس سے فرمانبرداری کا مفہوم ادا ہو جاتا ہے اور اُسکو قابو کر لیا۔ اسی طرح اتفاقیہ مجھے لفظ "کفارہ" مل گیا۔

ان مشکلات پر غور کر کے کیا ہر ایک مسیحی کا فرض نہیں کہ اُن لوگوں کے لئے جو کتاب مقدس کا ترجمہ کرنے یا ترجمے کی نظرثانی کرتے ہیں۔ خدا سے دعا کرے کہ اُسکا روح اس کام میں اُن کی مدد اور ہدایت کرے؟ +

حساب کیا گیا ہے۔ کہ زمانہ حال کے مشنوں کے ذریعہ سے دس لاکھ نومرید حاصل کرنے میں ایک صدی سے زیادہ عرصہ لگا۔ اس کے بعد بارہ سال میں دس لاکھ نومرید حاصل ہوئے پھر یہی تعداد چھ سال میں حاصل ہوئی۔ اگر مسیحیوں کی تعدادی ترقی کی یہی رفتار رہی تو کچھ عرصہ کے بعد ایک سال میں دس لاکھ آدمی بپتسمہ کے ذریعہ کلیسیا میں شامل ہوا کرینگے +

براعظم افریقہ میں اکیانویں پروٹسٹنٹ مشنری سوسائٹیاں کام کر رہی ہیں جن میں ۵۳۶۵ یوروپین مشنری اور ۲۹۶۵۱ افریقہ کے واعظ اور معلم ہیں۔ اور مسیحیوں کی تعداد قریب بیس لاکھ کے ہے +

انجیل

اصل میں ہے کیا؟

وہ کونسا عیسائی ہے جو لفظ انجیل سے واقف نہیں ہے؟ بلکہ اندیشہ تو یہ ہے کہ یہ لفظ اسقدر استعمال ہوتا ہے اور مسیحیوں کے درمیان اسقدر عام ہے کہ اس بات کا خیال بھی نہیں آتا کہ ذرا ٹھیر کر سوچیں کہ اس لفظ کا مطلب کیا ہے۔ ہم ذرا غور کریں کہ جسکو ہم انجیل کہتے ہیں وہ اصل میں ہے کیا؟ اوّل تو چار کتابیں ہیں جن میں سے ہر ایک کو ہم انجیل کہتے ہیں۔ یعنی متی کی انجیل۔ مرقس کی انجیل۔ لوقا کی انجیل اور یوحنا کی انجیل۔ دوم نئے عہد نامہ کی کتابوں کے مجموعہ کو انجیل کہتے ہیں۔ سوم۔ انجیل کے معنی ہیں "خوشخبری" اور چونکہ نئے عہد نامہ میں اس خوشخبری کا ذکر ہے اس لئے ہم اُسکو انجیل کہتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ اچھی طرح سے سمجھیں کہ یہ خوشخبری کیا ہے جس کے سُننے اور ماننے سے انسان مسیحی کلیسیا میں شامل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر مسیحی کلیسیا ایک ایسی جماعت ہے جس میں جو چاہے شامل ہو جائے تو لازمی ہے کہ اس میں شمولیت کی شرط ایسی ہو جس کو ہر ایک پوری کر سکے بالفاظ دیگر یوں کہو کہ یہ انجیل یا خوشخبری ایسی ہونی چاہئے کہ کیا عالم کیا اَن پڑھ سب اسکو سمجھ سکیں۔ اگر مسیحی مذہب کی بنیاد کسی مشکل یا دقیق مسئلہ یا مسئلوں پر ہوتی تو یہ مذہب فقط علما ہی کے لئے ہوتا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس مذہب میں دقیق مسئلے نہیں ہیں۔ کئی مسئلے ایسے ہیں جنکا پوری طرح سمجھنا نہایت مشکل بلکہ محال ہے۔ جن کی بحث میں علمائے دین نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں (اور انکے سمجھنے کی کوشش ہر مسیحی کو اپنی بساط بھر کرنی چاہئے) ہمارا مطلب یہ ہے کہ گو دقیق و مشکل مسائل موجود ہیں لیکن یہ خداوند کی کلیسیا میں شامل ہونے کی شرط نہیں ہیں۔ شاید ایک مثال سے ہمارا مطلب زیادہ واضح ہو جائیگا۔ انسان کی جسمانی زندگی کا مدار خوراک پر ہے اور خوراک کا استعمال بوڑھا۔ بچہ۔ عالم۔ اَن پڑھ ہر ایک جانتا ہے لیکن یہ کہ خوراک کس طرح سے

علاوہ ان کے جابجا اس کتاب میں رسولوں کی منادی کے اشارے پائے گئے ہیں جن سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ جب بے ایمان اسکریوتی کی جگہ پُر کرنے کی ضرورت ہوئی۔ تو کس لیاقت کا آدمی درکار تھا؟ جو یوحنا کے بپتسمہ سے لیکر خداوند کے آسمان پر جانے تک ساتھ رہا ہو تاکہ اس کے جی اُٹھنے کا گواہ ہو (اعمال ۱-۲۲)۔ اور رسول بڑی قدرت سے خداوند یسوع کے جی اُٹھنے کی گواہی دیتے رہے"۔ (۴-۳۳) جب غیر قوموں کے ایمان کا دروازہ کھلا تو کرنیلیس کے ہاں رسول نے خداوند کی۔ زندگی موت اور قیامت ہی کی منادی کی (۱۰-۳۸-۴۳) پولوس اپنی منادی میں کھول کھول کر یہ دعویٰ کرتا تھا کہ مسیح کو دکھ اُٹھانا اور مُردوں میں سے جی اُٹھنا ضرور تھا"۔ (۱۷-۳) بلکہ اپنی منادی کی بابت خود کہتا ہے کہ "ان باتوں کے سوا کچھ نہیں کہتا جن کی پیشینگوئی نبیوں اور موسیٰ نے بھی کی کہ مسیح کو دکھ اُٹھانا ضرور ہے اور سب سے پہلے وہی مُردوں میں سے زندہ ہو کر اس اُمت کو اور غیر قوموں کو بھی نور کا اشتہار دیگا"۔ (۲۶-۲۳) غرضیکہ اعمال کی کتاب میں رسولوں کے کلام میں ان واقعات کا تذکرہ بافراط پایا جاتا ہے (دیکھئے ۲۲-۲۲ و ۳-۳۳-۴-۳-۲۱-۲۰-۴-۱۰ و ۲۷-۱۰-۴۰ سے ۴۲-۱۳-۲۷ سے ۳۱ وغیرہ) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی کلیسیا کی انجیل یہ تھی کہ خداوند کی موت۔ دفن۔ قیامت صعود کے ذریعہ خدا کی محبت گنہگار دُنیا پر ظاہر کی جائے۔

اب **خطوط** کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ خاص خاص موقعوں اور ضرورتوں کے موافق لکھے گئے ان میں رسولوں نے وہ سبق پیش کئے ہیں جو انکی ابتدائی منادی سے بطور نتیجہ نکلتے ہیں۔ یعنی خطوط میں جو رسولوں کی تعلیم ہے۔ اُن کی بنیاد بھی ان واقعات پر ہے جنکا ذکر اوپر آیا ہے۔ **رومیوں** کے خط کے شروع ہی میں رسول انجیل کی بابت کہتا ہے کہ وہ خوشخبری ہے جسکا خدا نے پیشتر سے اپنے نبیوں کی معرفت پاک نوشتوں میں اپنے بیٹے ہمارے خداوند یسوع مسیح کی نسبت وعدہ کیا تھا جو جسم کے اعتبار سے تو داؤد کی نسل سے پیدا ہوا لیکن روح کے اعتبار سے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے سبب قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرایا گیا" اس خط میں رسول نو مریدوں کی تسلی و اطمینان کے لئے عملی سبق نکالتا ہے اور پھر ان ہی ظاہری واقعات ہی کی بنا پر کلام کرتا ہے۔ مثلاً راستباز ٹھہرائے جانے کے بارے میں

کہتا ہے۔ یہ بات کہ ایمان ابراہیم کے لئے راستبازی گنا گیا نہ صرف اس کیلئے لکھی گئی بلکہ ہمارے لئے بھی جن کے لئے ایمان راستبازی گنا جائیگا۔" اور وہ ایمان کیا ہے؟ کہ خدا نے ہمارے خداوند یسوع کو مُردوں میں سے جلایا۔ وہ ہمارے قصوروں کے سبب مارے جانے کیلئے حوالہ کر دیا گیا۔ اور ہمارے راستباز ٹھہرنے کے لئے جلایا گیا (رومیوں ۴-۲۳-۲۵) پھر ایک جگہ رسول کہتا ہے کہ "یہ وہی ایمان کا کلام ہے جس کی ہم منادی کرتے ہیں کہ اگر تو اپنی زبان سے یسوع کے خداوند ہونے کا اقرار کرے اور اپنے دل سے ایمان لائے کہ خدا نے اُسے مُردوں میں سے جلایا تو نجات پائیگا" (رومیوں ۱۰-۹) بخوبی غور فرمائیگا۔ رسول یہ نہیں کہتا کہ انسان راستباز تب ٹھہرایا جائیگا جب اُسکو دل میں اطمینان ہو جائے کہ اُسکے گناہ معاف ہو چکے ہیں نہ یہ کہ جب مسیحی تجربہ حاصل ہو جائے تب نجات ملیگی۔ بلکہ یہ کہ راستباز ٹھہرائے جانے اور نجات پانے کی شرط یہ ہے کہ انسان خداوند یسوع کا اقرار کرے اور ایمان لائے کہ خدا نے اُسے مُردوں میں جلایا۔ پہلے سپاہی فوج میں بھرتی ہوتا ہے جنگ و فتح کا تجربہ تو کہیں پیچھے آتا ہے۔ کم از کم رسول کے کلام سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اسی طرح مُقدس پطرس بھی کہتا ہے کہ تم اُس خدا پر ایمان لائے ہو جس نے مسیح کو مُردوں میں سے جلایا (۱ پطرس ۱-۲۱) جب مُقدّس یوحنا اپنے مریدوں کو روحانی خوشی سے بھرپور کرنا چاہتا ہے تو خدا کے انتخاب کے بھید یا شخصی اطمینان و تجربہ کا ذکر نہیں کرتا بلکہ اُسکی گواہی دیتا ہے جو ابتدا سے تھا۔ جسے ہم نے سُنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا اپنے ہاتھوں سے چھوا۔ یہ باتیں اس لئے لکھتے ہیں کہ تمہاری خوشی پوری ہو جائے" (۱ یوحنا ۱-۴) پولوس کرنتھیوں کو لکھتا ہوا بتاتا ہے کہ وہ خوشخبری کیا تھی جو انہیں دی گئی تھی۔ جس کو انہوں نے قبول بھی کر لیا تھا اور جس پر وہ قائم بھی تھے۔ جس کے وسیلے نجات بھی ملتی ہے بشرطیکہ اسے یاد رکھیں۔ وہ کیا تھی؟ یہ کہ مسیح کتاب مُقدّس کے بموجب ہمارے گناہوں کے لئے مُوا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مُقدّس کے بموجب جی اُٹھا۔" (۱ کرنتھیوں ۱۵-۱-۴)

قصہ کوتاہ کلام الٰہی سے کافی واضح ہے کہ انجیل یا خوشخبری یہ ہے کہ خدا قادر مطلق

علاوہ ان کے جابجا اس کتاب میں رسولوں کی منادی کے اشارے پائے ہیں جن سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ جب بے ایمان اسکریوتی کی جگہ پُر کرنے کی ضرورت ہوئی۔ تو کس لیاقت کا آدمی درکار تھا؟ جو یوحنا کے بپتسمہ سے لیکر خداوند کے آسمان پر جانے تک ساتھ رہا ہو تاکہ اس کے جی اُٹھنے کا گواہ ہو (اعمال ۱-۲۲)۔ اور رسول بڑی قدرت سے خداوند یسوع کے جی اُٹھنے کی گواہی دیتے رہے"۔ (۴-۳۳) جب غیر قوموں کے ایمان کا دروازہ کھلا تو کرنیلیس کے ہاں رسول نے خداوند کی زندگی، موت اور قیامت ہی کی منادی کی (۱۰-۳۸-۴۳) پولوس اپنی منادی میں کھول کھول کر یہ دعویٰ کرتا تھا کہ مسیح کو دکھ اُٹھانا اور مُردوں میں سے جی اُٹھنا ضرور تھا"۔ (۱۷-۳) بلکہ اپنی منادی کی بابت خود کہتا ہے کہ "ان باتوں کے سوا کچھ نہیں کہتا جن کی پیشینگوئی نبیوں اور موسیٰ نے بھی کی کہ مسیح کو دکھ اُٹھانا ضرور ہے اور سب سے پہلے وہی مُردوں میں سے زندہ ہو کر اس اُمت کو اور غیر قوموں کو بھی نور کا اشتہار دیگا"۔ (۲۶-۲۳) غرضیکہ اعمال کی کتاب میں رسولوں کے کلام میں ان واقعات کا تذکرہ با افراط پایا جاتا ہے (دیکھئے ۲-۲۲-۲۴ و ۳۳-۳۶-۲-۳-۲۱-۴-۲-۱۰ و ۲۷-۲-۴۰ سے ۴۲-۱۳-۲۷ سے ۳۱ وغیرہ) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی کلیسیا کی انجیل یہ تھی کہ خداوند کی موت۔ دفن۔ قیامت صعود کے ذریعہ خدا کی محبت گنہگار دُنیا پر ظاہر کی جائے۔

اب **خطوط** کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ خاص خاص موقعوں اور ضرورتوں کے موافق لکھے گئے ان میں رسولوں نے وہ سبق پیش کئے ہیں جو انکی ابتدائی منادی سے بطور نتیجہ نکلتے ہیں۔ یعنی خطوط میں جو رسولوں کی تعلیم ہے۔ اُن کی بنیاد بھی ان واقعات پر ہے جنکا ذکر اوپر آیا ہے۔ **رومیوں** کے خط کے شروع ہی میں رسول انجیل کی بابت کہتا ہے کہ وہ خوشخبری ہے جسکا خدا نے پیشتر سے اپنے نبیوں کی معرفت پاک نوشتوں میں اپنے بیٹے ہمارے خداوند یسوع مسیح کی نسبت وعدہ کیا تھا جو جسم کے اعتبار سے تو داؤد کی نسل سے پیدا ہوا لیکن روح کے اعتبار سے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے سبب قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرایا گیا"۔ اس خط میں رسول نو مریدوں کی تسلی و اطمینان کے لئے عملی سبق نکالتا ہے اور پھر ان ہی ظاہری واقعات کی بنا پر کلام کرتا ہے۔ مثلاً راستباز ٹھہرائے جانے کے بارے میں

تا ہے۔ یہ بات کہ ایمان ابراہیم کے لئے راستبازی گنا گیا نہ صرف اس کیلئے لکھی گئی بلکہ ہمارے لئے بھی جن کے لئے ایمان راستبازی گنا جائیگا"۔ اور وہ ایمان کیا ہے؟ کہ خدا نے ہمارے خداوند یسوع کو مُردوں میں سے جلایا۔ وہ ہمارے قصوروں کے سبب مارے جانے کیلئے حوالہ کر دیا گیا۔ اور ہمارے راستباز ٹھیرنے کے لئے جلایا گیا (رومیوں ۴-۲۳-۲۵)۔ (۲) پھر ایک جگہ رسول کہتا ہے کہ "یہ وہی ایمان کا کلام ہے جس کی ہم منادی کرتے ہیں۔ اگر تو اپنی زبان سے یسوع کے خداوند ہونے کا اقرار کرے اور اپنے دل سے ایمان لائے کہ خدا نے اُسے مُردوں میں سے جلایا تو نجات پائیگا" (رومیوں ۱۰-۹) بخوبی غور فرمائیگا۔ رسول یہ نہیں کہتا کہ انسان راستباز تب ٹھہرایا جائیگا جب اُسکو دل میں اطمینان ہو جائے کہ اُسکے گناہ معاف ہو چکے ہیں نہ یہ کہ جب مسیحی تجربہ حاصل ہو جائے تب نجات ملیگی۔ بلکہ یہ کہ راستباز ٹھیرائے جانے اور نجات پانے کی شرط یہ ہے کہ انسان خداوند یسوع کا اقرار کرے اور ایمان لائے کہ خدا نے اُسے مُردوں میں سے جلایا۔ پہلے سپاہی فوج میں بھرتی ہوتا ہے جنگ و فتح کا تجربہ تو کہیں پیچھے آتا ہے۔ کم از کم رسول کے کلام سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اسی طرح مُقدس پطرس بھی کہتا ہے کہ تم اُس خدا پر ایمان لائے ہو۔ جس نے مسیح کو مُردوں میں سے جلایا (۱ پطرس ۱-۲۱) جب مُقدّس یوحنا اپنے مریدوں کو روحانی خوشی سے بھرپور کرنا چاہتا ہے تو خدا کے انتخاب کے بھید یا شخصی اطمینان و تجربہ کا ذکر نہیں کرتا بلکہ اُسکی گواہی دیتا ہے جو ابتدا سے تھا۔ جسے ہم نے سُنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا اپنے ہاتھوں سے چھوا۔ یہ باتیں اس لئے لکھتے ہیں کہ تمہاری خوشی پوری ہو جائے" (۱ یوحنا ۱-۱-۴) پولوس کرنتھیوں کو لکھتا ہوا بتاتا ہے کہ وہ خوشخبری کیا تھی جو اُنہیں دی گئی تھی۔ جس کو انہوں نے قبول بھی کر لیا تھا اور جس پر وہ قائم بھی تھے۔ جس کے وسیلے نجات بھی ملتی ہے بشرطیکہ اسے یاد رکھیں۔ وہ کیا تھی؟ یہ کہ مسیح کتاب مُقدّس کے بموجب ہمارے گناہوں کے لئے مُوا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مُقدّس کے بموجب جی اُٹھا" (۱ کرنتھیوں ۱۵-۱-۴)

قصہ کوتاہ کلام الہیٰ سے کافی واضح ہے کہ انجیل یا خوشخبری یہ ہے کہ خدا قادر مطلق

باپ نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اُسنے اپنا اکلوتا بیٹا بخشا کہ انسانی جسم اختیار کرے کنواری سے پیدا ہو۔ دکھ اُٹھائے۔ صلیب پر کھینچا جائے۔ دفن ہو بلکہ عالم ارواح تک بھی اُترے تیسرے دن جی اُٹھے۔ آسمان پر چڑھ جائے۔ تسلی دینے والا اور ہادی بھیجے جو اسکے بندوں کی ایک جماعت بنائے۔ اس طرح گناہ سے نجات اور موت پر فتح کا رستہ کھولے جو اپنے خیالات کے مطابق مذہب کا ڈھانچہ کھڑا کرتے ہیں۔ ان کے لئے یہ ٹھوکر ہے اور جو فلسفہ کی کسوٹی سے اُسکو پرکھنا چاہتے ہیں۔ اُن کو یہ بے وقوفی معلوم ہوتی ہے لیکن ایمان لانیوالوں کے لئے یہ بیش بہا خوشخبری ہے جسکے قبول کرنے اور جسپر قائم رہنے سے نجات ملتی ہے بشرطیکہ ہم اُسکو یاد رکھیں ورنہ ہمارا ایمان بے فائدہ ہے (اکرنتھیوں ۱۵-۲)

معتقد

ہماری معاشرتی زندگی اور ہمارے فرائض

(۱)

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے ملنا چاہتا ہے اور اس میل ملاپ میں اسکو خوشی ملتی ہے۔ اسی سرشت کیوجہ سے ہم ایک دوسرے سے ملتے جُلتے اور ملاقات کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی بات چیت میں حظ اُٹھاتے ہیں۔ ایک فلاسفر نے کیا خوب کہا ہے کہ جو شخص ایک دوسرے سے میل ملاپ نہیں کرتا وہ یا تو طبقہ بہائم سے بدتر ہے یا فرشتوں میں سے ایک ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ انسان کے نفس میں یہ خواہش موجود ہے کہ ہم ایک دوسرے کی ملاقات اور گفتگو میں خوشی حاصل کریں۔ سخت ترین ایذا جو ایک شخص کو مل سکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اس سے نہ بات چیت کرے اور نہ راہ ورسم رکھے "حقہ پانی بند کرنا"۔ جماعت میں سے خارج کر دینا۔ اسی قسم کی ایذاؤں میں سے ہیں۔ فرض کریں کہ آپ گرجا گھر جائیں تو آپ کی طرف کوئی نظر تک نہ کرے یا جب آپ گرجے سے باہر نکل کر جس شخص کو سلام کریں

وہ آپ کی طرف پیٹھ موڑے تو آپ کے ننھے سے دل کا کیا حال ہوگا۔ وجہ صرف یہی ہے کہ آپ فطرتی طور پر ایک دوسرے سے ملنا چاہتے ہیں۔

ہماری معاشرتی زندگی کا دارومدار صرف اس فطرتی خواہش پر ہے چونکہ ہماری سرشت میں یہ موجود ہے کہ ہم ایک دوسرے سے ملاقات کریں اور گفتگو کرکے خوش ہوں۔ لہذا اپنے مسیحی بھائیوں بہنوں سے ملنا۔ انکو چاہ یا پانی پر بلانا۔ کھانے کیلئے مدعو کرنا۔ ٹینس اور بیڈمنٹن کھیلنا۔ باہر سیر کرنے جانا۔ پک نک پارٹیاں کرنا۔ ایک دوسرے پر "کال" کرنا وغیرہ وغیرہ ہماری معاشرتی زندگی کا ایک عظیم حصہ ہوگیا ہے اور اگر ہم غور سے دیکھیں تو چوبیس گھنٹوں میں سے عموماً تین یا چار گھنٹے صرف اسی فطرتی خواہش کو پورا کرنے میں ہی خرچ ہو جاتے ہیں۔ اسی فطرتی خواہش کا تقاضا ہے کہ ہم جب کسی شخص کو ملتے ہیں تو اس سے نہ صرف اس کی خیریت وغیرہ کی نسبت بلکہ دوسروں کی نسبت بھی پوچھتے ہیں۔

پس جس طرح خدا نے دوسری خواہشات کو ہماری فطرت میں رکھا ہے اسی طرح اس خواہش کو بھی اس خالق نے ہماری سرشت میں ڈالدیا ہے اور جسطرح دیگر خواہشات عقل کے ماتحت ہو کر اپنا کام کرتی ہیں ویسے ہی اس خواہش کو عقل کے ماتحت ہو کر اس کے قابو میں رہنا چاہیئے ہماری ذات کی ہر خواہش کے ساتھ فرایض وابستہ ہیں۔ اسی طرح اس خواہش کے ساتھ بھی فرائض موجود ہیں اور جسطرح دیگر خواہشات کا ناجائز استعمال ہو سکتا ہے اس خواہش کا بھی ناجائز استعمال ہو سکتا اور ہوتا بھی ہے۔ اس سلسلہ مضامین کا مقصد یہی ہے کہ ہم مسیحی جماعت کو جتلا دیں کہ ہماری معاشرتی زندگی میں اس خواہش کا جو خدا نے ہماری سرشت میں رکھی ہے کس طرح ناجائز استعمال ہو رہا ہے۔ جس سے ہماری معاشرتی زندگی کا ستیاناس ہو گیا ہے +

برکت اللہ مشن کالج لاہور۔

———— + ————

سالانہ رپورٹ پنجاب کرسچن سنٹرل کواپریٹو بنک لمیٹڈ - لاہور

یہ بنک جون سنہ ۱۹۲۱ء میں مسیحان پنجاب میں کواپریشن یا امداد باہمی جاری کرنیکے لئے قائم کیا گیا تھا۔ ابنائے جنس سے محبت کرنا اور غریبوں کی امداد کرنی جو تعلیم مسیحی مذہب میں ہے اسکا عشر عشیر بھی دیگر مذاہب میں پایا نہیں جاتا۔ کیا خداوند مسیح ہم گنہگاروں کی امداد کیلئے اپنے آسمانی باپ کا تخت چھوڑ کر انسان نہیں بنا؟ کیا اُسنے ہم کو حکم نہیں دیا کہ جیسے مینے تمسے محبت کی تم بھی دوسروں سے کرو۔ خدا کے بھروسے پر یہ کام شروع کیا گیا۔ باوجود عیسائی جماعت کے غریب اور اس قسم کے کام سے ناآشنا ہونیکے اس بنک کا پہلا بیلنس شیٹ جسکی ایک کاپی اشاعت کیلئے ارسال خدمت ہے نہایت ہی ہمت افزا ہے۔ اس سال میں ۳، دیہاتی سوسائٹیوں نے اس بنک سے امداد حاصل کی باہمی امداد کے مسیحان پنجاب میں عملی صورت کے نہ ہونیکی وجہ سے بعض ممبران و ڈیپوزیٹران کے دلمیں غریب دیہاتی سوسائٹیوں کو روپیہ قرضہ دینے کے عمل پر شکوک پیدا ہوگئے اور خیال کرنےلگے کہ اس روپیہ کی وصولی کی کیا ضمانت ہے۔ شکریہ کا مقام ہے کہ مسٹر کلورٹ صاحب رجسٹرار کواپریٹو بنک ہائے پنجاب تکلیف فرماکر جلسہ ڈائرکٹران بنک میں ۲۲ جنوری کو تشریف لائے اور سمجھایا کہ میں خود اور میرا سارا عملہ انسپکٹران ہر وقت حساب کی پڑتال ان دیہاتی بنکوں کی کرتے رہتے ہیں جس سوسائٹی کیحالت ذرا بھی مشکوک پاتے ہیں اسکو قرضہ دئے جانیکی سفارش ہی نہیں کرتے۔ وصولی کے بھی ہم ایک طرح سے ذمہ وار ہیں یہ بھی فرمایا کہ باہمی امداد کے کام میں حصہ لینا مسیحی اقوام کا فرض کلی ہے۔ اس سے ڈائرکٹران کے دلکو پورا اطمینان ہوگیا اب تمام مسیحان پنجاب خواہ ہندوستانی ہوں یا غیر ہندوستانی۔ التماس ہے کہ اس بنک کا کم ازکم ایک ایک حصہ جو کہ مبلغ ۵ کا ہے ضرور خریدیں اور جتنا روپیہ بطور امانت اس بنک میں جمع کراسکتے ہیں کرائیں شرح سود ½۵ فیصدی ششماہی ½۶ فیصدی سالانہ اور ۷ فیصدی دوسالہ میعاد کے لئے ہیں اگر قوم کا ہر ایک فرد اپنے سے کمزوروں کی امداد کرنا اپنا اصول نہ بنائیگا تو قوم کبھی بھی اپنے پاؤں پر کھڑی نہوگی بلکہ بجائے قوم کی امداد نہ کرنا اپنی امداد نہ کرنا اور قوم کی خودکشی کا سامان تیار کرنا ہے ہندوستان مسیحی روح اور طبیعت حاصل کئے بغیر نہ دینی طور پر اور نہ دنیاوی طور پر عروج پا سکتا ہے +

نوٹ: انسپکٹر بنک ہائے لاہور کی تصدیق بیلنس شیٹ برائے اشاعت ارسال ہے +

بجے سد اپل پریذیڈنٹ بنک

سرمایہ پنجاب کرسچن سنٹرل کوآپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور

کا

حسب ذیل لگا ہوا ہے

منظور شدہ سرمایہ ۔۔۔۔ ۱۰۰۰۰۰ (دو ہزار حصص قیمتی ۵۰ روپیہ فی حصہ)

مد	روپیہ	آنہ	پائی
از حصص وصول شدہ (جنکی پوری قیمت ادا ہو چکی ہے)	۱۱۳۰۰	۰	۰
" " (جنکی پوری قیمت ادا نہیں ہوئی)	۳۰۳۶	۸	۰
ریزرو فنڈ ازبچت منافع	۳۳	۰	۰
امانت حصہ داران	۲۰۱۸۳	۰	۰
" غیر حصہ داران	۳۶۰۵۲	۹	۳
بابت چلت حساب	۸۹	۱۰	۵
متفرق امانت ویراونشل بنک کے حصہ وغیرہ	۳۷	۰	۰
سود واجب الادا	۲۰۲۹	۰	۰
منافع اس سال کا	۳۷۹	۹	۲
	۷۳,۱۴۰	۴	۱۰
قرضہ بذمہ انجمن ہائے	۶۹,۴۴۷	۸	۸
" " امانت دار غیر حصہ دار	۲,۰۰۰	۰	۰
سود واجب الوصول	۶۹۰	۰	۰
بقایا نقد	۱,۰۰۲	۱۲	۲
	۷۳,۱۴۰	۴	۱۰

حساب نفع و نقصان بابت سال سنہ ۲۲-۱۹۲۱ء

آمدنی

آمدنی	روپے	آنے	پائی
سود از انجمن ہائے	۲۸۸۳	۷	۷
فیس داخلہ	۱۲۶	۰	۰
پاس بکس (بہی کھاتے)	۲	۰	۰
	۳۰۱۱	۷	۷

خرچ

خرچ	روپے	آنے	پائی
سود جو امانت داروں کو دیا گیا	۲۱۲۷	۳	۹
سود جو سنٹرل بنک لائلپور کو دیا گیا	۱۸۷	۸	۰
اسٹامپ	۳۸	۱۵	۳
تنخواہ عملہ	۶۶	۱۴	۰
اسٹیشنری و خرچ چھپائی	۱۱۷	۱	۰
متفرق خرچ	۹۴	۴	۵
منافع	۳۷۹	۹	۲
	۳۰۱۱	۷	۷

سرٹفکیٹ تصدیق بیلنس شیٹ

اس امر کی تصدیق کی جاتی ہے کہ مَیں نے پنجاب کرسچن سنٹرل کوآپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور کے بیلنس شیٹ کی مطابقت ۳۱ جولائی سنہ ۱۹۲۲ء تک بنک کی کتب و کاغذات سے کر لی ہے۔ میری رائے میں یہ بیلنس شیٹ بنک کے درست معاملات ظاہر کرتا ہے۔ جہاں تک کہ مجھے دکھایا گیا ہے اور جیسا کتب ہائے بنک میں درج ہے +

دستخط (مسٹر) نذیر احمد

انسپکٹر بنک ہائے شاہدرہ　　　　تاریخ پڑتال ۱۴ اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء

(آڈیٹر)

گلشنِ بائبل

دھوکے باز انجیر کا درخت

دوسرے دن جب وہ بیت عنیاہ سے نکلے اس کو بھوک لگی اور دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا کہ شاید اس میں کچھ پائے۔ مگر جب اُس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا۔ اُس نے اُس سے کہا۔ آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے۔ اور اس کے شاگردوں نے سُنا۔ . . . پھر صبح کو جب وہ اُدھر سے گزرے تو اُس انجیر کے درخت کو جڑ تک سوکھا ہوا دیکھا (مرقس ۱۱ باب)

ہمعصر ایپیفنی رقمطراز ہے کہ ہم سے اکثر انجیل کے اس واقعہ کی نسبت سوال کیا جاتا ہے۔ جو لوگ بائبل کو اوّل مرتبہ پڑھتے ہیں ان کو اس میں مشکل پیش آتی ہے۔ اُن کے نزدیک کسی درخت کو بد دعا دے کر بے پھل کر دینا محض اس لئے کہ اُس نے خداوند کی بھوک کے لئے پھل مہیا نہ کیا۔ اور پھر وہ بھی ایسے وقت کہ انجیر کا موسم نہ تھا طفلانہ بدمزاجی کا فعل ہے۔ اگر اُس درخت میں پھل نہیں تھا تو اُس کا کیا قصور تھا؟ بے موسم اس سے پھل کی کیونکر توقع ہو سکتی تھی؟ علاوہ ازیں مسیح جیسے سنت اور مقدّس آدمی نے کھانے کو کچھ نہ ملنے سے ایسی پُر شکایت بے صبری کیوں دکھائی؟:

جو لوگ انجیل سے ناواقف ہیں اُن کے دل میں اس قسم کے سوالات کا پیدا ہونا قدرتی بات ہے۔ مگر جو لوگ زیادہ واقف ہیں اور جو اس اعلےٰ سیرت کی شان کے قائل ہو گئے ہیں جس کا بیان انجیل کے صفحات میں مندرج ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ اوّل سطحی خیال صحیح نہیں ہو سکتا۔ اُن کے دل میں یقین ہے کہ جو شخص اور موقعوں پر اعلیٰ ترین سیرت کے پایہ سے نہیں گرا اس وقت بھی نہیں گرا ہوگا۔ خواہ وہ اِسکو

ٹھیک طور پر سمجھ نہ بھی سکیں تو بھی اُنہیں یقین ہے کہ اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔ جس کو وہ جلد بازی کے اوّل خیال میں سمجھ نہ سکے...... اب اس موقع کے حالات پر غور کرو۔ یہ اپریل کا مہینہ تھا جس میں انجیر کے درخت کے نہ پتّے ہوتے ہیں نہ پھل وہ دونوں گرمی کے موسم میں نمودار ہوتے ہیں (دیکھو متی ۲۴: ۳۲) دفعتاً مسیح دور سے ایک انجیر کے درخت کو پتوں سے لدا ہوا دیکھتا ہے۔ یہ اس موسم میں ایک غیر معمولی بات تھی اور قدرتی طور پر اس سے نتیجہ نکلتا تھا کہ پھل بھی ضرور لگا ہوگا وہ بھوکا تھا اور اسے امید تھی کہ اس میں سے کچھ کھانے کو ملے گا۔ مگر مایوسی حاصل ہوئی۔ اور اُسے فوراً خیال آیا کہ یہ دھوکا دینے والا اور مکار انجیر کا درخت اسکے اپنے اس تجربے کا ایک صحیح اور غم انگیز نمونہ ہے۔ کہ وہ اپنے گھر آیا اور اس کے اپنوں نے اُسے قبول نہ کیا۔ وہ کئی سال تک یہودی لوگوں کو خدا کے پاس لے آنے کی کوشش کرتا رہا اور وہ نہایت غم اور قلق کے ساتھ اس بھوک کا خیال کرتا ہے جو اس قوم کے لئے اس کے دل میں تھی۔ وہ اس شاندار جلوس کا خیال کرتا ہے جس میں خلقت نے جوش کے نعروں کے ساتھ اس کے رستے میں درختوں کی ڈالیاں اور کپڑے بچھا دئے اور اس سارے منظر میں اس کو خالی خولی جھاگ اور مکاری دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ تھوڑے ہی دنوں میں وہ مجمع یہ پکارنے کو تھا کہ "اُسے صلیب دے"۔ پتوں کے سوائے اُس نے کچھ نہ پایا عمل کے بغیر زبانی جمع خرچ پُر تکلف رسم پرستی اور پُر شور رسوم مقیس مگر دل خدا کی طرف مائل نہ تھا۔ ان سب باتوں کے خیال سے مسیح کا دل کیسے غم سے بھر جاتا ہے۔ اور ان آنے والے واقعات پر غور کر کے وہ کم از کم اپنے شاگردوں پر اُن کی حقیقت بطور ایک ڈراما کے روشن کرتا ہے۔ وہ اس درخت پر لعنت کرتا ہے اور وہ سوکھ جاتا ہے۔

اگر کوئی کافی وجہ ہو تو انجیر کے درخت کو بے پھل بنا دینے میں کوئی ہرج نہیں۔ انسان ذی عقل اور غیر فانی روح ہے اور کسی آدمی کا حق نہیں کہ جب تک اُس کا عارضی یا ابدی فائدہ نہ ہو اس کو اپنے کام میں لائے حیوان ایک ذی حس ہستی

ہے اور انسان جس طرح چاہے اسے استعمال کرسکتا ہے بشرطیکہ ہم اُن کے ساتھ بے رحمی سے سلوک نہ کریں۔ مگر درخت نہ ذی عقل ہے اور نہ ذی حس۔ اُس کے آرام کا خیال ایک غیر ضروری پابندی ہے۔ اور نہ اس خاص درخت کی نسبت یہ خیال ہو سکتا تھا کہ وہ کس کی ملکیت ہے کیونکہ اس ملک میں انجیر کے درخت عام طور پر سڑکوں کے کنارے پر ہوا کرتے ہیں۔ اور اُن کا پھل جو چاہے توڑ سکتا ہے۔ اگر مسیح کو اس کا پھل کھانے کا حق حاصل تھا تو اُسے یہ بھی اختیار تھا کہ اُسے اپنے شاگردوں کو روحانی سبق سکھلانے کے لئے کام میں لائے۔ "آدمی صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہیگا بلکہ ہر بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے"۔ اس لئے جو بددعا مسیح نے اس درخت کو دی اور جو فوراً اس کو لگ گئی وہ بدمزاجی یا بےصبری کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اُس کا ایک اعلےٰ اور سنجیدہ مدعا تھا۔ یہودی قوم میں پاکیزگی کا پھل نہ لگا۔ اس لئے خدا نے اُسے اُس کے اعلےٰ پایہ سے نیچے گرا دیا اور یہ آفت چالیس سال کے بعد نہایت خوفناک طور سے اُس پر آئی۔ ہر مذہب کے آدمی کے لئے یہ ایک مستقل سبق ہے۔ جسے مسیح نے نہایت واضح طور پر ہمارے دلوں پر نقش کر دیا۔ مسیح ہماری مذہبی رسوم کی دھوم دھام یا نمایش پر اعتراض نہیں کرتا۔ اُس نے اُس درخت پر یہ الزام نہیں لگایا کہ اُس میں پتے کیوں لگے ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ تھا کہ ظاہری نمایش کے ساتھ نہایت ضروری ہے کہ مذہب کی اندرونی روح بھی ہو اور یہ اندرونی روح یا پھل "خدا کی محبت اور بنی نوع انسان کی بے لاگ خدمت ہے"۔

اکثر ممالک میں اوّل مسیحی نو مرید ادنیٰ لوگوں میں سے ہوئے ہیں مگر جاپان میں معاملہ دگرگون ہے۔ اُس ملک میں مسیحی مذہب اعلیٰ ذاتوں سے شروع ہوا ہے یعنی وہ لوگ جن میں فوجی اور بحری افسران اور اخبار نویس اور مصنف اور معلم اور جاپان جدید میں عموماً تمام پیشوا نکلے ہیں جاپان کے تعلیم یافتہ طبقہ میں سو آدمیوں میں سے ایک مسیحی ہے ◆

آپ کہاں جا رہے ہیں؟

میں تو دیوانہ تھا اسکی عقل کو کیا ہو گیا
قیس کہتا ہے مجھے۔ ناصح کو سودا ہو گیا

اس میں شک نہیں کہ نئی روشنی کے پیرو۔ پرانی وضع کے متعلقوں کو لکیر کے فقیر کہتے ہیں۔ مگر کوئی لکیر کا فقیر ہو یا تہذیب جدیدہ کا دلدادہ۔ ہر ایک عالم و جاہل۔ امیر و غریب اور اعلےٰ اور ادنےٰ اکی موجودہ زندگی کی تمام جدوجہد کسی مقصدِ خصوصی کو حاصل کرنے اور اس کی تمام تگ و دو کسی منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے ہے۔ لکیر کے فقیروں کو چھوڑ کر ہم نئی تعلیم حاصل کرنے والوں سے جو سکولوں اور کالجوں میں ہیں۔ ایک سنجیدہ اور ضروری سوال کرتے ہیں کہ "آپ کہاں جا رہے ہیں"؟

پیشتر ازیں کہ وہ جواب دیں۔ تجربہ اور مشاہدہ بول اٹھتے ہیں۔ کہ قریباً یہ سب کے سب عمر، صحت اور دماغ کا بہترین حصہ اس خیال پہ قربان کر رہے ہیں کہ خدا کرے۔ یونیورسٹی کی باریک چھلنی سے ہر سال برابر چھن جائیں اور بی۔ اے یا ایم۔ اے کی ڈگری پاکر معقول مشاہرہ کی کسی مد پہ ملازم ہو جائیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ لکیر ہی کے فقیر ہیں۔

ایک زمانہ تھا۔ جبکہ تعلیم کا قحط تھا۔ معمولی پڑھے لکھے بھی معزز آسامیوں پہ سرفراز ہو جاتے اور سارے گھرانے کو مالا مال کر دیتے تھے۔ ابھی پرانے زمانہ کے ایسے انٹرنس اور مڈل پاس موجود ہیں جو اعلےٰ عہدوں سے سبکدوش ہو کر آج صد ہا روپیہ پنشنیں پا رہے ہیں۔ سر سید احمد نے اس وقت کی ہوا کا رخ دیکھ کر کہا تھا کہ ساری دنیا کا چاک اکٹھا کر کے ایک قلم بنائی جائے تو وہ اس سے ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی پہ یہ الفاظ کندہ کریگے۔ کہ "تعلیم حاصل کرو"۔

مگر ہوا کا رخ بدل گیا ہے۔ اسلئے اعلےٰ ڈگری یافتگان حصول روزگار کیلئے در بدر مارے پھر رہے ہیں اور کوئی پوچھتا تک نہیں کہ بھیا کون ہو۔ جن خوش قسمت انٹرنس یا انڈر گریجوایٹ کو کہیں نوکری مل بھی جاتی ہے تو وہ مارے ڈر کے کانپتے ہی رہتے ہیں۔ سردی یا تپ لرزہ سے نہیں مگر اس خوف سے کہ اُن کے دفتر کے دروازہ پر ہر روز بی۔ اے اور ایم۔ اے کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ کہ کب ۳۰۔ ۴۰ روپے کی آسامی مل جائے تو وہ خوشی سے قبول کرلیں۔ اور اس طرح کم تعلیم یافتگان کو برطرف کردیا جائے ۔ ؎

عمل تو ہیں نیک پر جنت کا دروازہ ہے بند
پاس تو ہم ہو گئے۔ پر نوکری ملتی نہیں

یہی وجہ ہے کہ دفتروں تک تو ہڑتال کردیتے ہیں۔ مگر بابو لوگوں کو جرأت نہیں۔ کیونکہ ہر ایک اینٹ اُٹھانے سے درجن بابو برآمد ہوتے ہیں۔ منتظمان دفاتر تو چاہتے ہی یہی ہیں۔ کہ لائق سے لائق شخص سستے سے سستے داموں مل جائے۔ اور ادھر ہمارے اعلےٰ تعلیم یافتگان بھی کم سے کم مشاہرہ قبول کرنے کے لئے تیار ہیں تو کیوں نہ بے قدری ہو۔ ؎

پہلے ہی اپنی کونسی تھی قدر و منزلت
پر شب کی منتوں نے تو کھودی رہی سہی

کون ہے جو کالجوں میں عمر عزیز اور صحت جسمی کھونے والوں کے عبرت خیز انجام اور حسرت آمیز منظر سے واقف نہ ہو تاہم ایسا بھی کوئی نہیں۔ جو اپنی اولاد کو اس خیال سے نہ پڑھائے۔ کہ وہ پڑھ کر نوکری کرے۔ کالجوں کے سٹوڈنٹ بھی اس تمام حقیقت سے واقف ہو کر قریباً اپنی زندگی کا نصف حصہ اس ہی امید پر نثار کر رہے ہیں۔ تو بتائیے۔ کہ آپ کو لکیر کا فقیر کیوں نہ کہا جائے۔ ہاں اتنا فرق قابل قبول ہے کہ آپ انگریزی لکیر کے فقیر ہیں۔ ؎

توقع جن سے تھی ہمکو ستم کے داد پانے کی ۔۔۔ وہ ہم سے بھی زیادہ کشتۂ تیغ ستم نکلے

ہمارا ہرگز یہ مدعا نہیں کہ تعلیم بذات خود ایک فضول یا غیر مفید شے ہے
مگر ہمارا مقصود یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں تعلیم کی عام بے قدری کو ملحوظ رکھتے
ہوئے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تمام کی تمام مسیحی قوم کا صرف حصول ملازمت
کے خیال سے تعلیم پانا ایک خطرناک رویہ ہے۔ اگر سب کے لئے نوکری ملنی
ممکن ہوتی تو آج یقیناً کوئی مزدور یا اہل حرفہ ہاتھ نہ آتا۔

جب تعلیم کا عام رواج نہ تھا تو مڈل اور انٹرنس ہی قدر کی نگاہوں سے
دیکھے جاتے تھے۔ بعد میں بی۔ اے اور ایم۔ اے ان پر فوقیت لے گئے۔ مگر اب
ان کی بھی قدر نہیں رہی۔ سوائے اس کے کہ ایم۔ اے سے اوپر دو چار
نئی ڈگریاں تجویز ہو جائیں بہتری کی توقع نہیں ہے۔ اور [illegible] جوں جوں کسی درجہ
کی عمومیت ہوتی جائے آگے ہی آگے مزید مراتب ایجاد کرتے جائیں۔ مگر
ہمیں خوف ہے کہ ابھی آدھی ابجد بھی ڈگریوں میں ختم نہ ہوگی۔ کہ ساری عمر
زمانہ طالب علمی ہی کے لئے بمشکل مکتفی ہوگی۔ ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال مے تواں بتمنا گریستن

مگر یہ بھی ناممکن ہے تو سوال یہ ہے کہ آگے ہی آگے تعلیم پاتے ہوئے
آپ کہاں جا رہے ہیں۔ [illegible] اس مضمون کو پڑھتے وقت خیال رکھیں
کہ ہمارا روئے خطاب صرف مسیحی کلیسیا سے ہے۔ اُمید ہے کہ یہ سُن کر آپ
جواب دیں گے کہ چونکہ بمقابلہ مسیحی فرقہ ہندو و مسلم کی تعداد زیادہ ہے۔ لہذا عیسائی
قلیل تعداد میں ملازمتوں میں نظر آتے ہیں۔ افسوس ہے کہ حقیقی جواب میں ہم صرف
اتنا ہی لکھ سکتے ہیں کہ یہ ایک محض طفل تسلی ہے۔ ورنہ سطح کے نیچے کا حال کچھ
اور ہی ہے یہ ایک راز ہے تاہم اس قدر لکھ دینا مفید ہوگا کہ ہر ایک شے کی زیادتی
اس کی ارزانی کا موجب ہوا کرتی ہے۔ اور ارزانی کسی شے کی اس کی بے قدری
کی دلیل ہے۔

آج کل لڑکیوں کے ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ لڑکوں کی ترقی ہماری نسبت بہت ہی محدود ہے۔ ان کو کوئی پوچھتا نہیں حالانکہ ہمیں آسانی سے ہسپتالوں سکولوں کالجوں اور نرسنگ ہاؤسوں میں جگہ مل جاتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ لڑکوں نے میدان ملازمت میں پہلے دوڑنا شروع کیا۔ اور منزل مقصود کو پہنچ گئے اب آگے گنجایش نہیں۔ ہمارا دعوےٰ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد یہی حال لڑکیوں کا ہو جائیگا تو لڑکوں اور لڑکیوں کے باہمی تفریق کی ریتلی دیوار دور ہو جائیگی؎

اس سوال کے جواب میں کہ "آپ کہاں جا رہے ہیں" ہم یہ عرض کرینگے کہ ایک مزدور ایک اعلےٰ تعلیم یافتہ کے برابر کما لیتا ہے اور کچھ وہ آزاد بھی ہے کاریگر عام طور پر ۲ - ۲½ روپیہ روزانہ پا رہے ہیں۔ پھر اتنی بڑی عمر برباد کرکے جب تیس چالیس روپیہ ہی پر گزر پڑتا ہے تو کیوں نہ مناسب علم حاصل کرکے صنعت۔ تجارت۔ آڑہت یا کسی قسم کا بیوپار شروع کر دیں سکے۔ ناظرین یہ لکھنا مفید ہوگا کہ چند روز ہوئے۔ مدارس کے گورنمنٹ گزٹ میں ایک سرکاری افسر نے یہ اشتہار دیا تھا کہ بی۔ اے کی ضرورت ہے جس کو شروع میں پینتیس ۳۵ روپیہ ماہوار مشاہرہ ملے گا اور ہر سال ڈیڑھ ۱½ روپیہ ترقی۔ یعنی ۱۰ سال کے بعد پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ۔ کیا یہی منزل مقصود آپ کا ہے۔ ہم ایک بھاری آنے والے خطرہ سے آگاہ کرنے کے لئے بیدار کر سکتے ہیں کہ اگر ترقی کرنا اور ہمسایہ اقوام کے پہلو بہ پہلو چل کر زندہ رہنا ہے تو نوکری کا خیال ترک کردو۔ فیشن سفید پوشی اور بابو پن کو بالائے طاق رکھکر کسی نہ کسی کاروبار میں لگ جاؤ۔ ورنہ۔ ؎

تن آسانیاں چاہیں اور آبرو بھی
وہ قوم آج ڈوبیگی گر کل نہ ڈوبی

آج جبکہ تحریک سودیشی نے مزدور۔ کاریگر اور اہل حرفت و تجارت کے لئے ایک وسیع میدان حصول معاش کے لئے کھول دیا ہے تو کیوں نہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر خود بھی مالا مال ہوں۔ اور اپنی آسودہ حالی سے کلیسیا کو بھی

فارغ البال اور سیلف سپورٹ بنا دیں۔ اب نوکریوں کا زمانہ گیا۔ ؎

سدا ایک ہی رُخ نہیں ناؤ چلتی

چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

اچھا اب آپ سوچیں کہ "ہم کدھر جا رہے ہیں"۔ اور میں آپ کے لئے اور مضمون لکھتا ہوں۔ جو کہ آئندہ نذر ناظرین کیا جائے گا۔ چلو بیٹھ کر سوچیں کہ کونسا راستہ اختیار کرنا مناسب ہے۔ ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

خان

ریمونٹ ڈیپو سرگودھا

مسٹر ڈانیل ایل مل بٹالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ قریباً ۱۳ سال کا عرصہ گزرا ہے کہ پادری بھول صاحب کے وسیلے گورنمنٹ کے چند مہربان افسروں نے مسیحی لوگوں کو ریمونٹ ڈیپو سرگودھا میں بطور مزارعان رہنے کی اجازت فرمائی۔ پادری صاحب موصوف نے مسیحی لوگوں کو وہاں آباد کرنے میں ازحد کوشش کی۔ آج آپ کی کوششوں سے سرگودھا ڈسٹرکٹ میں ایک زبردست کلیسیا بن کر تیار ہو گئی ہے۔ جو کہ ہر طرح سے دینی اور دنیاوی حالت میں دن بدن ترقی پر ہے۔ آج ہم وہاں پر سیلف سپورٹ کانگریگیشن مسیحی کواپریٹو بنک اور اسکول وغیرہ کی تسلی بخش حالت دیکھکر خوش ہوتے ہیں اور پروردگار کی تعریف کرتے ہیں کہ اس نے اپنے بندوں کو ہر طرح سے اچھی اور پسندیدہ حالت میں رکھا ہے پادری بھول صاحب کا ارادہ ہے کہ سکول کے اُستادوں کی تنخواہ کا خرچ مشن نہ لیں بلکہ سیلف سپورٹ کانگریگیشن کی طرح سیلف سپورٹ اسکول قائم کیا جائے +

مسٹر مل کی ہمت سے اسی ڈیپو کی مسیحی جماعت میں ایک انڈین کرسچن ڈسٹرکٹ کانفرنس قائم کی گئی ہے۔

ضمیمہ مسیحی ماہ فروری ۱۹۲۳ء

قاصد

چندہ ۸ ؍ سالانہ

این ۔ ایم ۔ ایس کا ماہوار رسالہ

نمبر ۶	ماہ فروری سنہ ۱۹۲۳ء	سلسلہ جدید جلد ۱

سوسائٹی کی خبریں

قارئین کرام سن کر خوش ہونگے کہ مس سرکار صاحبہ بی ۔ اے جنہوں نے اپنے تئیں سوسائٹی کی خدمت کے لئے پیش کیا تھا ۔ اور جو خاطر خواہ حسب منشا انتظام اور مقیمی پاسٹر کے نہ ہونے کی وجہ سے بیت اللحم کا شروع کرنے کیلئے تشریف نہ لیجا سکتی تھیں ۔ اب سوسائٹی نے فیصلہ کیا ہے ۔ کہ تا وقتیکہ مستقل پاسٹر نہ مل جائے مسٹر پریم ساگر کو وہاں عارضی پاسٹر بنا کر بھیجا جائے تاکہ مس سرکار صاحبہ کے ارادہ میں مزید تاخیر واقعہ نہ ہو چنانچہ مسٹر پریم ساگر مع خاندان وہاں چلے گئے ہیں ۔ اور مس صاحبہ موصوف بھی عنقریب وہاں جانیوالی ہیں ہماری خواہش ہے کہ ناظرین ہر دو نے کارندوں کو اپنی روزانہ دعاؤں میں یاد رکھیں ۔

اسی سلسلہ میں یہ خبر بھی دلچسپی سے پڑھی جائیگی کہ حال ہی میں کینیرڈ کالج لاہور کی موجودہ پرنسپل کی خرابی صحت کی وجہ سے رخصت جانے پر مس سرکار صاحبہ کو پرنسپل کا عہدہ پیش کیا گیا تھا لیکن صد مرحبا کہ آپ نے سوسائٹی اور غریبوں کی خدمت کو نام عزت اور دولت پر ترجیح دی ۔ حقیقی قربانی یہی ہے ۔ کاش کہ اور خواتین بھی اس نیک مثال کی تقلید کریں ۔

مطبوعہ مسیحی پریس لاہور باہتمام مسٹر غلام قادر مسیحی پرنٹر

ہم اپنے ناظرین کا مسٹر پریم ساگر سے تعارف کرانا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ آپ ٹھاکر داس صاحب نمبردار ینگسن آباد کے سب سے بڑے فرزند ہیں بوجوہات چند۔ آپ کی تعلیم مکمل نہ ہو سکی لیکن اس میں شک نہیں کہ آپ خدمت کی روح سے معمور ہیں۔ اور ہر چھوٹے بڑے کا دل مسخر کرنیکی آپ میں خاص صفت ہے۔ مدت سے آپ آنریری طور پر سوسائٹی کی خدمت لاہور اور دیگر شہروں میں انجام دے رہے تھے۔ ممبران سوسائٹی نے آپکا شوق دیکھکر آپکو اپنے سٹاف پر لے لیا ہے دعا ہے کہ آپ اور آپکی اہلیہ صاحبہ (جو مولوی حشمت اللہ صاحب منشی فاضل تمھلوی اور مسٹر عبد اللہ سر دفتر فارسی گورنمنٹ اسیکرٹری کی ہمشیرہ ہیں) کے کام پر خدا اپنی برکت نازل فرمائے تا اسکے نام کو جلال ہووے۔

ناظرین یہ سنکر خوش ہونگے کہ ڈھاکہ کے مسٹر جے۔ اے ناگ صاحب کی درخواست سوسائٹی کی ایگزیکٹو کمیٹی نے شکریہ کیساتھ قبول کرلی ہے اور بنگال بہار اوڈیسہ اور آسام کا دورہ لگاکر حسب موقعہ و وقت سوسائٹی کے کام میں کلیسیا کی دلچسپی بڑھانیکی کوشش کرینگے آپکی خدمات کلیتہً آنریری ہونگی۔ کیا پنجاب ایسے سرگرم اور غیرتمند مسیحیوں کی خدمات سے محروم رہیگا؟

گذرے سال ۳۰ دسمبر تک سوسائٹی کی آمدنی ۳۶۹۲۲ روپیہ ہوئی اور کل خرچ ۳۴۹۰۵ روپیہ ہوا۔ سال کے شروع میں مبلغ ۳،۱۹۵ روپیہ تھے اور سات ہزار کی مزید رقم بلڈنگ فنڈ کام میں لاکر اسوقت مبلغ ۱۲۱۵ روپیہ بنک میں جمع ہیں۔ ہم خداوند کریم کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے اپنے بندوں کو توفیق عطا کی کہ انہوں نے اس سال اپنی کوششوں اور عطیوں سے سوسائٹی کی آڑے وقت میں دستگیری کی اور ایسے خوشکن نتائج برآمد ہوئے ہمیں امید ہے کہ سوسائٹی کے معاونین اس سال اور بھی زیادہ کوشش کرینگے۔

ترپتر آشرم

ڈاکٹر لیسوع داسن صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں آشرم میں کئی تبدیلیاں ہماری روزانہ زندگی اور کام میں واقع ہوئی ہیں۔ گذشتہ ماہ اگست میں آشرم کا پہلا گھر تعمیر ہو گیا اور ہم دو (ڈاکٹر پیٹن اور میں) وہاں چلے گئے۔ باقی اسی پہلے گھر میں

سے ہے جو یہاں سے دو میل کے فاصلہ پر تھا کیونکہ میڈیکل کام سب وہاں ہی ہوتا تھا۔ اس صورت میں ہمیں دو جگہ عملے رکھنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ ایک تو آشرم کے موقعہ پر جہاں ہمیں ہر وقت تعمیری کام کی دیکھ بھال رکھنا پڑتی تھی اور دوسرے پرانے مکان میں کہ بیرونی اور اندرونی مریضوں کا اُسی جگہ معائنہ ہوتا تھا۔ اوّل تو ہمارے لائق اور قابل کارندوں کی جو ہسپتال کے کام میں مشّاق ہوں کچھ بہتات نہیں پھر اُس پر عمارت کے کام کی نگرانی۔ کوئی ایسے رضا کار نہیں جو اس شعبہ میں باخبر ہوں۔ البتہ مدراس کے ایک نیک دل انجینیر نے جو گورنمنٹ میں ایک اعلےٰ درجہ پر ممتاز ہیں ہمیں اپنے صلاح و مشورہ سے اور آشرم کے مختلف مکانوں کے متعدد نقشہ جات سے بہت مدد بہم پہنچائی ہے لیکن ان خوبصورت نقشہ جات کو عملی جامہ پہنانا بھی ایک معنی رکھتا ہے۔ تمام دن ہمیں اس ۲۰ ایکڑ خطۂ زمین پر کام کی نگرانی کرنا اور یہاں وہاں بھاگنا پڑتا ہے اور خاص طور پر اس بات کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے کہ کہیں اس معمولی سے کام میں بھی ہم مسیحی رُوح کو نظر انداز نہ کر دیں۔ یہ بڑا ہی مشکل کام ہے۔ اس میں صبر کی بے حد ضرورت ہوتی ہے اور ساتھ اس کی بھی کہ مزدوروں وغیرہ کی خامیوں اور غلطیوں پر اُن سے سخت کلامی نہ ہونے پائے جس سے ان گنوار مزدوروں میں مسیح کے نام کی توہین ہو۔ ناظرین ہمارے لئے خدا سے ان مشکلات میں مدد کی دعا کریں۔

صبح گھنٹہ بجتا ہے اور سب عبادت کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ دوسرے گھنٹے کے تھمنے پر لوگ جوق جوق آنے لگتے ہیں۔ چھوٹے لڑکے سامنے اور بڈھے اور بڑے لوگ پیچھے زمین پر بیٹھتے ہیں۔ گیت بھجن اور جھانجھ کے ساتھ عبادت شروع ہوتی ہے دعا بندگی کے بعد سب اپنے اپنے کام کو چلے جاتے ہیں۔

ابھی تک میں نے اُن تبدیلیوں کا ذکر نہیں کیا جو یہاں آشرم میں واقعہ ہوئی ہیں۔ ہم نے محسوس کیا کہ دو جگہ اپنی طاقتوں کو استعمال کرنا اصلی کام کو کمزور کرنا ہے سو مصلحت اسی میں دیکھی گئی کہ پُرانے مکان میں طبّی کام کو بند کر دیا جائے اور تمام

کوشش اور محنت آشرم کے عمارتی کام پر لگائی جائے سو اب ہم سب اس چھوٹے مکان میں آ گئے ہیں۔ نیز چند ایک گھاس کی جھونپڑیاں بھی بنائی گئی ہیں جونہی کہ آشرم کی عمارت ختم ہوئی ہے ہمارا ارادہ فوراً پھر جاری کرنے کا ہے۔ لیکن جب جب ہمیں تیمارداری اور علاج کے لئے کسی جگہ بلایا جائے۔ ہم خوشی سے جائینگے ناظرین دعا کریں کہ ہمیں کوئی ایسا شخص رضا کار مل جائے جو عمارت کے کام کی بخوبی سمجھ رکھتا ہو اور اُسے اپنے ذمہ لے +

سیوک لیسوع داس

این۔ایم۔ایس منٹگمری علاقہ میں

چونکہ میرے چند دوستوں نے جب کبھی ملے ۔ مجھ سے دریافت کیا۔ کہ این۔ ایم۔ ایس کا کام کس پیمانے پر چلتا ہے۔ اس لئے ذیل کی رپورٹ پیش خدمت ہے جو میرے مسیحی دوستوں کے لئے خالی از دلچسپی نہ ہوگی۔

میں مورخہ ۲۲ دسمبر کو لاہور سے روانہ ہو کر ریلوے سٹیشن گیمبر سے اُتر کر چک ۱۲۱۵ فوجی گرانٹ میں پہنچا۔ چونکہ صبح کے چار بجے تھے۔ اور بابو ل۔ کھر اور میرا نفا [illegible] ہیں گاؤں میں ہزار مشکل کے ساتھ پہنچا۔ صوبیدار ڈیوڈ کا نوکر اُنکے مربعہ میں پانی لگا رہا تھا۔ جس کی آواز پر میں پاس پہنچا۔ پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ یہ صوبیدار ڈیوڈ کا مربعہ ہے۔ مَیں نے اس کو اپنے ساتھ لیا۔ اور وہ مجھے صوبیدار صاحب کے گھر پر لے گیا۔ صوبیدار ڈیوڈ صاحب نے جو چک کے نمبردار بھی ہیں۔ اور بڑے سرگرم مسیحی ہیں۔ اور ان کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ مجھے اپنے گھر میں خوشی سے قبول کیا۔ اور مسز ڈیوڈ صاحبہ جو ایک قابل مسیحی خاتون ہیں۔ بڑی خوش اسلوبی سے پیش آئیں اور نہایت عمدہ طرح سے خدمت کی۔ صبح کو چونکہ اتوار تھا۔ لوگوں کو چوکیدار نے دستور کے موافق اطلاع دی جس پر تمام لوگ گرجا کے احاطے میں جو ابھی تک سفید [illegible] ہے عبادت کے لئے جمع ہوئے۔ عبادت کے بعد ہی تمام لوگوں سے ملاقات ہوئی اور مجھے ان مسیحی بھائیوں کو دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی۔

ناظرین سُن کر خوش ہونگے۔کہ یہاں کے تمام لوگ بمعہ بیویوں کے تعلیم یافتہ ہیں اور یہاں ایک لیڈی ڈاکٹر سند یافتہ بھی موجود ہیں۔جنہوں نے وعدہ کیا کہ اگر این ایم۔ایس۔دوائیوں میں میری مدد کرے تو میں مسیحی بہنوں و بچوں کو مفت دوائی دیا کرونگی۔اور کہا کہ میں دوائیوں کے لئے ایک کمرہ تیار کرا رہی ہوں۔یہاں کے لوگ چندہ دینے میں خاصہ حصہ لیتے ہیں۔چنانچہ اُنہوں نے وعدہ کیا ہے کہ پاسٹر ہاؤس (پادری کی رہائش گاہ) سوائے چھت کے گرجا کے احاطہ میں جلدی تیار کروینگے۔دو کمرے اور ایک برآمدہ جو ملکیت این۔ایم۔ایس سوسائٹی کی ہوگی۔اور گرجا کے لئے بھی وہ نہایت فکرمند ہیں اور کوشش کر رہے ہیں۔مگر چونکہ صرف دس گھر ہیں عمارات گرجا گھر و پاسٹر ہاؤس عمدہ بنانا چاہتے ہیں۔اس لئے کچھ بوجھ محسوس کرتے ہیں۔بوجہ نووارد ہونے کے کانی حیثیت تاحال اس قابل نہیں کہ خود تمام بوجھ اُٹھا سکیں اس لئے اپنے مسیحی بھائیوں کی مدد کے خواستگار ہیں۔خاصکر این۔ایم ایس سوسائٹی کے۔کیونکہ ہر دو مکانات سوسائٹی کی ملکیت سمجھے جائینگے۔

بڑے دن کی خوشی کا اظہار بڑے شوق سے ہوا۔۲۴ تاریخ کی رات کو کل مکانوں پر روشنی نظر آتی تھی۔اور ۲۵ کی رات کو بھی مسیحی دیوالی جگمگا رہی تھی۔اُس روز یہ فیصلہ ہوا کہ ایک صد روپیہ فصل پر فی مربعہ جمع کر کے سوسائٹی کو دیا جائے تاکہ سوسائٹی ہمارے عبادت خانے کا انتظام کرے اور جلدی تیار ہو جائے اور ہمارا گرجا انڈین چرچ کہلائے۔خدا اُنکے خیالوں پر اپنی مدد سے برکت بخشے اور توفیق دے کہ یہ خواہش پوری ہو جائے۔آخر میں عرض ہے کہ تمام مسیحی اس چھوٹے جھنڈ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں کہ خداوند اُنکی مدد کرے۔

ع

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

خادم پریم ساگر

غریبوں کی خدمت

پہلے پہل جب این۔ ایم۔ ایس نے ضلع منٹگمری میں کام شروع کیا۔ تو دیہاتی مسیحی بہت ہی کم تھے۔ بہت سا علاقہ قریباً غیر آباد پڑا ہوا تھا۔ نہر کے آنے کی وجہ سے تمام علاقہ سرسبز اور آباد ہو گیا۔ پنجاب کے قریباً تمام حصوں سے دیہاتی مسیحیوں کی ایک بڑی تعداد اس ضلع میں آکر آباد ہو گئی۔ امریکن مشن نے کام شروع کیا اور اپنے مل وزارت فنڈ سے ان غریبوں کی بڑی مدد کی۔ لڑکے اور لڑکیوں کے واسطے مدرسے کھولے غریبوں کے واسطے ہسپتال جاری کیا وغیرہ۔

رومن کیتھلک فادر نے بھی کام شروع کیا۔ مدرسے کھولے۔ دوائی خانہ چلایا۔ زمین دلوائی وغیرہ۔

نیشنل مشنری سوسائٹی نے بھی مدرسے کھولے۔ غریبوں کے واسطے دوائی خانہ جاری کیا۔ زمیندار بنک کے ذریعہ سے بڑی امداد کی۔ اب تجویز ہے کہ ان غریبوں میں سے بعض کو کوئی ایسا کام سکھایا جائے جو کہ یہ جلدی سیکھ سکیں۔ اور جس کو یہ اپنے گاؤں میں کامیابی کے ساتھ چلا سکیں۔ نیز جس سے کہ ان کو کافی آمدنی ہو سکے۔ یہ بھی کوشش کی جا رہی ہے کہ یہ غریب دیہاتی مسیحی اپنے جھگڑوں کا اپنی پنچایت کے ذریعہ سے فیصلہ کر لیا کریں۔ اور جہاں تک ممکن ہو مقدمہ بازی سے بچیں۔

ہر جگہ جہاں ماس موومنٹ ہے۔ مشنری غریبوں کی مدد کرنے کی بہت کوشش کر رہے ہیں۔ اور یہ غریب بھی مشنریوں کو ماں باپ اور حاکم مانتے ہیں۔ یہ میزوں کی خدمت کا کام اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ مشنریوں کو اس کام سے فرصت نہیں ملتی اس واسطے کلیسیا کے لئے اور مزدوروں کی ضرورت بہت محسوس ہو رہی ہے۔

جب رسولوں کو ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے میزوں کی خدمت یعنی غریب بہمدردی وغیرہ کے واسطے الگ شخص مخصوص کئے تاکہ میز کی خدمت کے کام میں کمی نہ ہو۔ اور نہ ہی کلام کی خدمت کے کام میں کسی قسم کا نقصان ہو۔ رسولوں

کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ غریبوں کی خدمت کا کام غیر ضروری ہے۔ بلکہ اس واسطے یہ فیصلہ کیا تھا کہ یہ کام بھی زیادہ اچھی طرح سے ہو اور تاکہ رسول لوگوں کی روحانی ضروریات کے مطابق خوراک زیادہ اچھی طرح مہیا کرنے کے لائق ہو سکیں۔

لیکن کیا کلام کی خدمت زیادہ ضروری نہیں ہے؟ ہم غریبوں کو مفت تعلیم دیں۔ بیماروں کی خدمت کریں۔ جیسے کہ مشن کے مدرسوں اور دوائی خانوں کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ یہ بہت اچھا کام تو ہے لیکن اگر کسی تعلیم یافتہ دماغ میں اور تندرست جسم میں شیطان آ بسے تو تعلیم اور دوا کا کیا فائدہ؟ اس واسطے زیادہ ضروری ہے کہ روحانی خوراک مہیا کرنے کی زیادہ فکر کی جائے۔ تاکہ ان غریب مسیحیوں کے نیک چال چلن سے خداوند کا جلال ظاہر ہو۔ اس حالت میں غریب پادری کی مدد سے خداوند کی بزرگی ہوگی۔ پس ان دونوں خدمتوں کیواسطے الگ الگ شخص مقرر ہونے چاہئیں۔ تاکہ روحانی کام میں کسی قسم کا نقصان نہ ہو۔ اب ہم اس بات پر ذرا سوچیں کہ آجکل کے زمانہ میں ہمارے ملک میں منسٹریل اور خادم الدینوں میں کس قدر شخص ہیں جو صرف کلام کی خدمت کیواسطے مخصوص ہیں جیسے کہ رسول تھے۔ کاش کہ ایسے خادموں کی تعداد بھی بہت بڑھے۔ کیونکہ اس بات کی بہت ضرورت ہے ۔

اگر یہ دونوں خدمتیں بالکل ایک ساتھ ہوتیں اور ان کو اکٹھا رکھنے میں کوئی نقصان نہ ہوتا تو رسول ان کو الگ نہ کرتے۔ بلکہ ہر ایک رسول یہ دونوں خدمتیں کرتا ۔

ہمارے ملک ہندوستان میں یہ دستور ہے کہ جو شخص اپنی زندگی کو بالکل اور سراسر مذہبی خدمت کے واسطے مخصوص کرتا ہے تو وہ ہر ایک دیگر کام اور روپے پیسے کے انتظام سے بالکل الگ ہو جاتا ہے۔ تیاگی ہو جاتا ہے۔ فقیر یا سادھو بن جاتا ہے۔ یہ ہی اس کا فخر ہوتا ہے کہ اس نے سب کچھ چھوڑ دیا اور لوگ بھی ایسے آدمی سے صرف روحانی خوراک حاصل کرنے کی امید رکھتے

ہیں۔ پُن دان کا کام سیٹھوں اور مہاجنوں وغیرہ کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ جو غریب پنڈی کا ہر ایک کام کرتے ہیں۔ سادھوؤں کا اور دوسروں کا بھی یہ یقین ہے کہ روحانی برکتوں کے حاصل کرنے میں اور اُن کو اوروں تک پہنچانے میں یہ بالکل لازمی اور محض ضروری ہے کہ وہ ایک طرف ہو جائیں۔ یک رنگ بن جائیں۔

ہمارے ملک میں مسیحی سادھوؤں اور مہاتماؤں کا بھی ہونا نہ صرف شہروں کے واسطے ضروری اور فائدہ مند ہوگا بلکہ دیہاتی مسیحی اور غیر مسیحیوں میں بھی بہت اچھی طرح سے مسیحی خدمت ہو سکیگی۔ دیکھو سادھو سندر سنگھ نے ہر جگہ کس قدر مسیحی خدمت کی۔ سادھو ولسن کا ذکر اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ جنوب میں وہ کس قدر مسیحیوں اور غیر مسیحیوں میں روحانی فائدہ پہنچانے کا ذریعہ ہو رہے ہیں۔ ایسے کئی اور بھی مسیحی سادھو یا مہاتما ہونگے جن کا ہم کو علم نہیں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ بھائی لال سنگھ مسیحی فقیرانہ دورہ ہمارے علاقہ میں لگا گئے۔ گاؤں کے مسیحی ابھی تک اُن کو یاد کرتے ہیں۔ ان کی وعظ نصیحت سے بہت فائدہ ہوا +

کاش کہ کلیسیا اپنے بعض ممبروں کو اور ماں باپ اپنے لائق بیٹوں کو چُن کر خداوند کے واسطے مخصوص کریں۔ اور جو اس خدمت کے واسطے خداوند کی آواز سُنے وہ دنیا سے نہ ڈرے بلکہ مردِ میدان ہو کر نکل کھڑا ہو +

ہم اگر صرف پنجاب کے دیہاتی مسیحیوں کی طرف غور کریں تو ہم کو معلوم ہوگا۔ کہ ان کو کس قدر ان دونوں قسموں کے خادموں کی ضرورت ہے۔ چونکہ ایسے خادموں کی بہت کمی ہے اور چونکہ عام طور سے یہ دونوں خدمتیں ایک ہی کو یعنی پادری کو کرنی پڑتی ہیں۔ اس واسطے دونوں کام اچھی طرح سے نہیں ہو سکتے۔ جو کلام کی خدمت کے واسطے مخصوص ہیں۔ وہ اس میں قائم اور لگے رہیں "مناسب نہیں کہ ہم خدا کے کلام کو چھوڑ کر کھانے پینے کا انتظام کریں۔ .... ہم تو دعا میں اور کلام کی خدمت میں مشغول رہینگے"۔ اعمال ۶: ۲-۴

پریم چند از منٹگمری

ہندوستانی کلیسیا اور مسیحیت کی اشاعت

ہم کہنے کو تو یوں ہر وقت تیار ہوتے ہیں کہ ہندوستان کو صرف ہندوستانی ہی خداوند مسیح کے پاس لا سکتے ہیں اور کہ ہم کو اس ملک کا بشارتی کام اب اپنے کندھوں پر اٹھانا چاہئے۔ لیکن ابھی تک ہم نے اس بات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہیں کی۔ بشارتی کام خود مختار اور آزاد کلیسیا کی روح رواں ہے۔ غیر مسیحیوں نے اپنے مذاہب کی اشاعت کیلئے بیسیوں اخبار جاری کر دیئے ہیں لیکن افسوس کا مقام ہے کہ مسیحیوں کا ایک بھی اپنا بشارتی اخبار نہیں۔ اسکو پورا کرنے کیلئے یہ تجویز کی گئی ہے کہ ایک پندرہ روزہ اردو اخبار لاہور سے شائع کیا جائے جسمیں صرف بشارتی مضامین اور غیر مسیحی برادران کے سوالات کے جوابات مندرج ہوں۔ مختلف مشنوں اور کلیسیاؤں کے فاضل علماء نے اس کار خیر میں قلمی امداد دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کا خرچ تخمیناً ایک ہزار روپیہ سالانہ ہوگا۔ اور یہ اپیل پانچ ہزار روپیہ کے لئے ہے۔ اس بھاری رقم کا دسواں حصہ وصول ہو گیا ہے۔ پر یہ بشارتی اخبار آپ کی دعاؤں اور روپیہ کا محتاج ہے۔ اگر آپ ۴ر یا ۸ر بھی بھیج سکیں تو ڈاکخانے کے ٹکٹ خرید کر لفافہ میں بھیج دیں یا اپنے احباب سے چھوٹی سی رقم اکٹھی کر کے ارسال کر سکیں تو ہرگز نہ ہچکچائیں۔ چھوٹی سے چھوٹی رقم بھی شکریہ کے ساتھ قبول کی جائے گی۔ ع۔ قطرہ قطرہ بہم شود بسیار۔

یہ اخبار غیر مسیحیوں میں مفت تقسیم ہوگا۔ جو اصحاب اس کو تقسیم کرنے کا ذمہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے نام ارسال کریں۔ مسیحیوں کے لئے حسب ذیل سالانہ چندہ لیا جائے گا۔ ایک کاپی کے لئے ایک روپیہ۔ ۵ کاپیوں کے لئے ۴ روپیہ ۱۰ کاپیوں کے لئے ۷ روپیہ ۸ر ۲۰ کاپیوں کے لئے ۱۳ روپیہ۔ ۵۰ کاپیوں کیلئے ۲۵ روپیہ۔ ۱۰ یا ۱۰ سے زیادہ کاپیوں کے خریداروں کو محصولڈاک معاف۔

احقر العباد

برکت اللہ۔ مشن کالج۔ لاہور

ضرور دیا جائے ... سچے حوالے

آپ کے لئے

داستان یوسف پنجابی نظم میں یوسف کا قصہ اسقدر شہرۂ آفاق ہوا ہے۔ کہ اب ساتویں ایڈیشن ختم ہو رہی ہے صفحات قیمت ۲ پیسے

رسالہ یوسف - از سردار صادق صاحب۔ یوسف کا یہ مزیدار قصہ پنجابی نظم میں ہیر وارث کے وزن پر اب پہلی بار طبع ہوا ہے۔ صفحات قیمت ۱ آنہ ۶ پائی

عذر ردا قصہ انجیل میں لعذر ردا کا قصہ اسقدر معروف انعام ہے۔ کہ محتاج تعریف نہیں پنجابی میں چھوٹے بحر میں منظوم ہے۔ صفحہ ۲۵ قیمت ۲ پیسے۔

بلطسی یا رفیق صلیب - اس میں بتایا گیا ہے۔ کہ جس چور کو مسیح نے صلیب پر کہا کہ تو آج ہی میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ وہ کون تھا۔ عجیب و غریب داستان ہے صفحہ ۲۹ مجلد نمبر ۸ [illegible] نمبر ۱۲ اشنف

نیلی سب نیکیوں سے بڑی نیکی - اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وہ ایمان جو محبت پیدا نہیں کرتا سچا نہیں۔ اور یہ خوبی صرف مسیحی دین میں ہے۔ صفحات قیمت ۱ آنہ

ابطال مرزا حضرت عیسوی کے نام سے سطر اکبر مسیح مرحوم مشہور اہل قلم کی یہ وہ معرکۃ الآرا کتاب ہے، جسکے چیلنج کا جواب دینے کی حسرت لیکر مرزائے قادیانی قبر میں جا سوئے۔ غضب کی زندادھکن تصنیف ہے مرزائیوں میں کام کرنیوالے جلد منگوالیں کیونکہ چند ایک جلدیں باقی رہ گئی ہیں صفحہ ۱۵ اقیمت ۴ر

ایک ہندو کا مسیحی ہونا - ریورنڈ بابا پدمن جی ہ نشٹ کے مسیحی ہونے کا پُر لطف تذکرہ ہے۔ ترقیں اور ایمان کو نام کی کشش صفحہ ۱۷۶ قیمت ۲ آنہ

سرگزشت رابنسن کروسو - ایک انگریز کا عجیب و غریب بحری و بری سفرنامہ اور پھر مدت تک ایک ایسے جزیرہ میں تنہا زندگی بسر کرنا جس میں انسانی آبادی نہ تھی۔ اب دوبارہ طبع ہوئی ہے صفحہ ۲۹۵ قیمت ایک روپیہ

خاندانی دعائیں - ہر ایک خاندان کی قریباً تمام ضروریات و حاجات کے لئے مختصر دعائیں ہیں۔ خانگی عبادت کے شائقین اس کو بھی ایک بار دیکھیں۔ صفحہ ۹۸ قیمت ا روپیہ ار

مضامین کتب مقدس - بائبل کے تمام اہم مضامین کو اس ترتیب سے قلمبند کیا گیا ہے۔ کہ ہر ایک مضمون کی تمام آیات حوالہ جات بیک جگہ مل جائیں۔ کلام الٰہی کے مطالعہ کے شائقین اسے اپنا مددگار پا کر نہایت خوش ہونگے صفحہ ۲۶۱ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

نوٹ مشہور و معروف کتاب آکٹون ہو اور ایک نئی کتاب سیرت داسی پریس میں ہیں علم دوست صاحبان منتظر رہیں۔ نیز پرائمری اور مڈل سکولوں کے لئے سرکاری کتب بھی موجود ہیں۔ فہرست کتب مفت حاصل کریں

المشتہر

سکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی۔ انارکلی لاہور

مسیحی

لاہور

منیجنگ ایڈیٹر

مسٹر بی ایل رلیا رام

سالانہ چندہ

فی کاپی چار آنے

ہندوستانی مسیحیوں کا ماہوار رسالہ

جس میں رسالہ قاصد بھی شامل کر دیا گیا ہے

دورِ جدید | ماہ مارچ ۱۹۲۳ء | جلد ۳ نمبر ۵

تعلیم کی ضرورت

ہم اپنی ماہ گزشتہ کی ولایتی چٹھی میں سے ذیل کی عبارت ترجمہ کرتے ہیں۔ ماہ دسمبر میں انگلستان میں بہت سی کانفرنسیں ہوئیں جیسی کہ ہندوستان میں بھی ہوتی ہیں اور انہیں سے بعض سب سے مقدم تعلیم کے متعلق تھیں کل دنیا کا رُخ زیادہ وسیع اور گہری تعلیم کی طرف ہے۔ یہاں یہ سوال اکثر پوچھا جاتا ہے کہ تعلیم کا مُدعا کیا ہے۔ تعلیم کا مقصد یہی نہیں کہ انسان کو روٹی کمانے کے قابل بنائے بلکہ اُسے یہ سکھائے کہ کیونکر زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ امید ہے کہ ہندوستانی کلیسیا ہمیشہ اپنے سب سے لائق مردوں اور عورتوں کو تعلیمی خدمت میں لگانے کے لئے تیار ہوگی کیونکہ کلیسیا ہی ہمیشہ سے اس بھاری تعلیمی خدمت کو انجام دیتی آئی ہے۔ آجکل انگلستان میں تعلیم کی بڑی بھاری ترقی ہو رہی ہے۔ مزدوری پیشہ لوگوں کے لئے جو مدرسہ سے نکل چکے ہیں بہت کچھ کیا جا رہا ہے۔ لنڈن میں جابجا ترقی تعلیم کے لئے ایوننگ سکول (شام کیوقت کھلنے والے مدارس) ہیں۔ کیا لاہور جیسے شہروں میں اس قسم کے مدارس کا جاری کرنا ممکن نہیں؟

مسیحی لاہور

دورِ جدید — ۲۳ مارچ ۱۹ء — جلد ۳ نمبر ۵

نوٹ اور رائیں

روحانی کششِ ثقل

مادہ میں ایک قسم کی کشش پائی جاتی ہے۔ جسے سائنس دان کششِ ثقل کہتے ہیں۔ اس کا ایک عام ثبوت یہ ہے کہ ہر شے زمین کی طرف گرتی ہے۔ کسی شے کے اُٹھانے میں ہمیں زور خرچ کرنا پڑتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہم زمین کی کشش کے خلاف عمل کرنا چاہتے ہیں۔ جس قدر مادہ کسی چیز میں ہوگا اُسی تناسب سے اُس میں کشش کی طاقت ہوگی۔ اس مادی کشش کا جواب روحانی عالم میں لفظ **محبت** سے ادا کیا جاتا ہے۔ خداوند مسیح نے فرمایا کہ "میں اگر زمین سے اونچے پر چڑھایا جاؤں تو سب کو اپنے پاس کھینچوں گا" اُس کا دل محبت سے معمور تھا جس کا بہترین ثبوت اُس کی صلیب میں پایا جاتا ہے۔ جب وہ صلیب پر لٹک رہا تھا اُس صلیب میں ایک زبردست طاقت پیدا ہو گئی جس سے اُس نے دُنیا کو اپنی طرف کھینچ لیا مسیح کی صلیب نہ فقط اُس کی اپنی زندگی کا مرکزی نقطہ تھا بلکہ وہ انسان کو خدا کی طرف لانے میں روحانی مرکز ثابت ہوگی۔ یہ خدا کی محبت کا کمال ہے کہ وہ ہماری روحوں کو دور سے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے مگر کیا ہماری روحوں میں محبت کی کشش نہیں جس کا اثر خدا پر

پڑسکتا ہے؟ اگر ہم گیند کو ہوا میں اُچھالیں تو اُس کی رفتار اوپر کی طرف آہستہ آہستہ کم ہوتی جاتی ہے اور آخر وہ ایک نقطہ تک پہنچ کر زمین کی طرف گرنے لگتا ہے اور زمین کی کشش اُس کو تھوڑی دیر میں نیچے گرا دیتی ہے۔ یہ زمین کی زبردست کشش کا ثبوت ہے حساب کیا گیا ہے کہ اگر ایک پونڈ وزن کا ایک گولا ہوا میں اُچھالا جائے تو زمین جس کا وزن چودہ ہزار سنکھ پونڈ ہے اُس گیند سے ملنے کو ایک لاکھ سنکھواں حصہ آگے بڑھے گی۔ اگر انسان جو اُس گولے سے بھاری ہے زمین سے اوپر اُچھلے تو زمین اُس کو اپنی طرف کھینچ لاتے ہوتے ہوئے اس سے کچھ زیادہ اُس کی طرف کھنچی جائیگی۔ اور اگر کل بنی آدم کی مجموعی تعداد ایک نقطہ میں جمع ہو سکے اور یہ مجموعہ اوپر کو اُچھلے تو زمین اُس کی طرف مکڑی کے باریک سے باریک جالے کی تار کی موٹائی کا ایک اربواں حصہ کھنچ جائیگی۔ اس حساب کو قیاس میں لانا محال ہے مگر اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر زمین کسی شے کو اپنی طرف کھینچتی ہے تو وہ خود بھی اُس شے کی کشش سے ضرور متاثر ہوتی ہے اس قاعدے کا اطلاق روحانی عالم پر کرنے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہمارے دل میں خدا کے لئے محبت ہے تو اُس کا اثر ضرور قادر مطلق پر پڑتا ہوگا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ کوئی قیاسی حساب نہیں ہے۔ کیونکہ مسیح نے مسرف بیٹے کی تمثیل میں ہم کو فرمایا ہے کہ جب باپ کی محبت اپنے بیٹے کو دور دراز ملک سے کھینچ لاتی ہے تو باپ بھی اُس کو راستے دیکھکر دوڑتا ہے اور گلے لگا لیتا ہے۔ خدا کے فضل کی بے بہا دولت کون خیال میں لا سکتا ہے!

قدیم مصری شان وشوکت قریب سوا تین ہزار سال کا عرصہ گزرا کہ ملک مصر میں ایک بادشاہ بنام توتنخ آمن حکمران تھا جس کے زمانے کے علم و ہنر اور تہذیب کا کوئی نشان روئے زمین پر باقی نہ رہا تھا۔ قدیم شاہان مصر کی مصالحہ بھری لاشیں وادی نیل کے مقام پر لکسر کے متصل مٹی کے انباروں کے نیچے مدفون ہیں۔ ان کا پتہ نکالنے کے لئے مصری علامات کے

محقق مدتوں سے خاک چھان رہے ہیں۔ اسی مقام کو کھودتے کھودتے لارڈ کارنارون اور مسٹر کارٹر نے شاہ توتنخ آمن کی قبر کا پتہ نکالا ہے جس مکان میں اس بادشاہ کی لاش مصری دستور کے مطابق مصالحوں سے بھری ہوئی بند پڑی ہے اس میں عجیب و غریب سامان رکھے ہیں۔ اول تو شاہ مذکور کا ایک ثبت قبر کے اندرونی کمرے کے دروازے پر بطور محافظ کھڑا ہے اس کے بعد ایک سربمہر کوٹھڑی کو کھولنے سے ایک بڑا بھاری چوبی تابوت نظر آیا جس پر نہایت شاندار مذہبی آیات اور موت کے دہشت انگیز نشانات منقش ہیں۔ داخل ہوتے ہی ڈیوڑھی میں ایک بڑا بھاری پلنگ رکھا ہے جس کے پائے شیر ببر کی صورت پر بنائے گئے ہیں اور اس کے چاروں طرف کئی ایک زرنگار صندوق ہیں جن پر نہایت اعلے درجے کی گلکاری کی گئی ہے۔ بعض اشیاء آبنوس کی لکڑی کی ساخت ہیں جن میں ہاتھی دانت کا جڑاؤ کام کیا ہوا ہے۔ صندوقوں میں شاہی پوشاکیں اور دیگر آرائش کا سامان ہے۔ اکثر چیزوں پر سونے کا ملمع ہے اور بعض خالص سونے کی بنی ہوئی اور نہایت قیمتی جواہرات سے مرصع ہیں۔ یہ تمام سامان اس قدر بیش بہا ہے کہ اس کی قیمت کا اندازہ لگانا محال ہے۔ قریب تیس بیضوی شکل کے ڈبوں میں مختلف اقسام کے گوشت کے ٹکڑے مصالح لگا کر سکھائے ہوئے رکھے ہیں دنیا کے نامی اخبارات میں اس قدیم مدفن کے خزائن کے مفصل حالات دیئے گئے ہیں اور ہر ایک شے کی تصویر کھینچی جا رہی ہے۔ بعض اشیاء بھر بھری اور نازک حالت میں ہیں اور ان کو کیمیائی مصالحوں سے پکا کر کے محفوظ رکھنے کے نکالا جا رہا ہے۔ جو کچھ اب تک دریافت ہو چکا ہے اس نے ساری دنیا کو دنگ کر رکھا ہے مگر بیان کیا جاتا ہے کہ اب تک اصل سامان باقی ہے جس کی ایک جھلک دنیا کو محو حیرت کر دیگی۔ فی الحال اندرونی کمرے کا کھولنا ایک سال کے لئے ملتوی کر دیا گیا ہے۔ معلوم نہیں اس میں کیا کیا عجیب سامان نکلیگا۔ اول خیال جو اس قدیم بادشاہ کی لاش کے دریافت ہونے پر پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ انسان خواہ کتنا بڑا بادشاہ ہو آخر

فانی ہے۔ بقا صرف خدا کی ذات کو ہے جس کے آگے ہزار برس ایک دن کے برابر
ہیں۔ انسان کی تمام شان وشوکت گزشتنی اور گذاشتنی ہے۔ غور کا مقام ہے کہ اتنا
بڑا بادشاہ ایک وادی کے کونے میں زیر خاک سویا ہوا ہو جس کا عروج اس زمانے
میں تھا جب موسیٰ کو شریعت کی دو تختیاں کوہ سینا پر ملی تھیں اور بعد ازاں مختلف
اقوام کے نامی فاتح نیل کی وادی میں اس کی قبر پر سے گزر گئے فارسی یونانی رومی
عربی اور عثمانی سلطنتیں اٹھیں اور گر گئیں۔ سکندر اعظم اور قیصر اور نپولین اس رستے
سے گزرے مگر کسی کو شاہ توتنخ آمن کی ہستی کا خواب و خیال بھی نہ تھا۔ پھر یہ خیال بھی
پیدا ہوتا ہے کہ زمانہ حال کے بادشاہوں کو اپنی موجودہ تہذیب اور جاہ و جلال پر ناز
ہے مگر آج مصر کے زیر زمین مقبرے نے ثابت کر دیا ہے کہ باوجود علم و ہنر کی ترقی کے
ان کا شاہی سامان اس مدفون بادشاہ کے شاندار و قیمتی سامان کا مقابلہ نہیں
کر سکتا۔ کمروں کے اندر دیواروں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدفون مقبرہ چوروں
اور قزاقوں کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ پھر بھی کافی سامان باقی رہ گیا ہے
جس کے مشاہدے سے ثابت ہوتا ہے کہ جس زمانے میں انگلستان کے باشندے
چمڑے کا لباس پہنے ہوئے اپنے زمین دوز جھونپڑوں میں بود و باش کرتے تھے اور
ممالک یورپ پر گھٹا ٹوپ تاریکی چھا رہی تھی اس وقت بحیرہ شام کے کنارے کے
ممالک خصوصاً مصر کے لوگ شائستگی اور شان و شوکت کے معراج پر پہنچے ہوئے
تھے۔ سامان کے متعلق ایک خاص بات قابل لحاظ ہے۔ بعض اشیاء تو شاہی عظمت
اور آسائش کے لوازمات ہیں مگر زیادہ تر ایسی چیزیں لاش کے ساتھ دفن کی گئی
ہیں جو مصری اعتقاد کے موجب آیندہ جہان میں کارآمد ہونگی۔ مثلاً دریائے
موت سے عبور کرنے کے لئے سات چپو رکھے گئے ہیں اور شکار کے ہتھیار اور
دیگر سامان اور رتھ اور خوراک وغیرہ اپنے "مدکا" یعنے ہمزاد کے عیش و آسائش
کے لئے رکھ دی گئی ہیں۔ اس امر میں قدیم مصری قبریں ہمارے شاہان ہند کے
مزاروں سے بڑا بھاری فرق رکھتی ہیں۔ شاہان مغلیہ کے بڑے بڑے مزار اور

مقبرے مختلف مقامات پر موجود ہیں مگر اُن کا مدعا یہی معلوم ہوتا ہے کہ متوفیوں کی یادگار صفحۂ زمین سے معدوم نہ ہو جائے۔ مگر شاہان مصر آیندہ جہان کی زندگی کے لئے ضروری اشیاء اپنے ساتھ دفن کرواتے تھے۔

شمالی ہند میں امریکن پریسبیٹیرین مشن اس مشن کی سالانہ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۸۳۴ء میں قائم ہوا تھا۔ قریب نوّے سال تک قایم رہکر ترقی کرتے چلے جانا اس امر کا ثبوت ہے کہ خدا کا روح اس میں کام کر رہا ہے۔ انجیل کی منادی کا کام بھی ہوتا ہے مگر اس مشن کا حلقۂ خدمت زیادہ تر بذریعہ تعلیم ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق ۱۶۷ سنڈے سکول اور ۹۹ دیگر مدارس ہیں۔ دو کالج اور ایک حرفتی مدرسہ اور ایک علم الہیات کا سکول ہے جو سب کے سب کم و بیش شاداب حالت میں ہیں۔ دو ہسپتال اور پانچ ڈسپنسریاں ہیں جن میں سات میڈیکل مشنری کام کر رہے ہیں۔ مشنریوں کی تعداد ننانوے ہے اور باقی ہندوستانی "مددگاروں" کی تعداد ۵۲۱ ہے۔ شاید یہ دریافت کرنا بیجا نہ ہوگا کہ لفظ "مددگار" کا مفہوم کیا ہے۔ بعض لوگوں کے خیال میں غیر ممالک کے مشنریوں کو ہندوستانی کارندوں کا مددگار سمجھنا چاہئے کیونکہ سوائے روپے پیسے کی تھیلی کے بشارت اور تعلیم کا کام زیادہ تر ہندوستانی مسیحیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس مشن کے شرکا کی تعداد ۳۰۷۳۴ ہے جن میں سے ۱۴۱۸۶ اشخاص عشائے ربانی میں شریک ہوتے ہیں۔ مشن کا کام سولہ مقامات میں کیا جا رہا ہے اور آٹھ کلیسیائیں سیلف سپورٹنگ ہیں۔ مشن کا یہ پہلو نہایت بہت افزا ہے اور آیندہ زیادہ توجہ کا محتاج ہے۔ قریب تین ہزار اشخاص سال گزشتہ میں بذریعہ بپتسمہ کے مسیحی جماعت میں شامل کئے گئے ہیں۔ ہندوستان میں تمام ذرائع سے آمدنی کی مجموعی رقم چار لاکھ روپے سے کچھ زیادہ ہے۔ اس وقت ہندوستانی کلیسیا کی خاص ضرورت ایسے اُستادوں اور منادوں کی ہے جو دیہاتی کلیسیاؤں میں کام کریں اور ادنیٰ اقوام کے مسیحیوں اور اُن کے بچوں کو انجیل کی تعلیم دیکر اُن کے

ایمان کو استوار کریں۔ اس مقصد کے لئے موگا میں بزیر اہتمام پادری میکی صاحب ایک سکول جاری ہے جس میں دیہاتی ضروریات کو مدنظر رکھکر معلم اور استاد تیار کئے جاتے ہیں۔ ایک ماہوار رسالے اور مشنریوں اور انسپکٹروں کی نگرانی اور مقامی مجالس کے ذریعے یہ تعلیم کا سلسلہ قائم رکھا جاتا ہے۔ اور مشنوں کو بھی اس سکول کے نمونے پر مدارس قائم کرنے چاہئیں۔ نئے قواعد کے مطابق بعض پرانے مشنری صاحبان کو چالیس سال کی خدمت کے بعد سبکدوش ہونا پڑا ہے۔ ان میں سے پادری ڈیری صاحب اور مسز ویری اور پادری ایوئنگ صاحب اور مسز ایوئنگ اور مس ٹریٹ کو اپنے حلقہ خدمت سے چلے جانے سے مسیحی کلیسیا کو رنج ہوگا۔ ایک اور کام جو اس مشن میں ایک چھوٹے پیمانے پر شروع کیا گیا ہے ہوم مشن کا کام ہے جو نولکھا چرچ اور لودیانہ پریسبیٹری کے متعلق چند دیہات میں کیا جا رہا ہے۔ یہ ایسی خدمت کا آغاز ہے جس سے ہندوستانی کلیسیا بشارتی کام اپنے ذمے لیکر اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائیگی۔

میڈیکل مشن کشمیر کی سالانہ رپورٹ اس مشن کی نئی رپورٹ سال اقبل کی رپورٹ سے ایک بات میں فرق رکھتی ہے۔ جبکہ ۱۹۲۱ء کے کارناموں میں مسیحی خدمت کے پہلو کو سراسر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ سال گذشتہ کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مشن میں کچھ نہ کچھ مذہبی خدمت بھی کی جاتی ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ اندرونی اور بیرونی مریضوں کو انجیل سنائی جاتی ہے۔ اور انجیل کے صحائف خوشی سے خریدے جاتے ہیں۔ چنانچہ سال گذشتہ میں تین ہزار ایک سو صحایف فروخت ہوئے۔ گو خریداروں کا زیادہ حصہ ان پڑھ لوگ تھے مگر امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنے گاؤں کے ملّا یا کسی منشی سے کتاب پڑھوا لیا کرینگے۔ روحانی خدمت کے نتایج کی بابت صفائی سے کہدیا گیا ہے کہ کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔ اکتوبر کے وسط میں ڈاکٹر ارنسٹ نیو صاحب رخصت سے واپس تشریف لائے

اور ڈاکٹر ناکلڈ صاحب کو سبکدوش کیا جو کو یکہ میں اپنے کام پر واپس چلے گئے ہیں۔ طبی پہلو سے ایک بات خاص طور پر نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ کشمیر میں مرض دق ترقی پر ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر نیو صاحب فرماتے ہیں کہ پینتیس سال عرصہ گزرا کہ سل کا کوئی مریض شاذو نادر ہی نظر آتا تھا۔ میں جتنے مریض اس بیماری کے دو سال میں دیکھا کرتا تھا اب اکثر اوقات ایک دن میں دیکھے جاتے ہیں جذامی خانہ میں نئے علاج کا تجربہ کیا جا رہا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ کئی ایک مریضوں کو افاقہ ہوا ہے۔ فہرست عملہ طبی سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے دو ہندوستانی مسیحی ڈاکٹروں کے جو مقیم میڈیکل افسر ہیں باقی تمام ہندوستانی مددگار کاشمیری پنڈت ہیں۔ جہانتک ہمیں علم ہے یہ دونوں ڈاکٹر بھی اس مشن کو چھوڑ گئے ہیں۔ کیا کوئی خاص وجہ ہے کہ کشمیر جنت نظیر کے میڈیکل مشن میں ہندوستانی مسیحی نہیں ٹکتے؟

ہم گرجے کیوں جاتے ہیں؟ ہمعصر کرسچن ہیرلڈ نے ارادہ کیا تھا کہ اپنے ناظرین سے بذریعہ چند سوالات کے دریافت کرے کہ "ہم گرجے کیوں نہیں جاتے"؟ مگر کسی دوست نے یہ تجویز پیش کی کہ بجائے اس سوال کے یہ پوچھنا چاہئے کہ "ہم گرجے جاتے ہی کیوں ہیں؟" اُس کے لئے یہ باعث تعجب نہیں کہ لوگ گرجے کیوں نہیں جاتے۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کونسی کشش ہے جو ہندوستانی مسیحیوں کو گرجے میں لے آتی ہے اس لئے ہمعصر مذکور نے مندرجہ ذیل چار سوال تمام گرجے جانیوالوں سے پوچھے ہیں جن کا جواب دو ہفتوں تک اُس کے پاس پہنچ جانا چاہئے (۱) جو لوگ گرجے جانے کے عادی ہیں اُن کے خاص روحانی تجربے کیا ہوتے ہیں؟ (۲) کیا بعض لوگ محض ایک سوشل عادت یا رواج کے طور پر گرجے جاتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہو تو غالباً کس قدر فیصدی لوگ ایسے ہونگے؟ (۳) فرض کرو کہ کسی خاص وجہ سے مثلاً کسی قانونی فرمان کے باعث ہمارے گرجے چھ ماہ تک بند کئے جائیں تو کیا ہماری زندگیوں میں کسی حقیقی روحانی خوبی کی کمی واقع ہو جائیگی؟ (۴) کیا

رہنے جانیوالوں کے دل میں ہندوستان کی رسمی عادات کے مطابق کسی متبرک مقام کی عزت یا خدا کا ورشن کرنے یا کسی گرُو سے روحانی ہدایت پانے کا خیال موجود ہوتا ہے؟ اگر ہے تو کس حد تک؟

برہما کونسل میں ایک ہندوستانی مسیحی

ہمیں کرسچن پیٹریٹ میں یہ خبر پڑھکر خوشی حاصل ہوئی ہے کہ مسٹر اے۔ ڈی۔ جوزف برہما کے مسیحی اور غیر مسیحی باشندوں کی طرف سے کونسل میں نیابت کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔ ہندوستانی آبادی کی طرف سے بلا لحاظ مذہب اور ملت ایک ہندوستانی مسیحی کا چُنا جانا نہایت عزت کی بات ہے۔ جس کے لئے ہم مسٹر جوزف کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اگر فرقہ وار نیابت کے خلاف کسی ثبوت کی ضرورت ہو تو یہی ایک مثال کافی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اگر ہم غیر مسیحیوں کے درمیان اپنے مسیحی اصولوں کو قائم رکھتے ہوئے رفاہ عام کاموں میں حصہ لیں اور اُن کے ساتھ میل جول اور ہمدردی کا رشتہ قائم رکھیں تو وہ ہم کو اپنی نیابت کے لئے نہ چُن لیں۔ اپنے ہموطنوں سے علیحدگی اختیار کرنے سے ہماری جماعت یا ہمارے ملک کو کوئی حقیقی فایدہ پہنچ نہیں سکتا۔

بائیبل چرچمنس مشنری سوسائٹی

جب سے بائیبل کے متعلق نکتہ چینی کا بازار گرم ہوا ہے چرچ مشنری سوسائٹی کے کلیسیا ایک خاد مان دین کا میدان اُس تحریک کو ہو گیا ہے مگر سب چرچمین اُنکے ساتھ متفق نہیں ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر سی۔ ایم۔ ایس کے دو فریق ہو گئے ہیں یعنے قدامت پسند جو مختلف تواریخی کتب کو الہامی اور راست سمجھتے ہیں۔ اور جدت پسند جو الہام کی نسبت زمانہ حال کی نکتہ چینی کے نتایج کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ شاید یہ تفرقہ جلد ظہور میں نہ آتا اگر سی۔ ایم۔ ایس کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا نہ پڑتا۔ جب جدت پسندوں نے تواریخی واقعات کو محض اِدھر اُدھر کی روایات اور فرضی کہانیاں سمجھا تو عوام نے اپنے چندے بند کر دیئے۔ مالی امداد کو قائم رکھنے کیلئے قدامت پسند فرقے کو برملا اپنے ایمان کا اظہار کرنا پڑا۔ یعنے یہ کہ بائیبل الہامی

حالات امریکہ

نمبر ۱

ہمارے ناظرین کرام محترم ... کے نام نامی سے بخوبی واقف ہیں۔ اس لئے کچھ ضرورت نہیں کہ ان کا تعارف از سر نو کرایا جاوے۔ باوجود عدم فرصتی کے آپ نے ہماری درخواست پر مسیحی کے لئے مضامین لکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ آپ مسیحی کی خدمت کو قومی خدمت سمجھتے ہیں مندرجہ ذیل مضمون اس سلسلے کی اول کڑی ہے۔ آیندہ مضامین میں آپ امریکہ کے مذہبی اخلاقی اور دیگر حالات کا ذکر کرینگے۔ امید ہے کہ ہمارے ناظرین بڑے شوق اور دلچسپی سے اس سلسلہ کا مطالعہ کرینگے اور حظ اٹھائینگے

ایڈیٹر

کوئی چارسو سال گزرے کولمبس نے امریکہ کا براعظم دریافت کیا۔ وہ زمانہ یورپ میں قومی اور ملکی بیداری کا تھا۔ چہار سو اس کا چرچا پھیلا اور ہر سمت اور گوشے سے یورپ کی جوانمرد اقوام نے امریکہ کا رُخ لیا تاکہ اس کے بیش بہا خزائن میں حصہ پاویں۔ جب وہ یہاں پہنچے تو ہر طرف جنگل بیابان تھا۔ کہیں کہیں بعض اصلی باشندے آباد تھے۔ لیکن بہت کم اور عنقریب جنگلی حالت میں۔ آج اسی ملک میں قدم رکھتے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ وہ براعظم جو چند سو سال پیشتر ایک ویرانہ تھا آج باغ ارم کی تصویر بنا ہوا ہے۔ جابجا شہر اور قصبے آباد ہیں۔ نہریں اور ریلیں جاری ہیں۔ اور مشرق سے مغرب تک ہر قسم کے غلے اور اناج کی پیداوار اس کثرت سے ہے کہ یورپ والے دعائیں دیتے ہیں۔ اس ملک کے مکمل حالات بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ اسلئے سردست ہم یہاں کے بعض حالات درج کرتے ہیں

امریکہ کی ترقی اور مالی حالت

ترقی اور دولت کے لحاظ سے اس وقت دنیا میں کوئی ملک امریکہ کا ہمپایہ

نہیں۔ اور اس کا شاید ایک سبب یہ ہے کہ امریکہ گویا تمام یورپ کی مختلف اقوام کا عرق ہے۔ دُنیا کی ہر ایک قوم اپنی اپنی خاص صفات کا دم بھرتی ہے اور ہر ایک مُلک میں بعض خداداد ہنر موجود ہوتے ہیں۔ یہاں یہ ہر قوم کے باشندے آکر خلط ملط ہو گئے۔ چنانچہ اُن کی اولاد میں جو اصلی امریکن کہلانے لگے تمام اقوام کے خواص جوش زن رہے اور اُن میں وہ وہ ہنر پیدا کر دیئے جو کسی خاص ایک قوم کا حصہ نہیں ہو سکتے۔ پھر یہ امر بھی مسلّم ہے کہ جس قوم میں اللہ اقبال دیتا ہے اسمیں ترقی کے سامان بھی خود بخود فراہم ہو جاتے ہیں۔ اس ملک میں بچے بوڑھے امیر غریب سب کی زبان پر لفظ ترقی موجود ہے۔ شب و روز وہ اس جدو جہد میں لگے رہتے ہیں کہ کسی نوع ہر بات اور ہر صیغے میں ترقی حاصل کریں اور آگے بڑھیں۔ اُن کی اس جستجو کا اثر ہر طرف مشاہدہ ہوتا ہے۔ ان کی مالی فضیلت اس سے ثابت ہوتی ہے کہ فی زمانہ دنیا کی کُل اقوام امریکہ کی قرض دار ہیں۔ دنیا کے سونے اور جواہرات کے کل ذخیرے کا نصف اس ملک میں موجود ہے۔ ہر طرف کلیں کارخانے اور مشینیں جاری ہیں۔ ایک ایک کارخانے میں ہزاروں مرد عورتیں ملازم۔ مثلاً ایک کارخانہ فورڈ موٹر کار کا لیجئے اس میں پچاس ہزار کام کرنے والے ہیں۔ اس قسم کی صدہا انڈسٹریاں موجود ہیں۔ نیویارک۔ شکاگو فِلڈلفیا وغیرہ ایسے شہر ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ ان میں سے اول الذکر اب تمام دنیا میں سب سے بڑا اور دولتمند شہر تسلیم ہو چکا ہے۔ اس کی گلیوں اور بازاروں میں موٹریں اس کثرت سے دوڑتی پھرتی ہیں جیسے مکھیاں ہندستان کے بازاروں میں۔ زمین دوز ریلیں اور بالائی ریلیں یعنی وہ ریلیں جو سطح زمین سے کئی فٹ کی بلندی پر چلتی ہیں۔ ہر دو دو منٹ روانہ ہوتی ہیں اور پھر بھی مسافروں کی وہ بھرمار کہ کھڑے ہونے کو جگہ مشکل۔ شہر کی گلیاں بازار ایسے فراخ اور وسیع ہیں جیسے ہمارے ملک کے پارک۔ لیکن پھر بھی تاریک۔ دونوں جانب بیس بیس تیس تیس منزلہ مکانات کھڑے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں ان میں

بہت سے دفاتر اور کارخانے ہیں۔ ایک ایک مکان میں صدہا ملازم اور ہزار ہا لکھو کھہا ڈالروں کی تجارت ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں عموماً تعلیم یافتہ نوجوان سرکاری ملازمت کے لئے جان دیتے ہیں۔ یہاں حالانکہ بڑے بڑے سرکاری محکمہ جات ہیں پھر بھی لوگ عموماً سرکاری نوکری کی پرواہ بھی نہیں کرتے سکول کالج سے نکلتے ہی حسب لیاقت بیسیوں قسم کی نوکریاں گھر بیٹھے مل جاتی ہیں معمولی سے معمولی کلارک سو سو دو دو سو روپیہ ماہوار کماتے ہیں اور آرام و چین کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور امیروں اور بڑے بڑے تجاروں کی آمدنیوں کا تو کیا ذکر ہزار دو ہزار ڈالر ماہوار فقط مکان کا کرایہ دینا کوئی بڑی بات نہیں سمجھتے ان کی آمدنیوں کا تخمینہ خود کر لیجئے۔ غریب کہیں ڈھونڈھے سے نہیں ملتے

تعلیمی نظام اور وطن پرستی

تعلیم کی یہ کیفیت ہے کہ گلی گلی ہائی اسکول اور کالج موجود ہیں۔ یہ تمام سرکار کے زیر اہتمام ہیں۔ پہلی جماعت سے لیکر ہائی سکول بلکہ کالج تک تعلیم مفت دی جاتی ہے۔ پھر تعلیم کا سلسلہ بھی کمال کو پہنچ گیا ہے۔ سکولوں میں ہر قسم کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہے۔ سولہ برس سے نیچے تمام لڑکے لڑکیوں کے لئے تعلیم بالجبر کا حکم ہے کتابیں مفت۔ اگر بچوں میں کوئی جسمانی نقائص یا کمزوریاں موجود ہوں تو ان کی درمان خوراک رہائش مفت۔ اگر والدین غریب ہوں اور کھانا کپڑا اچھا مہیا کرنے کے ناقابل ہوں تو اس کے لئے بھی سرکاری امداد۔ غرض یہ کہ یہاں بچے بچے کے ہاتھ میں اخبار۔ غریب۔ امیر پڑھنے کے دلدادہ۔ ہزاروں قسم کے اخبارات میگزینیں اور کتب چپے چپے پر فروخت ہوئے اور لاکھوں کی تعداد میں خریدے جاتے ہیں۔ استاد شروع ہی سے دیکھ لیتے ہیں کہ کس بچہ میں کیا لیاقت اور کیا شوق موجود ہے۔ بچہ کو اسی کا شوق دلایا جاتا ہے اور چونکہ وہ قدرتاً اسکی طرف مائل ہے۔ اُس کا مطالعہ بڑے شوق سے کرتا اور اپنی حسب لیاقت اُسمیں کمال پیدا کر لیتا ہے۔

اعلےٰ تعلیم کے لحاظ سے بھی امریکہ کا پہلا نمبر ہے۔ تمام بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں یونیورسٹیاں اور دار العلوم موجود ہیں۔ ہر ایک یونیورسٹی میں ہر قسم کی تعلیم کے سامان مہیا ہیں۔ امریکہ دنیا کی نصف یونیورسٹیوں کا گھر ہے۔ ان میں بڑے بڑے عالم پروفیسر مقرر ہیں۔ میں نے بہت طریق سے آزمایا اور اس نتیجے کو پہنچا کہ لیاقت عموماً ہمارے بی۔ اے۔ ایم۔ اے پاس شدگان کی ہوتی ہے وہ یہاں پرائمری سکول کے پاس شدہ جوانوں کی لیاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مجھے یہ مقابلہ مجبوراً کرنا پڑتا ہے تو کیا یہ قصور ہمارا ہے؟ نہیں۔ ہماری تعلیم کا سلسلہ جو ہند میں قائم ہے ایسا بیکار ہے کہ ہمیں کسی لائق ہی نہیں بناتا۔ یہاں جب کوئی نوجوان کالج سے نکلتا ہے وہ نہ فقط اپنے خاص علم میں ماہر ہوتا ہے بلکہ اس کی معلومات کا حلقہ اسقدر وسیع ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے کل امورات کو بخوبی سمجھ کر اپنے ذاتی خیالات کا اظہار کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ جب طالب علم داخل کالج ہوا تو اس نے اپنے حسب منشاء مضامین انتخاب کئے۔ جب لکچر کا وقت آیا پروفیسر صاحب نے ایک یا دو گھنٹہ تقریر کی اور طالبعلموں نے حتے المقدور اس کے نوٹ لکھ لئے جب لکچر ختم ہوا تو ایک فہرست دس پندرہ کتب کی تقسیم ہوئی اور طلباء کو ہدایت ہوئی کہ ان میں سے چار چھ کا مطالعہ ضرور کریں۔ کوئی خاص ایک ٹیکسٹ بک مقرر نہیں ہوتی۔ طلباء اس طرح ایک ہی مضمون کے متعلق کئی کئی کتب کا مطالعہ کر جاتے ہیں۔ اس سے نہ تو ان پر بار ہوتا ہے اور نہ ہی وہ جی چراتے ہیں بلکہ ان کا شوق بڑھتا اور ان کے معلومات زیادہ ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ ہندوستان میں بی۔ اے۔ ایم۔ اے پاس کرنا گویا جان پر کھیلنا ہے اور پھر بھی ہم پہ "پڑھے فارسی بیچے تیل" والی مثل درست آتی ہے۔ یہاں نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی جوان ہنستے کھیلتے بڑے بڑے امتحانات پاس کریں۔ لکھ پڑھ کر خاصی استعداد پیدا کر لیں اور جس طرح جی چاہے روزی کما لیں۔ ہاں یونیورسٹیوں اور کالجوں کی تعلیم مفت نہیں۔ امیروں کے بچے ہی فائدہ اٹھاتے ہیں پھر بھی

یہ حالت کہ ان میں طلباء کی بھرمار ہوتی ہے۔ ایک کولمبیا یونیورسٹی ہی میں قریب بیس ہزار طلباء موجود ہیں۔ اور باقیوں کا تو کیا حساب۔ الغرض امریکہ کی اس روز افزوں ترقی کا بھید دو چار باتوں میں چھپا ہوا ہے +

اول بچے بچے میں حب الوطنی اور آزادی کی روح کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ وہ جو کچھ کماتے کماتے یا کرتے ہیں فقط اس امید اور مدعا سے کہ اُن کے ملک کو فضیلت حاصل ہو۔ سب سے پہلے اپنے ہموطنوں کی قدر اور امداد کرتے ہیں۔ ہر سال یورپ اور دیگر ممالک سے بیسیوں طلباء اور نوکری پیشہ مرد عورتیں چلے آتے ہیں۔ لیکن ان کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ ہر جگہ امریکن کا حق مقدم رکھا جاتا ہے۔ اور بیسیوں اجنبی ناامید ہو کر وطن کی راہ پکڑتے ہیں یہی روح ہمارے ملک میں ہونی چاہئے۔ دیسی اپنے دیسی بھائی پر کسی اور کو ترجیح نہ دے تاکہ اپنے ملک کے نوجوانوں کی ہمت بڑھے اور ہر قسم کے علم اور ہنر ترقی کریں +

دوسرا بھید ان کی ترقی کا یہ ہے کہ وہ کسی ایک حالت میں متواتر قایم رہنا پسند نہیں کرتے۔ بلکہ اُن کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنی لیاقت اور ہنر کو کمال تک پہنچائیں چنانچہ یہ لوگ اپنا مطالعہ قائم رکھتے اور ہر نوع اسی فکر میں رہتے ہیں کہ کوئی نئی تجویز کوئی نئی راہ تجویز کریں جس کی بدولت کامیابی کا سہرا ان کے سر بندھے۔ ہمارے ہاں اُلٹی گنگا بہتی ہے۔ جہاں کسی نوجوان نے بی۔ اے پاس کیا۔ کتابیں کباڑی کے حوالے اور مطالعہ بالائے طاق۔ معلومات میں ترقی تو درکنار کچھ دنوں میں ہسٹری فلاسفی سب برابر ہو گئی اور بابو صاحب رہ گئے سو پچاس روپیہ ماہوار کے کلارک یا ماسٹر۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ ہماری بدبختی کی علت العلل اور سبب فقط ہماری جہالت اور بے فکری اور ناواقفیت علوم ہے۔ اگر بفضل خدا آج ملک میں دس فیصدی ذی ہوش نوجوان بھی پیدا ہو گئے جن میں سچی بیداری اور وطن پرستی کی روح ہو تو ہندوستان کی کایا پلٹ جائیگی +

الاحقر۔ زہیر۔ کولمبیا یونیورسٹی۔ نیو یارک

ایسٹر

مسیحی تیوہاروں میں سے ایسٹر کا تیوہار سب سے قدیم اور سب سے افضل ہے
رسولی زمانے ہی میں یہ تیوہار مانا جاتا تھا۔ البتہ اس کے ماننے کی تاریخ اور طریقے میں
فرق تھا۔ ایشیائے کوچک کی کلیسیائیں یہودی طریقے کے مطابق عید فسح ۱۴ ماہ
نیسان کو مناتی تھیں اور اس سے تیسرے روز ایسٹر یعنی عید قیامت۔ بلا لحاظ اس
امر کے کہ وہ دن اتوار ہے یا پیر یا کوئی دیگر روز لیکن روم کی کلیسیا۔ قیصریہ اور یروسلم
کی کلیسیائیں جمعہ کو عید فسح اور اتوار کے روز ایسٹر مناتی تھیں خواہ ماہ نیسان کی کوئی ہی
تاریخ کیوں نہ ہو۔ کچھ عرصے تک تو یہی حال رہا کہ کلیسیاؤں نے اس کی پرواہ نہ کی
کہ کون کس تاریخ اور طریقے پر ایسٹر مناتا ہے۔ البتہ دوسری صدی میں یہ مباحثہ
زیادہ زور پکڑ گیا۔ اور روم کے پوپ اینیسی ٹس نے یہ کوشش کی کہ ہر جگہ رومی
طریقے اور تاریخ پر یہ تیوہار منایا جائے۔ چنانچہ اس امر کے تصفیہ کے لئے مقدس
پولیکارپ سمرنا کا بشپ روم کو گیا تاکہ پوپ کے سامنے اپنے طریقے کی صداقت
ظاہر کرے۔ اس مقدس نے یہ فرمایا کہ مقدس یوحنا عرصہ دراز تک افسس میں رہے
اور ایشیائے کوچک کی کلیسیاؤں نے ان کے مقرر کردہ طریقے پر عمل کیا۔ مقدس یوحنا
کو انہوں نے اسی طریق پر ایسٹر مناتے دیکھا۔ اور یہی طریق وہاں کی کلیسیاؤں نے
اختیار کیا اس لئے پوپ سے درخواست کی کہ وہ کلیسیائیں رومی دستور ماننے پر
مجبور نہ کی جائیں۔ چنانچہ پوپ اینیسی ٹس نے اس دلیل کو مان لیا اور ایشیائی
کلیسیاؤں کو ان کے طریق پر چلنے دیا۔ باوجود اس اختلاف کے بھی ان سے کلیسیائی
رفاقت قائم رکھی بلکہ مقدس پولیکارپ کو روم میں اسی جگہ عشائے ربانی دینے
کی اجازت دی۔ اور کچھ عرصے کے لئے یہ تنازعہ بند رہا لیکن پھر پوپ وکٹر نے
اس مباحثے کو نئے سرے سے اٹھایا اور ساری کلیسیاؤں کو رومی طریق پر چلنے
کے لئے ہدایت کی۔ چنانچہ ایشیائی بشپ پولی کریٹس نے روم کی کلیسیا کو ایک

خط لکھا جس میں اس نے اُن مقدسوں کی ایک طویل فہرست درج کی جو یوحنا رسول کے طریق پر ۱۴ ماہ نیسان کو ایسٹر مناتے تھے بلا لحاظ اتوار کے۔ مثلاً انہوں نے فرمایا کہ فلپس رسول جو ہائراپولیس میں مدفون ہیں اور اس کی دو کنواری لڑکیاں یوحنا رسول جو اپنے خداوند کے سینے پر جھکا ہوا تھا وہ افسس میں مدفون ہے ویسے ہی پولیکارپ سمرنا کا بشپ اور شہید وغیرہ وغیرہ یہ سب مقدس انجیل کے مطابق ۱۴ ماہ نیسان کو عید فسح مناتے تھے اور سر مو اس سے تجاوز نہ کرتے تھے میں خود اب ۶۵ سال کا ہوں اور اسی طریق پر عمل کرتا ہوں۔ میں نے یہی سیکھا ہے کہ انسان کی نسبت خدا سے ڈرنا چاہئے۔ اس پُرزور خط کا افسوسناک نتیجہ ہوا۔ پوپ وکٹر نے ایشیا کوچک کی ساری کلیساؤں کو خارج کر دیا لیکن سب بشپوں کا اس فتوے کے ساتھ اتفاق نہ تھا۔ چنانچہ اٹرینوس نے بھی جو گال کا بشپ تھا اور رومی دستور کے مطابق ایسٹر مانا کرتا تھا پوپ وکٹر کو اس فتوی پر ملامت کی۔ آخر قسطنطین اعظم کو یہ اختلاف پسند نہ آیا اور ایشیائی کلیساؤں کو مجبور کرنا چاہا کہ وہ رومی طریق کو مان لیں۔ اور نقایا کے مجمع میں ۳۲۵ء میں رومی دستور کی تائید ہوئی اور جو اس دستور کو نہ مانتے تھے اُن کو خارج کر دیا انگلستان میں بھی ساتویں صدی تک ایسٹر ایشیائے کوچک کی کلیساؤں کے مطابق مانا جاتا تھا۔ لیکن ساتویں صدی سے انہوں نے رومی طریق کو مان لیا +

اس اختلاف کی تہ میں وہی عداوت تھی جس کی وجہ سے سنیچر کی بجائے اتوار سبت مانا گیا۔ یہودی مسیحی سنیچر کو ہی سبت مانتے تھے۔ اور اتوار کو مسیح کے جی اٹھنے کی یادگار میں خوشی کا دن مانتے تھے۔ لیکن جو مسیحی غیر اقوام سے تھے وہ یہودی مسیحیوں کے خلاف سنیچر کی بجائے اتوار کو سبت ماننے لگے اور اسی طرح ایسٹر کے ماننے میں تاریخ پر زور دینے کی بجائے جو یہودی طریق کے مطابق تھا اتوار کے دن پر زور دینے لگے اور بتدریج قسطنطین اعظم کی تاثیر سے جو اتوار پر فریفتہ تھا یہی دستور قائم ہو گیا جو آجکل مروج ہے +

جو لوگ ایسٹر کو یہودی تاریخ کے مطابق مانتے تھے وہ روزہ بھی اُسی دن رکھتے تھے۔ لیکن جو اتوار کو ایسٹر مناتے تھے وہ روزہ نہ رکھتے تھے۔ اور ایسٹر کے ایام میں کھڑے ہو کر دعا کرتے تھے جو اس امر کی طرف اشارہ کرتا تھا کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ ایسٹر سے لیکر پنتی کوست کے دن تک ایک ہی موسم یا تیوہار منانا جاتا تھا۔ اور انہی ایام میں عموماً امیدواروں کے بپتسمے ہوا کرتے تھے اور سفید لباس پہنا جاتا تھا +

جے۔ علی بخش

خدا کے ہاتھ میں چھوڑ دو

ذکر ہے کہ مصر کے بیابان میں ایک عمر رسیدہ گوشہ نشین زاہد رہا کرتا تھا کسی طرح یہ خیال اُسکے دل میں پیدا ہو گیا کہ اگر میرے غار کے پاس زیتون کا درخت ہو تو مجھے فائدہ ہو گا۔ یہ سوچکر اُس نے ایک چھوٹا سا پیڑ لگایا۔ اب اسکے لئے پانی کی ضرورت پڑی سو اُسنے بارش کیلئے خدا سے دعا مانگی اور مینہ برسا اور اُس زیتون کے پودے کو سیراب کیا پھر زاہد نے سوچا کہ اب اُس پیڑ کی ننھی کونپلوں کیلئے دھوپ درکار ہے سو اُسنے دعا کی اور سورج چمکنے لگا۔ نو پودا کچھ کمزور سا دکھائی دیتا تھا سو اس بڈھے نے خیال کیا کہ اگر تھوڑا پالا پڑ جائے تو وہ تازہ اور شاداب ہو جائیگا اُسنے دعا مانگی اور رات کو خوب پالا پڑا جس سے تمام چیزیں سفید ہو گئیں۔ اب زاہد نے دل میں سوچا کہ اگر گرم دکھنی ہوا چلے تو درخت کو بہت فایدہ ہو گا سو اُسنے دعا مانگی اور گرم ہوا آئی جس سے وہ پیڑ جھلس گیا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ زاہد اپنے کسی اور گوشہ نشین دوست کے ہاں گیا اور کیا دیکھتا ہے کہ اُسکے غار کے پاس ایک زیتون کا درخت نہایت شاداب حالت میں ہے حیرت زدہ ہو کر اُس نے دریافت کیا کہ "بھائی صاحب! اس خوشنما درخت کی ایسی اچھی حالت کا کیا راز ہے؟ اس دوسرے زاہد نے جواب دیا کہ "میں نے درخت لگایا اور خدا نے برکت دی اور وہ بڑھ گیا"۔ یہ سنکر اُسنے کہا کہ "برادر! میں نے بھی ایک زیتون کا پیڑ لگایا۔ اور مینے جو کچھ اُسکے لئے مناسب سمجھا خدا سے مانگا اور اُسنے مجھے عنایت کیا مگر باوجود اسکے وہ خشک ہو گیا" اُسکے دوست نے جواب دیا کہ "برادر مینے تو اپنا درخت خدا کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا کیونکہ وہ اس درخت کی ضروریات

مبارک جمعہ

(از پادری آر۔ ایم واعظ صاحب)

خداوند یہوواہ فرماتا ہے

میں ایسا کرونگا۔ کہ سورج دوپہر کے وقت غروب ہو جائیگا۔ اور میں روز روشن میں سرزمین کو اندھیرا کر دونگا۔ عاموس ۸/۹ تاریکی غضب قہر اور ہیبت کا نشان ہے جیسا کہ خروج ۱۰/۲۱ میں مرقوم ہے۔ خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف لمبا کر تاکہ ملک مصر میں تاریکی ہو۔ ایسی تاریکی جو ٹٹول جائے۔ مصر کی دس آفتوں میں سے یہ ایک بھاری مصیبت تھی۔ یہ سزا اور عذاب کا موجب بھی ہے بابل کی تباہی میں تاریکی کا ذکر یسعیاہ یوں کرتا ہے (۱۳/۱۰) دیکھو خداوند کا وہ دن آتا ہے۔ جو غضب میں اور قہر شدید میں سخت درشت ہے۔ تاکہ ملک کو ویران کرے اور گنہگاروں کو اس پر سے نیست و نابود کرے۔ آسمان کے ستارے اور کواکب روشنی نہ چمکائینگے۔ سورج طلوع ہوتے ہوتے اندھیرا ہو جائیگا۔ اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا۔ یرمیاہ نبی (۱۵/۹) منسی بن شہ و حزقیاہ کے گناہوں کے سبب الٰہی غضب کا بیان یوں کرتا ہے۔ دن رہتے اس کا سورج ڈوب گیا۔ میکاہ نبی بھی الٰہی غضب کو تاریکی سے بیان کرتا ہے۔ ہم پر تاریکی چھا جائیگی جس کے باعث تم غیب دانی نہ کر سکوگے۔ اور نبیوں پر آفتاب غروب ہوگا۔ اور ان کے لئے دن اندھیرا بن جائیگا۔ (۳/۶) ۔

جب کسی جگہ گناہ اور ظلم کی انتہا ہو جائے۔ تب یہ کہا جاتا ہے۔ کہ تجھ پر سورج طالع نہ ہو۔ ہندو لوگ گہن سے بھی غضب ہی مراد لیتے ہیں۔ جس تاریکی کا ذکر ہماری آیت میں ہے۔ اس کا مقابلہ انجیل شریف کے مضمون سے کیا جاوے تب پتہ لگ جائیگا کہ یہ کونسی تاریکی ہے۔ جسکا ذکر عموس نبی نے کیا ہے۔ اور دوپہر سے لیکر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا (متی ۲۷/۴۵)

جب دوپہر ہوئی تو تمام ملک میں اندھیرا چھا گیا (مرقس ۱۵/۳۳)

پھر دوپہر کے قریب سے تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا۔ اور سورج کی روشنی جاتی رہی۔ (لوقا ۲۳/۴۴)

یہی وہ تاریکی ہے جس کا ذکر عاموس نبی نے اس واقعہ سے قریباً ۸۰۰ برس پہلے کیا۔ یہ تاریکی طبریاس قیصر کے سن جلوس ۱۸ میں واقع ہوئی اس کی نسبت اس زمانہ کا مورخ فیلیگن لکھتا ہے کہ طبریاس قیصر کے عہد ۳۳ء میں سورج کو بڑا سخت گہن لگا تھا۔ یہی صلیبی موت کا سن ہے۔ فیلگن نہ صرف مورخ ہی تھا۔ بلکہ شاہی منجم البشرونومر بھی تھا۔ ایسی فاش غلطی ایک شاہی منجم سے حیرت ہے۔ مگر وہ سوائے اس کے کیا کہہ سکتا تھا۔ یہ تاریکی اس وقت ہوئی جبکہ پورن ماسی تھی۔ پورن ماسی کے وقت چاند اور سورج بالمقابل ہوتے ہیں۔ عید فسح ہمیشہ ماہ نیسان یا ابیب کی ۱۴-۱۵ تاریخوں میں ہوتی ہے۔ اس وقت سورج کو گہن لگنا نیچر کے خلاف ہے۔ کیونکہ سورج گہن ہمیشہ سیاہ کے دنوں میں لگتا ہے۔ اور گہن ۳ گھنٹہ کبھی نہیں رہا۔ یہ تاریکی ۱۲ بجے سے ۳ بجے تک رہی۔ بیچارہ مؤرخ اصل حقیقت سے واقف نہ تھا۔ اس لئے اس نے اس کو گہن لکھ دیا۔

اصل بات یہ ہے کہ اس وقت آفتاب صداقت غروب ہو گیا۔ اس قدر رومی سلطنت میں ظلم ہوا۔ ایسی سخت بے انصافی ہوئی۔ کہ اس ظلم کو سورج دیکھ نہیں سکا۔ تمام رومی سلطنت پر غضب الہٰی آ گیا۔ تاریکی چھا گئی۔ گویا یہود کا اور رومی سلطنت کا سورج عین دوپہر کو غروب ہو گیا۔ یہی وہ وقت تھا جبکہ نبی کی نبوت کے مطابق سوار گذریہ اور الہٰی چوپان پر تلوار چلائی گئی۔ چنانچہ مذکور ہے (ذکریاہ ۱۳/۷) اے تلوار تو میرے چرواہے پر اُس انسان پر جو میرا ساتھی ہے۔ بیدار ہو یہی وہ الہٰی تلوار تھی جس سے درخت حیات کی نگہبانی ہوتی تھی۔ چنانچہ موسیٰ اپنی پہلی کتاب میں اس تلوار کی بابت یوں تحریر کرتا ہے۔ اور باغ عدن کے پورب طرف کروبیوں کو چمکتی تلوار کے ساتھ جو چاروں طرف پھرتی تھی۔ مقرر کیا کہ درخت

حیات کی راہ کی نگہبانی کریں۔ پیدائش ۳/۲۴) اس گھومتی تلوار کے سبب حیات کا دروازہ بند تھا۔ راہ نہ کھلی تھی۔ اس الٰہی چوپان نے اُس کا دار اپنے اوپر لے لیا سینہ سپر ہوکر اس راہ کو کھول دیا۔ یہ وہ وقت تھا ۱۲ سے ۳ بجے تک +

فسح کی دائمی قربانی کے ٹھیک وقت پر یہ الٰہی برہ قربان ہوا۔ ہر دو زوال کے درمیان جیسا کہ موسٰی کا حکم تھا۔ ۱۲ بجے وہ قربانگاہ پر غضب کے نیچے آیا۔ اور دوسرے زوال کی دائمی قربانی کے وقت ۳ بجے اُس نے دم چھوڑ دیا +

یہ حقیقی قربانی جس پر یوحنا نے گواہی دی تھی۔ کہ دیکھو خدا کا برہ جو جہان کے گناہوں کو اٹھا لیجاتا ہے۔ خدا کے حضور منظور ہوئی جس کی تصدیق میں چھ نشان ظاہر ہوئے +

پہلا نشان۔ ہیکل کا پردہ جو قدس الاقدس کے آگے پڑا رہتا تھا جس کے اندر سوائے سردار کاہن کے کوئی نہ جا سکتا تھا۔ سو بھی سال میں ایک دفعہ۔ اور وہ بھی قربانی کا خون چھڑک کر۔ اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا۔ جیسا کہ مرقوم ہے۔ مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا۔ (متی ۲۷/۵۱) اس پردہ کے اندر کوئی نہ جا سکتا تھا۔ سوائے سردار کاہن کے۔ ایک دفعہ عُزیاہ بادشاہ نے اندر جانے کی جرأت کی تھی۔ حالانکہ سردار کاہن نے اُسے منع کیا۔ مگر اُس گستاخ بادشاہ نے نہ مانا۔ فوراً کوڑھی ہوگیا۔ اور ہیکل سے باہر نکال دیا گیا۔ مرتے دم تک کوڑھی رہا۔ قدس الاقدس میں خدا کی حضوری تھی۔ اس راہ کے کھولنے کی بشر میں طاقت نہ تھی۔ اس پردہ کو خدا ہی پھاڑ سکتا تھا۔ اس لئے لکھا ہے کہ اوپر سے پھٹا۔ آسمان کی راہ کھل گئی۔ اب خدا کی حضوری میں ہر ایک شخص حقیقی سردار کاہن کی قربانی کا خون ایمان سے اپنے دل پر چھڑک کے جا سکتا ہے۔ کوئی روک نہیں۔ کس دلیری سے مسیحی ہر وقت خدا کی حضوری میں جاتے ہیں۔ غیر مذہب والے اس سے حیران ہوتے ہیں۔ چنانچہ دہلی کے ایک مشنری نے ایک دفعہ بیان کیا۔ کہ ایک دفعہ مجھے سکول میں جانے میں ذرا دیر ہوگئی۔ جب وقت میں سکول میں پہنچا

تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک ہندو جوان میری جگہ کھڑا دعا مانگ رہا ہے۔ یہ دیکھکر میری حیرت کی کچھ حد نہ رہی۔ جب وہ اپنا کام ختم کر چکا تو میں نے اُس سے الگ لیجا کر پوچھا۔ کہ ایسا کرنے کی جرأت تمہیں کس طرح ہوئی۔ اُس نے کہا۔ کہ ہمارے لوگ پرمیسر کے سامنے جاکر پرارتھنا کرنا بہت ہی کٹھن سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ سوائے پنڈتوں کے کسی میں یہ جرأت نہیں۔ میں حیران ہوتا تھا۔ کہ عیسائی کس دلیری سے ہر وقت ہر جگہ دعا مانگنے کو کھڑے ہوجاتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ میں بھی عیسائی طریق پر یہاں دعا مانگ کر دیکھوں۔ آیا ممکن ہے۔ سو میرے واسطے یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ صرف مسیحی طریق پر ہی ہر ایک شخص پرمیسر کے سامنے جاسکتا ہے۔ اور میں بھی چلا گیا۔ جو کچھ مسیح نے فرمایا۔ اُس کی تصدیق ہو گئی۔ کوئی بغیر میرے وسیلے باپ کے پاس جا نہیں سکتا +

دوسرا نشان۔ اس ظلم اور جبر پر جبیر سورج نے نقاب لیا۔ جمادات نے بھی شہادت کا مُنہ کھول دیا۔ پتھر تڑک گئے۔ چٹانیں پھٹ گئیں۔ یہ چٹانیں آجتک مُنہ کھولے پڑی ہیں۔ ہمارے مسیحی بھائی خود دیکھکر آتے ہیں۔ پادری وارث الدین مرحوم بیان کرتے تھے۔ کہ وہ چٹانیں سچ مچ ایسی پھٹی ہوئی ہیں۔ جیسے کسی نے مُنہ کھولا ہو۔ نہ تو بارود سے توڑی ہوئی ہیں۔ نہ ہتھوڑوں کے صدموں سے توڑی گئی ہیں۔ نہ کسی بلندی سے گر کر ٹوٹی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے برسات سے بیشتر بارش کے واسطے زمین اپنا مُنہ کھول دیتی ہے۔ اسی طرح یہ چٹان پھٹی پڑی ہیں۔ جب آج سے پانچ دن پہلے عوام ابن داؤد کو ہوشعنا پکار رہے تھے تو فریسیوں نے خداوند سے کہا کہ اُن کو منع کر۔ خداوند نے فرمایا۔ کہ اگر یہ چپ رہیں تو پتھر چلا ئینگے۔ اُس کی بھی تصدیق ہوگئی کہ اس کفارہ پر نہ صرف انسان ہی شاہد ہے۔ بلکہ اجرام فلکی اور جمادات بھی۔ ان چٹانوں کے پھٹنے سے ایک اور روحانی نصیحت بھی ہے کہ اب سے کسی کے واسطے نجات پانا ناممکن نہیں۔ سخت سے سخت دل بھی توڑے جائیں گے۔ اور توبہ کرینگے۔ جیسا پنتکوست کے دن ہوا۔ اس کی

شہادت روزمرہ اپنے ملک میں دیکھتے ہیں۔ بڑے بڑے مسیح کے مخالف مسیح پر ایمان لاتے ہیں +

تیسرا نشان۔ قبریں کھل گئیں جیسا کہ لکھا ہے قبریں کھل گئیں۔ اور بہت سے جسم اُن مُقدسوں کے جو سو گئے تھے۔ جی اُٹھے۔ اور اُس کے جی اُٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے۔ اور بہتوں کو دکھائی دیئے (متی ۲۷ باب ۵۲ و ۵۳) یہ قبریں اُن ایمانداروں کی تھیں۔ جو آنے والے مسیح منجی کے ایمان و امید میں مر گئے۔ اب جبکہ آسمان کی راہ کھل گئی۔ تو ظاہر ہو گیا کہ یہی کفارہ ہر زمانہ کے واسطے یعنے ماضی حال مستقبل کا ہے۔ اس کے وسیلے مُردے جی اُٹھینگے۔ جی اُٹھنے کے بعد وہ شہر مقدس میں گئے۔ اور بہتوں کو دکھائی دیئے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ اُنہوں نے ضرور خداوند یسوع کے مسیح ہونے کی شہادت دی ہوگی اور یہ کہ وہ زمانوں کا منجی ہے۔ باوجودیکہ یہ شہر نبیوں کا قاتل اور خونی ہے۔ تاہم مقدس ہی کہلاتا ہے +

چوتھا نشان۔ جس طرح پتھر اور قبریں اس کفارہ کے گواہ ٹھہرے۔ دشمن اور غیر قوم بھی شہادت دیتے ہیں۔ وہ جو تھوڑی دیر ہوئی ٹھٹھہ مار رہے تھے۔ یہ حالات دیکھکر خوف کھا کے سنجیدگی پر آ گئے۔ پکار اُٹھے کہ یہ سچ مچ خدا کا بیٹا ہے (متی ۲۷ باب ۵۴) جیسا کہ مرقوم ہے پس صوبہدار اور جو اُس کے ساتھ یسوع کی نگہبانی کرتے تھے۔ بھونچال اور تمام ماجرا دیکھکر بہت ہی ڈرے۔ اور بولے کہ بے شک یہ خدا کا بیٹا تھا۔ کیسی حیرت کی بات ہے۔ سردار کاہنوں اور اُسکے ساتھیوں نے جب صوبہدار اور دوسرے رُومی سپاہیوں کے مُنہ سے یہ کلمات سُنے ہونگے۔ تو کیسے نادم ہوئے ہونگے۔ کہ اس جرم پر تو اس کو صلیب دی گئی۔ کہ کوئی اُسے خدا کا بیٹا نہ مانے۔ اور اب اُس کی موت پر اس بات کی تصدیق کی جاتی ہے۔ کہ بے شک یہ خدا کا بیٹا ہے +

پانچواں نشان۔ اس کامل کفارے کی تصدیق ہو گئی۔ جیسا کہ خروج میں مرقوم ہے۔ کہ اُس کی کوئی ہڈی توڑی نہ جائے۔ الٰہی انتظام ہیں۔ چوروں کی ہڈیاں

توڑی جاتی ہیں۔ مگر جیسا زبور میں لکھا ہے کہ وہ اُس کی ہڈیوں کا نگہبان ہے۔ اُن میں سے ایک بھی ٹوٹنے نہیں پاتی۔ یہ فسح کا برہ تھا۔ گناہگاروں کے درمیان شمار ہوتا ہے۔ باقی دو مصلوب چوروں کی ہڈیاں توڑی گئیں۔ مگر خداوند اس برہ کی ہڈیوں کا نگہبان رہا۔ جس سے اس کفارہ کے کامل ہونے کا کامل ثبوت ہے +

چھٹا نشان۔ بھالے سے اُس کی پسلی چھیدی گئی۔ خون اور پانی بہ نکلا بھالا عین دل پہ لگا۔ اگر موت میں کچھ شک تھا۔ تو وہ بھی رفع ہوگیا۔ پسلی کا چھد جانا موت کی تصدیق ہوگئی۔ چونکہ دُکھ کی زیادتی اور غم کی افراط سے اُس کا خون پانی ایک ہو رہا تھا۔ جلدی مرگیا۔ بھالا لگتے ہی خون پانی بہ نکلا۔ یوں زکریاہ کی پیشین گویاں جو ۱۲-۱۳ ابواب میں ہیں پوری ہوگئیں۔ خاص اس موقعہ پر ۱۲/۱۰ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ کہ وہ مجھے جسے انہوں نے چھیدا ہے نظر کرینگے +

جہاں پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں کنواں کھودا جاتا ہے۔ زمین کا ذرہ ذرہ الگ کیا جاتا ہے۔ سوتے کی گہرائی تک زمین کھودی جاتی ہے۔ سوتا معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں ہے۔ اچانک کسی مزدور کا پھروا سوتے کے مُنہ پر جا لگتا ہے۔ تو معاً سوتا پھوٹ نکلتا ہے۔ فوارے کی طرح اُچھل پڑتا ہے۔ ایسے سوتے کا ہے گا سے پہاڑوں میں دیکھے جاتے ہیں۔ کیا بعینہ یہی حال ہمارے خداوند کا نہیں ہوا۔ کس طرح اُس کا جسم کوفتہ کیا گیا۔ کس طرح چشمہ تک کھودا گیا۔ جمعرات کی شام سے جبکہ وہ گتسمنی میں اس وقت تک کہ دکھ کی انتہا ہوگئی۔ سورج نے مُنہ چھپالیا۔ کیونکہ اُس کا بدن کھودا گیا۔ اُس کے بند بند الگ کئے گئے۔ رونگٹیں رونگٹیں سے خون بہ نکلا۔ بدن چیتھڑے کیا گیا۔ ساری زندگی کے دُکھ جرنی سے لیکر اب تک اس کی جان کھودی گئی۔ یہاں تک کہ آخر کار کھودتے کھودتے یہ حالت ہوئی کہ زبور ۲۲/۱۴-۱۵ کی

نبوّت پوری ہوئی۔ بہت سے بیلوں نے مجھے آگھیرا۔ بشن کے مضبوط بیلوں نے چاروں طرف سے مجھ پر ہجوم کیا۔ وہ مجھ پر پھاڑنے والے اور گونجنے والے شیر کی طرح مُنہ پسارے ہوئے ہیں۔ میں پانی کی طرح بہا جاتا ہوں۔ اور میرے بند بند الگ ہو چلے ہیں۔ میرا دل موم کی طرح میرے سینہ میں پگھل گیا۔ میری توت ٹھیکرے کی طرح خشک ہوگئی۔ میری زبان تالو سے لگی جاتی ہے۔ اور تو مجھے موت کی خاک پر بٹھاتا ہے۔ کیونکہ کتّے مجھکو گھیرتے ہیں۔ شریروں کی گروہ میرا احاطہ کرتی ہے۔ وہ میرے ہاتھ اور پاؤں چھیدتے ہیں۔ میں اپنی سب ہڈیوں کو گن سکتا ہوں۔ وہ مجھے تاکتے اور گھورتے ہیں۔ وہ میرے کپڑے آپس میں بانٹتے ہیں۔ اور میرے لباس پر قرعہ ڈالتے ہیں۔ تو اے خداوند دور مت رہ۔ اے میری توانائی جلد میری مدد کے لئے آ۔ میری جان کو تلوار سے بچا۔ میری وحیدہ کو کتّے کے ہاتھ سے ببر کے مُنہ سے۔ اور بھینسوں کے سینگوں سے مجھے رہائی دے ؎

جب یہانتک اس کا بدن کھودا گیا۔ تو ایک مزدور سپاہی نے ایک تیز برچھا لا دے مارا۔ اور فوراً زندگی کا سوتا۔ حیات کا چشمہ۔ لہو کا فوآرہ پھوٹ نکلا۔ مقدس یوحنّا رسول (یوحنا ۱۹ / ۳۴-۳۸) اس کے متعلق یُوں تحریر کرتا ہے کہ اُن میں سے ایک سپاہی نے بھالے سے اُس کی پسلی چھیدی۔ فی الفور اُس سے خون اور پانی بہ نکلا۔ جس نے یہ دیکھا ہے اس نے گواہی دی ہے۔ اور اُس کی گواہی سچّی ہے۔ اور وہ جانتا ہے کہ سچ کہتا ہے۔ تاکہ تم بھی ایمان لاؤ۔ یہ باتیں اس لئے ہوئیں۔ کہ یہ نوشتہ پورا ہو۔ کہ اُس کی ہڈی توڑی نہ جائیگی۔ پھر ایک اور نوشتہ کہتا ہے۔ کہ جسے اُنہوں نے چھیدا اُس پر نظر کرینگے ؎

مرد مصلوب نے سات کلمے جو صلیب پر سے فرمائے۔ اُن کا بیان طویل ہے۔ اور میرا بیان طوالت پکڑتا جاتا ہے۔ اس لئے اُن کلمات کا صرف ذکر کئے دیتا ہوں کیونکہ یہ ایسے کلمے ہیں۔ کہ جو قابل یادگار رہیں۔ بڑے بڑے ملکی جان نثار اور شہدائے نامدار جہان سے گذرے۔ مگر ایسے کلمے کسی کی زبان سے نہ نکلے ؎

پہلا کلمہ۔ اے باپ اُن کو معاف کر کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں لوقا ۲۳/۳۴
یہ معافی دشمنوں کے واسطے ہے +

دوسرا کلمہ۔ والدہ کی حفاظت۔ والدہ کی دلجوئی۔ اُس کو یہ کہکر دیکھ یہ تیرا بیٹا ہے
شاگرد سے یہ تیری والدہ ہے۔ پیارے شاگرد کے سپرد کیا۔ یوحنا ۱۹/۲۶ +

تیسرا کلمہ۔ آج تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا۔ مصلوب ڈاکو کا معافی نامہ ہے
جو مرتے مرتے ایمان لایا۔ اور خداوند کی مدد کا محتاج ہوا۔ اُس کو بھی بخشدیا +

چوتھا کلمہ۔ ایلی ایلی لما سبقتنی۔ متی ۲۷/۴۶ زبور ۲۲/۱

پانچواں کلمہ۔ میں پیاسا ہوں۔ یوحنا ۱۹/۲۸ زبور ۶۹/۲۱ کی نبوت پوری ہوئی۔ اُنہوں نے مجھے کھانے کے عوض پت دیا۔ اور میری پیاس بجھانے کو سرکا پلایا +

چھٹا کلمہ۔ پورا ہوا۔ یوحنا ۱۹/۳۰ +

ساتواں کلمہ۔ اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں۔ لوقا ۲۳/۴۶ زبور ۳۱/۵ یہ آخری کلمہ کہکر اُس نے دم چھوڑ دیا۔ گویا اُس کی زندگی کا ہر دم اس کے اپنے اختیار میں تھا۔ جب سب کچھ پورا کر چکا۔ تب دم چھوڑ دیا +

پس اب جو مسیح یسوع میں ہیں۔ اُن پر سزا کا حکم نہیں۔ کیونکہ زندگی رُوح کی شریعت نے مسیح یسوع میں مجھے گناہ اور موت کی شریعت سے آزاد کر دیا۔ رومی ۸/۲

واعظ

سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ انسان اپنے عیب نہ دیکھے +

ممکن ہے کہ ہمیں پلپیٹ پر کھڑے ہونے کی اجازت نہ ہو مگر ہم میں سے ہر ایک روزمرہ اپنی زندگی سے کسی نہ کسی قسم کا وعظ کرتا ہے +

انتقام کے خیالات کو دل میں نہ پالو۔ وہ آخر تیز ڈنگ بن جائینگے +

ہماری معاشرتی زندگی اور ہمارے فرائض

(۲)

پچھلے مضمون میں ہم نے تحریر کیا تھا کہ ہماری انسانی فطرت میں یہ قدرتی خواہش موجود ہے کہ ہم ایک دوسرے سے میل ملاپ کریں اور دوسروں سے بات چیت اور گفتگو کرنے میں لطف اٹھائیں۔ اس خواہش کو ہمارے خالق نے ہماری سرشت میں رکھا ہے۔ اور جس طرح دیگر فطرتی خواہشات استعمال سے ہی اچھی اور بُری ثابت ہوتی ہیں اسی طرح یہ خواہش عقل کے ماتحت ہی رہ کر اپنا کام بخوبی دے سکتی ہے لیکن ہماری معاشرتی زندگی میں اس خواہش کا ناجائز استعمال ہو رہا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ان امور کا ذکر کریں جن کے ذریعہ یہ خواہش ہماری سوسائٹی میں ناجائز طور پر ظہور پذیر ہو رہی ہے۔

اس خواہش کا تقاضا ہو گیا ہے کہ ہم ان اشخاص سے ملیں جو سوسائٹی میں ہمارے برابر کے ہوں۔ ہم یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ان کے گھر جائیں۔ ان کو اپنے گھر بلائیں۔ ایک دوسرے پر "کال" کریں۔ اور اگر ہم ان کے گھر جائیں اور وہ ہمارے گھر ہمیں ملنے نہ آئیں۔ اور ہماری "کال ریٹرن" نہ کریں تو ہم شاکی ہوتے ہیں۔ اور اپنے دلوں میں یا برملا دوسروں کے سامنے کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں پر "کال" کیا ہے لیکن اس نے ہمارا "کال ریٹرن" نہیں کیا ہے۔ یا اگر ہم کسی کو چائے پانی یا کھانے پر بلاتے ہیں تو ہم یہ اس سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ہم کو بھی بلائے گا۔ اور اگر وہ ہم کو نہ بلائے اور دوسروں کو دعوت دے تو ہم کو شکوہ ہوتا ہے کہ اُس نے ہم کو مدعو نہیں کیا۔ ہاں اگر کوئی شخص سوسائٹی میں ہمارے درجے سے بہت اونچا ہو تو ہم یہ امید نہیں کرتے کہ وہ ہمارے گھر آئے گا یا ہم کو اپنے گھر بلائے گا۔ اور اگر ہم اس معاملہ کا کسی سے شکوہ کریں تو وہ الٹا ہم پر ہی ہنسے گا۔ مثلاً اگر کوئی معمولی درجے کا آدمی یہ خیال کرے کہ نواب گورنر جنرل صاحب اس کے گھر آئیں اور اُس کو اپنے گھر بلائیں تو ساری

دنیا اس کو احمق بے وقوف اور دیوانہ کا ہی خطاب دے گی۔ اسی طرح ہمارے
خواب و خیال میں بھی نہیں آتا کہ ہم ان اشخاص کے گھر جائیں جو ہماری سوسائٹی کے
نچلے طبقے کی تاریکی میں رہتے ہیں۔ اور اگر ہم کبھی بھولے بھٹکے کہیں ان کے گھروں
میں جا بھی نکلیں تو ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم نے اِن کی عزت افزائی فرمائی ہے
لیکن ہم یہ بھی اُن سے امید نہیں رکھتے کہ وہ ہمارے گھر بھی آئیں اور ہماری
"کال ریٹرن" کریں۔ ہمارے ذہن میں یہ کبھی خیال نہیں گذرتا کہ ہم ان کو کھانے
پر مدعو کریں یا ان کے گھر جا کر کھانا کھائیں۔ اور اگر کوئی بیچارا ہمارے گھر ضرورت
کا مارا آ بھی جاتا ہے تو ہم ان سے کہتے ہیں کہ "تو وہاں کھڑا رہ یا میرے پاؤں کی
چوکی کے پاس بیٹھ" ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ کوئی ہم کو غریب آدمی کے
ساتھ نہ دیکھے کیونکہ اس کو ہم ہتک عزت تصور کرتے ہیں۔ ہم یہی چاہتے ہیں
کہ ہم کسی "بڑے آدمی" کے ساتھ دیکھے جائیں۔ اور جب کوئی ہم کو کسی اعلےٰ طبقہ
کے شخص کے ساتھ دیکھ لیتا ہے تو گویا ہماری خوشی کی انتہا نہیں ہوتی۔

غرضیکہ ہماری سوسائٹی کے قوانین کی بنیاد محض برابری کے اصول پر ہی
ہے۔ ہم اس سے ملتے ہیں جو ہمارے برابر کے درجے کے ہیں۔ جو ہم سے نچلے
درجے کے اشخاص ہیں ان کو لات مارتے ہیں۔ اور جو ہم سے اعلےٰ درجے ہیں اُنکی
خوشامد کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ ملنا جلنا نعمت غیر مترقبہ خیال کرتے ہیں۔
لیکن خداوند مسیح کی یہ تعلیم نہیں۔ اور نہ ہی آپ نے اس اصول پر عمل فرمایا۔
آپ نے غریبوں۔ اندھوں۔ بیماروں۔ کوڑھیوں۔ مفلوجوں کے درمیان ہی
اپنی عمر کاٹی۔ آپ نے فرمایا۔ "اگر تم اپنے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو
تو تمہارے لئے کیا اجر ہے۔ اور اگر تم فقط اپنے بھائیوں ہی کو سلام کرتے ہو
تو کیا زیادہ کرتے ہو" آپ راستبازوں کو نہیں بلکہ گنہگاروں کو ہی بلانے
کے لئے دنیا میں آئے تھے۔ آپ کو محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ
کھانے میں عار نہ تھی اگرچہ آپ کے دشمن آپ کو "کھاؤ اور محصول لینے والوں کا یار"

(متی ۱۱ : ۱۹) طعنہ سے کہتے تھے۔ اور غربا کے ساتھ نشست برخاست کرنے ہی کی وجہ سے آپ نے اپنے وطن میں عزت بھی نہ پائی۔ آپ کی تعلیم یہ ہے کہ "جو کوئی بڑا ہونا چاہے وہ خادم بنے۔ اور تم میں جو اول ہونا چاہے وہ تمہارا غلام بنے" آپ نے دولتمندوں اور صرافوں کے تختوں کو تو اُلٹ دیا لیکن جو "اندھے اور لنگڑے ہیکل میں اس پاس آئے اُن کو اچھا کیا" (متی ۲۱ : ۱۴) آپ کے باپ کے "مبارک لوگ" وہی ہیں جو بھوکوں کو کھانا۔ پیاسوں کو پانی اور ننگوں کو کپڑا دیتے ہیں۔ اور پردیس بیماری اور قید میں دوسروں کی خبر لیتے ہیں۔ باقی سب "ملعون" ہیں۔ جو "اپنے پڑوسی سے محبت نہیں رکھتے کیونکہ "طرفداری" (یعقوب ۲ : ۱) کر کے امیر اور فقیر میں تمیز کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "جب تو کھانا تیار کرے تو اپنے دوستوں یا رشتہ داروں یا دولتمند پڑوسیوں کو نہ بلا بلکہ غریبوں لنجوں لنگڑوں اندھوں کو بلا کیونکہ اُن کے پاس تجھے بدلہ دینے کو کچھ نہیں"

اللہ اللہ کہاں یہ اقوال اور خداوند کے افعال اور کہاں ہماری سوسائٹی کے رسوم و رواج اور معاشرتی اطوار۔ ع ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا معلوم نہیں کہ اگر خداوند مسیح دوبارہ اس جہان میں ایک بڑھئی کے گھر جنم لیں تو مسیحی سوسائٹی ان کو اپنے گول کمروں کے نزدیک پھٹکنے دے گی یا نہیں اور کھانے کی میز کی شکل آپ کو دیکھنی نصیب ہو گی یا نہیں۔

پس ظاہر ہے کہ اگر ہماری اپنی معاشرتی زندگی کے اس پہلو پر خداوندی اصول اور نمونہ کے نقطہ خیال سے نظر کی جائے تو "ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی" کا ہی معاملہ ہے۔ اس دنیائے ناپائیدار کی دولت نے ہم کو ایسا اندھا کر دیا ہے کہ ہم کسی شخص کی عزت اس واسطے نہیں کرتے کہ وہ مسیح میں خدا کا بیٹا اور اس کی آنکھوں کا تارا ہے اور لہٰذا خواہ وہ غریب ہی ہو اس کی شخصیت ایسی ہی گرانقدر ہے جیسے کسی امیر کی بلکہ اس سے بھی زیادہ (لوقا ۱۵ : ۱) ہماری سوسائٹی نے عزت کا معیار دولت۔ دنیاوی ثروت۔ مرتبہ اور جاہ و حشمت

مقرر کیا ہے جس کی دولت زیادہ ہے اس کی عزت بھی قائم ہے۔ اور جہاں کسی کی دولت یا مرتبہ میں کمی واقع ہوئی اور طوطا چشمی شروع۔ بقول شخصے ؎

دام جس کے پاس ہیں ممبر بھی ہے حاکم بھی ہے
اور مفلس ہو ارسطو بھی، تو وہ مجذوب ہے

مسیحی سوسائٹی اگر فی الواقع "مسیحی" جماعت ہونا چاہتی ہے تو صرف ایک ہی شرط ہے کہ اپنے اوضاع اور اطوار۔ رسوم و رواج کو خداوند کے احکام اور افعال کے مطابق ڈھالے۔ اور مغربی "روایتی کیٹ" کی کتب کے الفاظ کی کورانہ تقلید ترک کرے بلکہ ہر رسم مسیحی اصول کی کسوٹی پر پرکھے اور پھر اس کو اختیار کرے ان دنوں ہم سب محسوس کر رہے ہیں کہ مغرب کی تقلید میں ہم نے مغرب والوں کو بھی مات کر دیا ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ اس "غلامی کی روح" سے آزاد ہو کر اپنے رسوم و رواج شروع کریں جو نہ مغربی ہوں نہ مشرقی ہوں بلکہ مسیحی ہوں۔ خدا ہم سب کو توفیق عطا کرے۔ کہ انفرادی اور مجموعی حیثیت میں اس خواہش پر عمل کریں۔

ع۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

(باقی داشتہ) برکت اللہ مشن کالج لاہور

خیالاتِ پریشان

انگریزی کے مشہور رسالہ پیرسن میگزین میں انگلستان کے نامور مصنف ایچ۔ بی ویلز نے ایک مضمون لکھا ہے "مسیح ہمارے لئے موا؟ کیا ہمیں اس امر کا خیال ہے؟" اس مضمون میں صاحب موصوف کلیساؤں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ اپنے شرکاء کی روحانی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ لوگ عبادت میں شامل نہیں ہوتے۔ کیونکہ انہیں عبادتوں میں روٹی کی بجائے پتھر دیا جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ گرجوں میں اپنی روزانہ ضروریات کے متعلق ہدایات حاصل کریں انہیں

محض لفظی بازی اور دقیق مسائل پر لفاظی نصیب ہوتی ہے۔ اگر ممکن ہو سکا تو اس مضمون کا لب لباب زیادہ واضح طور پر ناظرین مسیحی کے سامنے پیش کرینگے فی الحال ہم سر آرتھر ایپ صاحب کے نو مشورے درج کرتے ہیں جو اُنہوں نے اس مضمون کو پڑھکر اسی رسالے میں بھیجے ہیں +

(۱) اس میں کوئی کلام نہیں کہ ہمیں زیادہ بہتر۔ زیادہ دلچسپ اور زیادہ عملی وعظوں کی ضرورت ہے۔

(۲) عبادت میں تبدیلی کی ضرورت ہے تاکہ وہ ہر قسم کی طبائع اور ہر قسم کی حالتوں کے حسب حال ہو سکے

(۳) چندہ پر بہت زور نہیں دینا چاہئے۔

(۴) ان امور پر زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے جو کہ اولین ہیں۔ مثل صاف اور سیدھی زندگی مسیحیوں میں یگانگت خدمت مسیحی محبت اور خود انکاری کی روح

(۵) اگرچہ کلیسیا کو سیاسی جھگڑوں سے علیحدہ رہنا چاہئے تاہم کلیسیا کا فرض ہے کہ قوم کی بہبودی اور اخلاق سے متعلقہ تمام سوالات کو اعلےٰ سطح پر کھینچ لے +

(۶) لے مین کو پورے طور سے استعمال کرنا چاہئے۔ اور کوشش ہونی چاہئے کہ اُن کے لئے اُن کے دلپسند خدمت کے موقع نکل آئیں +

(۷) اگر کلیسیا نے ترقی کرنی ہے تو بچوں کا خیال نہایت ضروری ہے۔ خاندانی دعا تقریباً مفقود ہوتی جاتی ہے +

(۸) ایسے طریقوں کی ضرورت ہے جو کہ بناوٹی نہ ہوں +

(۹) کلیسا کی سب سے اہم ضروریات ہوشیاری۔ دعا۔ کام۔ روحانی رہنما۔ اتحاد۔ ایمان اور زمانہ شناسی ہیں +

کلیسا کی ترقی کے عملی ذریعوں میں وہ سب طریقے شامل ہیں جن سے کہ کلیسیا کی مالی اور اقتصادی ترقی مقصود ہے۔ کلیسیا ابھی تک خواب گراں میں سوئی پڑی ہے اور نہ تو روحانی اور نہ ہی دنیوی فوائد کی نگہداشت کر رہی ہے۔ ہم مثال کے طور پر

کرسچن سنٹرل کواپریٹو بینک کی کہانی سنانا چاہتے ہیں۔ یہ بینک دیہاتی مسیحیوں کے فائدے کے لئے جاری ہے۔ اور اُن کی اقتصادی حالت سدھارنے کا ایک زبردست آلہ ہے۔ تاہم کافی طور پر اس بینک کی مدد نہیں کی جارہی۔ اسوقت تک لاکھ روپیہ کے قریب غریب مسیحیوں کو قرضہ دیا جاچکا ہے۔ لیکن اس رقم کا کثیر حصہ یا تو پردیسی صاحبان سے آیا ہے اور یا ایک دو شخصوں نے دیا ہے چاہئے تو یہ کہ ہر صاحبِ توفیق مسیحی سو۔ دوسو۔ ہزار روپیہ امانت میں رکھے۔ تاکہ یہ ضروری کام چلتا رہے۔ امانت رکھنے والے کو خود بھی فائدہ رہے۔ کیونکہ سُود اچھی شرح پر ملجائیگا۔ ہم خرما و ہم ثواب۔ مفصل حالات کے لئے سیکرٹری بینک مذکور۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے بلڈنگز لاہور سے دریافت کرو ✦

مختلف مشنوں سے جو وفد دو سال ہوئے ہندوستان میں آئے تھے۔ اُن کا اثر اب کسی قدر محسوس ہونے لگا ہے۔ مشنوں کے انتظام میں فرق آنے لگا ہے کلیسائے انگلستان کے متعلق جو فیصلہ ہوا ہے۔ اُس سے پانچ چھ سال کے اندر مشن کا سارا انتظام کلیسا کے ماتحت ہو جائیگا۔ پریسبٹیرین کلیسیا اور امریکین پریسبٹیرین مشن کے تعلقات میں بھی تغیر ہونے والا ہے۔ لیکن ان تبدیلیوں کا کلیسیا کی زندگی پر کیا اثر پڑیگا؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہی معاملہ ہوگا۔ جو سیاسی اصلاحات سے سیاسی مطلع پر ہوا ہے خرچ زیادہ۔ باقی ڈھاک کے وہی تین پات۔ ایک بزرگ ہندوستانی پادری صاحب نے اس نئی تجاویز کو پڑھکر فرمایا کہ وہ اگلے سوا دوں بھی نہ کٹتے جائیے "۔

اصلی راز یہ ہے سے بھیس بدلا کیا ہوا۔ دل بدلنا چاہئے۔ بعض نظامی تبدیلیاں کرنے یا چند ہندوستانیوں کو زیادہ تنخواہ یا زیادہ عہدے دینے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔ جب تک ہمارے دل نہ بدل جائیں مشن اور کلیسیا کے تعلقات کبھی بہتر نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ہی مشن یا کلیسیا کے کام میں ترقی ہو سکتی ہے ✦

(پریشان خیال)

گلشن بائیبل

پیدائش کی کتاب اور سائنس

مسیحی عقیدہ ہے کہ خدا تمام موجودات کا خالق ہے اور وہی کتاب الہام کا بھی مصنف ہے۔ ان ہر دو کتابوں کا مدعا ایک دوسرے سے قطعی جداگانہ ہے اسلئے بعض اشخاص کا یہ کہنا کہ ان دونوں میں اختلاف ہے۔ ایک بے معنی نقرہ ہے اس قسم کے دعویٰ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے اشخاص نہ تو فطرت اور الہام کو نظر تعمق سے دیکھتے ہیں اور نہ روحانی باتوں میں انکو دخل ہے۔ آئے دن مسیحی واعظوں اور مصنفین کو ثابت کرنا پڑتا ہے کہ پیدائش کی کتاب کے بیانات اور سائنس میں کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ این۔ جی۔ ڈائسن صاحب اپنی ایک تحریر میں فرماتے ہیں کہ۔

"جہاں سائنس اور بائیبل میں اتفاق نہ ہو وہاں ہم کس کو صحیح مانیں؟ ہم بائیبل کو خدا کی الہامی کتاب مانتے ہیں۔ سائنس کی نسبت ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ دوسرے حلقے میں الٰہی الہام ہے جس میں کام کا طریقہ مختلف ہے۔ یہ بعید از قیاس ہے کہ آخر کار ان دونوں میں اختلاف پایا جائے۔ اس قسم کے گمان سے نہ فقط مذہب اور فلسفہ کا کام فضول ثابت ہوگا۔ بلکہ سائنس کی محنت بھی رائیگاں ہو جائیگی۔ کیونکہ یہ سب رستے ہیں جن سے ہم ایک عام مرکز پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنے ایسے ازلی منبع کی طرف جو ہر قسم کے علم کا مخزن ہے اور جس میں آخر کار تمام ظاہری اختلاف رفع ہو جائینگے۔ سائنس کا حلقہ مظاہر سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کا مدعا یہ ہے کہ واقعات کو یکجا کر کے ان کی باہمی مطابقت اور متناسبت دکھائے۔ اسکا یہ دعویٰ نہیں کہ ان سے روحانی یا اخلاقی نتائج نکالے۔ یہ مذہب کا کام ہے۔ سائنس کے حلقے میں ہمیں ان کے نتائج کو مان لینا چاہئیے بشرطیکہ وہ خود سائنس کے رو سے قطعی نتائج ہوں"

بائیبل کا مدعا زیادہ تر روحانی اور اخلاقی ہے۔ اس حلقے سے باہر وہ ایسے

غیر متعلقہ خیالات کو قبول کر سکتی ہے جو کسی خاص زمانہ کے حالات کے مطابق رائج تھے فرضًا اگر بائبل کے مصنفوں کو وہ واقعات معلوم تھے جو زمانہ حال کے سائنس نے روشن کر دیئے ہیں تو وہ زمانہ تصنیف کے لوگوں کو جو اس قسم کے انکشافات کے لئے تیار نہ تھے اُن حقائق کو کیونکر سمجھا سکتے تھے۔ اس سے سوائے عوام کی توجہ اُن حقائق کی طرف سے منحرف کرنے کے اور کیا فائدہ ہو سکتا تھا جن کو سکھانا مذہب کا حقیقی مدعا تھا۔ ایک مثال سے یہ مضمون واضح ہو جائیگا۔ کوئی واعظ جو خداوند مسیح کی لاش کو غروب آفتاب کے وقت دفن کرنے کا بیان کر رہا ہو یہ سمجھانے کی کوشش نہ کریگا کہ سورج فی الحقیقت غروب نہیں ہوا کرتا۔ انسانی علم روبترقی ہے اور ہر ایک قدم جو ترقی کی منزل میں آگے بڑھایا جاتا ہے۔ آیندہ علم کے لئے رستہ تیار کرتا ہے۔ نئے علم کو قبول کرنے کے لئے دنیا میں تیاری درکار ہے۔ جہانتک ہم دیکھ سکتے ہیں عالم فطرت کا یہی قانون ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ یہ قانون کسی خاص امر میں توڑا جائے۔ ہم کیوں توقع رکھیں کہ خدا خود بخود ایسی باتیں ظاہر کر دیگا جنکو نہ دنیا سمجھ سکتی اور نہ قبول کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اور اگر وہ اسرار ہویدا ہو جائیں تو مستقبل زمانے کے محققوں کو پیش از وقت علم حاصل ہو جائیگا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُن کی آیندہ تحقیقات مسدود ہو جائینگی۔ خدا اس طور پر کام نہیں کیا کرتا۔ جو باتیں انسان خود اپنے لئے دریافت کر سکتا ہے۔ خدا اُس کو نہیں بتاتا۔ خدا کا الہام یعنے اس کے ارادے اور ماہیت اور مقصد کا مکاشفہ ایک علیحدہ شے ہے۔ اگر انسان پر اُس کا ظاہر ہونا ضرور ہو تو خدا خود ہی اُسے ظاہر کر سکتا ہے۔ مگر علم طبیعات کے واقعات کی اور ہی حیثیت ہے۔ انسان اُنکو خود دریافت کر سکتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہی خدا کا مقصد تھا۔

غرض سائنس اور بائیبل دونوں خدا کی کاریگری ہیں۔ اُنکے طریق اور عمل اور حلقے جدا جدا ہیں جو اختلاف انمیں فرض کیا جاتا تھا اب اس کی تیزی بہت جاتی رہی ہے۔ اب المکنسن بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ دونوں متضاد اور نقیض نہیں ہیں مگر خطرہ اُسی وقت ہوتا ہے جب اُنکے مختلف حلقوں کو آپس میں ملایا جاتا ہے۔ دونوں کو اپنی اپنی حدود میں بند رہنا چاہئے۔

ضمیمہ مسیحی ماہ مارچ ۱۹۲۴ء

قاصد

چندہ سالانہ ۱ر

این۔ایم۔ایس کا ماہوار رسالہ

سلسلہ جدید جلد ۱	ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۴ء	نمبر ۷

سوسائٹی کی خبریں

جناب ایڈیٹر صاحب بوجہ علالت طبع اس ماہ کا پرچہ ایڈٹ نہ کر سکے۔ اب پرچہ ایک ناتجربہ کار کے ہاتھ میں دیا گیا ہے۔ جو کچھ رطب و یابس ہوگا ہدیہ ناظرین ہے۔ مہربانی کر کے ناظرین کرام سہو سمجھ کر معاف فرماویں امید ہے کہ ایڈیٹر صاحب اگلے ماہ اپنی اڈیل و فن لوح لیاقت و ادارت سے قرار واقعی نعم البدل پیش کر کے کسر پوری کر دیں گے ؂

پروفیسر ایس۔سی مکرجی نے سیرامپور کالج کے طلباء کے ایک مجمع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ بدیشی مشنری پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ اس نے ہندی مسیحیوں میں مغربیت کا اثر و اقتدار مضبوط کر دیا ہے۔ اور چونکہ این ایم ایس آدمی۔ انتظام اور طرز عمل میں محض سودیشی مشنری سوسائٹی ہے لہٰذا اس نے اس اعتراض کو رد کر دیا ہے ؂

جنوبی ہند میں لندن مشن نے اپنا وہ کام جو حلقہ ترپتور میں تھا۔ این۔ایم۔ایس کے حوالے کر دیا ہے۔ اور اس کے تبادلہ میں لاہور کا علاقہ لندن مشن کو

۲

دیا گیا - اگر پنجاب کی مشنیں بھی اسی برادرانہ سلوک پر عمل کریں - تو این - ایم
ایس کے کام میں خاص ترقی ہو سکتی ہے - ہم کارکنان ترشپر آشرم کو مبارکباد
دیتے ہیں +

پونا کے مسٹر ڈی ایس ڈیوڈ صاحب ہمیشہ سوسائٹی کی خدمات مفت انجام دیتے
رہتے ہیں - فروری سے شروع کر کے چھ ماہ تک این - ایم - ایس کی خاطر آپ
مغربی ہند میں گشت کرینگے - صوبہ بمبئی سے آمدہ رپورٹیں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ کا
کام نہایت امید افزا ثابت ہو رہا ہے - مارچ اور اپریل میں آپ صوبہ گجرات
مہاراشٹر اور مرہٹی علاقہ کا دورہ کرینگے +

رنگون کے مسٹر پی - ایس - کدمبوانم صاحب جو کہ پہلے علاقہ تامل میں سوسائٹی
کے گشتی سکرٹری رہ چکے ہیں - کی درخواست برائے اعزازی خدمات نیابت
(ڈیپوٹیشن) کو کارکنان سوسائٹی نے شکریہ کے ساتھ منظور کر لیا ہے - آپ کا
ارادہ ہے - کہ تین ماہ کی رخصت کا زمانہ برما اور ریاست ہائے ملایا کی کلیساؤں
میں سوسائٹی کیلئے دلچسپی اور ہمدردی پیدا کرنے میں صرف کریں - اب جبکہ ہندوستان کے
دیگر علاقوں سے حوصلہ افزا خبریں موصول ہو رہی ہیں - ہماری نگاہیں پنجاب کی
طرف لگ رہی ہیں دیکھئے - کون خدا کا بندہ امسال پہاڑ پر جانے کی بجائے
این - ایم - ایس کی خاطر صوبہ میں گشت لگا کر خودانکاری کا ثبوت دیتا ہے - انڈین
چرچ کو ایسے اشخاص کی اشد ضرورت ہے +

مسیحی شعرا سے درخواست ہے - کہ ذیل کے طرح مصرعہ پر ایک مسیحی قومی غزل لکھکر
روانہ کریں - گیارہ اشعار سے مزید نہ ہو -

مذہب سے ہوں مسیحی اور ہندی ہوں ذات کا

ذات - بات - نجات - قافیہ ہو - اور "کا" ردیف -

سب سے اعلےٰ غزل پر ایک کتاب انعام دی جائیگی - مگر یہ ضروری نہیں
کہ یہ غزلیں درج رسالہ کی جائیں +

سرساوہ میں این۔ ایم۔ ایس

یہ مضمون ہمارے مہربان دوست مسٹر ذکاء اللہ صاحب نامر کے قلم کا نتیجہ ہے۔ جسے ہم کمال شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہوئے تمام مسیحی نوجوان طبقہ سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ بھی مہربانی سے ہر ماہ ہمیں این۔ ایم۔ ایس کے متعلق ایسے مضامین بھیجکر قاصد کے ذریعہ تمام ہندوستانی کلیسیا کی خدمت میں ہمارا اور کارکنان این۔ ایم۔ ایس کا ہاتھ بٹائیں۔ (ایڈیٹر)

سرساوہ میں این۔ ایم۔ ایس کے ایک سرگرم کارندہ کی زندگی دیکھ کر مجھے خوشی اور خواہش پیدا ہوئی۔ کہ این۔ ایم۔ ایس کے عام کام اور خدمت کا جو کہ وہ مختلف حصص ملک میں انجام دے رہی ہے۔ عام تذکرہ کروں۔ مجھے گذشتہ ایام کرسمس میں سرساوہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اور اس ہفتہ عشرہ کے قیام میں پادری میلپز صاحب سے ملاقات کا موقعہ ملا۔ جو کہ حال ہی میں لاہور سے تبدیل ہو کر اس مقام پر تعینات ہوئے ہیں +

یہاں تین مسیحی خاندان مشتمل بر ۲۰ شرکا ہیں۔ اور مجھے یہ دیکھکر خوشی حاصل ہوئی۔ کہ تمام مسیحی سچے دیندار لوگ ہیں۔ ان میں برادری اور محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ پادری صاحب مذکور کی روحانی زندگی کا اثر ایسا کامیاب ثابت ہوا ہے۔ کہ ایک روز میں باہر گیا۔ اور دیکھا کہ پانچ محمدی اور تین ہندو بیٹھے پادری صاحب کی نسبت باتیں کر رہے ہیں۔ پہلے تو میں نے گمان کیا۔ کہ ان کے خلاف بولتے ہونگے۔ مگر یہ سُن کر مجھے کمال خوشی ہوئی۔ کہ ایک مسلمان کہنے لگا۔ کہ جب شروع میں پادری میلپز صاحب یہاں آئے۔ تو انہیں ہر طرح کی مصائب کا سامنا ہوا۔ لوگوں میں پہلے ہی مشہور ہو گیا تھا کہ وہ پادری لڑاکا اور مغرور آدمی ہے۔ سو ماشکی اور مہتر وغیرہ نے شروع میں

اَلسَّلَامُ عَلَیکُم

خان اور جان کی ملاقات

جان۔ گڈ مارننگ مسٹر خان۔

خان۔ وعلیکم السلام۔ عزیز دوست۔

جان۔ جی آپ تو مسیحی ہیں۔ یہ محمدی طرز سلام کیسے ؟

خان۔ جناب [illegible] یہ طریق اسلام کا نہیں۔ بلکہ صابی جماعت کا مروجہ تھا۔ [illegible] اور مسلمانوں نے اس کا استعمال اس کثرت سے کیا۔ کہ [illegible] اسلام [illegible] طریقے کی نسبت غلطی کرنے لگے۔ مسلمان سمجھتے ہیں۔ کہ یہ اسلام کا خاص طریق ہے۔ مسیحی لوگوں نے سمجھا۔ کہ السلام علیکم کہنا مسلمانی طریق ہے۔ مگر حقیقت میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ مسلمانوں کی مشہور کتاب صحیح مسلم کے ابواب فضائل ابوذر میں لکھا ہے۔ کہ جب ابوذر کا بھائی انیس حضرت محمد سے مل کر آیا۔ تو اس نے بھائی کو خبر دی۔ کہ میں مکہ میں ایک شخص سے مل کر آیا ہوں۔ جو تیرے دین پر ہے۔ اور گمان کرتا ہے۔ کہ اللہ نے اس کو بھیجا ہے۔ اب جب ابوذر نے بھائی سے یہ خبر پائی۔ کہ آنحضرت میرے دین والے ہیں۔ تو اس کو بھی شوق ہوا۔ کہ آپ سے ملے۔ ابوذر صابی فرقہ کا ممبر تھا۔ جو کہ بت پرستی سے بیزار تھے۔ اور ان کے درمیان طریقہ سلام السلام علیک تھا۔ پس ابوذر نے جا کر دریافت کیا۔ کہ جس کو تم صابی کے نام سے پکارتے ہو کہاں ہے۔ ابوذر کہتے ہیں۔ کہ جب میں حضرت سے ملا تو سب سے پہلے میں ہی نے آپ کو السلام علیک کہا۔

جان۔ بھلا اس سے یہ کیسے ثابت ہوا۔ کہ یہ طریقہ محمدی نہیں۔ بلکہ مسیحی ہے۔

خان۔ اسلام کا منبع شرع یہود ہے۔ اور کلام اللہ میں لکھا ہے۔ کہ جب داؤد نے

ان جوانوں کو فرمایا کہ تم نابال پاس جاؤ۔ اور میرا نام لے کے اُسے سلام کہو۔ اور یوں کہو۔ کہ تجھ پر سلام تیرے گھر پر سلام اور ان سب پہ سلام جو تیرے پاس ہیں (اسموئیل ۲۵: ۶) خط وکتابت میں بھی یہ طریق مروج تھا۔ تب دارا نے ساری قوموں اور گروہوں کو نامہ لکھا تمہاری سلامتی افزود ہو۔ (دانی ایل ۶: ۲۵) + یہ سلام خدا کا ہے " خدا نے جدعون سے کہا۔ کہ سلام تجھ پر ہو۔ وغیرہ (قاضیوں ۶: ۲۳)

جان۔ ہاں یہ طریق سلام تو یہودیوں میں رائج تھا۔ مگر مسیحوں میں تو اس کا کوئی نشان پایا نہیں جاتا +

خان۔ عزیز۔ یہ محض لاعلمی ہے۔ مسیح نے اپنے شاگردوں کو نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ " گھر میں داخل ہوتے وقت اسے دعائے خیر دو۔ اور اگر وہ گھر لائق ہو۔ تو تمہارا سلام (السلام علیکم) اسے پہنچے۔ اور اگر لائق نہ ہو تو تمہارا سلام (وعلیکم السلام) تم پر پھر آئے (متی ۱۰: ۱۳ + لوقا ۱۰: ۵) +
نیز انجیل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خداوند مسیح جب کبھی شاگردوں سے ملے۔ انہوں نے ہمیشہ سلامٌ علیکم کہکر پکارا۔ یعنی تم پر سلامتی ہو۔ (لوقا ۲۴: ۳۶ + یوحنا ۲۰: ۱۹ و ۲۱ و ۲۶) اسی طرح رومیوں اور کرنتھیوں کے آخری بابوں کو مطالعہ کریں۔ تو بار بار " تم پر سلامتی ہو" کے الفاظ سلام میں پائے جاتے ہیں +

جان۔ اس میں تو کوئی شک نہیں رہا۔ کہ معنی کے لحاظ سے تو مسلمانوں نے یہودیوں اور مسیحیوں کا سلام قبول کر لیا اور اب ان میں خاص ہو گیا۔ مگر خدا جانے کن الفاظ کا ترجمہ " تم پر سلامتی ہو" ہے +

خان۔ ہم عبرانی و یونانی زبانوں سے ناواقف ہیں۔ مگر مدرسہ علم الہیٰ لاہور کے پادری قاضی خیر اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ خداوند مسیح کے اصلی الفاظ " شلیم لاکھیم " ہیں۔ پس ثابت ہوا۔ کہ ذرا سی تبدیلی سے وہی عربی میں سلامٌ علیکم ہو گئے " +

جان ۔ یہاں تک ۔ تو میری تسلی ہو گئی ۔ مگر ہمارے مشنری صاحب کہتے ہیں کہ چونکہ یہ طریق مسلمانوں میں مروج ہے ۔ پس ہم ان کے دستوروں کو عمل میں لا نہیں سکتے +

خان ۔ نیک و بد کو سوچے بغیر یہ کہدینا کہ یہ فلاں اور وہ فلاں قوم کا حق ہے بالکل ایسا ہی ہے ۔ جیسا کہ ایک میونسپل کمیٹی کے اجلاس میں ایک ہندو ممبر نے ریزولیوشن پیش کیا ۔ کہ فلاں محلہ نہایت صفائی طلب ہے ۔ چار مزید خاکروب لگا دینے چاہئیں ۔ قومی جوش میں بھرے ہوئے ایک مسلمان ممبر صاحب فوراً بولے ۔ کہ دو خاکروب ہندو اور دو مسلمان ہونے چاہئیں ۔ جب ثابت ہو گیا ۔ کہ السلام علیکم کا طریق مسیح اور اس کے شاگردوں کا طریق ہے ۔ تو کیا وجہ ہے ۔ کہ ہم اب اسے رائج نہ کریں ۔ بلکہ باہم اور جہاں کہیں اس کا رواج اور موقعہ ہو ۔ آزادی سے رواج دینا چاہئے +

جان ۔ مگر نئی بات خواہ وہ کیسی ہی حق کیوں نہ ہو ۔ ہمارے لوگ کب قبول کرنے لگے +

خان ۔ کانفرنس نے کرسمس پر دیوالی کا جو رزولیوشن پاس کیا ۔ اور سودیشی کے حق میں آواز اٹھائی ۔ اور قریباً ہر جگہ کرسمس چراغاں کا رواج ہو گیا ۔ اور سایا کو چھوڑ کر اب ہر جگہ ساڑھیاں ہی ساڑھیاں نظر آنے لگی ہیں ۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ السلام علیکم کا رواج بھی نہ ہو سکے +

جان ۔ اچھا ۔ تو اب میں وعدہ کرتا ہوں ۔ کہ ہر مناسب مقام و موقعہ پر میں اس طریق کا استعمال کرونگا +

خان ۔ تھینک یو ۔

جان ۔ اب بتائیے کہ کب ملاقات ہو گی ۔ مجھے آپ کی باتیں بہت ہی دلپذیر معلوم ہوتی ہیں +

خان ۔ انشاءاللہ ۔ اگلے مہینے

خان

علاقہ نکڑ

آہ ہماری امید بر آئی اور عین آخری وقت پر پادری سیلیز صاحب کا یہ مضمون ہمیں پہنچ گیا۔ ع۔ ٹھیک پوسٹ سے تحفہ قاصد۔ قبول ہو۔ ایڈیٹر +

یہ علاقہ نیشنل مشنری سوسائٹی کا دوسرا علاقہ ہے۔ اسکا رقبہ ۱۳۸ سے ۲۷۲ ایکڑ اور آبادی ۲۲۶ ۱۹۸ ہے۔ اس میں ۸۵۲ مسیحی ہیں۔ چار مشن سٹیشن ہیں جنکا نام سرساوہ۔ نکڑ۔ گنگوہ۔ اس میں ایک مشنری اور چار کارگزار کام کرتے ہیں +

سرساوہ } علاقہ کا ہیڈکوارٹر سرساوہ ہے جو ایک ریلوے سٹیشن ہے جسکی آبادی قریباً چار ہزار ہے۔ یہاں مشن کی طرف سے ایک روزانہ مدرسہ مختصر ماجری میں قائم ہے۔ اسوقت طلباء کا شمار ہے۔ جن میں لڑکیاں ہیں۔ اردو پڑھائی جاتی ہے۔ اب بچوں میں روز بروز پڑھائی کا شوق ترقی پر ہے۔ ماہ جنوری میں ان بچوں کو پڑھائی اور حاضری کے لئے انعام دیئے گئے۔ ہر اتوار کو ایک سنڈے اسکول ہوتا ہے۔ دو استاد ہیں اور طلباء کی اوسط حاضری ۸ ہے۔ اُن کو چھوٹی چھوٹی اور دلچسپ مسیحی کہانیاں سکھائی جاتی ہیں۔

ہندو مسلمانوں کیلئے ایک ریڈنگ روم جاری کیا گیا ہے۔ اس میں ہندو مسلمان آتے اخبار اور کتب پڑھتے ہیں۔ چند ان ڈور گیمز (INDOOR GAMES) بھی شروع کی گئی ہیں۔ اور مقصد ہے کہ لوگ ریڈنگ روم میں آئیں اور ہم کھیل وغیرہ میں خاص طور پر مسیحی مزاج ظاہر کرنیکا موقع ملے۔ کئی ہندوؤں کو مندر میں سے عہد نامہ کی جلدیں پڑھنے کے لئے تقسیم کی گئی ہیں۔ تھوڑے روز ہوئے ان میں نے ایک اپنے اجنبی دوست کو اردو کا نیا عہد نامہ بطور انعام دیا اور اُن سے یہ درخواست کی کہ وہ اسکو پڑھا کریں میرے دوست نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کو ضرور پڑھا کرینگے منگل کے دن بازار کی منادی ہوتی ہے۔ گرامو فون لگا دیتے ہیں تو سینکڑوں آدمی جمع ہو جاتے ہیں اور خوب منادی ہوتی ہے +

یہاں کے ہندو مسلمانوں نے ہم سے کئی دفعہ کہا کہ ہم اُن کے لڑکوں کیلئے ایک روزانہ مدرسہ کھول دیں لیکن ہم نے انکو بار بار یہ جواب دیا کہ یہاں پہلے ہی ایک ڈسٹرکٹ بورڈ اسکول موجود ہے اور اگر ہم اپنا مدرسہ شروع کر دیں تو اسکو نقصان پہنچیگا اور یہ ہماری سمجھ سے بعید بات ہے بیشک ہم اتنا کر سکتے ہیں کہ اگر آپ ہمارے مکان پر لڑکوں کو بھیجیں تو ہم ان کی پڑھائی میں مدد کر دیا کرینگے +

گنگوہ } نکڑ علاقہ کا سب سے بڑا قصبہ گنگوہ ہے۔ فروری کے مہینے میں ہم نے اس قصبہ میں پندرہ دن کا دورہ کیا۔ ۷ گاؤں میں کام کیا۔ پانچسو سے زیادہ غیر مسیحیوں کو انجیل سنائی مسیحیوں سے ملاقات کی انکو تعلیم دی تاکہ ان کا ایمان مضبوط ہو +

ووکیشنل اسکول } یہ اسکول ابھی شروع نہیں ہوا لیکن اسکے لئے چھ بیگہ زمین خرید لیا گیا ہے اور روپیہ بھی جمع ہو رہا ہے امید ہے کہ جلد شروع ہو جائیگا۔ اور اس

وائی۔ ایم۔ سی۔ اے لاہور کا سالانہ جلسہ بتاریخ ۲۳ ماہ حال اسوسی ایشن کے ہال میں منعقد ہوا جس میں مسٹر کے۔ ٹی۔ پال کی مجبوری عدم موجودگی میں مسٹر وی۔ ایم الٰہی بخش نے قومی قابلیت پر ایک عالمانہ تقریر کی جس میں آپ نے ثابت کیا کہ اسکی بنیاد شخصی قابلیت پر قائم ہونی چاہئے۔ اور یہ شخصی قابلیت انسان کے تینوں اجزا یعنی جسم اور دل اور روح کے صحیح استعمال سے ہوسکتی ہے۔ انہیں تینوں حصوں کی ترقی کو مد نظر رکھکر وائی ایم سی آے نے سرخ مثلث " اپنا نشان مقرر کیا ہے۔ جنرل سکرٹری مسٹر آئی۔ ایل رلیا رام نے اپنی سالانہ رپورٹ میں مختصراً بتایا کہ پنجاب میں یہ اسوسی ایشن عملی طور پر اپنی ہستی کے مدعا کو کیونکر پورا کر رہی ہے۔ چنانچہ لاہور میں جسمانی ترقی کے لئے دائرکٹران ورزش مقرر ہیں۔ علاوہ نئی نئی ورزشوں اور قواعد کے گتکا بازی اور فن کشتی بھی سکھایا جاتا ہے جو شخص چاہے کثرت کے متعلق جسمانی ملاحظہ ورزشی ڈائرکٹران سے کرا کر صلاح مشورہ لے سکتا ہے تعلیمی پہلو سے شام کے وقت مختلف مضامین اُن شائقین کو سکھائے جاتے ہیں جنکو دن کے وقت اپنے روزانہ کاروبار سے فرصت نہیں ہوتی۔ ایک ریڈنگ روم ممبروں کے استعمال کیلئے کھلا رہتا ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے مفید مضامین پر لکچر ہوا کرتے ہیں۔ ایک کمرہ مختلف سامان تفریح اور کھیلوں کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ اتوار کے روز بعد دوپہر دینی مضامین پر اعلیٰ تقریریں کی جاتیں اور بائیبل میں سے درس دیے جاتے ہیں۔ اس معمولی کارروائی سے بڑھکر ایک خاص کام کیا گیا ہے جسکے لئے یہ سال اسوسی ایشن کے کارناموں میں مدت تک قابل یادگار رہیگا یعنی اول مرتبہ لاہور میں ایک ہندوستانی کو جنرل سکرٹری کے عہدے پر ممتاز کیا گیا ہے۔ یہ سابق جنرل سکرٹری مسٹر بیوم کی دریا دلی اور سعی کا نتیجہ ہے جسکے لئے صاحب موصوف شکریہ کے مستحق ہیں۔ وائی ایم سی آے کی پالیسی کا یہ عام اصول ہے کہ ہر ملک میں اُسی ملک کے باشندوں کو افسران اعلیٰ مقرر کیا جائے۔ چنانچہ مسٹر کے ٹی۔ پال۔ ہندوستان بھر میں وائی ایم سی آے کے اعلیٰ سکرٹری ہیں۔ لاہور کے علاوہ دہلی میں ایک ہندوستانی جنرل سکرٹری مقرر ہوا ہے۔ چین اور جاپان میں بھی اسی اصول پر عملدرآمد ہو رہا ہے اسوسی ایشن کے ہندوستانی سکرٹریوں کی تنخواہ وغیرہ کے ذمہ دار خود ہندوستانی سکرٹری ہیں جو سال بسال مختلف مسیحی اور

سیکھنے والو! **گلدستہ** ضرور دیکھنا چاہئے

سورج چاند ستارے۔ اجرام فلکی مثلاً سورج۔ چاند ستاروں سیاروں دمدار تاروں اور شہاب ثاقب وغیرہ پر مکمل کتاب۔ صفحہ ۳۱ قیمت ۸ر

شہد کی مکھی۔ شہد کیا ہے اور کن کن طریقوں پر بنتا ہے ۴۳ تصاویر کے ساتھ مضامین کو واضح کیا گیا ہے۔ صفحہ ۱۲۲ قیمت ۴ر

لڑکوں کا راہنما۔ آجکل کے لڑکوں کو مروجہ خرابیوں سے بچا کر نیک اور صحت ور بنانے کے لئے ڈاکٹر شال کی کتاب کا ترجمہ صفحہ ۲۵ سفید ۴ر۔ رومن ۴۰ر

نوجوانوں کا راہنما۔ جن خرابیوں میں پڑکر نوجوان صحت جسمی و قوائے عقلی کو بگاڑ لیتے ہیں ان سے بچنے کی تدابیر بتائی ہیں

سموئیل اجے کروزر۔ ایک حبشی کی حیرت انگیز داستان جو افریقہ کا بشپ بنایا گیا

سموئیل موریس۔ از پادری واعظ صاحب۔ ایک حبشی لڑکے کی عجیب و غریب روحانی زندگی کے تجربات صفحہ ۴۲ ار

ننھے ننھے لوگ۔ کیڑے مکوڑوں تتلیوں بھونروں مکھیوں اور گبریلوں وغیرہ کا پرلطف بیان مع تصاویر صفحہ ۵ ار

سیاح افریقہ۔ سیاح مذکور کی سیاحتوں دریافتوں اور شکار بازیوں کے دلچسپ حالات باتصویر ۲ر

ہیرے کا گھر۔ انسان جسم کے دلچسپ حالات ۳ تصاویر صفحہ ۵ ۲ر

مرقع پارلیمنٹ انگلستان۔ انگریزی راج کی سب سے اعلیٰ کونسل کی مفصل داستان صفحہ ۱۳۶ ۲ر

لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے ... اردو ... ہندی ... کتابیں ... منگا کر نفع حاصل کریں

پھولوں کی کہانی۔ پھولوں کے اعضا۔ افعال خواص شادی بیاہ۔ تولید کھانے پینے اور کھیلنے وغیرہ کے دلچسپ حالات باتصویر۔ صفحہ ۶۵ قیمت ۴ر

تسخیر پنجاب۔ انگریزوں اور سکھوں کی لڑائیاں۔ اور کس طرح پنجاب میں انگریزی حکومت قائم ہوئی۔ عجب کا ناول ہے صفحہ ۲۱۲ قیمت ۱۲

المشتہر

سکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۲۷۰

بسرپرستی پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس

منیجنگ ایڈیٹر مسٹر بی ایل رلیارام

مسیحی لاہور

سالانہ چندہ پیشگی مع محصول ۳ — فی کاپی چار آنے

ہندوستانی مسیحیوں کا ماہوار رسالہ

جس میں رسالہ قاصد بھی شامل کر دیا گیا ہے

دورِ جدید	ماہ اپریل ۱۹۲۳ء	جلد ۳ نمبر ۶

رسالہ مسیحی کے قواعد وضوابط

۱۔ یہ رسالہ ہر ماہ کے آخری ہفتے میں زیر سرپرستی پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس لاہور سے شائع ہوتا ہے +

۲۔ اس کا مدعا خصوصاً مسیحی جماعت کے روحانی اخلاقی اور معاشرتی معاملات پر بحث اور رائے زنی کرنا ہے۔ دیگر دلچسپ مضامین اور نوٹ بھی درج کئے جاتے ہیں +

۳۔ مشنوں اور مسیحی انجمنوں کی رپورٹوں اور کارروائی پر نظر ثانی کی جاتی ہے +

۴۔ ضخامت معہ رسالہ قاصد کے چالیس صفحے ہے۔ رسالہ قاصد علیحدہ بھی ۸/ سالانہ پر مل سکتا ہے +

۵۔ قیمت سالانہ معہ قاصد تین روپے ہے۔ قلیل تنخواہ والے اشخاص سے رعایت بھی کی جاتی ہے +

۶۔ اگر قیمت بذریعہ منی آرڈر ارسال کی جائے تو وی پی کی تکلیف اور زائد خرچ کی زحمت اٹھانی نہ پڑیگی +

۷۔ جو مضمون درج نہ کیا جائے وہ ارکا ٹکٹ آنے پر واپس ہو سکتا ہے +

۸۔ اگر ماہ آئندہ کی ۱۰ تاریخ تک رسالہ نہ ملے تو منیجر کو اطلاع دینی چاہیئے +

۹۔ نمونہ کا پرچہ مفت بھیجا جاتا ہے +

۱۰۔ اشتہارات مناسب شرح پر درج کئے جا سکتے ہیں +

احقر

منیجر رسالہ مسیحی

وائی۔ ایم۔ سی۔ اے۔ لاہور

مسیحی لاہور

دور جدید اپریل ۱۹۲۳ء جلد ۳ نمبر ۶

نوٹ اور رائیں

مسیحی کنونشنیں ہندوستان میں مسیحی کلیسیا کے قائم ہو جانے پر کئی ایک نئی نئی روحانی اور معاشرتی مجالس پیدا ہو گئی ہیں مختلف صوبوں میں کرسچن ایسوسی ایشن اور آل انڈیا کرسچن کانفرنس اور نیشنل مشنری سوسائٹی اور نیشنل کرسچن کونسل اور کرسٹ آشرم ایسے الفاظ ہیں جو ہندوستانی کلیسیا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے لئے تجویز کئے گئے ہیں۔ کلیسیا کی روحانی بیداری کے لئے مختلف مقامات پر کنونشنیں کی جاتی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان سے ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ مگر اندیشہ ہے کہ یہ مجالس ہماری کلیسیا کے لئے منشیات کی طرح ایک عارضی جوش پیدا کرنے کا سامان نہ بن جائیں۔ جو لوگ اپنے محدود دائرے میں نیم مردہ حالت میں پڑے ہیں اُن کو جگا کر ایک قسم کی برقی طاقت سے ابھارا جاتا ہے۔ اور جب وہ اپنے اپنے گھر کو واپس جاتے ہیں تو چند روز میں اس جوش کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ بنو کد نضر کی بھٹی کی طرح کنونشن میں جوش کی آنچ سات

گنا بڑھائی جاتی ہے مگر جب سامعین اپنے اپنے علاقے کو جاتے ہیں تو اُن کے
گیسٹروں سے آگ کی لو تک نہیں آتی ۔ دوسرے سال کنونشن میں پھر وہی عارضی
جوش کا سلسلہ قایم ہو جاتا ہے ۔ جو لوگ کنونشنوں سے فائدہ اٹھاتے نہیں ان کے
لئے بھی اندیشہ ہے کہ شیطان اُن پر بڑے زور سے حملے کریگا ۔ ہمارے خداوند
پر روح کے نازل ہونے کے بعد شیطان نے کیسے کیسے وار کئے ۔ پھر جو لوگ روز
بروز دعا مانگتے رہتے ہیں کہ خداوند میری زندگی کو اپنا بنالے ۔ کیا وہ اچھی طرح سے
سمجھتے ہیں کہ اس مخصوص زندگی کا کیا مدعا ہے ؟ اگر وہ کنونشن سے لوٹکر بہتر اور
اعلےٰ مسیحی خدمت کے لئے تیار نہیں تو ان کا دعا مانگنا عبث ہے ۔ بلکہ اگر
انہوں نے خدا کی خدمت کی ذمہ واری اور روحانی زندگی کا بہتر احساس رکھتے
ہوئے سُست ہاتھوں اور مُردہ دلی سے بشارت کے کام اور دیگر مسیحی خدمات کو
انجام دیا اُن کی سزا زیادہ ہوگی ۔ تقریر کنندوں کے لئے بھی اندیشہ ہے کہ وہ کنونشنوں
میں بطور ایک اہل پیشہ یا ماہر فن کے بولنے والے ہو جائیں جو موقعہ پر اپنے الفاظ
میں ایک مصنوعی جوش کی طاقت پیدا کر سکتے ہیں اور اصلی مضمون کے ساتھ
اُن کا وہی تعلق ہو جو مثقال سکے کے ساتھ اس مچھلی کا تھا جسے پطرس رسول
نے پکڑ کر اپنے اور خداوند کے لئے دیا تھا ۔ غرض جہاں ہماری کنونشنیں اچھا کام
کر رہی ہیں وہاں ہمارے خطرے اور ذمہ واریاں بھی بڑھ رہی ہیں اور کیا یہ
کنونشنیں ہمارے پاسٹروں اور دینی ہادیوں کے کام پر ایک قسم کا طعن نہیں ہیں ؟
ہمارے خیال میں ہر ایک عبادت روحانی بیداری کی ایک مجلس ہونی چاہئے
اب جو کام عام کلیسیائی عبادت میں نہیں کیا جاتا وہ چند واعظوں کی مدد سے
کنونشنوں میں کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ ہماری کنونشنیں گویا بیت حسدا
کے برآمدے ہیں جن میں لاچار بیمار جمع ہو جاتے ہیں تاکہ جب پانی ہلے تو وہ
اُتر کر شفا پاسکیں +

اوپر کی طرف سے جنم } ہمارے خداوند نے نیکدیمس کے ساتھ گفتگو

کرتے ہوئے فرمایا کہ "جبتک کوئی نئے سرے سے پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہت کو دیکھ نہیں سکتا" تصحیح شدہ ترجمے کے حاشئے میں "نئے سرے سے" کی جگہ "اوپر کی طرف سے" لکھا ہے۔ سہارنپور کنونشن میں اس آیت پر درس دیتے ہوئے ڈاکٹر سٹینلی جونس صاحب نے فرمایا کہ مخلوقات کے پانچ مختلف طبقے ہیں یعنی معدنیات نباتات حیوانات انسان اور اس کی تہذیب اور خدا کی بادشاہت اب یہ قانون قدرت ہے کہ کوئی ادنیٰ طبقے کا مخلوق اعلیٰ کی طرف خود بخود ترقی نہیں کر سکتا بلکہ اعلیٰ طبقہ ادنےٰ طبقے کے مخلوق کو اپنی زندگی میں شامل کر سکتا ہے۔ مثلاً زمین کا مردار اور بے حس مادہ خود بخود نباتات کی زندگی میں نہیں مل سکتا۔ اگر تالاب کی کیچڑ جو ہے کہ سطح آب پر کے کنول پھول کی ہستی کا جزو بن جائے تو اُس میں یہ طاقت نہیں مگر جب وہ کنول پھول اپنی جڑوں کے ذریعے کیچڑ کے اجزا کو اپنے اندر لے لیتا ہے تو وہ اسفل طبقے کی شئے اُس کی زندگی کا حصہ بن جاتی ہے۔ باقی طبقات میں بھی یہی اصول پایا جاتا ہے۔ اب اگر انسان چاہے کہ خدا کی بادشاہت میں داخل ہو تو وہ اپنی ہمت یا طاقت سے اوپر نہیں چڑھ سکتا۔ جبتک وہ "اوپر کی طرف سے" پیدا نہ ہو وہ آسمان کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ شرط یہی ہے کہ وہ اپنی مرضی بلکہ اپنی ہستی کو اعلیٰ بادشاہت کے سپرد کر دے تو اعلےٰ درجے کی زندگی اس کو اپنی زندگی میں شامل کریگی +

دعائے عمیم کی کتاب کی ترمیم

کچھ عرصہ سے انگلستان میں دعائے عمیم کی کتاب کو از سر نو مرتب کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ کلیسیائے انگلستان کے بعض قدامت پسند شرکا اس کے الفاظ اور ترتیب کو بدلنا پسند نہیں کرتے۔ اس لئے یہ ترمیم شدہ کتاب اختیاری ہوگی یعنے جو پادری چاہے اپنے گرجے میں اُسے استعمال کر سکتا ہے۔ یک نشد دو شد۔ گو یہ معاملہ ایک خاص کلیسیا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے تو بھی کلیسیائی اتحاد پر اس کا بہت کچھ اثر پڑیگا۔ یعنی ترمیم کا جس قدر میلان رومی کلیسیا کی طرف ہوگا اُسی قدر اُن کلیسیاؤں کے

کے ساتھ اتحاد کا رشتہ قایم ہونا محال ہو جائیگا جو سرکار کی قایم کردہ کلیسائی رسوم اور طریق عبادت کو منظور نہیں کرتیں۔ موجودہ کتاب ۱۶۶۲ء میں ترمیم ہوئی تھی اور قریب ڈھائی سو سال تک کام دیتی رہی ہے۔ مگر پرانے وقت گزر گئے ہیں اور اب نیا زمانہ آگیا ہے مناسب ہے کہ نئی ضروریات کے مطابق دعاؤں کا مضمون اور عبارت بھی بدل جائے۔ خاص خاص مجوزہ تبدیلیوں میں سے بعض حسب ذیل ہیں (۱) نکاح کی ترتیب میں نصیحت اور اولاد کی بخشش کے الفاظ اصلاح طلب ہیں۔ (۲) دس احکام کو مختصر طور پر اور چند فقروں کو چھوڑ کر پڑھنا چاہئے۔ تراش خراش کے بعد جو صورت دس احکام کی پیدا ہو گئی ہے اس سے تو ہزار درجے بہتر ہے کہ شریعت کا وہ خلاصہ جو خداوند نے سکھایا پڑھا جائے۔ خیر یہی کہ احکام کی تعداد میں تخفیف نہیں کی گئی۔ (۳) عشائے ربانی کی رسم کے متعلق چند الفاظ میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ جو زبور عبادت کے وقت پڑھے یا گائے جاتے ہیں ان میں بھی اصلاح کی گئی ہے بعض انتقامیہ اور بد دعائیہ آیات یا مزامیر خارج کئے گئے ہیں۔ کیونکہ کوئی مسیحی اپنے یا خدا کے دشمنوں کے حق میں اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا پسند نہ کریگا۔ مثلاً کون اپنے دشمنوں کو کوسیگا اور کہیگا کہ "ناگہان موت اُن پر آئے۔ وہ جیتے جی پاتال میں اتریں" (زبور ۵۵/۱۵) یا "تو ایک شریر کو اُس پر مقرر کر اور اُس کے دہنے ہاتھ شیطان کھڑا رہے۔ اس کے بچے یتیم ہو جائیں اور اس کی جورو بیوہ۔ اُس کے بچے سدا آوارہ رہیں اور بھیک مانگیں" (زبور ۱۰۹/۶-۹) کیا مسیح کے پیرو کبھی کسی کی طرف مخاطب ہو کر کہہ سکتے ہیں کہ "مبارک وہ جو تیرے لڑکوں کو پکڑ کے پتھروں پر پٹک دے" (زبور ۱۳۷/۹) جب مسیحی بچے یہ زبور پڑھتے یا گاتے ہیں تو اس سے کیا تعلیم حاصل کر سکتے ہیں؟ بعض نئی مجوزہ دعائیں یہ ہیں۔ مُردوں کی یادگاری کے لئے۔ انتخاب کے وقت۔ مزدوروں پر صلح کے لئے۔ یونیورسٹیوں اور دیگر دارالعلوم کے لئے شفاخانوں کے لئے۔ اگر یہ کتاب ہندوستان میں مروج ہونے والی ہے۔ تو کیا سبب ہے کہ ہمارے والیان ریاست اور مختلف کونسلوں اور دیگر مذاہب کے خاص خاص فرقوں اور ملکی اور قومی انجمنوں

کو نظر انداز کیا گیا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ وقت آگیا ہے کہ ہندوستان میں کلیسائے انگلستان
کے شرکا ایک نئی دعائے تعلیم کی کتاب تیار کریں جو اس ملک کے زیادہ مناسب حال
ہو۔ آثار نظر آرہے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں چرچ آف انگلنڈ کی
کلیسیا جلد انگلستان سے آزاد ہوکر اس معاملہ کو تقویت دیگی +

فرقہ بندی کا روشن پہلو

ایک نامہ نگار صاحب لکھتے ہیں:- دبستان معرفت میں کبھی پڑھا تھا کہ خدا کی پیدا کی
ہوئی کوئی شے فضول وبے فائدہ نہیں۔ چنانچہ حیوانات چرند پرند جتنے ہیں ان میں
کوئی نہ کوئی ایسی خوبی ہوتی ہے جس سے انسان سبق سیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ کتاب مذکورہ
بالا میں کووں کی خاص صفت اتفاق اور بانٹ کر کھانے کی خوبی ہے۔ اگر اس کو کچھ
مل جائے تو وہ کائیں کائیں کا غل مچا کر اپنے ہم جنسوں کو دور و نزدیک سے جمع کر لیا
کرتا ہے۔ سؤر جیسے ناپاک جانور میں بھی علی الصباح جاگنے کی خوبی پائی جاتی ہے۔
مذاہب پر بھی یہ اصول صادق آتا ہے۔ مسلمان مذہبی غیرت، ہندو دیا، اور مسیحی روحانی
اور سکھ قربانی کی مثالیں دکھا رہے ہیں۔ مذہبی فرقے۔ مسیحیائی تفرقے گو کمزوری اور
نقصوں کی وجہ سے پیدا ہوئے تو بھی اگر گہری نظر ڈالی جائے تو ان میں خوبیاں
جواہرات کی طرح چمکتی نظر آئینگی۔ رومن کیتھالکوں کو خواہ کیسا ہی برا کہیں اور
ان کے نقص نکالیں لیکن پاسٹرل کام جو ان کے درمیان ہو رہا ہے۔ ور جماعتوں میں
جو تاثیر ان کی ہے مشکل سے کسی دیگر جماعتوں میں ہوگی۔ جماعتوں کا انس اپنے پاسٹروں
سے ہے اور وہ ان کی بڑی عزت کرتی ہیں۔ اور پاسٹر بھی دکھ بیماری میں تنگی و مصیبت
میں ان کے لئے جان تک دینے کو تیار رہتے ہیں۔ انسانی فطرت سے اور گنہگاری سے
ان کو ایسی آگاہی ہے کہ ان کی تصنیف کردہ زہد و تقوے کی کتابوں سے بہت لوگ
فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پریسبٹیرین صاحبان نے بشارت انجیل میں جو نمایاں خدمت کی
ہے اور اب تک کر رہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان کا بشارتی دھموں کے ذریعہ
خدا کا کلام کونے کونے تک پہنچ رہا ہے۔ مکتی فوج نے افتادہ غریب مسیحیوں کی

اصلاح اور سنبھالنے میں جو حصہ لیا ہے اسکے لئے مسیحی دُنیا اُن کا دم بھر رہی ہے
بلیتھ برادروں کے ذریعہ بہنوں کو کلام کی تلاوت کا شوق اور مسیح کی دوسری آمد کا
انتظار زور شور سے پیدا ہوا ہے چرچ مشنری سوسائٹی کے ذریعہ کمیٹیوں کے ویسے
کام کرنے کا تجربہ حاصل ہوا ہے ہر کام یا جزو کام کے لئے کوئی نہ کوئی کمیٹی مقرر ہے۔
ایس۔ پی۔ جی نے برادری کا خیال لوگوں میں پیدا کیا کہ دیسی پردیسی کیسے مل کر
گزارہ کریں۔ آجکل سینچر مشن بھی پنجاب میں کام کرنے لگا ہے۔ اور امید ہے کہ خداوند
کی آمد کا چرچا زور و شور سے بڑھیگا۔ میتھوڈسٹ لوگوں نے غریب مسیحیوں کی
تعلیم کا جو انتظام کیا ہوا ہے وہ قابل تعریف و تقلید ہے۔ خدا نے یہ قیمتی خزانہ
ہندوستانی کلیسیا کے لئے بھیجا تاکہ وہ ان بیش بہا جواہرات سے اپنے تئیں آراستہ
کرکے اپنے خداوند کے لئے تیار رہو۔ ہندوستانی کلیسیا۔ کلیسائے جامع و متنگدل
اور کلیسیائے جامع یہ اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب اس میں یہ ساری صفات جمع
ہوں جو اُن مختلف کلیسیائی فرقوں میں فرداً فرداً پائی جاتی ہیں۔ کاش کہ ہندوستانی
کلیسیا جلد اس مقصد کو پورا کرے ✤

کوریا میں مسیحی کام

۲۷ سال کا عرصہ ہوا یعنی ۱۸۸۶ء عیسوی میں کوریا میں
صرف ۱۱ مسیحی تھے۔ اور آج اُن کی تعداد ۲½ لاکھ سے
زیادہ ہے۔ تقریباً اتنی ہی تعداد متلاشیوں کی ہے۔ اس حیرت انگیز ترقی کی کیا
وجوہات ہیں۔ اس سوال کا جواب ان لوگوں کی روحانی زندگی اور مذہبی جوش
سے ملتا ہے ✤

اوّل۔ کلام اللہ کا مطالعہ۔ ان لوگوں میں کلام الٰہی کے مطالعہ کا شوق ہے
بعض لوگ پُرانے اور نئے عہد ناموں کو لفظ بلفظ زبانی یاد کر لیتے ہیں۔ مطالعہ
کی جماعتیں بکثرت ہیں جن میں بھاری تعداد حصہ لیتی ہے۔ غرضیکہ وہ کلام سے
بھرپور ہیں ✤

دوم۔ شخصی کام۔ راست مطالعہ سے اکثر خواہش پیدا ہوتی ہے۔ کہ کلام

کی خوشخبری دوسروں کو دی جائے۔ یہ لوگ جو انجیل کو ایسا عزیز رکھتے ہیں شخصی کام
نہایت سرگرمی سے کرتے ہیں +

سوم۔ گرجے اور سنڈے سکول۔ گرجے اور سنڈے سکول ہمیشہ بھرے ہوتے
ہیں۔ عبادت نہایت سنجیدگی سے کی جاتی ہے۔ سنڈے سکولوں میں لڑکے اور
لڑکیوں کو اپنے غیر مسیحی بھائیوں اور بہنوں کو ہمراہ لانے کے لئے انعام دئے جاتے
ہیں۔ چنانچہ ایک لڑکی سال بھر میں ۵۰ ایسے بچوں کو ساتھ لائی +

چہارم۔ مشنری روح۔ تمام لوگ مشنری روح سے معمور ہیں۔ اپنے سارے
کاروبار خداوند پر بھروسہ رکھتے ہوئے کرتے ہیں۔ بشارتی کام کے لئے چین کے
کچھ علاقوں میں چند شخص مشنری طور پر کام کرتے ہیں۔ جن کا کام پر برکت ثابت ہو رہا ہے

پنجم۔ دعا۔ اُن کی دعا میں نہایت سادگی پائی جاتی ہے۔ وہ بچوں کی طرح
اپنے خدا باپ سے گفتگو کرتے ہیں۔ دعا کی میٹنگوں میں بہت لوگ فراہم ہوتے ہیں
اور دعائیں بہت سرگرمی سے مانگی جاتی ہیں +

ششم۔ خود انکاری۔ خداوند کے کام کے لئے اُن کی خود انکاری لاثانی ہے۔
بھوکوں۔ پیاسوں اور محتاجوں کی ضروریات بہم پہنچانے کے لئے فاقہ کشی اور مال ملک
بیچنے کو تیار ہیں +

ہفتم۔ اپنے کام کا ذمہ خود اُٹھانا۔ اُن کی تمام کلیسیاؤں کی یہ خواہش ہے کہ
کلیسیا کے اخراجات اور گرجوں کی تعمیرات وغیرہ کے لئے بیرونی مشنوں سے ایک کوڑی
تک نہ لی جائے۔ وہ اس بات کو سمجھتے ہیں۔ کہ ملکی چرچ پیدا کرنے کے لئے بدیشی
پیسہ بڑی بھاری رکاوٹ ہے +

ہشتم۔ بشارتی کام ہر شخص اپنا فرض سمجھتا ہے۔ کہ اپنی زندگی کا کچھ حصہ بشارتی
کام کے لئے وقف کرے۔ اس سے دو فائدے ہیں۔ اول اُس روپئے کی بچت جو کہ
تنخواہ یافتہ کارندوں کو دی جاتی ہے اور دوم ایسا رضاکارانہ کام ہمیشہ بہتر پایہ پر ہوتا
ہے۔ خدا کرے کہ ہندوستانی کلیسیا بھی اپنی ذمہ داری کو سمجھے اور خدا کے جلال کا باعث ہو +

کلیسیائی اتحاد کلیسیائی اتحاد کی کانفرنس کی رپورٹ اب چھپ گئی ہے۔ اس کانفرنس کے شرکا ر دو انگریز آرچ بشپ بہت سے اسقف اور پٹسٹنٹ کانگریگیشنل میتھوڈسٹ۔ موریوین اور پریسبیٹیرین کلیساؤں کے نمایندے تھے۔ یہ رپورٹ ایک نہایت اہم تحریر ہے۔ یہ کانفرنس اس اصول کا اقرار کرتی ہے کہ کلیسیا ایک ہی ہے اور ظاہر طور پر بھی ایک ہی ہونی چاہئے اور کہ رسولوں کے زمانے سے ہی اس کے حسب ذیل نشانات ہیں:۔

(۱) خدا پر ایمان لانا جس کو خداوند مسیح نے ظاہر کیا ہے (۲) خداوند کے دونوں سکرامینٹوں کو عمل میں لانا (۳) مسیحی زندگی بسر کرنا۔ (۴) خادم الدینوں کی جماعت جو خدا کا پاک کلام سنائے سکرامنٹ ادا کرے اور کلیسیا کے کلام کو ظاہر کرے۔

کانفرنس اس امر پر اتفاق کرتی ہے کہ خدام دین خدا کی طرف سے ہیں اور متحدہ کلیسیا کے لئے ضروری ہے کہ ایپسکوپیٹ (اسقفیت) کو اختیار کرے لیکن یہ اسقفیت نمایندہ ہونی چاہئے اور پریسبٹروں اور غیر پادریوں کے حقوق کی نگران ہو۔ آئندہ کو اسقفیت کے قبول کرنے کے لئے یہ لازم نہیں ہوگا کہ اس کی ابتدا کے نظریوں کو بھی قبول کیا جائے۔

یہ کانفرنس نیکایاہ کے عقیدے کو متحدہ کلیسیا کے لئے کافی خیال کرتی ہے لیکن اس عقیدے کی تفسیر کرنے میں ہر ایک آزاد ہوگا۔ رسولوں کا عقیدہ بپتسمہ کے لئے کافی خیال کیا گیا ہے۔

عظمت کا معیار یہ نہیں کہ ہم اپنے لئے کیا کرتے ہیں۔ بلکہ یہ کہ ہم اوروں کے لئے کیا کرتے ہیں۔

کوئی فتح بغیر جنگ حاصل نہیں ہوتی۔ اور جو آدمی جنگ سے جی چراتا ہے وہ فتح کے لائق نہیں۔

سہارنپور کنونشن

شہر سہارنپور یو پی پنجاب اور صوبہ دہلی کا مرکزی مقام ہے اور کسی ایسی مجلس کے لئے نہایت موزوں جگہ ہے جس کا تعلق ان مختلف صوبوں سے ہو۔ گو سیالکوٹ کنونشن کے ساتھ اس کنونشن کا براہِ راست کوئی رشتہ نہیں ہے مگر تو بھی اُس پرانی کنونشن کو سب کنونشنوں کی ماں کہہ سکتے ہیں۔ ابتدا میں یہ مجمع ماس موومنٹ کے مسیحیوں کی خاطر ایک میلے کی صورت میں شروع ہوا تھا۔ اول اول میتھوڈسٹ مشن کے شرکا اچھی خاصی تعداد میں شامل ہوا کرتے تھے مگر بریلی کنونشن کے شروع ہو جانے سے سہارنپور۔ زیادہ تر آے۔ پی مشن کی مجلس گاہ بن گیا۔ چونکہ صوبہ پنجاب میں اس مشن کا بہت سا کام ہے اس لئے شرکا کی تعداد کا نمایاں حصہ اُسی صوبہ سے تھا۔ میتھوڈسٹ مشن کے بشپ رابنسن صاحب اور ڈاکٹر سٹینلی جونس صاحب کو چھوڑ۔ باقی دونوں ہادی یعنے پادری اے ٹھاکرداس صاحب اور سادھو سندر سنگھ صاحب بھی پنجاب سے تشریف لائے تھے اور گانے بجانے والوں کی ایک منڈلی کھنّہ سے اور دوسری موگا سے تھی۔ زبور بھی پنجابی نظم میں گائے جاتے تھے۔

امسال کنونشن کا خاص مضمون دعا تھا۔ اول روز یعنے ۱۴ اپریل کی شام کو بشپ رابنسن صاحب نے جو بشپ وارن صاحب کی جگہ ان کی علالت طبع کی وجہ سے کنونشن کے صدر انجمن مقرر ہوئے دعا مانگنے کی ضروری شرائط پر ابتدائی درس دیا۔ آپ نے خاص پانچ شرائط کا ذکر کیا یعنے (۱) ایمان (۲) فرمانبرداری (۳) پاکیزگی (۴) خدا کے جلال کے لئے اور (۵) مسیح کے نام پر۔

دوسرے روز صبح کے وقت کلام کی تلاوت کے موقعہ پر ڈاکٹر سٹینلی جونس صاحب نے پا ؔ امیں پطرس کی رویا پر ایک نہایت دلچسپ اور موثر تقریر کی۔ آپ نے فرمایا کہ غیر قوموں پر انجیل کا دروازہ دُعا کے دم کھُل گیا۔ اور پھر آپ نے

بہت سی نظائر سے ثابت کیا کہ دنیا کے سب بڑے بڑے کام اور اعلیٰ تحریکیں دعا سے شروع ہوئی ہیں۔ آپ نے پطرس کی رویا میں ایک اور نکتہ نکالا۔ پطرس کو سخت بھوک لگی تھی اور ادھر کھانا تیار نہیں تھا۔ بہت لوگ شاید ایسی عالت میں گڑگڑانے لگتے مگر پطرس نے وہ انتظاری کا وقت دعا میں صرف کیا۔ اگر ہم اپنے مقررہ اوقات کے وقفوں کو دعا کرنے یا اور مفید باتوں میں لگا سکیں تو ہمیں اور اوروں کو کس قدر فایدہ پہنچ سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے ایک اور درس اس ملک میں مسیحی مذہب کے خفیہ اثر پر دیا اور تیسرے درس میں لوقا ۲۱ : ۱۹-۲ پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے دکھایا کہ جو آفات یا تکالیف مسیحی پر آتی ہیں خدا ان کو کیونکر تبدیل کر کے اپنی خدمت اور جلال کے لئے کام میں لا سکتا ہے۔ یہ دونوں درس دلچسپ اور اعلیٰ درجے کے تھے۔ مگر شاید بہتر ہوتا کہ ڈاکٹر صاحب دعا کے مضمون کو پکڑے رکھتے اور کوئی عملی باتیں اپنے یا اوروں کے تجربہ سے پیش کرتے +

سادھو سندر سنگھ صاحب اپنے تین درسوں میں دعا کے مضمون پر اعلیٰ تصوف میں پرواز کرتے رہے۔ ان کی تقاریر کا لب لباب یہی تھا کہ اگر ہم نے دنیاوی برکات مانگیں تو کیا مانگا۔ ہم کو خود مسیح درکار ہے۔ وہی سب برکتوں کا منبع ہے۔ اس لئے اسی کو مانگنا چاہئے۔ افسوس ہے کہ سادھو صاحب کو کئی ایک دیگر مقامات کو جانا تھا اس لئے ان کے مشاغل نے اجازت نہ دی کہ کنونشن میں تین روز سے زیادہ قیام کرتے۔ سال گزشتہ میں آپ کو دنیا کے مختلف مقامات سے ۵۹۷ دعوتیں آئیں جن کو وہ منظور نہیں کر سکے۔ اب ان کا رخ تبت کی طرف ہے اور وہ ایک جگہ سے ہوتے ہوئے اس ملک کو جا رہے ہیں +

پادری اے ٹھاکر داس صاحب نے دعا کی رکاوٹوں پر ایک مدلل درس دیا جس میں آپ نے چند اسباب مثلاً دنیاداری مصروفیت، بے صبری بدی خدا کی حضوری کا احساس نہ ہونا وغیرہ کا ذکر کیا جو دعا مانگنے میں ہمارے سدِ راہ ہوتے ہیں اور پھر ان مشکلات اور رکاوٹوں پر غالب آنے کے عملی طریق بھی بتائے۔ دوسرے

درس میں آپ نے غالب دُعا کا ذکر کیا اور چند حوالجات سے سمجھایا کہ روح القدس کی میں دعا مانگنا کیا ہے ۔

یہ کنونشن سیالکوٹ کنونشن کے نمونے پر بنائی گئی ہے مگر اُس سے کئی باتوں میں فرق رکھتی ہے ۔ اول تو اس کے تقریر کنندوں کے نام پہلے سے مشتہر کئے جاتے ہیں جو سیالکوٹ کنونشن کے منتظم ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھتے ۔ سیالکوٹ میں مجمع کے لئے ایک نہایت عالیشان خیمہ ہے اور دیگر ضروریات کے لئے بھی خیمے اور کافی سامان ہے ۔ امید ہے کہ جب سہارنپور کی منتظم کمیٹی کے ہاتھ میں کافی رقم ہو گی تو ضروری سامان خرید لیا جائیگا ۔ سیالکوٹ کنونشن میں سوائے زبوروں کے اور کچھ گایا نہیں جاتا مگر سہارنپور میں ان کے علاوہ مسیحی گیت بھی گائے جاتے ہیں چونکہ حاضرین کا بڑا حصہ سکولوں کے مسیحی لڑکے اور لڑکیاں تھیں اس لئے تقسیم اوقات میں دوپہر کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ کھیل کود کے لئے رکھا گیا ۔ پھر اس کنونشن میں پرہیزگاری کے جلسے بھی ہوئے جو ایسے مجمعوں میں ایک غیر معمولی بات ہے ۔ پنجاب کی مس کیمل صاحبہ نے اس مضمون کا حق نہایت خوبی سے ادا کیا ۔ مس صاحبہ موصوف نے چند سال سے اپنی زندگی پرہیزگاری کے پرچار کے لئے وقف کر دی ہے ۔ آپ نے ہندوستان میں جا بجا منشیات کے خلاف وعظ و نصیحت کر کے بہت سے لوگوں کو اس موذی شراب کے پنجے سے چھڑایا ہے ۔ حال ہی میں آپ سکاٹلینڈ میں جو وسکی شراب کا گھر ہے اور شمالی امریکہ میں شراب نوشی اور شراب فروشی کے خلاف تقریریں کر کے واپس آ رہی ہیں ۔ مس میا ڈاس صاحبہ جو کچھ عرصہ تک ڈیرہ دون میں کام کرتی رہی ہیں اب آپ کے ساتھ ریکٹمپرنس کی اس خاص خدمت کے لئے تیار ہو رہی ہیں ۔ غالباً دو سال کے بعد مس کیمل صاحبہ اس کام سے سبکدوش ہو کر پھر اپنی بشارتی خدمت میں مشغول ہو جائینگی ۔ دوران کنونشن میں ڈاکٹر سٹینلی جونس صاحب تین روز تک شام کے وقت ہندوستانی غیر مسیحی شرفا کی کلب میں بشارتی لکچر دیتے رہے جن کو سہارنپور کے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ نے بڑی خوشی اور دلچسپی

سے سنا۔ خدا نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے کلام میں ایسی تاثیر بخشی ہے کہ جو لوگ عام مبشروں کے نزدیک پھٹکنا پسند نہیں کرتے وہ شوق سے آپ کی تقریروں کو سنتے ہیں یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ جو بیج بویا گیا اس کا پھل کس قدر ہوگا +

جو اصحاب مسیحی سادھوؤں کے لئے آشرم قائم کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے انہوں نے ۲۸ اپریل کو ایک جلسہ پادری پی پی رائے صاحب کے مکان پر منعقد کیا۔ مگر چونکہ بعض اشخاص ابتک تشریف نہ لائے تھے چند ابتدائی مراتب پر گفتگو کے بعد جلسہ دوسرے روز پر ملتوی کیا گیا۔ دوسرے روز رڑکی کے پادری فرنیک صاحب نے اس مجوزہ آشرم کا مدعا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں آشرم میں ایک نیا علم الٰہیات پیدا کرنا ہے اس پر بہت دیر تک بات چیت ہوتی رہی جس سے کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ شرکا کی عام رائے یہ تھی کہ کوئی نئی تحریک یا اصلاح ایسے جلسوں سے شروع نہیں ہوتی۔ ایسے معاملات میں طاقتور شخصیت کی کشش زیادہ ضروری ہے۔ اگر خدا نے کسی کو اس خدمت کے لئے ہمت اور جوش بخشا ہے تو وہ کام شروع کردے۔ باقی انتظام خدا خود کریگا۔ پھر تیسرے روز بھی ایک اور جلسے میں مزید گفتگو کے بعد تجویز ہوا کہ سادھو سندر سنگھ صاحب کے ماہ اکتوبر میں تبت کے دورے سے واپس آنے پر جوالا پور میں کام شروع کیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تجویز کنندوں کی خواہش ہے کہ یہ آشرم چرچ آف انگلینڈ کے بشپ صاحب کے زیر سایہ پرورش پائے۔ بات تو معقول ہے مگر ہمیں اندیشہ ہے کہ بعض مسیحی فرقے اس میں اتفاق نہیں کریں گے۔ اور شاید اس سے مجوزہ آشرم کی کامیابی میں کسی قدر رکاوٹ پیدا ہو جائے +

کنونشن کے عام انتظام پر نظر دوڑاتے ہوئے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ پادری پی پی رائے صاحب اور اُن کی میم صاحبہ کی اَن تھک محنت اور جانفشانی کا نتیجہ تھا کہ یہ کنونشن کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچی۔ اگر مہمانوں کی آسائش کے انتظام میں کوئی دقیقہ باقی رہ گیا تو قابل مددگاروں کی کمی اُس کی ذمہ وار ہے۔ کنونشن کی کارروائی زیر صدارت بشپ رابنسن صاحب اور سردار مغنی ڈاکٹر آربین صاحب کی زیر ہدایت خوش اسلوبی

سے ہوتی رہی۔ دعا کے مضمون کے اس قدر پہلو ہیں کہ چند درسوں میں اُن کا حق ادا کرنا ناممکن ہے۔ مگر بعض ضروری باتوں پر زیادہ زور دیا جاسکتا تھا۔ مثلاً خدا کے ساتھ کلام کرنے کے لئے ضرور ہے کہ ہم اس کا اور اُس کی مرضی کا زیادہ علم حاصل کریں اور یہ کتاب مقدس کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے۔ جہانتک ہمیں یاد ہے کسی تقریر کنندہ نے اس ضرورت کی طرف اشارہ نہ کیا۔ کلیسیا کی کمزوری اور دعا کی رُوح کی کمی کا ایک بڑا بھاری سبب یہ ہے کہ ہم بائیبل کو پڑھتے نہیں۔ جو لوگ دعا کی زندگی کے قابل ہو کر واپس گئے ہیں کیا وہ روزمرہ اس پاک کتاب کو باقاعدہ طور پر پڑھنا شروع نہ کر دینگے؟ خاتمہ سے پیشتر ہم ایک اور معاملہ کو کسی قدر تامل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ہمارے بعض نادہان کنونشن کے موقعہ پر درس کے بعد اُن لوگوں سے ہاتھ کھڑے کرواتے ہیں جو کوئی خاص برکت چاہتے ہیں یا جو اپنی زندگی خدا کے لئے مخصوص کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ کئی ایک وجوہات سے یہ طریق مقبول عام معلوم نہیں ہوتا۔ اگر کسی کو اس سے فائدہ ہوتا ہو تو ہم اس کے خلاف کچھ نہیں کہینگے۔ مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے خدا کے ساتھ کسی امر کا فیصلہ یا عہد کرنا ہو تو وہ خفیہ طور پر کرے۔ اگر نادی کی آگاہی کے لئے ہاتھ اُٹھایا جاتا ہے تو کیوں شخصی ملاقات کے ذریعے سے اُس کو اپنی نیت اور ارادے کا یقین نہ دلایا جائے؟ جہانتک ہم نے دیکھا ہے جوش میں آ کر ہاتھ اُٹھانے کا نتیجہ عموماً دیرپا نہیں ہوتا۔

کنونشن کے بعض موقعوں پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم دنیا کے دھندوں سے نجات پاکر روحانی فضا میں پرواز کر رہے ہیں مگر واپس لوٹ کر پھر وہی پرانی مشکلات اور آزمائشیں ہمارے سامنے آموجود ہوتی ہیں۔ اس کا ایک ہی علاج ہے کہ ہر حالت اور ہر کام میں دعا ہماری زندگی کا دم ہے۔ اگر ہم نے سہارنپور کنونشن سے یہ نہیں سیکھا تو ہمارا وہاں جانا بے فایدہ ہوا ہے۔

لنڈن میں بائیس روزانہ اخبار شائع ہوتے ہیں۔

پریشان خیالات

تین چار ماہ سے "مسیحی" اور دیگر اخبارات میں ایک نئے بشارتی اخبار کے اشتہار درج ہو رہے ہیں۔ ہمیں اس تحریک سے ہمدردی ہے اور ہم اپنے عزیز دوست پروفیسر برکت اللہ صاحب سے مخاطب ہو کر کہنے کو طیار ہیں کہ "آفریں باد بریں ہمت مردانۂ تو" اور "ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند" لیکن گستاخی معاف ہم تو سنتے آئے تھے کہ نور افشاں بھی اس کام پر مامور ہے۔ اب یہ نئے اخبار کی ضرورت کیا پڑ گئی۔ کیا نور افشاں اپنا فرض ادا نہیں کر رہا؟ کیا کلیسیا دو ایک جیسے اخبارات کی متحمل ہو سکتی ہے۔ یہیں کہا جائیگا۔ کہ یہ نیا اخبار مفت بانٹا جائیگا۔ نور افشاں کو چار روپیہ دیکر بہت کم غیر مسیحی پڑھتے ہیں۔ اس دلیل میں ضرور صداقت ہے۔ لیکن پنجاب ریلجس بک سوسائٹی کے ہینڈ بل کیا ہوئے۔ کیا وہ ہینڈ بل اخبارانہ صورت میں شائع ہو کر یہی کام زیادہ بہتر طور پر نہیں کر سکتے؟ بک سوسائٹی کے لئے یہ اچھا موقع ہے کہ پروفیسر برکت اللہ جیسے لایق اور غیر تمند نوجوان کی خدمات کا فایدہ اٹھا کر اپنے ہینڈ بلز میں نئی جان ڈال دے۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی کی کمیٹی کے ممبران اس پریشان خیال کو اپنے اگلے اجلاس کے اجنڈے میں رکھکر اسپر ضرور غور کریں اور اپنے غور و فکر کے نتیجے سے ہمیں محروم نہ رکھیں۔

اس ماہ کے شروع میں پنجاب ریپریزنٹیٹو کونسل (Representative Council) آف مشنز کا نواں سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ ایک طور پر یہ اس مجلس کا آخری اجلاس تھا۔ کیونکہ آیندہ سے اس کا نام "پنجاب کی مسیحی کونسل" میں مبدل ہو گیا ہے۔ اس نام کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس کے آئین بھی بدل گئے اور اب یہ جماعت مشنری سوسائیٹیوں اور کلیسیاؤں کی مشترکہ ترجمانی کا حق ادا کریگی۔ اگر اس کے معنے یہ ہیں کہ کالے گورے کی تفریق کم ہونے والی ہے۔ تو زہے قسمت۔ ورنہ علیحدہ علیحدہ ڈیڑھ اینٹ کی

مساجد ہی بہتر ہیں۔ اتنا فرق تو ضرور ہو گیا ہے کہ اس مجلس کی نظامت ایک ہندوستانی
کے سپرد کی گئی ہے۔ اور اس کے شرکا کم از کم نصف ہندوستانی ہونگے۔ ہم اس امر کو خوشگوار
زمانہ کا پیش خیمہ سمجھکر تہ دل سے اس نئی کونسل کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور امیدوار ہیں کہ
وہ اسم با مسمیٰ پہلے سے زیادہ "مسیحی" کونسل ثابت ہوگی +

سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے اعداد ہمارے لئے یہ فرحت افزا مژدہ لائے ہیں کہ پنجاب
میں مسیحی جماعت کی تعداد میں ۹۲ فیصدی کا اضافہ ہو گیا ہے اور اب تین لاکھ سے زیادہ
مسیحی اس صوبے میں آباد ہیں۔ سیاسی پہلو سے ہم اس خبر کو "فرحت افزا مژدہ" سمجھتے ہیں
کیونکہ جبتک ہماری تعداد اس قابل نہ ہوگی جسکو نظر انداز کیا نہ جا سکے۔ تب تک ہندو
اور مسلمان جماعتوں سے ہمیں انصاف کی امید نظر نہیں آتی۔ ہندوستان کے حصول سوراجیہ
کی خواہش اگرچہ نہایت جایز ہے اور ہم ہندوستانی مسیحیوں کو جایز حدود کے اندر اس کا
ساتھ دینا چاہئے۔ تاہم ہم سے یہ امر مخفی نہیں کہ ہماری جماعت کو سخت مشکلوں کا سامنا
کرنا پڑیگا۔ ہمارے امتحان کے دن نزدیک آتے جاتے ہیں۔ لیکن یہ روز افزوں تعداد اپنے
میں عظیم خطرے لئے ہوئے ہے۔ کوئی زمانہ تھا کہ ہماری جماعت تعلیم میں سب سے آگے
قدم مارے ہوئے تھی۔ لیکن اب ہم کوسوں پیچھے ہیں۔ ہمارا اولین فرض یہ ہے کہ ہم اس جماعت
کی تعلیم کا فکر کریں۔ کیونکہ ہمارا مستقبل نہ صرف تعداد پر منحصر ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ
ہماری تعلیمی اور اقتصادی حالت پر مبنی ہے اس لئے ہم اپنی کلیسیاؤں اور مشنری سوسائٹیوں
پر زور ڈالیں کہ وہ اس اہم فرض کو مقدم سمجھیں۔ اور بجائے غیر مسیحیوں کے لئے بڑے بڑے
کالج قائم کرنے اور دیگر قسم کے انسٹیٹیوشن بنانے کے وہ پہلے مسیحیوں کی خبر گیری کریں تاکہ
آنیوالی جدوجہد میں ہماری جماعت کہیں کچل نہ جائے +

امرتسر کے واقعات ہماری آنکھیں کھولنے کا باعث ہوئے ہیں۔ جس ہندو و مسلم اتحاد
پر فخر کیا جاتا تھا۔ وہ محض ایک افسانہ ثابت ہوا۔ خدا ایسے سوراجیہ سے ہمیں بچائے جس میں

ایک جماعت دوسری جماعتوں پر حکمرانی کریگی۔ جبتک قومیت کی لہر ہمارے جماعتی اور مذہبی جذبات پر کلیتہ غلبہ نہ پا جائے۔ سوراجیہ محض ایک خواب ہے۔ ہندوستانی مسیحی جماعت کے لئے یہ عمدہ موقع ہے کہ وہ ظاہر کردے کہ وہ قومی مفاد کو جماعتی مفاد پر ترجیح دیتی ہے۔ اور جداگانہ نیابت کے اصول کو مضر سمجھتی ہوئی اُسکے خلاف جنگ کرنے کو تیار ہے +

سننے میں آیا ہے کہ پچھلے ہفتے مسٹر فریزر جو کہ ایشیا بھر میں لاثانی معلم سمجھے جاتے ہیں لاہور [illegible] اور بٹالہ لدھیانہ اور دہلی میں مسیحی بورڈنگ سکولوں کی حالت دیکھکر اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہماری جماعت کی تعلیم میں بہت کچھ نقص ہیں جو کہ دور ہو سکتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ بجائے علیحدہ علیحدہ ڈفلی بجانے کے ایک ایسے متحدہ مسیحی سکول کی بنیاد ڈالنی چاہیئے۔ جو کہ نہ صرف اعلےٰ تعلیم کا مرکز ہو بلکہ جسکے مسیحی اثرات دور دراز تک پہنچ سکیں۔ بیرنگ ہائی سکول بٹالہ ایک پرانا سکول ہے جسپر کلیسیا کو برسوں تک بجا ناز رہا ہے۔ لیکن ہمیں چند ماہ ہوئے جب اس سکول کو دیکھنے کا موقعہ ہوا۔ تو ہمارے دل کو نہایت درد ہوا۔ سکول مذکور کے پرنسپل ہمیں معاف فرما دینگے اگر ہم یہ کہنے کی جرأت کریں۔ کہ فی الحال بٹالہ سکول تعلیمی طور پر محض ایک دوم درجہ کا سکول ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ سب سے تجربہ کار اور ہوشیار مشنری یا ہندوستانی اُس سکول کا ذمہ وار ہوتا لیکن صورت حال یہ ہے کہ ایک نوجوان۔ ناتجربہ کار۔ اعلےٰ تعلیمی معیاروں سے ناواقف صاحب کو وہاں کا پرنسپل بنایا گیا ہے۔ یہ الفاظ لکھتے ہوئے پریشان خیال اپنی ذمہ واری کو پورے طور سے محسوس کرتا ہے لیکن حق کا انکشاف لازمی ہے ہم کسی کا دل دکھانے کی نیت سے یہ سطور نہیں لکھ رہے بلکہ خلوص دلی سے اپنے خیالات کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ تاکہ جماعت کی بہتری کے ذرائع نکل سکیں۔ لیکن بٹالہ اور دیگر مسیحی سکولوں کے دوم درجہ کے سکول ہونیکی بڑی وجہ روپیہ اور ذرائع کی کمی ہے۔ اگر تمام سکول ملکر ایک بن جاویں۔ تو بہ ضرورت ذرائع مہیا ہو سکتے ہیں۔ اور بہتر معلم بھی ایسے مل جائینگے جو کہ قابلیت اور مسیحی چال چلن کے لحاظ سے قابل تحسین سمجھے جائینگے۔ ہماری دعا ہے کہ کوئی راستہ ایسا نکل آئے جس سے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانا ممکن ہو جائے۔ تاکہ ایکطرف تو مسیحی اتحاد کی نئی صورت نکل آئے دوسری طرف پنجاب میں ایک ایسا مسیحی سکول قائم ہو جائے جو مسیحی لیڈر پیدا کر سکے + پریشان خیال

اکبر اور مسیحی مذہب

اکبر بادشاہ ہندوستان کی تواریخ میں ایک نرالا درجہ رکھتا ہے گو وہ وسط ایشیا کے خاندان مغلیہ میں سے ایک پردیسی آدمی تھا اور مذہب اسلام کا پیرو تھا اور ہندوستان پر بحیثیت فاتح ہونے کے قابض تھا تو بھی وہ اِس ملک کے لوگوں کے ساتھ ایسا شیر و شکر ہو گیا کہ وہ یہیں کا باشندہ بن گیا۔ اکبر کا قصہ اِس ملک میں دلچسپی اور فخر کیساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ اسکے جنگی کارنامے اور نظامِ سلطنت اُس کا قانونی اور مالی نظم و نسق اُسکی نئی نئی عمارات نہ فقط ہندوستانیوں کیلئے بلکہ غیر ممالک کے مشہور سیاحوں اور عالموں کیلئے باعث استعجاب و حیرت ہیں۔ چار صدیوں کا عرصہ بہت سے بڑے بڑے نامی آدمیوں کا نشان صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے کافی ہے مگر اِس بڑے بہادر اور صاحبِ اقتدار بادشاہ کی یاد اس زمانۂ مدید کے بعد دلوں میں اب تک تازہ ہے۔ فی الحقیقت ہندوستان کی تواریخ میں شاید ہی کوئی دوسرا بادشاہ ہوا ہو جو ہندوستان کی وسیع مملکت پر حکمران رہا ہو اور ایسا عالیشان درجہ رکھتا ہو جیسا جلال الدین محمد اکبر کا ہے۔ اکبر اعظم کی نسبت صحیح اندازہ لگانے میں اُس کے عام معرکوں اور ملکی کارناموں کے علاوہ اُسکی شخصی زندگی اور سیرت پر بھی نظر ڈالنا چاہئے اُس کی خوش اخلاقی اور اس کا مذہبی معاملات میں صلحِ کُل ہونا اپنے اعدا کی نسبت عالی حوصلگی اس کا مذاقِ سلیم اور خوش طبعی اُس کی ہنر پروری اور موسیقی کا شوق اور اُس کی وسیع خیالی کو ہندوستان میں بچہ بچہ جانتا ہے اور انہی صفات سے اُس کا نام روشن ہے۔ مگر اکبر کی زندگی میں مذہبی صداقت کی سرگرم جستجو سے بڑھ کر شاید اور کوئی صفت دل کو فریفتہ کرنے والی نہیں ہے۔ ایک ایسے بڑے بادشاہ کے لئے جو دن بھر اہم ملکی معاملات میں مشغول رہتا ہو اور ایک ایسے جنگی بہادر کیلئے جس کو مجبوراً اپنے لڑکپن سے زندگی کے بہت سے برس فوجی مہموں میں صرف کرنے پڑے ہوں اپنے دار الخلافہ میں رہتے ہوئے ہفتے میں باقاعدہ

چند گھنٹوں کے لئے دینی ہادیوں اور مختلف مذاہب کے پیشواؤں کیساتھ مباحثہ میں لگے رہنا ایک ایسی نظیر ہے جو دنیا کی تواریخ میں لاثانی ہے۔ اُس کا مُدعا یہ تھا کہ اِس طور پر ایک عالمگیر مذہب کی بُنیاد رکھے جو مقبول عام ہو۔ اِس رُخ پر اکبر کی کوششوں کے حالات اُس زمانہ کی تواریخ میں پائے جاتے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے ایک بات میں یہ بیانات اُدھورے رہ گئے ہیں۔ اُن میں یہ نہیں بتایا گیا کہ مسیحی مذہب کی نسبت اکبر کا صحیح اندازہ کیا تھا۔ اور کہ اُس نے اپنے زمانہ کے مسیحی پریسبٹوں سے اس مذہب کی بابت تعلیم حاصل کرنے کیلئے کیا کیا جدوجہد کی حال ہی میں اُن ایام کے بعض خطوط اور پرتگیز کیتھولک پادریوں کے روزنامچے دریافت ہوئے ہیں جن سے عوام پر اس معاملہ کی نسبت حالات روشن ہو گئے ہیں ان کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ دربار مغلیہ میں اول مسیحی مشن کا آغاز اس طور پر ہوا کہ ۱۵۷۲ء میں گوآ کے حاکم ڈون انٹونیو نے انٹونیو کبرالی کو معہ چند پرتگالی اہلکاروں کے بطور سفیر کے اکبر کے دربار میں بھیجا۔ اُن کے دورانِ قیام میں بادشاہ ان مسیحیوں کی اعلیٰ سیرت اور لطافتِ طبع سے نہایت متاثر ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد بنگال میں دو پرتگالی مشنریوں کی اعلیٰ خدمات کی خبر اُسکے کان تک پہنچی۔ اس سے اُس کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ مسیحی مذہب کی بابت زیادہ تعلیم حاصل کرے۔ چنانچہ ۱۵۷۸ء میں اُس نے کوچین کے بشپ فادر پریرا کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ بشپ صاحب فتح پور سیکری میں آکر کچھ عرصہ تک رہے اور اپنے عارضی قیام میں اسلام کے مسائل پر بحث مباحثہ کرتے اور مسیحی مذہب کے حقائق کو واضح کرتے رہے۔ ان مباحثوں میں بادشاہ کی دلچسپی بہت بڑھ گئی اور اُس نے درخواست کی کہ چند قابل مسیحی ماہران علم الٰہی اُس کے دربار میں بھیجے جائیں۔ بشپ صاحب نے صلاح دی کہ اسکی نسبت گوآ کے سینٹ پولس کالج سے خط و کتابت کرنی چاہئے۔

۱۵۷۹ء میں اکبر نے اپنے قاصد عبداللہ کو ایک آرمنی مسیحی ڈومینک پریز

کے ساتھ گوآ کے حاکم اور بشپ کے پاس خط دیکر روانہ کیا۔ یہ خط نہایت شائستہ الفاظ میں قلمبند کیا گیا تھا۔ اُس میں بادشاہ نے لکھا کہ مجھے مسیحی مذہب میں گہری دلچسپی ہے اور یہ میری دلی تمنا ہے کہ اُس کی بابت زیادہ علم حاصل کروں۔ اُس نے بشپ سے درخواست کی کہ میرے قاصدوں کے ہمراہ چند عالم پادریوں کو بھیجدیں جو اپنی مذہبی کتابوں کو لاکر مجھے مسیحی مذہب کی خوبی اور صداقت کی تعلیم دیں۔ بادشاہ نے یہ بھی یقین دلایا کہ اس تعلیم کے بعد اُن پادریوں کو کھلے ہاتھ انعام واکرام دئے جائیں گے اور جب اُن کی مرضی ہو وہ ضروری بدرقہ کے زیر حفاظت واپس لوٹ سکتے ہیں ؛

گوآ کا حاکم پہلے تو پادریوں کو بھیجنے پر رضامند نہ ہوا مگر آخرکار فیصلہ کیلئے معاملہ بشپوں کے سامنے پیش کیا اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ بادشاہ کی درخواست منظور کی جائے اور تین لائق آدمیوں کو سفارت کے لئے منتخب کیا یعنی فادر روڈالف اقویوا اور فادر انٹونی مونٹ سیرٹ اور فادر فرانسیس ہنریقیس کو جو محمدیوں میں سے نومرید اور فارسی زبان میں یکتا عالم تھا ؛

اس جماعت کا پیشوا فادر روڈالف اٹلی کے ڈیوک کا بیٹا تھا اور اٹلی کے شہر ابرتزی میں ۱۵۵۰ء میں پیدا ہوا تھا سو جب وہ دربار مغلیہ میں پہنچا تو اُنتیس برس کی عمر کا تھا۔ وہاں وہ تین برس تک رہا۔ اُس کی کمال تقویٰ شعار اور سادہ زندگی اور مسیحی صداقتوں کی اعلیٰ تفسیر نے اکبر بادشاہ کے دل کو موہ لیا۔ مغلیہ دربار سے لوٹ کر سلسٹ کا مشن اُس کے سپرد کیا گیا جہاں وہ اپنے مذہب کی خاطر ۱۵۸۳ء میں شہید ہوا چند صدیوں کے بعد ۱۹۰۳ء میں پوپ نے اُس کو سینٹ (ولی) قرار دیا ؛

۱۷ نومبر ۱۵۷۹ء میں یہ مسیحی پریسیٹ شاہی قاصدوں کے ساتھ دارالسلطنت کی طرف سورت کے راستے سے جو اُس وقت ایک بڑا بھاری بندرگاہ تھا روانہ ہوئے سورت سے اُنہوں نے خشکی کا راستہ اختیار کیا اور فوج مغلیہ کا ایک دستہ

رہزنوں سے حفاظت کیلئے ہمراہ لیا۔ اور دریائے نربدا اور تاپتی کو عبور کر کے قدیم شہر منڈو میں پہنچے۔ اس کے وسیع کھنڈرات پتہ دیتے تھے کہ وہ زمانہ ماضی میں کیسا عالیشان شہر ہوگا۔ آخر اُجین میں سے گذر کر جو اپنی قدیم عظمت سے گر کر محض ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا تھا اور بہت سے قصبوں اور دیہات میں سے ہوتے ہوئے وہ بتاریخ ۲۸ فروری فتح پور سکری میں آپہنچے۔ فادر مونٹ سیرٹ رستے میں بیمار ہوکر نارور میں رہ گیا۔ اس کو حکم تھا کہ صحت یابی کے بعد سفر کے لئے روانہ ہوجائے دارالخلافہ میں پہنچنے پر ایک خاص افسر نے مہمانوں کی خاطر تواضع کی اور چند روز کے بعد اُنہوں نے شاہی دربار میں باریابی کا شرف حاصل کیا۔

جب اُن پادریوں نے شاہی دربار کے عجیب جاہ و جلال اور شوکت و جمال کو دیکھا تو وہ دنگ رہ گئے۔ اُنہوں نے یورپ کے کسی بادشاہ کے دربار میں اس قسم کا منظر کبھی دیکھا نہ تھا۔ وہ شہر جو باوجود صدیوں تک اُجاڑ پڑے رہنے کے اب بھی دیکھنے والوں سے اپنے اعلیٰ درجہ کے خوبصورت کھنڈرات کیلئے خراج تحسین حاصل کرتا ہے۔ اپنے شاہی بانی کے زیر سایہ عظمت کے معراج پر تھا۔ اُس کی بے شمار عمارات مساجد فواروں اور باغات کی دلفریب خوبصورتی نے اس شہر کو ایک پری بنا رکھا تھا۔ دیوان عام میں سنگ مرمر کے چبوترے پر بادشاہ کیلئے وہ شاہی تخت رکھا تھا جو طلائی کامدار مخمل سے مڑھا ہوا تھا۔ اُسکے اردگرد میں شاہزادے نفیس پوشاک زیب تن کئے ہوئے متمکن تھے بادشاہ قریب چالیس برس کی عمر کا معلوم ہوتا تھا اور اُسکے گورے رنگ سے شبہ ہوتا تھا کہ وہ جنوبی یورپ کا آدمی ہے۔ وہ نہایت عالیشان زرین لباس سے ملبس تھا جس کے کناروں پر مختلف قسم کی نفیس گلکاری کا کام تھا۔ اس کا عمامہ ہندو وضع کا تھا جو قیمتی جواہرات سے مزین تھا۔ وہ مسلمانوں کی طرح پاجامہ نہیں پہنتا تھا بلکہ نہایت باریک ریشمی دھوتی پہنے ہوئے تھا جو ٹخنوں کے پاس دو موتیوں کی جڑاؤ چوڑیوں کے ذریعہ سے سمیٹی ہوئی تھی۔ اُس کا سینہ بیش قیمت آبدار جواہرات سے آراستہ

تھا۔ اُس کی پاپوش نرالی وضع کی تھی جو اُس کی اپنی ہدایات کے مطابق بنائی گئی تھی اُسکی تلوار پیٹی سے بندھی ہوئی تھی اور اُس کی خدمت میں نقیب اپنی اپنی کمان اور تیروں اور ہتھیاروں کو لٹکائے کھڑے تھے۔ اُس کے پاس چند زود نویس اُس کے احکام کے قلمبند کرنے میں مصروف تھے۔

اکبر مسیحی پادریوں سے مل کر نہایت خوش ہوا اور رات کے دو بجے تک اُن سے گفتگو کرتا رہا۔ جب وہ گھر کو واپس گئے تو بادشاہ نے بہت سا روپیہ اُن کو بھیجا فادر روڈ الف نے وہ رقم یہ کہہ کر لوٹا دی کہ چونکہ ہم نے اپنی رضا و رغبت سے اپنے مذہب کی خاطر افلاس کو اختیار کر رکھا ہے اس لئے ہم سوائے ضروری گذارے کے اور کچھ لے نہیں سکتے۔ ڈومینک پریرہ مہمانوں کی خاطر تواضع کے فرائض ادا کرنے پر مقرر کیا گیا۔ اور اُس نے ان فرائض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔

(باقی دارد)

ترجمہ (از گارڈین)

کوریا میں لڑکیوں کے اصلی نام رکھے نہیں جاتے۔ اکثر اوقات اُنکو چھوٹی سوئرنی یا کُتیا یا کھونٹی کہہ کر بُلایا جاتا ہے۔ اگر اُن کی طرف اشارہ کرکے ان کا ذکر کرنا ہو تو اُنکو "پہلی" "دوسری" "آخری" کہا جاتا ہے۔

ذکر ہے کہ کسی گرجے کے دروازے پر گرجے کا ایک عہدیدار کھڑا آنیوالوں کا خیر مقدم کر رہا تھا وہاں ایک بڑھا پھٹے پُرانے کپڑے پہنے آگیا۔ دیکھنے میں وہ ایک کم عقل آدمی معلوم ہوتا تھا۔ عہدیدار نے اُسے دیکھ کر کہا کہ تم اجنبی ہو میں تمہیں نہیں جانتا۔ اس آدمی نے جواب میں استفسار کیا کہ کیا تم خداوند یسوع مسیح کو جانتے ہو؟ اُس نے کہا کہ جانتا ہوں بڈھے نے کہا کہ وہ میرا بھائی ہے۔ فی الحقیقت گرجا کوئی ہوٹل نہیں بلکہ گھر ہے جہاں اجنبی لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

مقدس اگسٹن کے اقرارات

یہ بزرگ چوتھی صدی مسیحی میں ایک مشہور مسیحی فلسفر ودیندار الہیات کا عالم ہوا ہے۔ آج بھی اُس کی وہی عزت ہے۔ جو ابتدائی زمانہ میں تھی۔ بہت سی مسیحی کلیسائیں آج تک اُس کے خیالات کی پیرو ہیں۔ واقعی اپنے زمانہ کا ایک یکتا عالم تھا۔ آج بھی اُس کی تصنیفات کو دیکھ کر مسیحی علما اُس کی علمیت کا لوہا مانتے ہیں۔ اُس کی تصنیفات عموماً یونانی اور لاطینی میں ہیں۔ اُن کا ترجمہ یورپ کی قریباً سب زبانوں میں ہے۔ بدقسمتی تو ہندوستانی زبان کی ہے جو محروم ہے۔ یقیناً ایک زمانہ قریب آرہا ہے۔ کہ کلیسیا بزرگان سلف کے کارناموں کو ہندوستانی لباس پہناویگی۔ پادری بخبراخی عابد مسیح صاحب نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے کہ اپنے رفاقت کے حالات سے (اگرچہ مختصر) بذریعہ نورافشاں ناظرین کو مستفیض فرمایا ہے۔ جزاک اللہ۔

زمانہ سلف کے بزرگوں کی تصنیفات روحانیت کا بہت بڑا خزانہ ہے جو جانفشانی اُن بزرگوں نے بدعتیوں کے خلاف کی ہے۔ وہ طلباء الہیات کے واسطے بیش بہا خزانہ ہے۔ بہت مدت ہوئی کہ مقدس اگسٹن کے اقرارات کی کتاب میری نظر سے گذری۔ مگر اسوقت چونکہ میرا جوانی کا عالم تھا۔ وہ کتاب میری نظر میں دلچسپ نہ معلوم ہوئی۔ دوچار فصلیں پڑھ کر میں نے چھوڑدی۔ ان دنوں چونکہ کوئی کتاب میرے مطالعہ میں نہ تھی۔ اُسی کو اپنے پُرانے ذخیرہ میں نکالکر پڑھنا شروع کیا۔ دوچار فصلیں پڑھکر میری حیرت کی کچھ حد نہ رہی۔ ایسی دلچسپ مفید روحانی کتاب سے میں اب تک محروم رہا۔ ایسا خزانہ میری الماری میں چھپا پڑا رہا۔ جُوں جُوں میں پڑھتا تھا۔ توں توں میرا شوق بڑھتا گیا۔ ایسی عجیب کتاب۔ ایسی مفید کتاب اس کا کبھی ذکر کنونشنوں میں بھی سُننے میں نہ آیا۔ یہ کتاب کنونشنوں کی بے خطا ہادی اور زبردست استاد ہے کیسے عجیب طریقہ

پر صفائی اور سچائی سے اپنے حالات بیان کرتا اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ کس طرح اگسٹن کو اپنے بچپن سے نئی زندگی کے حاصل ہونے تک کے ذرا ذرا سے حالات معلوم تھے جو بے کم و کاست اُسنے تحریر کئے۔ اگر یہ الہامی کتاب نہ بھی مانی جائے۔ تاہم یہ ماننا ضرور پڑیگا کہ خدا کی روح کی مدد سے لکھی گئی۔ روحانی مذاق والے اِس سے مؤثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بچے جوان۔ بوڑھے مرد عورت اس سے اعلےٰ روحانی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اگسٹن کی نظر میں اپنی والدہ کی عزت کسقدر تھی باوجود بے دین ہونیکے اُس نے اپنی دیندار والدہ کی کبھی تحقیر نہ کی۔ ایک دفعہ دھوکا تو دیا مگر اُس کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکا جسطرح اگسٹن مسیحی جوانوں کے واسطے نمونہ ہے۔ ویسے ہی مقدس والدہ مونیکا مسیحی ماؤں مسیحی جوروؤں مسیحی بہنوں کے واسطے مسیحی طبیعت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ مقدس اگسٹن اقرار کرتا ہے کہ میں جو کچھ ہوں صرف اپنی والدہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہوں *

میں بڑے زور سے سفارش کرتا ہوں کہ مسیحی جوان اس کتاب کو ضرور پڑھیں مضمون میں اگسٹن کو اپنا نمونہ سامنے رکھیں۔ انگریزی خواں انگریزی میں اسکا مطالعہ کریں۔ اردو خواں اردو میں۔ ہم شکرگذار ہیں پادری ہیولٹ صاحب کے جنہوں نے گذشتہ صدی کے نصف میں اسکا ترجمہ شائع کیا۔ کتاب کی خوبیوں کے سامنے ترجمہ بالکل غیر محاورہ اور پھیکا ہے۔ تاہم مترجم کی ہمت قابل داد ہے کہ جیسا کچھ ہو سکا۔ اُنہوں نے کیا۔ اور مرزاپور کے ٹائپ پریس میں اسکو چھپوایا۔ کاشکہ کوئی خدا کا بندہ موجودہ فصیح اردو میں ترجمہ کرے۔ اور پنجاب ریلجس بک سوسائٹی اسکو چھپوائے کلیسیا پر بڑا ہی احسان ہوگا اگرچہ یہ ایک ضخیم کتاب ۳۶۲ صفحہ کی ہے اخراجات کا متحمل ہونا مشکل۔ تاہم خیال کرنا چاہئے کہ جس زمانہ میں یہ ترجمہ ہوا اُسوقت پڑھنے والے کسقدر تھے اور اب کلیسیا لاکھوں کی تعداد میں ہے۔ جو صرف اُردو پڑھ سکتے ہیں۔ کاشکہ میری آواز کارپردازان ریلجس بک سوسائٹی کے کانوں تک پہنچے۔ اور میں اپنی زندگی میں اسکی دوسری طبع بیٹھے میں دیکھ سکوں *

مرقومہ
واعظ

ہماری معاشرتی زندگی اور ہمارے فرائض

(۳)

گذشتہ مضمون میں ہم نے تحریر کیا تھا کہ ہماری فطرت کا تقاضا ایک دوسرے سے ملاقات کرنا ہے اور ہم اس قدرتی خواہش کو ایک دوسرے سے مل کر ادا کرتے ہیں۔ خدائے پاک نے یہ خواہش ہمارے دلوں میں پیدائش ہی سے ڈال رکھی ہے پس لازم اور مناسب ہے کہ ہم اس خواہش کو خدا کے جلال اور اُس کی خدمت میں پورا کریں۔ لیکن ہماری معاشرتی زندگی یہ ثابت کرتی ہے کہ ہم اس خواہش کا ناجائز استعمال کرتے ہیں۔ اپنے برابر کے اشخاص سے ملنا اور اعلیٰ طبقہ کے اصحاب سے ہی ملاقات کی کوشش کرنا ہماری معاشرتی زندگی کا اصل الاصول ہے۔ غریبوں۔ بیماروں۔ یتیموں۔ لاوارثوں۔ جاہلوں۔ محتاجوں سے کنارہ کشی کرنا اور اُن کی طرف نظر حقارت سے دیکھنا ہماری سوسائٹی کے ابتدائی سبق ہیں۔ اجنبیوں اور مسافروں سے سردمہری سے پیش آنا ہمارے معاشرتی قوانین کی الف۔ ب ہے۔ گذشتہ مضمون میں ہم نے دیکھا تھا کہ خداوند مسیح کے اقوال و افعال اُن قوانین کے عین نقیض تھے۔ اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری سوسائٹی فی الواقع مسیحی سوسائٹی ہو۔ تو ہم پر واجب ہے کہ ہم خداوندی اصول پر چلیں۔ خواہ وہ ہمارے معاشرتی اطوار کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم کو انسان سے نہیں بلکہ خدا سے ڈرنا چاہئے۔ ہمارے چند ایک ہادیانِ دین نے کچھ عرصہ ہوا یہ تجویز کی تھی کہ ہر ایک بڑے شہر میں سربرآوردہ اشخاص غریب مسیحیوں کے گھروں میں جائیں اور ان سے مل جل کر راہ و رسم پیدا کریں۔ تاکہ مسیحی اخوت عملی طور پر مسیحی جماعت میں ظہور پذیر ہو۔ جماعت کے اکابر نے اس تجویز پر غور کر کے اس کو سراہا۔ ایک شہر کی مختلف حصوں میں تقسیم بھی کی گئی اور ایک ایک حصہ ایک ایک صاحب کے سپرد کر کے اس کو اُس کے حصہ کا ذمہ دار بھی ٹھیرا دیا گیا۔ تجویز معقول۔ مقصد اچھا۔ لیکن عمل

کون کرے۔ سوسائٹی اور "ایٹی کیٹ" ایکطرف خداوند مسیح دوسری طرف۔ ایک کا حکم یہ ہے کہ غربا سے مت ملو اور نہ ہی اُن سے کسی طرح کا برتاؤ رکھو۔ خداوندی فرمان یہ کہ "ہمارے خدا اور باپ کے نزدیک پاک اور بے عیب دینداری یہ ہے کہ یتیموں اور بیوہ عورتوں کی مصیبت کے وقت اُن کی خبر لیں"۔ معاشرتی حکم یہ کہ غریبوں اور محتاجوں کو نظر حقارت سے دیکھو اور خداوندی فرمان یہ کہ "عزت کی راہ سے ایک دوسرے کو بہتر سمجھو"۔ "جس کسی پاس دنیا کا مال ہو اور وہ اپنے بھائی کو محتاج دیکھے اور اپنے تئیں رحم سے باز رکھے تو خدا کی محبت اُس میں کیونکر رہتی ہے۔ میرے بچو چاہیئے کہ ہم کلام اور زبان سے نہیں بلکہ کام اور سچائی سے محبت رکھیں"۔

علم الاخلاق کا یہ اصول ہے کہ حقوق کے ساتھ فرائض وابستہ ہیں۔ جہاں آپ حقوق دیکھیں گے وہاں فرائض بھی ہونگے اور جہاں فرائض ہونگے وہاں حقوق آپ کو ملیں گے۔ مثلاً بچوں کا فرض ہے کہ "اپنے ماں باپ کی ہر ایک بات میں فرمانبرداری کریں" (کلسی ۳۰)۔ لیکن ان کا یہ حق ہے کہ ان کو انکے والدین "دق نہ کریں" (۲۱ آیت) والدین کا فرض ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کریں۔ آقاؤں کا حق ہے کہ نوکر کمال ادب سے "اُن کے تابع رہیں" (۱ پطرس ۲۸)۔ لیکن اُن کا فرض ہے کہ نوکروں کے ساتھ عدل اور انصاف کریں (کلسی ۴۱)۔ رعایا کا حق ہے کہ وہ مناسب طور سے چین اور آرام کے ساتھ زندگی گذارے (۱ تمطاؤس ۲)۔ لیکن اُس کا فرض ہے کہ "حاکموں کے تابع رہے" (رومیوں ۱۳)۔ اسی طرح سرکار کا حق ہے کہ رعایا "حاکم کی مانیں" (طیطس ۳)۔ لیکن حکام کا فرض ہے کہ تلوار بے فائدہ نہ باندھیں بلکہ رعایا کی بہتری کے لئے خدا کے خادم بنے رہیں (رومیوں ۱۳)۔

مندرجہ بالا مثالوں سے ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہو گا کہ جملہ حقوق فرائض کیساتھ وابستہ رہیں اور ہم ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے۔ مثلاً اگر کوئی بچہ یا نوکر یا رعایا صرف اپنے حقوق کا ہی خیال رکھے اور فرائض کو بالائے طاق رکھ دے تو سخت غلطی میں مبتلا ہو گا۔ یا اگر سرکار اپنے فرض کو قطعی فراموش کر کے رعایا کے

کے فرض پر اصرار کیے اور اس کی حق شناسی نہ کرے تو پرلے درجے کی حماقت کا مرتکب ہوگی۔

آمدم برسر مطلب۔ ہر انسان کا اس قدرتی خواہش کی وجہ سے جو خدا نے اس کی فطرت میں ڈال دی ہے یہ حق ہے کہ دوسروں سے ملاقات کرے اُن سے گفتگو کرے اور ملنے جلنے سے لذت اٹھائے۔ اور جو شخص بغیر کسی وجہ کے کسی کو اس حق سے باز رکھتا ہے وہ خدا اور انسان کی نظروں میں گنہگار ہے۔ لیکن اس حق کے ساتھ ہی فرض بھی وابستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جن کے ساتھ اُس کی میل ملاقات ہو وہ اُن کی مدد کرے۔ اُن کی حاجت کے وقت طوطا چشمی نہ کرے۔ بلکہ اُن کے کام آئے اُن کی بہبودی میں سدِ راہ نہ ہو۔ بلکہ اُن کی ترقی کا خواہاں رہے۔ اُن سے حقیقی محبت کرے اور دینی اور دنیاوی امور میں ان کا ہادی دوست اور بہی خواہ بنا رہے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو اس فرض کو فراموش نہیں کرتے۔ چند روز ہوئے میرے ایک عزیز دوست نے ایک مجمع (پارٹی) میں جہاں ایک شہر کے مسیحی اصحاب جمع تھے کہا کہ اگر خدانخواستہ کل مجھ پر مصیبت آپڑے اور میری جاہ و حشمت میں کمی واقع ہو جائے تو کیا یہ مجمع جو آج میرے ساتھ ہاتھ ملانا اپنا فخر خیال کرتا ہے میرے ساتھ یہی سلوک کریگا۔ اس میں سے کتنے اصحاب ہوں گے جو اس حالت میں کبھی میرے گھر کے نزدیک پھٹکنے کی تکلیف بھی گوارا کریں گے۔

ہم میں سے بہت اصحاب ہیں جن کو ایسے مجمعوں میں اتنی دفعہ بلایا جاتا ہے کہ اُن کو اس بات کا باقاعدہ روزنامچہ بنانا پڑتا ہے۔ اگر آج چاء پانی ہے تو کل کھانا ہے۔ اگر دو بجے کسی سے ملاقات ہے تو چار بجے پارٹی ہے اور سردیوں کا موسم اسی شغل میں گذر جاتا ہے اور اس شغل کی تھکاوٹ کو اتارنے کے لئے موسم گرما پہاڑوں میں کاٹنے کی ضرورت پڑتی ہے اور وہاں بھی اس شغل سے نجات نہیں ملتی۔ لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جن کے ذہن میں ان

حقوق کے فرائض کا خیال بھی پیٹنگ پاتا ہو۔ ان فرائض کا وجود کبھی ہمارے خواب میں بھی نہیں آتا۔ لیکن اگر ہم ان حقوق کا جائز طور پہ استعمال کرنا چاہتے ہیں تو صرف فرائض کو مدِنظر رکھ کر ہی کر سکتے ہیں اور اگر ہم اُن فرائض کو پہچانیں جو اس فطرتی خواہش کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور اُن پر عمل بھی کریں۔ تو مسیحی اخوّت (جو ہماری کلیسیا میں ان دنوں نظر نہیں آتی) ایک حقیقت ہو جائے گی ❊

(باقی دارد)

برکت اللہ مشن کالج لاہور

نیو آرلینس کا ایک پریسبٹیرین جوان جنگ میں بحری بے تار خبر رسانی کے محکمے میں نوکر تھا۔ ایک روز علی الصبح وہ رات کی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر آرام کر رہا تھا اور کام بند تھا۔ اُس وقت وہ تئیسواں زبور پڑھ رہا تھا۔ اچانک اُس کے دل میں خیال آیا کہ اس زبور کو سمندر کی طرف بھیج کر دیکھیں کہ کسی جہاز میں سنائی دیتا ہے یا نہیں۔ یہ سوچ کر اُس نے وہ زبور سطح سمندر پر بھیج دیا اور جب وہ تمام کر چکا تو سولہ جہازوں سے اُسی بے تار خبروں کے آلات کے ذریعے سے "آمین" کی آواز آئی۔

جذامیوں کے لئے مشن کے تمام جذامی خانوں میں مریضوں کی تعداد ۶۰۰۰۰ ہے۔ جس میں سے زیادہ تعداد ہندوستان میں پائی جاتی ہے ❊

قید خانے میں تو پطرس کی نگہبانی ہو رہی تھی۔ مگر کلیسیا اُس کے لئے بدل و جان خدا سے دُعا مانگ رہی تھی (اعمال ۱۲/۵) اس لفظ "مگر" پر غور کرو۔ لفظ تو چھوٹا سا ہے مگر اس میں کس قدر مضمون بھرا ہے۔ یہ وہ کانٹا ہے جس سے معاملات کا رُخ دنیا سے خدا کی طرف بدل جاتا ہے۔ اس میں ایسی طاقت موجود ہے جس کا ہیرودیس اور اُس کے سپاہی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہیرودیس کے رستے میں دعا کی دیوار کھڑی ہو جاتی ہے ❊

میں گرجا کیوں جاتا ہوں

مارچ کے مسیحی میں یہ سوال کیا گیا ہے۔ اس سوال کا تعلق ہر ایک کی شخصیت سے ہے۔ فرداً فرداً ہر شخص اپنی نسبت جواب دے سکتا ہے۔ مجموعی طور پر جواب دینے کا حق کسی کو نہیں۔ اس طرح جواب بہت آسان ہے۔ کیا یہ جواب کافی نہیں کہ ہم گرجا میں عبادت کے واسطے جاتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ کافی نہیں۔

ذکر ہے کہ اتوار کے دن بوہیمیا کا بادشاہ گرجا میں آیا۔ جماعت بہت تھوڑی تھی۔ بعد عبادت بادشاہ نے پادری صاحب سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آج گرجا میں بہت کم لوگ ہیں۔ پادری صاحب نے جواب دیا۔ کہ گذشتہ اتوار گرجا میں نوٹس دیا گیا تھا کہ آئندہ اتوار بادشاہ سلامت گرجا میں نہیں آئینگے۔ اس واسطے لوگ نہیں آئے۔ اُن کو پتہ نہ تھا۔ کہ آپ جہاں جانے والے تھے نہیں گئے۔ اور گرجا میں آ گئے۔ بادشاہ نے فرمایا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ لوگ میری عبادت کرنے آتے ہیں۔

یہ تو اس سوال کا مجموعی جواب ہے۔ اسی کے مطابق شخصی جواب بھی لیجئے اتوار صبح کی عبادت کے وقت میں گرجا کو جا رہا تھا۔ راہ میں ایک بزرگ پادری صاحب کے فرزند ارجمند جو مشن کے ملازم تھے مجھے مل گئے۔ میں نے پوچھا کدھر بھاگے جا رہے ہو۔ جواب دیا کہ ایکدن بھی آرام نصیب نہیں ہوتا ہفتہ بھر تو کام میں مرتے رہتے ہیں۔ اتوار کو گرجا جان پر آفت ہے۔ میں نے کہا کہ مت جاؤ۔ فرمایا۔ تو کھائیں کہاں سے۔ آج نہ جاؤں تو کل ہی نوکری سے جواب ہے۔

ایک اور ہیں۔ چار یار ملکر گرجے شوق سے جاتے ہیں۔ چلو ذرا دو گھڑی گرجے میں دیدار بازی کا لطف اُٹھائیں۔

ایک اور فرقہ ہے۔ یہ علم و فصاحت کے دلدادہ ہیں۔ جب سُنا کہ فلاں شخص آج وعظ کریگا۔ اس کی سننے کو گرجا پہنچ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ سال میں ایکدو دفعہ

کسی تقریب پر کسی نئے شخص کی سُننے کو گرجا میں تشریف لے آتے ہیں ‌۔

ایک اور گروہ ہے جو بیگاری ہے۔ یہ خادمان دین کا گروہ ہے۔ جو بے پرواہ ہیں۔ گرجا سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر لاچار جاتے ہیں ۔

ہاں ایک اور گروہ ہے جس کی نسبت لکھا ہے۔ مبارک ہے وہ گروہ جو عبادت کی قرنا کی آواز کا سنتا ہے ۔

شخصی طور پر "میں خوش ہوا۔ جب وہ مجھے کہنے لگے کہ آؤ ہم خداوند کے گھر چلیں" ۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر جگہ روح و راستی سے خدا کی عبادت ہو سکتی ہے۔ لیکن خدا کے گھر کا شوق اور بات ہے۔ جب تک ہم گرجا کو خدا کا گھر نہ سمجھیں۔ تب تک ہم اس کا جواب دے ہی نہیں سکتے۔ کہ ہم گرجا کو کیوں جاتے ہیں ۔

میرا اپنا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ مجھے گرجا کی عبادت کا کبھی لطف نہیں آیا۔ میں عموماً کسی اچھے واعظ کا وعظ سُننے کو جایا کرتا رہا۔ لیکن جب سے میں نے معلوم کیا ہے کہ یہ خدا کا گھر ہے۔ اور اس کی عزت میری نگاہ میں خدا کے گھر بیت اللہ کی عزت ہے۔ اب میں شوق سے گرجا جاتا ہوں۔ اور عبادت کا لطف اُٹھاتا ہوں۔ کیونکہ خدا کے گھر میں خداوند سے ملاقات ہوتی ہے ۔

سو میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ جب تک ہم گرجا کو خدا کا گھر سمجھ کر اُسکی عزت نہیں کرتے۔ تب تک شوقِ عبادت بھی مفقود سمجھو ہمارا گرجا جانا بھلی باتوں میں سے کوئی ہے ۔

راقم
بیت اللہ کا مجاور

مسیحی کی توسیع اشاعت میں کوشش کر کے پرچہ کی امداد کریں ۔

ایک ضروری مسودۂ قانون

کلکتہ میں ناپاک تجارت کے انسداد کیلئے پروفیسر ایس سی مکرجی صاحب نے بنگال کونسل
میں ایک مسودہ ماہ فروری میں پیش کیا۔ بڑے بڑے شہروں خصوصاً بمبئی اور کلکتہ میں یہ
ناپاک تجارت ترقی پر ہے۔ اور ہمارے نوجوان مردوں اور عورتوں کے اخلاق کو تباہ
کر رہی ہے۔ سال گذشتہ میں بمبئی کی کمیٹی نے اسکے انسداد کے متعلق کچھ کارروائی کی
تھی۔ اس معاملہ میں کلکتہ کے حالات بمبئی سے مختلف نہیں ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا حساب
کیا گیا تھا کہ شہر کلکتہ میں سولہ ہزار رجسٹری شدہ اور اٹھارہ ہزار غیر رجسٹری شدہ
بازاری عورتیں ہیں۔ بیرونجات سے سالانہ بارہ سو بچے دس برس کی عمر سے نیچے کلکتہ
کے قحبہ خانوں میں اس ناپاک تجارت کیلئے داخل کئے جاتے ہیں۔ پروفیسر مکرجی صاحب
نے مسودۂ قانون میں خاص چار باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے (۱) کسی آدمی کو
بدی میں پھنسانے کیلئے بلاوا دینے اور اُسکی اعانت کی سزا بڑھا دی جائے (۲) پولیس
کو اختیار دیا جائے کہ قحبہ خانوں کو بند کر سکیں۔ موجودہ قانون کے رو سے پولیس اُسی
صورت میں دست اندازی کر سکتی ہے کہ ایسے ناپاکی کے مکانوں کے خلاف شکایت کی جائے اور
اگر کوئی مکان اس مقصد کیلئے از سر نو کرایہ پر دیا جائے تو پولیس اُسکو روک نہیں سکتی۔ اب مالک
مکان اور منتظم دونوں قانون کی زد میں آسکینگے (۳) دلالی پیشہ اور کٹنیاں جو سزا سے محفوظ
تھیں اب مجرم قرار دیجائینگی (۴) پولیس کو اختیار حاصل ہوگا کہ کسی لڑکی کو قحبہ خانے سے چھڑا کر
کسی مناسب جگہ میں پہنچا دے۔ یہ مسودہ پیش ہو کر عام رائے کیلئے مشتہر کیا گیا ہے۔ اور ماہ
جولائی میں اسپر غور کیا جائیگا۔ مس ہگسن صاحبہ ایک سرگرم لیڈی ہندوستان میں اس
ناپاک تجارت کے سوال کی مشکلات دریافت کرنے کیلئے دورہ کر رہی ہیں۔ اُن کی رائے
میں بدکاری کے انسداد کیلئے موجودہ انجمنیں کافی طور پر زور سے کام نہیں کرتیں۔ اسلئے
ایک قومی سکرٹری کی ضرورت ہے۔ آپکی دوسری تجویز یہ ہے کہ جابجا ایسے مکانات بنائے جائیں
جہاں عورات یا لڑکیوں کو قحبہ خانوں سے نکلنے کے بعد پناہ دی جاسکے اور جہاں آئندہ
زندگی گذارنے کیلئے اُن کو صلاح اور ضروری امداد دی جاسکے۔

گلشنِ بائبل

بائبل کے متعلق دلچسپ معلومات

بائبل میں

۶۶ کتابیں ہیں	عہدِ عتیق میں ۳۹	اور عہدِ جدید میں	۲۷
۱۱۸۹ ابواب ہیں	۹۲۹		۲۶۰
۳۱۱۷۳ آیات ہیں	۲۳۲۱۴		۷۹۵۹

سب سے چھوٹا اور وسطی باب ۱۱۷ واں زبور ہے

سب سے لمبے نام یسعیاہ نبی کی کتاب کے آٹھویں باب میں مندرج ہیں۔

خدا کا نام ۶۶۲۷ مرتبہ اور خداوند کا نام ۱۸۵۵ مرتبہ مذکور ہے۔

آستر کی کتاب میں خدا کا نام ایک مرتبہ بھی پایا نہیں جاتا۔

عہدِ عتیق کی

وسطی کتاب امثال ہے۔ وسطی باب ایوب کا انتیسواں باب ہے۔ اور وسطی آیت ۲ تواریخ کے بیسویں باب کی ۱۷ اور ۱۸ آیات کے درمیان ہے

سب سے لمبی آیت آستر کی کتاب کے آٹھویں باب کی نویں آیت ہے

سب سے چھوٹی آیت ۱ تواریخ کی $\frac{1}{1}$ آیت ہے

۲ سموئیل کا ساتواں باب اور ۱ تواریخ کا سترھواں باب یکساں ہیں نیز یسعیاہ کا سینتیسواں باب اور ۲ سلاطین کا اُنیسواں باب یکساں ہیں

عہدِ جدید کی

وسطی کتاب ۲ تھسلنیکیوں کا خط ہے۔ وسطی باب رومیوں کے تیرھویں اور چودھویں ابواب کا درمیان ہے۔ اعمال کی کتاب $\frac{14}{17}$ وسطی آیت ہے۔

سب سے چھوٹی آیت یوحنا $\frac{11}{35}$ ہے

عہد عتیق کی تمثیلیں

تمثیل	کتاب	حوالہ
درخت بادشاہ چن لیتے ہیں	قاضیوں	۹ : ۷ سے ۱۵
بھیڑ کی پٹھیا......	۲ سموئیل	۱۲ : ۱ سے ۶
تقوع کی عورت	۲ ء	۱۴ : ۶ سے ۱۱
بھگوڑا قیدی	اسلاطین	۲۰ : ۳۵ سے ۴۰
میکایاہ کی رویا	۱ ء	۲۲ : ۱۹ سے ۲۳
بھٹکٹیا اور لبنان کا سرو	۲ ء	۱۴ : ۹
تاکستان اور جنگلی انگور	یسعیاہ	۵ : ۱ سے ۷
کسان کے طریقے	ء	۲۸ : ۲۳ سے ۲۹
بڑا عقاب اور انگور کا درخت	حزقی ایل	۱۷ : ۳ سے ۱۰
سنگھ کے بچے	ء	۱۹ : ۲ سے ۹
دو چھنالیں	ء	۲۳ باب
پکتا ہوا دیگچہ	ء	۲۴ : ۳ سے ۵
لبنان کا دیودار	ء	۳۱ باب
خشک ہڈیوں کی وادی	ء	۳۷ باب
بہتے ہوئے پانی	ء	۴۷ باب

بائبل میں تین آسمانوں کا ذکر ہے یعنی اول فضا دوئم خلا جس میں چاند سورج اور ستارے موجود ہیں اور تیسرا سب سے اوپر جہاں فردوس اور زندگی کا درخت ہے (مکاشفہ $\frac{7}{2}$) جہاں خدا کا مسکن اور تخت ہے (مکاشفہ $\frac{22}{3}$ اور $\frac{3}{4}$) جہاں پولوس رویا میں پہنچایا گیا (۲ کرنتھیوں $\frac{12}{2}$) جہاں مسیح زمین سے صعود کر کے چڑھ گیا (مکاشفہ $\frac{12}{5}$) جہاں وہ باپ کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہے (زکریاہ $\frac{1}{12}$) اور جہاں وہ شہر جلیل ہے جس میں مقدس داخل ہوں گے (مکاشفہ $\frac{21}{2}$)

قاصد

چندہ ۸ رسالانہ

این ۔ ایم ۔ ایس کا ماہوار رسالہ

سلسلہ جدید	ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۳ء	جلد ا نمبر ۔ ۸

علاقہ کی خبریں

بیت اللحم کے نمبردار کے بڑے لڑکے پولوس کی شادی ۱۴ مارچ کو ایک مسیحی گاؤں میں جو کہ ریلوے اسٹیشن گھمبر کے نزدیک چک ۵۸ بائی لاٹ کے نام سے مشہور ہے بڑی دھوم دھام سے ہوئی ۔ مبارک ہو +

رینالہ کلاں ایک گاؤں کا نام ہے ۔ جو کہ میجر وبزن کے ماتحت اسٹیٹ میں واقع ہے ۔ اور رینالہ خورد ریلوے اسٹیشن سے اڑھائی تین میل کے فاصلے پر واقع ہے اس گاؤں میں مسیحی مزارعان کی خاصی آبادی ہے ۔ تقریباً اڑھائی یا تین سو کے قریب جانیں ہونگی ۔ اس گاؤں میں دینی یا دنیاوی تعلیم کا انتظام چند وجوہات کے باعث ابتک نہیں ہو سکا ۔ ہماری تمام کوششیں ناکامیاب رہی ہیں ۔ گزشتہ دس سال کے اندر پانچ یا چھ کارندے یکے بعد دیگرے متواتر وہاں مقرر کئے گئے جو سب کے سب کم و بیش ناکامیاب رہے ۔ لیکن اس سال کے شروع میں وہاں کی کلیسیا میں کے سنگھراؤں پر اندھیرا تھا خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی" معلوم ہوئی ۔ اور امید ہے کہ یہ کلیسیا جلد زندگی حاصل کریگی ۔ اس کے تین بڑے سبب نظر آتے ہیں +

اول ۔ رینالہ کلاں کی کلیسیا کے ممبران ایک سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا ۔ کہ پہلی دفعہ

مطبوعہ مسیحی پریس لاہور باہتمام مسٹر غلام قادر مسیحی پرنٹر

آپس میں متحد ہوکر اور اتفاق کر کے ایک کام میں شامل ہوئے یعنی بیت اللحم کی تجویز برائے حصول زمین میں کھاتے خرید ے ۔ اس سے پیشتر نہ تو اُن کی کوئی پنچایت تھی نہ لیڈر نہ نمبردار اور نہ ہی آپس میں اتفاق تھا۔ سب کے سب ایسے تھے ۔ جیسے مصری کی ڈلیاں۔ لیکن کھاتوں کی خریداری اگرچہ دنیاوی اغراض پر مبنی ہے تاہم اُن لوگوں میں جو ناامید تھے اور ہمت ہار بیٹھے تھے ۔ ایک نیا شوق جس کا نام زندگی ہے ۔ پیدا ہوگیا۔

دوئم ۔ دوسرا بڑا سبب جس کے باعث رینالہ کلاں کی کلیسیا میں کچھ شوق پیدا ہوگیا ۔ وہ یہ تھا کہ بزرگ بشپ صاحب کی آمد پر ستحکم ہونے کی عبادت کا موقع تھا ۔ اس وقت تمام علاقے کے لوگ مدعو کئے گئے تھے ۔ اگرچہ رینالہ کلاں کی کلیسیا میں سے ایک شخص بھی عشاءربانی میں شامل ہونے کے لئے تیار نہ تھا ۔ تاہم اُن لوگوں میں یہ شوق پیدا ہوا کہ ہمیں بھی دینی تعلیم حاصل کرنی چاہئے

سوئم ۔ تیسرا سبب جس کے باعث رینالہ کلاں کی کلیسیا میں کچھ ترقی نظر آتی ہے ۔ یہ ہے ۔ کہ ہمارے سیلف سپورٹ منادمسٹر بھولامل کی لگاتار کوششوں سے یہ فایدہ ہوا کہ اس سال کے شروع میں یہاں کی کلیسیا نے فصلی چندہ بھی پیشتر سے زیادہ دیا ۔ اور یہ خواہش ظاہر کی کہ مناد ہمارے بیچ میں رہ کر باقاعدہ دینی تعلیم شروع کرے ۔ کیونکہ مسٹر بھولامل کا علاقہ بہت وسیع ہے ۔ اس لئے ان کا سارا وقت رینالہ کلاں میں ہی صرف نہیں ہو سکتا ۔ تاہم امید ہے کہ وہ کوشش کرینگے ۔ کہ فی الحال زیادہ وقت رینالہ کلاں میں ہی صرف کریں ۔ اور اُن کو تعلیم دیں ۔ جب زمین ہل کے لئے تیار ہو ۔ تب ہی ہل چلانا چاہئے ۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم رینالہ کلاں کی طرف زیادہ توجہ دیں ۔ لیکن ہمیں ڈر ہے کہ دیگر چودہ یا پندرہ گاؤں میں کام کا ہرج نہ ہو ۔ اگر ایک اور مناد تجربہ کار دورے کے کام پر مقرر کیا جائے ۔ تو بہتر ہوگا ۔ اور مسٹر بھولامل کو زیادہ تر رینالہ کلاں میں ہی مستقل طور پر کام کرنے کا موقع دیا جائے امید ہے ۔ کہ سوسائٹی اس ضرورت کا لحاظ کر کے جلد کوئی انتظام کریگی +

خوش آمدید ۔ دس فروری بروز سنیچر بیت اللحم میں ایک نہایت خوشی کا دن
تھا۔ شام کے وقت قرآن السعدین واقع ہوا اِدھر تو ہمارے مہربان مسٹر پریم ساگر
بمعہ خاندان تشریف آور ہوئے۔ اور اُدھر مشنری لیڈیز کی ایک پارٹی یعنی مس گرانس
مس ہاجٹر اور مس رتنا صاحبہ نے بیت اللحم میں قدم رنجہ فرمایا۔ ہر دو کا گاؤں کے مرد
اور عورتوں نے نہایت تپاک سے خیر مقدم کیا (جم جم آؤ) خوش آمدید کہا مشن کے
دونوں مکانات میں رونق تھی۔ مس صاحبان نے لڑکیوں کے سکول کا معائنہ کیا۔ زنانہ
بائیبل کلاس لی۔ اور گاؤں میں چلتے پھرتے ہوئے کپڑے کی کھڈیوں کا ملاحظہ فرمایا۔ آنکی
بات چیت سے لوگوں کی بہت ہمت افزائی ہوئی۔ اور ہم نے بعض ایسے سبق حاصل
کئے جو کہ ہم عمر بھر نہ بھولینگے۔ ہم خوش ہیں کہ مسٹر پریم ساگر کو گاؤں میں کام کرنے کا تجربہ
ہے ماہ فروری ہمارے لئے ایک مبارک مہینہ تھا۔ کیونکہ اس مہینے کے آخری پنجر
کو بہی خواہان سوسائٹی نے بیت اللحم میں آنے کے لئے جان جوکھوں کا سفر کیا۔ اس پارٹی
میں پنجاب کی کلیسیا کے بڑے بڑے مہربان شامل تھے۔ ہمیں افسوس ہے۔ کہ مسٹر ایف
نجم الدین صاحب جو کہ اس سوسائٹی کے شروع ہونے کے وقت سے آجتک بہت
سا وقت اس سوسائٹی کی مدد میں آنریری طور پر صرف کرتے رہے ہیں کے پاؤں
میں ایسی سخت چوٹ آئی کہ جس کے باعث انہیں بہت تکلیف اٹھانا پڑی۔ چونکہ اس موقع
پر سب پرانے منتظمان گاؤں سے غیر حاضر تھے۔ اس لئے بعض باتوں کا خاطر خواہ
انتظام نہیں ہوسکا اس لیئے ہم خواستگار معافی کے ہیں نیز واپسی سفر میں بھی اس
پارٹی کو کچھ تکلیف ہوئی۔ بسبب بارش راستے کے کیچڑ اور پانی کا وہی اندازہ کرسکتے ہیں
جو اُس وقت حاضر تھے۔ یا کہ جو گاؤں کی زندگی سے واقف ہیں ✦

ماہ مارچ کی ۱۴ تاریخ کو بیت اللحم میں تجویز برائے حصول زمین کے متعلق ایک
جلسہ فراہم ہوا۔ جس میں جناب انسپکٹر صاحب بنک اور پنجاب کے ہر ضلعے میں سے
اور فرانٹیئر اور سندھ نیز پشاور۔ کوئٹہ بلوچستان اور دہلی سے خاص کر کاشتکار مسیحی
اصحاب اپنے اپنے علاقے کے مسیحیوں کی طرف سے بطور نمائندگان کے قریباً تین ہزار

سے زیادہ کی تعداد میں شامل جلسہ ہوئے۔ یہ جلسہ سرکاری طور پر فراہم کیا گیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ اس سے پیشتر کی یہ تجویز رجسٹری ہو کر سرکاری قوانین کے زیر تحت ہو جائے یہ معلوم کرنا تھا کہ آیا سچ مچ پنجاب کے مسیحی کاشتکار قوانین تجویز کے پابند ہو سکتے ہیں یا نہیں تاکہ جس وقت زمین بانٹی جائے۔ اُس وقت کسی قسم کی گڑبڑی نہ ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ تمام اشخاص نے ایک دل اور ایک جان ہو کر اس تجویز میں مدد کرنے اور شامل ہونے کا بیڑا اُٹھایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا نے پنجاب کی کل کلیسا کو خاص کر دیہاتی ناتعلیم یافتہ مسیحیوں کو یگانگت اور اتفاق کی بیش قیمت روح عنایت فرمائی ہے۔ جو کہ حقیقی مسیح کی رُوح ہے۔ جس کے باعث بڑی بڑی برکتوں کا نازل ہونا ایک امر یقینی ہے۔ بیت اللحم کے لوگوں نے سب صاحبان کی خورش و آرایش و انتظام نہایت جانفشانی اور تن دہی سے کیا۔ اور ہم ان سب صاحبان کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے دُور دراز کا سفر اختیار کر کے اور بہت سا روپیہ سفر میں خرچ کر کے خدا کے جلال کے لئے اور مسیح کی بڑائی کے لئے اور کلیسیا کی بہتری کے لئے اس تجویز کو سرانجام پہنچانے میں مدد دی۔ غیر مسیحیوں کے مقابلے میں ہمارے پنجاب کی مسیحی کلیسیا بہت تھوڑی ہے۔ لیکن خداوند فرماتا ہے کہ

اے چھوٹے جھنڈ مت ڈر کیونکہ خداوند کو پسند آیا۔ کہ بادشاہت تجھے دے۔ آمین

جیمس ولیمز

کلیسیائے راولپنڈی سے گرانقدر عطیہ

ہمیں مسٹر پریم ساگر صاحب کی طرف سے ہدایت ہوئی ہے کہ بذریعہ قاصد راولپنڈی کی مہربان اور معاون کلیسیا کا تمام باشندگان بیت اللحم کی طرف سے دلی شکریہ کا اظہار کر دیں۔ ناظرین کرام یہ خبر فرحت اثر پڑھکر خوش ہونگے کہ راولپنڈی کے بھائیوں نے ۲۵ سیر وزنی گھنٹہ بیت اللحم کے گرجا کے لئے بھیجا جو عین ایسٹر کے روز موصول ہو کر ڈبل عید کی خوشی کا موجب ہوا اس روز ہر ایک چہرہ سے شکر گزاری کا اظہار ہو رہا تھا۔ اب تمام کلیسیا مسٹر پریم ساگر صاحب کی معرفت اپنے

راولپنڈی برادران کو یقین دلاتی ہے۔ کہ اُن کی اس خاص عنایت سے ہر ایک
دل میں وہ تشکر و امتنان پیدا ہو گیا ہے جو برسوں اس گھنٹے کی آواز کے ساتھ
ہمیشہ تازہ رہیگا۔ نیز وہ مسٹر سندر داس صاحب بی۔ اے کے مشکور رہیں۔
جنہوں نے اس کارِ خیر میں خاص دلچسپی سے رہنمائی کی ہے۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ
این۔ ایم۔ ایس کے کام کو پسندیدہ نگاہوں سے ہر جگہ دیکھا جا رہا ہے۔ جس کا
یہ ایک زندہ ثبوت ہے۔ اور امید غالب ہے۔ کہ باقی کلیسیائیں بھی سوسائٹی
کی ضروریات میں حتے الوسع ہاتھ بٹا کر سعادت دارین حاصل کرنے میں دریغ نہ
کرینگی۔ تاکہ این۔ ایم۔ ایس کا دائرہ عمل وسیع اور ہمہ گیر ہو سکے۔ اور وہ دن دیکھنا
جلد نصیب ہو جب کہ تمام ہندوستان کی مختلف کلیسیائیں ایک ہی "قومی بشارتی
انجمن" میں شریک کار ہو جائیں +

سرساوہ

۲۰ ماہ حال کو راقم کو معہ ایک دوست کے سرساوہ جانے کا اتفاق ہوا
اور پادری پیلی صاحب کے دولتخانہ میں پہنچکر ہم نے اُن کو شب باشی کی تکلیف
دینے کے لئے عرض کی۔ اُنہوں نے بڑی خوشی سے ہماری آؤ بھگت کی اور
اِس بات پر زور دیا کہ ہم اُن کے ساتھ ایک روز بسر کریں۔ اور این۔ ایم۔ ایس
کے کام کو دیکھیں اور اُن سے بشارتی کام کے بارے میں کچھ تجربہ حاصل کریں
چونکہ ہمارے وہاں جانے کا خاص یہی مطلب تھا اس لئے ہم نے بخوشی تمام
اُن کی اس دعوت کو مطلب براری کے لئے غنیمت سمجھکر منظور کیا۔ چنانچہ حسب
الوعدہ دوسرے روز اُنہوں نے بیس میل کا سفر پا پیادہ ہمارے ساتھ مختلف
گاؤں میں دیہاتی کلیساؤں اور غیر اقوام میں خداوند مسیح یسوع کی بشارت دیتے
ہوئے طے کیا۔ ہم سب کام دیکھکر حیران رہ گئے اور اس وقت یہ خیال آیا کہ بزرگ

پادری صاحب این - ایم - ایس کے کارندوں کے بارے میں کچھ انتہا تک بیجا
بہتان لگاتے ہیں کہ وہ سب مغربی مسیحیوں کی تقلید کر رہے ہیں - اگر وہ یہاں تشریف
لانے کی تکلیف گوارا کریں تو یہاں کا کام دیکھکر اُن کو معلوم ہوگا کہ سیدھے اور سادہ ایمان
کو مدنظر رکھکر تمام کارندے حتے المقدور مشرقی دستور کے موافق مسیح کو لوگوں کے
سامنے پیش کر رہے ہیں اور نتیجہ بہت تسلی بخش نظر آرہا ہے - اور لوگ خود بخود
کارندوں کی طرف کھنچے آرہے ہیں - مثال کے طور پر میں ایک واقعہ جو کہ سرساوہ
خاص کے ایک سرکاری عہدہ دار نے مجھ سے بیان کیا ہدیہ ناظرین کرتا ہوں -
۱۴ اپریل کو ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبروں کا انتخاب ہوا - ہندوؤں اور مسلمانوں کے
بے بنیاد اتحاد کے بارے میں تو آج کل عام چرچا ہے - اس جگہ پر بھی وہ ایک دوسرے
کا دیدہ و دانستہ اعتبار نہیں کرتے سو طرفین نے اس جگہ کے کلکٹر صاحب بہادر
کی خدمت میں اس مضمون کا ایک عریضہ تحریر کرکے ارسال کیا کہ ہم کو ایک دوسرے
پر بالکل اعتبار نہیں اور ہم اپنے میں سے کسی کو بھی انتخابی کمیٹی کا پریذیڈنٹ بننے
کے لائق نہیں سمجھتے پر ہمارے قصبہ میں ایک پادری ہیلینڈ صاحب رہتے ہیں
جن کی شرافت دیانتداری اور ایمانداری پر ہم کو پورا اعتماد ہے کہ وہ کسی
امیدوار کی حق تلفی نہ کرینگے اور بالکل ٹھیک اور حق فیصلہ کرینگے سو براہِ مہربانی
اُن کو ہماری طرف سے پریذیڈنٹ کے عہدہ پر ممتاز کیا جائے چنانچہ کلکٹر صاحب
نے پادری صاحب کو بدیں الفاظ ایک نامہ تحریر کیا کہ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو
تو عوام کی اس درخواست کو منظور فرمائیں - پادری صاحب موصوف نے وقت
کو غنیمت جانکر اور دور اندیشی کو مدنظر رکھکر اور مسیحی زندگی کا ایک اعلےٰ ترین نمونہ
دکھلانے کے لئے اس مشکل کام کو اپنے ذمے لینے کو قبول کیا اور میں یہ سن کر نہایت
خوش ہوا کہ پادری صاحب بہادر نے نہایت ہی خوش اسلوبی سے اس کام
کو سرانجام دیا - اور کسی کو کسی قسم کی شکایت کی جا نہیں رہی بلکہ سب خوش وخرم
ہو کر نہایت امن و چین سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور پادری صاحب کے

اُن تک مداح ہیں۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن کی تفصیل میں جانے کے لئے تختہ کاغذ میں وسعت اور محرر کے لئے وقت اور فکر کا تقاضے دامنگیر ہے میرے خیال میں وقت آگیا ہے کہ مسیحی نوجوان قدم بڑھائیں اور حقیقی اتحاد کی اشاعت کریں۔ اور عالمگیر مسیح کو ہندوستانیوں کے سامنے پیش کریں جس کے سوا اُن کا کوئی پیشوا نہیں ہو سکتا +

آخیر میں میری ناظرین سے یہ عرض ہے کہ وہ پادری صاحب کے لئے دعا کریں کہ خداوند کریم اُن کو طاقت وہمت اور دانائی اور عقل بخشے تاکہ وہ بہتوں کو راہِ نجات پر لانے کا باعث ہوں + الراقم۔ الغام

خیال اور طرز فکر ناقص

عرفان الٰہی اور اس کے حصول کے لئے مدارج ایسے وسیع پیمانہ پر ہیں۔ کہ اُن کا محیط کرنا دشوار ہے۔ اس عرفان کے بحر بے پایان میں جس قدر ہمت و استقلال سے غوطہ زنی کی مشق بڑھائی جائے۔ اتنی ہی معلومات وسیع اور اُن کی نیرنگی اور دلچسپی اعلےٰ پیمانہ پر ہوتی جاتی ہے۔ علم عروض کو متقدمین نے فنِ لامحدود قرار دیا ہے مطلب یہ کہ جہانتک علمِ انسانی کو عروج یہاں حاصل ہو سکتا ہے اس کا سب سے کامیاب طریقہ عبارت مقفےٰ یا عبارت کے نظم ولبت میں رکھے جانے سے حاصل ہوتا ہے۔ جو روحانی تجربات اور شعبے مسیحیت کے انکشاف سے مسیحی زندگی بسر کرنے والوں کو حاصل ہوئے ہیں وہ کسی اور مذہب میں شاہد ہی نہیں آئے پس مسیحی شاعری کا رنگ نرالا اور اسکا لطف دوبالا ہونا چاہیئے۔ عشق مجازی کے ظاہری انداز دلربا سے گریز کرنا چاہیئے +

غزل

تیرے عاشق جو گرفتارِ دلا ہوتے ہیں
قیدِ افکار سے فی الجملہ رہا ہوتے ہیں

بات کیا ہے کہ سبھی شاہ و گدائے دنیا
جب کبھی ہوتے ہیں تیرے ہی گدا ہوتے ہیں

کامیابی رہِ حق میں ہے مسلّم اُن کی
جو فنا ہو کے سزاوارِ بقا ہوتے ہیں

کرم و فیض مسیحا ہیں بیاں سے باہر
جب عطا ہوتے ہیں اک ساتھ عطا ہوتے ہیں

گر یہی آپ کی مرضی ہے تو خوش ہیں ہم بھی
بھیجئے آج سے بےخوفِ سزا ہوتے ہیں

توبہ سے میل ہوا خلقتِ ثانی پائی
صبح سے شام تک ہم صرفِ دعا ہوتے ہیں

تیری خدمت ہی کرے شاہ گدا سے ہم کو
بس اسی طور مطالب یہ ادا ہوتے ہیں

تیری ہی رُوح سے دل ہوتا ہے بس صاف شفاف
قرمزی داغ بھی جو لتنے سیاہ ہوتے ہیں

دل سے مجبور نہ ہوتا تو نہ آتا عنبر
تجھ سے گر دور رہے اس سے گناہ ہوتے ہیں

ج۔ د۔ ع

غزل خاکسار

گر لکھوں میں وصفِ ذاتِ عیسٰے مختار کا
شہرہ عالم میں ہو میری خوبیِ گفتار کا

کرتا ہوں آراستہ میں باغِ توصیفِ مسیح
بڑھ کے ہے طوبےٰ سے ہر اک نخل اس گلزار کا

کوئی شے اشیاءِ دنیا سے نہیں بھاتی اُسے
ہو گیا ہے عشق جس کو عیسٰے غمخوار کا

جامِ آبِ حوضِ کوثر سے تجھے کیا اُسکی پیاس
اے مسیحا ہے جو طالب شربتِ دیدار کا

آفتابِ حشر کی حدّت سے اُس کو ڈر نہیں
جس کے سر پر پڑ گیا سایہ صلیبِ یار کا

زندہ ہیں جو منکرِ اعجازِ عیسٰے۔ خاکسار
بعد مرنے کے مزا پائینگے انکار کا

التماس:۔ اگر قاصد کے دیرینہ کرمفرمائے ظہور۔ عابد۔ تمنّت۔ سرتسا صاحبان ہمیں چھوٹی چھوٹی موزوں نظموں کا ذخیرہ بہم پہنچائیں تو ماہ بماہ قاصد میں شکریہ کیساتھ درج کیجائینگی۔ ایڈیٹر

پریم سبھا لاہور

لاہور میں میتھوڈسٹ صاحبان کی طرف سے ایپ ورتھ لیگ بڑے زور شور سے ہوا کرتی تھی۔ اس کے کمزور پڑنے پر یہاں پریم سبھا قائم ہوئی۔ ہر ہفتے اس کا جلسہ کسی نہ کسی گھر میں باری باری ہوا کرتا تھا۔ یہاں کے چند ممبروں نے شملہ میں وہاں کے مسیحیوں کو جگانے کے لئے بڑے زور شور سے جلسہ کیا۔ باہر سے واعظ منگوائے گئے۔ کھانے پینے کا انتظام کیا گیا۔ لیکن فلک کو یہ نہ بھایا۔ اس میں رخنہ اندازی کی گئی۔ پھوٹ کا چسکا ڈالا۔ اور خربوزے کی طرح دو پھانک کرکے رکھدیا۔ جو کیا تھا۔ بزدلی چھا گئی۔ جو روپیہ جمع کیا تھا اسے زنگ کھانے لگا۔ جلسے موقوف میٹنگیں ندارد لیکن شکوہ شکایت کا زور ہوگیا۔ الزام لگانا تو دیسیوں کا عام شیوہ ہے۔ یہ حالت دیکھکر بعض مسیحی بہی خواہان کو درد ہوا اور اس سسکتی نیم مُردہ پریم سبھا کی مرہم پٹی شروع کردی۔ ایک دو جلسے ہوئے۔ روپیہ کا حساب کتاب ہوا نئے افسران کے چننے کا انتظام کیا گیا۔ ابھی اس نیم بسمل نے ہوش نہ سنبھالے تھے کہ دوسرے فریق نے زور دینا شروع کردیا کہ ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ بھلا ابھی وہ اس قابل کہاں جب وہ اٹھ کھڑی ہو اور اسے سوچنے کا موقعہ ملے تو شاید یہ بھی عمل میں آجائے۔ لیکن بانیان پریم سبھا کا شروع سے یہ منشا تھا کہ وہ کسی خاص مشن کی پریم سبھا نہ ہو۔ بلکہ عام مسیحیوں کی پریم سبھا ہو جس میں سب مسیحی خواہ ان کا تعلق کسی مشن سے ہو شریک ہو کر دعا بندگی کریں اور ایک دوسرے کی دکھ سکھ میں مدد کریں۔ اسی وجہ سے انہوں نے (یہ سننے میں آیا) کسی پادری صاحب کو اپنی پریم سبھا کا افسر بنانا پسند نہیں کیا۔ وہ ہر پادری کو خوشی سے قبول کرنے اور ممبر بنانے کو تیار ہیں۔ لیکن افسر بنانے کو نہیں۔ غالباً لوگ پادریوں کی افسری سے اکتا گئے ہیں۔ چشم ما روشن۔ دل ما شاد +

جے۔ علی بخش

۴ آنہ سے کم قیمت کی کتابوں کا وی پی نہیں بھیجا جاتا

مسیحی حوالہ — ضرور دیا جائے

تازہ بتازہ نو بنو

ہری داسی۔ یہ ایک بنگالی خاندان کی زندگی کا نقشہ ہے۔ جسے شراب نے تباہ کر دیا۔ یہ کہانی ایک تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کی بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہو کر چھپ گئی ہے۔ اب ہم نے اسے پہلی بار اردو جامہ میں شائع کیا ہے۔ ٹائیٹل رنگین اور با تصویر ہے اور چار عمدہ بلاک کی تصاویر نے کتاب کی خوبی کو چار چاند لگا دئے ہیں صہ ۹۳ قیمت بالکل برائے نام ۱ر

آولیس۔ رومی قیاصر کے عہد کے ظلم و ستم اور رعایا کی ستم کشی کے پُر درد دلچسپ اور عبرت خیز واقعات ناول کے پیرایہ میں۔ پہلی ایڈیشن ختم ہو جانے پر چاروں طرف سے مانگ کی بھرمار دیکھکر اب دوسری ایڈیشن طبع کرانی پڑی ہے۔ صہ ۲۲۵ ۔ قیمت ۱۲ آنہ

شہادت قرآنی برکتب ربانی۔ سر ولیم میور صاحب نے قرآن کی شروع سے آخر تک وہ تمام آیات بترتیب جمع کر دی ہیں جن میں ذرا بھی کتب مقدسہ کا ذکر یا اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ قرآن اکثر مقامات توریت و انجیل کی تائید کرتا اور اُن کا تذکرہ تعظیم و تکریم کیساتھ کرتا ہے ایسی مفید ضخیم و بے مثل کتاب آپکو ڈھونڈے نہ ملیگی بڑی تقطیع کے صہ ۱۲۵ قیمت اصل ۱ر عا

راہ نجات۔ زمانہ حال کے اہل علم کیلئے۔ کہ مسیحی دین ہی کو یہ فضیلت خصوصی حاصل ہے کہ وہ گنہگار کی یاوری کرتا ہے اور اس کے من جانب اللہ ہونے کی قطعی دلایل صہ ۲۰ ۔ کتاب لاجواب اور قیمت صرف ۲ آنہ

مسیح کا نمونہ۔ ڈاکٹر ٹھاکر صاحب کی شہرہ آفاق کتاب (امیچ کرسٹی) کا اردو ترجمہ صہ ۲۸۸ قیمت ۱۲ سوسی کی حکایت ۱ر واقعات بزرگان بائیبل ۱ر لڑکوں کا رہنما ۱۳ نوجوانوں کا رہنما ۸ ڈاکٹر جے کشن مہتا دھرم تلا ۔ سرگزشت رابنسن کروسو صہ ۲۳ ۱ عہ جنگ مقدس ۱۲ بشف لڑکپن ۱ عہ ایک ہندو کا مسیحی ہونا

نوٹ مسیحی گیت کی کتاب۔ شوہر کا رہنما اور نئی مکمل فہرست کتب چھپ رہی ہے آرڈر درج کرائیں تاکہ چھپ جانے پر فوراً روانہ کر دی جائیں علاوہ ازیں لدھیانہ۔ الہ آباد لکھنؤ مشن کتب خانوں اور سرکاری پرائمری اور مڈل سکولوں کی کتابیں بھی موجود ہیں۔ المشتہر سیکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۲۶

زیر سرپرستی پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس لاہور

مسیحی

لاہور

مینیجنگ ایڈیٹر

مسٹر ایل ایل بلیا رام

فی کاپی چار آنے

ہندوستانی مسیحیوں کا ماہوار رسالہ

جس میں رسالہ قاصد بھی شامل کردیا گیا ہے

دورِ جدید	ماہ مئی سنہ ۱۹۲۳ء	جلد ۳ نمبر ۷

رسالہ مسیحی کے قواعد و ضوابط

۱ - یہ رسالہ ہر ماہ کے آخری ہفتے میں بسرپرستی پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس لاہور سے شائع ہوتا ہے ۔

۲ - اس کا مدعا خصوصاً مسیحی جماعت کے روحانی اخلاقی اور معاشرتی معاملات پر بحث اور رائے زنی کرنا ہے ۔ دیگر دلچسپ مضامین اور نوٹ بھی درج کئے جاتے ہیں ۔

۳ - مشنوں اور مسیحی انجمنوں کی رپورٹوں اور کار۔ وائی پر نظر ثانی کی جاتی ہے ۔

۴ - ضخامت معہ رسالہ قاصد کے چالیس صفحے ہے ۔ رسالہ قاصد علیحدہ بھی ۸ رسالانہ پر مل سکتا ہے

۵ - قیمت سالانہ معہ قاصد تین روپے ہے ۔ قلیل تنخواہ والے اشخاص سے رعایت بھی کیجاتی ہے

۶ - اگر قیمت بذریعہ منی آرڈر ارسال کیجائے تو وی پی کی تکلیف اور زائد خرچ کی زحمت نہ اٹھانی پڑیگی ۔

۷ - جو مضمون درج نہ کیا جائے وہ ارکے ٹکٹ آنے پر واپس ہو سکتا ہے ۔

۸ - اگر ماہ آیندہ کی ۱۰ تاریخ تک رسالہ نہ ملے تو منیجر کو اطلاع دینی چاہئے ۔

۹ - نمونہ کا پرچہ مفت بھیجا جاتا ہے ۔ ۱۰ - اشتہارات مناسب شرح پر درج کئے جاسکتے ہیں

احقر منیجر رسالہ مسیحی ۔ وائی ۔ ایم ۔ سی ۔ اے لاہور

مسیحی

دورِ جدید   مئی ۱۹۲۳ء   جلد ۳ نمبر ۷

نوٹ اور رائیں

کینیا کا معاملہ اور مسیحیت مشرقی افریقہ میں علاقہ کینیا کی ہندوستانی آبادی کی جو دُرگت گورے باشندوں کے ہاتھ سے ہو رہی ہے وہ اخبارات کے ناظرین سے چھپی نہیں ہندوستانیوں کے خلاف جو طوفان جنوبی افریقہ سے اُٹھا وہ مشرقی علاقہ میں پھیل گیا۔ انگریزی آبادی کی اس غیر منصفانہ کارروائی کے خلاف ہندوستان بھر میں صدائے احتجاج بلند ہو رہی ہے۔ اور ایک وفد جس میں مسٹر انڈریوز بھی شریک ہیں دادخواہی کے لئے انگلستان کو بھیجا گیا ہے۔ اُدھر گوری آبادی کے نمائندے بھی انگلستان پہنچ چکے ہیں۔ گو اس معاملہ میں سرکارِ ہند کی ہندوستانیوں کے ساتھ ہمدردی ہے مگر اس مٹھ بھیڑ کا نتیجہ وہی ہوگا جو کالے اور گورے کے جھگڑے کا ہوا کرتا ہے۔ بدقسمتی سے کینیا کے بعض مشنری بھی اس معاملہ میں اپنے ہموطنوں کی حمایت کر رہے ہیں اور ہندوستانیوں کا کینیا میں آباد ہونا مسیحیت کے لئے باعث خطر سمجھتے ہیں۔ اس غلط فہمی کو رفع

کرنے کے لئے ہندوستان برہما اور سیلون کی نیشنل کرسچن کونسل اور ہندوستانی مسیحیوں کی آل انڈیا کانفرنس کے صدر انجمنوں اور سکرٹریوں نے اس ملک کے مسیحیوں کے قائمقام ہونے کی حیثیت میں نہایت باموقعہ آواز بلند کی ہے۔ اور بالاتفاق یہ بیان شائع کیا ہے کہ "اول۔ ہم یہ خیال مسیحی مذہب کے لئے نقصان کا باعث سمجھتے ہیں کہ کسی کے ساتھ بے انصافی کرنے کے ذریعہ سے اس مذہب کی تبلیغ میں مدد مل سکتی ہے۔ اگر کینیا کی یوروپین نوآبادی کے دعاوی راست ہیں تو اُن کا فیصلہ اُن کے حسن و قبح کے مطابق ہونا چاہیئے۔ دوئم۔ ہندوستانیوں کے چال چلن اور اثر کے خلاف یوروپین لوگوں نے جو اتہام لگائے ہیں اور جن میں اُن کے سرکردہ آدمی بھی متفق ہیں اُنہوں نے ہندوستان میں سخت ناراضگی پھیلا رکھی ہے۔ ہم اس ناراضگی کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ کینیا کی ہندوستانی آبادی میں بعض بدنام کنندونکو نامی چند بھی ہیں۔ مزید براں ہمیں افسوس ہے کہ جوان مستورات کو عمر بھر کے لئے جبراً بیوگی کی زنجیروں سے جکڑا جاتا ہے اور اسی قسم کی اور سختیاں اُن پر روا رکھی جاتی ہیں۔ مگر جو بے انتہا زبد چلنی کا الزام ان کے خلاف لگایا جاتا ہے ہم بڑے زور سے اُس کی تردید کرتے ہیں۔ جن غیر ہندوستانی لوگوں نے اپنی آنکھوں سے ہندوستانیوں کے بود و باش کا مشاہدہ کیا ہے وہ اس میں ہمارے ساتھ متفق ہونگے۔ سوئم۔ ہم یہ کہنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ کینیا میں ہندوستانی آبادی کا یہ سوال بلحاظ سلطنت کی حقیقت اور فایدہ مندی کے محض ایک سیاسی معاملہ نہیں بلکہ اخلاقی معنی بھی رکھتا ہے۔ ہندوستان میں ہر کہیں اس مسئلے کا حل سلطنت کے حقیقی عمل کا ایک معیار خیال کیا جا رہا ہے۔ ہماری رائے میں اس معاملہ کے فیصلہ میں سرکار کو زیادہ تر افریقہ کے مفاد کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ جن اصولوں پر سلطنت مبنی ہے وہ متقاضی ہیں کہ ہندوستانیوں کے دعاوی کا فیصلہ ویسا ہی

بے رو و رعایت کیا جائے جیسا کہ یوروپین آبادی کے دعاوی کا کیا جاتا ہے اور قومی امتیاز اور مذہبی تعصب کو بالائے طاق رکھا جائے" ہم خوش ہیں کہ اس رائے کے آزادانہ اظہار نے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ ہماری ہندوستانی کلیسیا میں سیاسی بیداری کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ ہماری اعلےٰ ترین مسیحی کونسلوں کی یہ پُر زور آواز قابل تحسین اور مسیحی جماعت کے مستقبل کے لئے نیک شگون ہے +

پنجاب کے ہندوستانی مسیحیوں کا وفد

ماہ گزشتہ کے آخری سنیچر کے روز پنجاب کی ہندوستانی مسیحی جماعت کے چند شرکا کے ایک وفد نے سر ایڈورڈ میکلیگن گورنر پنجاب کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک ایڈریس پیش کیا جس میں انہوں نے خصوصاً پنجاب کی بڑھتی ہوئی کلیسیا کے دیہاتی مسیحیوں کی بعض مشکلات اور تکالیف کا ذکر کر کے مودبانہ درخواست کی کہ اُن کو علاقہ بار میں زمین کے ملنے میں حسب معمول سابق سہولتیں دی جائیں۔ اور اگر زمین قیمتاً دی جائے تو تیس سال میں بذریعہ اقساط روپیہ وصول کیا جائے۔ ایک اور امر جس کے لئے ایڈریس میں استدعا کی گئی یہ تھا کہ اِن غریب دیہاتی مسیحیوں کے لئے مدارس جاری کئے جائیں اور ان کو دستکاری اور حرفت کی ابتدائی تعلیم بھی دی جائے۔ آخر میں ہز اکسیلینسی کی خدمت میں عرض کی گئی کہ میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں مسیحیوں کی خاص نیابت کو مدنظر رکھا جائے۔ اس ایڈریس کا جواب ہز اکسیلینسی نے مقررہ سرکاری الفاظ میں دیا جس میں کوئی خاص امید دلائی نہ گئی۔ اگر کسی کو گمان تھا کہ ایڈریس کے جواب میں گورنر صاحب فوراً دیہاتی مسیحیوں کو زمین عطا کرنے کا وعدہ کر دینگے یا دیگر امور کی نسبت کوئی خاص امید دلا دینگے تو یہ سراسر غلطی تھی۔ سرکار کے کارخانے آہستہ چلتے ہیں۔ ایک معمولی سی بات کے فیصلہ میں برسوں گزر جاتے ہیں۔ باوجود

باوجود اس کے اس وفد کو بالکل ناکامیاب نہیں کہہ سکتے۔ ایک پہلو سے وہ گہرے معنی رکھتا تھا۔ قطع نظر اس بات کے کہ اس طریق پر اپنی قلیل التعداد جماعت کی آواز حاکم وقت کے کانوں تک پہنچائی جائے۔ اس سے غریب دیہاتی مسیحیوں کی اشک شوئی اور حوصلہ افزائی مقصود تھی۔ اُن بیچاروں کی کسی اعلےٰ افسر تک رسائی نہیں ہو سکتی اور ہندو مسلمان حاکم ان کو پاس پھٹکنے نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں پنجاب کی انڈین کرسچن کانفرنس نے اپنی نیابت کا پورا حق ادا کر کے دکھایا اور عملی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ ہم تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں۔ ایڈریس میں وفد نے جداگانہ نیابت کے اصول پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس قسم کی نیابت کا ایک نتیجہ آج کل لاہور کی میونسپل کمیٹی میں نظر آتا ہے جس میں بجائے چار مسیحی ممبروں کے اب فقط ایک رہ گیا ہے اور وہ بھی پارسیوں اور یہودیوں کے ساتھ مشترک۔ یعنے آیندہ کے لئے مسیحیوں کا فقط ⅓ نمایندہ اس کمیٹی کا ممبر ہوگا۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارے صوبے کی کرسچن کانفرنس اس کے تدارک کے وسایل پر غور کرنے کے لئے ایک جلسہ کرنے والی ہے۔ بہرصورت فرقہ وار نیابت کے اصول نے ہم مسیحیوں کو کوئی خاص فایدہ نہیں پہنچایا۔ ہمارے وفود کو جو نفع اب تک حاصل ہوا ہے اس کی نظائر بھی ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ہم نے پنجاب میں اپنی ضروریات پیش کر کے سرکار سے کچھ مانگا اور نقد جواب پایا۔ اُدھر یو۔پی کے مسیحیوں کے وفد نے اپنے گورنر صاحب سے ایڈریس میں کچھ نہ مانگا اور ان کے اس عمل سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ ان کی کوئی ضروریات نہیں اور کہ وہ اپنی قسمت پر شاکر ہیں۔ ع۔ اگر گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل +

مُردوں کو دفن کرنا یا جلانا چاہئیے؟ یہ سوال اُن قدیمی مسایل میں سے ہے جو کلیسیا میں مُدامانہ حال ؛؛ ہیں۔ ہر ایک مسیحی اخبار میں گاہ بگاہ اس پر بحث شروع ہو جاتی ہے۔

ان دنوں ہمعصر گارڈین کے بعض نامہ نگار اس پر خامہ فرسائی کر رہے ہیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں جس کی مسیحی جماعت میں ہندو مُردوں کو جلانے والے اور مسلمان دفن کرنے والے شامل ہیں یہ سوال محض علمی یا خیالی دلچسپی سے بڑھکر حیثیت رکھتا ہے۔ ابتدائی مسیحی کلیسیا میں مُردوں کے دفن کا رواج یہودیوں سے لیا گیا تھا۔ ہمارا خداوند بھی اسی رسم کے بموجب دفن کیا گیا پھر پولس رسول کے بعض الفاظ اور استعارات نے اس رسم کو اور بھی تقویت دی۔ مگر دفن میں بذاتِ خود کوئی خوبی نہیں اور نہ کوئی مذہبی حکم یا اصول اس کا موید ہے۔ اس لئے اس کا فیصلہ عقل سلیم اور حفظانِ صحت کے قواعد کے رو سے ہونا چاہئے۔ یہ کہنا کہ چونکہ زندہ انسان آگ میں جلنا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے مُردوں کے جلانے سے ہمارے اندرونی جذبات کو صدمہ پہنچتا ہے کوئی ایسی دلیل نہیں جو غور کے لائق ہو یہی دلیل مُردوں کو مٹی کے انبار کے نیچے دبا دینے کے خلاف بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں زمین کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔ اس لئے جو زمین قبرستان نے روک رکھی ہے جن کے وسیع کرنے کی ضرورت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے وہ مُردوں کو جلانے کی رسم اختیار کرنے سے بہتر طور پر کام آ سکتی ہے۔ پھر بارش کا پانی جو زمین میں جذب ہو کر کنوؤں کے پانی میں مل جاتا ہے وہ سڑے گلے مُردوں کے اجزا کو لیکر اُس پانی میں اثر کریگا جو پینے یا دیگر ضروریات کے کام آتا ہے۔ مُردوں کو جلانے کے خلاف یہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے کہ مُردے کے جلائے جانے سے جسم کے اجزا ایسے منتشر ہو جائینگے کہ قیامت کے روز مُردوں کا اپنے اصلی جسم کے ساتھ اٹھنا ناممکن ہوگا۔ طبی اور مذہبی خیال سے اس دلیل کی بھی کوئی وقعت نہیں جب دانہ زمین میں گر کر مر جاتا ہے تو اسکا پھل زمین کے اجزا سے بن کر نیا دانہ پیدا ہوتا ہے۔ تو کیا خدا کے آگے ناممکن ہے کہ جن لاشوں کو مچھلیوں پرندوں یا درندوں نے کھا لیا ہے اُن کے

لئے وہ ایک نیا جسم مہیا کر دے؟ ہم روحانی معاملات کے نہ سمجھنے سے اس قسم کی غلطی کرتے ہیں۔ باقی رہا خرچ کا سوال۔ مُردوں کے دفن کرنے یا جلانے میں کونسا طریق سستا پڑتا ہے؟ لاہور یا دیگر بڑے بڑے شہروں میں مُردوں کو قبرستان یا مرگھٹ میں لیجانے کے لئے یکساں خرچ ہوگا۔ ہاں البتہ ممکن ہے کہ لاش کو جلانے کے لئے لیجانیکی خاطر کسی شاندار صندوق کی ضرورت نہ رہے یا اگر پردہ داری کے لحاظ سے تابوت کی ضرورت ہو بھی تو ایک مستقل تابوت سب مُردوں کے لئے تیار رکھا جائے۔ جلانے کے لئے ایندھن کی لاگت پختہ قبر کے بنوانے یا سنگ مرمر یا کسی اور قسم کے پتھر کے مزار نصب کرنے کے خرچ کے برابر نہیں ہو سکتی۔ شاید بعض صاحب توفیق اشخاص اپنے مُردے کی راکھ اسی شان اور ٹیپ ٹاپ سے دفن کرنا پسند کرینگے جیسا دوسرے طریق والے کرتے ہیں۔ غرض ہر پہلو ہم مُردوں کا جلانا دفن کرنے کی نسبت بہتر سمجھتے ہیں۔ مگر جب تک کلیسیا کی متفقہ آواز اس کو جائز قرار نہ دے موجودہ رسم کا جاری رکھنا ضروری ہے۔ یورپی ممالک میں بعض اشخاص اپنی لاش کو جلوانا پسند کرتے ہیں۔ اگر جمہور کی رائے اس کی حامی ہو تو ہمارے بادیوں کو بہت جلد مرگھٹ کا انتظام کرنا پڑیگا۔

پیدائش کی کتاب کا تصحیح شدہ ترجمہ

یہ ترجمہ سال گزشتہ میں برٹش اور فارن بائبل سوسائٹی نے ایک خاص کمیٹی کے ذریعہ تیار کروایا۔ چونکہ پُرانے ایڈیشن کی تمام جلدیں فروخت ہو چکی تھیں اسلئے نئے ترجمے کی پندرہ ہزار جلدیں سال حال کے شروع میں شائع کی گئی ہیں۔ اس کا مقابلہ پرانے نسخے کے ساتھ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گو یہ تصحیح شدہ ترجمہ کہلاتا ہے مگر دراصل بالکل نیا ترجمہ ہے کیونکہ شاید ہی کوئی ایسی آیت ہوگی جس میں کوئی نہ کوئی لفظ یا عبارت تبدیل نہ کی گئی ہو۔ جن لوگوں کے کان پُرانے ترجمہ کے الفاظ سے

مانوس ہو گئے ہیں ان کی نظروں میں شاید یہ نیا ترجمہ نہیں جچیگا۔ کم از کم کچھ عرصہ تک وہ انہی پرانے الفاظ کو یاد کر کے آہیں بھرا کرینگے۔ وہ اول اول ؟ جالے کی جگہ روشنی اور جورو کے بجائے بیوی اور دیگر اسی قسم کے نئے الفاظ کو پسند نہیں کرینگے مگر آخر انہیں ماننا پڑیگا کہ اس نئے ترجمے میں جو صحت اور سلاست ہے وہ پرانے ترجمے میں پائی نہیں جاتی۔ اس تصحیح کی بنیاد انگریزی اور امرکین تصحیح شدہ ترجمے پر رکھی گئی ہے اس لئے یقین ہے کہ مدت تک یہی ترجمہ مستند قرار دیا جائیگا۔ ہم ناظرین سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ ضرور اس صحیفہ کو پڑھیں۔ چونکہ یہ عہد عتیق میں سے اول کتاب ہے جو بعد تصحیح کے چھاپی گئی ہے اور باقی صحایف کا ترجمہ بھی ہو رہا ہے۔ اس لئے اس کو بطور نمونہ سمجھنا چاہیئے۔ اگر کوئی صاحب اس میں کوئی بے محاورہ لفظ یا ترجمہ کی غلطی پائیں تو وہ ضرور بائبل سوسائٹی لاہور کے سکرٹری صاحب کو اطلاع دیں تاکہ آیندہ تصحیح میں کمیٹی کے ممبروں کی ہدایت ہو۔ افسوس ہے کہ اس نئے ایڈیشن میں بے احتیاطی سے چند کتابت کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ اگر بائبل سوسائٹی کے منتظم ایک غلطنامہ ہر ایک جلد میں چسپاں کر دیتے تو اچھا ہوتا +

ہمارے کونسرٹ یہ ایک انگریزی لفظ ہے جو ہماری نئی اٹھتی ہوئی کلیسیا کی لُغت میں مروج ہو گیا ہے۔ اور جس کی تذکیر و تانیث کی نسبت ہم کو ابتک شبہ ہے۔ کونسرٹ کے لغوی معنی ہیں وہ ہمسازی کا گانا بجانا ہے۔ ہندوستانی مسیحی اصطلاح میں کونسرٹ راگ و رنگ کی ایک محفل ہے جس میں گانے بجانے والے انگریزی اور ہندوستانی علم موسیقی کے جوہر دکھاتے ہیں۔ اور جس میں سامعین کو عموماً بذریعہ ٹکٹ کے داخل کیا جاتا ہے۔ مزید براں اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جب داخلہ ٹکٹ کے ذریعہ ہو تو جو آمدنی ٹکٹوں کی فروخت سے ہو وہ کسی خیراتی

کام یا مشن کے لئے وقف کی جائے۔ حاضرین ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق ٹکٹ خرید کر کونسرٹ میں جانا سعادتِ دارین کا موجب سمجھتے ہیں۔ جو اصحاب براہ راست چندہ دینے میں پس و پیش کرتے ہوں اس کلید کونسرٹ کے ذریعہ سے اُن کے جیب اور بٹوؤں کے قفل کو کھولا جاتا ہے۔ خیرات لینے کا یہ ایک مغربی طریق ہے خواہ دینے والے کو خیرات کے اصلی مدعا کے ساتھ ہمدردی یا دلچسپی ہو یا نہ ہو۔ مذہبی پہلو سے اس میں کوئی ایسی قابل اعتراض بات نہیں جس کے باعث اُسے خلافِ مسیحیت کہہ سکتے ہیں۔ ہر ایک شخص کو اختیار ہے کہ ایسے معاملات میں اپنی مسیحی آزادی کو کام میں لا کر جو مناسب سمجھے سو کرے پولس رسول خوش تھا کہ "مسیح کی منادی ہوتی ہے۔ بہانے سے ہو خواہ سچائی سے"۔ مگر ایک بات ہم ضرور کہینگے کہ کونسرٹ میں گیتوں کے الفاظ کا خیال رکھنا چاہئے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ہمارے بعض بھائی محض راگ کے الاپ اور سُر اور تال کو اس موقعہ کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اور عشقیہ غزلوں میں سے ایسے ایسے شعر حاضرین کی ضیافت طبع کے لئے سناتے ہیں جو نہ صرف قابل اعتراض بلکہ اخلاقی پایہ سے بھی گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہم اس لحاظ سے مکتی فوج کے گانے والوں کی تعریف کرتے ہیں جو ان کونسرٹوں میں انگریزی راگ سے جوہر دکھانے کے علاوہ پاکیزہ الفاظ اور روحانی مضامین سے اچھا اثر پیدا کرتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان موقعوں پر سوائے روحانی گیتوں اور غزلوں کے اور کسی مضمون کے گیت گانا مناسب نہیں۔ خوش طبعی اور ظرافت کے گانے بھی ہیں۔ جن سے سامعین محظوظ ہو سکتے ہیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہماری کونسرٹوں میں کوئی لفظ ایسا استعمال نہ کیا جائے جس کو بلحاظ مسیحی ہونے کے ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں مُنہ سے نکالنا پسند نہیں کرتے۔ غرض بھائیو اور بہنو گاؤ اور بجاؤ اور پیسے بھی جمع کرو مگر اچھے راگ کے ساتھ مناسب الفاظ کا لحاظ بھی رکھو۔

اکبر اور مسیحی مذہب

(۲)

فتح پور سیکری میں پہنچنے کے دوسرے دن فادر روڈ آلف اقویوا اور اُسکے رفقا بادشاہ سے ملاقات کے لئے دیوان خاص میں گئے۔ اور بائیبل کا ایک نسخہ جو نہایت خوبصورت سات جلدوں میں مجلد تھا بطور تحفہ اپنے ساتھ لے گئے۔ اکبر نے ان مقدس کتابوں کو بڑی خوشی سے قبول کیا اور اپنی پگڑی اُتار کر ہر ایک جلد کو سر پر رکھا اور کمال ادب سے چوما۔ بعد ازاں اُس نے دریافت کیا کہ اناجیل کی کونسی جلد ہے اور اُس کو اپنے سینے سے لگایا پھر اس نے حکم دیا کہ کتابوں کو اُس کے اپنے کمرے میں پہنچائیں اور فادر روڈالف کو وہ قیمتی صندوق دکھایا جو بائیبل کے رکھنے کے لئے بنوایا گیا تھا۔

ہر ہفتے میں جمعرات کی شب مذہبی اور اخلاقی مضامین پر بحث کے لئے مقرر کی گئی۔ یہ مجالس انوپ تلاؤ کے متصل ایک وسیع کمرے میں ہوا کرتی تھیں۔ اس ایوان کے ایک ـــ ـــ پر کتب خانہ تھا۔ وسط میں ایک چبوترہ تھا جس پر اکبر بطور صدر انجمن کے کرسی نشین ہوا کرتا تھا۔ اس کے گرد چاروں طرف بحث میں شامل ہونے والوں اور تماشائیوں کے لئے نشست گاہوں کی قطاریں تھیں شروع ہی سے فادر روڈالف ان مجمعوں میں جایا کرتے تھے۔ فادر مونسٹی سیرٹ بھی علالت سے صحت یاب ہو کر دار الخلافت میں آن پہنچے اور ان مباحثوں میں حصہ لینے لگے۔ یہ مسیحی پریسٹ بڑی خبرداری سے کلام کرتے تھے تاکہ مولویوں کو اُن کے خلاف کسی قسم کی شکایت کی گنجایش نہ رہے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ مشہور مولانا شیخ قطب الدین نے فادر روڈالف کے دلایل سے لاجواب ہو کر اس کو دعوت دی کہ فیصلہ آگ کے ذریعہ سے کیا جائے۔ یعنے وہ اور فادر روڈالف دونوں اپنی اپنی مقدس کتاب ہاتھ میں لیکر آگ میں سے گزریں اور جو

صحیح سلامت نکل جائے وہی سچا سمجھا جائے۔ فادر روڈالف نے اس قسم کے امتحان سے انکار کیا کیونکہ اس طور پر خواہ مخواہ خدا کی آزمائش کرنا نامناسب ہے۔

اکبر اُن پادریوں کے ساتھ ہمیشہ بڑی مہربانی سے سلوک کرتا رہا۔ جب فادر مونٹسی سیرٹ بیمار ہوا تو اس نے شاہی طبیب اُس کے علاج کے لئے بھیجا۔ اور جب وہ صحت یاب ہوا تو اُس کو تبدیل آب وہوا کے لئے آگرہ بھیج دیا۔ پھر اُس نے اُن پادریوں کو شہر کے غل غپاڑے سے نکال کر اپنے محل کے احاطے میں رہنے کے لئے جگہ دی۔ یہاں پر اُنہوں نے ایک نہایت خوبصورت چھوٹا گرجا تعمیر کروایا جس میں شہر کے مسیحیوں کو روزانہ عبادت میں آنے کی اجازت تھی۔ اس گرجے کے اندر مقدس میز کے پاس مریم اور شیرخوار بچے مسیح کی ایک نہایت خوبصورت رنگین تصویر سینٹ فرانسس بورجیا کے ہاتھ کی کھینچی ہوئی رکھی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ گرجے میں آکر اُس تصویر سے نہایت متاثر ہوا۔ اول وہ محمدی طریق پر بڑے ادب سے اُس کے آگے سجدہ بجالایا پھر رومن کیتھولک دستور کے مطابق سربرہنہ اور دست بستہ اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اُس کی پرستش کی اور آخر کار ہندوؤں کی طرح مُنہ کے بل لیٹ کر اس کی تعظیم کی۔ وہ کہتا تھا کہ خدا سب آدمیوں کی اطاعت کے لائق ہے اور اسی خیال سے اس نے تین طریقوں سے اُس کی عبادت کی۔ بعد ازاں وہ فرش پر بیٹھ کر پادریوں کے ساتھ گفتگو کرتا رہا۔ اُس نے بیان کیا کہ مسیحی مذہب کی فضیلت کی نسبت اُس کے دل میں کچھ شک وشبہ نہیں اور مسیح کی زندگی اور کاموں سے اُس کی الوہیت ثابت ہوتی ہے مگر اُسے اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ وہ خدا کا بیٹا کیوں کہلاتا ہے۔

ایک ہفتے کے بعد وہ اپنے تینوں بیٹوں جہانگیر مراد اور دانیال کو جن کی عمر گیارہ دس اور نو سال علے الترتیب تھی ہمراہ لے کر گرجے کو آیا۔ کئی ایک سرکاری اور فوجی افسران اور بڑے بڑے مولوی اُن کے ساتھ تھے۔ گرجے کے دروازے پر اُس نے شاہزادوں سے کہا کہ اپنی جُوتی اُتار دو اور پھر ان کو سکھایا کہ میز کے پاس

والی تصویر کی مناسب تعظیم کیونکر کرنی چاہیئے۔ ہر ایک نے اس رنگین تصویر کی تعریف کی۔ رخصت ہوتے وقت فادر روڈالف نے مریم کی ایک چھوٹی سی تصویر بادشاہ کو بطور تحفہ کے نذر کی۔ بادشاہ نے بڑی مسرت سے اسے قبول کیا اور خبرداری سے اپنے کمرے میں آویزاں کرایا۔ اس نے اپنے دوسرے بیٹے کو پرتگالی زبان سیکھنے اور اخلاق کی تعلیم دینے کے لئے فادر مونٹی سیرٹ کے سپرد کیا۔

اکبر نے ان پادریوں سے کہا کہ چونکہ اس کی سلطنت میں بہت سے مندر اور مساجد ہیں اس لئے وہ جتنے گرجے بھی اس کی رعایا کی بہبودی کے لئے ضروری سمجھیں خوشی سے مہیا کئے جائینگے۔ اس نے ان کو یہ بھی یقین دلایا کہ جو کوئی چاہے مسیحی مذہب اختیار کر سکتا ہے۔ اور اگر کسی مسیحی سے خواہ کسی غرض سے جبراً اسلام قبول کرایا گیا ہو اور وہ پھر مسیحی جماعت میں واپس جانا چاہے تو اس کے رستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔

۱۵۸۲ء میں کابل میں بغاوت پھوٹ نکلی۔ اکبر فوج لیکر اسے فرو کرنے کو گیا چونکہ فادر مونٹی سیرٹ شاہزادہ مراد کا اتالیق تھا اسے بھی فوج کے ساتھ جانے کی اجازت مل گئی۔ فادر روڈالف کو اکیلا فتح پور سیکری میں رہنا پڑا۔ جہاں وہ روزہ اور ریاضت اور صد درجہ کی نفس کشی میں مشغول رہا۔ جب اکبر نے کابل سے مراجعت کی تو فادر روڈالف نے گوآ کو لوٹ جانے کی استدعا کی جسے بادشاہ نے طوعاً وکرہاً منظور کیا اور اس کے ہاتھ گوآ کے اعلےٰ فادر کی طرف ایک خط بھیجا جس میں اس نے مسیحی تعلیم کی تعریف کی اور بیان کیا کہ فادر روڈالف کی موجودگی اور وعظ ونصیحت سے اسے کس قدر فائدہ حاصل ہوا ہے۔ اور آخر میں درخواست کی کہ اس کی جگہ اور لائق پادریوں کو اس کے دربار میں بھیجا جائے۔

۱۵۸۳ء میں اکبر نے ہندوستان میں اول سرکاری شفاخانہ قائم کیا۔ جو پادریوں کی صلاح کا نتیجہ تھا۔ یہ شفاخانہ شہر کی فصیل کے باہر ابوالفضل کے زیر اہتمام

تھا۔ اور اس میں علاوہ علاج معالجہ کے نادار غریبوں کو کھانا کپڑا بھی دیا جاتا تھا۔

فادر روڈلف کے واپس چلے جانے کے بعد کئی سال تک گوا کے حاکموں نے کسی اور پادری کو اس کی جگہ نہ بھیجا۔ ۱۵۹۰ء میں ایک آرمینیا کا پادری بنام فادر لیو گریمونس اتفاقاً لاہور سے گوآ کو جاتا ہوا فتح پور سیکری میں سے گزرا اکبر نے اس کے ہاتھ ایک اور دوستانہ خط گوآ کے سینٹ پالس کالج کے افسران کے نام بھیجا جس میں اس نے درخواست کی کہ چند پادری اس کے دربار میں بھیجے جائیں۔ اس نے ان کو یاد دلایا کہ اسے مسیحی مذہب پر گہری دلچسپی ہے اور اس کی دلی خواہش ہے کہ مختلف مذاہب کی تعلیم کا مقابلہ کر کے راستی کو دریافت کرے۔ اس نے ان پادریوں کو یقین دلایا کہ راہ میں ان کی حفاظت کی جائیگی اور دربار میں ان کی رہایش اور خاطر تواضع کا مناسب انتظام کیا جائیگا۔ اور انکو پورا اختیار ہوگا کہ جب چاہیں واپس لوٹ جائیں۔

اس تاکیدی درخواست کے بموجب دو پادری یعنے فادر لیسکن اور رویگا ۱۵۹۱ء میں بمقام لاہور شاہی دربار میں آپہنچے۔ اکبر نے مدارات سے ان کو قبول کیا اور شاہی محل میں ان کی رہایش کا انتظام کیا گیا۔ انہوں نے اس جگہ بادشاہ کے بیٹوں اور نواسوں اور دربار کے دیگر امرا کو پرتگالی زبان سکھانے کے لئے ایک مکتب جاری کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ پادری گوآ کو لوٹ گئے اور ان کی جگہ ۱۵۹۵ء میں فادر جیروم زیویئر (مشہور مبشر سینٹ فرانسس زیویئر کا بھتیجا) اور فادر پنیرو اور فادر گوئیز دربار میں آئے۔ فادر زیویئر تئیس برس تک دربار مغلیہ میں رہا اور اس عرصہ میں ۔ ۔ ۔ سگے برطارم اعلےٰ نشینم ۔ سگے بر پشت پائے خود بہ بینم ۔ کے مصداق زندگی بسر کرتا رہا۔ آخر وہ ۱۶۱۷ء میں گوآ میں واپس جا کر آرچ بشپ مقرر کیا گیا۔ مگر اسی سال اس جہان فانی سے کوچ کر گیا +

جب وہ شاہی دربار میں پہنچے جو ان دنوں شہر لاہور میں تھا تو اکبر نے بڑے

تپاک کے ساتھ اُن سے ملاقات کی۔ اور اُنہیں شاہی محل کے ایک حصے میں رہنے کے لئے جگہ دی۔ فادر زیویئر اور اس کے رفقا لاہور میں اپنی بود و باش اور کام کا حال خطوط میں بڑی دلسوزی سے بیان کرتے ہیں۔ جو مدرسہ اُنہوں نے شاہزادوں اور امرا کے لئے کھولا تھا وہ اُسے بڑی کامیابی سے چلاتے رہے۔ اکبر اور جہانگیر کی فیاضی سے اُنہوں نے ایک نہایت عالیشان گرجا تعمیر کیا جس کی تقدیس ۱۵۹۷ء میں بڑی دھوم دھام سے کی گئی۔ لاہور کا حاکم بھی اس رسم کے ادا کرنے کے موقعہ پر موجود تھا۔ اُس نے اس نئے مذہب کی نسبت تعظیم دکھانے کے لئے ایک گلدان مسیحی کی جو گاؤکشی کے جرم میں قتل ہونے والا تھا جان بخشی کی فادر پنہیرو نے شہر میں بڑا رسوخ پیدا کر لیا چنانچہ بڑے بڑے اعلےٰ افسروں کے جھگڑے وہی نپٹایا کرتا تھا۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق جو مجرم گرجے میں پناہ لیتا تھا وہ قانون کی رُو سے محفوظ رہتا تھا ؀

۱۵۹۸ء میں اکبر نے لاہور چھوڑ کر آگرہ کی طرف مراجعت کی اور فادر زیویئر اور فادر گوئیز کو اپنے ہمراہ لیا۔ فادر پنہیرو لاہور کے مشن کا منتظم مقرر کیا گیا اگلے سال دونوں پادری بادشاہ کے ہمرکاب جنوبی ہند کو گئے۔ وہ رستے میں انجیل کی منادی کرتے گئے۔ اور کئی آدمیوں کو بپتسمہ دیا۔ بادشاہ ۱۶۰۱ء میں آگرہ کو لوٹا۔ یہی آگرہ مشن کے آغاز کا سال ہے ؀

اکبر نے ۱۶۰۵ء میں رحلت کی۔ اپنے انتقال سے پیشتر ایک سفارت فادر گوئیز کے ساتھ پرتگال کو گوآ کے راستے روانہ کی۔ فادر گوئیز پھر آگرہ کو واپس نہ آیا بلکہ اس کو تبت میں مشن قایم کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ اور فادر مکادو اس کی جگہ آگرہ میں تعینات کیا گیا ؀

(از گارڈین)

ولایتی چٹھی

لنڈن ۳ مئی ۲۳ء

لنڈن میں ماہ مئی کا پہلا ہفتہ ہمیشہ بڑی بڑی مجالس کا وقت ہوا کرتا ہے۔اسی میں سب مشنری سوسائیٹیوں کے اجلاس ہوتے ہیں۔ اتنے بہت سے مسیحی لوگوں کا دیگر ممالک کے رہنے والوں کی امداد کی غرض سے اس بڑے شہر میں اکٹھا ہونا نہایت حوصلہ افزا ہے۔ ان کا یہی ایک مدعا ہے کہ اس خدمت کو بہترین طور پر کیونکر انجام دے سکتے ہیں۔ اور خدمت کے مختلف طریقوں اور تجاویز پر ایسی بحث ہوتی ہے کہ پیشتر کبھی نہ ہوئی تھی۔جو کام ہو چکا ہے اس کے لئے خدا کا شکر کرتے ہوئے وہ اگلے سال میں بڑی سرگرمی سے اس پاک ارادے کے ساتھ قدم بڑھا رہے ہیں کہ آیندہ ہم سے جو کچھ ہو سکے گا کرینگے۔چونکہ اس موقعہ پر بہت سے مشنری اور احباب لنڈن میں جمع ہوتے ہیں ایک خاص جلسہ اُن اشخاص کا بتاریخ یکم مئی فراہم ہوا جو پنجاب میں رہ چکے ہیں۔ حاضرین کی تعداد چالیس سے اوپر تھی جلسہ کا انتظام مسٹر آر میکانکی کی بیوہ مسز میکانکی صاحبہ نے کیا۔ میکانکی صاحب مرحوم کو پنجاب کے بہت سے لوگ اچھی طرح سے جانتے تھے۔ اور اُن کو بھی اس ملک سے خاص اُنس تھا۔جلسہ میں سر میکورتھ ینگ تشریف فرما تھے۔ مسٹر کولڈسٹریم ڈاکٹر سٹنٹن صاحب کپتان گلفرڈ صاحب مسٹر وگرم مسٹر کورفیلڈ وائی ایم سی اے کے مسٹر شوترن سنگھا اور مسٹر واعظ اور بہت سے دیگر اصحاب بھی حاضرین میں موجود تھے جنہوں نے پنجاب میں کام کیا ہے۔اور جو اس ملک کے باشندوں سے محبت رکھتے ہیں۔گو اب وہ وہاں نہیں ہیں تو بھی اپنے پنجابی بھائیوں کی خدمت کرنے کی دلی خواہش رکھتے ہیں۔ بائیبل سوسائیٹی کے اجلاس میں مسٹر جوئیل واعظ لاہی تقریر کنندوں میں ہونگے۔ ان تمام مجالس میں اوروں کی خدمت کا خاص اصول مدنظر ہے۔ اور یہی اصول ہم اپنے اُن

دوستوں کے سامنے رکھتے ہیں جو سمندر کے اس پار بستے ہیں +

لنڈن میں ہندوستان کے عجیب وغریب نظاروں اور وہاں کے لوگوں کے بودوباش کی تصاویر سینما کے ذریعہ دکھائی جا رہی ہیں۔ جن سے بہت لوگوں میں ہندوستان کی نسبت واقفیت اور زیادہ دلچسپی پیدا ہو رہی ہے +

کیا مخروطی مینار خداوند کا نشان ہے

"اس روز مصر کی مملکت کے بیچوں بیچ خداوند کا ایک مذبح اور اُس کی سرحد میں خداوند کا ایک ستون ہوگا" (یسعیاہ ۱۹۔۱۹ و ۲۰)

جس وقت کا ذکر یہاں ہے۔ وہ اب آگیا ہے۔ اس کے ماننے کی کافی دلیل ہمارے پاس موجود ہے۔ اس لئے سرزمین مصر میں خداوند کی ایسی شہادت ملنے کی بڑی توقع رکھنی چاہیئے۔ جس لفظ کا ترجمہ "ستون" کیا گیا ہے اس سے معمولی ستون مراد نہیں بلکہ ایک عظیم الشان یادگار مراد ہے اب دنیا کی عجوبہ یادگار مصر میں پائی جاتی ہے۔ سارے زمانوں اور قوموں میں غزہ کا مینار اعظم دنیا کی اعلےٰ عجائبات میں گنا گیا ہے۔ جس قدر زیادہ اس کا حال معلوم ہوتا جاتا ہے اُتنی ہی زیادہ ہماری حیرت بڑھتی جاتی ہے۔ یہ تو پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ اس مینار کے معمار کو سائنس اور نجوم کا جو علم حاصل تھا وہ آج کسی کو حاصل نہیں۔ مثلاً ساری دنیا میں یہ مینار ہی ایسی عمارت ہے جس میں سمتوں کا کامل اندازہ لگایا گیا ہے یعنی اس کے اطراف شمال۔ جنوب مشرق اور مغرب کی سمتوں کو ٹھیک ٹھیک ظاہر کرتے ہیں۔ سرسری نظر سے تو یہ کچھ بڑی بات نظر نہیں آتی لیکن فی الحقیقت یہ نہایت مشکل امر ہے۔ مندروں گرجاؤں رصدگاہوں اور یادگاروں کے ذریعہ انسان نے ان سمتوں کو ٹھیک بتانے کی بے شمار کوششیں کی ہیں۔ لیکن کامیاب نہ ہوئے +

اورانی برگ (Uranibury) کی رصدگاہ یورپ کے نہایت مشہور
اور لایق فایق سائنس دانوں کی زیر نگرانی تعمیر ہوئی۔ لیکن اس کے تکمیل پانے پر
یہ ظاہر ہوا کہ نی ڈگری پانچ منٹ کی غلطی رہ گئی۔ امریکہ کی متعدد ممالک کی سرکار
نے یہ ارادہ کیا کہ کوہ اگما نٹی کس پر ایک ایسی رصدگاہ بنائے جس میں سر مو
فرق سمتوں کا پایا نہ جائے۔ اس رصدگاہ کو بہت احتیاط سے تعمیر کیا تو بھی
ایک سکنڈ کے ۱/۱۰ کی کسر نکلی۔ لیکن اگرچہ اس مینار کو تعمیر ہوئے چار ہزار سال
سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اور ایسے وقت میں وہ تعمیر ہوا جب لوگ یہ
مانتے تھے کہ زمین چپٹی اور مربع صورت ہے لیکن مطلق کوئی غلطی کوئی کسر
سمتوں اور ساعتوں میں پائی نہیں جاتی۔ اس لئے یہ معمار ساری دنیا اور
سارے زمانے کے معماروں سے زیادہ خوش قسمت ہوگا جس نے یہ حیرت انگیز
کمال دکھایا۔ اور یہی ایک کمال نہیں بلکہ اس کی ہر ساخت کمالات سے بھرے
اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اتفاقی امر ہے بلکہ یہ اس معمار کی سائنس اور نجوم دانی
پر محمول کرنا چاہئے۔ اس لحاظ سے یہ ایسا بڑا معجزہ ہے کہ دنیا بھر میں جس کی
مثال پائی نہیں جاتی۔ یہ معجزہ نہ ایک دن کے لئے۔ نہ چند آدمیوں کے سامنے
بلکہ ہر زمانوں اور سارے لوگوں کے سامنے ہے۔ غزہ میں تین مینار ہیں۔
ایک بڑا ہے اور دو چھوٹے۔ یہ دو چھوٹے بڑے کی نقل ہیں۔ اور جن بادشاہوں
نے ان دو چھوٹے میناروں کو بنوایا انہوں نے ان کو اپنے مقبرہ کے لئے بنوایا
لیکن بڑا مینار اس مقصد کے لئے تعمیر نہ ہوا تھا ہیروڈوٹس مورخ کا بیان ہے کہ
اس مینار کو بنوانے والا اس میں دفن نہیں ہوا۔ اور آج کوئی تابوت یا اس کا
نشان اس میں سے نہیں ملا جس سے ثابت ہو کہ وہ مقبرہ تھا۔ لیکن باقی
دو مینار محض نقل ہیں ان میں ساخت کی بہت غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ اس
بڑے مینار کی بیرونی سطح پر ایسا شفاف پتھر لگا ہے کہ اتنے ہزار برسوں
کے بعد اس کی جلا اور مضبوطی میں ذرا فرق نہیں آیا۔ لیکن ان چھوٹے

بناروں کی بیرونی ساخت میں جو پتھر لگا ہے وہ بہت جگہوں میں بوسیدہ۔ خمیدہ اور شکستہ ہوگیا ہے۔ علاوہ ازیں اور بہت سے فرق ساخت میں پائے جاتے ہیں۔ مصری لوگ مانتے تھے کہ زمین چپٹی یا مربع صورت کی ہے۔ اس لئے ان کے نقشوں میں سطح کی ہمواری کے وقت اس گولائی کا کوئی اندازہ لگایا نہیں گیا۔ لیکن اس بڑے مینار کے بنانے والے کو معلوم تھا کہ زمین گول ہے اور اس نے ۸ انچ فی میل کی گولائی کا اندازہ سطح ہموار کرنے میں لگایا۔ اسی وجہ سے یہ بڑی عمارت آج تک اسی طرح کھڑی ہے اور اسے کچھ جنبش نہیں ہوئی۔ چھوٹے میناروں کی ساخت میں جو پیمانہ استعمال کیا گیا وہ بیس انچ کا تھا لیکن بڑے مینار کی ساخت میں ایک متفرق پیمانہ استعمال ہوا اور جہاں تک ہمیں معلوم ہوا مصر میں کسی اور جگہ وہ پیمانہ استعمال نہیں ہوا یہ پیمانہ مقدس پیمانہ تھا جو خیمہ یا ہیکل یا نوح کی کشتی کی تعمیر میں استعمال ہوا اور یہ پچیس انچ کا پیمانہ تھا۔ اور زمین کے قطبی محور کا ٹھیک $\frac{1}{20.....}$ الغرض اس مخروط کلاں کی رصد بندی کامل ہے اور چھوٹے میناروں کی ناقص ہے۔ مخروط کلاں میں کوئی زیبائش۔ گلکاری اور نقش و نگار نہیں حالانکہ دوسرے میناروں میں ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس نے یہ مخروط کلاں بنوایا وہ قدیم مصریوں میں سے نہ تھا البتہ جنہوں نے اس کی نقل کی وہ مصری تھے یہاں ہمیں یرمیاہ کے یہ لفظ یاد آتے ہیں یوں زبردست اور قادر خدا رب الافواج اس کا نام ہے .... جس نے زمین مصر میں آج تک .... حیرت افزا قدرتیں دکھائیں ..... جیسے آج کے دن ہے (یرمیاہ ۳۲ - ۱۸ سے ۲۰)

اگر کوئی اس امر کا انکار کرے کہ اس مخروط کلاں میں یہ عجائبات الہی قدرت سے وقوع میں نہیں آئیں تو مسئلہ ارتقا اور سائنس کے جدید قیاسات سب خاک میں مل جائینگے کیونکہ یہ ماننا پڑیگا کہ چار ہزار برس پہلے جو علم و سائنس انسان کو حاصل تھا وہ آج حاصل نہیں۔ سائنس دان سینکڑوں سال سے

اس امر کی تحقیق میں لگے رہے کہ اس مخروطی مینار کی ساری کیفیت دریافت کریں اور خدا کو دخل نہ دیں۔ ہزاروں رائیں قایم کی گئیں لیکن ان میں کوئی بھی تحقیقات کے سامنے کھڑی نہ رہیں۔ اس لئے مجبوراً یہ ماننا پڑیگا کہ یہ مخروطی مینار خود خدا کی کاریگری ہے۔ اگر کتاب مقدس میں ایسی آیات نہ ہوتیں جن میں سرزمین مصر میں خدا کی نشانیاں ملنے کا ذکر ہوتا تو بھی ہم یہ ماننے پر مجبور ہوتے کہ خدا کی زیر ہدایت یہ مخروطی مینار تعمیر کیا گیا ہوگا۔

روایت ہے کہ جس شخص نے یہ مینار بنوایا اس کا نام خیوپس (Cheops) تھا۔ ہیروڈوٹس مورخ کا بیان ہے کہ وہ شخص مصری نسل سے نہ تھا۔ بلکہ مصریوں کو اس سے ایسی نفرت تھی کہ اس کا نام تک انہوں نے نہیں لیا۔ شاید کوئی کہے کہ اس مینار کی تعمیر میں اس نے لوگوں کو بیگار میں پکڑا تھا اس لئے لوگ اس سے ایسی نفرت کرنے لگے۔ یہ درست نہیں کیونکہ دوسرے بادشاہوں نے بھی تعمیر کا کام بیگار کے ذریعہ کروایا بلکہ اس مورخ کا بیان ہے کہ اس بادشاہ نے بیگاریوں کے ساتھ دوسروں کی نسبت بہتر سلوک کیا۔ نفرت کی وجہ وہ مینار نہ تھی بلکہ وہ شے جس کا یہ نشان تھا۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ مصریوں نے اس مینار کے بنوانے والے اور اس کے جانشینوں سے اس لئے نفرت کی کیونکہ وہ ہر طرح کی شرارت میں غرق تھے۔ قدیم مصری کاہنوں کی نظر میں اس سے بڑھکر اور کیا شرارت ہوگی کہ اس نے مصری دیوتاؤں کو خارج کیا۔ اس لئے اس مینار کے نہ اندر نہ باہر کسی قدیم دیوتا کا نشان پایا نہیں جاتا۔ پس اس مینار کا بنوانے والا نہ صرف غیر مصری تھا بلکہ ان کے بتوں کی پرستش بھی نہ کرتا تھا۔ مصری تواریخ سے ظاہر ہے کہ ایک زمانہ میں ان چوپانی بادشاہ حکمران تھے جنہوں نے غیر معبودوں کی پرستش موقوف کردی تھی۔ ان چوپانی بادشاہوں کا وہی پیشہ تھا جو نوح سیم اور پیٹری آرکوں کا تھا جن کو حقیقی خدا کا علم تھا اور جو اس مینار کی تعمیر کے زمانہ میں زندہ تھے۔

اس بعد چوپانی خاندان والے کے زوال کے بعد مصری کاہنوں کا پھر عروج ہوا اور قدیم دیوتا پھر بحال کئے گئے اور اُنہوں نے چوپانی بادشاہوں کی طرف سے ایسی نفرت دکھائی کہ اُن کے نام ساری یادگاروں سے محک کرادیئے۔ اور اُن کے پہلے بادشاہ خیوکپس یا سیوفس کو زیرین مصر کا بادشاہ کیا اور اُس کا نام سبت بنایا +

اُس زمانے میں پتری آرکوں کے سوا باقی سب بت پرستی میں پڑے ہوئے تھے۔ اس لئے گمان غالب ہے کہ جس چوپانی بادشاہ نے یہ مخروطی مینار بنوایا وہ ان پتری آرکوں میں سے تھا جنہوں نے کچھ عرصہ تک مصر پر حکومت کی۔ چوپانی بادشاہوں کی جو تصویریں ملی ہیں اُن سے بھی اس قیاس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان تصویروں میں یہ بادشاہ دراز ریش اور دراز مو تھے۔ حالانکہ مصری بادشاہ بالوں کو خوب منڈواکر رکھتے تھے۔ دراز ریش اور دراز مو ہونا قدیم پتری آرکوں کی خاص علامت تھی اور اِن تصویروں کے حظ و خال بھی مصری چہرے کے نہیں بلکہ سمی نسل کے ہیں +

ظن غالب ہے کہ اس مینار کا بنوانے والا پتری آرک تھا اور غالباً وہ پتری آرک سیم بن نوح تھا جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس نے ایوب کی کتاب لکھی۔ پیدایش کی کتاب سے کم از کم دو سو برس پہلے یہ کتاب لکھی گئی۔ اُس زمانہ کا مشہور پتری آرک سیم ہی تھا اور اسی زمانہ میں یہ مخروطی مینار تعمیر ہوا +

جے علی بخش

روشنی کی رفتار قریب دو لاکھ میل فی سیکنڈ ہے۔ اس حساب سے ایک سال میں روشنی قریب ساٹھ کھرب میل مسافت طے کرتی ہے۔ اب حساب کیا گیا ہے کہ موجودہ عالم کا قطر اس قدر وسیع ہے کہ روشنی ساڑھے تین لاکھ سے چار لاکھ سال میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچ سکتی ہے +

ہماری معاشرتی زندگی اور ہمارے فرائض

(۴)

گذشتہ مضمون میں ہم نے یہ ذکر کیا تھا کہ خدا نے ہماری سرشت میں مختلف خواہشات رکھی ہیں اور ان خواہشات کا ظہور حقوق اور فرائض کی صورت میں ہوتا ہے۔ مثلاً خدا نے ہماری فطرت میں یہ قدرتی خواہش ڈال دی ہے کہ ہم دوسروں سے ملاقات کر کے حظ اٹھائیں اور اس خواہش کی وجہ سے ہمارا یہ حق ہے کہ ہم دوسروں سے ملیں۔ اُن سے بات چیت کریں۔ لیکن اس حق کے ساتھ ہی فرض بھی وابستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جن کے ساتھ ہماری میل ملاقات ہو۔ ان کی مدد کریں اور ان کی ترقی میں حارج نہ ہوں +

اس قسم کی ایک اور خواہش خالق نے ہماری سرشت میں ڈال رکھی ہے اور وہ علم کی خواہش ہے۔ ہر شخص فطرتی طور پر اپنے ہم جنسوں کی نسبت کچھ جاننا چاہتا ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ دوسرا شخص کیا کرتا ہے اُسکے کیا خیالات ہیں اس کا تعلق کس کس شخص سے ہے اس کا چال چلن کیسا ہے اس کا پیشہ کیا ہے اس کی آمدنی کتنی ہے اس کے کتنے بال بچے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ دوسرے اشخاص کے کل تعلقات کی نسبت ہم جاننا چاہتے ہیں +

یہ ایک قدرتی خواہش ہے اور چونکہ خالق نے اس کو ہماری سرشت میں رکھا ہے وہ بذاتِ خود خراب نہیں ہوسکتی۔ اس فطرتی خواہش کا ظہور ہماری روزمرہ زندگی میں ہمیشہ ہوتا ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب ہم دوسرے اشخاص کے کاروبار یا دیگر تعلقات زندگی کی نسبت استفسار نہیں کرتے یا آپس میں اَوروں کی بابت بات چیت نہیں کرتے

اور یہ ہمارا حق بھی ہے کہ ہم دوسروں کے امور پر نظر کریں۔ اور ان کے خیالات اور تعلقات کو معلوم کریں۔ ان کے کاروبار میں دلچسپی لیں۔ ان کی تدبیروں کا ایک دوسرے سے ذکر کریں۔ ان کے مشوروں کو جانیں اور ان پر رائے زنی کریں۔ ان کے خیالات پر بحث کریں۔ غرضیکہ دوسروں کے حالات سے واقف ہونا ہمارا حق ہے جس کو ہم سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس حق کی حد بھی ہے۔ اور اس حد سے ہمیں کبھی تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔ دوسرے اصحاب کے ذاتی امور میں نظر کرنا بڑا عیب ہے کیونکہ یہ حق ہم کو حاصل نہیں کہ جن امور کو دوسرے اشخاص اپنے دل کی اندھیری کوٹھری میں چھپانا چاہیں ہم اُن کو آفتاب کی روشنی میں گھسیٹ لائیں۔ ہر سنجیدہ شخص اس حق کی حدود کو جانتا ہے اور روزمرہ زندگی میں ان حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔ یہ حدود مختلف اصحاب اور مختلف طبقہ کے لوگوں کے لئے مختلف ہیں۔ مثلاً ایک مشرقی خیالات کا شخص اپنے معمولی ملاقاتی سے اسکی آمدنی بچوں کے شمار وغیرہ کی نسبت پوچھنے سے ہرگز نہیں ہچکچائیگا لیکن انگریزی خواں ان امور کو حق کے دائرے کے باہر شمار کریں گے۔ اسی طرح بعض مسیحی جن کو خداوند کی نجات کا تجربہ ہو چکا ہے۔ جب اَوروں سے ملتے ہیں تو ان سے بے دھڑک ان کی روحانی حالت کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں۔ لیکن دیگر اصحاب ہیں۔ خاصکر وہ جو مغربی رسوم کے شیدائی ہیں جو اُن امور کا تذکرہ کرنا بُرا خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ذاتی معاملات ہیں اور لہذا ان کے خیال میں سوائے خدا کے ان کا جاننا کسی اَور کا حق نہیں +

مثال کے لئے دور کیوں جائیں۔ ہم میں سے تقریباً ہر شخص نے ریل کا سفر کیا ہے۔ جو تیسرے درجے میں سفر کرتے ہیں وہ سارا وقت اپنے ہمسفروں سے باتیں کرنے میں ہی صرف کر دیتے ہیں اور چند لمحوں میں ایک دوسرے سے بے تکلف ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے نام۔ خاندان۔ حالات۔ کاروبار

وغیرہ سے تھوڑے عرصے میں ہی مطلع ہوجاتے ہیں۔ جو صاحب اول یا دوم درجہ میں ہوتے ہیں وہ اپنا سارا وقت قصہ کہانی کے پڑھنے ہی میں صرف کردیتے ہیں اور سوائے ہم سفروں کو گھورنے کے آپس میں کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ گھنٹوں ایک دوسرے کے ساتھ سفر کریں گے۔ لیکن ایک دوسرے کے نام۔ کام۔ خاندان وغیرہ سے بالکل کورے رہیں گے۔ جو صاحب درمیانہ درجہ میں سفر کرتے ہیں جب اُن کو انگریزی رسوم ورواج کے پیرو ہونے کا فخر حاصل ہوتا ہے تو ایک دوسرے کی طرف نظر تک اُٹھاکر نہیں دیکھتے۔ اور اگر مشرقی گرہ ہوائی ہیں ان کی تربیت ہوئی ہو تو بیچارے اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں کہ کس سے بات کریں +

پس اختلاف رائے صرف اس حق کے جایز حدود کی نسبت ہی ہے کوئی اس حق کے وجود سے انکار نہیں کرتا ہر شخص کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کے حالات وغیرہ سے واقف ہو۔ لیکن یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حقوق کے ساتھ فرایض وابستہ ہیں۔ پس اس حق کے ساتھ بھی فرض وابستہ ہے۔ لیکن دیگر فرایض کی طرح اس فرض کو ہم ہمیشہ فراموش کردیتے ہیں۔ جب ہم دوسرے شخص کے حالات وغیرہ سے واقف ہونا چاہتے ہیں تو ان کی طرف ہمارا فرض بھی ہوجاتا ہے۔ مثلاً جب ہم کسی شخص کے [illegible] کی نسبت دریافت کرتے ہیں اور ہمیں خبر ملتی ہے کہ وہ بیمار ہیں تو ہمارا یہ فرض ہوجاتا ہے کہ ہم ان کے گھر جائیں اور ان کی خبر لیں اور ڈاکٹر دوائی لائے یا کسی اور طریقے سے والدین کی مدد کریں لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو اس مطلب کے لئے دوسروں کی نسبت پوچھتے ہیں اگر کسی پر کسی قسم کی آفت آجائے تو ہر شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ آیا واقعی اس پر آفت نازل ہوئی ہے۔ لیکن معلوم کرتے وقت کتنے اشخاص یہ محسوس کرتے ہیں کہ آفت زدہ کی مدد کرنا ان پر فرض ہے۔ اور معلوم کرنے کے بعد کتنے اشخاص کے دل میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ چلو ہم فلاں کی مدد تو کریں۔ اگر کوئی شخص

قید ہو جاتا ہے تو ہر شخص دوسرے سے پوچھتا ہے کہ سنا ہے فلاں قید ہو گیا ہے کیا ٹھیک ہے۔ لیکن کتنے ہیں جو قیدی کے لواحقین سے جا کر ملتے ہیں یا ان سے ہمدردی ظاہر کرتے ہیں۔ باتیں محض گفتگو کرنے کے لئے ہی ہم کرتے ہیں۔ ایسی ہی گفتگو کی نسبت خداوند نے فرمایا تھا "میں تم سے کہتا ہوں کہ جو نکمی بات لوگ کہیں گے عدالت کے دن اس کا حساب دیں گے۔ کیونکہ تو اپنی باتوں کے سبب سے راستباز ٹھیرایا جائے گا اور اپنی باتوں کے سبب قصوروار ٹھیرایا جائیگا" (متی ۱۲ : ۳۶) اگر کسی کے گھر خوشی ہوتی ہے تو ہم اس امر پر مطلع تو ہونا چاہتے ہیں لیکن ہم میں سے بہت کم ہیں جو "ہنسنے والوں کے ساتھ ہنستے ہیں اور رونے والوں کے ساتھ روتے ہیں"۔

ہماری معاشرتی زندگی طرحدار ہے۔ کسی کی تکلیف کی خبر سنتے وقت ہم منہ سے بول تو دیتے ہیں "مجھے سخت افسوس ہے" لیکن افسوس کی حالت ہمارے دل پر طاری نہیں ہوتی۔ کسی کی خوشی کی خبر سن کر ہم کہہ تو دیتے ہیں "میں بہت خوش ہوا" لیکن خوشی کے آثار ہمارے چہرے پر نام کو بھی نہیں ہوتے۔ ہمدردی کی زندہ روح کو روایتی کٹ ملک کے مردہ الفاظ نے ہمارے دلوں سے جلاوطن کر دیا ہے۔ گپ بازی اسی مردہ علم کا نتیجہ ہے۔ گھنٹوں دوسروں کے امور اور معاملات پر بحث کرنے میں ضائع کر دیں گے اور پہروں گپ لگائیں گے تاکہ ہم دوسروں کے تعلقات زندگی سے واقف ہو جائیں لیکن اس واقفیت کا کوئی پھل نہیں ہوتا۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنی معاشرتی زندگی کو سدھاریں تو صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنی موجودہ وضعدارانہ زندگی کو ترک کریں۔ نعمان کی طرح روایتی کٹ کے رمون اور زندہ خدا دونوں کے آگے نہ جھکیں۔ ہم اپنی زندگیوں کو اور اپنی جماعت کے رسوم و رواج کو مسیحی اصول پر ڈھالیں تاکہ ہماری جماعت کے اوضاع و اطوار۔ رسوم و رواج وغیرہ مغربی ایٹی کٹ کی کتب پر نہیں۔ بلکہ انجیل جلیل کے زندہ الفاظ پر مبنی ہوں۔

برکت اللہ

خیالاتِ پریشان

گورنمنٹ پنجاب نے جو نئے قوانین میونسپل کمیٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے لئے نافذ کئے ہیں۔ وہ ہمیں بتلاتے ہیں کہ ہندوستانی مسیحیوں کے حقوق کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ جہاں جہاں جداگانہ نیابت کا اصول تسلیم کر لیا گیا ہے۔ وہاں ہندوستانی مسیحیوں کو شہری حقوق سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ وہ نہ تو رائے دے سکتے ہیں اور نہ عام رائے دہندوں کی مرضی سے منتخب ہو سکتے ہیں۔ اگر مسیحی گورنمنٹ کے زیر سایہ ہم سے یہ سلوک کیا جا رہا ہے۔ تو سوراج میں ہمارا کیا حال ہوگا۔ بھید یہ ہے کہ موجودہ گورنمنٹ ایجیٹیشن و شورش سے ڈرتی ہے۔ چونکہ ہندوستانی مسیحی جماعت ایک چھوٹی جماعت ہے اور شورش برپا کرنے کے ناقابل ہے۔ اس لئے ہمارے حقوق غیر مسیحیوں کی خوشنودی پر قربان کئے جا رہے ہیں۔ حق تو یوں ہے کہ ہم اس سلوک کے مستحق بھی ہیں۔ کیونکہ جس قدر بے اعتباری اور نفاق ہم میں پایا جاتا ہے۔ وہ ناگفتہ بہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سرکار کے پاس وفادارانہ وفد بھیجکر ہم کچھ لے لینگے۔ یہ نہایت خام خیالی ہے۔ ایک جماعت جس کے افراد ایک دوسرے پر اعتبار نہ کرتے ہوں اور جس میں ہر شخص یہ سمجھتا ہو کہ ہم چو ما دیگرے نیست اس جماعت کے وفد کیا حیثیت رکھ سکتے ہیں۔ حال ہی میں ایک وفد گورنمنٹ کے پاس حاضر ہوا تھا لیکن اس کا نتیجہ جو نکلا وہ ناظرین سن ہی چکے ہونگے۔ جماعت کے چند سرآوردہ صاحب ثروت اور اعلےٰ رتبہ کے شرکائے جماعت تو وفد میں شامل ہونے ہی سے انکاری ہو گئے۔ اور صرف دوسروں کو برا بھلا کہنے میں ہی اپنا فرض ادا کر گئے۔ ان حالات میں اگر سرکار ہماری ہستی کو نظر انداز کرنا ہی مصلحت وقت سمجھے تو ہماری کیا شکایت ہو سکتی ہے۔

لیکن اگر ہمیں شہری حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے تو ہمارا کیا حشر ہوگا۔ کسی جماعت کا مستقبل اس کی سیاسی حالت پر مبنی نہیں۔ بلکہ اس کی تعلیمی اور اقتصادی حالت زیادہ ضروری ہیں۔ اگر ہم دانشمندی سے کام لیں اور اپنی جماعت کو تعلیم دینے

اور اس کی معاشرتی سطح کو اونچا کرنے میں مشغول ہو جائیں تو ہمارا مستقبل نہایت خوشگوار ہوگا اور جو جائز حقوق آج ہم سے چھینے جا رہے ہیں۔ وہ کل ہم کو خود بخود مل جائینگے۔ دیکھئے ہماری آنکھیں کب کھلتی ہیں +

مردم شماری کی رپورٹ جو حال ہی میں شائع ہونے والی ہے۔ ہمیں بتلاتی ہے کہ ہماری جماعت کی موجودہ تعلیمی حالت نہایت ناقص ہے۔ کوئی زمانہ تھا کہ نسبتاً ہماری جماعت کے افراد لکھنے پڑھنے میں دوسری جماعتوں سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ اب ہم اس امر میں محض تیسرے درجے پر ہیں۔ لیکن وجہ یہ ہے کہ گزشتہ دس سال میں ہماری تعداد پنجاب میں تقریباً دگنی ہوگئی ہے۔ لیکن نئے مرید زیادہ تر ایسے طبقے سے آئے ہیں جن کو اچھوت ذاتیں کہتے ہیں اور جن تک تعلیم کی روشنی ابھی تک نہیں پہنچی۔ اگر ہم نے اس نئی جماعت کے بچوں کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کر لیا۔ تو اور دس سال میں پنجاب میں ایک اچھی خاصی مضبوط مسیحی جماعت پیدا ہو جائیگی۔ ورنہ ہماری حالت اور بھی بدتر ہو جائیگی۔ بعض مشنری سوسائٹیاں اس ضرورت کو محسوس کر کے اس ضروری کام میں ہمہ تن مشغول ہیں اور بعض سوسائٹیاں ابھی تک خواب غفلت میں سو رہی ہیں۔ ہم ہندوستانی مسیحیوں کا فرض ہے کہ مشنری سوسائٹیوں کو اپنے فرض سے آگاہ کرتے رہیں۔ اور جبتک ہماری جماعت کے سارے بچوں کی تعلیم کے سامان مہیا نہ ہو جائیں۔ تب تک چین نہ لیں۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھیں کہ ہم مشنریوں کی دستگیری کب تک کریں گے۔ ابھی سے ہم بطور جماعت کے اس ذمہ داری کو اپنے اوپر لینا بھی شروع کریں۔ اگر کلیسیائی مجالس اس اہم ذمہ داری کو اپنے سر لیں۔ تو نہایت مناسب ہوگا +

امریکن پریسبیٹیرین مشن کی طرف سے جو سکول موگہ میں پادری مکی صاحب کے

بڑا اہتمام جاری ہے۔ وہ نہایت ہی مبارک ہے۔ کیونکہ وہ دیہاتی تعلیم کو
ایسے راستوں پر لانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جس سے بہت سی مشکلات رفع
ہو جائینگی۔ موجودہ سرکاری تعلیم میں بہت سے نقایص ہیں۔ اس لئے کئی جگہوں
پر "قومی مدرسے" کھل رہے ہیں۔ تاکہ نئے تجربے کئے جائیں۔ موگہ ایک
"قومی سکول" ہے۔ جس نے کہ نئے راستوں پر چلنے کی جرأت کی ہے۔ اور
دیہاتی مسیحیوں کی تعلیم کا نیا راستہ کھول دیا ہے۔ لیکن ایک موگہ کیا کریگا۔ ہر کلیسیا
اور ہر مشن کا اپنا موگہ ہونا چاہیئے۔ کیا سی۔ ایم۔ ایس کلارک آباد میں اور
میتھوڈسٹ رائے ونڈ میں۔ اور یو۔ پی مشن بینگس آباد یا مارٹن پور میں زیادہ
بہتر موگہ قائم نہیں کر سکتی؟ تاکہ تعلیم کی رفتار زیادہ تیز ہو جائے۔ اور ہر علاقے
میں موگہ جیسا تعلیمی لائٹ ہوس (Light House) قایم ہو جائے۔
ساری کلیسیا کو مسٹر میکی کا شکرگزار ہونا چاہیئے۔ کہ انہوں نے دیہاتی مسیحیوں
کی تعلیم کی ایک عملی صورت پیدا کر دی ہے +

لیکن ہمیں نہ صرف اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرنا ہے۔ بلکہ ایسے وسائل
اختیار کرنے ہیں کہ جو لوگ لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ وہ برابر زیادہ تعلیم حاصل کرتے
رہیں۔ ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا رہے۔ ان کو زمانہ جدید کی ترقی کے طریقے
معلوم ہوتے رہیں۔ گویا ہمیں نہ صرف بچوں کی تعلیم کا فکر کرنا ہے۔ بلکہ لڑکوں
اور نوجوانوں اور بوڑھوں کو بھی برابر تعلیم دیتے رہنا چاہیئے۔ اس کے کئی
طریقے ہیں۔ مثلاً بائیبل کی جماعتیں۔ دوسری مطالعہ کی جماعتیں میجک لینٹرن
کے لیکچر۔ اخبارات جو آسان فہم ہوں۔ بائیسکوپ نمائش وغیرہ۔ اگر کلیسیا
اپنے فرض کو پہچانے۔ تو ہر کلیسیائی جماعت۔ سیشن (Sessions) اور
پاسٹریٹ کمیٹیاں اس کام کو اپنے ذمہ لیں۔ لیکن ہمارے پادری صاحبان
تو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اتوار کی عبادت اور چند لفظی مسایل پر وعظ کے سوائے

کلیسیا کا اور کوئی فرض نہیں۔ ہمارے پاسٹر معاشرتی اور تعلیمی کام کو کلیسیائی اور پاسبانی کام سے خارج سمجھتے ہیں۔ اور مذہبی اور دنیوی تعلیم کو ایک دوسرے کے متضاد گردانتے ہیں۔ پاسبان اور اُس کی مشیر کمیٹی کا کام نہ صرف انوا مداد اور چندے اور بے معنی مسائل پر زور دینا ہے۔ بلکہ ہر پہلو سے جماعت کی بہتری کے وسایل ڈھونڈنا اور مہیا کرنا اُن کا فرض ہے۔ رومن کاتھلک کلیسیاؤں کو دیکھیئے کہ اُن کی وسعت نظر کس قدر وسیع ہے۔ کوا پریٹو سوسائیٹیاں (Co-operative Societies) یعنی مجالس باہمی امداد" اقتصادی اور تعلیمی تحریک ہے۔ اس لئے رومی کلیساؤں میں ہر جگہ آپ کو یہ مجالس ملینگی لیکن ہماری کلیسیاؤں میں ہمارے پادری صاحبان اُن کا نام سنتے ہی اپنے ہاتھ کانوں پر دھر لیتے ہیں کہ "اُن دنیوی جھگڑوں میں ہم نہیں پڑ سکتے"۔ اور شاید وہ درست ہیں۔ ایسے تعلیم اور ترقی کے دنیوی جھگڑوں میں وہ ہی پڑ سکتا ہے جس میں روحانیت اور مذہب کا اصلی اثیار ہو۔ اور جو مذہبی جھگڑوں سے آزاد ہو۔ جو مذہب کو صرف رسم و رسم اور محض لفافہ بازی اور بے معنی واعظوں کا طومار سمجھتے ہوں وہ ہمارے کیا رہبری کرینگے۔ ع

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

پریشان خیال

مشہور واعظ پادری مائر صاحب فرماتے ہیں کہ وہ میں اوایل عمر میں ہمیشہ اپنے خداوند کے ساتھ رفاقت رکھنے کی کوشش کرتا تھا مگر اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ اگر روح القدس کے ساتھ میرا درست تعلق ہے تو وہی مجھے میری ضرورت کے موافق مسیح کو بخش دیتا ہے کئی طریقے ہیں جن سے لوگ مسیح کے ساتھ شخصی تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر مجھے اپنے تجربے سے پختہ یقین ہے کہ اگر تمہیں یسوع مسیح درکار ہے تو جس انداز سے تم روح القدس کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہو اسی پیمانہ پر مسیح تمہارے ساتھ رہیگا کیونکہ یہ روح القدس

پاک رفاقت

تم اُس پاک ضیافت میں جس میں تمہارا منجی اپنے بیش قیمت بدن اور خون کو پیش کرتا ہے بلائے جاتے ہو۔ لیکن شائد تم آنے سے ڈرتے ہو۔ تم کو یہ ضیافت اس قدر پاک اور خوفناک معلوم ہوتی ہے کہ تم کانپ کر پیچھے ہٹ جاتے ہو یہ خیال کرکے کہ تم اپنے خداوند کے نزدیک آنے کے لائق نہیں۔ پس مفصلہ ذیل فرضی گفتگو کو جو اس مضمون پر تم جیسے ڈرپوک شاگرد اور خداوند یسوع مسیح کے درمیان واقع ہوئی غور سے سنو +

یسوع ۔ میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو۔

شاگرد ۔ اے میرے خداوند اگر میں لائق ہوتا تو میں آتا۔ میں نہایت نالائق ۔ گناہ اور کمزوری اور بیوقوفی سے اس قدر بھرا ہوا ہوں کہ مجھے خوف ہے تو مجھ سے ناراض ہوگا۔ اور مجھے باہر نکال دے گا۔ یہ کہکر کہ تم شادی کی پوشاک پہنے نہیں ہو

یسوع ۔ اے عزیز۔ مجھے تیری سب نالائقیوں کمزوریوں اور گناہوں کی واقفیت تجھ سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن باوجود اس کے میں تجھے بلاتا ہوں۔ اگر تجھ میں گناہ نہ ہوتا تو میں تیرے لئے کیوں موا؟ اور اگر تجھ میں کمزوری نہ ہوتی تو میں اس ساکریمنٹ کو تیری روح کی مضبوطی کے لئے کیوں مقرر کرتا؟ میرا یہ عہد برقرار ہے کہ جو میرے پاس آئے میں اُسے ہرگز نہیں نکالونگا +

شاگرد ۔ اے خداوند میں جانتا ہوں کہ تو رحیم ہے۔ لیکن کیا یہ نہیں کہا گیا کہ جو کوئی تیری پاک ضیافت میں شریک ہو وہ سچی توبہ زندہ ایمان اور اپنے پڑوسیوں سے میل ملاپ رکھتا ہوا آئے؟ لیکن میرا دل تو اپنے گناہ پر توبہ نہیں کرتا۔ میرا ایمان نہایت کمزور ہے۔ اور میری محبت سرگرمی سے خالی ہے۔ اے خداوند میں ہرگز آنے کے قابل نہیں

یسوع ۔ اے میرے بچے ۔ تیری توبہ اگرچہ کچی ہے لیکن میرے پاس آ اور میں اُسے گہری بناؤنگا تیرا ایمان دھندلا ہے میں اُسے روشن کردونگا تیری محبت ٹھنڈی ہے میں اسے سرگرمی بخشونگا

شاگرد۔ اگر میں تیرے پاس آؤں تو مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس کے بعد پیچھے گر نہ جاؤں اور اپنے گناہوں میں پھر مبتلا نہ ہو جاؤں۔ ایک بار آسمانی بخشش کا مزا چکھ کر اور روح القدس میں شریک ہو کر برگشتہ ہو جانا از حد خوفناک ہے۔ یقیناً میرا پچھلا حال پہلے سے بدتر ہوگا +

یسوع۔ اے فرزند مجھے معلوم ہے کہ تو اکثر گریگا اور بار بار ناواجب چال چلیگا اور تجھ سے روزمرہ ایسے گناہ اور کوتاہیاں سرزد ہونگی جن سے تو خود پشیمان ہوگا لیکن تو بھی میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو میرے پاس آ۔ کیا تو یقین نہیں رکھتا کہ میرا فضل تیرے لئے کافی ہے۔ اور میرا زور کمزوری میں پورا ہوتا ہے؟ کیا تو میری طاقت اور محبت پر شبہ رکھتا ہے؟ ثابت قدم ہو اور ہمت نہ ہار۔ اگرچہ تو دن میں کئی بار گرے تو بھی اٹھ اور تو مجھے نزدیک پائیگا۔ تو جان لیگا کہ جس نے تیرے اندر ایک نیک کام شروع کیا ہے وہ اس کو انجام تک بھی پہنچائیگا اگرچہ تو گر جائے تو بھی تو ہرگز رد کیا نہیں جائیگا۔ کیونکہ میں تجھے اپنے ہاتھ سے تھامونگا +

شاگرد۔ اے میرے رحیم یسوع تیرے وعدے نہایت تسلی بخش ہیں اور مجھے امید سے بھر دیتے ہیں۔ بخش کہ میں اپنے دل کا حال تیرے آگے کھول دوں۔ میں تیری محبت کے لائق نہیں۔ نہ اس لئے کہ میں گناہ اور ناپاکی سے بھرا ہوا ہوں نہ اس لئے کہ مجھ میں توبہ اور ایمان اور محبت کی کمی ہے۔ اور نہ ہی اس لئے کہ مجھے گر جانے کا اندیشہ ہے۔ مگر اس لئے کہ میں تجھ سے بہت کم محبت رکھتا ہوں جس کا اے میرے منجی میں شرم کے ساتھ اقرار کرتا ہوں +

یسوع۔ اے میرے فرزند۔ سچ ہے کہ تو میری محبت کا حقدار نہیں۔ لیکن میں اسے تجھکو دریا دلی اور پورے طور پر بلا اندازہ دیتا ہوں۔ کیا تو اسے قبول نہیں کریگا؟ یہ تیری ہے۔ کیا تو اسے ناچیز جانکر پھینک دیگا؟ یہ تیری ہی ہے۔ کیا تو اس کے عوض ذرا بھی پیار نہیں کریگا؟

شاگرد۔ اے خداوند میں تجھے پیار کرتا ہوں تو میری محبت کی کمی کا چارہ کر۔ بلکہ یہ بخش دے کہ میں کہہ سکوں کہ تو مجھ سے محبت کرتا ہے۔ مجھے اس بات کا یقین ہے اور میں تیرا شکر کرتا ہوں۔ افسوس! میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ تو بھی ایک دکھ اب تک مجھے دبا رہا ہے۔ کرم سے میری سن۔ پاک باتوں میں مجھے اس قدر راحت حاصل نہیں ہوتی جس قدر میری خواہش ہے۔ دعا میرے لئے خوشی نہیں بلکہ بوجھ ہے۔ مجھے سخت اندیشہ ہے کہ تیرے پاک ساکرمنٹ کی بھی میرے دل پر کچھ تاثیر نہیں ہوتی میری جان خاک سے لگی جاتی ہے اور میں نہ صرف آسمانی چیزوں کی شراکت کے لایق ہی نہیں بلکہ اُن میں شریک ہو ہی نہیں سکتا +

یسوع۔ اے میرے فرزند۔ رُوح کی یہ کوتاہی میرے تمام سچے خادموں کے لئے بڑا بھاری غم ہے۔ میرے خاص مقدس لوگ دل کی سختی پر اکثر مغموم تھے۔ میں تجھ سے پھر کہتا ہوں کہ آ۔ اگر تو میرے دامن کو بھی چھوئیگا تو چنگا ہو جائیگا تیری دعائیں اور ساکرمنٹوں کا ادا کرنا تیرے دل کی گرمجوشی کی وجہ سے نہیں بلکہ میری لیاقت اور قربانی کی طفیل منظور ہوگا۔ ان ہی پر بھروسا کر۔ کوشش کر اور باقی خدا پر چھوڑ دے۔ اگر تو مجھے تھوڑا دیتا ہے تو میں تجھے بہت دیتا ہوں۔ اور تیرا نذرانہ خواہ ناچیز ہو تو بھی میں اُسے بہت خوشبو کے ساتھ سنہری قربانگاہ پر جو تخت کے آگے ہے گذرانونگا۔ مجھے شاید میری خدمت میں اب تھوڑی خوشی حاصل ہوتی ہے لیکن ہمت نہ ہار۔ مجھے پیچھے خوشی اور فرحت حاصل ہوگی

شاگرد۔ اے خدا تیری اس بڑی محبت کا کون مقابلہ کر سکتا ہے؟ تیری محبت بھری دلایل کا جواب کوئی دے سکتا ہے؟ اگرچہ میں سب سے بڑا گنہگار ہوں تو بھی تیرے پاس آتا ہوں۔ مجھے صرف اپنے دامن کو چھونے دے میں ایمان لاتا ہوں کہ چونکہ تو نے فرمایا ہے اس لئے تو مجھے رد نہیں کریگا آمین

(ترجمہ) بے ناصر

گلشن بائبل

مکاشفہ کی کتاب کا خاکہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یوحنا کا مکاشفہ ایک سربمہر کتاب ہے جس کے اسرار سربستہ ہیں۔ مگر اسکے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کاشفِ اسرار ہے۔ اس کی اول آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنے بندوں کو کوئی باتیں دکھانا چاہتا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والا اور اسکے سننے والے مبارک ہیں۔ اسکے بعد سلام دعا اور مسیح کی تمجید ہے۔ پھر گویا کتاب کا ابتدائی دعویٰ مختصراً درج کیا گیا ہے جس میں مسیح اور اسکی آمد کا ذکر ہے۔ بعد ازاں مصنف اس رویا کا بیان کرتا ہے جو اس نے پتمس ٹاپو میں دیکھی۔ اناجیل میں تو تاریخی مسیح کا حال مندرج ہے۔ مگر یہاں جی اٹھے ہوئے مسیح کی جھلک دکھائی گئی ہے۔ اور یوحنا مادی عالم میں ایسے اشارات اور مماثلات تلاش کرتا ہے جن سے وہ آسمانی رویا کا بیان پڑھنے اور سننے والوں کو کچھ نہ کچھ سمجھا سکے۔ یہ جلالی مسیح سات کلیسیاؤں کی طرف پیغام بھیجتا ہے۔ یہ پیغامات کا سلسلہ تیسرے باب کی بائیسویں آیت تک چلتا ہے۔

ان سات کلیساؤں کی بابت بعض باتیں غور طلب ہیں۔ اول یہ ساتوں کلیسیائیں اس زمانے میں موجود تھیں پھر مسیح اُن کے درمیان تھا۔ اس کے پیغام میں ہر کلیسیا کو اس کی کسی نہ کسی کوتاہی پر تنبیہ اور کسی اچھی صفت کے لئے ہر ایک کی کچھ نہ کچھ تعریف کی گئی ہے۔ اور غالب آنیوالوں کیلئے خاص برکتوں کا وعدہ کیا گیا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ کلیسیائیں مسیح کی کل کلیسیا کا نمونہ ہیں۔ اوروں کے خیال میں یہ دنیا میں مسلسل تواریخ کا خلاصہ ہے۔ جو جو نقص ہر ایک کلیسیا میں علیحدہ علیحدہ پائے جاتے ہیں وہ شروع زمانہ سے کلیسیا کے سلسلہ میں موجود رہے ہیں۔ پھر بعض لوگ ان کلیسیاؤں کے حالات کو ایک مجموعی تصویر سمجھتے ہیں جو آج کے دن بھی کلیسیا میں نظر آتی ہے۔ چوتھا اور پانچواں باب اس کتاب کی پہلی آیت کی گویا تشریح ہیں اور آیندہ

مُہروں کے کھولنے سے پیشتر دیباچہ کا کام دیتے ہیں۔ چھٹے اور ساتویں ابواب میں اس کتاب کی سات مُہریں کھولنے کا بیان ہے جن کو ذبح کیا ہوا برہ کھولتا ہے۔ یہ مُہریں کسی قانونی وثیقہ پر لگی ہوئی نہیں ہیں۔ بلکہ آنے والے واقعات کو بند کئے ہوئے ہیں۔ جنکو مسیح یکے بعد دیگرے کھولے گا۔

اول چھ مُہروں میں سے ہر ایک کے کھلنے پر ایک خاص تصویر نظر آتی ہے۔ مگر ساتویں مُہر کھلتے ہی سات نرسنگے پھونکنے کی تیاری ہو جاتی ہے۔ یہ نرسنگے آخری مُہر کے کھلنے کے بعد شروع نہیں ہوئے بلکہ ساتویں مُہر میں سے پھوٹ کر نکلے ہیں اور اس کا جزو یا ضمن ہیں۔ اس لئے ساتویں مُہر آٹھویں باب میں ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ آٹھواں اور نواں باب جن میں نرسنگوں کے پھونکے جانے کا بیان ہے۔ اسی آخری مُہر کے کھلنے کی توضیح اور تشریح ہے۔ ان ابواب کے بعد گیارھویں باب کی پندرھویں آیت میں ساتویں نرسنگے کے پھونکے جانے کا بیان ہے۔ جونہی وہ پھونکا گیا بزرگوں نے پکار کر خدا سے کہا کہ "تیرا غضب نازل ہوا"۔ اب پندرھویں باب کی پہلی آیت سے ان آفتوں کے نازل ہونے کا بیان شروع ہوتا ہے۔ یعنی آفتیں نازل ہونے سے پیشتر سات فرشتے سونے کے سات پیالے ہاتھ میں لئے ہوئے نظر آتے ہیں جن میں خدا کا قہر بھرا ہوا ہے۔ جس طور پر ساتویں مہر کے نیچے سات نرسنگے تھے اسی طرح ساتویں نرسنگے کے نیچے سات پیالے ہیں۔ جیمس میکانکی صاحب جن کی اسی مضمون کی کتاب میں سے یہ خاکہ اخذ کیا گیا ہے اس کو مندرجہ ذیل نقشہ کے ذریعہ ادا کرتے ہیں۔

مہریں ۔ ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ و ۶ و ۷
نرسنگے ۔ ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ و ۶ و ۷
پیالے ۔ ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ و ۶ و ۷ } مسیح کی دوسری آمد

یہ سب مُہریں اور نرسنگے اور پیالے مسیح کی دوسری آمد پر ختم ہوتے ہیں۔ مُہریں اس کتاب کا گویا ڈھانچہ ہیں جنپر باقی تمام حالات کا دار و مدار ہے۔ (باقی داشتہ)

ضمیمہ مسیحی ماہ مئی ۱۹۲۳ء

قاصد

چندہ ۸ر سالانہ

این۔ایم۔ایس کا ماہوار رسالہ

سلسلہ جدید	ماہ مئی سنہ ۱۹۲۳ء	جلد ۱۔ نمبر ۹

خوشخبری

ناظرین کرام پڑھ کر خوش ہونگے کہ پنجاب کے پراونشل سیکرٹری مسٹر ڈی۔ زید۔ نجم الدین جو ماہ اپریل میں بعارضہ پرانکو نمونیا (ڈبل) بیمار ہوگئے تھے اب خداوند کریم کی کمال مہربانی سے رو بصحت ہیں۔ بخار عرصہ سے ٹوٹ چکا ہے۔ صرف کمزوری اور کھانسی باقی ہے جو انشاء اللہ رفتہ رفتہ جاتی رہیگی۔ ان تمام احباب کا جنہوں نے آپ کو دعاؤں میں یاد رکھا اور وقتاً فوقتاً بیمار پرسی کے لئے ان کے مکان پر آتے رہے یا بذریعہ خطوط حال دریافت فرماتے رہے۔ بذریعہ تحریر ہذا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ نیز خاص طور پر وہ مسیحی بھائی اور بہنیں بھی جو ایام علالت میں آپ کی خدمت کرتی رہیں۔ شکریہ کی مستحق ہیں۔ خداوند کریم سب کو جزائے خیر دے۔ شعر

نکلا جو قافِ "قُم" لبِ اعجز بیان سے
اٹھا مریضِ "میم" مسیحا کی شان سے

ایف۔ نجم الدین اختر

مطبوعہ مسیحی پریس لاہور باہتمام مسٹر غلام قادر مسیحی پرنٹر

رپورٹ سیکرٹریان

مسٹر سالومن سیکرٹری اپنی رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ماہ جنوری اور فروری کے پہلے دو ہفتے میں نے جنوبی ٹراونکور کی چند کلیسیاؤں میں گذارے۔ کئی کلیسیاؤں میں تو روحانی ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں اور جہانتک اُن سے ہو سکتا ہے۔ بشارت کے کام میں حصہ لیتی ہیں لیکن بعض کلیسیائیں ایسی بھی ہیں جن میں ابھی تک ان ذمہ واریوں کا احساس پیدا نہیں ہوا۔ کلیسیاؤں کے بعض افراد تو بشارتی کام میں کچھ دلچسپی نہیں رکھتے نہ ہی وہ اس غفلت کے لئے خدا کے نزدیک اپنے تئیں قابل جواب سمجھتے ہیں +

۳۰ جنوری کو میں نے نیٹو گرلز اسکول میں لڑکیوں کو ایڈریس دیا۔ ان لڑکیوں نے جو تعداد میں ۵۰۰ ہیں ایک جماعت سی بنا رکھی ہے جس میں وہ کشیدہ نکالتی ہیں اور باقاعدہ طور پر سوسائٹی کی مدد کرتی۔ اور اس کے کام میں بڑا شوق رکھتی ہیں۔ دعائیہ جلسے بھی باقاعدہ ہوتے ہیں۔ نیز ہر سال ایک مینا بازار بھی سوسائٹی کی امداد میں منعقد ہوتا ہے +

مارتنڈم اور پرسال میں بھی اسی طرح ۱۲۰۰ لڑکیوں کی کشیدہ کی جماعت ہے۔ میں نے انہیں بھی سوسائٹی کا کچھ حال سنایا اور ان سے درخواست کی کہ وہ سوسائٹی کو اپنی روزانہ دعاؤں میں برابر یاد رکھیں اور کھلے دل سے اسے چندہ بھی دیں +

۴ فروری کو نیلی کا گرشی کے سکرٹری وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کی طرف سے مجھے دعوت ملی کہ اُن کے سالانہ جلسہ میں درس دوں۔ قریب کی کلیسیاؤں سے بھی بہت لوگ آئے ہوئے تھے اور حاضرین کی تعداد اچھی تھی سیکرٹری کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے ہال میں دعائیہ جلسے باقاعدہ طور پر جاری ہیں اور ناریل کے درختوں سے جو آمدنی ہوا کرتی ہے وہ سوسائٹی

کے سکرٹری مسٹر آر اے عزرا آپاہ نہایت محنت اور ہوشیاری سے جمع کرکے سوسائٹی کے خزانچی کو بھیجتے رہتے ہیں۔ یہاں کی مسیحی کلیسیا نے ہمیشہ اپنی ذمہ واری کو محسوس کیا ہے۔ اور اپنی دُعاؤں سے اور سوسائٹی کو مالی امداد دے کر اس کا عملی ثبوت بھی دیتی رہی ہے +

ایک جگہ میں بچوں کو بتا رہا تھا کہ کس طرح اور ملکوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بشارتی کام میں مدد کرتے ہیں۔ انہیں اس درجہ دلچسپی ہوئی کہ وہ بخوشی اپنی ماؤں سے پیسے لا لا کر چندہ میں ڈالنے لگے۔ ماؤں کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو شروع ہی سے سوسائٹی کے کام کے لئے دعا مانگنا سکھائیں اور گھر گھر میں اگر چندہ کا صندوق بھی رکھا جائے تو یہ عادت اُن میں ایسی جڑھ پکڑیگی کہ بڑے ہوکر وہ فراخدلی سے اس کی مالی طور پر مدد کرینگے +

۱۹ سے ۲۵ فروری تک میں مرامن میں تھا۔ ان دنوں یہاں ایک کنونشن ہو رہی تھی جس میں تیس ہزار مسیحی شریک تھے۔ ڈاکٹر اینڈری۔ پادری اسٹینلی جونس۔ بوپلی ڈکسن اور مالیننڈ صاحبان خاص بولنے والوں میں سے تھے۔ ان صاحبان کے وعظ و پند سے مجھے ایسی برکت ملی کہ مجھے مشنری کام کا شوق اور بھی زیادہ ہوگیا ہے۔ اس کنونشن میں خاص طور پر قابل ذکر بات جو ہوئی وہ یہ تھی کہ سیرئین کلیسیا نے جس نے آج تک اپنے گرجے چھوٹی ذات کے مسیحیوں کے لئے بند کئے ہوئے تھے۔ اب کھلم کھلا اجازت دے دی ہے کہ ذات پات کا مطلقاً خیال نہ کرتے ہوئے اُن کے گرجے ہر ایک کلیسیا کے افراد کے لئے کھلے ہیں۔ یہ ایک کمزوری تھی جو سیرئین کلیسیا میں پائی جاتی تھی پر خدا کا ہزار ہزار شکر ہو کہ اب وہ جاتی رہی ہے +

مارچ میں میں تینولی جونگیر کائل کے نزدیک ہے گیا اور پھر نگیر کائل میں چند ایک دوستوں سے ملا۔ چند ایک صاحبان نے اپنے نام "ان ٹیلی جنسر" کی خریداری کے لئے دیئے اور ایک مسیحی بہن نے اپنے دو سالہ بچہ کی کسی سخت بیماری سے صحت یاب

ہونے کی خوشی میں ایک چاندی کی پیٹی (بیلٹ) شکریہ میں دی +

پادری آر۔ایس موڈک صاحب تحریر فرماتے ہیں ''احمد نگر کے دورہ میں مسٹر وی۔ایس۔ڈیوڈ ۲۷ فروری تا ۱۳ مارچ میرے ہمراہ تھے۔ ان دنوں میں آپ نے امریکن اور ایس۔پی۔جی مشن کی کلیسیاؤں میں کام کیا اور سوسائٹی کے کرمالہ فیلڈ کو بھی تشریف لے گئے۔ آٹھ مختلف جگہوں میں دس درس دیئے ان میں سے دو جلسے تو غیر مسیحیوں کے لئے تھے جن کی حاضری قریب چھ صد کے تھی اور باقی درس مسیحیوں کے لئے۔ ان کی تین ہزار سے زیادہ حاضری تھی۔ لوگوں کو آپ کی تشریف آوری سے بے حد فائدہ ہوا۔ مُردہ دل جاگ اُٹھے اور از سرِ نو کام کرنے کے لئے کمر بستہ۔ جابجا آپ نے شخصی کام بھی کیا اور خاص طور پر کرمالہ کی کلیسیا کو بہت روحانی فائدہ پہنچا۔ پادری گائیکواڑ نے کرمالہ اور اس کے گردونواح میں ہماری میٹنگز کا انتظام کیا ہوا تھا دعائیہ ٹولیوں میں تازگی کی رُوح پھونکی گئی جو ہمیں امید ہے کہ اس کام میں بڑی پھلدار ہوگی +

مسٹر جے۔ اے ناگ صاحب نے ۱۳ فروری سے دو ہفتہ کلکتہ میں گذارے۔ انہوں نے جابجا پاسٹروں اور کلیسیاؤں کے لیڈروں سے ملاقات کرکے اپنا ابتدائی کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ جہاں جہاں گئے۔ آپ کا استقبال پر تپاک اور پُرازجوش تھا۔ آپ چند دنوں کے لئے رانچی بھی تشریف لے گئے اور آپ ماہ جولائی میں پھر تشریف لانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہاں کی کلیسیاؤں نے آپ کو ہر ایک طرح سے مدد دینے کا وعدہ کیا ہے +

این۔ایم۔ایس بازار بٹالہ

۱۴ اپریل بروز سنیچر بوقت ۵ بجے شام انارکلی بٹالہ میں مسز کارفیلڈ صاحبہ کی زیر نگرانی ایک سیل (بازار) کا انتظام کیا گیا۔ جس میں چرچ مشن۔ سالویشن آرمی اور میتھوڈسٹ کے مسیحی کافی تعداد میں حاضر تھے +

بازار کا انتظام تسلی بخش تھا۔ ریفریشمنٹ کا بندوبست پادری کارفیلڈ صاحب کا تھا۔ جہاں کہ چاء کا ہر قسم کا سامان اور آئس کریم (قلفی) جیسی اشیاء خوردنی دستیاب ہو سکتی تھیں۔ مسٹر ٹنسکلا کا ترازو قابل ذکر ہے۔ وہ ہر شخص کو تلنے کے لئے پوچھتے تھے اور جن اشخاص کو اپنا وزن دریافت کرنا منظور ہوتا تھا فیس ادا کر کے معلوم کر سکتے تھے۔ اور وہ ہر ایک کے وزن کے مطابق ایک نسخہ لکھ دیتے تھے جس پر مختلف اقسام کی مٹھائیوں کے نام درج ہوتے تھے جو کہ اسی سیل میں ان کی میم صاحبہ بیچ رہی تھیں۔ ایسے تجویز شدہ نسخے کو ہر ایک شخص استعمال کرنے پر راضی تھا۔ نہ محض مٹھائی ہونے کے خیال سے بلکہ این۔ ایم۔ ایس کی مدد کے لئے کیا عجیب ہے کہ مٹھائی تو کھائیں ہم اور فائدہ پہنچے این۔ ایم۔ ایس کو +

مسز کارفیلڈ صاحبہ نے مختلف اشیاء کی ایک علیحدہ دکان کھول رکھی تھی جس کے ذریعے سے انہوں نے بہت کچھ این۔ ایم۔ ایس کے لئے کمایا۔ مس نیوٹن صاحبہ کے ہاتھ میں لکی ڈپ (Lucky Dip) کا انتظام تھا جس کے وسیلے سے انہوں نے این۔ ایم۔ ایس فنڈ میں کافی مدد کی۔ ان کے علاوہ مسٹر ڈیوڈ لوتھر نے علیحدہ آلو کچالو کی ایک دکان کھول رکھی تھی۔ لیکن افسوس کہ ان کا سٹاک جلدی ختم ہو گیا۔ اور ان کو سیل کے بند ہونے سے پیشتر اپنی دکان اُٹھانی پڑی +

ان دکانوں کے علاوہ کھیل تماشے کا کافی انتظام تھا۔ بیڈمنٹن اور دوڑ میں جیتنے والوں میں انعامات تقسیم کئے گئے۔ علاوہ ازیں برنگ اسکول کے طلباء نے ایک خاص چادر این۔ ایم۔ ایس کی مدد کے لئے بچھائی جس کے ذریعے سے انہوں نے

دو تین روپے اور چندہ بنالیا۔ سیل کی کل آمدنی مبلغ پچاس روپے کے قریب ہوئی۔ جو کہ این۔ ایم۔ ایس کے کام کے لئے ارسال کی گئی۔ آخر میں پادری کارفیلڈ صاحب کی دعا سے سیل کو ختم کیا گیا۔

ڈوانی ایل بھولا۔ بٹالہ

این۔ ایم۔ ایس رنگون شاخ

لارڈ بشپ صاحب اور پادری ہیڈلی صاحب معاون

نیشنل مشنری سوسائٹی کا کام ہندوستان میں آٹھ مختلف حصص میں پھیلا ہوا ہے جس میں "ریسینٹ اینڈ رُوز مشن" جو آسام کی پہاڑی اقوام میں بشارتی خدمت کرتی اور ترپیتر شمالی ارکاٹ میں ایک خیراتی شفاخانہ چلا رہی ہے بھی شامل ہے۔ مگر برما کے تمام صوبہ میں صرف ایک ہی شاخ رنگون میں ہے۔ جسے قائم ہوئے صرف تیسرا سال جا رہا ہے۔ مگر یہ دیکھکر کہ سوسائٹی کے کام میں دن بدن وسعت ہوتی جا رہی ہے یقین ہوتا ہے کہ یہ کام واقعی خدا کی ہدایت سے ہو رہا ہے۔ خدا وہ دن بہت جلد دکھلائے کہ تمام ہندوستانی کلیسیائیں بشارتی خدمت کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھائیں۔ اور ایک ہی متحد بشارتی انجمن تیار ہو جائے۔ رنگون شاخ کی رپورٹ کے حسب ذیل مختصر اقتباسات معاونین سوسائٹی کی حوصلہ افزائی کیلئے ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

قیام و نظام ابن غدر مل رنگون میں ایک میٹنگ کے ذریعے ۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو اس کام کی بنیاد ڈالی گئی جس میں مسٹر کیسو رام نے مقاصد تنظیم اور طرز عمل سوسائٹی پر درس دیا۔ اس کے بعد متھوڈسٹ گرجا میں دعا اور مجالس فراہم ہوئیں۔ ان کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ ۲۷ نومبر ۱۹۲۰ء کو رنگون میں این۔ ایم۔ ایس کی ایک شاخ قائم کی گئی۔ ۱۱ ممبروں کی جن میں ۳ مستورات تھیں۔ ایک انتظامیہ کمیٹی بنائی گئی۔ مگر بعد میں زنانہ شاخ (لیڈیز آگزلیئری)

کی قائمی سے زنانہ ممبروں کے مستعفی ہوجانے پر تین اور مرد شرکاء کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس شاخ کے ممبروں کی تعداد سال زیر رپورٹ کے اختتام پر ۳۵ تھی۔

مجالس اس سال ۱۵ مجالس جن میں سے ۱۱ کاروباری تھیں فراہم ہوئیں۔ ایک عام اجلاس برائے انتخاب عہدیداران اور تین زنانہ شاخ سے مشترکہ اجلاس کئے گئے۔ ۸ جون کو وائی۔ ایم۔ سی۔ اے ہال میں ایک دعائیہ اتوار منایا گیا۔ جس میں بھگت بھجن سبھا کے ممبروں نے قابل تعریف امداد دی +

این۔ ایم۔ ایس اتوار حسب دستور ۵ نومبر کو وائی۔ ایم۔ سی۔ اے دالان میں ایک مجمع کثیر کے سامنے میتھوڈسٹ مشن کے مشہور واعظ جناب پادری بیڈلی صاحب نے "حُبُّ الوطنی جدید" پر ایک پرمعنی لکچر دیا۔ ایسے پیشوایان مذہبی کی شمولیت پر سوسائٹی جس قدر ناز کرے بجا ہے اگر تمام صوبوں کے مذہبی لیڈر اسی اصول پر عمل پیرا ہوں تو بہت جلد خود پرور و خود منتظم کلیسیائیں تمام ملک میں دکھائی دینے لگ جائیں۔ ہم بیڈلی صاحب کو مبارکباد کہتے ہیں +

اشاعت مسز پال آپا سامی صاحبہ بی۔ اے نے این۔ ایم۔ ایس کے لئے تمام ملک میں دلچسپی پیدا کرنے کی غرض سے دورہ کرتے ہوئے ۲۰ فروری سے ۱۰ مارچ تک رنگون میں قیام فرمایا۔ اور شہر کے مختلف حصوں میں ایک سلسلہ تدریس کے وسیلہ سے زنانہ شاخ کو قائم کیا۔ آپ نے مانڈلے اور میمیو میں بھی ہندی جماعتوں میں درس دئے۔ اور خبر آئی ہے کہ میمیو میں بھی ایک زنانہ شاخ قائم ہوگئی ہے۔ آپ کی روانگی پر اظہار محبت و شکریہ کے طور پر رنگون شاخ کے مردانہ شرکا نے آپ کو ایک طلائی بروچ جس پر الفاظ "این۔ ایم۔ ایس" کندہ تھے نذر کیا +

سیل پرشپ صاحب سالانہ سیل کے لئے زنانہ شاخ نے ہر گلی کوچہ میں منادی کردی۔ اور اس مفت تشہیر کے ذریعہ

حصۂ شہر سے ایک کثیر تعداد مستورات مسز جی سالومن صاحب کے گھر پر تاریخ
سیل سے پہلے ہی خرید عجائبات کو آگئی اور مسز موصوفہ نے عجیب خدادادکشش
و کام میں لاکر عمدہ فروخت کی۔ روز مقررہ پر لارڈ بشپ صاحب رنگون کی
زیر صدارت مینا بازار منعقد ہوا اور آپ نے مختصر تقریر اور دعا سے سیل کا افتتاح
فرمایا۔ اور ہندوستانی مسیحیوں میں اس بیداری کی روح کو پسند کرتے ہوئے
خواہش اور امید ظاہر کی۔ کہ آئندہ سالانہ بازار اس سے بھی اعلےٰ پیمانہ پر
ہونا چاہئے۔ مرد اور عورتیں عجیب انتظام اور شان سے حصہ لے رہی تھیں۔ اس
موقعہ پر ایک برہمن نو عمر لڑکی بھی پھول اور پنکھے فروخت کر رہی تھی۔ مینا بازار
کی جملہ رقم ۸۰۰ روپیہ کے قریب وصول ہوئی +

چندہ اور عطیہ سال زیر رپورٹ میں برادران رنگون نے ۳۱۵ روپیہ
بطور چندہ دیا۔ بھگت بھجن سبھا نے مقدس جمعہ اور
ایسٹر کی عبادت میں ایک اتوار کا چندہ سوسائٹی کو دیدیا۔ مسٹر
سی۔ ڈی کرسٹوفر صاحب اسسٹنٹ انجینیر نے ۳۰۰ روپیہ کی گرانقدر رقم عطا
فرمائی۔ آپ کی اہلیہ مرحومہ نے بھی اپنی وفات سے پہلے دسمبر ۱۹۲۱ء میں ایکسو روپیہ
عطا فرمایا تھا +

شکریہ رپورٹ میں جناب بشپ صاحب کی سرپرستی اور بیڈلی صاحب کے
وعظ کا شکریہ کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے مسٹر سالومن صاحب کا
تہ دل سے شکریہ ادا کیا ہے جنہوں نے باوجود وائی۔ ایم سی۔ اے سکرٹری
ہونے کے سوسائٹی ہذا کے فرائض سرفتری کو عمدگی اور جانفشانی سے نباہا +

اطلاع خاص قاصد کے ناظرین کرام سے التماس ہے۔ کہ اپنے مضامین
برائے اندراج براہ راست ہمیں ذیل کے پتہ پر روانہ فرمایا
کریں۔ اِدھر اُدھر بھیجنے سے دقت کثیر ہوتی ہے۔ اور اندراج میں مفت کی تاخیر۔

مئی ۱۹۲۳ء

مسیحی لاہور

انسانوں کی حکمت نہیں بلکہ خدا کی قدرت

ایک مسیحی برادر اپنی چٹھی میں لکھتے ہیں:-

میں کل کرنتھیوں کے پہلے خط کا دوسرا باب پڑھ رہا تھا اور پڑھتے پڑھتے میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش ہمارے واعظ اس باب کی اول پانچ آیات کو بار بار پڑھیں جبتک کہ وہ انکی دماغی زندگی کا حصہ نہ بن جائیں جب میں گرجے میں وعظ سنتا ہوں تو میں زیادہ زیادہ محسوس کرتا ہوں کہ ہمیں بہتر واعظوں کی ضرورت ہے۔ ہمارے بعض واعظ نہایت ہلکے درجے کے تعلیم یافتہ ہیں اور اور ہیں جن کو اپنے علم اور لیاقت پر حد سے زیادہ ناز ہے۔ ناتعلیم یافتہ واعظ جوش پر دارومدار رکھتے ہیں اور تعلیم یافتہ واعظوں کو اپنے دماغ اور قابلیت پر بھروسہ ہے نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ ہم کو نہ اس سے روحانی غذا ملتی نہ اس سے۔ میرے خیال میں اصلی مشکل یہ ہے کہ خود ہمارے خادمان دین میں وہ باتیں موجود نہیں ہوتیں جو انہیں ہم کو دینی چاہئیں۔ جو شخص خود سبزہ زاروں سے بخوبی واقف نہیں وہ بھیڑوں کو ہریالی چراگاہوں میں کیونکر لیجا سکتا ہے +

مسیحیوں کی مذہبی زندگی زیادہ موثر ہو سکتی ہے۔ اگر کلیسیا مختلف چرچوں میں منقسم نہ ہو۔ اس کا معاشرتی اور انسانی مایہ اکثر بے سود مقابلے میں خرچ ہوتا ہے ہمارے یہ تمام چرچی تفرقے تواریخی ورثہ ہیں۔ جو یورپ میں بحث ومباحثہ سے شروع ہوئے اور وہیں سے تمام ملکوں میں پہنچے ہیں۔ اُس وقت اُن کا مدعا معاشرتی حالت کے مطابق شاید صحیح تھا لیکن اب انکا اصلی مطلب اکثر حالتوں میں مفقود ہو گیا ہے۔ اور وہ نہیں رہا جس پر ہمارے باپ دادوں نے اپنا وقت صرف کیا۔ ہم ان تفرقوں کے ہیر پھیر میں اس قدر ہیں کہ ضروری معاملات۔ مثلاً مسیحی برادری۔ سوشل انصاف وغیرہ کو بالکل بھول گئے ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ ہر شخص اس بات کا الزام سوائے اپنے فرقے کے تمام دوسرے فرقوں پر لگاتا ہے۔ ہمارے

علمی دنیا میں دھوم

مسیحی کا حوالہ ضرور دیا جاوے۔ قیمت کی کتابوں کا نمونہ [illegible] ۲ روپے ۱۲ آنے

مسیحی گیت کی کتاب ۔ یہ مشہور کتاب جو سی ایم ایس کلیسیا میں مستعمل ہے اب تیسری بار اردو میں طبع ہوئی اور شائع ہوتے ہی درجنوں کی تعداد میں فروخت ہو رہی ہے۔ عبادت کے ۶۲ مختلف مواقع کے لئے اس میں ۳۴۵ گیت ہیں۔ جن میں ۴۵ اردو غزلیں اور ۴۲ پنجابی زبور شامل کئے گئے ہیں۔ قیمت ۴؍ سلف ایک روپیہ۔ کپڑا ایک روپیہ ۲؍

مقدس کتاب کا احوال ۔ بارتھ صاحب کی بائبل کی کہانیوں کے نام سے مشہور و معروف کتاب ہے۔ اور بچوں کے لئے بائبل کی تمام ضروری واقفیت کے لئے لاجواب تصنیف ہے۔ تقریباً تمام مشن سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ حصہ اول یعنی پرانا عہد نامہ ۴؍ حصہ دوم یعنی نیا عہد نامہ ۴؍

مسیح کی پیروی ۔ طامس اے کمپس صاحب کی مشہور انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ روحانی زندگی کے لئے آب حیات اور بے نظیر کتاب ہے صرف چند جلدیں باقی رہ گئی ہیں فوراً منگالیں۔ قیمت صرف ۶؍

ڈاکٹر مرے کی شرح عبرانیوں	سرگذشت ابنس کروسو	اوڈیسس	ابن حور
۴؍	ایک روپیہ	۱۲؍	سلف ۶؍ کپڑا ۸؍
تاریخ خاندان مقدس	تاریخ بائبل	تاریخ یونان	تاریخ مصر
۲؍	سلف ۱۲؍ کلاتھ ۱	۸؍	۸؍
سپرجن کے ۶ وعظ	دعوت المسلمین	ہری داسی	آئینہ دل
۳؍ مجلد ۵؍	۱؍	۱؍	۳؍

ہندوستانی مسیحیوں کا مذہبی - اخلاقی - علمی و تمدنی ماہواری رسالہ

ایڈیٹرز (۱) مسٹر کے ایل ریلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن سکول لاہور ایڈیٹر انچیف
(۲) مسٹر آئیون جیکب صاحب عاصی بی - اے بی ٹی جائنٹ ایڈیٹر

فہرست مضامین

کل خط و کتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام مسٹر کے ایل ریلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن سکول - لاہور ہونی چاہیئے

باقی خط و کتابت و ترسیل زر چندہ و عطیہ وغیرہ بنام مسٹر ڈی خان - بی اے بی ٹی - مینیجر - رنگ محل مشن سکول - لاہور ... آنی چاہئیں

قیمت سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک تین روپیہ (سے)
فی پرچہ ۴/

فرمایش کے ساتھ مسیحی کا حوالہ ضرور دیا جائے

اشتہار کُتب

آداب مجلس فرنگ:۔ انگریزوں کے آداب معاشرت۔ ملاقات۔ شادی۔ خوراک۔ لباس
سنگار وغیرہ کے طریق مجلد صفحہ ۱۴۶ قیمت ۱۲ر

اثمار شیرون:۔ اہل اسلام پر مسیحیت کی صداقتوں کے ثبوت اور انکے اعتراضات کی تردید۔ میں
زبردست تصنیف۔ صفحہ ۲۷۲ قیمت ۴ر

آولیس:۔ رومی قیصروں کے ظلم وستم رانی کا نہایت دلچسپ اور پُر درد فسانہ بطرز ناول
صفحہ ۲۲۸ قیمت ۱۲ر

آئینہ دل:۔ دل کو ہر طرح کے خیالات فاسدہ سے پاک وصاف کر کے خدا کا مسکن بنانیوالی کتاب باتصویر صفحہ ۲۴ر

آئینہ اسلام:۔ اہل اسلام کے ۱۵۰ فرقوں اور انکے عقاید مختلفہ کا بیان۔ منادوں کے کام کی چیز ہے صفحہ ۱۲۶ قیمت ار

ایک چینی سیاح:۔ ہیون شیانگ چینی کا سفرنامہ ہندوستان عجیب وغریب حالات کا خزانہ ہے صفحہ ۱۱۱ قیمت ۴ر

بن حور یا مسیح موعود کی داستان۔ اگر مسیحی ناول کا مطالعہ کرنا ہو تو اسے خریدیں۔ صفحہ ۳۹۶
ایک روپیہ ۱۲ر سنگف ایک روپیہ ۶ر کپڑا ایک روپیہ آٹھ آنے عہ

چھپا ہوا خزانہ:۔ محمدیوں کے لئے فارقلیط۔ مسیح کی بادشاہت نہ تثلیث اور عدم تحریف
اناجیل کا بیان کہانی کے طور پر۔ صفحہ ۵۶ قیمت ۳ر

ڈاکٹر جے کل و میاں حمید:۔ ایک دو جسموں والے۔ ریاکار شخص کی زندگی کا عبرت
آموز مرقع۔ صفحہ ۹۲ قیمت ۴ر

دعوۃ المسلمین:۔ قرآن کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں پر بائبل پڑھنا فرض ہے صفحہ ۴۰ ار

المشتہر

سکرٹری پنجاب رلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور

The Late Rev. Talib-ud-Din, B.A.

یا مسیح

معذرت

معزز ناظرین و مکرم شائقین کی خدمت میں دست بستہ گزارش ہے کہ وجوہات چند در چند اور بالخصوص مالی وجوہات کے باعث مسیحی شائع نہ ہو سکا۔ خریداران اخبار سے سال بھر کا چندہ لیا گیا تھا اور حتی الوسع کوشش کی گئی کہ مسیحی جاری رہے مگر ۶ ماہ بعد چار و ناچار بند کرنا پڑا۔ اور چھ مہینے کا چندہ اخبار کے ذمہ رہا۔ اور شائقین اخبار کو مایوسی ہوئی سو الگ ہم اس تقصیر خدمت پر بہت نادم ہو کر خواستگار معافی ہیں۔ اور امیدوار ہیں گذشتہ چھ ماہ کا چندہ ازراہ کرم اخبار مسیحی کو معاف کر دیا جاویگا۔ اور اب کا نمبر جون ۱۹۲۲ء کا جن اصحاب کو وی پی بھیجا جائیگا وہ بخوشی و فراخ دلی اسکو منظور فرمائینگے چونکہ مسیحی کا منشاء قوم کی بہبودی اور مسیحوں میں رشتہ اتحاد اور ذریعہ ملاقات کا قائم کرنا ہے اس لئے اس کا جاری رکھنا ہمارا فرض اولین ہے ؛ دیگر گزارش ہے کہ اخبار مسیحی کا انتظام از سر نو خاطر خواہ کیا گیا ہے اور انشاء اللہ اخبار باقاعدہ خریداران کو پہنچتا رہیگا۔ اور آئندہ کسی قسم کی کوتاہی ظہور میں نہ آئیگی۔

شائقین یہ سنکر بہت خوش ہونگے کہ اخبار ہذا کے لئے نئے لائق و تجربہ کار اور نامی ایڈیٹران مقرر کئے گئے ہیں۔ ایک تو مسٹر کے۔ ایل رلیا رام ہیڈ ماسٹر مشن سکول لاہور ہیں۔ جو مسیحی قوم کے مانے ہوئے لیڈر اور بہی خواہ ہونے کے علاوہ نہایت عالم اور ناقد سخن ہیں۔ آپ کی تصنیفات اظہر من الشمس ہیں۔ اور مدت تک ممبر کمیٹی لاہور اور گورنر بہادر کی لیجسلیٹو کونسل میں مسیحیوں کے نمائندے رہ کر قوم کو بہت فائدہ پہنچا چکے ہیں۔ تمام پنجاب کیا ہندوستان ان کی حسن خدمات کا قائل ہے۔ دوسرے جائینٹ ایڈیٹر مسٹر آئیون جیکب۔ بی۔ اے آنرز۔ بی۔ ٹی۔ ایف۔ ای۔ ایل مقرر کئے گئے ہیں۔ جو مختلف مسیحی اور غیر مسیحی اخبارات کی نامہ نگاری کر چکے ہیں۔ اردو اور فارسی میں خاص مہارت رکھتے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ دلی کے رہنے والے ہیں و اہل زبان ہونے کے باعث ناظرین اخبار کو مزید فائدہ یہ بھی پہنچیگا کہ اخبار مسیحی کی اردو مستند اور ٹکسالی ہوگی۔ مسیحی اخبار اکثر زبان دانی کی غلطیوں سے پر ہوتے ہیں۔ لوگ انہیں

پڑھنے سے ڈرتے ہیں۔ اشعار میں سکتے غلط محاورات جن کے پڑھنے سے بجائے فائدے کے اُلٹا نقصان ہوتا ہے +

ہم اپنے ناظرین اور شائقین پریتہ کو یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ سال سے بھی انکو تمام سال برابر پہنچتا رہیگا۔ اور ہمارے کرمفرماؤں کو کسی قسم کی شکایت کا موقعہ نہ رہیگا۔ بلکہ پچھلے تغافل کی بھی پوری پوری تلافی کردی جائیگی۔ ایڈیٹران رسالہ اپنے اوپر اس امر کی ذاتی ذمہ داری لیتے ہیں چاہے انہیں اپنی گرہ سے بھی کیوں نہ خرچ کرنا پڑے کہ سال بھر خدا نے چاہا ضرور رسالہ باقاعدہ خریداران اخبار کی خدمت میں پہنچتا رہیگا شائقین کو محظوظ کرنے کیلئے علاوہ مطالب و مضامین مذہبی۔ علمی۔ تمدنی سیاسی وغیرہ کے کئی دلچسپ اور مفید سلسلے اس اخبار میں شروع کئے جائینگے۔ ایک سلسلہ جو پہلے نمبر سے شروع کیا جاتا ہے۔ سلسلہ مشاہیر قوم ہوگا۔ جن میں اُن بزرگان کلیسیا کا تذکرہ ہوگا جو مسیحی قوم کی خدمت کرنے کے باعث ہماری قوم کے پیارے ہیں۔ ایک قوم کی سب سے بڑی جائداد اور میراث اس قوم کے نیک بزرگاں اور رشید فرزنداں ہی ہوسکتے ہیں اور قوم کا فرض ہے کہ ان کو فخر اور عزت کی نگاہ سے دیکھے۔ اور ان کی خدمت اور احسانات کو یاد رکھے۔ بلکہ سونے کے حروف میں تختۂ دل پر مرقوم کرے۔ تاکہ نوجوان اُن کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ روحانی فائدہ اُٹھائیں۔ اور قوم کا بول بالا ہو۔ مندرجہ ذیل مشاہیر قوم کے علاوہ ہم اُن بزرگوں کے احوال بھی درج اخبار کرینگے جن کے متعلق ہمارے ناظرین اور شائقین ارشاد فرمائینگے۔ اور ہم بڑے مشکور ہونگے۔ اگر جو صاحب اس قسم کی فرمائش کریں وہ خود ہمیں اُن بزرگ کے حالات زندگی مہیا کردیں۔ کوئی سوانح عمری اگر دستیاب ہوسکتی ہو تو اس سے اطلاع دیں یا جن صاحب سے یہ واقعات معلوم ہوسکتے ہوں اُن کا ٹھیک ٹھیک پتہ ہمیں تحریر فرماویں۔ تاکہ ہم خود اُن سے ضروری معلومات حاصل کرلیں۔

سلسلہ مشاہیر قوم میں بلالحاظ قومیت ہندوستانی اور غیر ہندوستانی مسیحی بزرگان کا حال درج کیا جائیگا۔ جس میں نیک اور نامور خواتین کا ذکر بھی ضرور شامل ہوگا۔ اور اس بات کی کوشش بھی کی جائیگی کہ جن بزرگ کا حال درج کیا جائے اُن کی تصویر بھی زینت ورق افروزی رسالہ ہو۔ مشاہیر قوم جن کا ہم ذکر کریں گے۔ اُن کے نام ناظرین کی دلچسپی کیلئے درج کئے جاتے ہیں۔ (۱) پادری طالب الدین۔

بی۔ اے پاسٹر تولکھا۔ (۲) رائے بہادر مسٹر میاداس۔ (۳) پادری عمادالدین
(۴) پادری ٹامس ہاول۔ (۵) مرحوم پادری دینا ناتھ والد بزرگوار ڈاکٹر دینا ناتھ
پاسٹر سی۔ ایم۔ ایس لاہور۔ (۶) ڈاکٹر برخوردار خاں۔ (۷) منصف شیر سنگھ
(۸) پادری گولک ناتھ۔ (۹) بابو ریا رام وکیل۔ (۱۰) پادری صادق مسیح۔
(۱۱) مسٹر عبداللہ آتھم۔ (۱۲) ماسٹر چندو لال۔ (۱۳) پادری جے۔ ایل ٹھاکرداس
(۱۴) دیوان صاحب دیال۔ (۱۵) پروفیسر یسُوع داس رام چندر۔ (۱۶) مسٹر
کالی چرن چیٹرجی۔ (۱۷) پادری فورمن صاحب۔ (۱۸) پادری نیگ سن صاحب
(۱۹) پادری رابرٹ کلارک صاحب۔ (۲۰) پادری ہائیڈ صاحب (۲۱) مسٹر
بی این متر۔ (۲۲) مسٹر فیلبوس۔ (۲۳) بابو ایشان چندر سنگھا۔ (۲۴) مسٹر
ایس۔ این متر۔ (۲۵) جج لوئس اور (۲۶) پادری وارث الدین اور دیگر اصحاب

دوسرا سلسلہ۔ کیوں اور کس لئے۔ مَیں ان باتوں کی وجوہات کا ذکر ہوگا۔
جو روزمرہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں اور ہمیں معلوم نہیں کہ کیوں ور کسلئے

تیسرا سلسلہ جو اس نمبر سے شروع ہوگا۔ اس میں مسیحی خواتین کی خاص
دلچسپی کے لئے تمام دنیا کی قوموں کی عورتوں کا وضاحت کے ساتھ ذکر کیا جائیگا۔
اور مؤدبانہ درخواست کیجاتی ہے کہ مسیحی بہنیں رسالہ ہذا کو قلمی امداد دیکر ممنون
فرمائینگی۔ کیونکہ مسیحی کا ایک کالم اس غرض کے لئے مخصُوص کیا گیا ہے۔

جملہ سے عموماً مسیحیاں اور مسیحی اہل قلم و نامہ نگاران سے خصوصاً
التماس کی جاتی ہے کہ رسالہ مسیحی کو مالی اور قلمی امداد دیکر مسیحی کے سرپر
کامیابی کا سہرا رکھیں۔ کیونکہ اس نوازش بغیر ہمارا مسیحی کی اشاعت کا بیڑا
اُٹھانا آسان کام نہیں۔ بقول شاعر۔

کھلتا ہے اکیلے سے کہیں باب قبول ——— دو ہاتھ ملاؤ کہ دعا پوُری ہو

سلسلہ مشاہیر قوم

تمہید

(۱) مرحوم پادری طالب الدین صاحب بی۔ اے پاسٹر نولکھا چرچ لاہور
ہم آج کے نمبر میں پادری طالب الدین صاحب کے حالات زندگی ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم پادری صاحب کا اس لئے ذکر کرتے ہیں۔ کہ پنجاب میں بہت اصحاب ایسے ہیں جو اُن کی زندگی سے بخوبی واقف ہیں۔ اور پرانے دوستوں کو نئے لباس میں پہچاننا خالی از دلچسپی نہیں۔ دوسرے پادری صاحب کی قابلِ تحسین کلیسیائی خدمات اور احسانات ہم کو مجبور کرتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے ان ہی بزرگ کا ذکرِ خیر کریں۔ خصوصاً اس لئے کہ قوم میں آپ کی وہ زبردست شخصیت ہے کہ آپ کے حالات زندگی کو پڑھ کر نوجوانان کے دلوں میں حوصلہ اور حمیتہ پیدا ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا۔

پیدائش

پادری صاحب ۱۸۶۶ء میں بمقام جگراواں ضلع لودھیانہ میں پیدا ہوئے آب و ہوا کا انسان کی طبیعت پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ لدھیانے کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ اس لئے اپنے خداوند کے دلیر سپاہی تو آپ سے آپ ہونا ہی تھا پھر جگراواں میں پیدا ہوں۔ تو جگ راؤ کیوں نہ ہوں۔ دنیا میں نیک اور بزرگ نام کیوں نہ چھوڑ جاتے۔ جگ کے معنے ہندی میں مہمان نوازی کے بھی ہیں اس لئے مہمان نوازی کی صفت لازم تھی۔ شاید جگراواں میں پیدا ہونے ہی کا اثر تھا۔ کہ پادری صاحب بڑے بھاری مہمان نواز تھے۔

ابتدائی زندگی اور بپتسمہ

۱۵ سال کی عمر میں ۲۴ مئی ۱۸۸۲ء میں بمقام جگراواں پادری احمد شاہ صاحب کے دست مبارک سے بپتسمہ پایا

کچھ دن بٹالے سکول میں رہے۔ پھر لدھیانے میں چھ سال رہ کر ۱۸۸۸ء میں انٹرنس پاس کیا۔ چار سال فورمن کرسچن کالج میں اپنی لیاقت اور ذہانت کے باعث بڑی عزت اور آبرو پائی۔ فارسی اور مشرقی علم ادب کا شوق اور مہارت پیدا کی۔ ۱۸۹۲ء میں بی۔ اے پاس کرتے ہی ۲۴ ر مئی کو شادی کا ڈپلوما ملا۔ ۲۴ ر مئی ان کے لئے بڑا بھاگوان دن تھا۔ کہ بپتسمہ شادی اور لاہور کی پاسٹری انہیں اُسی تاریخ کو ملی۔ ملکہ وکٹوریا کا جنم دن بھی ۲۴ ر مئی ہی کو ہوتا ہے۔ شاید یہ امر بھی اُن کی وکٹوریس یعنی کامیاب زندگی میں ضرور کچھ نہ کچھ دخل رکھتا ہو +

کلیسیائی خدمت

اگست ۱۸۹۲ء میں آپ سہارنپور کے علم الٰہی کے مدرسے میں داخل ہوئے اور تین برس تعلیم حاصل کر کے ۱۸۹۵ء میں اُسی سیمنری میں پروفیسر کے عہدے پر ممتاز ہوئے۔ شمالی ہندوستان میں آپ سب سے پہلے بی۔ اے تھے۔ جنہوں نے اُس زمانے میں انجیل شریف کی خدمت اختیار کی جب کہ گریجوئیٹوں کو بڑے بڑے سرکاری عہدے خود بُلا بُلا کر دیئے جاتے تھے۔ پادری صاحب کے دوستوں نے جو بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر معمور تھے ہر چند بارہا انہیں سمجھایا۔ مگر پادری صاحب نے مسیح کی خدمت کو دنیوی حکومت اور مسیح کی غلامی کو دنیا کی آزادی اور عزت اور حشمت پر ترجیح دی اور اُس کے نام کی خاطر مراتب دنیوی کو حاصل کرنے کے قابل چیز نہ سمجھا۔ اور مسیح کی دُلہن کو پاکیزگی و روحانیت کے زیورات سے سجانے میں مشغول رہے۔

۱۸۹۹ء میں نولکھے کے پاسبان مقرر ہوئے۔ ۱۸½ برس نہایت جانفشانی اور دلچسپی کے ساتھ کام سرانجام دینے کے بعد ۳۱ ر دسمبر ۱۹۱۷ء میں بمقام لاہور رحلت فرمائی۔ جگ رائے سے آئے تھے۔ جگ رائے کے جا جہان ہوئے ؎

کہتے ہیں طالب آج جہاں سے گذر گیا ⁂ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

نولکھا چرچ کی پاسٹری کوئی خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ مگر انہوں نے جس خوبی اور خوش اسلوبی سے اس اہم کام کو نباہا۔ یہ اُنہی کا حق تھا۔ بیماری کی حالت میں

بھی اُن سے اپنے فرائضِ منصبی میں کوتاہی ظہور میں نہ آئی۔ عین بخار میں بھی وعظ نہ چھوڑتے تھے۔ جب دوست آشنا اُن سے کہتے کہ آپ ایسا نہ کریں۔ ہم موجود ہیں۔ تو ہنسکر کہتے۔ کیا ہوا آپ صاحبان کو میری وجہ سے مفت تکلیف ہوتی اللہ اللہ ایسے صابر تھے۔ کہ بیماری کی شکایت تک زبان پر نہ لاتے تھے۔ دورے پر دورے پڑتے مگر مجال کیا کہ دورے کا کام بگڑنے دیتے۔ گاؤں گاؤں جاتے اور کلیسیا کی عمارت مستحکم بناتے جاتے تھے۔ استقلال کا یہ حال تھا کہ انتقال سے ایک ہفتہ پیشتر گرجے میں بڑے دھڑتے سے وعظ فرمایا۔ کسی کو سان گمان بھی نہ گزرا کہ وُہ ہم سے یوں دفعتہً چھن جائیں گے۔

اوصاف

نوعیّت اور زندہ دلی

پادری احمد شاہ صاحب بڑے فخر اور ناز سے کہا کرتے ہیں کہ ایک بڑا کام میں نے دنیا میں کیا ہے وہ یہ کہ طالب الدین جیسا آدمی دنیا میں پیدا کر دیا۔ میری عمر بھر کی کمائی اور جائداد طالب الدین ہے اور واقعی اگر ذرا نظرِ غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں کوئی کلام نہیں۔

پادری صاحب کی طبیعت میں عجیب نوعیّت تھی۔ وہ بچوں میں بچے۔ لڑکوں میں لڑکے۔ بڑوں میں بڑے۔ بزرگوں میں بزرگ بن جاتے تھے۔ غرضیکہ اپنی ہر ادا سے ہر شخص کا دل ہاتھوں میں لے لیتے تھے۔ نوعیّت ایک بڑی اعلےٰ صفت ہے۔ ان کی تمام کامیابی کا راز یہی صفت تھی۔ جو آجکل لوگوں میں ڈھونڈے نہیں ملتی۔ مسیحی کو چاہیئے کہ زندگی کے تمام پہلوؤں کی ترقی اور کمال درجے تک نشوونما کرے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ پادری کو ہنسنے کھیلنے مذاق اور دل لگی سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لئے اکثر پادری صاحبان بڑے بد مزاج۔ روتی صورت۔ رُوکھے اور خاموش ہو جاتے ہیں۔ زاہدِ خشک مغز سے بے ریا ہنس مکھ ہزار بار بہتر ہے۔ کہ خود خوش رہتا ہے اور دوسروں کو خوش رکھتا ہے۔ یہی خوبی تھی جس کے باعث پادری صاحب سے بچّے سے

لیکر بوڑھے تک مل کر بڑی خوشی حاصل کرتے تھے۔ مگر کمال یہ تھا۔ کہ ان باتوں کے باوجود اعلیٰ اخلاقی اور مسیحی اصول ٹوٹنے نہ پاتے تھے۔ جس مذاق کا آدمی اُن کے پاس جاتا۔ خوش ہو کر آتا۔ روتوں کو ہنسا دیتے تھے۔ جو اپنی تکالیف لیکر اُن کے پاس جاتا اُس کا اس طور سے غم غلط کرتے کہ تسلی اور اطمینان قلبی پا کر گھر لوٹتا۔ ؎ ہنستے جاتے تھے جو یاں روتے ہوئے آتے تھے۔ اوروں کی تکلیف سے ان کو سخت پریشانی ہوتی تھی۔ مگر جو رنج اور غم کا مریض اس روحانی ڈاکٹر پاس جاتا۔ یہی کہتا۔ ؎

عیسےٰ وہ بنے جب نہیں ایک بھی بیمار ؛ اب درد کو ڈھونڈو تو ملے گا نہ دوا کو

خوش طبعی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ زندہ دلی کے پتلے تھے مذاق اور لطیفہ میں راجہ بیربل اور ملا دوپیازے کو چت کر دیا تھا۔ ہر مجلس کی زینت تھے۔ وہ نہ ہوتے تو محفل کا رنگ پھیکا رہتا۔ لوگوں کو مزہ نہ آتا۔ پوچھتے۔ کیوں بھئی آج پادری طالب الدین نہیں آئے۔ جلسوں میں نئی رُوح پھونک دیتے تھے۔ اور اتنا ہنساتے کہ پیٹ میں بل پڑ پڑ جاتے۔ لڑکوں سے چھلیں۔ برابر والوں سے دو دو چونچیں لڑتے۔ بزرگوں کو دیکھ کر ایک دم ایسے سنجیدہ بن جاتے کہ جو نہ ہنستا وُہ بھی کھل کھلا کر ہنس پڑتا۔ سچ ہے۔ ؎

زندگی زندہ دلی کا نام ہے ۔ مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں۔

آپ کو علم موسیقی کا بڑا شوق تھا۔ گانے اور ستار بجانے میں تان سین کی رُوح کو شاداب کر دیتے تھے۔ دوسروں سے سنتے اور آپ سناتے تھے۔ ان کی بیسیوں مسیحی غزلیں اور گیت عیسائیوں کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اور گرجوں میں لوگ جھوم جھوم کر گاتے ہیں ◆

ہمدردی باوجود اتنی خوش طبعی کے بڑی ہمدرد طبیعت بھی پائی تھی۔ وُہ اوروں کی مصیبت سُن کر گھبرا جاتے تھے۔ اور ایسے بے چین ہوتے کہ جب تک تکلیف رفع نہ کر دیتے دم نہ لیتے۔ ہم نے بار ہا اُن کو لوگوں کی مصیبتیں سُن سُن کر آنسو بہاتے اور دست دعا سے مدد پہنچاتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ نوکروں تک کے دُکھ درد کی برداشت کی تاب نہ لاتے۔ غریبوں کے حال پر بہت

ترس کھاتے۔ بیماروں کی وہ تیمارداری کرتے کہ پلنگ کے پاس دن دن بیٹھے رہتے۔ راتوں کو پلک نہ جھپکاتے۔ حالانکہ خود اُن کی صحت بہت اچھی نہ رہتی تھی۔ دوستوں اور مسیحیوں کی خوشی اور رنج میں شریک ہوکر بڑا حصّہ لیتے۔ غرضیکہ خداوند مسیح کے قول کے پورے پابند ہوتے کہ ہنسنے والوں کے ساتھ ہنسو اور رونے والوں کے ساتھ آنسو بہاؤ +

حلم اور صلح پسندی اور منصف مزاجی

حلم اور صلح پسندی اُن میں اس درجے کی تھی کہ اگر کسی وقت خدانخواستہ کسی ادنےٰ ملازم پر بھی خفا ہو جاتے۔ تو تھوڑی دیر بعد اُسے خوش کرنے کی کوشش کرتے۔ بلکہ معافی مانگنے سے بھی ہرگز نہ شرماتے۔ اگر کسی دوست سے رنجش ہو جاتی تو صبح کا غصہ شام تک رہنے نہ دیتے۔ غلط فہمی دُور کئے بغیر چین نہ کرتے۔ ایک دفعہ کرسچن بیوچول پراویڈنٹ فنڈ کے ڈائرکٹروں کی میٹنگ تھی ایک انگریز صاحب سے دو بدو ہو گئی۔ جلسہ برخاست ہُوا۔ ایک دوست نے کہا چلئے۔ اُنہوں نے کہا ذرا ٹھیریئے۔ صاحب سے باتوں باتوں میں دو دو باتیں ہو گئی ہیں۔ مبادا اُن کے دل میں کسی طرح کی رنجش ہو۔ دونو برابر کی حیثیت کے تھے۔ مگر اُنہوں نے چلنے کا نام نہ لیا تا وقتیکہ آپس میں صُلح صفائی نہ ہو گئی۔ دشمنی اور مخالفت کو بھول لینے والے تھے۔ معاف کرکے مخالفت اور کینہ دل میں نہ رکھتے۔ مگر صداقت کے اظہار میں بڑے صاف گو اور کھرے تل دلیر تھے۔ ملامت کرنے میں بہادر۔ ایسے بے رُو رعایت کہ عزیز سے عزیز کو نہ چھوڑتے۔ انصاف پسند ایسے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرکے دکھا دیتے تھے۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی میں حاتم ثانی تھے۔ دشمنوں تک کے لئے گھر کھلا تھا۔ ایک شخص نے آپ کو گھر بیٹھے بڑے گستاخانہ خط لکھے۔ اُسے کچھ دنوں بعد لاہور آنے کا اتفاق ہُوا۔ پر رہنے کو جگہ نہ ملی۔ جس سے غرض مطلب کیا منہ کی کھائی۔ کسی نے پادری صاحب کو اُن کا حال بتایا آپ ایسے بے چین اور از خود رفتہ ہوئے کہ اس شخص سے خود جا کر ملے اور اپنے ہاں لے آئے۔ خوب مہمانی کی۔ شرمندہ احسان کیا۔ بدی کا عوض نیکی سے دیا۔ وہ

نادم ہوا اور معافی مانگی۔

بادی النظر میں یہ معمولی اوصاف دکھائی دیتے ہیں۔ مگر آجکل بتایئے ہم لوگوں میں کہاں ہیں۔ گھر پر بٹھانا تو بڑی بات ہے گھر پر سیدھے منہ بات نہیں کرتے۔ پانی تک کو نہیں پوچھتے ہاں سر راہ اگر آنکھ نہ چرا سکے مل ہی گئے تو بڑے تپاک سے مل لئے اور خیر و عافیت پوچھ لی۔ جیسے بڑے خیر خواہ ہیں۔ باقی اللہ اللہ خیر سلا۔ ہمارے بزرگ پادری طالب الدین ایسے مہمان نواز تھے کہ اگر کوئی کسی وقت آنکلتا جو گھر میں ہوتا فوراً اُس کے سامنے رکھ دینے پر ہی بس نہ کرتے بلکہ بڑا تکلف کرتے۔ آپ نہ کھاتے اُسے کھلاتے۔ اُن کی مہمان نوازی ابراہیم کی مہمان نوازی کی مثال تھی۔ لاچاری سے نہیں بلکہ دل کی خوشی اور فرط محبت و مروت سے کرتے۔ شوق تھا کہ دونوں وقت دسترخوان پر کوئی نہ کوئی مہمان ضرور ہو۔ اسے برکت کا باعث سمجھتے تھے۔ جس دن کوئی مہمان نہ ہوتا تو کسی نہ کسی کو آدمی بھیجکر بلوا لیتے۔ مہمان نوازی گویا ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اور بے اختیار اُن سے سرزد ہوتی تھی۔ ایکدن پادری واعظ اور سائیں عاشق اللہ امرتسر جا رہے تھے۔ ریل میں کوئی ایک گھنٹے کی دیر تھی۔ پادری واعظ نے کہا چلو اتنے میں طالب سے مل آئیں۔ گھنٹے بھر جی بہلائیں گئے تو بڑی کشادہ پیشانی سے ملے۔ کھلے جاتے تھے۔ ریل کا وقت قریب آگیا تو دونوں چلنے کو تیار ہوئے مگر جانے کون دے۔ بہت مجبور کیا کہ ٹھیرو مگر پادری واعظ اور سائیں صاحب نہ مانے۔ آخر جب چلنے ہی لگے تو پادری صاحب نے کہا خیر جاتے تو ہو مگر دعا تو کرتے جاؤ۔ اب دعا سے انکار کرنا کس کی مجال تھی۔ پادری واعظ آپ کی چال کو تاڑ گئے اور سائیں صاحب سے کہا۔ بابا یاد رکھنا پریسبٹیرین پادری ہے۔ ریل امرتسر پہنچ جائیگی تو اس کی دعا ختم ہوگی۔ اور یہی ہوا۔ ریل چلی گئی۔ اور یہاں سجدہ بھی ختم نہ ہوا۔

مہمان نوازی میں ہمسائے کا حق اول سمجھتے تھے۔ کوئی عمدہ چیز گھر میں پکتی یا باہر سے تحفے کے طور پر آجاتی تو پاس پڑوس والوں کو کبھی نہ بھولتے۔ انکا حقہ گھر پہنچواتے۔ چائے ہر دم تیار رہتی تھی۔ جو تھکا ہارا منادآتا۔ گرم چائے پلا کر ایسا سینہ سرد کرتے تھے کہ تازہ دم ہوجاتا +

انکسار اور سادگئ ایمان

ایک دن پادری صاحب ایک کتاب ملحدوں کے جواب میں تصنیف کر رہے تھے
پادری واعظ آئے ۔ دیکھکر ہنسی سے کہا میاں کیا فضول کام کر رہے ہو تم لوگ
جو فلاسفر ہو۔ تمہارے دین اور ایمان کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ جو کچھ کہتے ہو خود بھی
سمجھتے اور یقین کرتے ہو۔ پادری صاحب نے بڑی فروتنی سے جواب دیا۔ واعظا
زمانہ موجودہ میں ان یورپین ملحدوں کی تقلید پر ہندوستان کے جوان بے خدا
ہوتے جاتے ہیں۔ ضرور ہے کہ الحاد کی جڑوں میں پانی ڈال کر انہیں اکھیڑ کر
رکھ دیا جائے ۔ باقی رہی یہ بات کہ میں ان باتوں کو سمجھتا ہوں یا نہیں۔ اپنے
واسطے تو صرف میں اس قدر جانتا ہوں کہ یسوع مسیح گنہگاروں کے بچانے کو
دنیا میں آیا ۔ اور ان میں سب سے بڑا گنہگار میں ہوں۔ میرے لئے تو مسیح یسوع
ہی بس ہے ۔ یہ جواب اُن کی زندگی میں عملاً پایا گیا۔ باوجود فلاسفر ہونے کے
ایسا سادہ ایمان مسیحی کے واسطے کافی اور شافی ہے ۔خود ملکے ہم جماعت وکالت
اور ای۔ اے ۔ سی کے عہدوں پر ممتاز تھے ۔ اور اگر وہ چاہتے تو ضرور بہ آسانی
کوئی بڑا منصب پاتے ۔ مگر انہوں نے مسیح کے لئے باوجود دوستوں کے اصرار
کے مسیحی پاسٹری کے غریبانہ اور دقت طلب کام کو پسند کیا۔ جب پروفیسر سراج الدین
صاحب مشرف بہ مسیحیت ہوئے تو انہوں نے اپنے قلم معجز رقم سے یہ حروف
انہیں تحریر کئے ۔ کہ موسٰی نے فرعون کی بیٹی کا لڑکا کہلانے کی نسبت مسیح کے لوگوں
کے ساتھ دکھ اٹھانا زیادہ پسند کیا ۔ جیسے ہمارے خداوند نے خدا ہو کر خداوندی
کو ہمارے خاطر قبضے میں رکھنے کے قابل چیز نہ سمجھا ۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے بزرگ

ہمارے لئے ایک ابدی میراث چھوڑ گئے ہیں۔ وُہ کیا۔ وُہ ان کی زندگی کی مثال خود انکاری اور فروتنی ۔

علم کا شوق ان کو شروع سے آخر تک رہا۔ اچھی تحریر اور کلام پر فدا ہوجاتے پادری اکبر مسیح کے بِن دیکھے عاشق ہوگئے تھے ۔ ہر وقت ان کی تعریف کیا کرتے اور آگرہ میں جب عالمگیر کرسچن ایڈیور کا جلسہ منعقد ہوا تو آپ اُن سے بڑے تپاک اور خوشی سے بغلگیر ہوئے علمی مشغلہ اور مسیحی خدمت کو مرتے دم تک نہ چھوڑا ۔ ان کی علمی لیاقت اور دینی قابلیت کا لوہا کیا مسیحی کیا غیر مسیحی سب مانتے تھے ۔ اور عقل سلیم اور رائے صایب رکھتے تھے ۔ اپنی تصنیفات سے مسیحی لٹریچر میں نئی جان ڈال گئے ۔ اور قابل تعریف اضافہ کیا۔ اور خدا کے نہ ماننے والوں کے دانت کھٹے کر دیئے ۔ بیسیوں کتابیں خود تصنیف کیں سینکڑوں کتابوں کا ترجمہ کیا۔ مسیحی اردو لٹریچر کی تقریباً ۲۵ تئیس فی صدی کتابیں آپ ہی کے ہاتھ سے نکلیں ۔ بہت سی کتابوں کا ریویو لکھا۔ صدہا آرٹیکل اخباروں میں دیئے ۔ جن سے لوگوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔ نور افشاں اور اخبار مسیحی کی وُہ حمایت کی کہ قلم توڑ دیئے ۔ سکاٹ کے مشہور ناولوں کا ترجمہ کیا۔ لیمبز ٹیلز فروم شکسپیر کو ہندوستانی جامہ پہلے پہل انہوں نے ہی پہنایا علمی مذاق سے کوئی وقت خالی نہ تھا ۔ غزلیں ورگیت لکھے جو ایسے مقبول ہوئے کہ اب تک لوگ گاتے اور سراہتے ہیں۔ آپ کی پنجابی غزل "آیا عیسےٰ یار ساڈے پاس" کو کون نہیں جانتا

خانگی زندگی بہت لوگوں کو ہم دور سے اچھا خیال کرتے ہیں مگر غور سے وہی ڈھاک کے تین پات نظر آتے ہیں۔ نیک آدمی کے دو معیار ہیں بیوی بچوں سے پوچھو خاندان پر اس کا اثر دیکھو۔ یا یار دوستوں اور ہمسایوں سے دریافت کرو۔ اگر ہمسائے اور گھر والے اچھا کہیں تو آنکھ بند کرکے اچھا سمجھ لو۔ ورنہ دُور کے ڈھول سہاونے ۔ لاہور کیا سارا پنجاب اب تک پادری صاحب کی تعریفوں سے گونج رہا ہے ۔ ایک ایک کی زبان پر اُن کی تعریف ہے ۔ سہ

بجا کہے جسے عالم اسے بجا سمجھو زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو

پادری صاحب انجیل پر صدق دل سے ایمان رکھنے والے اور عمل کرنیوالے

تھے۔ نیک ہادی عمدہ صلاح کار۔ غم خوار دوست۔ نیک خاوند۔ اور اچھے
باپ تھے۔ اپنے بیوی بچوں پر جان دیتے تھے۔ اور اُن کی تعلیم و تربیت کا بڑا
خیال رکھتے تھے۔ افسوس کہ لاہور میں وُہ اکثر بیمار رہتے تھے۔ دمہ کا عارضہ تھا۔
اکثر دورہ اٹھا کرتا تھا۔ اور بہت تنگ کرتا تھا۔ لاہور کی آب و ہوا موافق نہ تھی۔
مشن نے ہوشیار پور بھیجنے کا انتظام کیا اور ترقی پر بھیجنا چاہا۔ ڈاکٹر یونیگ اور
دیگر احباب نے صلاح دی کہ چلے جاؤ۔ مگر نہ مانے کہا۔ اپنی صحت کا فکر کروں کہ
اولاد کا بھلا دیکھوں۔ ہوشیار پور رہ کر ان کی تعلیم کا کیا انتظام کرونگا۔ وہاں
سکول ہیں نہ کالج۔ ان کی اعلےٰ تعلیم کا انتظام ناممکن ہوگا۔ آدھی زندگی قبول
کی پر بال بچوں کا نقصان گوارا نہ ہوا۔ کاش سب مسیحی باپ اس خیال کے ہوں۔
خانگی دعا کے بڑے قائل تھے۔ آندھی جائے مینہ جائے روزانہ دعائیں ناغہ
نہ پڑنے دیتے۔ اور بڑے بڑے عقدے اسی منتر سے حل کرتے تھے۔ بیوی
بھی خدا رکھے ایسی نیک بخت ملیں کہ ہر کام میں اپنے خاوند کا ہاتھ بٹایا۔ اور
جیسا کہ انجیل میں حکم ہے اپنے خاوند کو خداوند سمجھا۔ خدمت اطاعت فرمانبرداری
اور وفاداری پوری پوری کی۔ پاسٹرائن ہونے کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اگر ایسی
نیک اور دیندار مسیحی بی بی ان کی رفیقِ زندگی نہ ہوتیں تو شاید پاسٹری کے کام
میں جو کامیابی انہیں حاصل ہوئی ہرگز دستیاب نہ ہوتی۔ جس کو دعا اور نیک
بیوی جیسی دو نعمتیں مل جائیں اسے اور کیا چاہیئے۔ یہ دو چیزیں ہر مرض کی
دوا ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اپنی آخری بیماری میں اگرچہ اس قدر تکلیف میں
تھے۔ کہ ساری ساری رات سارا سارا دن بیٹھ کر نکالتے مگر خوشی اور اطمینان
ان کو ہر وقت رہتا۔ اور خوش مزاجی اور مذاق نہ چھوٹتا۔

نیک کی اولاد بھی نیک ہی ہوتی ہے باپ کی صفات بچوں میں آتی ہیں۔ گو
آپ کی خوش مزاجی اور نیک دل سے حصہ ہر ایک نے پایا ہے۔ مگر دو کو بیشتر
کا حصہ ملا ہے۔ آپ کی بڑی صاحب زادی گریس مس وارث ویسی ہی مہمان نواز
ہیں۔ سال میں کئی بار کل لاہور کے عیسائیوں کی دعوت کرتی ہیں۔ بن بلائے
مہمان تک کی خوب آؤ بھگت ہوتی ہے۔ مسیحیوں کو اپنے گھر اتارتی اور بڑی

خاطر مدارات کرتی ہیں۔ پادری صاحب کے فرزند ارجمند نظیر طالب الدین نے اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلکر مسیح کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو مخصوص کیا ہے۔ آپ اپنے باپ کی طرح لائق گریجویٹ ہیں۔ نکتہ سنجی اور ظرافت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ امید ہے کہ اپنے والد بزرگوار کا بہت نام روشن کرینگے۔ مسیحی کی دعا ہے کہ الٰہی اس خاندان کو شاد اور آباد رکھ۔ اور اپنے طالب کے صدقے ان کا محافظ ونگران رہ۔ آمین +

کیوں اور کسلئے

(۱) عورتیں کیوں گرجے میں سر ڈھاک کر بیٹھتی ہیں۔

مقدس پولوس نے کرنتھیوں کے خط میں صاف حکم دیا ہے۔ کہ مرد دعا میں سر پر کوئی چیز ٹوپی یا پگڑی کی قسم کی پہن کر نہ بیٹھیں۔ اور عورتیں اپنا سر ڈھانک کر رکھیں۔

مقدس پولوس کے زمانے میں خیال کیا جاتا تھا کہ جب تک عورت کسی قسم کی اوڑھنی سر پر اوڑھے ہوئے نہ ہو اُسے باہر گلی کوچوں میں نکل کر پھرنا زیبا نہیں۔ عورت کا تاج یا عزت اُس کے بال ہیں جن پر سوائے اس کے خاوند کے کسی نامحرم شخص کی نگاہ پڑنی نہیں چاہیئے۔ اس لئے کلیسیا میں ننگے سر آنا جہاں مرد اور عورتیں ہوتی تھیں مشرقی تہذیب میں سخت بےغیرتی پر محمول کیا جاتا تھا

(۲) گرجوں میں گھنٹے کیوں بجتے ہیں۔

مذہب سے گھنٹوں کا چولی دامن کا ساتھ نہایت قدیم زمانے سے ہے۔ ہندوؤں کے مندروں میں قدیم سے گھنٹے بجتے آئے ہیں۔ عیسائی مذہب کی عبادت میں گھنٹے بجنے اس وقت سے شروع ہوئے ہیں جب سے غیر مسیحیوں نے عیسائیوں کو ستانا اور ایذا رسانی چھوڑ دی اور کھلم کھلا عبادت ہونی شروع ہوئی۔

ایک زمانہ تھا کہ گھڑیاں گھنٹے وقت بتانے کو بالکل نہ تھے۔ ان ایام میں

گرجے کے گھنٹوں کا بڑا آرام تھا۔ کیونکہ گھنٹے بجانے سے نمازیوں کو گرجے میں بلانا مراد نہ ہوتی تھی۔ بلکہ ان کے ذریعے سے انکو مطلع کیا جاتا تھا۔ کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اس زمانے میں ہر گھنٹے کے لئے ایک خاص دعا مقرر تھی۔ جس میں شامل ہونا ہر شخص کا فرض سمجھا جاتا تھا۔ خواہ وہ اس وقت اپنے معمولی کام میں کیوں نہ مشغول ہو۔ ٹھیک جیسے یورپ کے بعض ملکوں میں اب تک دستور ہے کہ مزدور تک بھی خداوند یسُوع مسیح کے تجسّم کی یاد میں ہر گھنٹے میں چند لمحہ کے لئے اپنا کام بند کر کے خدا کی طرف دھیان لگاتے ہیں اب تو ایک ایک کے پاس گھڑی ہے اور ہمیں وقت معلوم رہتا ہے۔ اور گھنٹے بجانا پرانے فقیر کی لکیر پیٹنے کے برابر رہ گیا ہے۔ تاہم اب بھی اُن گرجوں میں جن کی نماز سرکاری قانون کے بموجب مجوزہ ہے صبح اور شام کی نماز سے پہلے گھنٹے نمازیوں کی آگاہی کیلئے بجنے کا حکم ہے۔

(۳۲) ۱۳ کا ہندسہ کیوں منحوس سمجھا جاتا ہے۔

ہندوستان میں کبھی تین یا تیرہ چیز ایک وقت میں اپنے دوستوں یا واقف کاروں کو نہیں دیتے۔ دعوت میں میزبان اپنے مہمان کے آگے دو لڈو یا چار لڈو رکھیگا۔ تین بھول کر بھی پیش نہ کریگا۔ اسی طرح جب کوئی رشتے میں بڑا کسی بچے کو عیدی دیتا ہے وہ دو روپے بچے کے ہاتھ پر رکھیگا تین روپے ہرگز نہ دیگا۔ کیونکہ تین کا ہندسہ منحوس سمجھا جاتا ہے۔ کوئی شے تین یا تیرہ عدد دشمن کو یا جس کا برا چاہتے ہیں اس کو دی جاتی ہیں اردو میں ایک مشہور محاورہ ہے۔ تین تیرہ کرنا جس کے معنے ہیں برباد۔ پراگندہ۔ منتشر یا تتر بتر کرنا۔

عیسائیوں میں تیرہ کا ہندسہ اس لئے بدشگونی سمجھی جاتی ہے۔ کہ ہمارے خداوند یسُوع مسیح کی آخری عشا میں جو انہوں نے اپنے بارہ شاگردوں کے ساتھ کھائی۔ جناب مسیح کو ملا کر تیرہ آدمی تھے۔ اور ایک ان میں سے پلید ہمارے خداوند کا قاتل نکلا۔ ۱۳ کے ہندسے کا منحوس سمجھنا عام طور پر اس واقعہ کی وجہ سے خیال کیا جاتا ہے۔ مگر سچ تو یہ ۱۳ کے

سندسے کا بدشگونی سے علاقہ باوا آدم کے وقت سے ہے۔ اور یہ خیال ہر ملک و ہر مذہب میں کسی نہ کسی صورت میں پایا جاتا ہے۔ کرۂ زمین کے اس سرے سے اُس سرے تک ۱۳ کے ہندسے سے لوگ ڈرتے اور نفرت کھاتے ہیں۔ کیا روسی کیا اطالوی کیا ترک کیا انگریز سب اس سے ایسا ڈرتے ہیں جیسے بچے دو مہری بی بی اور جوتے سے۔

اس کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے جو عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے۔ کہ جس طرح سے ۱۲ کا ہندسہ پہلا کامل ہندسہ ہے جو دو تین چار اور چھ سے تقسیم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ۱۳ ایک پہلا ایسا نرالا ہندسہ ہے جو کسی اور ہندسے سے تقسیم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہر زمانے میں ۱۳ کا ہندسہ منحوس اور بدشگون سمجھا گیا ہے +

(۴) شاہ بالا یا دولہے کے دوست کی رسم کہاں سے شروع ہوئی۔

شاہ بالا کے لغوی معنے ہیں ہمروش یعنی وہ شخص جو قد و بالا یعنی قد و قامت میں دولہا کے ہمسر اور برابر ہو۔ جو عام طور پر کوئی قریبی رشتہ دار اکثر دولہے کا چھوٹا بھائی ہوتا ہے۔ شاہ بالا کو بھی نوشہ کی طرح آراستہ کرکے دُولہا کے پیچھے گھوڑے پر بٹھاتے ہیں۔ اور دُولہن کے گھر تک لیجاتے ہیں۔

آجکل شاہ بالا تو جناب عالی سر پہ کھڑیا اور پیٹ میں جالی محض نظر ٹّو ہی رہ گئے ہیں۔ اور اس رسم کی اصلیت کو لوگ بالکل بھول گئے ہیں۔ اس رسم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ پرانے زمانے میں نائی یا برہمن یا کسی اور شخص کی وساطت سے بات ٹھیرائی نہ جاتی تھی۔ بلکہ دولہا اپنے دوستوں اور قرابتوں کو لے کر دلہن والوں پر حملہ کرتا اور اُن کی مدد سے جو عورت اُسے پسند ہوتی زبردستی پکڑ لاتا تھا۔ ان لوگوں کو جو دولہا کی اس کام میں مدد کرتے تھے دُولہا اور اُس کے رشتہ دار بھلانے کی غرض سے شاہ بالا کہا کرتے تھے۔ یعنی دُولہے سے بھی بڑھ چڑھ کر آدمی ہی کے طفیل سے دُولہے کو دُلہن ملی ورنہ کہاں مل سکتی تھی۔ ہمارے ہندوستان میں اس قسم کی شادی کو راکشش ریتی بواہ یا بیاہ کہتے ہیں۔ جو ہندوؤں کے قانون میں پہلے جائز تھا اب بالکل متروک ہے

اگرچہ پرانے زمانے میں بھی اس کو بُرا سمجھتے تھے۔ منوجی کے دھرم شاستر کی رو سے راکشش دواہ وہ ہوتا تھا جس میں دُولہا لڑائی میں لڑکی کے رشتہ داروں اور حمایتوں کو قتل کر گھر بار لوٹ کر دلہن کو بزورِ شمشیر اپنے گھر یعنی جرا کر لیجاتا تھا۔ تہذیب یافتہ ملکوں میں اس رسم کے اُٹھ جانے کے بعد بھی شاہ بالاؤں کو بڑی عزت اور قدر کی نگاہوں سے دیکھتے رہے ہیں۔ جو شاہ بالا یا ساقدوشوں میں سب سے باوقار ہوتا تھا۔ وہ دُولہا کا سب سے افضل دوست گنا جاتا تھا ہوتے ہوتے رواج پڑ گیا کہ شاہ بالا ایک ہی آدمی بنتا ہے۔ اور شادی کی سومات میں اب تک کافی حصہ لیتا ہے +

(۵) شادی کی انگوٹھی عورت کو کیوں پہنائی جاتی ہے۔

ہندوستانی رواج تو یہ ہے کہ مرد اور عورت آپس میں انگوٹھی بدلتے ہیں شادی کے وقت مرد اپنی انگوٹھی عورت کو پہناتا ہے۔ اور عورت اپنی انگوٹھی مرد کو۔ چنانچہ مثنوی گلزار نسیم کا شعر اس بات کی سند ہے جہاں تاج الملوک بکاولی کو اپنی خوابگاہ میں بے خبر سوتے پاتا ہے۔ وہاں پنڈت صاحب فرماتے ہیں کہ

انگشتری اپنی اُس سے بدلی ❊ مہرِ خطِ عاشقی سند لی

مگر انگریزی دستور کے مطابق جس پر کہ ہندوستانی عیسائی انگریزی رسوم کے زیر اثر آکر کاربند ہیں۔ فقط مرد گرجا گھر میں انگوٹھی عورت کو نشانی کے طور پر پہناتا ہے۔ ورنہ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ کیوں عورت ہی انگوٹھی پہنے مرد نہ پہنے۔ ہمارے خیال میں تو اگر دونوں میں سے کوئی نہ پہنے تو بھی مضائقہ نہیں۔ بعض اصحاب اس رسم کی وجہ یہ بتاتے ہیں۔ کہ انگوٹھی سے فوراً پہچان لیا جاسکتا کہ فلاں مرد یا عورت شادی شدہ ہے یا نہیں۔ لیکن یہ وجہ بالکل فضول معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر باوجود منکوحہ ہونے کے میاں یا بیوی شادی کی انگوٹھی نہ پہنے تو کوئی رواج یا قانون ایسا نہیں جو اُن کو مجبور کر سکے۔ کہ انگوٹھی پہنیں ہی پہنیں۔ اس رسم کی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ پُرانے زمانے میں بیوی کو یا تو مول لے لیا کرتے تھے یا زبردستی پکڑ کر گھر میں ڈال لیتے تھے! اور عورت کی اُنگلی میں ایک چھلا ڈال دیا کرتے تھے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ یہ فلانے

فلاں نے شخص کا مال ہے۔ عورتوں کو غلام سمجھتے تھے۔ اور جس طرح سے گائے
بیل بھیڑ بکریاں لوگوں کی ملکیت ہوتی تھیں عورتیں بھی اُن کی ملکیت سمجھی جاتی تھیں
کوئی محبت پیار کی راہ سے انگوٹھی نہیں پہنائی جاتی تھی۔ اس لئے فقط عورت کو
اب تک شادی کی انگوٹھی پہنائی جاتی ہے۔ زمانے کے اثر سے تہذیب نے لوہے
کے حلقے کو اُڑا کر صرف سونے کا چھلا رہنے دیا ہے۔ کیونکہ مردوں کے خیالات
میں بڑی تبدیلی واقع ہوگئی ہے۔ اور عورتوں کو اب وہ اپنی لونڈی باندی نہیں
سمجھتے۔ ورنہ پہلے غلاموں کے کان میں لوہے کا حلقہ ڈالا جاتا تھا۔ اور عورتوں
کی انگلی میں چھلا غلامی اور ملکیت کی نشانی ہوتی تھی +

مشن کالجوں اور سکولوں میں کتابِ مقدس کی تعلیم

جب مشنری صاحبان نے اس ملک میں اپنا قدم جمایا تو سکولوں اور کالجوں
کو قائم کیا۔ اور ان کے ذریعہ ہمارے ہم قوموں میں انجیل جلیل کی بشارت شروع
کردی۔ آدمی تھے قابل اور روح سے معمور۔ خدا نے ان کے کام پر برکت بخشی۔
اور ہزاروں کی تعداد میں ہمارے ہم قوم مسیحی ہو گئے۔ یہ صاحبان دن بھر طلبا
کو پڑھاتے تھے اور شام کو منادی کر کے بعض دفعہ رات کے گیارہ بارہ بجے
آتے۔ مرحوم بشپ لیفرائے۔ ڈاکٹر فورمن۔ ڈاکٹر ڈف اور بیسوں دیگر نفس کش
اور سالکانِ راہِ خدا کے نام اس سلسلہ میں وردِ زبان ہوجاتے ہیں۔ ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا ۔ کہ میرے نطق کے بوسے میری زباں کیلئے

اُن دنوں میں کالجوں اور سکولوں پر خدا کا ہاتھ سب کو دکھائی دیتا تھا۔ وہ
گویا خمیر تھے۔ جس کا طلبا پر اثر ہوتا تھا۔ مقناطیس کی طرح مسیح خداوند کی طرف
سب کھچے آتے تھے۔ مشنری صاحبان کا زور زیادہ تر انگریزی۔ تاریخ۔ فلسفہ

سائنس ریاضی وغیرہ پر نہیں۔ بلکہ انجیل جلیل پر ہوتا تھا۔ ان کی زندگیاں خود کلام اللہ کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور ان میں مسیحی مزاج کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا تھا۔ سنتا ہے کہ مرحوم ڈاکٹر نیوٹن ایک دفعہ لاہور میں منادی کر رہے تھے تو ایک شخص نے آپ کے مُنہ پر تھوک دیا۔ آپ نے کمال متانت سے رومال جیب سے نکالا اور منہ پونچھتے ہوئے منادی کرتے رہے۔ سامعین آپ کے مسیحی مزاج سے متاثر ہو گئے۔ اور بہت سے خداوند کے پاس آئے اُن دنوں زمین پر جبار رہتے تھے"!

لیکن اِن دنوں کوئی شخص خداوند مسیح کے پاس اِن سکولوں اور کالجوں کے ذریعہ نہیں آتا۔ حالانکہ آجکل سکول بکثرت ہیں۔ ان کا انتظام اعلےٰ ہے اُستاد مقابلتاً اپنے مضامین میں قابل ہوتے ہیں لیکن خداوند کی برکت ہمیں دکھائی نہیں دیتی۔ راقم الحروف نے اپنی ساری عمر مشن سکولوں اور کالجوں میں کاٹی ہے۔ لیکن کہیں کتابِ مقدس کا اثر نہیں دیکھا۔ کسی کو یہ پوچھتے نہیں دیکھا کہ صاحب میں کیا کروں کہ نجات پاؤں۔ لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے بیسوں مشنری کام کرتے ہیں اور ایک معقول تعداد ہندوستانی مسیحیوں کی بھی مدارس میں پائی جاتی ہے لیکن پھل ندارد۔ کیا ہمارے سکولوں اور کالجوں کی عالی شان دیواروں پر بڑے بڑے حروف میں یہ الفاظ کندہ نہیں ہیں "تو ترازو میں تولا گیا اور کم نکلا"۔

اپنی ضمیر دں کو خاموش کرنے کے لئے اور معترض کا منہ بند کرنے کے لئے معلمین چند ایک دلائل دینے کے عادی ہیں۔ کہ خداوند کا کلام طلبا کے دلوں میں بویا جاتا ہے۔ اور اپنے وقت پر پھل لائیگا۔ کہ مشنری صاحبان محض بپتسمہ یافتوں کے ناموں سے اپنے رجسٹر پُر نہیں کرنا چاہتے کہ مشن سکولوں اور کالجوں کی ہستی سے مسیحیوں کی تعداد بڑھانی مقصود نہیں۔ بلکہ ملک میں علم پھیلانا مقصود ہے۔ کہ ہمیں مسیحی بنانے کے تنگ خیال سے نہیں بلکہ کشادہ دلی سے ان بھولے بھٹکے غیر مسیحی برادران کو جہالت کی تاریکی سے علم کی روشنی میں لانا چاہیئے۔ کہ ایسا کرنا بھی مسیحی کام ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام جوابات کا ایک ہی جواب ہے۔ کہ باوجود ان جوابات کے مدرسین کی اپنی تسلی نہیں ہوتی۔ ان کا دل خود گواہی دیتا ہے۔ کہ موجودہ حالت ہرگز تشفی بخش نہیں ہے۔ ان جوابات سے ایک اور بات بھی روشن ہوجاتی ہے کہ مسیحی مشنری اور معلمین نے ابھی تک اس امر پر توجہ نہیں فرمائی کہ ہماری مسیحی درس گاہوں کا مطمع نظر کیا ہے۔ کیا مسیحی درس گاہیں طلبا کو خداوند کے پاس لانے کے لئے ہیں یا جہالت کی تاریکی سے علم کی روشنی میں لانے کی غرض سے قائم کی گئی ہیں۔ اس وقت یہ سوال نہیں کہ علم کی روشنی پھیلانا بھی مسیحی خدمت ہے۔ یہ جواب مغالطہ نتیجہ غیر مطلوبہ کی ایک مثال ہوگا۔ کیونکہ سوال یہ ہے کہ مشنری صاحبان اور مسیحی معلمین نے درس گاہوں کے قائم کرنے کی اصل غرض اور علتِ غائی صاف طور پر اپنی نظروں کے سامنے نہیں رکھی۔ اور اپنے آپ سے یہ سوال نہیں کیا کہ (الف) آیا یہ سکول طلبا کو خداوند کے پاس لانے کے لئے قائم ہیں یا (ب) جہالت سے نکالنے کیلئے + جائے حیرت ہے۔ کہ لاکھوں روپیہ اندھا دھند خرچ ہو رہا ہے۔ اور خرچ کرنے کے اصلی مقصد اور مدعا کا پتہ تک نہیں جب ہمارے معلمین ہی اپنا مدعا صاف طور پر نہیں دیکھ سکتے تو کیا اندھا اندھوں کو راستہ دکھا سکتا ہے؟

ہماری درس گاہوں میں درس وتدریس پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن کتاب مقدس کی تعلیم ایک غیر ضروری مضمون کے طور پر سکھائی جاتی ہے۔ راقم مضمون مشن سکولوں اور کالجوں میں پڑھتا پڑھاتا رہا ہے۔ اور اس صوبے کی تمام اعلےٰ درس گاہوں اور متعدد سکولوں اور ان کے معلمین سے ذاتی طور پر واقف بھی ہے۔ پس مندرجہ بالا الفاظ کو ایک ذمہ دار شخص کی حیثیت سے تحریر کرتا ہے مختلف مضامین کو پڑھانے کے لئے سکولوں اور کالجوں کے پرنسپل قابل ترین اصحاب کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جنہوں نے ٹریننگ کالج میں تعلیم پائی ہو یا تجربہ کار ہوں تاکہ یونیورسٹی میں نتائج اعلےٰ ہوں۔ اور درس گاہ کا نام روشن ہو لیکن کیا ایسے استادوں میں وہ کتاب مقدس کے علم اور مطالعہ کی بھی تلاش کرتے ہیں۔ جن کی روحانی زندگی ایسی اعلےٰ ہو کہ طلبا کو کلام اللہ کے مطالعہ کا

رق پیدا ہو؟ جتنا دوسرے مضامین کے مطالعہ اور سبق پر زور دیا جاتا ہے
نی ہی بائبل شریف کے مطالعہ میں ڈھیل دی جاتی ہے۔ جہاں دیگر مضامین
سا ہر سہ ماہی امتحان لیا جاتا ہے۔ اور جماعت وار ترقی دی جاتی ہے وہاں
تاب مقدس کے علم کا امتحان سوائے دو یا تین درس گاہوں کے کہیں نہیں
ہوتا۔ پھر معلمین دنیاوی مضامین کا مطالعہ گھر میں کر کے تب پڑھاتے ہیں۔
یکن جب کتابِ مقدس کو انہیں پڑھانا ہوتا ہے تو جماعت کے کمرے میں داخل
ہوتے وقت تک نہیں جانتے کہ کیا پڑھانا ہے۔ اس امر میں راقم ہرگز مبالغہ
سے کام نہیں لیتا۔ بلکہ صرف ایک افسوسناک حقیقت کا بیان کرتا ہے۔

دنیاوی مضامین طلبا کو سلسلہ وار سکھائے جاتے ہیں۔ مبتدی میں اور
اعلےٰ جماعتوں میں تمیز کی جاتی ہے۔ اور خاص اسباق اور کتب ان کیلئے تیار
ہوتی ہیں۔ لیکن کلام اللہ کی تعلیم میں یہ امر ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ کچھ باقاعدہ
تعلیم نہیں ہوتی۔ طریقہ تعلیم میں درس گاہوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے
ایک کچھ پڑھاتا ہے اور دوسرا کچھ اور ہی تعلیم دیتا ہے۔ غرض کیا تعلیم کے لحاظ
سے اور کیا کتب کے لحاظ سے ہماری درس گاہوں میں بے ترتیبی اور بدنظمی
اور ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ پھر معلمین کی ایک بڑی تعداد مسیحی اخلاق کی ہی تعلیم
دیتی ہے۔ لیکن مسیحی نجات یا مسیحی تجربہ کا بیان شاذ و نادر ہی کیا جاتا ہے۔ نہ
صرف کتابِ مقدس کی تعلیم پر زور دیا ہی نہیں جاتا۔ بلکہ بعض دفعہ تو اس
آدھے گھنٹہ کو سرے سے بند ہی کر دیتے ہیں۔ جب کوئی شخص لیکچر دینے آتا
ہے تو بائبل کے گھنٹہ میں ہی کرتا ہے۔ اگر کوئی معلمین کا اجلاس ہونا ہو تو
بائبل کے وقت میں ہی ہوتا ہے۔ بلکہ بعض درس گاہوں میں تو بائبل کے
وقت غیر مسیحی معلمین سے درخواست کی جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے مذاہب کے
عقائد کی تلقین کریں۔ اندیشہ ہے کہ "مسیحی" کے اڈیٹر صاحب کہیں کہ مسیحی کے
اوراق میں اتنی گنجائش نہیں کہ ایک ہی وقت میں اس ضروری مضمون پر مفصل
طور پر بحث کی جائے۔ لہٰذا اپنی قلم کو روکتا ہوں۔ امید ہے کہ کوئی اور صاحب
بھی اس اہم مضمون پر تحریر فرمائیں گے۔ والسلام راقم معلم گوسفنداں

ہمارے معزز نامہ نگار نے از راہِ کسرِ نفسی اپنے تئیں معلم گوسپنداں کے نام سے ناظرین رسالہ مسیحی سے تعارف پیدا کیا ہے۔ ہماری رائے میں آپ ماشاء اللہ بڑے بیدار اور پختہ مغز معلم معلمان کہلانے کے مستحق ہیں۔ مضمون خود شاہد ہے ؎

مشک آنست کہ خود ببوید • مضمون واقعی بڑا دلچسپ اور غور طلب ہے + ایڈیٹر

کیا مغربی اقوام مسیحی ہیں

(از ڈین انج صاحب)

ہمارے خداوند نے کبھی یہ امید ظاہر نہیں فرمائی۔ کہ کسی قوم کے متعدد اشخاص آپ کے حقیقی پیرو ہونگے۔ ہجوم ہمیشہ کشادہ راستے پر ہی ہوتا ہے۔ لیکن تنگ ہے وہ دروازہ اور چھوٹا ہے وہ رستہ جو زندگی کو پہنچاتا ہے۔ اور تھوڑے اس میں سے گذرتے ہیں "اگر انہوں نے گھر کے مالک کو بعلزبوب کہا ہے تو وہ گھر والوں کو کیا کچھ نہ کہیں گے"! "جب ابن آدم آئیگا تو کیا وہ زمین پر ایمان پائیگا"! خداوند کے ان کلمات کی روشنی میں ہمیں مایوس ہونا نہیں چاہئے۔ چاہے گروہوں کے گروہ نام نہاد مسیحی ہی ہوں تاہم محض مسیحی کہلوانے سے ہی کوئی شخص حقیقی مسیحی نہیں ہوجاتا۔ "نہ ہر ایک جو مجھے خداوند خداوند کہتا ہے۔ خدا کی سلطنت کا رکن ہوگا"! پس خداوند کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مجمع کثیر میں مسیحی شاذونادر ہی ملتے ہیں۔ جب کبھی کلیسیا مضبوط اور طاقتور ہو تو یہ جان لو کہ کسی غیر مسیحی سیاسی جماعت کے ساتھ اس نے ناپاک اتحاد کرلیا ہے۔

اگر ہم سیاسی اور بین الاقوامی مسائل کی تہ کو پہنچیں۔ تو ہمیں معلوم ہوجائیگا کہ ان میں اور مسیحیت میں بعد المشرقین ہے اور اگر مسیحی اصول پر عمل کیا گیا ہوتا تو ان مسائل کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔ اقوام کی آپس کی کشمکش ان کے قومی جذبہ کا نتیجہ ہے جو یہ سکھاتا ہے کہ "میرا ملک۔ خواہ حق پر ہو یا نہ ہو"! یہ جذبہ اب ان کو یہ سکھاتا ہے کہ یورپ کے باہر تمام اقوام وحشی اور غیر مہذب ہیں جن کے

ساتھ ہمار کوئی اخلاقی تعلق نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مسیحی اصول اس جذبہ کے مخالف ہیں۔ مقدس پولوس فرماتے ہیں کہ مسیح میں نہ کوئی یہودی ہے نہ یونانی نہ غلام نہ آزاد یہ قومی جذبہ انجیل جلیل سے سرکش ہے اور اعلےٰ اور ادنےٰ اقوام کی اصطلاح مسیحیت کے متناقض ہے بلکہ اوروں کے ممالک چھین کر اپنے ملک کی وسعت کو ان کے باشندوں کی مرضی بغیر بڑھانا مسیحی اصول کے سراسر خلاف ہے۔ جیسا مقدس اگستین نے فرمایا ہے کہ اگر انصاف کو نکال دو تو سلطنت بڑھانے اور ڈاکہ مارنے میں کچھ فرق نہیں۔

پس ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ ہمارے قومی اور بین الاقوامی پیچیدہ مسائل کی تہ میں مسیحیت اور مسیح سے سرکشی ہے۔ اگر مختلف اقوام خداوند کے اقوال کو اپنا دستور العمل بنائیں۔ تو آج دنیا کی کایا پلٹ جائے لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے مدبرین اور اراکین سلطنت اپنے آپ کو خداوند مسیح سے زیادہ دانشمند خیال کرتے ہیں۔ انجیل جلیل نے ہم کو بتا دیا ہے کہ انسان آپس میں صلح صفائی خوشی اور سلامتی سے کس طرح زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ لیکن مغرب نے اپنے کان بند کر لئے ہیں۔ ان کے کان تو ہیں لیکن سنتے نہیں۔ ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں +

ہمیں ڈین صاحب کی رائے سے کم اتفاق ہے مضمون کو غور سے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب موصوف بین الاقوامی اور سیاسی مسائل سے بے بہرہ ہیں۔ تمام مضمون میں ایک مایوسی کا سُر بول رہا ہے۔ لیگ آف نیشنز سے بڑھ کر آجتک کون سی مجلس قائم ہوئی ہے یا تجویز کی جا سکتی ہے جس سے قوموں میں صلح اور امن پیدا ہونا ممکن ہوا ہو۔ ہاں نقائص انسان کے ہر کام میں ہوتے ہیں۔ مگر خدا نے چاہا آہستہ آہستہ یہ بھی دور ہو جائینگے۔ کیونکہ ضرور ہے کہ سلامتی کے شاہزادے کا عمل دخل دنیا میں ہو اور ملینیم آجائے۔ نکتہ چینی کی اتنی ضرورت نہیں جتنی کہ دعا کی۔ مغربی اقوام کا پر غیر مسیحی ہونے کا فتوےٰ دے دینا خود خلاف مسیحیت ہے۔ الزام مت لگاؤ۔ اپنی آنکھ کے شہتیر کو دیکھو۔ بہتر مسیحی اصول ہے +

اڈیٹر۔

جاپانی عورتیں

اے نواور جاپانی عورتیں

گو کہ جاپانیوں میں جزائر جاپان کے آس پاس کی بیشمار قوموں کا خون مل جل گیا ہے تاہم دو قسم کی عورتیں صاف پہچانی جاسکتی ہیں۔ ایک اے نو۔ دوسری خاص جاپانی۔ اے نو عورتوں کے سروں پر بہت بال ہوتے ہیں اور اکھڑ اور مرادنہ چہرہ۔ ان میں تھوڑی بہت تہذیب ہے۔ مگر نہایت دقیانوسی۔ ان کا رہنا سہنا۔ کھانا۔ پہننا۔ چیز بست۔ زیورات سب پرانے زمانے کی عورتوں کے سے ہیں۔ صفائی میں جاپانیوں سے بھی گئی گذری ہیں۔ جاپانی عورتوں کا نہانا دھونا یا صاف اور اجلے کپڑے بدلنا مذہبی حکم سمجھا جاسکتا ہے۔ ورنہ شاید ان کا بس چلے تو کبھی نہ نہائیں اور نہ کپڑے بدلیں۔ اور اے نو عورتیں تو کم بخت یہاں تک غلیظ ہوتی ہیں کہ ایسی باتوں کے پاس بھی نہیں پھٹکتیں۔ اور ان کی وہی مثل ہے جب پیدا ہوئی تھی تو زبردستی دائی نے نہلا دیا تھا اور جب مرجاؤنگی تو غسل دے دینگے۔ ورنہ نہانا نرک میں جانا اور منہ دھونا روزی کھونا ہے۔

ہم سب سے پہلے جاپانی عورتوں کا حال خاص کر اپنی مسیحی بہنوں کی آگاہی اور دلچسپی کے لئے بیان کرتے ہیں۔

جاپانی عورتوں کے خصوصیات

شمالی جاپان میں عورتوں کی بالخصوص مزدوری پیشہ عورتوں کی یہ شکل ہوتی ہے منہ چپٹا۔ پھیلی ناک۔ چندھی چندھی آنکھیں عین ایک دوسرے کی سیدھ میں۔ گال کی ہڈی باہر کو نکلی ہوئی۔ بدن کی توانا اور مضبوط گٹھا ہوا بدن مگر ہاتھ پاؤں ناک نقشہ جسم کے مناسب نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف جنوب میں حکمران اور شریف لوگوں میں زیادہ تر خوش قطع اور نازک شکل کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جن کے بیضوی منہ خوبصورت اور خاصی اٹھی ہوئی ناک مگر دبی خاص

جاپانیوں کی ٹیڑھی آنکھیں۔ جسم میں اگرچہ بہت ہلکی پھلکی ہوتی ہیں مگر اعضا تناسب ہوتے ہیں۔

جاپانی مردوں کا قد چار فٹ اور پانچ فٹ کے درمیان ہوتا ہے۔ عورتیں ایک آدھ انگل اُن سے کم۔ پانچ فٹ سے اونچی عورت ڈھونڈے نہ ملیگی۔ عورتوں کا ماتھا بے ڈھب چپٹا ہوتا ہے۔ بعض کا رنگ اطالوی یا دیگر جنوبی یورپ کی عورتوں سے کم نہیں۔ چہرہ اکثر زرد اور سانولا ہوتا ہے۔ مگر جسم عام انگریز عورتوں سے زیادہ گورا

معیارِ حسن جاپانی اُس عورت کو خوبصورت سمجھتے ہیں جس کا چہرہ لمبا اور پتلا۔ چوڑا ماتھا۔ بیچ میں تنگ۔ سروں پر فراخ۔ کالے سیاہ بال لمبے۔ سیدھے اور ملائم ہوں۔ گھونگروالے بالوں سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ آنکھوں کا پھاڑ بڑا مگر تنگ ہونا چاہیے۔ اور تھوڑا سا اوپر کی طرف جھکا ہوا۔ بھویں ہلکی کھچی ہوں اور جسقدر ہوسکے آنکھوں سے دور۔ اونچی یہودیوں کی سی ناک پسند کرتے ہیں۔ جو بانسے کی جگہ نیچی ہو جائے اور پھر اُٹھے چھوٹا سا منہ ہونا چاہیئے۔ مگر ہونٹ ٹھیک بنے ہوئے اور سرخ۔ گردن لمبی پتلی نازک اور صراحی دار پر جان دیتے ہیں۔ سفید اور نرم رنگ کو سراہتے ہیں۔ گالوں میں ذرا سی لالی ہو تو سونے پہ سہاگا سمجھتے ہیں۔ جاپان کے اعلےٰ خاندان کے لوگ اور ملکوں کے لوگوں کی طرح تازگی اور سرخی کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ چھریرا جسم۔ لمبی کمر۔ تنگ کولہے کی قدر کرتے ہیں۔ کیونکہ قومی لباس ایسے جسم پر خوب پھبتا ہے۔ چلتے وقت سر اور کندھے ذرا سے آگے کو نکالکر چلتی ہیں۔ اور کمر میں ذرا سا خم دیکر چلنا خرام ناز سمجھا جاتا ہے۔ جلدی جلدی اور چھوٹے چھوٹے قدم لینا سب سے خوبصورت چال سمجھی جاتی ہے۔ زمیں سے پاؤں اُٹھا کر چلنا بہت نامناسب خیال کیا جاتا ہے۔ سارے میں پھڑک پھڑک کرتی پھرتی ہیں

جاپانی عورتیں بڑی قوم پرست اور محبِ وطن ہوتی ہیں۔ ملک کو پیار کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھتی ہیں۔ ان میں پرلے سرے کی خودداری ہوتی ہے۔ ایشیائی عورتوں کی طرح نہیں ہیں۔ اپنی عزت کا بڑا خیال رکھتی ہیں۔ اس لئے ان میں تعلیم نسوان کا چرچا بہت جلد پھیل گیا ہے۔ اور لڑکیوں کو خاطرخواہ تعلیم

دی جاتی ہے۔ . . . . جاپانی عورتوں کا بہت طرحدار لباس ہوتا ہے۔ پھولوں سے بڑی محبت کرتی ہیں۔ شرفا کی لڑکیوں کو پھول سجانے بچپن سے سکھائے جاتے ہیں۔ اور عورتیں اور لڑکیاں اپنے لباس اور بھڑکیلی اوڑھنیوں میں پھول ٹانکتی ہیں۔ ان کا لباس نہ صرف خوشنما ہوتا ہے۔ بلکہ اُن کے درست کرنے میں اعلےٰ درجے کی کاریگری کو بھی کام میں لایا جاتا ہے۔ جاپانی عورتیں لباس کی بڑی شوقین ہوتی ہیں۔ ان لوگوں میں ایک کہاوت ہے۔ کہ سب سے خوشنما لباس وہ ہے جو قدرت کی رنگا رنگی اور بوقلمونی کے مطابق ہو۔ اس لئے شوخ رنگ کے کپڑوں کا بہت رواج ہے۔ امیر عورتیں گوٹے کناری کے کپڑے بہت پہنتی ہیں۔ نیلا رنگ مرغوب خاص وعام ہے +

عورتوں کا لباس

نیچے ایک کرتا پہنتی ہیں۔ جو اکثر کسی گہرے رنگ کے ریشم کا ہوتا ہے۔ کرتے کے اوپر ایک ڈھیلا ڈھالا ریشم یا کریپ یا اور کسی بڑھیا اور دلی کے کپڑے کا پہننے والی کی حیثیت کے مطابق چوغا سا ہوتا ہے جو ٹخنوں تک آتا ہے۔ یہ بھی بہت شوخ رنگ کا ہوتا ہے۔ اور اُسے کیمونو کہتے ہیں۔ کیمونو میں بٹن یا تکمہ یا باندھنے کے لئے کوئی ڈوری وغیرہ نہیں ہوتی۔ یونہی دائیں طرف کو لپیٹ لیتے ہیں۔ (بائیں طرف کو جینے جی کبھی نہیں ڈالتے) اور اس کے گرد ایک چوڑی ریشم کی پیٹی یا کمربند باندھ دیتے ہیں۔ یہ پیٹی دس بارہ انچ چوڑی ہوتی ہے۔ اور اسے اوبی کہتے ہیں۔ اوبی اکثر ریشم اور سونے چاندی کے تاروں کو ملا کر بنایا جاتا ہے۔ اور کئی تہ کا ہوتا ہے۔ اور اسے پیٹھ کی طرف باندھتے ہیں۔ اور گرہ کی جگہ ایک پھندنا سا بنا دیتے ہیں یہ کمربند یا اوبی جاپانی عورتوں کے لباس میں سب سے قیمتی چیز ہوتی ہے۔ بعض تو بہت ہی بڑھیا ہوتے ہیں اور ان پر سلمے ستارے اور بیل بوٹے کا کام بنا ہُوا ہوتا ہے۔ ان مرصّع کمربندوں کی قیمت ہزار روپے تک پہنچ جانی معمولی بات ہے۔ اور بعض تو ایسے عُمدہ اور پائدار بنے ہوتے ہیں کہ دادی پہنے تو پوتی برتے۔ جہیز میں دیئے جاتے ہیں۔ کمربندوں کو پہننے میں گھنٹوں لگاتی ہیں۔ اور طرح طرح سے اُن کو سجاتی ہیں۔ ان کا باندھنا بھی آسان کام نہیں۔ انہیں کو خوب آتا ہے۔ ہر ایک کے بس

کی بات نہیں۔

گھروں میں عورتیں جوتیوں کی بجائے انگلیوں دار موزے چڑھا لیتی ہیں۔ مندروں یا گھروں میں داخل ہوتے وقت ان موزوں کو اتار لیتی ہیں۔ لیکن جب باہر نکلتی ہیں تو چپلیاں سی پہن لیتی ہیں۔ یا تنکوں کی بنی جوتیاں بوقت سفر پاؤں میں اٹکا لیتی ہیں۔ امیروں کی عورتوں کی چپلیوں پر بہت اچھا کام نکلا ہوتا ہے۔ غریب عورتیں کا مدار جوتے نہیں پہنتیں۔ شیشم کی لکڑی کی کھڑاویں استعمال کرتی ہیں۔

یورپین لباس کا اثر

یورپین لباس کا اثر سوائے منصب داروں اور شریف خاندان کی عورتوں کے کسی پر نہیں پڑا۔ انگریزی لباس جاپانی عورتوں پر نہیں کھلتا۔ وہ اپنے خوشنما اور رنگیلے لباس میں ہی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ جاپان کی عورتیں لڑکے اور لڑکیوں کو برابر پیار کرتی ہیں۔ بچپن میں لڑکیوں کی عجیب شکل ہوتی ہے۔ کہ خواہ مخواہ انہیں دیکھنے کو جی کرتا ہے۔ لڑکی پیدا ہو تو بھی خوب خوشی منائی جاتی ہے۔ اور نان کو تحفے رشتہ داروں کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں۔ جس دن لڑکی پیدا ہوتی ہے وہ ایک برس کی سمجھی جاتی ہے۔ ملک کی تمام لڑکیوں کی سالگرہ تین مارچ کو منائی جاتی ہے۔ اور کسی دن سالگرہ ہو ہی نہیں سکتی ساتویں دن دفتر میں نام درج کیا جاتا ہے۔ لڑکیوں کے نام تمام طور پر کسی نہ کسی قدرتی خوبصورت چیز پر ہوتے ہیں۔ مثلاً چمپا کلی۔ آلوچہ سونا۔ سورج۔ گلاب۔ چنبیلی۔ سرو۔ شمشاد۔ نرگس وغیرہ۔ لڑکیوں کے بالوں کو طرح طرح سے بناتے ہیں۔ جس سے وہ بڑی عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ بالوں کے سنگھار پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ لڑکیوں کو اپنے خاندان کی کسی زندہ عورت کا نام دینا برا شگون سمجھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جاپان میں کسی کے نام کے پیچھے نام دینا اس شخص کی عزت افزائی سمجھا نہیں جاتا۔ بچپن میں لڑکیوں کی گردن پر بہت جلدی تعلیم اور تربیت کا جوا نہیں رکھتے۔ لڑکیوں کو شروع سے دوزانو بیٹھنے کی عادت ڈال دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کی چھوٹی چھوٹی ٹانگیں ہوتی ہیں۔ غریب عورتیں چونکہ کام دھندا کرتی پھرتی ہیں۔ اس لئے ان

کی ٹانگیں اور نیچے کا حصہ ایسا چھوٹا نہیں ہوتا جیسا کہ اچھے خاندان کی عورتوں کا۔ چین کی لڑکیوں کے پیر ایسے کس کر باندھے جاتے ہیں۔ کہ اُن کی شکل بگڑ جاتی ہے اور بڑھ نہیں سکتے۔ چھوٹے چھوٹے رہ جاتے ہیں۔ مگر جاپان کی لڑکیوں کے پیر اس طرح خراب نہیں کر دیئے جاتے۔ بچپنے میں نرم انگلیوں دار موزے پہنائے جاتے ہیں۔ اور لڑکیاں گھر میں بھاگتی دوڑتی پھرتی ہیں۔ جب ذرا بڑی ہو جاتی ہیں تو اُن کو خاص طرح کا چلنا اور چھوٹے چھوٹے قدم لینا سکھایا جاتا ہے۔ لڑکے صوفیانہ رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ مگر لڑکیاں تاوقتیکہ اُن کی شادی نہ ہو۔ بھڑکیلے رنگ کے کپڑے پہنتی ہیں۔ پیلے ہرے۔ لال اور نیلے رنگ کے کپڑے لڑکیوں کو پہنائے جاتے ہیں +

لڑکیوں کی تربیت

جب لڑکیاں ذرا سیانی ہو جاتی ہیں تو عام طور پر اُن کی زندگی بڑی خوشی کی ہوتی ہے۔ لیکن سوائے ذلیل خاندانوں کے ہر طبقے کی لڑکیوں کا فرض ہے۔ کہ عقل و شعور سلیقہ اور ستھرا پیہ اخلاق و آداب کے قاعدے سیکھیں۔ ایک بات جو لڑکیوں کو جلدی ہی سیکھنی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ پیدائش کے دن سے لے کر مرتے دم تک اُسے کسی نہ کسی آدمی کے تابع رہنا چاہیئے۔ اسے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ خوشی خوشی فرمانبرداری۔ بدن کی صفائی۔ صاف ستھرے لباس اور اچھے اطوار کی اُس سے توقع کی جاتی ہے اور اس کی تمام آئندہ زندگی کی خوشی۔ اور عزت کا دارومدار انہی خوبیوں کے حاصل کرنے پر ہے۔ پہلے زمانے میں عورتوں کو باہر نکل کر کام کاج کرنا بالکل منع تھا اور اب بھی اس بات کو بہت اچھا نہیں سمجھتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جاپان کی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے کوئی کام نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ گھر کا کاروبار دیکھیں۔ اور اگر کاشتکار ہیں تو گھر یا بہت سے بہت کھیت میں کام کریں۔ جب سے روس وجاپان کی لڑائی ہوئی ہے۔ اور مغربی قوموں کے خیالات ان میں آگئے ہیں۔ عورتوں پر باہر کا کام کرنے کی اس قدر قید نہیں رہی۔

چنانچہ عورتیں اپنے باپ یا کسی اور مرد رشتہ دار یا خاوند یا بیٹے کی محکوم رہتی ہیں۔ اور ان کی سب سے بڑی کامیابی اور خوشی علمی لیاقت حاصل کرنے اعلےٰ تعلیم پانے

یا دماغی قوت کو وسیع بنانے میں نہیں بلکہ بڑی احتیاط سے نو عمری میں ہی پسندیدہ اخلاق حاصل کرنے اور اپنی خودی مٹانے۔ فرمانبرداری اور اپنے جذبات کو روکنے میں جو اُن کا فرض خیال کیا جاتا ہے بھی جاتی ہے۔ جاپانی عورتیں اس حالت سے بالکل ناخوش نہیں۔ اپنے جذبات کو روکنے سے فقط یہ مراد نہیں ہے کہ غصے حسد مایوسی اور رنج کا اظہار نہ کریں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ بڑی سے بڑی تکلیف اور مصیبت میں بھی خوش مزاجی ادب اور شرافت کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ بلکہ نہایت ہشاش بشاش رہیں۔ یہ فرائض لڑکیوں کو کم سنی کے ایام سے سکھانے شروع ہوتے ہیں۔ جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ یہ اُن کی دوسری سرشت بن جاتے ہیں محض ظاہر میں ہی اختیار نہیں کئے جاتے۔ اسی لئے وہ دُنیا میں بڑی ہر دلعزیز اور خوشحال عورتیں بن جاتی ہیں۔

جاپانی عورتیں اور لڑکیاں ہمیشہ دلکش رعب دار اور مہذب ہیں۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تک تمیز کی پتلیاں ہیں۔ نہ بہت شرمیل ہیں نہ بڑی شوخ اور بے حیا جس قدر اُن سے میل جول رکھو اسی قدر اُن کی خوبیاں عیاں ہوتی ہیں۔ بھلی مانس سیدھی سادی بھولی بھالی اصلی جاپانی عورتیں اُن شہروں اور گاؤں میں ملتی ہیں جہاں موجودہ زمانے کی تہذیب اب تک نہیں پہنچی ہے۔ اور جہاں ریل نے بھانت بھانت کے آدمیوں کی ریل پیل نہیں کی ہے۔ اونا دیگ اکو کے مصنف رشی گیسارہ ذیکن کی اخلاقی تعلیم کا اثر نظر آسکتا ہے۔ جس کی رو سے ہر عورت کو کمال اطاعت اور فرمانبرداری کی زندگی بسر کرنی لازم ہے۔ جوان ہو کر ان کی قسمت میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ وہ کسی نئے گھر میں بیاہ کر جائیں۔ اور اپنے خسر کے تابع فرمان رہیں اور بڑے ادب اور خاکساری سے اُس سے تعلیم حاصل کریں۔ خاوندوں کی عزت اور اطاعت اُن کا زیور سمجھا جاتا ہے۔ دادا اور نانا اپنی پوتیوں نواسیوں کو بتایا کرتے ہیں۔ کہ کہ خوبصورت دل خوبصورت شکل سے بدرجہا بہتر ہے۔ ع

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا - سرخ و سفید مٹی کی مورت ہوئی تو کیا

جو لڑکی جاپان میں دیکھو ایسی حیادار اور شریف ملے گی کہ اُن کی اُونچی آواز تک سنائی نہیں دیتی۔ پھر بھی انہیں ذہن نشین کرا دیا جاتا ہے کہ شریر عورت کا دل

ہمیشہ بے چین رہتا ہے۔ اور وہ پاگلوں کی طرح چاروں طرف دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کرتی ہے۔ اوروں سے لڑتی جھگڑتی رہتی ہے سخت الفاظ اور بلند آواز اور گندی زبان اس کی پہچان ہیں۔ ایسی عورتیں شریف بیبیوں سے جلتی اور کڑھتی رہتی ہیں۔ اور اُن سے بہتر اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اور مغرور اور دوسروں کی عزت اتارنے والی ہوتی ہیں۔ اچھی عورتوں میں یہ باتیں ہونی نہیں چاہئیں۔ بلکہ لڑکپن ہی سے ان کو معلوم کرنا چاہیے کہ عورتوں کے کیا فرائض ہیں اور مردوں کے کیا۔ وہ کون کون سی باتیں ہیں۔ جس میں عورت کو دخل دینا نہیں چاہیے۔ اور شوخی بے حیائی۔ اور اکھڑ پن اور مردوں کی ریس کرنے سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

عورتوں اور مردوں میں آسانی سے تمیز کرنے کے لئے کئی رواج پرانے زمانے سے چلے آتے ہیں۔ جن پر اب تک بھی بہت جگہوں میں عمل درآمد ہوتا ہے۔ ایک عجیب وغریب رسم یہ ہے کہ ہر عورت کو لازم ہے کہ جب رات کو باہر نکلے۔ تو ایک جلتی ہوئی لالٹین ساتھ رکھے۔ اور جن کو نہیں جانتی نہ اُن سے بات کرے اور نہ سلام دعا کہے۔ یہ آخری رسم واقعی بڑی قابل تحسین ہے۔ کیونکہ جو نادان عورتیں اس قسم کی باتیں کرتی ہیں وہ اپنی ہی عزت نہیں گنواتیں بلکہ اپنے ماں باپ بلکہ خاندان کی ناک کٹواتی ہیں۔

شاید کوئی مغربی رسم ورواج کی دلدادہ عورت۔ سمجھے۔ کہ جاپانی عورتوں کی بری گت ہوتی ہے اور وہ ضرور اپنی حالت پر رنج کرتی اور آزادی کے لئے مرتی ہونگی۔ مگر نہیں خدا کا شکر ہے کہ ان کو آزادی کی ہوا اب تک نہیں لگی ہے۔ نہ بے حیائی کا لقوہ انہیں مار گیا ہے۔ جاپانی عورتوں سے مردوں کے ظلم کی شکایت کبھی سننے میں نہیں آتی۔ کیونکہ انہوں نے نیک اور بد کی پہچان کے پھل کا ذائقہ اب تک نہیں چکھا ہے۔ اس لئے ان کو اپنی حالت سے ناخوشی نہیں۔ نہ وُہ آزادی کی کوئی ضرورت محسوس کرتی ہیں۔ شروع سے انہیں اپنی ماں بہنوں اور نانی دادی کے نقش قدم پر چلنا سکھایا جاتا ہے۔ اور دل بگاڑنے والی عورتوں سے کوسوں دور رکھا جاتا ہے۔ ان کی تمام زندگی کا حاصل تین طرح کی اطاعت ہے۔

(۱)- ماں باپ کی اطاعت شادی تک۔
(۲)- خاوند اور اُس کے رشتہ داروں کی اطاعت۔
(۳)- بیوہ ہوئے پیچھے اپنے بڑے لڑکے کی اطاعت اور اگر لڑکا نہ ہو تو اپنے خاوند کے خاندان کے بزرگ کی اطاعت۔

بے شک ایسی اطاعت عورتوں کا حسن ہے ا اطاعت عورتوں کی کمال آزادی اور خوشحالی کا باعث ہے۔ عورتوں کی خراب خستہ حالت اُن کا شتر بے مہار کی طرح منہ اُٹھا کر پھرنے اور مرد کے تابع ہو کر نہ رہنے۔ اور خودسری اور منہ زوری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (باقی آئندہ)

منشی کدارناتھ صاحب منت کی یہ نظم بصد شکریہ درج مسیحی کی جاتی ہے۔ منشی صاحب بڑے کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اور آپ کی شاعری اور ذات مسیحیان ہند کو تبرک سمجھنی چاہیے۔ امید ہے کہ منشی صاحب مسیحی پر ہمیشہ نظر عنایت فرماتے رہا کریں گے ..... ایڈیٹر۔

مسیحی کی آمد آمد ہے

زہے زماں کہ مسیحی کی آمد آمد ہے
ہو شادماں کہ مسیحی کی آمد آمد ہے

خزاں کے بعد ہے موسم بہار کا آیا
ہو نغمہ خواں کہ مسیحی کی آمد آمد ہے

ہو سوکھے دہقاں کے کھیتوں کو جسطرح بارش
ہے تازہ جاں کہ مسیحی کی آمد آمد ہے

مسیحیوں کی حمایت کیواسطے سب سے
کرو بیاں کہ مسیحی کی آمد آمد ہے

کہو اب اُن سے جو چاہیں خوراک روحانی
بچھیگا خواں کہ مسیحی کی آمد آمد ہے

ہیں طفل شاد مسرت ہے پیر کو حاصل
ہیں خوش جواں کہ مسیحی کی آمد آمد ہے

اخبار

شکریہ

(۱)۔ ہم مسٹر اے۔ میا داس صاحب ایم۔ ایل۔ سی فیروز پور اور مسٹر ایس ڈیوڈ صاحب آنریری مجسٹریٹ لائل پور کے تہ دل سے مشکور ہیں کہ انہوں "مسیحی" کے شروع ہونے کی خبر پاتے ہی دس دس روپے کا عطیہ عنایت فرما کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ اور ہماری کوششوں سے اظہار ہمدردی کیا ہے ہر دو صاحبان کی فیاضی سے ہمارے ارادوں اور امیدوں کا باغ سر سبز ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ دیگر مسیحی فدایان قوم بھی اُن کی تقلید کرینگے۔

(۲)۔ ناظرین اس خبر مسرت اثر کو سنکر بہت خوش ہونگے کہ مسٹر بی۔ ایم سرکار صاحب ہیڈ ماسٹر مشن سکول۔ بٹالہ میونسپلٹی کے پہلے غیر سرکاری پریذیڈنٹ مقرر ہوئے ہیں۔ جہاں اتنے غیر مسیحی لائق اور فائق موجود ہوں وہاں ایک مسیحی کا پریذیڈنٹ چُنا جانا جناب کی اعلےٰ شخصیت۔ علمیت اور ہر دلعزیزی کا بڑا بھاری ثبوت اور مسیحی قوم کی عزت افزائی کا باعث ہے۔ جس خوش اسلوبی اور خوش انتظامی سے آپ نے مشن سکول بٹالے کو چلایا اور رونق بخشی ہے۔ اس کا پنجاب معترف ہے۔ ہم صاحب موصوف کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ وہ اپنی منصف مزاجی سے ہماری قوم کا بہت نام روشن کرینگے۔ اور مسیحی اور مسیحیوں کو نہ بھُولیں گے۔

(۳)۔ این۔ ایم۔ ایس کے حامیاں کو عموماً اور لاہور کے مسیحیوں کو خصوصاً مُژدہ ہے۔ کہ جناب پادری ایس۔ این طالب الدین صاحب طالب۔ بی۔ اے۔ خلف جناب پادری طالب صاحب مرحوم این۔ ایم۔ ایس کے اورگن آئزینگ سیکرٹری پنجاب کے لئے مقرر ہو کر لاہور میں تشریف فرما ہوئے ہیں۔ اور آپ نے آتے ہی وائی۔ ایم سی۔ اے میں ایک پر اثر تقریر فرما کر سبکو اپنی لیاقت و ذہانت کا ثبوت دے دیا ہے۔ اور لاہور کے مسیحی شرفا نے جناب کے خیر مقدم پر ایک ایٹ ہوم بروز ہفتہ ۱۷ رمئی ۱۹۲۴ء دیا ہے۔ ہمیں امید قوی ہے کہ آپ این۔ ایم۔ ایس کے

تنِ لاغر میں نئی روح پھونک دینگے سرع ۔
این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

شادی

(۴) ۔ فیروزپور کے صاحب سیکرٹری میونسپل کمیٹی مسٹر ہربرٹ متر صاحب کی دو صاحبزادیوں کی شادی خانہ آبادی شہر فیروزپور میں ہوئی ہے ۔
آپ کی ایک دختر فرخندہ اختر اے نند متر کی شادی مسٹر الیفرڈ لازرس صاحب منصف کے ساتھ ہوئی ہے ۔ اور دوسری میوس متر کی مسٹر نسنٹ ۔ آنڈ صاحب سپرنٹنڈنٹ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم سے ۔ دونوں مسیحی نوجوان بڑے شریف اور تعلیمیافتہ ہیں ۔ اور بڑے سرکاری عہدوں پر ممتاز ہیں ۔ مسیحی کی طرف سے ہر دو صاحبان اور مسٹر متر صاحب کو صد بار مبارکباد ۔
واپسی پر مسٹر اور مسز آنڈ کے مکان واقع گولڈنگ روڈ پر جلسہ کیا گیا اور شہر کے بڑے معزز اصحاب مسیحی اور غیر مسیحی شامل ہوئے ۔ مثلاً سر نرندرناتھ صاحب ۔ رائے بہادر مسٹر پی ۔ این دت صاحب ۔ دی آنریبل میاں فضل حسین صاحب وزیر گورنمنٹ پنجاب ۔ رائے بہادر لالہ امرناتھ صاحب ایم ۔ ایل ۔ اے مسٹر ٹیپ صاحب ڈسٹرکٹ اینڈ سشنز جج و دیگر نامور اصحاب ۔ مہمانوں کی بڑی آؤبھگت کی گئی ۔ سب سامان نہایت اعلےٰ تھا ۔ دعا ہے کہ خدا دونوں جوڑوں کو سلامت باکرامت رکھے +

(۵) انٹرنس کے امتحان کا نتیجہ بتاریخ ۵ امئی کو نکلا اور خوشی کی بات ہے کہ مسیحی نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے خوب محنت اور ذہانت کی داد دی +

(۱) سی بی سکول لدھیانے سے ۱۲ میں سے ۹ بیرنگ سکول بٹالہ سے ۱۲ میں سے ۹ کامیاب ہوئے ہیں ۔ کنیرڈ سکول کی مسیحی لڑکیوں نے تو کمال ہی کر دیا ۔ ایں سے ۹ پاس ہر سکول کو مبارکباد خصوصاً اور کل مسیحی کامیاب لڑکے اور لڑکیوں کو عموماً مبارکباد فیل شدہ ہمت نہ ہاریں ۔
۲ ۔ امتحان بی ۔ ٹی میں مس وہی ایڈمنڈ مسٹر اوجاگر جگہ مسٹر ملک بھگوانداس و مسٹر آئیون جیکب ایڈیٹر رسالہ نہٰذا کامیاب ہوئے ہیں ۔ مبارک +

زمین! زمین!! زمین!!!

مسیحیوں کے لئے زمین

منٹگمری بار میں ایک مسیحی بستی کا خواب

ناظرین کو ضرور معلوم ہوگا کہ پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس کچھ عرصے سے گورنمنٹ عالیہ پنجاب سے خط و کتابت کر رہی ہے تاکہ عیسائیوں کو مربعے جات اراضی مجموعی طور پر منٹگمری بار میں دیئے جائیں اور ایک مسیحی کالونی وہاں بسائی جائے۔

بدین غرض ۱۱ مئی [illegible] کو مسٹر کے ایل رلیارام صاحب پریزیڈنٹ کانفرنس۔ پادری سی فورمن جوائنٹ سکرٹری سی۔ ایم۔ ایس مشن۔ پادری ایس۔ این طالب الدین بی۔ اے۔ مسٹر ایف۔ جی واٹ اور پروفیسر سراج الدین صاحب بی۔ اے۔ ایک ڈیپوٹیشن یعنی وفد بن کر جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع منٹگمری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ صاحب بہادر اُنسے بڑے تپاک سے ملے اور مسیحیوں کو مربعے دیئے جانے کی تجویز کو بغور سنا اور اظہار ہمدردی کیا۔ دو چار روز میں لاہور میں ایک بڑا جلسہ ہونے والا ہے جس میں مسیحیوں کو زمین ملنے کے متعلق تجاویز سوچی جائینگی۔ سب مسیحیوں سے التماس ہے کہ خداوند تعالےٰ کی درگاہ میں اس تجویز کی کامیابی کے لئے صدق دل سے دعا کریں تاکہ اپنی قوم کی بہبودی اور بہتری ہو۔ اس تحریک کے متعلق جو تجاویز اور کارروائی یہاں ہو رہی ہیں انکا پورا پورا حال پرچہ مسیحی بابت ماہ جولائی میں ناظرین کی آگاہی اور دلچسپی کیلئے درج کیا جائیگا

کرسچن میوچوآل پراویڈنٹ فنڈ لمیٹڈ لاہور

یہ بیمہ فنڈ مسیحیوں کیلئے خاص ہے جس میں ہر قوم و ملت و فرقہ و کلیسیا کے مسیحیوں کا بیمہ کیا جاتا ہے منافعہ کے مالک بھی ممبران فنڈ ہی ہیں سابقہ ویلیوایشن (اندازہ مالیت) پانچ سال میں فنڈ کو ہزار روپیہ کا منافعہ ہوا اخراجات بہت کم رکھے گئے ہیں حتیٰ کہ ڈائرکٹران فنڈ بلا معاوضہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ بیواؤں یتیموں کیلئے پنشن بچوں کیلئے تعلیمی وظائف بڑھاپے کیلئے پنشن کم حیثیت اشخاص کیلئے چار آنے ماہوار تک بیمہ کیا جاتا ہے۔ مقررہ چندہ متقابلتاً کم رکھی گئی ہیں ڈھائی لاکھ روپیہ پنشنوں اور قومی حقوق میں ادا کیا جا چکا ہے اس فنڈ کا تقریباً تین لاکھ کا سرمایہ بنک کے پاس جمع ہے ہر شہر اور قصبے میں ایجنٹوں کی ضرورت ہے مفصل حالات کیلئے ذیل پتہ پر مینیجر فنانشل سکرٹری کرسچن میوچوآل پراویڈنٹ فنڈ لمیٹڈ لاہور —

ہندوستانی مسیحیوں کا مذہبی۔ اخلاقی۔ علمی و تمدنی ماہواری رسالہ
ایڈیٹرز اسٹر کے ایل ریلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن سکول لاہور ایڈیٹر انچیف
مسٹر آئیون جیکب صاحب ماحتی بی اے بی ٹی جائینٹ ایڈیٹر

فہرست مضامین

کل خط و کتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام مسٹر کے ایل ریلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل سکول لاہور بھیجنی چاہیئے
باقی خط و کتابت و ترسیل زر چندہ و عطیہ وغیرہ بنام مسٹر ... بی اے بی ٹی - مینیجر
رنگ محل مشن سکول لاہور آنی چاہئیں • قیمت سالانہ پیشگی معہ محصولڈاک دو روپے ۸ ر
۵۰ سے کم آمدنی والوں کے لئے فقط دو روپے

THE LATE RAI BAHADUR MAYA DASS
OF
FEROZEPORE.

نوٹ اور رائیں

اطلاع ضروری

ہمارے دیرینہ سرپرستان و کرمفرما مربیان رسالہ کو واضح ہو کہ مالی حالت کے خراب ہونے کے باعث مسیحی بند کر دیا گیا تھا۔ اب اگرچہ ہم نے دوبارہ بڑی جانفشانی اور جان کاہی کے بعد خدا کا نام لیکر اس پرچے کو شروع کر دیا ہے تاہم کامیابی کا دار و مدار زیادہ تر حامیانِ رسالہ کی دریادلی پر ہے۔ امید ہے کہ مسیحی کے قدردان اور ہمدرد بہت جلد سال کا چندہ ادا فرما کر ہمیں ممنون احسان فرمائیں گے۔ مختلف باتوں کو مدِ نظر رکھکر اخبار مسیحی کا سالانہ چندہ بجائے تین روپے کے ڈھائی روپیہ کر دیا گیا ہے۔ اور جن اصحاب کی آمدنی پچاس روپے سے کم ہے اُن کے لئے فقط دو روپے۔ امید ہے کہ مسیحی شائقین و خواتین مسیحی کی سرپرستی فرما کر رسالے کی آب و تاب کو دوبالا کر دیں گے +

شکریہ

(۱) ہم عالی جناب کنور رگھبیر سنگھ صاحب۔ او۔ بی۔ ای۔ ڈپٹی کمشنر گجرات کا تہِ دل سے شکریہ بجالاتے ہیں کیونکہ جناب نے مبلغ ۲۰ روپے کا عطیہ ارسال فرما کر مسیحی کا پایۂ افتخار بڑھایا ہے۔ کنور اور کنور رانی صاحبہ دو تو بڑے نیک دل ہیں۔ اور ہمیشہ مسیحی کاموں میں بڑا حصہ لیتے ہیں۔ اور قوم سے بڑی ہمدردی اور دلچسپی رکھتے ہیں۔ خداوند کریم انہیں بہت ترقی دے اور مسیحی قوم کی خدمت کرنے کی بیش از بیش توفیق عنایت فرمائے +

(۲) رائے بہادر مسٹر ایم۔ ایل رلیا رام صاحب سرکاری وکیل گورداسپور کے ہم بہت قائل ہیں کہ جناب نے نہایت خلوص دل اور بسبب اخلاق دس روپے ہیے عنایت فرمائے ہیں۔ اکثر شائقین اخبار مسیحی کو معلوم ہوگا کہ اب رسالہ مسیحی کے بانی مبانی

آپ ہی ہیں۔ ۱۸۹۶ء کے قریب کوئی ۲۴-۲۵ سال کا عرصہ ہوا کہ یہ اخبار پہلے پہل آپ کے قلم صدق رقم سے نکلا ہم انشاء اللہ کسی پرچے میں اخبار مسیحی کی مختصر تاریخ درج کریں گے۔ جو خدمات وکیل صاحب نے قوم کی کیں ہیں ان کا خیال کرکے ہم اس عطیہ کی خاص قدر کرتے ہیں۔

(۴) مسیحیوں کے لئے بڑی مسرت آمیز اور مسیحی بہنوں کے لئے نہایت ہمت خیز خبر موصول ہوئی ہے کہ مسٹر ڈانیل ہیڈ ماسٹر وائس پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی گجرات کی صاحبزادی مس۔ جنا ڈانیل صاحبہ کو دوسال کیلئے ولایت جاکر کیمبرج ٹیچرز ڈپلوما حاصل کرنیکے لئے برمنگھم سکالرشپ دیا گیا ہے۔ ہم ہیڈ ماسٹر اور ان کی دختر نیک اختر کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ اس تعلیم کے بعد آپ اپنی مسیحی بہنوں کو از حد تعلیمی اور اخلاق فائدہ پہنچائینگی۔ پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس نے فیصلہ کیا ہے کہ سر ملکم اور لیڈی ہیلی کو جلسۂ خیر مقدم میں ایک ایڈریس پیش کیا جائے۔ جس میں قوم کے ۵۰ بزرگ ہر فرقے اور ہر کلیسا کے بطور وفد کے شامل ہونگے۔ ہمارے فخر قوم جناب آنریبل راجہ سر ہرنام سنگھ اہلو والیہ۔ نے اس وفد کا ہادی ہونا منظور فرمالیا ہے ایک تار خوشنودیِ مزاج اور خوش آمدید کے لئے سر ملکم اور لیڈی ہیلی کی خدمت میں بھیجا گیا تھا جس کا بذریعہ ڈاک اعتراف کیا گیا ہے۔ امید قوی ہے کہ گورنر موصوف کے عہد حکومت میں ہماری قوم بہت سرسبز اور شاداب ہوگی

(۵) زمین عیسائیوں کو دی جانے کی تجاویز کے بارے میں جو خط وکتابت ہو رہی ہے۔ اس کے متعلق مسیحیوں کی آگاہی کے لئے جو کارروائی وقتاً فوقتاً ہوگی باقاعدہ رسالہ مسیحی میں چھپتی رہا کریگی +

مبارکبادی

مس جمیلہ سراج الدین صاحبہ۔ بی۔ اے نے پنجاب یونیورسٹی کے ایم۔ اے کے امتحان اکنامکس یعنی علم سیاست مدن میں کامیابی حاصل کی ہے پروفیسر سراج الدین صاحب اور ان کی اہلیہ کو مبارک +

سلسلہ مشاہیر قوم

(۲) رائے بہادر ڈپٹی متیا داس صاحب فیروز پور

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
تھا کونسا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں وہ کونسے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

تمہید مسیحی ہوں یا غیر مسیحی ایک ایک کی زبان سے یہی سننے میں آتا ہے کہ پہلے سے مسیحی اب چراغ لے کر ڈھونڈو تو نہیں ملتے۔ وہ ایک بہادر سپاہیوں کا دستہ تھا جو ایام غدر کے قریب شاہ دوجہاں کا وفادار جانثار نکلا۔ یا ایک نگارنگ کے پھولوں کا گلدستہ تھا۔ کہ باغ مسیحی کو مہکا گیا۔ اور تمام جہان کو اپنی بہار دکھلا گیا۔ جس کا پھول پھول اب باغ بہشت کی رونق دوبالا کر رہا ہے اسی گلدستے کے ایک پھول رائے بہادر ڈپٹی متیا داس۔ مسیحی قوم کی آس ہیا۔ جو نظر سے دور نگر دل کے پاس ہیں ✦ ؎

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کیلئے

پیدائش اور بچپن ڈپٹی متیا داس لالہ کاہان چند صاحب کے فرزند ارجمند تھے۔ لالہ صاحب اونچی ذات کے کھتری تھے۔ اول اول پٹواری کا کام کرتے تھے۔ مگر ترقی کر کے سکھوں کے عہد حکومت میں کردار کے عہدے پر سرافراز ہوئے لالہ کاہان چند کی معقول جائداد تھی۔ ابھی مسٹر متیا داس تین چار سال کے بچے تھے کہ ۱۸۴۷ء میں لالہ جی نے قضا کی۔

نیک اور رحم دل رشتہ داروں نے پہلے پہل تو اس خاندان کا بڑا خیال رکھا مگر بعد میں ان پر ایسی خودغرضی سوار ہوئی کہ تھوڑے دنوں میں ساری جائداد ہضم کر گئے۔ پھر بھی کسی نہ کسی صورت سے کاہان چند والا۔ یعنی وہ گاؤں جس میں ڈپٹی صاحب کے صاحبزادے مسٹر اے۔ متیا داس آج کل رہتے ہیں۔ ان کی دست برد سے بچ گیا۔ اس کی شاید یہ وجہ ہو کہ زمین کی اس زمانے میں چنداں

قدر نہ تھی۔ بیوہ ماں اور یتیم بچے اسی پر ہزار ہزار شکر کرتے تھے۔

بچپن

آپ کوئی دو ڈھائی برس کے ہونگے کہ سخت بیمار ہوئے۔ ان کے والد مرحوم اس وقت زندہ تھے۔ ہر چند انہوں کے علاج معالجے کئے۔ مگر رو بہ صحت نہ ہوئے۔ سب نے ان کے جینے کی آس چھوڑ دی۔ آخر اُن برہمنوں اور پنڈتوں کی صلاح سے جو ان کی زندگی کے لئے دعا کرنے کیلئے روپے دے کر بلوائے ہوئے تھے اُن کے والد مرحوم نے دیوتاؤں کے غصّے کو فرو کرنے کے لئے تُلا دان دیا۔ اور سات قیمتی اشیا ء میں انہیں تولا۔ آپ گھی۔ گیہوں وغیرہ اور ساتویں چیز چاندی میں تُلے۔ خوش قسمتی سے آپ دُبلے پتلے ہلکے پھلکے دو برس کے بچے تھے۔ اس لئے وزن ۱۰۰ا روپے سے زیادہ نہ نکلا۔ موٹے ہوتے تو خدا جانے بات کہاں تک پہنچتی۔ لالہ صاحب نے خوشی خوشی ایک پلڑے میں چھوٹے ڈپٹی صاحب کو دوسرے میں لچھمی جی کو رکھا اور روپیہ تول کر برہمنوں کی بھینٹ کیا۔ لالہ جی کے کچھ بھاگ ہی اچھے تھے کہ بیٹے کی مہربانی سے سستے چھوٹے۔

اسی قصّے سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ اپنے والدین کے کتنے پیارے ہونگے۔ جہاں ان کا پسینہ گرتا ہوگا ماں باپ اپنا خون گراتے ہونگے۔

آپ کی بیوہ ماں پکی ہندو اور کٹر کھترانی تھیں۔ ایک ایک مذہبی ریت رسم کی ازحد پابندی کرتیں۔ اور برت ایسے کڑے رکھتیں کہ تارک الدنیا اور صاحب ریاضت کیا رکھیں گے۔ آپ کے والد کے انتقال کے بعد انہوں نے بت پرستی یعنی ٹھاکر پوجا اس زور شور سے کی کہ آپ کی والدہ ساری برادری میں پرمیشر کی بھگت سمجھی جانے لگیں۔ اور اپنا سارا زور اس بات پر لگاتیں کہ ان کے اکلوتے فرزند بھی اونچی ذات کے کھتریوں کی سی مذہبی زندگی اختیار کریں۔ چنانچہ انہوں نے بعد بڑی تلاش کے بڑے پہنچے ہوئے اور بڑے بڑے بدھی وان پنڈتوں کو آپ کو منتر سکھانے کے لئے مقرر کیا۔ گیاتری سیکھنے کے بعد جسے سوائے برہمن یا اُتم جاتی کے کھتریوں کے اور کوئی نہیں پڑھ سکتا۔ آپ اشنان اور پوجا پاٹ کر کے سورج دیوتا کو ہر روز جل چڑھاتے۔ اور طرّہ یہ کہ طوطے کی طرح منتر پڑھتے اور جو منہ ہی منہ میں کہتے اُسے خاک نہ سمجھتے نہ اس کا مطلب جانتے تھے۔ اس بھگتی میں منتر پڑھتے وقت

انہیں پرانایام کرکے سانس بھی روکنا پڑتا تھا اور کبھی ایک ناک بند کرتے اور کبھی ناک کا دوسرا سُر روکتے۔

جن دنوں میں آپ چھوٹے سے تھے۔ اپنی بیوہ ماں کو بڑے ادب سے دیوی دیوتاؤں کے آگے ڈنڈوت کرتے دیکھ کر ان کا دل دہل جاتا۔ اور محسوس کرتے کہ وہ بڑے لڑکے ہیں۔ اور جب اکیلے ٹھاکر جی کی مورتی کے آگے کھڑے ہوتے تو دل میں سخت پشیمان ہو کر کہتے ..ہے ٹھاکر جی میرے پچھلے پاپ چھما کیجئے میں پھر کبھی گناہ نہیں کرونگا" ایک دن صبح کو جب آپ کی ماں حسب معمول ٹھاکر جی کی مورتی کے آگے کھانا رکھ کر بھوگ لگا رہی تھیں انہوں نے چھوٹی سی گھنٹی بجا کر اور آنکھیں بند کرکے منتر پڑھے تو آپ دیکھتے رہے۔ بعد میں اپنی والدہ سے پوچھا۔ ماتا جی جب آپ ٹھاکر مورتی کو بھوگ لگاتی ہیں تو آنکھیں بند کیوں کر لیتی ہیں۔ انہوں نے کہا میرے بچے کیا تم کو نہیں معلوم۔ دیوتا تھالی کے پاس آجاتے ہیں اور کھانا چکھ کر اسے پوتر کر دیتے ہیں اور بعد میں ہم سب تھوڑا بہت اس پرشاد میں سے کھا لیتے ہیں اگر آنکھیں کھُلی رکھیں تو دیوتا کھانے کے پاس نہیں آتے۔

یہ سن کر آپ دل میں سوچنے لگے کہ پیتل کے تین تین چار چار انچ کے دیوی دیوتاؤں کو آدمیوں کے سے کپڑے پہنے تھالی کے پاس آکر چھوٹے چھوٹے نوالے اٹھاتے دیکھنا عجیب پُر لطف نظارہ ہوگا۔ اس لئے آپ نے جھوٹ موٹ آنکھیں بند کرلیں اور اپنے ہاتھوں سے منہ ڈھانک لیا۔ مگر انگلیوں کے بیچ میں سے چوری چوری کن انکھیوں سے دیکھتے رہے۔ کہ دیکھوں کیا سیر نظر آتی ہے مگر کہاں۔ مورتیاں بالکل ہلتی جُلتی نہ تھیں اور ان کی ننھی ننھی انگلیاں ویسی ہی بے حس و حرکت پڑی تھیں۔ یہ دیکھ کر تو ہندو دیوتاؤں سے آپ کا ایمان بالکل اٹھ گیا — اور آپ یہاں تک نڈر ہو گئے کہ مورتیوں کو چھیڑتے چھاڑتے رہتے۔ مگر فقط اُس وقت جب کہ آپ کی والدہ موجود نہ ہوتیں۔ اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ دیکھ لیں اور اچھی طرح سے مرمت کریں۔ ایک دن بیٹھے اسی طرح پیتل کے دیوتاؤں سے کھیل رہے تھے

شوخی جو سوار ہوئی اُٹھا پتھر کی مورت کو اپنی ماں کے گھر کی چھت پر پھینک دیا۔ مگر انہیں کچھ نقصان نہ ہوا۔ نہ دیوتا ناراض ہوئے۔ نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے۔

جب آپ ذرا بڑے ہوئے تو محمدی مذہب پر اعتقاد جمنے لگا۔ کیونکہ آپ مولوی اور مُلّاؤں کے بہت زیر اثر ہو گئے تھے۔ صحبت کا اثر ایسا ہی ہوتا ہے اس زمانے میں ہندو اور مسلمان لڑکے انہی کے مکتبوں میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ایک دن ایک مسلمان مولوی نے آپ سے کہا اپنے گھر سے عمدہ عمدہ کھانے اور لذیذ مٹھائیاں ہمیں لا کر دیا کرو۔ مگر کسی کو پتہ نہ لگے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا کیونکہ اُن کے خیال میں استاد جو حکم کرے اسے بجا لانا شاگرد کا فرض تھا۔ اور یوں چوری چھُپے استاد کیلئے چیزیں اڑا لانے میں کوئی گناہ نہ تھا۔ بقول حافظ؎

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید ؛؛ کہ سالک بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا

ایک تو کڑوا کریلا۔ دوسرے چڑھ گیا نیم۔ ڈانوا ڈول ہندو اور اس پر محمدی تعلیم۔ بگڑتے چلے گئے۔ اور لگے عیسائیوں کو دق کرنے اور اُن کا مذاق اڑا کر مزہ لینے۔ ان بیچاروں کو ستانا آپ کا کھیل بن گیا۔

ایک دن سنہ ۱۸۶۲ء میں آپ لاہور میں تھے کہ مرحوم پادری جان نیوٹن کو وعظ کرتے دیکھا۔ جس خلق حلم اور خندہ روئی سے پادری صاحب موصوف اپنے سامعین سے پیش آ رہے تھے وہ بہت پسند آیا آپ بھی یہ دکھانیکو کہ مجھے انگریزی میں گٹ پٹ کرنی آتی ہے پادری صاحب کے پاس آئے اور لگے انگریزی کی ٹانگ توڑنے۔ اور پادری صاحب سے کہا۔ میں آپ کے مکان پر آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ چند سوال آپ سے پوچھنے ہیں۔

مسٹر نیوٹن بڑی مہربانی سے پیش آئے اور کہا۔ آپ جب چاہیں تشریف لے آئیں۔ جب آپ اُن سے ملنے گئے تو پادری صاحب آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ مگر اس وقت وہ بہت مصروف تھے۔ کیونکہ انجیل کی منادی کے دورے جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ آپ سے باتیں کر رہے تھے کہ اُن کے نوکر چاکر آئے اور کوئی چیز چمڑے کی بنی ہوئی لائے۔ معلوم ہوتا تھا کہ نوکروں نے اس چیز کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔ مسٹر متیا داس سمجھ گئے کہ ضرور یہ کوئی چیز ہے

جو مسٹر نیوٹن کے دورے کے کام کی ہے۔ اور اس خیال میں تھے۔ کہ نوکروں نے جو یہ چیز خراب کر دی ہے ضرور پادری صاحب بہت خفا ہونگے اور نوکروں کو خوب اُڑا دینگے۔ جیسا کہ سب صاحب لوگوں کا دستور ہے۔ کہ ایسی حرکت پر وہ نوکروں کو اگر ٹھوکروں سے نہیں اُڑاتے تو بھی سخت گالی گفتار ضرور دیا کرتے ہیں۔ آپ بڑے حیران ہوئے جب دیکھا کہ پادری صاحب کے ماتھے پر بل تک نہیں پڑا اور کہا تو نرم آواز سے یہ کہا۔ واہ جی یہ تم نے کیا کیا۔ اُس واہ جی نے لالہ جی پر جادو کا سا اثر کیا۔ وہ صاحب کے حسنِ اخلاق کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ مسٹر نیوٹن سے ملنے کے بعد اس واقعہ کے متعلق بار بار سوچتے رہے اور ازحد متعجب ہوئے کہ ہیں وہ کیسا عجیب مذہب ہوگا جس کے یہ ماننے والے ہیں جو اپنے پیروؤں کو دنیا کے روزمرہ کے معاملات میں ایسا نرم دل اور متحمل بنا دیتا ہے۔ یہ پہلا سنجیدہ خیال تھا۔ جو آپ کے دل میں مسیحی مذہب کی خوبیوں کے متعلق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے بائبل شریف کا مطالعہ شروع کیا۔

مسٹر نیوٹن دورے پر تشریف لیجانے سے پہلے آپ کا تعارف مرحوم پادری ڈاکٹر فورمن صاحب سے کرا گئے۔ جن سے ہر روز تھوڑی دیر کچھ عرصے تک آپ کتاب مقدس پڑھتے رہے جس قدر بائبل کو پڑھتے تھے زیادہ لطف آتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو یقین کامل ہو گیا کہ خداوند مسیح کے سوائے گنہگاروں کو کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ سات برس تک آپ کا عقیدہ یہی رہا اور دل میں مذہب عیسوی کے قائل رہے۔ تمام بائبل شریف شروع سے آخر تک سکاٹ صاحب کی تفسیر کے ساتھ پڑھی۔ اس عرصے میں آپ کے دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی آپ کے خیالات کی تبدیلی کا پتہ لگ گیا۔ اور انہوں نے آپ کو سمجھانے اور ان کے نزدیک اس خطرناک راستے سے باز رکھنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور گاہے گاہے یہ بھی ہوا کہ آپ نے عیسائی مذہب کا خیال اپنے سر سے نکال دیا۔ مگر جب جب آپ نے ایسا کیا اور بائبل شریف کے مطالعے اور خلوتی دعا کو چھوڑا آپ بہت رنجیدہ خاطر اور بے چین رہتے۔

مذہب کا چسکہ بھی برا ہوتا ہے۔ عشق اندھا کر دیتا ہے تو مذہب کب چوکتا ہے

غرض اپنے محبوب خداوند مسیح سے ایسی لو لگی کہ ہر چند انہوں نے چھوڑنا چاہا پر دل نہ مانا۔ یہ حالت رہی کہ جہاں کوئی مشنری صاحب نظر آئے اور آپ بلبل کی طرح اس گل سے ملتے گھنٹوں مذہبی گفتگو کرتے۔ اس کے سوائے اور کوئی بات ہی خاطر میں نہ آتی۔ غرض کہ مرحوم بشپ فرنچ۔ پادری آر۔ بیٹ مین۔ پادری ڈاکٹر ویری اور پادری ڈاکٹر سی۔ بی نیوٹن سے مل کر آپ نے بہت روحانی فائدہ حاصل کیا۔ اکثر عزم بالجزم کیا کہ عیسائی ہو جائیں۔ اور بپتسمہ لے لیں۔ لیکن ذات برادری سے نکال دیئے جانے کے ڈر سے اور ایک شریف ہندو خاندان سے بچھڑ جانے کے خوف سے اس ارادے کو ملتوی رکھا۔

سب سے بڑی سدراہ یہ تھی کہ آپ کے ہندو بیوی تھی جسے آپ از حد چاہتے تھے۔ آپ کے عیسائی ہو جانے سے اس کی بڑی مشکل میں جان آتی۔ لہذا کبھی خیال کرتے کہ خفیہ بپتسمہ لے لیں۔ در پردہ عیسائی اور ظاہر میں ہندو کے ہندو رہیں۔ مگر اس خیال سے آپ کی کافی اور شافی تسلی نہ ہوئی۔

آپ نے اپنی اہلیہ کو گورمکھی میں کتاب مقدس سکھانی شروع کی۔ لیکن آپ کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ کھلے خزانے انہیں کہہ دیں کہ آپ نے خداوند مسیح کی پیروی کرنے کا دلی ارادہ کر لیا ہے چاہے کچھ بھی ہو۔

آخر کار جنگ عظیم کا دن آ گیا۔ مارا یا مرے۔ مسیح یا دنیا۔ خدا یا میمون۔ بہشت یا دوزخ ایک طرف ہو جائیں کہ قصہ پاک ہو۔ سے

شمشیر بکف آئے ہیں وہ مشق جفا کو ؛ اب دیکھنا ہے ہمت ارباب وفا کو

آخر مسیح کی محبت کام کر گئی اور آپ نے ایک رجسٹرڈ خط پادری نیوٹن صاحب کو بھیجا جو ان دنوں لاہور میں تھے۔ تا کہ آکر اپنے دست مبارک سے آپ کو دین مسیحی پر مشرف کریں۔ بپتسمہ سے دو دن پہلے آپ گھر سے نکل کھڑے ہوئے جس دن گھر سے نکلے آپ کو تمام رات نیند نہ آئی۔ ساری رات درگاہ ایزدی میں دعا و مناجات کرتے رہے۔ اور صبح گھر سے چلدیئے سے

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا ؛ سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا

جب شہر کے لوگوں کو آپ کے ارادے کا حال معلوم ہوا اور آپ کی والدہ کی

گریہ وزاری سنی تو ہلڑ مچ گیا۔ ایک بڑی بھیڑ آپ کے تعاقب میں نکلی۔ اور مال روڈ یعنی ٹھنڈی سڑک پر جب آپ اپنی گاڑی میں اپنے ایک مسیحی دوست اور پادری سی۔ پی نیوٹن صاحب کے ہمراہ پادری صاحب کے ہاں جا رہے تھے۔ آن پکڑا۔ لوگوں نے گھوڑے کی لگام پکڑ کر روک لیا اور چاروں طرف سے گاڑی کو گھیر لیا۔ اور پادری سی۔ پی نیوٹن اور آپ کے مسیحی دوست کو جو آپ کے بپتسمہ کی رسم میں شامل ہونے کو امرتسر سے آئے تھے گاڑی سے گھسیٹ لیا۔ جب وہ مسٹر نیوٹن کو مارنے پیٹنے اور آپ پر حملہ کرنے لگے تو آپ نے کئی پولیس کے سپاہیوں سے مدد مانگی لیکن انہوں نے بالکل توجہ نہ کی۔ بلکہ لوگوں کو ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ آپ کو پکڑ کر لے بھاگیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے آپ کو لا کر آپ ہی کے مکان میں بند کر دیا اس نظارے کو آپ عمر بھر نہ بھولے۔ آپ کی بیچاری بڑھی ماں نے اپنی چھاتی دوہتھڑوں سے پیٹ پیٹ کر خونم خون کر لی تھی۔ آپ کے کئی زخم اور چوٹیں آئیں اور ایسے تھک کر چور ہو گئے۔ چپ چاپ ایک چارپائی پر لیٹ گئے۔ نہایت حیران و پریشان۔ لیکن خداوند نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور اپنے زخمی ہاتھ پاؤں اور خونی سر جن پر کانٹوں کا تاج دھرا گیا تھا۔ دکھا کر آپ کے ایمان کی ڈوبتی ناؤ کو پار لنگھایا۔ ؎

ادھر بیٹے پر انکی ماں دھر سمجھاتے ہیں بھائی ✲ خدا کے واسطے مانو نہ ہو ہرگز تم عیسائی

ہزاروں جوتیاں کھائیں ہزاروں گالیاں کھائیں ✲ مگر وہ باز رہتے کب جنہیں ہونا تھا عیسائی

پولیس اور لوگوں کا ہجوم آپ کے مکان کے چوگرد تھا آپ نے سب سے اوپر کی منزل پر چڑھ کر اُن سے پوچھا کہ کیوں آپ کو آپ کے مکان میں اس طرح سے قید کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا چونکہ تم نے شراب پی رکھی ہے آپ نے کہا کہ تین منہ پر سے اس سفید جھوٹ کا غلط ثابت کرنا گو میرے لئے بہت مشکل بات ہے تاہم میں آپ سب کو یقین دلا سکتا ہوں کہ میں نے شراب نہیں پی ہے اور نشے کے پاس تک نہیں گیا ہوں۔ انہوں نے پوچھا وہ کیسے۔ آپ نے کہا دیکھئے۔ آپ صاحبان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مجھے کس کس طرح مارا ہے اور مجھ پر زبردستی حملہ کیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہ کچھ مجھ سے کیا گیا مگر میں جن جن

اصحاب نے میرے حال پر یہ مہربانیاں کی ہیں ان کو بخوشی معاف کرتا اور اپنے خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ بھی ان کی اس تقصیر سے درگذر فرمائے اس گفتگو نے ان لوگوں پر ایسا اثر کیا کہ انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ اگلے دن صبح کو آپ کا بپتسمہ ہوا۔ گو آپ کا ہاتھ زدوکوب کے باعث رومال سے بندھا تھا غرضیکہ ۴ مئی ۱۸۹۵ء کو آپ بڑی دھوم دھام سے مسیحی کلیسیا کی زینت افزا ہوئے۔ پولیس نے آپ سے دریافت کیا کہ کسی قسم کی شکایت آپ کی مفسدوں کے خلاف ہے۔ سبحان اللہ۔ آپ نے کہا نہیں مجھے کوئی شکایت نہیں۔

عیسائی ہونے کے کچھ عرصہ بعد آپ بہت پچھتائے کہ ہائے میں کیوں عیسائی ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے کسی ہندوستانی مسیحی کی ایسی بری حرکتیں دیکھیں کہ جن کا بیان کرتے شرم آتی ہے۔ کچھ خداوند تعالےٰ ہی کا فضل ان کے دیر تھا جو اس افسوسناک نمونے سے ان کا ڈگمگاتا ہوا ایمان ٹھکانے رہا۔ ؎

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا ٭ دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا
کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز ٭ باشد کہ باز بینیم آں یار آشنارا

آپ کو اپنی غریب ہندو بیوی کا بہت خیال آیا۔ جو نہایت نیک پاک اور آپکی سچی دیانتدار اور جانثار تھیں۔ چنانچہ آپ اس کی محبت اور شرافت کی خاطر مذہب عیسوی سے ہاتھ اُٹھانے کو آمادہ ہوئے۔ ڈپٹی متیا داس صاحب فرماتے ہیں کہ اس بات میں میری بھی بڑی غلطی تھی مجھے یہ خیال تھا کہ سب عیسائی بےعیب اور پاک زندگی بسر کرتے ہیں اور بجائے خداوند یسوع مسیح کے نمونے کی پیروی کرنے کے میں نے ہندوستانی مسیحیوں کی پیروی شروع کر دی جو مجھ سے پہلے کے عیسائی تھے۔ مجھے مسیح کو دیکھنا چاہئے تھا نہ کہ مسیحیوں کو۔

آہستہ آہستہ نوبت بایں جارسید کہ آپ اپنے ان ہندو رشتہ داراں کے کہنے میں آگئے جو آپ کو ہندو مت میں پھیر لانے کے سخت کوشاں تھے۔ وہ آپ کو ہردوار لے گئے اور ہر طرح کی پرشچیت (شدھی) کرائی۔ گنگا اشنان کرایا۔ تیرتھ [illegible] گر آپ کے دل کو تسلی نہ ملی پر نہ ملی۔ برعکس اس کے آپ بہت مغموم اور گرفتہ خاطر رہتے۔ نہ آپ [illegible] شریف پڑھ سکتے اور نہ پڑھنے کی جرأت کر

سکتے تھے۔ آپ کے دل میں ایک طرح کا دھڑکا سا رہتا۔ آخر تنگ آ کر ایکدن تو خودکشی کر بیٹھنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر شکر ہے۔ اس اڑی میں ہمارے خداوند ہی اُن کے آڑے آئے۔ آپ کو اپنی ہندو بیوی سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ وہ آئیں اور ان کے ساتھ رہنے سہنے لگیں مگر اس سے بھی ان کی خاطر جمع نہ ہوئی۔ اسی اضطراب اور پریشانی کی حالت میں وہ ایک دن گاڑی میں سوار ہو کر جانے کو تھے کہ آپ کے دل پر کوہِ غم سا گرا۔ کلیجہ منہ کو آیا۔ ساتھ ہی ایک نرم آواز آپ کے کانوں میں آئی اور دماغ میں گونجی کہ "کل یا کبھی نہیں" اس کل نے آپ کو ایسا بے کل کیا کہ اسی دم شہر سے باہر نکل گئے۔ اور دور ایک گوشہ تنہائی میں ایک عمارت تھی آپ اس کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ اور رو رو کر خداوند کریم سے دعا مانگی کہ اے پروردگار اپنے فضل اور قوت سے اس بندہ کی دستگیری فرما۔ پھر آپ اٹھے اور گرجے میں آ کر کلیسیا کے سامنے علانیہ اپنی کمزوری ایمان کا اقرار کیا۔

آپ کے سب مشنری اور مسیحی دوست آپ کی طرف سے ہاتھ دھو چکے تھے۔ لیکن پادری آر۔ بیٹ من صاحب جونکہ بن کر ایسے چپٹے کہ جب تک آپ پھر دین مسیحی میں نہ آ گئے انہوں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ جہاں دیکھو ہمزاد کی طرح ساتھ ساتھ۔ اُس بیوہ کی طرح جس نے ناانصاف قاضی کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ آگے پیچھے لگے رہتے۔ آخرکار آپ نے ان سے ملنے کی ہامی بھر دی۔ اگرچہ آپ عہد کر چکے تھے کہ آئندہ کسی مشنری سے سروکار نہ رکھینگے۔ مسٹر بیٹ مین لدھیانے سے آدھی دور تو ڈاکٹر دیری کی بگھی میں آئے اور باقی آدھی در جولائی کی چلچلاتی دھوپ میں اونٹنی پر۔ دونوں اپنے مقررہ جگہ اور وقت پر ملے۔ اور جب دونوں اکیلے رہ گئے تو آپس میں گلے مل کر بہت روئے۔ ؎

خوب روئے آج ہم سنسان ہاموں دیکھکر + یاد آیا ہم کو مجنوں بید مجنوں دیکھ کر

پادری صاحب کے چہرے نے پیارے یسوع کی کبھی محبت کو دل میں تازہ کیا۔ اور آپ نے ایسا پلٹا کھایا کہ راہ راست پر آ گئے ع۔

+ این ہمہ توفیق تو اند بودن + ؎

شکر ایزد کہ میان من و او صلح فتاد ❊ حوریان رقص کنان ساغر شکرانہ روند

آپ نے اپنی ہندو زوجہ کو دین مسیحی میں لانے کی از حد کوشش کی مگر افسوس وہ روبراہ نہ ہوئیں۔ عدالت نے بھی قانون کے موجب بہت سمجھایا بجھایا۔ آپنے اپنی پگڑی اتار کر ان کے قدموں پر رکھ دی مگر وہ بُت کی پارسا ذرا نہ پسیجی۔ ساتھ رہنے سے بھی انکار کر دیا۔ بلکہ بالکل قطع تعلق کر بیٹھیں۔ آپ کف افسوس ملتے رہ گئے

آپ کے حق میں خداوند مسیح کا وعدہ لفظ بہ لفظ پورا ہوا۔ کہ جو کوئی اپنے ماں۔ باپ۔ زر۔ زن۔ زمین وغیرہ کو میرے لئے چھوڑیگا وہ سو گنا پائیگا۔ آپ کا خاندان خدا کے فضل سے مسیحیوں میں بڑا امتیاز خاندان ہے۔ بڑا بھاری گھرانہ اور پھر امیری کارخانہ۔ سب کے سب خوشحال۔ فارغ البال۔ دین وایمان کے شیدائی۔ غرضیکہ خدا نے انھیں ہر طرح نہایت سرسبز اور شاداب کیا۔ خدا کی شان دیکھئے کہ آپ کا بڑا بھاری گھر اور باغ عین شہر کی ٹھنڈی سڑک کے کنارے اُس جگہ واقع ہیں جہاں عیسائی ہونے کے وقت آپ پر لوگوں نے حملہ کیا تھا۔ اور لوگ آپ کی مشکیں باندھ کر کشاں کشاں لئے جاتے تھے۔ اور دو ہتڑ لئے گستاںگر آپ کو ٹھینگے دکھاتے تھے اور مٹھیں باندھ باندھ اور دانت کچکچا کچکچا کر کہتے تھے "جوں گرو دیکھو پھر منہ ناک کدھر جاتے ہیں۔ جس درخت کے نیچے یہ تمام واردات ہوئی اب تک اس بات کی شہادت کے لئے ایک ٹانگ پر کھڑا ہے۔ اور اب بجائے دھول دھپے کی آواز کے مسیحی گیت سنتا ہے۔ جو ڈپٹی صاحب کے بیٹے بیٹیاں پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں میٹھے میٹھے سروں میں باجوں پر بجا بجا کر گاتے ہیں۔ اور دعائیں پڑھتے ہیں +

تعلیم اور سرکاری ملازمت

مڈل تک تعلیم پا کر آپ مہاراجہ بکرم سنگھ والئے ریاست فرید کوٹ کے استاد مقرر ہوئے۔ بعد میں عدالت صاحب ڈپٹی کمشنر میں ایک معمولی عہدے پر تعینات ہوئے اور حسن خدمات کے باعث تحصیلداری کے عہدے پر ممتاز ہوئے۔ پہلے مکتسر پھر لاہور میں تحصیلداری کی ۱۸۸۳ء میں سی۔ اے سی ہو کر فیروزپور میں

آئے اور کرنل ایچ - جی گرے صاحب بہادر کے ساتھ گرے صاحب کی نہر کے
کھدوانے کا کام بڑی خوبی سے سرانجام دیا - کرنل گرے عجیب تماشے کے آدمی
تھے - ایسے ہر دلعزیز تھے کہ انہوں نے زمینداروں کو مجبور کر کے - زمینوں کی کاشتکاری
سے ہٹا کر بلا اجرت نہریں کھودنے کے کام کی بیگار پر لگایا - زمینداروں نے خوشی
خوشی اپنے نیک دل کرنیل کے آگے سر تسلیم جھکایا - نہریں سر آنکھوں سے کھودیں
اور پھر کھیتوں کو وہ پانی دیا کہ ہزاروں کی جگہ لاکھوں کمائے - کرنیل گرے جیسے
مدبر اور ہمدرد نیک نیّت اور خیر خواہ انگریز آج کل بہت کم ملتے ہیں - ان
نہروں پر سرکار کی دمڑی خرچ نہ ہوئی ہینگ لگی نہ پھٹکری مفت میں تخمیناً
ایک لاکھ روپیہ سالانہ بطور آبیانہ گورنمنٹ کو آنا شروع ہو گیا -

۱۸۸۵ء کے قریب آپ گرے صاحب کی نہروں کے مہتمم بنے اور علاوہ
ازیں ریاست ممدوٹ کے منیجر مقرر ہوئے - آپ کے زیر انتظام ان نہروں میں بڑی
لہر بہر رہی - اور جس طرح موجیں ان دنوں میں گورنمنٹ اور زمینداران ہر دو نے
ماریں پھر کبھی وہ رونق نصیب نہ ہوئی - کیونکہ جو انتظام کا سلیقہ ڈپٹی صاحب
کو تھا - اور جو رسوخ آپ کا تھا وہ کسی کو آج تک حاصل نہ ہوا -

۱۹۰۰ء جب پنشن لے کر ریٹائر ہوئے تو دو لاکھ کا سرمایہ اس مد میں جمع تھا -
جس وقت ریاست ممدوٹ کی کارپردازی سنبھالی - ریاست مذکور پانچ لاکھ
سفید ریو ڑیوں کے پھیر میں آئی ہوئی تھی - ۱۹۰۶ء تک نہ صرف سارے قرض
کا چکوتہ کر دیا - بلکہ دس لاکھ کی جائداد ریاست کے لئے حاصل کی - اور آمدنی
میں ۲۳ فیصدی کا اضافہ کر دکھایا +

اوصاف رائے بہادر بڑے چست چالاک تھے اور زین سواری کے
نہایت دل دادہ تھے - رحم دل ایسے تھے کہ ضلع فیروزپور کے
افسران اور عوام - فقرا اور رؤسا - ہندو مسلمان - غرض ایک جہان اور جس نے
انہیں ایک دفعہ دیکھا سو جان سے فدا ہوا - اور اب تک لوگ بڑے ادب و عزت
اور محبت سے اُن کا نام سر ماتھے چڑھاتے ہیں - یہاں تک کہ وہ لوگ جنہیں ڈپٹی
صاحب نے اپنے فرائض منصبی کے دیانت داری سے ادا کرنے میں سزائیں دیں

بخوشی اقبال کرتے ہیں کہ واقعی ہم نے اپنی خرابیوں کے باعث ان کا بڑا ناک میں دم کیا۔ مگر اتنا کوئی صبر و تحمل نہ کر سکتا تھا۔ جو انہوں نے ہمارے ساتھ دکھایا۔ ہم نے بہت کیا اور تھوڑا پایا ؎

گرچہ ما جرم بے عدد داریم ✿ یار ما لطف بے کراں دارد

شادی ۱۸۸۳ء میں آپ کی شادی لاہور کے مشہور و معروف بزرگ لالہ چندو لعل صاحب کی دختر نیک اختر مس موہنی چندو لال سے ہوئی۔ اور ان کے انتقال پر لال کے بعد مس آتم سے بیاہ کیا۔ یہ ہر دو خاندان آفتاب اور ماہتاب کی طرح مسیحیوں میں چمکتے ہیں۔ اور جہاں دیکھو اُن کے شرکا بڑی آب و تاب سے آفتاب صداقت کے لئے جا بجا چمکتے ہیں۔

اعزاز پہلے رائے صاحب پھر رائے بہادر کا خطاب اپنی حسن خدمات کے صلے میں گورنمنٹ عالیہ سے پایا +

کلیسیائی خدمت رائے بہادر ڈپٹی میاداس فیروز پور کی کلیسیا کے ایلڈر تھے۔ آپ کو امریکہ کی پارلیمنٹ آف ریلیجن میں مدعو کیا تھا۔ لیکن بوجہ ضعیفی و سن رسیدگی اور خطرات سفر بحری ان کو امریکہ جانے کا ارادہ فسخ کرنا پڑا۔

ہمیشہ رہے نام اللہ کا ۱۹۱۰ء میں انتقال فرمایا۔ اور بہشت کی نہروں پر انتظام جا جمایا۔

ایڈیٹر اس دم خم کے مسیحی اب کم ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اچھی ذات کے ہندو مسلمانوں کی طرف مشنری صاحبان کی توجہ آجکل بہت شاذ و نادر ہے۔ ہماری تمام تبلیغی کوشش گاؤں اور ادنےٰ ذاتوں کی طرف ہے اسی باعث سے اعلےٰ خاندان کے لوگ بادشاہت کے باہر رہ گئے ہیں۔ بہادر مسیحی تقریباً سب اپنے خداوند کی خدمت میں پہنچ گئے ہیں۔

ہمارے ڈپٹی صاحب پر شروع سے آخر تک خداوند مسیح کا سایہ رہا۔ جہاں

اس کے مبارک نام پر ذلت اٹھائی تھی آپ نے وہیں حکومت کی اور وہیں ریٹائر ہوئے اور وہ عزت پائی کہ لوگ ابتک نیکی سے یاد کرتے ہیں۔
اچھا درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے الحمد للہ کہ آپ کی اولاد شرافت و لیاقت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔
آپ کے بڑے صاحبزادے مسٹر ارنسٹ میاداس آجکل لاٹ صاحب کی کونسل میں مسیحی قوم کے برگزیدہ نمایندے ہیں۔ سادہ مزاجی۔ حلم۔ نیک باطنی میں اپنے والد بزرگوار کی تصویر ہیں۔ امید ہے کہ آپ کی ذات سے مسیحیوں کو بہت فائدے پہنچیں گے۔ دوسرے فرزند آپ کے ڈاکٹر ہیں آپ کا نام فرنیک میاداس ہو اسم باسمے ہیں۔ اپنے والد کی طرح صاف دل اور نیک طینت ہیں۔ ہندوستان کی بیماری کا علاج کرتے ہیں۔ بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔ سیڈرک میاداس انگلستان سے انجنیری پاس کرکے آئے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ ڈپٹی صاحب کی پانچ صاحبزادیاں ولایت ہو آئی ہیں۔ اتنی برکت کب کسی کو نصیب ہوئی ہے۔ کہ چھ میں سے پانچ لڑکیاں ولایت ہو آئیں۔ آپ کی بڑی لڑکی مسس پیارے چند ولال ہیں۔ آجکل ان کے خاوند خدا رکھے ڈاڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گوجرانوالہ ہیں۔ مس ایتھل میاداس ڈاکٹر ہیں۔ اور سب کو اپنا احسانمند بنا رہی ہیں۔ مس ہیلین میاداس صاحبہ بڑی نیک ہیں۔ ٹیمپرس کے کام سے قوم اور ملک کی وہ خدمت کر رہی ہیں کہ ایک زمانہ قائل ہو گیا ہے۔ مس ڈورا میاداس صاحبہ کو پنجاب میں کون نہیں جانتا۔ آپ کنیرڈ سکول کی پرنسپل رہ چکی ہیں۔ آپ کی شادی مسٹر داس بیرسٹر ایٹ لا سے ہوئی ہے۔
رہیں مس کانسٹنس میاداس۔ آپ الہ آباد یونیورسٹی میں ایم۔ اے کے امتحان میں فسٹ نکلی ہیں۔ امریکہ ہو آئی ہیں اور اب مسنر بی۔ ایم داس ہیں۔ گرٹروڈ میاداس صاحبہ بی۔ اے کنور انی مہاراج سنگھ ہیں۔ جو یو۔ پی میں ڈپٹی کمشنری پر ممتاز ہیں۔ اور گورنمنٹ سے سی۔ آئی۔ ای۔ کا خطاب حاصل کر چکے ہیں۔
رائے صاحب کی اولاد حضرت نوح کی اولاد سے کم نہیں۔ اور مزہ یہ کہ سب نور علےٰ نور ہیں۔ قوم کو ان سب کی ذات بابرکات سے بڑا فخر حاصل ہے

خدا سب کو سلامت رکھے۔ س

ایک کو ایک پہ تزئین ہے دم آرائش ؛ سر پہ دستار ہے دستار کے اوپر سہرا

نسخہ آم کی چٹنی

ہمیں ایک خاص محترم بی بی قدردان اخبار مسیحی نے عام مسیحی بہنوں کی آگاہی کے لیئے جو آم کی مزیدار چٹنی نہ بنا سکنے کے غم میں اکیلی بیٹھی ہیں یہ نسخہ عنایت کیا ہے جو بصد شکریہ اخبار مسیحی میں درج کیا جاتا ہے۔ آم کا موسم ہے۔ چٹنی بنا کر کھانے کو پرتکلف کرنے کا یہی موقع ہے۔ یہ چٹنی نہیں۔ دوائی کی دو مٹھائی کی مٹھائی ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ لدھیانے کے سول سرجن ... کے ڈاکٹر امراو راجہ لعل صاحب نے اس چٹنی کے متعلق فرمایا ہے کہ بدہضمی اور ہیضے کے دنوں کے لئے یہ اکسیر اعظم ہے۔

نسخہ

آم ۵ سیر۔ پاؤ نمک۔ پاؤ مرچ لال۔ آدھ پاؤ کالی مرچ۔ تین پاؤ چینی آدھ سیر کشمش۔ پاؤ چھلا ہوا لہسن۔ پاؤ چھوارے۔ پاؤ بھر ادرک لیں + آم کو چھیل کر اور باریک قتلے کاٹ کر تین بوتل عمدہ سرکے میں سب چیزیں اکٹھی ڈال کر پکائیں اور اپنی پسند کے موافق یہ اجزا کم و بیش کریں۔ پھر لگ چٹخارہ

مسیحیوں کا غیر مسیحیوں کی ملازمت اختیار کرنا

ہم نے ایک مسیحی اخبار کے ضرورت کے کالم میں پڑھا ہے کہ کسی غیر مسیحی کو عیسائی مردوں اور مسیحی عورتوں کی ضرورت ہے جو اس کی جگہ کی ملازمت اختیار کریں۔ اس کو پڑھ کر رنج زیادہ اور خوشی کم ہوئی۔ ہم تو اپنے مسیحی میں ایسے مضر تمدن اشتہار ہرگز دینے کو تیار نہیں۔ ناظرین غور فرمائیں تو ان کو سوائے اس کے

کہ شاید ہمارے غیر مسیحی مشفق نے عیسائی مرد اور عورتوں کو اس غرض سے ملازم
رکھنا چاہا ہو کہ وہ غیر مسیحیوں سے زیادہ نمک حلال دیانتدار اور فرمانبردار ہوتے
ہیں - اور کوئی پہلو صلاحیت کا نظر نہ آئیگا - اگر واقعی یہ بات ہے تو بڑی خوشی کا
مقام ہے - سچ تو یہ ہے کہ ہمارے خیال میں مسیحی کا غیر مسیحی کے نیچے ملازمت اور
خصوصاً ننچ کی ملازمت کرنا سخت زبون اور نتائج قبیحہ کا باعث ہے - مسیح کے
آزاد کردہ اور غیر مسیحی کی ملازمت چہ معنی دارد - خیر اگر مسیحی نوجوان مجبوراً اس
قسم کا کام کرلیں تو چنداں ہرج نہیں - مگر مسیحی عورتوں کا ایسا کرنا سخت نادانی
الیں ہے - مسیحی عورتوں کو زنانہ مشن سکولوں وغیرہ کی ملازمت ہر وقت مل
ہے یا گھر میں بیٹھ کر عزت اور آبرو سے کام دھندا کرکے اپنا پیٹ پال
ہندوست جب کبھی مسیحی عورتوں نے غیر مسیحیوں کی ملازمت یا ماتحتی کی ہے
ھائی اور بڑی بدنامی اٹھائی ہے - جو بیان کی محتاج نہیں مسیحی ناظرین
ایڈیٹرزد اہلیت سے بخوبی واقف ہیں اسلئے امید ہے کہ تھوڑا لکھا بہت سمجھینگے

(۲) امرت

گلشن بائبل

مترشح قلم جناب ڈاکٹر ناصر صاحب ایڈیٹر سابق رسالہ مسیحی بصد شکریہ ناظرین کے افادہ کیلئے درج کیا جاتا ہے

ایوب کی کتاب

عہد عتیق کے منظوم حصے کی یہ اول کتاب ہے - اس کے مصنف اور زمانہ
تصنیف کی نسبت ایک فیصلہ نہیں ہوا مگر اس میں کوئی کلام نہیں کہ ایوب
قدیم زمانہ کا ایک حقیقی آدمی تھا جس کا نام حزقیل ۱۴ : ۱۴ میں نوح اور دانیل کے
ساتھ منسلک کیا گیا ہے - اس کتاب کا مدعا یہ ہے کہ زمین پر خدا کی اخلاقی
حکومت کو ثابت کرے - ایوب کے حالات کے پس پردہ خدا کی پروردگاری
اور دنیا کے معاملات میں اس کا ہاتھ دکھایا گیا ہے - ابتدائے عالم سے یہ ایک
سربستہ راز رہا ہے کہ راستبازوں کو دکھ تکلیف کیوں ہوتی ہے - اور اس امر

خدا کا انصاف کیونکر قایم رہ سکتا ہے۔ ایوب کی کتاب میں اس کو حل
کرنے کی کوشش کیگئی ہے کتاب کے پانچ حصّے ہیں۔ حصّہ اوّل بطور تمہید
کے ہے جس میں قدیم زمانے کے ایک مالدار زمیندار ایوب کا حال نثر میں مندرج
ہے۔ "یہ آدمی کامل اور صادق تھا۔ اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا۔"
وہ عوض کا باشندہ تھا۔ جو بیابانِ عرب کا ایک علاقہ اور ادوم کے مشرقی
حصے کے متصل تھا۔ کتاب کے اس حصّے میں قادر مطلق خدا ایوب کی راستبازی
بگویا ظاہر کر دیتا ہے مگر شیطان اس پر شبہ ظاہر کرتا ہے۔ خدا اس کو اجازت
دیتا ہے کہ ایوب کا امتحان کر کے دیکھ لے۔ فقط اُس کی جان پر ہاتھ نہ ڈالے
چنانچہ ایوب پر ہر طرح کی اذیتیں اور مصیبتیں آتی ہیں اور آخر کار [illegible]
اسے کہتی ہے کہ "خدا کو ملامت کر اور مرجا"۔ دوسرے حصّے میں
تین دوست اس کی مصیبت میں اُسے تسلی دینے آتے ہیں۔ کتاب [illegible]
ہے۔ اور تیسرے باب سے اکتیسویں باب تک چلا گیا ہے اول ایوب
اور فریاد ہے بعد ازاں اس کے تینوں دوست یکے بعد دیگرے بیان [illegible]
کہ یہ سب تکلیفیں گناہ کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے وہ ایوب کو نصیحت کرتے ہیں کہ اپنے
گناہ سے توبہ کرے۔ ایوب نہیں مانتا اور اُن دوستوں کی سردمہری کی شکایت
کرتا ہے۔ مکالمات کے اس سلسلے میں اوّل تینوں دوست تین تقریریں کرتے
اور ایوب ان کا جواب ہر ایک تقریر کے بعد دیتا ہے۔ پھر وہ دوسری بار
تقریریں کرتے اور ایوب پھر انہیں جواب دیتا ہے۔ آخر ان میں سے دو آخری
تقریریں کرتے اور تیسرے کو بولنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ غرض اس حصّے میں
ایوب نو تقریریں کرتا۔ یعنی ایک ابتدائی اور آٹھ ان آدمیوں کی تقریروں کے
جواب میں۔ تیسرے حصّے میں ایک جوان آدمی الیہو نامی جو اس گفتگو کے سلسلے
کو سنتا رہا ہے یہ دیکھکر کہ ایوب نے ان تینوں دوستوں کا منہ بند کر دیا۔ ایک تقریر
کرتا ہے (باب ۳۲ - ۳۷) جس میں وہ ایوب کو خود اپنی راستبازی پر فخر کرنے
کے سبب ملامت کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا خوابوں اور بیماری اور فرشتوں
کے ذریعے انسان کی مدد کرتا ہے۔ اور پھر خدا کے انصاف کو برحق قرار دیتا ہے۔ بعد

ازاں کتاب کے چوتھے حصے میں (باب ۳۸ - ۴۲ : ۶) خدا بگولے میں سے ایوب کے ساتھ ہم کلام ہو کر خود اُس کے منہ سے اقبال کرواتا ہے کہ "دیکھ میں ناچیز ہوں۔ میں تجھے کیا جواب دوں۔ میں اپنا ہاتھ اپنے منہ پر دھرتا ہوں"۔ اور پھر فطرت میں اپنی طاقت کا بیان کر کے ایوب کی بیگناہی کے دعوے اور فخر کو توڑ کر چکنا چور کر دیتا ہے۔ اور ایوب کو کہنا پڑتا ہے کہ "میں اپنے سے بیزار ہوں۔ اور خاک اور راکھ پر بیٹھا توبہ کرتا ہوں"۔ کتاب کا آخری حصہ نثر ہے اور بطور تتمہ کے ۷ سے آخری آیت تک مندرج ہے۔ اس میں یہوواہ کا غصہ تینوں پر بھڑکتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے حق باتیں نہ کیں۔ اور پھر وہ ایوب کو برکت دیتا ہے +

ہندوستانی
ایڈیٹرز اہم

صنعت و حرفت

(۲) مسٹر ٹیکہ مضمون مسیحی کے کرم فرما جناب مسٹر جلال الدین صاحب عنبر تحصیلدار کا بغرض بہبودی قوم زینت افروز رسالہ کیا جاتا ہے۔ تحصیلدار صاحب کی بیدار مغزی کا لفظ لفظ شاہد ہے۔

خدا نے آجتک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ❊ نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

مسیحی کی قیامت کے تواتر کو کس بات کی دلیل قرار دیا جاوے۔ اس کے بار بار مرنے اور بار بار جی اٹھنے سے کیا استدلال کیا جائے اس کی ہستی کے اس نشیب و فراز کو کس کی مثال سمجھا جاوے۔ یہ سب خیال قدرتی طور پر بادلوں کے ہجوم کی طرح امڈتے ہوئے میدان خیال میں آتے ہیں۔ یہ سارے واقعات اس بات کا ثبوت ہیں۔ کہ قوموں کی اخلاقی اور روحانی ارتقاء کی راہ میں کسقدر گرنے اور پڑنے شکست اور فتح کے موقعہ اور محل ہوتے ہیں۔ کوئی قوم ایک دن میں نہ بنی۔ ہماری راہ بھی ایسی ہی کٹھن اور منزل دشوار گذار ہے۔ مسیحی کے دوبارہ جی اٹھنے اور تر و تازہ ہونے سے ہمیں جرأت پیدا ہوتی ہے۔ اور ہمیں اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے یہی سبق لازم ہے +

مصرعہ: کہ ہاں ہاں بڑھے چلو۔ (ج - د - ع)

(۱) ہندوستانی علمی دنیا میں یہ امر سب سے زیادہ نقص آمیز سمجھا گیا ہے۔ کہ
کئی ایک وجوہات کے باعث خواہ آب و ہوائی یا دیگر۔ تعلیم یافتہ اشخاص کو صنعتی
اور حرفتی اکتسابات سے نقیض رہا ہے۔ عام طور پر یہ قاعدہ رہا ہے کہ جو شخص
پڑھنا لکھنا سیکھ گیا۔ دستکاری سے ہاتھ کی محنت سے گیا گذرا۔ چنانچہ اس ملک
میں عام طور پر پڑھے لکھے تعلیم یافتہ آدمی کوئی دستی محنت کا کام نہیں کر سکتے۔ یہاں
تک کہ اُن کے پاؤں اس قسم کے کاموں کے لئے ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ ادھر تعلیم
کی یہ حالت ہے کہ انٹرنس پاس یافتہ اور گریجویٹ روزمرہ بڑھ رہے ہیں۔ [illegible]
بجائے اس کے کہ وہ قوم کی فارغ البالی میں امداد کا باعث ہوں۔ [illegible]
کے بوجھ کا باعث ہوتے ہیں۔ آبادی روزمرہ بڑھ رہی ہے۔ ہر مردم [illegible] کے
مردماں بمقابلہ سابق ڈیڑھ گنی دوگنی تک پہنچا دیتی ہے۔ اس [illegible]
خوراک اور پوشش کے سامان میں بھی جہاں اسی تناسب سے ترقی [illegible]
وہاں اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔ بلکہ ہمارے ملک میں تو یہ تناسب کہیں [illegible]
چاہئے۔ کیونکہ یہاں ہم نے صرف اپنے ہی ملک کے باشندگان کے سامان
و پوشش کا انتظام نہیں کرنا ہے۔ بلکہ غیر ممالک کے تجار حصہ داران کا بھی لحاظ
رکھنا ہے۔ چہ جائیکہ کثیر اخراجات حکومت غیر ملکی کے مہیا کرنے کا انتظام ہو۔
محض خورش اور پوشش کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ قوم میں مالی حالت
کے بڑھانیوالے افراد کی تعداد میں خاطرخواہ ترقی ہوتی رہے۔ موجودہ تعلیم کا
سلسلہ اس اصول کے خلاف ہے ایک بی۔اے یا ایم۔اے جب تک کہ وہ قوم
کی مالی حالت کو بڑھانے میں حصہ نہ لیوے۔ تب تک وہ قوم پر ایک بار سنگین
ہے۔ قوم کے سرمایہ کو عرصہ دراز تک بی۔اے۔ ایم۔اے۔ بننے میں اس نے صرف
کیا۔ اور بعد صرف کثیر کے بھی وہ قوم پر ایک بوجھ رہا۔

مصرع۔ ایم۔اے بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی +

(۲)۔ اس قسم کے تعلیم یافتہ اشخاص کے لئے سوائے ملازمت کے اور کوئی صیغہ
نہیں۔ اس قسم کی ملازمت کی آسامی ہائے کی تعداد قدرتی طور پر محدود ہوتی ہے
جہاں سالہا سال ہزاروں گریجویٹ اور ہزاروں انٹرنس پاس نکلتے جاویں۔ وہاں [illegible]

ایک سرکاری یا دیگر آسامی پانے کا خلو کیا حقیقت رکھتا ہے؟ اسی لئے ہر طرف نوکریوں کی مانگ ہو رہی ہے۔ ہمارے بی۔اے۔ ایم۔اے چاروں طرف دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ جانتے نہیں کہ کیا کریں۔ معرف بیٹے کی مثال اُن پر صادق آتی ہے۔ جس نے پکار کر کہا کہ محنت سے میں عاری ہوں۔ بیٹھکر مجھے کوئی کھانے کو دیتا نہیں۔ پس میں کیا کروں؟ میں اُٹھکر اپنے باپ کے پاس جاؤنگا اور اسے کہونگا کہ اے باپ میں نے آسمان کا اور تیرا گناہ کیا ہے۔ اور اب اس لائق نہیں کہ تیرا بیٹا کہلاؤں۔ مجھے اپنے ادنےٰ مزدوروں میں شامل کر۔" ... کا وقت ہے کہ ہم اپنے سلسلہ تعلیم کو بدلیں۔ اُس میں اس قسم کی ترمیمات ... عمل میں لادیں۔ جس سے قوم کی فلاح اور مالی ترقی ہو +

ہندوستانی ایڈیٹرز ... (۲)

... ہمارے زیر بحث عام مضمون تعلیم رہا ہے۔ ہمارے ملک کی سب ... ضروریات ہماری ضروریات ہیں۔ لیکن عمومیت سے خصوصیت ... عملی پہلو اختیار کرنا چاہئے۔ ہماری مسیحی قوم پہلے ہی سے دیگر اقوام ... مقابلہ میں لگا نہیں کھاتی ہے۔ ہم تعداد میں کم۔ ذہنی اور عقلی پایہ میں اوسطاً کم۔ قومی درجہ میں بحیثیت مجموعی ادنےٰ دیگر وسائل مالی اور معاشرتی میں بہت کمزور۔ تجارت میں ندارد۔ صنعت وحرفت میں طفل مکتب۔ ہماری توجہ اس حالت زار کو بہتر بنانے کے لئے دوسروں کی نسبت کہیں زیادہ ہونی چاہئے۔ ہماری قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو سرکاری ملازمتیں اپنے پورے تناسب سے بھی نہیں مل سکتیں۔ سرکاری ملازمتوں کے حصول کے لئے سفارش چاہئے۔ وسائل چاہئیں۔ خوشامد چاہئے۔ محنت اور مقابلہ چاہئے۔ ان سب باتوں میں ہمارے لئے پورا اترنا تو در کنار۔ کسی درجہ تک قدم مارنا بھی نہایت مشکل ہے۔ امر فی الواقع یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں کے لئے اس قسم کے تعلیمی اور ملازمتی مشاغل کے لئے بہت کم میدان ہے۔ اور قوم کی موجودہ اشد ضرورت یہ ہے۔ کہ کافی حصہ نوجوانوں کا اپنے آپ کو صنعت اور حرفت کے کاموں میں مشغول کرے۔

(۳) خوشی کی بات ہے کہ مشنری صاحبان نے جو آجتک ہمارے ماوےٰ و ملجاء

رہے ہیں۔ اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا۔ مشنری صاحبان نے شروع ہی سے اس امر کو محسوس کیا کہ مشنری کام نہ صرف لوگوں کو محض زبانی طور پر انجیل سکھانا ہے۔ اور بس۔ بلکہ جا بجا انہوں نے انڈسٹریل سکول قائم کرکے یہ ثبوت دیا۔ کہ کلیساؤں کی مضبوطی انکی روحانی تعلیم اور مالی طور پر فارغ البالی پر موقوف ہے۔ گو آجکل عام طور پر ظاہرا مشنری صاحبان اس اصول کا اقرار نہیں کرتے لیکن عملی طور پر اس سے پیشتر وہ اس امر کا اقرار دے چکے ہیں۔ کہ کلیساؤں کا قائم کرنا بجز روحانی اور سوشل اور معاشرتی اور مالی بہتری کے بغیر ہو نہیں سکتا ہے۔ ہم بار بار اس امر کی تاکید کر چکے ہیں اور مکرر یہی عرض پرداز ہیں کہ [illegible] تعداد مسیحی کلیساؤں کی کافی ترقی ہو چکی ہے۔ موجودہ ضرورت [illegible] ت کے ان کی روحانی اور مالی بہتری کا فکر کیا جاوے۔ بس ضرورت [illegible] اور اس کے بہی خواہاں مشنری صاحبان یک جہتی سے اس امر [illegible] کہ اس مسیحی قوم کی مضبوطی کے لئے ان کی روحانی اور دنیاوی تعلیم [illegible] کیا جاوے۔ ایک طرح سے مشنری صاحبان کی اخلاقی ذمہ واری [illegible] میں زیادہ ہے۔ کیونکہ دراصل مشنری صاحبان موجودہ مسیحی قوم کے وجود اور ہستی کے ذمہ وار ہیں۔ اُن کے کام کا نتیجہ ہے کہ مسیحی قوم اس ملک میں پیدا ہوئی۔ اب مسیح کے نام اور پیغام کی عزت کو قائم رکھنے کے لئے اور اس کو موجب استہزاء نہ ہونے دینے کے لئے ان کا فرض ہے کہ وہ اس قوم کے روحانی درجہ کو سب سے اعلےٰ اور ان کے علمی اور مالی درجہ کو مقابلتہً قابل فخر برقرار رکھنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ دیانتداری کی بات تو یہ ہے کہ کل مشنری سرمایہ مسیحوں کی دینی اور دنیاوی تعلیم اور سوشل و مالی حالت کو بڑھانے میں صرف ہونا چاہئے۔ اور مسیحی قوم کے افراد کو یہ چاہئے۔ کہ وہ ہمہ تن مشنری صاحبان کے ساتھ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے شامل ہوں۔

موجودہ صنعتی۔ حرفتی سکول علاوہ ناکافی ہونے کے درست بھی نہیں چلائے جاتے۔ چنانچہ آج تک یہ ہمیشہ شکایت رہی ہے کہ بہت سے انڈسٹریل سکولوں کے سیکھے ہوئے لڑکے مشن کے کولہو کے بیل ہی رہتے ہیں مشن

کی کوٹھیوں میں دس بیس روپیہ مہینہ لے کر کام کرتے رہے۔ تو بیٹھے رہے۔ بازار میں جا کر اپنی روٹی کما کر کھانے کی کسی میں کبھی ہمت پیدا نہیں ہوئی۔ یہ ایک خاص نقص ہے۔ جو کہ موجودہ انڈسٹریل سکولوں میں سے رفع ہونا چاہئے ہماری رائے میں وجہ اس کی یہ ہے موجودہ سکولوں کے انتظام کے مطابق لڑکوں میں آزادگی اور خود مختاری کی روح پیدا نہیں کیجاتی۔ مشنری صاحب کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک چھوٹی بات میں طالبعلموں کا انحصار منتظم پر ہی رہے۔ اس کے علاوہ بوقت ڈسچارج کوئی انتظام کسی کمیٹی یا سوسائٹی کی طرف سے کسی ...کا بطور پیشگی دینے یا دوکان کے کرایہ پر لینے یا ہتھیاروں کے خریدنے میں ... ہے۔ یہ زیادہ تفصیلات کی باتیں ہیں۔ بہرحال ضرورت اس امر ...مشنری انڈسٹرل سکول یا دیگر کواپریٹو انڈسٹریل سکول بڑھائے ...کے انتظام کا پایہ اعلےٰ کیا جاوے۔ لڑکوں کے لئے وظائف کا ...جاوے۔ اور پھر ایک سوسائٹی قائم کی جاوے۔ جو کہ ان نوآموز ...کی حفاظت اور برسر روزگار ہونے کے وسائل مہیا کرنے میں کوشش کرے

عنبر۔ از شکر گڑھ۔ ضلع گورداسپور۔

(۱) دودھ اور نمک کا گرانا کیوں بُرا شگون سمجھا جاتا ہے۔

ہمارے ہندوستان میں نمک اور دودھ کا گرانا یا گرنا بہت منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ اکثر لوگوں نے تجربہ کیا ہے کہ اگر دودھ کی دیگچی الٹ جائے تو کوئی مال کا نقصان یا کسی عزیز کی جان کا زیان ہوتا ہے یا کوئی افسوسناک خبر آتی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ہندوستانیوں کے لئے دودھ سب سے بڑی نعمت ہے۔ اور اس کا ضائع ہونا مصیبت کا پیش خیمہ ہے۔ جب ہمارے ہاں کسی کو دعا دیتے ہیں تو کہتے ہیں پوتوں پھلو دودھوں نہاؤ۔ یعنی تمہاری خوش نصیبی کی کوئی حد نہ رہے۔ جب وہ چیز جس کے موجود ہونے سے انسان کے بھاگ کھل جاتے ہیں گر گرا کر خاک میں مل جائے تو اینٹ کا گھر مٹی تو آپ سے آپ ہونا ہوا۔ دودھ کی طرح نمک کی بھی بڑی قدر ہمارے ملک میں کی جاتی ہے۔ کسی کا نمک

کھا کر اپنے مقدور بھر تو کمینے سے کمینہ شریر سے شریر بھی نمک حرامی نہیں کرتا۔ نمک کی یہاں تک عزت ہے۔ کہ اگر دشمن بھوکے سے کسی کا نمک کھائے تو اُسے اپنے جانی دشمن پر ہاتھ اُٹھانا یا کسی طرح اس کی مخالفت کرنا قسم ہوجاتا ہے۔ قاتل یا چور یا ڈاکو تک نمک کھا کر اپنے کو ایسا نمکخوار سمجھتے کہ نمک حلال کرنا اپنا دھرم اپنا ایمان و دین تصور کرتے تھے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ نمک خوراک انسانی کے لوازمات میں سے سمجھا جاتا تھا۔ بے نمک کھانے میں خاک مزہ رہ جاتا ہے۔ اور مزہ تو رہا در کنار غذا ہضم کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اب تو سینکڑوں قسم کے چورن اور ہاضمے کی دوائیاں نکل آئی ہیں مگر پرانے زمانے میں نمک ہی نسخت کہہ دا[illegible] تھا۔ آجکل تو سائنس اور صنعتوں کا تجربہ ذراسی دیر میں ہزاروں لاکھ [illegible] ڈھیر کر دیتا ہے۔ خود بنالیتا ہے یا ذراسی دیر میں ڈھونڈ کر نکال [illegible] ت کے زمانہ سلف میں ہمارے بزرگ بیچارے مصیبت کے مارے نہ تو [illegible] ہضمی [illegible] سے واقف تھے کہ نمک کی کان پہاڑوں کے دلوں میں کھود لیتے۔ [illegible] تھے کہ چند ادویات ملاتے اور بات کی بات میں نمک بنا لیتے نہ اتنا [illegible] چلو اور نہیں تو سمندر اور کھاری جھیلوں کے پانی سے ہی نمک نکال لیں۔

اس تمام ناتجربہ کاری اور بےبسی کا نتیجہ تھا کہ نمک کم یاب تھا۔ خاص خاص مقامات اور خاص خاص وقت ہی پر ملتا تھا۔ اور وہ بھی بصد مشکل اور بہت مہنگ مول۔ اس لئے مزدوری پیشہ لوگ بخوشی روپے کی بجائے نمک مزدوری کے طور پر لیتے اور شکر کرتے تھے۔

قدیم مذاہب میں نمک کی بڑی تعظیم و تعریف کی گئی ہے۔ نمک غذا کو دیر تک تازہ کی تازہ رکھ سکتا جیسے کل ہی بنی ہو۔ حتےٰ کہ مصری تو اپنے مردے نمک ہی میں لپیٹ کر سڑنے گلنے سے محفوظ رکھتے تھے۔ بنابریں نمک مذہب کی نگاہ میں غیر فانیت کا نشان تھا۔ اس لئے عوام الناس نمک کو دیوتاؤں کی شان کے لائق قربانی سمجھ کر اپنے دیوی دیوتاؤں کو چڑھانے اور نمک کا گرانا ان کے عذاب کو اپنے سر پر لانا تصور کرنے لگے۔ ذوق نے بھی اسی خیال کو بڑی خوبی سے اپنے ایک شعر میں بیان کیا ہے۔ سہ

جتنا ہے نمک تم میرے زخموں میں کھپاؤ ؛ پلکوں سے اُٹھاؤ گے ہاتھوں سے گراؤ
مسلمانوں کے خیال میں جو نمک گرائیگا اسے قیامت کے دن اپنی پلکوں سے
اٹھانا پڑیگا۔ یعنی بڑی مشکل کا سامنا ہوگا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ نمک کا پلکوں سے
اٹھانا۔ بہت دیدہ ریزی اور مشکل کا کام ہے۔
سبحان اللہ ہمارے خداوند کی تعلیم نمک کے بارے میں سونے پر سہاگا ہی
فرماتے ہیں تم زمین کا نمک ہو۔ دیکھو ایوب ۶:۶۔ احبار ۲: ۱۳۔ گنتی ۱۸: ۱۹
۲۔ تواریخ ۱۳: ۵۔ عزرا ۴: ۱۴ (حاشیہ) ۲۔ سلاطین ۲: ۲۰: ۲۱ کلیسیا
قس ۹: ۴۹ و ۵۰ +

ہندوستانی ترجمہ چٹھی

ایڈیٹرز ۔۔۔ کے۔ ایل پیارا رام صاحب۔ پریزیڈنٹ پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس لاہور
(۴) مسٹر ۔۔۔ بنام۔ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر منٹگمری مورخہ لاہور ۶ جون ۱۹۲۴ء

جناب عالی۔ بحوالہ آں نیاز جو جناب کی مہربانی سے ہندوستانی مسیحیوں کے چند
شرکانے بہ حیثیت وفد بمقام منٹگمری مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۲۴ء کو جناب سے حاصل کیا تھا جن
کے ہمراہ سی۔ ایم۔ ایس۔ کے پادری جناب کینن فورس جونز صاحب بھی تھے میں
دست بستہ و باضابطہ حضور سے التماس کرتا ہوں کہ آپ براہ مہربانی جسقدر مربعے آپ
باسانی دے سکتے ہیں پنجاب انڈین کرسچن کے ہاتھ فروخت فرما دیں۔ یہ تمام مربع
اگر ممکن ہو سکے تو ایک ہی جگہ ہوں یا جتنے ایک دوسرے سے ملے ہوئے یکجا مل
سکتے ہوں اُس قیمت پر جو تخمیناً آپ کو عام نیلام میں مل سکتی ہے یا جیسا آپ مناسب
خیال فرما دیں ان شرائط کے بموجب جن پر گورنمنٹ عالیہ اوروں کو زمین دینے پر
تیار ہو سکتی ہے۔
نقل روداد سے۔ جو شامل مراسلہ ہذا ہے۔ جناب کے ضمیر منیر پر روشن ہو جاویگا
کہ کانفرس کی جماعت انتظامیہ نے ضلع منٹگمری میں ایک مسیحی بستی کی تجویز کو نہایت
پسند کیا ہے۔ کہ اُس میں زراعت کے موجودہ سائنس کے اعلےٰ درجہ کے اصول استعمال

کئے جائیں۔ تاکہ گورنمنٹ عالیہ کو واضح ہوجائے کہ مسیحی قوم کیا کچھ کرنیکی قابلیت رکھتی ہے۔ اگر اُسے موقعہ دیا جائے۔ ہم مذکورہ بالا قیمت پر زمین لینے کی تجویز جناب کی خدمت میں اس لئے پیش کرتے ہیں تاکہ زمین کا ہم لوگوں کو ملنا یقینی ہوجائے۔ مزید التماس یہ ہے کہ جہاں تک کہ ہمیں عام لوگوں کے خیالات کا علم ہؤا ہے لوگ باگ ایسی زمین کا جس کی آبپاشی کا انتظام ہے فی مربع ۲۵۰۰ روپیہ دینے کو تیار ہیں۔ لہذا اس رقم کو انکا سٹنڈرڈ سمجھا جاوے۔ کانفرنس نے ایک مشورتی کمیٹی بھی بنائی ہے۔ جس میں تمام مشنوں کے بڑے بڑے آدمی شامل ہیں تاکہ اس تجویز میں تمام کلیساؤں میں یکجہتی اور یگانگت رہے۔

علاوہ ازیں کانفرنس یہ بھی محسوس کرتی ہے کہ اُس کے پاس ا[illegible]ت کے سہولتیں موجود ہیں جنکا اگر مناسب طور سے استعمال کیاجائے تو وہ ایک نہایت [illegible] طاقتور زراعت پیشہ جماعت بن سکتی ہے۔ مثلاً موگے میں اعلےٰ [illegible] ہو رہا ہے جہاں سائنس کے اصولوں کے مطابق کاشتکاری سکھائی [illegible] لیکن بدقسمتی سے وہ لوگ جو ان اصولوں اور طریقوں کی تحصیل کرتے ہیں کے بعد انپر عمل درآمد نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ان کے پاس اپنی کوئی زمین نہیں۔

علاوہ ازیں ہمارے درمیان امریکن مشنری صاحبان موجود ہیں جو کہ ولایت کے زراعت پیشہ لوگوں میں سے ہیں۔ جو مسیحیوں کو نئے ایجاد کردہ آلات سے کاشتکاری کرنا سکھانے کو بالکل تیار ہیں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ تمام مشنیں ہماری تائید کرینگی اگر گورنمنٹ ازراہ عنایت ہم کو ایک عمدہ مسیحی بستی بنانیکا موقع عنایت فرمائے۔

رہی زمین کی پسند اس کے متعلق میں قوم کے لوگوں کی طرف سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس امر کو بالکل جناب کے دست خاص میں سپرد کرتے ہیں۔ چونکہ ہمیں یقین ہے کہ اس معاملے میں کوئی ہماری ایسی مدد نہیں کرسکتا جیسا کہ حضور پر نور کرسکتے ہیں۔ کیونکہ آپ کو عوام الناس کی بہبودی کا بہت خیال ہے۔ اور جو کچھ جناب ہمیں دیں گے ہم اسے سر آنکھوں پر رکھ کر لیں گے۔

میں اس بات کا بھی جناب عالی کو اطمینان دلاتا ہوں کہ اس تجویز میں وہی اشخاص شراکت کے لئے منتخب کئے جائیں گے جو نہایت اچھے اور معتبر چال چلن کے اور

گورنمنٹ کے خیرخواہ اور محنتی ہونگے۔

مسیحی قوم یہ بھی تمام پنجاب پر عیاں کرنا چاہتی ہے کہ اس میں اس بات کا امکان ہے کہ اگر حالات مناسب و مساعد مل جائیں تو وہ ایک نمونے کی بستی بن سکتی ہے جناب کی طرف سے اس خط کا خاطر خواہ جواب آنے پر ئیں کانفرنس کی طرف سے تمام لوازم و مراسم ادا کرونگا۔ چونکہ گورنمنٹ عالیہ کانفرنس کے لئے اس امر میں تجویز فرمائیگی۔

نیازمند پریزیڈنٹ

دعا

ہندوستانی ایڈیٹرز اور (۲) مسٹر آئی

فرانسیسی مدبر و مصنف کہتا ہے کہ انسان ہی ایک ایسا وجود ہے جو دعا و نماز کرتی ہے۔ اکثر شعرا خیال کیا کرتے ہیں کہ سب جاندار دعا اور خدا کی تعریف کے زمزمے اڑاتے ہیں۔ مرغ سحر جو اذان دیتا ہے تسبیح پڑھتا ہے۔ بلبل جو چہکتا ہے اللہ میاں کی ستایش کے گیت گاتا ہے۔ چرند پرند سب خداوند تعالےٰ کے مدح سرا ہیں۔ بقول سعدی ؎

توحید گوے او نہ بنی آدم اند و بس ❊ ہر بلبلے کہ زمزمہ بر شاخسار کرد

شاید یہ بات صحیح ہو مگر ہم نے تو آج تک نہیں دیکھا کہ کسی جانور نے دعا کی ہو نہ معتبر لوگوں سے سنا۔ نہ کسی مذہبی یا الہامی کتاب میں دیکھا۔ کہ کبھی کسی جانور نے خداوند تعالیٰ کی عبادت کی ہے۔ ہاں گائے بیل اور گھوڑے جب خوب پیٹ بھر کر چارہ کھا لیتے ہیں تو خوش ہو کر دانت نکال کر آسمان کی طرف مُنہ کرتے ہیں۔ شاعرانہ نازک خیالی اس کو دعا یا شکر گزاری کہے تو کہے مگر ہم اس بات کو ماننے کو تیار نہیں۔ حتٰے کہ فرشتے بھی نماز پڑھتے کم دیکھے اور سنے ہیں۔ اور بات بھی ٹھیک ہے دعا کے معنی خواہش کے ہیں۔ یعنی بات چیت کرنیکا شوق اور یہ شوق محبت سے پیدا ہوتا ہے اور محبت فقط انسان ہی کو پوری پوری اپنے خالق سے ہے کیونکہ وہ محض اسی لئے پیدا کیا گیا ہے ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ❊ ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

دعا گویا انسان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ دعا سے زیادہ کوئی قدرتی شوق انسان کو نہیں دعا کی خو بو انسان کی جبلی سرشت میں داخل ہے۔ اور ہر انسان میں پائی جاتی ہے۔ اور اس درجہ پائی جاتی ہے کہ کوئی چیز اس عادت کو دبا نہیں سکتی۔ چھوٹے بچے بڑے شوق اور ادب سے دعا کیا کرتے ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جن مسیحی گھروں میں خانگی دعا ہوا کرتی ہے ان گھروں کے بچے ہمیشہ اپنے ماں باپ کو جو کثرتِ کار یا مشغولیت کے باعث غافل ہو جایا کرتے ہیں۔ دعا یاد دلا کر اپنا یہ فطری شوق پورا کرتے ہیں۔ بوڑھے دعا کو عصائے پیری تصور کرتے ہیں۔ اور اپنے آخری دنوں اور ضعیفی کا سہارا [illegible] ہیں۔ دعا خود بخود بچوں کے معصوم ہونٹوں سے نکلتی ہے جو [illegible] کے ٹھیک طرح سے لینا نہیں جانتے۔ اور اُس جان بلب کے منہ سے [illegible] سنائی دیتی ہے جس میں اس کے ادا کرنے کی بھی طاقت نہیں رہی۔

ایک بڑے نامور استاد نے اپنے شاگردوں کو مندرجہ ذیل الفاظ [illegible] ترغیب دی ہے۔ ہر روز دعا مانگنے کی عادت سیکھ لو۔ مجھے معلوم ہے [illegible] آدمی ہیں کہ اگر اُن سے پوچھا جائے کہ تم دعا کیوں نہیں کرتے تو وہ جواب دیتے کہ ہمیں وقت نہیں ملتا۔ طلباء کہیں گے کہ ہمیں مدرسے کا بہت کام کرنا پڑتا ہے جو نہایت لازمی ہے۔ اور اس کے کرنے کے بعد نہ ہمارے اندر دعا کی ہمت نہ شوق باقی رہتا ہے۔ میرا جواب یہ ہے کہ دعا سے تمہاری تعلیم میں کوئی حرج واقع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دعا سے تمہارے دلوں کو تسکین۔ آرام اور تازگی حاصل ہوگی۔ دیکھو سینکڑوں نیک لوگ ہوئے ہیں اور ہیں جو گھنٹوں دعا اور عبادت کرتے رہے ہیں۔ پھر بھی کئی کئی زبانیں انہوں نے تحصیل کی ہیں۔ فلسفہ اور سائنس ریاضی اور اور علوم پڑھے ہیں۔ اور ایسے بڑھے ہیں کہ دنیا میں نام پیدا کر گئے ہیں۔ دور کیوں جاتے ہو ہمارے ہندوستان کے پروفیسر یسوع داس رام چندر دنیا بھر میں حساب دانی میں مشہور ہوئے ہیں۔ آپ فقط کتابوں ہی کے دھنی علم و کمال ہی میں یکتا نہ تھے بلکہ دعا اور عبادت میں مردِ میدان تھے۔ گھنٹوں کے گھنٹے مذہبی اور دینی کتابوں کے مطالعے میں صرف کرتے

یہودیوں کی رسم کے موافق دن میں سات بار نماز پڑھتے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ بیسوں کتابیں لکھیں سائنس فلسفہ اور ریاضی کو چھان مارا۔ کتابیں تصنیف کرتے تھے۔ ہفت زبان تھے۔ بائبل شریف عبرانی اور یونانی میں پڑھا کرتے تھے۔
دعا کے لئے وقت باندھنے چاہئیں۔ کم از کم دو دفعہ تو دعا لازمی ہے ایک [illegible] جانیسے پہلے۔ دوسرے سو کر اٹھنے کے بعد۔ سونے سے پہلے اس لئے کہ سونا مرا برابر ہوتا ہے۔ خدا کو اپنی روح اور نہ فقط اپنی بلکہ اپنے سب پیارے رشتہ داروں اور دوست آشناؤں کی روح سپرد کر کے سونا چاہئے۔ پھر ع۔
ایسی نیند کے کیا بات خواب کی + سو کر اٹھنے پر اس لئے کہ صبح کی روشنی [illegible] واجب ہے۔ اگر سوئے کے سوئے رہ جاتے تو ہم کسی کا کیا کر[illegible] کی فرصت نہ ملتی۔ دوسرے خیال کرو کہ دنیا میں لاکھوں رات [illegible] زمین کے بستر کے پیوند ہو گئے ہیں۔ کیا یہ خداوند تعالےٰ کی کم عنایت [illegible] جاگتے زندوں کی سرزمین میں ہیں۔
[illegible] سے بہتر تعلیم تو وہی ہمارے پیارے دعا کے پتلے ہمارے مہربان آقا خداوند یسوع مسیح کی ہے۔ کہ ہر وقت جاگتے اور دعا مانگتے رہو۔ تاکہ آزمایش میں نہ پڑو۔
روزمرہ کے فرائض شروع کرنیسے پہلے اپنے مالک کو یاد کرو۔ کہ وہ ہم کو اس دن کی ہر فکر و تردد اور آزمایش سے بچائے۔
آزمائشیں تو ضرور آئینگی اور تمہارے صبر اور نیکی کا امتحان ضرور ہوگا۔ اور رات ہونے سے پہلے تمہیں اپنے باپ کی مدد کی ضرورت پڑیگی۔ کہ وہ تمہاری سپر بنے۔ اس کے حضور جاؤ اُس کی صلاح و مشورت سے کہو کہ تمہاری رہبری کرے۔ اس کی قوت سے کہو کہ تمہاری دستگیری کرے۔ اس کی حضوری سے کہ تمہیں مالا مال اور نہال کردے۔ اور اُس کی مقدس روح سے درخواست کرو کہ تمہیں پاک کرے۔ اور جب شام آئے اور جو کچھ تم نے دن کو کیا ہے۔ اس پر نظر دوڑاؤ اور غور کرو۔ اور تمہیں معلوم ہو کہ تم سے کس قدر نادانیاں کوتاہیاں اور قصور سرزد ہوئے ہیں تو وہ وقت دعا کا ہے۔ تمہیں یہ محسوس کر کے

بہت لطف آئیگا کہ ایک پاک ذات ہے جس کے حضور تم حاضر ہو سکتے ہو۔ جو تمہاری عرض کو سنیگا۔ اور تمہیں معاف کر دیگا۔ بشرطیکہ تم توبہ کرو۔ اور خداوند یسوع مسیح کے مبارک نام کی شفاعت چاہو۔ وہ ذات پاک تمہاری شام کی قربانیوں کو منظور و مقبول فرمائیگی۔ اور آنیوالے دن کیلئے تمہیں قوت اور توفیق نیکی عطا فرمائیگی اور اپنی پاکیزگی کا جامہ پہنائے گی۔ اس بات کا بڑا خیال رکھو کہ وقت نماز اور تمہارے درمیان کوئی چیز حائل وھارج نہ ہو۔ دانیل کا خیال کرو جو ایران کا وزیر اعظم تھا۔ اُن کے دل پر ایک سو بیس صوبوں کی کارپردازی اور انتظام کا بوجھ تھا۔ مگر کیا مجال کہ ایک وقت کی نماز بھی قضا ہو جائے۔ وہ خواہ کچھ بھی ہو اپنے حجرے میں تین بار تشریف لے جاتے تھے تاکہ دعا کریں اور اللہ جل شانہٗ کا شکر بجا لائیں۔

اگر تم دعا کا پورا پورا حظ اٹھانا چاہتے ہو تو اپنے دل کو ہر قسم کی بدی سے باز رکھو اور اپنے ضمیر کے آئینے پر گناہ کا غبار نہ جمنے دو۔ گناہ کا علم ہو جو تم نے کیا۔ چاہے وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جو تم کر بیٹھے ہو۔ یقین جانو کہ دعا کا مزا خاک میں مل گیا۔ یا تمہارے ساتھ گناہ رہیگا یا خدا کی رفاقت یہ دونوں باتیں کبھی یکجا نہ ہونگی۔ ؎

ہم اور رقیب دونوں یکجا ہم نہ ہونگے ⁂ ہم ہونگے وہ نہ ہونگے۔ وہ ہونگے ہم نہ ہونگے

اپنی دعاؤں کو خداوند یسوع مسیح کے نام سے گلدستہ بنا کر خداوند تعالےٰ کی نذر کرو۔ انسان اور خدا کے درمیان اُن کے سوائے اور کوئی شافیع نہیں ہم میں کوئی صحت اور پاکیزگی نہیں۔ اپنی خوبیوں پر بھروسہ کر کے جو نماز ادا کرو گے وہ باب قبول تک نہ پہنچیگی۔ دور ہی سے رد کر دی جائیگی۔ صدق دل سے دعا اس کے نام سے ہو تو تیر بہدف اور سونے پہ سہاگا ہے۔ بقول عاصی

لیکر جو اس کا نام کبھی دل سے آہ کی ⁂ ہونٹوں پہ آکے آہ کی صورت تھی واہ کی

پاک روح کی مدد مانگو۔ خداوند مسیح نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو پاک روح اُن سے مانگیں گے وہ دینگے اور کثرت سے دینگے کوئی نعمت پاک روح کی برکت کا لگا نہیں کھا سکتی۔ روح القدس کی تائید چاہو تو ہر قسم کی آزمائش سے محفوظ

رہوگے۔ اور دنیا میں بڑی مفید اپنے اور اوروں کے لئے بابرکت اور کامیاب زندگی بسر کروگے۔ مرتے وقت اطمینان کُلی ہوگا۔ اور مرنے کے بعد حیات ابدی وقربِ سرمدی حاصل ہوگا +

تیری رحمت سے دو عالم میں ہو بیڑا پار گر ⁂ مرتے دم یارب خیالِ روئے جانانہ رہے

دی پنجاب کرسچن سنٹرل کوآپریٹو بنک لمیٹڈ۔ لاہور

ناظرین والا تمکین کی توجہ اُس اشتہار کی طرف دلانا چاہتے ہیں جو کرسچن ... کی طرف سے اس نمبر کے سرورق کے چوتھے صفحے پر ہے۔ بنک نے کورکار بالنس بقایا اسباب کا شاہد ہے کہ بنک بہت خوش اسلوبی سے اپنا کام سرانجام دے رہا ہے ... عرصہ ہوا کہ مسیحی قوم کے چند بہی خواہاں خاصکر زمین داران نے اس بنک کے بنانیکی تجویز ... ہر چند پنجاب میں گورنمنٹ و دیگر انجمنوں کے متعدد بنک موجود تھے تاہم مسیحیوں کو خواہ وہ ... یا دہات کے قرض پر روپیہ شاذونادر ہی مل سکتا تھا۔ اسلئے مناسب خیال کیا گیا کہ ایک بنک خاص مسیحیوں کے فائدے کیلئے کھولا جائے جسمیں فقط مسیحیوں کا روپیہ ہو اور جسکا نفع بھی مسیحیوں ہی کو پہنچے۔ مقام شکرگزاری ہے کہ اس بنک کو جو ابھی محض تین چار سال کا بچہ ہے شروع ہی میں توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے کوئی بنک ایسا نہیں ہوا کہ جس کا سرمایہ شروع میں ایک لاکھ سے زیادہ ہو جائے۔ قاعدے کی بات ہے کہ ہر بنک کے حصہ داران کو شروع سال میں ہمیشہ کم نفع ہوتا ہے کرسچن کوآپریٹو بنک کا نفع بھی پہلے سال میں قلیل تھا۔ چنانچہ حصہ داران نے مصلحتاً اس نفع کو بنک میں ہی رہنے دیا۔ پچھلے سال دس فیصدی منافع ہوا تھا۔ مگر ڈایرکٹران نے ۹ فیصدی حصہ داران کو دیا کیونکہ خواہ نفع زیادہ بھی ہو۔ دس فیصدی سے زیادہ نفع حصہ داران کو قواعد بنک ہا کی رو سے نہیں دیا جا سکتا۔

ناظرین کو واضح ہو کہ پنجاب کرسچن کوآپریٹو بنک کا تعلق سرکار اعلےٰ مدار سے ہے اور سال بسال سرکار کیطرف سے اس کے حساب کی پڑتال ہوتی ہے۔ اور مسٹر ... Calvert کلورٹ صاحب رجسٹرار کوآپریٹو بنکس پنجاب اس بنک میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور اپنی نیک صلاح و مصلحت سے بنک کے ڈایرکٹروں کو فیضیاب فرماتے ہیں اسلئے حصہ داران امانت گزاران کو کسی قسم کے نقصان کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

امید کیجاتی ہے کہ امسال بنک کو پہلے سے بھی زیادہ خاطر خواہ منافع ہوگا۔

اس بنک کی روحِ رواں پروفیسر رُچی۔ درگا پرشاد صاحب ہیں جو علم سیاست مدن کے فاضل اجل ہیں اور بنک کے

ہندوستانی ایڈیٹرز اور ... (۴) مسٹر ...

کام میں خاص مہارت اور واقفیت رکھتے ہیں آپ بنک ہذا کے آنریری منیجر اور سکرٹری ہیں اور اس پر طرہ یہ ہے کہ مسیحیوں کے
فائدے کیلئے آپنے بلا تنخواہ کام کرنا منظور فرمایا ہے آپ نہایت جانفشانی اور سرگرمی سے اس بنک کی
کامیابی کیلئے کوششیں مبذول فرما رہے ہیں۔ بنک کی ترقی کے بہت جویاں ہیں اور اس کے اخراجات کو جس
قدر ممکن ہو سکتا ہے کمی پر رکھتے ہیں۔ با ایں ہمہ بنک کی حقیقی اور مستقل پائداری اور قیام کا دارومدار
مسیحی قوم کی دلچسپی پر ہے اس لئے مناسب اور ضروری ہے کہ لوگ بے کھٹکے حصص خریدیں اور بیفکری کر کے روپیہ
امانت پر رکھیں۔ اور ہم خرما و ہم ثواب کا مزہ چکھیں۔ چپڑی اور دو دو مل رہی ہیں۔ روپیہ محفوظ اور اس پر
اضافہ سود۔ اسمیں اپنا ہی فائدہ نہیں ہے بلکہ غریب دیہاتی اور شہری مسیحیوں اور زمینداران کا بھی بہت
مفاد ہے۔ سرمایہ داران خاص توجہ فرمائیں۔ سب مسیحی بھائیوں اور بہنوں سے خاص طور پر اپیل (استدعا)
اسلئے کیجاتی ہے کیونکہ اس کام کو انہیں کے برتے اور بوتے پر اور انہی کے فائدے کیلئے اپنے ذمہ لیا گیا
ایک ایسا کام ہے جسمیں مسیحیوں کا ہاتھ ہے۔ دیسی ڈائرکٹران۔ دیسی ہی حصہ داران [illegible]
اور ہمارا فرض عین ہے کہ ہم عملی ثبوت دیں کہ ہم اس کام کے لائق ہیں اور اپنی قوم کا فائدہ بغیر [illegible]
چشم بد دور آجکل اتنے مسیحی پنجاب میں ہیں کہ اگر وہ ذرا بھی ہمارا ہاتھ بٹائیں اور اس معاملے میں [illegible]ت کے
سے بھی کریں تو قطرہ قطرہ بہم شود دریا کا مضمون راست آ سکتا ہے۔ لہذا دست بستہ التماس و عرض [illegible]
کہ جملہ مسیحیان اس بنک کے حصے خریدیں۔ اور زر امانت جمع کرائیں۔ اور اس بنک کو خد[illegible]
پھیلانیکا ذریعہ بنائیں۔ زمانے کی تاریخ نے اس بات کا عملی ثبوت دیا ہے کہ کوئی قوم تر[illegible]
تاوقتیکہ اس قوم کے تمام لوگ مل کر کام نکریں۔ روپیہ ہے تو دینی اور دنیوی دونوں طر[illegible]
ہو جاتی ہے۔ ورنہ زر نیست عشق ٹیں ٹیں کا مضمون ہوتا ہے ؎

زر ناخدا ہے کشتیِ بحرِ حیات کا + زر رہنما ہے رہروِ راہِ نجات کا
دین داں اسی سے صدقہ و خیرات اسی سے ہو + آرام و عیش و لطف کی ہر بات اسی سے ہو

قوم و کلیسیا کے ستون زمینداران و زراعت پیشہ لوگ ہی زیادہ تر ہوتے ہیں۔ تاوقتیکہ انکو اٹھایا نہ جائے
اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوں۔ قوم ترقی کے میدان میں قدم آگے نہیں بڑھا سکتی۔ اسلئے ہر ایک مسیحی قوم
کے سچے عاشق کا فرض منصبی ہے کہ بنک کی حمایت تن من دھن سے کرے۔ اور جب پلے سے کوڑی خرچ نہ
ہوتی ہو۔ بلکہ فائدہ ہوتا ہو تو دریغ کرنا بعید از عقل تصور ہوگا۔ ایسے ذخیرے سے طرفین کو سود حاصل ہوتا ہے لینے
والے اور دینے والے دونوں کا بیڑا پار۔ واضح ہو کہ اس بنک سے نہ فقط اہل دیہات و زمینداران فائدہ اٹھا
سکتے ہیں۔ بلکہ شہروں کے مسیحیوں کو بھی یکساں حق حاصل ہے۔ بنک کا روپیہ فرداً فرداً سود پر نہیں دیا جاتا
جب تک کہ قرض لینے والے کے پاس کسی قسم کی جائداد غیر منقولہ نہ ہو۔ لیکن اگر چند مسیحی مل کر ایک انجمن یا
سوسائٹی بنا لیں تو کل کی ذمہ واری پر بخوشی روپیہ دیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بہت سہل طریقہ ہے۔ بڑا عمدہ
موقعہ ہے کہ مسیحی لوگ اس بنک سے فائدہ اٹھائیں کیونکہ آجکل روپیہ قرض پر اور جگہوں سے ملنا سخت
مشکل ہے + باقی حالات پروفیسر آئی۔ درگا پرشاد صاحب آنریری منیجر اور سکرٹری دی پنجاب
کرسچن سنٹرل کواپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور سے دریافت فرمائیں +

ایڈیٹر انچیف

دی پنجاب کرسچن سنٹرل کوآپریٹو بنک لمیٹڈ۔ لاہور

عرصہ تین سال کا ہوا کہ یہ بنک شہر لاہور میں کھولا گیا تھا۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کے دیہاتی مسیحیوں کی مالی حالت کو بہتر بنایا جاوے۔ ماس مُومنٹ کے ذریعہ سے جو لوگ مسیحی مذہب میں شامل ہوتے ہیں انکی مالی حالت نہ گفتہ بہ ہے۔ خواہ زراعت پیشہ ہوں یا صنعتی یا حرفتی کاموں میں لگے ہوئے ہوں ان لوگوں کو قرضی روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مسیحی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے جو بنئے بقال وغیرہ لیکر ان غیر مسیحیوں کو روپیہ اُدھار پر دے بھی دیتے تھے وہ بھی انکار کر دیتے ہیں اگر انکی مدد نہ کریں تو یہ لوگ نہ گھر کے رہیں نہ گھاٹ کے۔ بنا بریں بنک کے ذریعہ مسیحیوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ عمدہ سود کی شرح پر روپیہ امانت رکھیں۔ بنک کے حصص خرید کر عمدہ ڈیویڈنڈس منافع کما دیں۔ پچھلا ڈیویڈنڈ ۔۔۔ شرح کے حساب سے دیا گیا تھا۔ پچھلے تین سال کے عرصہ میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ دیا جا چکا ہے جو وقت مقررہ پر واپس آ رہا ہے اور تقریباً بارہ ہزار روپیہ سود ملت پر مع پیہ رکھنیوالوں کو پہنچ چکا ہے۔ سو یہ بات وہی ہے کہ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام حصص کی قیمت مبلغ ۵ روپیہ ہے جو سہ ماہی انسٹالمنٹ (قسط) میں واجب الادا ہے جو علاوہ شرح سود امانتی روپیہ کے واسطے ذیل میں درج ہے۔

تین ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ جو علاوہ زرِ جمع مستقل کے واسطے بشرح	۴½	فی صدی سالانہ
۶ ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ جو علاوہ زرِ جمع مستقل کے واسطے بشرح	۵½	فی صدی سالانہ
۱۲ ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ جو علاوہ زرِ جمع مستقل کے واسطے بشرح	۶½	فی صدی سالانہ

پچھلا بیلنس شیٹ منگوا کر بنک کی مالی حالت کا ملاحظہ فرماویں۔ بنک چلانے کے اخراجات نہایت کم ہیں سوائے ایک پورے وقت کے اکاؤنٹنٹ کے باقی سب عہدہ داران بلا اجرت قومی خدمت کر رہے ہیں

المشتہر

آئی درگا پرشاد۔ آنریری منیجر و سکرٹری

کریمی پریس لاہور نزد کوتوالی قدیم با اہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا [illegible] شائع کیا

مسیحی
لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۶۸۰
اگست ۱۹۲۴ء

ہندوستانی مسیحیوں کا مذہبی۔ اخلاقی۔ علمی و تمدنی ماہواری رسالہ

ایڈیٹرز (۱) ماسٹر کے۔ ایل۔ رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن سکول لاہور ایڈیٹر انچیف
(۲) مسٹر آئیون جیکب صاحب عاصی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ جائنٹ ایڈیٹر

فہرست مضامین

کل خط و کتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام ماسٹر کے۔ ایل۔ رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل سکول لاہور ہونی چاہیے
باقی خط و کتابت و ترسیل زر چندہ و عطیہ وغیرہ بنام مسٹر ڈی۔ خان۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ مینجر رنگ محل مشن سکول لاہور آنی چاہئیں قیمت سالانہ پیشگی مع محصولڈاک دو روپے ۸؍
۵۰ سے کم آمدنی والوں کے لئے فقط دو روپے

اشتہار کتب

الیڈواڈسے۔ یونان کے ملک الشعرا ہومر کی نظموں کا دلچسپ خلاصہ۔ صفحہ ۱۴۴ قیمت ۶ر

عیسیٰ کی سیرت۔ مسیح کی ذاتی خصلت و تعلیم کا بیان اور ان پر اعتراضات کی تردید۔ صفحہ ۲۱۶ ۔ ۹ پائی

خطاشکاگو۔ ابتدا سے ۱۹۲۳ء تک پنجاب و یوپی کے علاوہ [illegible] کی فہرست مع [illegible]

اعتراض المسلمین مع جواب۔ مسیحی دین پر محمدی صاحبان کے ۱۰۰ اعتراض اور ان کے جواب صفحہ ۱۴۸ مجلد ۸ر

کفارت ذنوب۔ مسیح کی موت و قربانی کا بیان اور چند سوالات کے جوابات۔ صفحہ ۵۹ ۔ ۹ پائی

کیفیت نامہ۔ بنی اسرائیل کے تمام بادشاہوں کا مفصل حال صفحہ ۳۳۳ ۔ ۲ر

کلام اللہ از روئے کلام۔ قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے کہ بائبل میں تحریف و تنسیخ نہیں ہوئی۔ پہلی بار ترجمہ ہو کر یہ کتاب اردو میں شائع ہوئی ہے۔ صفحہ ۹۵ ۔ ۴ر

کلام اللہ کے تجسم کے بیان میں۔ مقدس اتھنیسیس کا اس مضمون پر بہت ہی مشہور رسالہ ہے صفحہ ۶۰ ۲ر

مظہر ذات خدا۔ مصنفہ مولوی حسام الدین صاحب مسلمانوں کے لئے بالخصوص مفید صفحہ ۵۶ ۱ر

لڑکوں کا راہنما۔ لڑکوں کو ہر قسم کی بد عادتوں اور خراب صحبتوں سے بچانے اور صحت جسمی و دماغی کے بحال رکھنے کی تدابیر و ہدایات۔ صفحہ ۶۰ [illegible] کپڑا ۸ر

محبوب آتا ہے۔ پادری جان میکنیل صاحب کی کتاب کا ترجمہ مسیح کی آمد ثانی کے بیان میں صفحہ ۸۵ ۴ر

مجموعہ رسائل۔ مسٹر جیمس منرو صاحب و ڈاکٹر راؤس صاحب کے ۶ رسالے اہل اسلام کے لئے صفحہ ۲۳۵ ۳ر

مسیح کی زندگی کے سادہ اسباق۔ بچوں اور ناخواندہ لوگوں کی تعلیم کے لئے صفحہ ۹ ۔ ۱ پائی

مسیح مصلوب۔ مسیح کی تصلیب پر بحث۔ اور اس امر میں قرآن اور انجیل برنباس پر تبصرہ۔ صفحہ ۴۸ .. .. ۳ر

مسیحی مذہب کے ابتدائی حالات انجیل لوقا اور اعمال الرسل کے مطابق مع چند دعاؤں و غزلوں کے۔ صفحہ ۳۲ .. .. ۳ر

المشتہر۔ سکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی۔ انارکلی لاہور

یا مسیح

آتا ہے یاد مُجھ کو گزرا ہوا زمانہ

فیضانِ مسیحی سے ہے یاں بسرِ چراغاں

پروانہ ہے حیراں اِدھر آئے اُدھر آئے

اس ماہ کے نمبر میں ہم ایک پُرانے زمانے کی تصویر کو زیب رسالہ کرتے ہیں۔ ہم اس تصویر کو بڑی وقعت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ اگر اس پر گہری نظر ڈالیں تو بڑے بڑے نکتے ہمارے فائدے کے لئے نکل آئینگے۔ اِس تصویر میں اگلے وقتوں کے دیسی اور بدیسی مسیحی پائے جاتے ہیں اِس لئے ہم اپنے شائقین و ناظرین کی دلچسپی اور ملاحظے کے لئے پیشکش کرتے ہیں۔ یہ تصویر کوئی ۴۰-۵۰ سال کا عرصہ ہوا اسی ہمارے امرتسر شہر میں لی گئی تھی۔ اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے ان میں سے سوائے ایک صاحب کے سب اپنے آقائے نامدار کے آرام میں داخل ہو چکے ہیں۔ اِس تصویر کے لئے ہم اپنے معزز دوست مسٹر ایس۔ ڈیوڈ صاحب آنریری مجسٹریٹ لائل پور کے تہ دل سے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے ازراہِ مہربانی یہ قیمتی تصویر ہمیں عنایت فرمائی ہے۔ ہم تو ایسی تصویروں کی نہایت قدر کرتے ہیں اور مسیحیوں کی جائداد لازوال سمجھتے ہیں کیونکہ یہ تصویر ہمیں بہت سے عمدہ سبق سکھاتی ہے ؎

ہے فیض سے وفا کہ مری نگاہ میں

جس شاخ میں ثمر ہے وہ ہے لاکھ من کی شاخ

اِس تصویر میں ہماری قوم کے وہ برگزیدہ بزرگ رونق افروز ہیں جن کو کلیسیا کی

عمارت کے رکن کہنا بجا ہے۔ ان بزرگان کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ تک تازہ رہیگی۔ اور ہر زمانے میں مسیحیوں کی آنے والی پشتیں پیڑھی در پیڑھی ان کی محبت کا دم بھریگی۔

جس زمانے کی یہ تصویر ہے وہ واقعی ایک عجیب زمانہ تھا۔ اگرچہ عام طور پر یہی قاعدہ ہے کہ لوگ پُرانے زمانے کو ہمیشہ گولڈن ایج یا ستُ جُگ سمجھا کرتے ہیں اور شاید یہ مبالغہ ہی ہو مگر قوم مسیحی کی تواریخ پر نظر ڈالنے سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ پچھلا زمانہ ہی اچھا تھا۔ پہلے جو دیسی اور یورپین مسیحی گزر چکے ہیں انکا ثانی آج چراغ لیکر ڈھونڈو تو نہیں ملتا۔ اُنکا رنگ روپ۔ وضع قطع۔ نشست و برخاست کچھ اَور ہی تھے۔ اُنکا لباس سادگی میں عجب بانکپن دکھاتا تھا۔ دیسی مسیحی عموماً مشرقی لباس پہنتے تھے اور وہ انپر خوب کھلتا تھا۔ جامہ زیبی کے علاوہ اُنکی شکل وصورت سے عجب رعب وداب اور متانت ٹپکتی تھی۔ اب وہ لوگ کہاں!

اگرچہ اس تصویر میں خاص طبقے کے لوگ پائے جاتے ہیں جنکا تعلق ایک خاص مشنری سوسائٹی سے ہے۔ اور یہ ہماری قوم کی بدقسمتی ہے کہ کلیسیا کے اندر مختلف جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں گو کیا کیا جائے۔ ہر چند ہمنے کوشش کی کہ ایسی تصویر دستیاب ہو جس میں اُس زمانے کے ہر مشن اور ہر کلیسیا کے بزرگ جو سب عزت وقدر کے لائق ہیں پائے جائیں۔ مگر افسوس ہماری کوششیں ناکامیاب رہیں۔ مجبوراً تصویر موجودہ پر اکتفا کرنی پڑی۔

اسی تصویر میں بہت سے اصحاب ایسے ہیں جنکی زندگی کے حالات اس قابل ہیں کہ اُنکو بجائے خود فرداً فرداً بیان کیا جائے تاکہ وہ موجودہ زمانے کے مسیحیوں کے جوش اور حوصلے بڑھا سکیں۔ اور ترقی کی اُمنگ اور نیکی کے جذبات کو تحریک دیں۔ خدا نے چاہا تو ہم وقتاً فوقتاً اپنے ناظرین کے سامنے ان بزرگوں کے مجمل حالات پیش کریں گے۔ لیکن اس دفعہ ہم صرف اُن خیالات کا

ذکر کرتے ہیں جو اِس تصویر کے دیکھنے سے ہمارے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ یعنے وہ سبق جو ہم اپنے روحانی اور تمدنی فائدے کے لئے حاصل کر سکتے ہیں ۔ یہ تصویر چند خاص باتوں پر دلالت کرتی ہے۔ انکا ذکر ہم سب سے آخر میں کرینگے۔ ان باتوں کی طرف رجوع ہونے سے پیشتر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے ناظرین کا تعارف اِن بزرگان سے کرا دیں ۔

تارا سا ہوں میں تہ میں کنوئیں کی برنگِ آب
نام آسماں پہ میرا ہے زیرِ زمیں ہوں میں ۔

بائیں طرف سے دیکھئے۔ جو بزرگ زمین پر بیٹھے ہوئے زمین کو رشکِ آسماں بنا رہے ہیں ۔

۱۔ آپ دیوان صاحب دیال ہیں۔ امرت سر کے پاس ایک چھوٹی سی ریاست فتح گڈھ کے ایک معزز خاندان میں سے تھے۔ تمام دُنیوی حشمت وجلال کو چھوڑ کر اپنے خداوند کے در کی گدائی اختیار کی اور بڑی پاک دلی اور سادگی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ پہلے پہل امرت سر میں اسسٹنٹ ماسٹر رہے پھر جنڈیالے میں مہتمم پاسبان کے عہدہ پر سرافراز ہوئے۔ نہایت فرشتہ صورت اور فرشتہ سیرت تھے ۔

۲۔ ان سے آگے لمبی ڈاڑھی والے ریشائیل بزرگ پادری بیٹ مین صاحب ہیں۔ آپ ایک عجیب وغریب شخصیت کے آدمی تھے۔ جو کام انہوں نے کیا زیادہ نہیں تو کئی صدیوں تک اُس کا ظہور رہیگا۔ دیسی مسیحیوں کے سچے خیرخواہ اور دوست تھے۔ نارووال میں انہوں نے فقیرانہ زندگی بسر کی اور ایک چھوٹی سی کچی کوٹھڑی میں برسوں نکال دیئے۔ سیالکوٹ نارووال کے علاقے میں جو کام ہوا انہی کی بدولت ہوا۔ عجب مردِ خدا تھے۔ ڈاکٹر آئی۔ این۔ پی۔ ڈٹا۔ پادری وارث الدین۔ رائے بہادر مسٹر میا داس اور کئی اَور صاحب انہی کی کوششوں سے مسیحی ہوئے۔ غرض جو انکی ریش سفید کے جال میں شکار پھنس وہ ا[illegible] گئے

دامِ محبت کا ایسا بندہ۔ بے دام ہوا کہ کبھی نہ نکلا ✦

۳۔ پادری بیٹ مین کے بائیں ہاتھ پر ان کے دائیں بازو پادری فتح مسیح صاحب تشریف فرما ہیں۔ آپ نارووال ہی کے رہنے والے تھے۔ افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ جتنے عرصے رہے بہت اچھا کام کیا۔ مانے ہوئے واعظ تھے۔ عمر وفا کرتی تو اور زیادہ نام پیدا کرتے۔

۴۔ انکے آگے پادری قطب الدین صاحب ہیں جنہوں نے برسوں تقریباً ساری عمر ترن تارن میں گزاری۔ اس زمانے کے عجیب آدمی تھے۔

۵۔ انکے قرب میں مسٹر فیلبوس کے قدوم میمنت لزوم کو زمین بوسہ دے رہی ہے۔ آپ ہمارے موجودہ رکن قوم مسٹر ایچ۔ فیلبوس۔ ای۔ اے سی منٹگمری کے والد ماجد تھے۔ امرتسر میں ریلجس بک سوسائٹی کے ۳۰ سال مینجر رہے بڑی مسیحی غیرت رکھتے تھے۔

ناظرین اب دربارِ مسیحی کے کرسی نشینوں سے ملئے اور بائیں طرف سے ہوتے ہوئے چلئے۔

۶۔ سب سے اول ہمارے فخرِ قوم و بزرگ پادری ڈاکٹر عماد الدین لاہز ڈی۔ ڈی ہیں جن کو اگر ملک الواعظین کا خطاب دیا جائے تو بجا ہے۔ آپ جیسا واعظ ابتک کوئی مسیحی قوم میں نہیں ہوا۔ اور نہ ہوگا۔

۷۔ آپ کے دوش بدوش بابو رلیا رام صاحب مشہور و معروف وکیل امرتسر ہیں جو اپنی قوم کی بہتری میں بڑا حصہ لیتے تھے۔ آپ کے چار صاحبزادے پنجاب کو چار چاند لگا رہے ہیں (۱) رائے بہادر لالہ موہن لال سرکاری وکیل گورداسپور (۲) رائے بہادر لالہ سوہن لال سٹی مجسٹریٹ دہلی (۳) مسٹر کندن لال ہیڈ ماسٹر رنگ محل سکول لاہور۔ (۴) مسٹر بہاری لال بی۔ اے۔ بی ٹی

۸۔ انکے پہلو بہ پہلو انکے دوست ڈاکٹر وائیٹ برخت صاحب ہیں۔ جو برسوں سی۔ ایم۔ ایس کے سکرٹری رہے اور آجکل ولایت میں ایک بڑے معتبر مشنری عہدے پر

سرافراز ہیں۔ انکی لیاقت کے کیا کہنے ہیں۔ بائبل شریف کے ترجمے کے پنجاب میں مہتمم رہے ہے۔ دلیسیوں سے آپ کو سدا کا اُنس ہے۔ اردو زبان کو بڑے فخر سے بولتے اور پڑھتے تھے۔

۹۔ ان کے آگے عین مرکز میں بزرگ پادری رابرٹ کلارک صاحب سورج کی طرح چمک رہے ہیں۔ اسی آفتاب کے محور کے گرد یہ سب مسیحی چاند اور تارے پھرتے تھے۔ آپ کی کیا بات ہے۔ ہر دلپسندیدہ گہات ہے۔ نورانی صورت روحانی سیرت۔ آپ کا ثانی شاید ہی پیدا ہو۔ دیسی مسیحیوں کے سچے خیر اندیش یہی کہنا کافی ہے کہ کلارک آباد آپ کی مستقل یادگار ہے۔ جتنے مسیحی وہاں ہیں وہ اپنی زمینوں کا روحانی خراج اسی فیض کے بادشاہ کو ادا کرتے ہیں۔

۱۰۔ انکے آگے پادری پارکنز صاحب ہیں جو سابق میں بہ عہدۂ کمشنری جالندھر اور لاہور ممتاز تھے۔ شروع ہی سے آپ مشنری طبیعت کے آدمی تھے۔ کمشنری کو طلاق دے کر مسیحی دُلہن سے ایسا پاک نکاح کیا کہ اٹاری کے پاس مقام آسراپور میں اسکی تن من دہن سے خدمت کرنے میں جان لڑادی۔

۱۱۔ آگے چلکر نورانی ڈاڑھی والے پگڑی پہنے ہمارے ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب ہیں۔ جو لوگ ذرا بڑی عمر والے ہیں اُنکو ڈپٹی صاحب کا مباحثہ مرزا غلام احمد قادیانی سے یاد ہو گا۔ عجیب مسیحی طبیعت اور غیرت وحمیت والے آدمی تھے۔

۱۲۔ ان سے آگے پادری یعقوب علی صاحب ہیں جو کافی عرصہ تک لاہور میں کام کرتے رہے ہے۔ بڑی بہادری سے مردانہ لڑے اور کامیاب ہوئے۔

اب پچھلی قطار میں چلئے۔ ان میں قابلِ ذکر تو سب ہی ہیں مگر افسوس کہ ان میں سے بعض کے نام تک بھی معلوم نہ ہو سکے۔ کام تو در کنار۔ خیر ہماری ناواقفیت ان کا کوئی نقصان نہیں کر سکتی کیونکہ ان سب کے نام نامی برّے کی کتابِ حیات میں مع ان کے کارناموں کے سُنہرے حروف میں درج ہیں۔ اور ایک دن تمام دنیا کے سامنے ڈنکے کی چوٹ پڑھے جائینگے۔

۱۳۔ تیسرے نمبر پر پادری صادق مسیح ہیں۔ بہت عرصہ اجنالے میں خداوند کی خدمت میں گزارا۔

۱۴۔ انکے ساتھ بابو ایشان چندر سنگھا کھڑے ہیں۔ انکے نام نامی سے کون واقف نہیں۔ نیک چلنی اور روانائی کے چشمے تھے۔

۱۵۔ انکے آگے پادری دینا ناتھ صاحب ہیں جو ہمارے موجودہ پاسٹر ٹرنٹی چرچ کے والد بزرگوار تھے طبیعت میں حد درجہ کا انکسار تھا۔ علم اور سادہ مزاجی انہی کا حصہ تھا۔

۱۶۔ آگے چلو تو جگر تھام کے۔ کیوں ہمارے منصف شیر سنگھ جو کھڑے ہیں۔ بڑے غیور مسیحی تھے۔ سرکاری ملازم ہو کر انہی کا کام تھا کہ چھٹیاں لے کر بڑی سرگرمی سے مسیحی خدمت بجالاتے تھے اور کسی قسم کی سردمہری اور کوتاہی نہ کرتے تھے۔

۱۷۔ دو بزرگ چھوڑ کر بابو متر سے ملئے۔ دو تین سال ہوئے کہ معلم الملکوت بنگئے ہیں۔ امرت سر کے ہیڈ ماسٹر کیا جگت استاد تھے۔ اگر انسان فرشتہ بن سکتا ہے تو وہ بابو متر تھے جن کے دل میں کسی کیطرف سے برا خیال پیدا ہی نہ ہوتا تھا۔ خدا کی بادشاہت کو چھوٹے بچوں کی طرح قبول کیا تھا۔ ع۔

"خدا رکھے تم ہی تم ہو۔ نظر پڑتی ہے عالم کی"

۱۸۔ سب سے پیچھے مگر رہبری میں سب سے آگے بابا الیاس کیٹی کسٹ بھولے بھٹکوں کو راہ بتانے والے بحر معصیت میں ڈوبتی ہوئی کشتیوں کا بیڑا پار کرنیوالے رونق محفل مسیحی ہیں۔

سبق تصویر کے دیکھنے سے جو سبق ہم سیکھتے ہیں وہ مفصلہ ذیل ہیں:-

۱۔ جتنے بزرگ اس تصویر میں ہیں انکی شکل وصورت وضع اور لباس صاف بتاتے ہیں کہ یہ لوگ اعلیٰ خاندانوں سے آئے ہیں۔ یہ کوئی خود بخود مسیحی دین میں شامل نہیں ہوئے بلکہ مشنری صاحبان کی سرتوڑ کوششوں کا ثمرہ تھے پس معلوم ہوا کہ ہمارے پرانے مشنری بزرگ بھی اعلیٰ طبقے کے لوگوں میں کام کرنا قرین مصلحت سمجھتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ کسی ملک کا دین وہ ہے جو اس ملک کے شرفا

کا دین ہے۔

۲۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پُرانے مسیحیوں کا طریق معاشرت زیادہ تر مشرقی تھا دیسیوں کی طرح رہتے سہتے تھے۔ طبیعت میں سادگی اور خصلتوں میں شرافت۔ شکلوں میں رعب اور متانت ایسی تھی کہ آجکل کے مسیحیوں میں اسکا جواب نہیں۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صرف مسیح کی محبت انہیں اپنے دامِ الفت میں پھنسا کر لائی ہے۔

۳۔ تصویر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشنری اور دیسی مسیحیوں میں آپسمیں بڑی رفاقت ویگانگت تھی جس طرح سے یورپین اور دیسی صاحبان بیٹھے ہیں اُس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِن میں آپسمیں کیا کچھ رفاقت اور ملنساری ہوگی واقعی ہر دو قوم میں بہت میل و محبت تھی اور وہ بھی دلی۔ آجکل تو دیسیوں کے دل بدیسیوں سے اور بدیسیوں کے دیسیوں سے کوسوں دور ہیں۔

ے

ہے جوں شیشۂ ساعت وہ مکدر دونوں
کبھی مل بھی گئے دو دل جو کدورت والے
صفحۂ دہر پہ یک دل نہوا ایک سے ایک
دل کے دو حرف ہیں سو وہ بھی جدا ایک سے ایک

اِن دنوں میں اگرچہ مسیحیوں کا شمار بڑھتا جاتا ہے لیکن پیار اور خلوص گھٹتا جاتا ہے۔ عام طور پر ہر ایک مسیحی کی زبان سے یہ شکایت سنی جاتی ہے کہ پہلی سی فراخدلی۔ ہمدردی اور محبت اب مسیحیوں میں نہیں پائی جاتی۔ اب تو نفسا نفسی پڑی ہوئی ہے۔ ایک کو ایک مارے حسد کے کھاتا پیتا دیکھ نہیں سکتا۔ جس زمانے کی تصویر ہم نے اپنے مکرّم ناظرین کے سامنے پیش کی ہے اس سے اور ان بزرگوں کے احوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں کسقدر اپنایت تھی۔ ہمیشہ ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک اور ایک دوسرے کی ترقی سے خوش ہوتے تھے۔ دوسرے کے کام کو اپنا کام۔ دوسرے کے بال بچوں

بیٹیوں کو اپنے آل و عیال سمجھتے تھے۔ اولاد بھی خدا رکھے ایسی ہوتی تھی کہ تمام
رگوں کو والد کی جگہ سمجھتی تھی۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ یہ بزرگ اپنے بچوں کو ہمیشہ
سبق نہ فقط باتوں میں بلکہ عملی صورت میں دیتے رہا کرتے۔ ہم کو اپنے ذاتی
ربے سے یاد ہے کہ پادری صاحبان اور بابو متر۔ بابو سنگھا وغیرہ کی ہم ایسی
یت کرتے تھے جیسے اپنے سگے والد بزرگوار کی۔ اور یہ بزرگ بھی ہم میں ایسی ہی
سپی لیتے تھے جیسے اپنے بچوں میں۔ واقع میں یہ بڑا عجیب زمانہ تھا جو اب فسانہ
گیا ہے۔ خدا کرے کہ جو اوصاف ہماری قوم میں پہلے پائے جاتے تھے پھر پیدا
جائیں اور وہ اچھے دن پھر آئیں۔ کاش کہ وہ میل جول جو مشنری صاحبان
یسی مسیحیوں سے رکھتے تھے۔ پھر تازہ ہو۔ اُس زمانے کے مشنری دیسیوں کے
روں میں رہتے۔ دیسی کھانے کھاتے۔ دیسیوں سے پوری ہمدردی اور دلچسپی
کھتے تھے۔ اپنی سوسائٹی کو چھوڑکر دیسیوں سے میل و رغبت رکھتے۔ انہیں
ٹھتے بیٹھتے تھے۔ دیسیوں کی زبان بڑی کوشش سے سیکھتے اور اسپر فخر کرتے تھے۔
مکل تو دو فقرے بھی کوئی مشنری صاحب درست نہیں بولنا چاہتے۔ پہلے مشنری
لوگوں کی زبان کے پورے پورے واقف کیا ماہر ہوا کرتے تھے۔ پادری وہائٹ
یٹ اور پادری بیٹ مین صاحب پنجابی اس فصاحت سے بولتے تھے کہ کوئی
بی کیا بولیگا۔ بلکہ دیسی طبیعت اور دیسی رسم و رواج کے پابند ہوتے تھے۔
قات کے وقت دیسیوں کی طرح گلے ملتے مصافحہ و معانقہ کرتے۔ دیسیوں
طرح ایک ایک کی نسبت دریافت کرتے تھے۔
م۔ جتنے بزرگ اُس زمانے میں تھے اُنکو ہندو مسلمانوں اور اپنے غیر مسیحی رشتہ داروں
سے بڑا اُنس تھا۔ آجکل کیطرح رشتے ناطے نہ توڑ بیٹھتے تھے۔ مسیحی چال چلن رکھتے
ہوئے انکی خدمت اور رفاقت میں بڑا حصہ لیتے تھے۔ ہندو مسلمان بھی انکا
ادب کرتے تھے اور بڑی عزت کی نگاہوں سے اُنہیں دیکھتے۔ بسا اوقات
اپنے خانگی معاملات میں ان سے صلاح و مشورہ کرتے اور اُنسے فیصلے لیتے تھے

اور جو کچھ یہ کہتے سر آنکھوں پر رکھتے۔ یہاں تک کہ جب یہ مسیحی ہو جانے کی ترغیب
اُنہیں دیتے تو کوئی انکے آگے دم نہ مار سکتا۔ ہر بات کو لغور سنتے اور انکے چال
چلنوں کو دیکھ کر مسیحی دین کی فوقیت کے دل سے قائل ہوتے تھے۔ افسوس اب
وہ زمانہ نہیں رہا۔ آجکل کے مسیحیوں کو کوئی گردانتا ہی نہیں۔ ہر جگہ انگشت نمائی
کرتے ہیں۔ کاش کہ وہ عمدہ زمانہ پھر آئے اور ہماری قوم کا پچھلا سا اعتبار ہمارے
نیک چال چلن کے باعث دوبارہ قائم ہو۔ آمین۔ ثم آمین ؛

(ایڈیٹر)

کتاب حیات

"ہر ایک ہم میں سے خدا کو اپنا اپنا حساب دیگا"۔ (رومیوں ۱۴: ۱۲)

ہر فرد بشر کو اپنے اعمال کا جواب خدا تعالےٰ کے حضور میں دینا ہوگا۔ ہم کوئی
مشین تو ہیں نہیں کہ جسطرح چلا دیا گھوم رہی ہے۔ خداوند سبحانہٗ تعالیٰ نے ہمکو حق و
ناحق کے درمیان فیصلہ کرنے کی عقل عنایت فرمائی ہے۔ اور خود مختار پیدا کیا ہے
لہذا ضرور ہم سے ہمارے افعال کی حساب فہمی ہوگی۔

انسانی زندگی کو ہم ایک کتاب سے تشبیہ دے سکتے ہیں جس میں ہر ایک
دن کے لئے ایک صفحہ مقرر ہے اور لمحہ کے لئے ایک سطر۔ جب ہم سو کر اٹھتے ہیں
تو یہ صفحہ بالکل کورا ہوتا ہے۔ لیکن رات ہونے تک وہ ایک سرے سے دوسرے
سرے تک بھر جائیگا۔ اور ہر ساعت اور ہر لمحہ کی کہانی جداگانہ ہوگی۔ لکھنے والے ہم
خود ہیں۔ خواہ ہم انہیں لغویات سے پُر کریں یا اعمالِ حسنہ سے۔ خواہ ہم ان میں ایثار
کے جلوے دکھائیں یا خود غرضی کے۔ جب ہم ایک دفعہ لکھ چکے تو پھر مجال نہیں
کہ ایک ورق کو بھی پھاڑ کر ادھر اُدھر کر سکیں۔ خدا تعالیٰ سے کوئی بات چھپ
نہیں سکتی۔ ہم اپنے لکھے کو فراموش کر دیں لیکن ہمارا خدا تو اُسے ہمیشہ یاد رکھتا ہے

کل جو صفحہ لکھا جاچکا ہم اُس میں تغیر نہیں کر سکتے۔ لیکن جو صفحے کہ ابھی لکھنے باقی ہیں ہمیں چاہئے کہ انہیں احتیاط سے معمور کریں۔ فضولیات میں عمر ضائع نہ ہونے دیں۔ کیونکہ ایک دن آئیگا کہ یہ کتاب زندگی تمام ہو جائے گی اور اُسکے ساتھ ہمارا بھی خاتمہ ہو جائیگا اور بروزِ حساب ہم سے حساب لیا جائیگا۔ ہمیں لازم ہے کہ بڑی احتیاط سے زندگی کی کتاب کی خانہ پُری کریں۔ اور کوئی ایسی بات نہ ہونے دیں کہ جس سے ہمیں خدا کے سامنے شرمندگی اُٹھانی پڑے۔ جو احکام کہ خداوند نے ہم پر فرض کئے ہیں ہمیں اُنکی تعمیل کرنی چاہئے۔ اسکے اوامر کو بجالانا چاہئے اور نواہی سے بچنا چاہئے۔ ہمیں "دست بکار دل بیار" کے مقولہ پر کاربند ہونا چاہئے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی یاد اور محبت ہی ہمکو ارتکاب گناہ سے بچائے گی +

روما کے ایک شہنشاہ کا ذکر ہے کہ ہر شب اپنے دن کے افعال کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ اور جس روز کوئی نیک کام نہوتا تو کہتا کہ افسوس! یہ دن ضائع گیا + پس کیا ہی بھلی ہے وہ زندگی جو نیک کاموں میں صرف ہو۔ اور خدا کی فرمانبرداری اور خوف اور محبت میں گزرے۔ کیونکہ رسول فرماتا ہے کہ وہ ہر ایک کو اُسکے کاموں کے موافق بدلا دیگا جو نیکو کاری میں ثابت قدم رہکر جلال اور عزت اور بقا کے طالب ہوتے ہیں۔ اُنکو ہمیشہ کی زندگی دیگا۔ مگر جو تفرقہ انداز اور حق کے نہ ماننے والے بلکہ ناراستی کے ماننے والے ہیں اُن پر غضب اور قہر ہوگا۔ اور مصیبت اور تنگی ہر ایک بدکار کی جان پر آئے گی۔ پہلے یہودی کی پھر یونانی کی۔ مگر جلال اور عزت اور سلامتی ہر ایک نیکوکار کو ملے گی۔ پہلے یہودی کو پھر یونانی کو کیونکہ خدا کے ہاں کسیکی طرفداری نہیں۔ (رومیوں ۲ : ۶ تا ۱۱) +

راقم حشمت اللہ منشی فاضل

کلیسائی انتظام

کپتن علی بخش صاحب کا دہرایا ہوا مضمون۔

آجکل کلیسائی انتظام کا چرچا جابجا پھیل رہا ہے۔ اہل فکر مسیحی احباب کچھ حیران ہیں کہ دیسی کلیسا کونسا انتظام اس ملک میں اختیار کرے۔ ابتک جتنے انتظام ہمارے سامنے ہیں وہ سب پردیسی ہیں۔ پردیسی مشنریوں کے ذریعے سے مسیحی مذہب کو ہم نے سیکھا اور جس فرقے یا کلیسا سے ہمارے مشنری صاحبان کا تعلق تھا اُسی سے اِن نومریدوں کا تعلق ہوگیا۔ اور اِس میں کچھ گناہ نہ تھا۔ ہم لوگوں نے مسیح کو قبول کیا اور اُسی کو نجات دہندہ مانا اور اُسکے سوا جو کچھ تھا اُسے غیر ضروری جانا اور کلیسائی انتظام کو نہ نجات کے وسیلے میں شامل کیا اور نہ اُسے نجات میں حارج جانا۔ اور یہ پوزیشن دیسی مسیحیوں کی بہت اعلیٰ اور ضروری تھی لیکن تقریباً ایک صدی سے دیسی مسیحیوں کا شمار بڑھنے لگا اور چند سالوں کے اندر ہی لاکھوں کا شمار ہوگیا۔ اب اس بڑھتی میں ایک نقص نظر آنے لگا کہ باوجود تعدادی ترقی کے اِن کا جو بھی اثر غیر مسیحی ہندوستانیوں پر پڑنا چاہیئے تھا وہ موہوم سا دکھائی دیا۔ جو مجموعی طاقت ہونی چاہیئے تھی وہ تقریباً نادر و تھی۔ ایک اکیلا اور ایک اور ایک گیارہ کا اصول بے معنے سا ہوگیا۔ اور یہ مثل کہ پنجے سے تنکے کی چوٹ کڑی پڑتی ہے اس جماعت کی زندگی میں نظر آئی جو جماعتی جدوجہد دوسری چھوٹی جماعتوں میں نمایاں ہے یہاں وہ کالعدم کا حکم رکھتی ہے۔ بشارتی خدمات جو دوسری چھوٹی غیر مسیحی جماعتیں ہماری آنکھوں کے سامنے سرانجام دے رہی ہیں وہ ہماری آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر رہی ہیں۔ ملکی امور میں اُن کی سعی وکوشش ہم کو شرمندہ کر رہی ہے گو چند افراد اس سے مستثنےٰ ہوں لیکن میں جماعتی نقطۂ خیال سے یہ لکھ رہا ہوں۔ ہماری نیشنل

مشنری سوسائیٹیاں نقش بر دیوار کی طرح ساکن ہیں۔ ہماری انڈین کرسچن کانفرنسیں
اور کونسلیں شخصی مفاد و اغراض کا شکار بن گئیں۔ یہ آفت آئی تو کہاں سے
اور کیسے۔ پردیسی مشنری صاحبان جو کچھ کر رہے ہیں ہم بھی انکی لکیر کے فقیر
ہیں۔ اگر سکول ہیں تو اُنکی جان کو دعائیں دیتے ہیں۔ اگر ہسپتال ہیں تو انکے
راگ گا رہے ہیں۔ اگر اخبار یں ہیں تو اُنکے روپے سے جاری ہیں۔ اگر بشارت
ہے تو اُنکے دم سے۔ پاسبانی کا کام اگر کہیں کامیاب نظر آتا ہے تو اُسکے روح رواں
بھی پردیسی ہیں۔ جہاں دیسیوں کے ہاتھ میں کچھ کام آیا وہاں تھوڑے ہی عرصے
کے بعد مکھیاں بھنکنی شروع ہو گئیں۔ لیکن کسی مشنری کو ہتھے چڑھا لیا اور کہیں
چند متمول مسیحی صاحبان کو قابو کر لیا پھر کیا تھا غریب کس مپرسی میں جا پڑے۔
یہ ساری مصیبت و خرابی اگر آئی تو کلیسائی انتظام سے۔ یہ لاپرواہی پیدا
ہوئی تو اس غیر طبعی اور پردیسی انتظام سے۔ وہ انتظام تو معصوم تھا۔ اور
شروع میں نقصان دہ نہ تھا۔ لیکن چونکہ وہ باہر کیطرف سے ہمارے سر پر رکھا گیا
تھا اور ہم اُسکے قابل نہ بنے تھے۔ اور وہ ہماری ضروریات اور حالات کے
مطابق نہ تھا جس سے کہ ہماری طبیعت مانوس ہوتی اور وہ ہماری طبع کے موافق
ہوتا۔ اسلیے بتدریج وہ انتظام ہمارا طبعی انتظام نہ ٹھہرا۔ بلکہ ایک بیرونی خارجی
انتظام رہا اور ہماری روحانی ترقی اور جدّ و جہد کی تحریک میں ممد و مددگار
نہ ہو سکا۔ پردیسی اور غیر دیسی مدبران کلیسیا اور ہاویان قوم نے آخر کار اس سُقم
و نقص کو دریافت کر لیا اور کلیسیائی انتظام کو دیسی طبیعت مزاج و حالات
کے مطابق بنانے کی ٹھان لی۔ لیکن اس خیال و ارادے کو عملی جامہ پہنانے
میں ہمیں قدیم کلیسیا سے مدد لینی پڑے گی جب کہ حالت تقریباً ایسی ہی تھی۔
جیسی کہ اب ہے سوائے چند مستثنیات کے جنکا ذکر آگے چل کر ہوگا۔

قدیم کلیسیا۔ شروع شروع میں سارا اختیار کلیسیائی انتظام کا رسولوں کو
حاصل تھا۔ نہ کاہنی طور پر بلکہ کلیسیا کے کامل نمائندہ ہونے کی حیثیت سے۔

چنانچہ انکا شمار بھی اس امر کا شاہد ہے کہ وہ کاہنی فرقے کے نمائندہ نہ تھے۔ بلکہ اسرائیل کے بارہ بڑی آرکوں کے۔ خدا کی نئی امت کے یہ مرکز تھے۔ اور یسوع مسیح کے پہلے گواہ تھے۔ انکی یہ صفت کہ وہ گواہ تھے کسی دوسرے کے ورثہ میں نہ آسکتی تھی۔ کیونکہ اُنکے جانشینوں اور قائم مقاموں کی نسبت یہ کہنا کہ وہ اُس معنے میں یسوع مسیح کے گواہ تھے سراسر غلط ہوگا۔ نہ وہ کلیسیا کے حاکم تھے نہ اُنکو مطلق العنان اختیار حاصل تھا جب اُنکو اپنے شمار کی کمی پورا کرنے کی ضرورت پڑی تو اُنہوں نے ساری کلیسیا کو جمع کر کے فیصلہ کرنے کی درخواست کی۔ (اعمال ۱: ۲۳)۔ جب غیر قوم مسیحیوں اور یہودی مسیحیوں کے تعلقات میں سوال اُٹھا تو یروسلم کے سارے مسیحیوں نے آزادانہ کانفرنس میں جمع ہو کر فیصلہ کیا۔ (اعمال ۱۵-۶ سے ۲۲) کلیسیائی مختلف عہدے موسوی کہانت کے طریقے سے الٰہی مداخلت کے وسیلے قائم نہ کئے گئے بلکہ کلیسیا کی حسب ضرورت کلیسیائی انتخاب اور تقرر کے ذریعے سے۔ رسولی عہدے کی طرح باقی سارے عہدے نمائندگی کے اصول پر مبنی تھے نہ کہانت کے اصول پر۔ مثلاً جب سات ڈیکنوں کو یونانی مسیحیوں میں سے چنا تو کلیسائی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے چنا نہ کہ کسی ماقبل حکم و تعین کے باعث۔ کلیسیا نے ایسے عہدے کے مقرر کرنے کا فیصلہ کیا اور کلیسیا ہی نے اس عہدے کیلئے اپنی مرضی سے اُن ساتوں کو چنا (اعمال ۶- ۲ سے ۵) پریسبٹر یا بشپ کے عہدہ پر بھی یہی صادق آتا ہے۔ کیونکہ نئے عہد نامے میں یہ دو لفظ بالکل ہم معنے و مترادف ہیں (اعمال ۲۰- ۱۷ سے ۲۸ ططس ۱-۵) یہ عہدہ بھی عوام الناس نے بذریعہ انتخاب قائم کیا (اعمال ۱۴-۲۳) جیسا کہ ساتوں (ڈیکن) کا عہدہ قائم ہوا تھا۔ یہ عہدے ہیکل کے انتظام سے مستعار نہ تھے بلکہ عبادتخانوں کے انتظام کے نمونے پر تھے۔ تعلیم دینے کا انعام پریسبٹروں میں ہی محدود نہ تھا بلکہ غالباً بعض پریسبٹروں کو شاید یہ انعام حاصل بھی نہ تھا۔ کیونکہ پولس رسول نے بڑی خبرداری سے اُنکا الگ ذکر کیا جن کو کہ یہ انعام حاصل تھا (تمتھیس ۵-۷۔ افسیوں ۱۴-۱۱)

ہر مسیحی کا حق تھا کہ کلیسیا میں تعلیم دے (اکرنتھی ۱۴: ۲۶) الغرض رسولی زمانہ کی کلیسیا میں یہ کاہنی انتظام نہ تھا جو پیچھے قائم ہوگیا اور آج تک رومی اور بعض دیگر کلیسیاؤں میں چلا آیا ہے۔ کلیسیا کی ضروریات جیسے بڑھتی گئیں اور جیسی ضرورت پیدا ہوتی رہی یہ عہدے اِسی نمائندگی کے اصول پر مقرر ہوتے گئے نہ حکمران کہانت کے اصول پر۔

یروشلم کی ہیکل کے برباد ہونے کے بعد رہا سہا کاہنی انتظام بھی جاتا رہا اور محض کلیسیائی انتظام قائم رہا۔ اصلاح کے دنوں میں جب انگریزی کلیسیا کا تعلق رومی کلیسیا سے منقطع ہوگیا تو انگریزی کلیسیا میں کوئی آرچ بشپ یا کارڈنل نہ تھا۔ جو بشپوں کو مقرر کرسکے۔ اسلئے انگریزی کلیسیا نے اپنے ذاتی اختیار سے کام لیا جو صدیوں سے معطل و بیکار پڑا تھا۔ اور اُنہوں نے اپنے لئے آپ ایک آرچ بشپ مقرر کرلیا اور پیشپ پارکر پہلا آرچ بشپ ملکہ الزبتھ کے دنوں میں مقرر ہوا۔ اور مابعد زمانے کے لئے راستہ صاف ہوگیا۔ باقی برّاعظم یورپ میں اصلاح شدہ کلیسیاؤں میں کوئی بشپ شامل نہ ہوا۔ اُنھوں نے بلا ان بشپوں کے اپنے پادریوں ہی کے ذریعے اَور پادری بنالے شروع کردیئے اور وُہی انتظام اتبک پریسبٹرین کلیسیاؤں میں پایا جاتا ہے۔ کلیسیا کے اختیار ذاتی کو نہ کوئی سرکار۔ گورنمنٹ یا پارلیمنٹ نیست کرسکتی نہ اُس میں ٹال سکتی ہے۔ کلیسیا اگر آزاد ہے تو اپنے ذاتی اختیار سے اگر غلام ہے تو اپنے ذاتی اختیار کے کام میں نہ لانے کی وجہ سے۔ سرکار سے یا پارلیمنٹوں سے آزادی کی درخواستیں کرنا ہماری اپنی ذاتی غلامی کا اظہار ہے نہ کلیسیائی ذاتی اختیار کے عدم کا۔ اگر آج دیسی کلیسیا اپنے اس ذاتی اختیار کو کام میں لائے تو کون اُسے روک سکتا ہے۔ یا کون اُس اختیار کو ناجائز ٹھیرا سکتا ہے۔ اگر کوئی پارلیمنٹ شروع میں اُسکو تسلیم نہ بھی کرے تو بھی آخر کار اُس کو یہ ماننا پڑیگا۔ پریسبٹرین انتظام کو مدتوں تک نہ انگریزی کلیسیا مانتی رہی نہ حکومت زمانہ لیکن بہت کشمکش اور خونریزی کے بعد آخر سرکار کو یہ انتظام جائز کہنا پڑا۔

اور جو لوگ اُنکے تقرّرات کو ناجائز ٹھیراتے تھے اب وہ اُسی مُنہ سے انہیں جائز ٹھیرا رہے ہیں اُنکے کام پر خدا کی برکت کے ثبوت انکو نظر آنے لگے۔ روح القدس کی برکتوں نے اُنکے انتظام کی راستی کو ظاہر کردیا۔ آج اُنکو انگریزی کلیسیا اپنے گرجاؤں میں اپنے پُلپٹوں پر جگہ دیتی ہے۔ اسی طرح دیسی کلیسیا اگر آپ اپنا انتظام کرے تو کوئی اُسکو ناجائز اور بدعت نہ ٹھیرائیگا۔ لیکن اس کلیسیائی ذاتی اختیار کے کام میں لانے کی جُرأت ہم میں نہیں رہی۔ ہماری اپنی اغراض نے ہمکو غلام بنادیا۔ ہمارے اپنے مفاد نے ہم کو اپاہج کردیا اور جو مشنری خدمت و مدد و ہدایت ہماری برکت کا باعث تھے ہم نے اپنی ذاتی خودغرضی سے اُس کو لعنت بنالیا۔ اور وہ پردیسی خدا کے بندے جو غیرت الٰہی سے مشتعل ہوکر ہم کو فائدہ پہونچانا چاہتے اور ہمکو آزاد اور خودمختار دیکھنے کے آرزومند تھے۔ ہم نے اُنکے دلوں کو بھی صدمہ پہونچایا اور اُن کی محنت وخدمت پر پانی پھیردیا۔ اب ہم اپنے تئیں اپاہج بیکس دیکھ کر بھی اپنی غلطی کا اقرار نہیں کرتے بلکہ دوسروں پر الزام لگانے کو تیار ہیں۔ پردیسیوں کو کوستے ہیں کہ تمنے ہمارا بیڑا غرق کیا ؎

کیا ہنسی آتی ہے مجھکو حضرت انسان پر
فعل بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پر

اگر ہم دیسی کلیسیا کا انتظام دیسی طریقے پر کرنا چاہتے ہیں تو کوئی سدِّ حائل نہیں۔ پردیسی مشنری صاحبان کی یہ عین خوشی ہے۔ وہ ہماری مدد اور ہدایت کے لئے تیار ہیں لیکن ایک قربانی درکار ہے جسکے بغیر کوئی دیسی آزادانہ کلیسیائی انتظام نہیں ہوسکتا اور نہ قیامت تک ہوسکیگا۔ وہ قربانی تنخواہوں کی ہے۔ پردیسیو سے تنخواہیں لینا بند کریں۔ دیسیوں سے اُنکی بساط کے مطابق گذارہ لینے پر اکتفا کریں۔ ابتدائی کلیسیا کی تقلید پر سادہ انتظام قائم کرلیں۔ بس ہماری مشکلات کا بہت کچھ ازالہ ہوجائیگا۔

شاید کوئی یہ اعتراض کرے کہ دیسی کلیسیائی انتظام کے لئے بھی تعلیم یافتہ

خادمانِ دین کی ضرورت ہوگی جنھوں نے بورڈنگوں میں رہ کر بارہ چودہ سال مغربی طریقے کی طرزِ معاشرت اختیار کرلی جن میں مغربی مذاق پیدا ہوگئے۔ جن کو دیسی طور طریقوں سے نفرت ہوگئی جن کی مادری زبان انگریزی ہوگئی۔ جن کو مشرقی علوم و اخلاق سے بھی مس نہ رہا۔ جن کو دیسی طریقوں پر رہنے سے عار ہے اور جو دیسیوں سے بہت میل جول بھی رکھنا نہیں چاہتے جنکا گزارہ دُمچی غارہ پوزی بغیر نہیں چلتا وہ تھوڑی تنخواہ کیسے قبول کرسکتے ہیں۔ اُنکو تو ولایتی روپے بغیر چارہ نہیں۔ پھر تعلیم یافتہ خادمانِ دین اور ماسٹر کہاں سے آئیں گے۔ ایسے لوگ تو ہمیشہ پردیسی مشنری صاحبان کے دست نگر رہیں گے۔ اسی پردیسی انتظام کی حمایت کرینگے۔ اور دیسی کلیسیا غلام کی غلام رہے گی اگرچہ پارلیمنٹ کیا کوئی آسمانی آواز بھی انکو اسکے خلاف کہے وہ اُس کی نہ سُنیں گے۔ بے شک یہ مشکل فی الحقیقت ہماری راہ میں کھڑی ہے۔ اسکو کیسے دور کریں ✦

جے۔ علی بخش۔

(بجواب مسٹر جلال الدین عنبر۔ مضمون صنعت وحرفت)

مسیحی کے گذشتہ نمبر میں ایک مضمون زیر عنوان "صنعت وحرفت" دیکھا۔ پڑھتے وقت نہایت مسرت حاصل ہوئی کہ جو ہمارے دل میں جوش زن تھا کسی اَور کے خیالات میں بھی طمطراق پیدا کرچکا ہے۔ جوں جوں پڑھتے تھے دل میں خوشی کی لہریں عجب تلاطم برپا کرتی تھیں۔ اور دل سے یہی صدا نکلتی تھی کہ ع

"ہاں! ہاں!! بڑھے چلو"

مگر سچ ہے جو گرجتے ہیں برستے نہیں۔ خوشی وغمی پے درپے چلتی ہیں۔ اگر کسی

مرحلہ کے طے کرنے سے راحت ملی ہے تو اُسے ذرا آگے چلکر رنج و محن کے سمندر میں غوطہ زن ہونا پڑتا ہے۔ ہم جب عنبر صاحب کے مضمون کے نمبر ۴ پر پہونچے تو بجائے اطمینان قلبی و مسرتِ دل کے اُلٹا رنج والم ہوا۔ دیکھئے آپکا پہلا شعر کس طرح بیجا تا ہے اور نمبر ۴ ہمیں کہاں پہونچاتا ہے ؎

خدا نے آجتک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

جب بندہ نواز آپ کو یہ معلوم تھا تو پھر آپ نے اوروں کے پیچھے چلنے کی کیوں ترغیب دی۔ آپ کہتے ہیں کہ مشنری کالج تیار کریں۔ اشیا مہیا کریں۔ اور ہم یعنے مسیحی تعلیم حاصل کریں۔ اس سے یہ مراد ہوئی کہ مسیحی غیر مسیحیوں سے تعلق نہیں رکھ سکتے۔ چونکہ مشنری مسیحیت ہند میں لائے اور ہم مسیحی ہیں لہذا وہ ہماری ملکی مالی۔ اخلاقی۔ معاشرتی۔ تمدنی۔ غرضیکہ ہر پہلو کے ذمہ وار ہیں۔

جناب من: یہ زمانہ غفلت کا زمانہ نہیں۔ ہوشیاری و بیداری کا وقت ہے۔ کیا ہم افریقہ کے رہنے والے ہیں یا مراکو کے باشندے جو آپ ہمیں دیگر اقوام ہند سے علحدہ رکھنے پر آمادہ ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم سب ہندی ہیں۔ آپ مشنریوں کے پیچھے کیوں پڑے ہیں۔ کیا اُنکے سوا ہمارا کام نہیں چلتا۔ ہمیں چاہئے کہ یک جہتی سے قومی عمارت کی تعمیر کریں۔ حضرت آپ ذرا غیروں کا دامن چھوڑکر اپنی قومی عمارت بنانے میں لگ جایئے۔ مشنری صاحبان ہم پر کافی احسان کر چکے ہیں۔ اور ہم بھی اُنکے مداح ہیں مگر اپنی کامیابی کے لئے ہم اپنے پاؤں پر آپ کھڑے ہوں اور جب تک یہ نہ کرینگے۔ ہماری قوم زندہ نہ رہے گی۔.........

اس وقت ہم بلحاظ خیالات کے کوہ ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹی "ماؤنٹ ایورسٹ" پر کھڑے ہیں جہاں سے دوربین آنکھیں تمام دنیا کی نظارہ بازی میں مصروف ہیں اور مشتاق نگاہیں یورپ۔ امریکہ اور جاپان کی عظیم الشان قومی عمارتیں دیکھ دیکھ کر عجلت سے لوٹتی ہیں اور اپنے ٹوٹے پھوٹے کہن سال جھونپڑے سے

حسرت خیز نظارے سے خاموش ہو جاتی ہیں۔

ہماری بڑھی ہوئی خواہش اس امر کی مقتضی ہیں کہ ہم بھی قومی عمارت کی تعمیر میں مصروف ہوں اپنا سارا سرمایہ عقل وخرد اس پر صرف کر کے دوسری اقوام کی طرح راحت وآرام کی زندگی بسر کریں۔ مگر اپنی تنگ دستی۔ بے بضاعتی اور کم مائگی کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ " سونا جھونپڑموں میں اور خواب شیش محلوں کے" مایوسی کلیجہ مسل ڈالتی ہے اور جی چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن ضمیر فوراً آواز دیتی ہے کہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ جھونپڑی میں رہنے والے انسان ہی محل تک پہونچتے ہیں۔ حضرت خیال کریں اور عبث مشنریوں کے پیچھے نہ چلیں آپ اپنی حالت کو سنوار یئے۔ اہل مغرب اہل مشرق کی مدد نہیں کر سکتے آہستہ آہستہ ہم منزل مقصود تک پہونچ جائینگے۔

جہاں آج عظیم الشان وادیوں کا وجود ہے وہاں کف دست میدان اور کوہ وبیابان تھے۔ جو لوگ تہذیب وشائستگی کے لباس فاخرہ سے ملبوس ہیں وحشیوں کی طرح ننگے پھرا کرتے تھے۔ جو طرح طرح کے لذیذ اور نفیس کھانے ہاتھ سے نہیں بلکہ چھری کانٹے سے تناول کرتے ہیں جنگل کے گھاس پات پھل پھول پر گذارہ کرتے تھے۔ جنکا آج عالیشان کوٹھیوں اور آراستہ پیراستہ بنگلوں میں قیام ہے وہ درختوں کی کھو اور پہاڑوں کے غاروں میں سکونت رکھتے تھے۔ تو کیا غنبر صاحب ہندوستانی جو امتداد زمانے سے کمال سے زوال کیطرف آئے پھر کمال کی طرف قدم نہیں بڑھا سکتے۔ اسکے کھنڈرات اُسکی عظمت وقدامت کے شاہد حال ہیں ؎

"کھنڈر بتا رہے ہیں عالی مکان ہونگے"

جناب من! شاید آپ کے دل میں خطرہ ہو کہ ابھی وقت نہیں آیا کہ ہندوستانی مسیحی اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں۔ آپ خیال کرتے ہوں کہ علم و تربیت کی ضرورت ہے سو ہمیں مشنریوں کی دُم پکڑنی لازمی ہے۔ میں یہ کہتا ہوں

وقت ہے کیا اور ہے کہاں ؟ انسان وقت کا بنانے والا ہے۔ اگر کوئی کام کرلیا تو اُسے وقت سے قرار دے دیا اور بس۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ ہم اپنی قومی عمارت ایک دم کھڑی نہیں کر سکتے۔ مگر جناب عنبر صاحب کیا آپ کو ایک انگریزی ضرب المثل کہ " روم ایک دن میں نہیں بنگیا تھا" یاد نہیں۔ اور ایک روم پر ہی کیا منحصر ہے ایک بڑے کام کے لئے بڑی مدت۔ بڑا وقت اور بڑی ہمت درکار ہے۔ قومی عمارت کا کام بڑا مشکل اور اہم ہے۔ ایک معمولی مکان کی تعمیر کے لئے کئی دِقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ روپیہ اور وقت کی ضرورت۔ ہمسایوں سے مشترکہ دیواروں کا جھگڑا۔ لائق مستری اور معماروں کی قلت۔ عمدہ اور مناسب مسالے کی فراہمی اور سب سے بڑھ کر میونسپلٹی کا خوف جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ قومی عمارت بغیر کسی رُکاوٹ کے تعمیر ہوسکتی ہے وہ قانونِ قدرت سے بے خبر ہے۔ کشمکش اور جدوجہد کے بغیر کوئی کام انجام پذیر نہیں ہوسکتا۔ اور نہ کوئی مزاحمت کے بغیر اپنی منزلِ مقصود تک پہونچ سکتا ہے۔ یورپ کو موجودہ ترقی صدیوں کی کوشش محنت و عرق ریزی کے بعد حاصل ہوئی۔ صدہا جھگڑے ہوئے مدتوں خانہ جنگیاں رہیں۔ فرقوں کے فرقے غارت ہوئے اور بادشاہ تک پھانسی چڑھائے گئے۔ اسطرح پے در پے قومی عمارت بنی ہے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم قومی عمارت تعمیر کریں تو ہمیں مشکلاتکو حل کرنے کیطرف متوجہ ہونا چاہیئے نہ کہ مصائب سے خوف زدہ ہوکر حصول مدعا سے گریز۔

ہمیں تو اس بات کا فخر ہے کہ ہم ہندی ہیں آجکل جبکہ ہندو و مسلمان اس جدّو جہد میں ہیں کہ اپنی قوم کو اعلیٰ معراج پر پہونچائیں تو ہم مسیحی کیوں غیروں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ کیا ہمارے دل میں ترقی کا احساس نہیں۔ کیا ہم ہمیشہ مشنریوں کے پھندے میں رہیں گے۔ ہمیں غیر مسیحیوں کے ساتھ قدم بقدم چلنا چاہیئے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہندوستان شجاعت میں یکتائے عالم رہا ہے۔ ہندوستان نے

ہمیشہ مرنجاں مرنج پالسی رکھی ہے۔ ابتدا سے مستغنی المزاج ہے۔ دوسرے ملکوں نے جب ذرا ہوش سنبھالا دوسروں کو بیہوشی کا دوانہ کھلایا۔ جب بدن میں طاقت آئی۔ کمزوروں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ لیکن ہندوستان نے جبکہ وہ عروج پر تھا اسکے عظمت و جلال کی دھاک دنیا میں تھی۔ اسکا ایک ایک بہادر فرزند دنیا کو فتح کرسکتا تھا۔ غریبوں کو ستانا۔ کمزوروں پر ہاتھ اُٹھانا گناہِ عظیم سمجھا۔ جو کوئی دشمن بنکر آیا اُسکا دوستوں کی طرح خیر مقدم کیا اور کہا ے

بے حجابانہ در آ از درِ کاشانہٴ ما
کہ کسے نیست بجز دردِ تو در خانہٴ ما

میں مسٹر عنبر کے ساتھ بالکل متفق ہوں کہ ہم فی الحال کمزور ہوں ہر طرف مایوسی ہی مایوسی نظر آتی ہے۔ مگر یہ بات کبھی نہ کہونگا کہ مشنری ہماری ترقی کے ذمہ وار ہیں۔ اس وقت صرف بہت کوشش اور محنت کی ضرورت ہے ہمیں اس کارِ اہم کے لئے ہر طرح سے مستعد اور مکمل ہونا چاہیئے۔ اور اسوقت سب کو انجنیر ہی نہیں بننا چاہیئے بلکہ سمار دل۔ نجاردل۔ مزدوروں سقوں کی امداد کی ضرورت ہے۔ زیادہ تفصیل اسطرح ہوسکتی ہے کہ ہر ایک کو پولیٹیکل ریفارمر ہی نہیں بننا چاہیئے مختلف صیغوں اور لائنوں پر کام کرنا نہایت ضروری ہے۔ ضرورت ہے کہ بہت سے اُولوالعزم مدبر اور ریفارمر اشاعت تعلیم کا بیڑا اُٹھائیں۔ ضرورت ہے کہ صادق محبانِ وطن "اتفاق و اتحاد" کو ترقی دیں۔ ضرورت ہے کہ روشن خیال صاحب اثر انسان سوشیل رصلاح کیطرف متوجہ ہوں۔ ضرورت ہے کہ ہمارے مالی مسائل سے آگاہ صنعت و تجارت کے سوال کو حل کریں۔ غرضیکہ ہماری ضروریات بہت ہیں ان کا کہانتک بیان ہوسے

یک دل و خیل آرزو من بہ کجا کجا برم
سینہ تمام داغ داغ پنبہ کجا کجا نہم

اسطرح ہم اپنی منزلِ مقصود کی راہ لیں گے جو راہ آپ بتا رہے ہیں۔ اس سے کنارِ عافیت پر پہونچنا اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ مسیحی خود مختار ہوں۔ ہمنے خود کو دیگر اقوام سے علیحدہ کر لیا۔ ہم یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ گویا ہم غیر قوم ہیں۔ مذہب کا قومیّت سے کوئی تعلق نہیں مذہب کچھ سکھاتا ہے اور قومیت کچھ۔ بقول اقبال ؂

مذہب نہیں سکھاتا آپسمیں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یہاں تو حب الوطنی کا ذکر ہے مگر شکر کا مقام ہے کہ ہم حبّ وطن کی عالمگیر طاقت سے محروم نہیں اگر ہماری قوم میں یک جہتی ہوتی اور اسمیں غیرت کا احساس ہوتا تو ہم بھی ایک اعلیٰ جگہ پر ہوتے ہندو و مسلمان ہمیں کیوں علیحدہ رکھتے ہیں ؟ اسواسطے کہ کئی اشخاص یہ کہتے ہیں کہ "مشنری ہماری ترقی کے ذمہ وار ہیں" ہمیں چاہیئے کہ عمومیت میں چلیں یعنے سب ہندی ہیں سب بھائی ہیں سب کا مال مشترکہ ہے۔ اگر آپ نے اپنی قوم کا بوجھ اپنے شانوں پر اُٹھا کر ایک غیر قوم کے حوالے کر دیا تو اس عقل و ہمّت پر مرحبا ؂

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلّا ٭ کار طفلاں تمام خواہد شد

اے برادران ! ذرا آنکھیں کھولو اور دیکھو دنیا کی دوسری قومیں کہاں ہیں اور ہم کہاں پڑے ہیں ؟ ہم مشترکہ کوششوں ہی سے اُنکے برابر ہو سکیں گے۔ مگر جبتک ان اختلافات کا خاتمہ نہیں ہوتا کبھی کامیابی ممکن نہیں۔ آؤ ملکر محبت سے پیار سے منزلِ مقصود کی راہ لیں ؂

چھپا دستِ ہمت میں زورِ قضا ہے
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

والسلام۔ پی۔ این بھنوت از اجنالہ۔ ضلع امرتسر

یرمیاہ نبی

(از ڈاکٹر ای۔ او۔ ناصر صاحب۔ ناصر مسیحی)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ انبیاء میں سے کون نبی سب سے زیادہ ہمارے خداوند سے مشابہ تھا تو بائیبل کا مطالعہ کرنے والے اغلباً یہ جواب دیں گے کہ وہ یرمیاہ تھا۔ اِس نبی کا حال گو کتاب مقدس میں مختصراً پایا جاتا ہے تو بھی اُسکی غمزدہ شخصیت کافی طور پر نمایاں ہے اور اُسکے دونوں صحیفوں کے پڑھنے سے بعض ایسی صفات کی جھلک اُن میں دکھائی دیتی ہے جو مسیح کی کی ذات میں کامل طور پر موجود تھیں۔

یسعیاہ نبی کے ایام میں اسرائیل کے لئے دو رستے کھلے تھے یا تو وہ بُت پرستی کے قعر میں گر جا سکتے تھے یا خدا پرستی کی سطح مرتفع پر کھڑے ہو سکتے تھے۔ مگر ڈیڑھ سو برس کے بعد یرمیاہ نبی کے دنوں میں اُنکی حالت ایسی پست ہو چکی تھی کہ اُنکے لئے اُٹھنا محال ہو گیا تھا۔ اپنے آخری تین بادشاہوں کے زمانے میں وہ بُت پرستی کے جال میں بہت بُری طرح سے پھنس گئے تھے۔ اُنکی ہیکل غیر اقوام کے معبودوں کا مندر بنگئی تھی۔ اُنہی ایام میں یہوداہ کے بادشاہ یہویقیم کو شاہ بابل بنوکدنضر نے تین برس تک باجگزار رکھا۔ پھر اُسکے جانشین یہویکین کو بنوکدنضر معہ اُسکے اُمرا اور دیگر معززین اور اہل حرفت رعایا کے اسیر کر کے لے گیا۔ اور آخر شاہ صدقیاہ کو بنوکدنضر نے گرفتار کر کے نہایت ذلیل کیا۔ اور یروشلم اور اُسکی ہیکل کو برباد کر دیا۔ یہی اسرائیل کی شکستہ اور خستہ حالی کا وہ زمانہ تھا جسمیں یرمیاہ نے مبعوث ہو کر اسرائیل اور اُسکے بادشاہوں کو اپنا پیغام سُنایا۔ یرمیاہ کے دل میں اپنے ملک اور قوم کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ اپنے ہموطنوں کی سیاہ بختی اور ادبار کو دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتا اور غم کھاتا تھا۔ اور اُسکو

مجبور اُنہیں آنے والی تکلیفوں اور آفات کی نسبت آگاہ کرنا پڑا۔ اُس نے اسرائیل کو سمجھایا کہ حملہ آور بادشاہ بابل کا مقابلہ نہ کریں بلکہ اُسکو خدا کی طرف سے قسمت کا نوشتہ سمجھکر اُسکی اطاعت اختیار کریں۔ اس قسم کے کلمات کو سُنکر لوگ نہایت غصے سے اُسپر لپکے اور اُسپر یہ الزام لگایا کہ وہ اپنے ملک کے دشمنوں کی طرفداری اور حمایت کرتا ہے۔ شاہ یہویقیم نے بھی طیش میں آکر اس طومار کو جس میں یرمیاہ نے خداوند کی باتیں لکھی تھیں چھری سے کاٹ ڈالا۔ اور ٹکڑوں کو آگ میں جلادیا۔ یرمیاہ نے ایک اور طومار لیکر اُس میں اُس اول طومار کی باتیں دوبارہ لکھوائیں۔ پھر چند آتش مزاج آدمیوں نے اُسے پکڑکر ایک اندھے کنوئیں میں ڈالدیا جس میں کیچڑ تھی۔ یرمیاہ اُس تاریک خندق میں دھس گیا اور سخت تکلیف میں خدا خدا کرکے وقت کاٹتا تھا۔ مگر اُسکا دلی عذاب اس جسمانی تکلیف سے کہیں بڑھ کر تھا۔ کیونکہ وہ محب الوطن ہوکر اپنے ملک اور قوم کا بدخواہ سمجھا جاتا تھا۔ ایسے حالات میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ اپنی پیدائش کے دن پر لعنت بھیجتا ہے۔

یرمیاہ کے مُنہ کو خدا نے چھوا تھا۔ اور اپنی باتیں اُسکے مُنہ میں ڈالی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ نہایت دلیر اور بے خوف تھا۔ جب اُس نے ہیکل کے صحن میں کھڑے ہوکر ساری قوم کو انکی بُت پرستی اور بدکاریوں کے لئے ملامت کی تو بجائے اُسکی نصیحت پر عمل کرنیکے کاہنوں اور نبیوں اور ساری قوم نے اُسے پکڑ کر کہا کہ تو یقیناً قتل کیا جائیگا۔ مگر خدا نے انکی تدبیر کو باطل کرکے اُسے اُنکے ہاتھ سے بچا لیا۔ پھر ایک اور موقعہ پر جب وہ یروسلم سے نکل گیا تھا ایک جمعدار نے اُسے یہ کہکر پکڑ لیا کہ تو کسدیوں کی طرف بھاگا جاتا ہے۔ مگر اس نے انکار کیا۔ جمعدار نے اُسکی بات کا یقین نہ کیا اور اُسے سرداروں کے پاس لے گیا۔ سرداروں نے یرمیاہ کو مارا اور ایک مکان میں قید کر دیا۔ جب صدقیاہ بادشاہ نے اُسے قید خانے سے نکلوا کر اُس سے دریافت کیا کہ خداوند کی

طرف سے کوئی کلام ہے تو اس نے بجائے بادشاہ کو اچھی اچھی باتوں سے خوش کرنے کے صاف صاف کہا کہ تو بابل کے بادشاہ کے ہاتھ میں حوالے کیا جائیگا بعد ازاں بادشاہ نے اُسکی درخواست پر اُسے کسی دوسرے قید خانے میں بند کروا دیا جہاں اُسکو کسیقدر آرام ملا۔

یرمیاہ گو افسردہ خاطر اور غمزدہ رہتا تھا تو بھی اُسے یقین تھا کہ ان آفات اور مصائب کے بعد چھٹکارے کا وقت آئیگا۔ اول اول تو وہ اسرائیل اور اُسکے بادشاہ کو سمجھاتا رہا کہ شاہ بابل کی اطاعت اختیار کرلے مگر جب بنوکدنضر نے اُن پر نہایت سختی کی اور انکی اسیری کا وقت آگیا تو وہ لوگوں کو حوصلہ دلاتا رہا کہ یہ اسیری ابد تک نہ رہے گی۔ بلکہ وہ ستر برس کے بعد واپس اپنے ملک میں آئینگے۔ اور اس بات کے ثبوت میں کہ وہ فی الحقیقت لوٹ آکر پھر اپنے گھروں میں آباد ہوں گے اُس نے اپنے چچازاد بھائی سے ایک کھیت مول لیکے قبالہ لکھدیا اور اُسپر مُہر کردی۔ اُس نے بار بار یہ پیغام سُنایا کہ وہ دن آنیوالا جب خدا انکی بدکاریوں کو معاف کرے گا۔ بلکہ وہ اُس بحالی کے مبارک زمانے کو دور سے دیکھکر وجد میں آجاتا ہے جسمیں اُس اُجڑے دیار میں عدالت اور صداقت کا عمل ہوگا۔ اور یہوداہ نجات پائیگا اور یروسلم سلامتی سے سکونت کرے گا۔ وہ اُس صداقت کی شاخ کو جو داؤد کے لئے جمے گی "خدا وند ہماری صداقت" نام دیتا ہے۔ یہ ایک عجیب اور نادر بات ہے جو کبھی دیکھنے اور سُننے میں نہیں آئی کہ ایک اُلوالعزم نبی اپنے مذہب کا جو منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ اور فخر رکھتا تھا ناکافی سمجھکر ایک ایسے مذہب کا اعلان کرتا ہے جو اس سے فائق اور بالاتر ہوگا۔ وہ مسیح کے مذہب کو دھندلے طور پر دیکھکر یوحنا بپتسمہ دینے والے کے ساتھ ہمزبان ہوکر پکار اُٹھتا ہے کہ "ضرور ہے کہ وہ بڑھے اور میں گھٹوں"۔ وہ ایسے وقت کا منتظر تھا جب روح القدس ایک نیا دل اسرائیل کے اندر پیدا کریگی۔ اور خدا اسرائیل سے

ایک نیا عہد باندھیگا۔ قابل لحاظ ہے کہ یہ محاورہ (نیا عہد) سب سے پہلے یرمیاہ نے استعمال کیا۔

یرمیاہ کے آخری ایام تکلیف اور مصیبت کے دن تھے۔ جب بنوکدنضر نے عرصہ دراز کے محاصرے کے بعد یروسلم کو سر کرلیا تو اُس نے شاہی محل اور لوگوں کے گھروں کو آگ سے جلادیا اور یروسلم کی دیواروں کو منہدم کردیا۔ جس ہیکل میں یرمیاہ بطور کاہن کے خدمت کیا کرتا تھا۔ وہی شاندار ہیکل آج اُسکی نظروں کے سامنے پتھروں کا انبار اور خاک کا تودہ بنگئی ہے۔ جبکہ بنوکدنضر نے صدقیاہ بادشاہ کے بیٹوں کو قتل کیا اور اُسکی آنکھیں نکلواکر اور اُس کو پیتل کی زنجیروں سے جکڑکر بابل کو روانہ کیا اور باقی لوگونکو اسیر کرکے لے گیا تو اُس نے یرمیاہ پر خاص مہربانی کرکے اُس کو اجازت دی کہ اگر وہ چاہے تو بابل کو جائے اور اگر اُس کی مرضی ہو تو اپنے ملک میں رہ جائے۔ یرمیاہ کی حب الوطنی نے گوارا نہ کیا کہ اپنے ویران وطن کو چھوڑکر غیر علاقہ کے ایک عالیشان شہر میں بود و باش اختیار کرے۔ سو وہ یروسلم ہی میں رہا اور اس نے وینا نوحہ غالباً اُنہی ایام میں لکھا۔ پھر جب کنعان کا کلدی حاکم قتل کیا گیا تو اسرائیل کے باقی ماندہ لوگ اس خوف سے کہ مبادا اُس قتل کا قصاص اُن سے لیا جائے ملک مصر کو بھاگ جانے کے لئے تیار ہوئے یرمیاہ اُنکو وہاں جانے سے منع کرتا رہا۔ مگر اُنہوں نے نہ مانا۔ اور آخر وہ بہت سے لوگوں کو جنمیں یرمیاہ بھی شامل تھا ہمراہ لیکر مصر میں چلے گئے۔ یرمیاہ وہاں بھی اپنی قوم کو آنیوالی آفات سے آگاہ کرتا اور نصیحت کرتا رہا کہ بت پرستی کو ترک کرکے خدا کی پیروی کرو۔ ایک یہودی روایت ہے کہ وہ اپنی اس ناخوشگوار خدمت کے سبب سے مصر ہی میں قتل کیا گیا۔ وہ آخر تک اُس آنیوالے مبارک زمانہ کی منادی کرتا رہا جو یہودی نبوت کا گویا مسلح تھا۔ اِسی خدمت کی پاداش میں اُس نے اپنے ملک کے تند مزاج قوم پرستوں اور جھوٹے نبیوں سے حد درجہ کی تکلیفیں اُٹھائیں۔ اسطور پر وہ نہ فقط یوحنا بپتسمہ دینے والے کی طرح آنیوالے مسیح کا پیشرو تھا بلکہ اپنی بے دھڑک ملامتوں اور صاف گوئی

کے سبب سے اپنی قوم کے ہاتھ سے دکھ تکلیف سہنے میں وہ خود مسیح کا نمونہ تھا۔

آخر میں یہ سوال دلچسپی سے خالی نہیں کہ یرمیاہ کیوں ہمیشہ غمزدہ اور افسردہ خاطر رہتا تھا میتھیسن صاحب کا خیال ہے کہ اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ اپنی قوم پر خدا کا قہر نازل ہونے سے گھبراتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ قوم اپنی بدکرداریوں اور بت پرستی کے سبب سے خدا کے غضب کی مستوجب بنی ہوئی تھی مگر باوجود اسکے یرمیاہ شاہ بابل کو خدا کا خادم اور اُسکے حملوں کو خدا کی طرف سے سمجھکر خوشی سے اسکو قبول کرتا ہے پھر وہ اُن تکالیف اور آفات کے باعث بھی دلگیر نہیں تھا جو خاص اسکی ذات کے ساتھ واسطہ رکھتی تھیں۔ اُسکی زندگی شروع سے آخر تک مصیبتوں سے بھری ہوئی تھی مگر وہ تاریک ایام میں بھی اسرائیل کی آئندہ خوشحالی کے زمانے کو بڑی اُمید کے ساتھ دیکھتا تھا۔ اور پھر وہ اپنے کسی گناہ یا خطا کے سبب سے اُداس نہیں رہتا تھا اُسکو خدا نے بچپن ہی سے چن لیا تھا۔ کوئی گناہ اُسکے آئینۂ دل کو مکدر کرنیوالا نہ تھا۔ اُسکا قلب آسمانی اطمینان سے معمور تھا۔ اگر یہ تینوں قیاس اُسکے غمزدہ رہنے کے اسباب نہ تھے تو پھر وہ کونسا بوجھ تھا جو اُسکے دل کو دبائے ہوئے تھا۔ اُسکے غم کا مخرج اُسکے اپنے اندر تھا۔ وہ اپنے آپ کو خدا کی جگہ کھڑا کرکے اُسی کی نظر سے اپنی قوم کی گناہ آلودہ حالت کو دیکھتا تھا۔ اُسکا دل ہر وقت خدا کے لئے ہمدردی سے پُر تھا۔ گویا وہ یہ کہتا تھا کہ اگر میں خدا کی جگہ کائنات کے تخت پر متمکن ہوتا تو اپنی اس پیاری سرزمین کی خستہ حالت کو دیکھکر میرے دل میں وہی احساس ہوتا جو محبت کرنیوالے شوہر کا اپنی بے وفا بیوی کے لئے ہوا کرتا ہے۔ یسعیاہ نبی بھی ہمدرد تھا مگر وہ اپنے آپ کو عوام کی جگہ کھڑا کرکے ایسی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے جو انسان کو انسان سے ہوتی ہے۔ مگر یرمیاہ اپنے تئیں خدا کی جگہ رکھکر ایسی ہمدردی کرتا ہے جو انسان کو خدا سے ہو سکتی ہے۔ وہ گویا خدا کے دلی رنج میں اُسپر ترس کھاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ مغموم اور اُداس رہتا تھا۔

(ناصر)

پہیلیاں اور لطیفے

ناظرین ماتمکین: اب تو ہمارے ہندوستان کا باوا آدم ہی بدل گیا ہے مگر آج سے ۲۵۔ ۳۰ برس پہلے شریفوں کے گھروں میں عام رواج تھا کہ رات کا کھانا کھا چکنے کے بعد دادا دادی نانا نانی یا بچوں کے ماں باپ اکثر عجیب کہانیاں لطیفے پہیلیاں اور چٹکلے سنایا کرتے تھے جن سے باتوں باتوں میں عقل و تمیز بڑھتی تھی اور ذہن بہت کھلتا تھا۔ زباندانی بڑھتی تھی۔ شعر و شاعری مرد کیا عورت تک کر سکتے تھے۔ افسوس کہ ان دنوں میں پیٹ کا دھندا ایسا پڑا ہے کہ لوگوں کو دم لینے اور سر کھجلانے تک کی بھی فرصت نہیں۔ ہم اپنے شائقین کو تھوڑی دیر کے لئے اسی سنہری زمانے میں لے جاتے ہیں۔ آیئے حضرت پہیلیاں بوجھئے اور ان کا پھل پہلے آپ بتانے کی کوشش کیجئے پھر مسیحی سے مدد لیجئے۔

۱۔ رات سمے اک میوہ آیا | پھولوں پاتوں سب کو بھایا
پانی دیئے وہ جائے سوکھ | آگ دیئے دکھلائے روپ

اتا پتا۔ ایک پھل کا نام ہے۔ پھل۔ انار (آتشبازی)

۲۔ پیلی ہے پر بسن کی نہیں بناتے ہیں | کھانے کی وہ چیز نہیں پر کھاتے ہیں

اتا پتا۔ دنیا میں سب کو اسکی ضرورت ہے۔ پھل۔ اشرفی

۳۔ چار چکل چلیں دو دو ل ملیں | آگے سانپ چلے پیچھے سور چل ملے

اتا پتا۔ ایک جانور کا نام ہے۔ پھل۔ ہاتھی۔

۴۔ کڑکڑ کڑیاں۔ لوہے جڑ بیاں | کوک مار پہاڑوں چڑھیاں

اتا پتا۔ ہر سپاہی کے پاس ہوتی ہے۔ پھل۔ بندوق

۵۔ ایک نار نیر نگی چنگی سب کو رنگ دکھاوے | مردوں سے کبڈی کھیلے عورتوں کو ڈراوے

اتا پتا۔ فوج کے لوگ رکھتے ہیں۔ پھل۔ تلوار

۹- لگ لگ کہو تو نہ لگے مت لگ کہو لگ جائے | اگیانی ہو تو سوچ کر اسکا پھل بتلائے

اتا پتا- ہر آدمی کے پاس ہے۔ پھل- ہونٹ

(ایڈیٹر)

لطیفہ- ا- شہر دہلی میں کوئی صاحب جوتے والے کی دوکان پر گئے تاکہ کوئی عمدہ نری کا جوتا خریدلائیں۔ دوکاندار نے ہر قسم کے عمدہ عمدہ جوڑے بہت سے نکالکر دکہائے مگر ان حضرت کو ذرا پسند نہ آئے۔ جو ایک آدھ پسند آیا اُسکی قیمت پر جھگڑا ہوگیا۔ سودا نہ بنا۔ آخر چل دیئے۔ یہ دیکھکر دوکاندار جل بھن کے کباب ہوگیا۔ دل میں کہنے لگا۔ خوب۔ مرغی اپنی جان سے گئی کہانیوالے کو مزہ نہ آیا۔ خیر۔ اب ان سے دو دو چونچیں کرنی چاہئیں اور نہیں تو ایک آدھ چٹکلا ہی سہی۔ خریدار سے کہا۔ جناب! یہ کیا بات ہے اتنے جوتے پڑے ہیں پھر بازار کے بھاؤ مگر آپ کو ایک بھی پسند نہ آیا۔

خریدار بھی ماشاءاللہ بڑا حاضر جواب تھا بولا۔ صاحب! کوئی دو آنے کوئی چار آنے جوتا کھاتا ہے۔ آپ تو روپیہ جوتا کھاتے ہیں بھلا سودا کیسے بنے۔

۲- ایک کنجوس مکھی چوس حاتم کی قبر پر لات مار کر ہر روز رات کو دو پیسے کا دودھ پی کر سخت فضول خرچی کرتا تھا۔ ایک دن حسب معمول نوکر کو ٹکا دیا کہ جاؤ گرم دودھ میٹھا لے آؤ۔ نوکر بھی کوئی نمک حلال تھا۔ دودھ لئے آتا تھا کہ رستے میں تلاؤ آیا۔ نوکر نے آدھا دودھ تو آپ چڑھایا۔ باقی میں تلاؤ کا پانی ملادیا۔ رات تھی اندہیری نوکر کو کچھ دکھائی نو دیا نہیں پانی کے ساتھ چھوٹا سا مینڈک بھی دودھ میں آگیا۔ مالک جو لگا دودھ پینے کیا دیکھتا ہے کہ مینڈک پڑا تیر رہا ہے۔ غصے سے لال پیلا ہو کر بولا۔ لے نابکار۔ اس میں تو مینڈک ہے۔ نوکر نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ مہاراج گستاخی معاف۔ دو پیسے کے دودھ میں مینڈک نہ ہوگا تو کیا ہاتھی گھوڑے ہوں گے۔

۳- ایک گورکھا سرکاری فوج میں بڑا افسر تھا۔ لکھنا پڑھنا الف کے نام بے نہ آتا تھا

اُنہوں نے ایک خط بہ کارِ سرکار اپنے منشی سے لکھوایا۔ بھیجنے سے پہلے منشی سے کہا "منشی جی ذرا لکھت پڑھ کر تو سنا دو" منشی نے کہا بہت اچھا حضور۔ خط پڑھ کر سنایا۔ شروع سے آخر تک بہت غور سے سنا ختم پر لفظ فدوی اور بعد میں افسر کا نام آیا۔ آپ نے کان کھڑے کر کے فرمایا "ہیں منشی جی یہ پھدوی کیا لکھ دیا"۔ منشی نے کہا جناب عالی بالکل درست ہے۔ آپ نے کہا۔ "نہیں! نہیں! درست کیسے ہے ہم کوئی پھدوی ہیں"۔ منشی نے پھر ادب سے کہا جناب فدوی ہی سرکاری خطوں میں لکھا جاتا ہے۔ افسر بولے "سچی منشی جی تمہارا سارا خط ہماری سمجھ میں آیا مگر پھدوی بالکل سمجھ میں نہیں آیا"۔ منشی نے کہا حضور قاعدہ ہے کہ جب کسی کو خط لکھتے ہیں تو ازراہِ انکساری وکسرِ نفسی مکتوب الیہ کو بڑا بنا کر اپنے کو چھوٹا جتا کر فدوی لکھا کرتے ہیں۔ افسر نے کہا۔ "اوہو۔ یہ بات ہے تو ہمکو پھدوا لکھو پھدوی مت لکھو۔ ہم کوئی عورت نہیں ہیں۔ جیسے گدھی گدہا۔ گھوڑی گھوڑا۔ ویسے ہی پھدوی پھدوا"۔ یہ قاعدہ فوج والوں کو اتنا پسند آیا کہ سب نے اپنی گریمر کی کتابوں میں لکھ لیا۔

۳۔ ایک وکیل نے انگریزی کوٹ پتلون میں اپنی تصویر کھچوائی اور اپنے دفتر میں رکھ دی۔ جو وہاں آتا یہ وکیل او بدا کر اپنی فوٹو اُسے دکھاتا۔ جو دیکھتا ازراہ خوشامد اُسکی بڑی تعریف کرتے کہ کیا کہنے ہیں۔ یہ نقل مطابق اصل کے ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وکیل صاحب نے اب جرح کی۔ واللہ۔ "کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا"۔ وکیل صاحب سنکر خوب موچھوں پر تاؤ دیتے اور کمرے میں پینترے بدلتے۔

ایک دن وکیل صاحب یہی تصویر چند موکلوں کو دکھا کر تعریفوں کے پھول چن رہے تھے کہ ایک پٹھان جسکا اُسی روز وکیل صاحب مقدمہ ہار آئے تھے آیا۔ تصویر دیکھنے لگا۔ لوگوں نے کہا دیکھو کیسی سچی تصویر آئی ہے۔ پٹھان نے کہا سچی کہاں ہے بالکل جھوٹی ہے۔ اُنہوں نے کہا وہ کیسے

پٹھان بولا۔ وکیل صاحب کے ہاتھ کہاں ہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا دیکھتے نہیں اپنی جیب میں ہیں اَور کہاں ہیں۔ پٹھان نے کہا۔ بس جب ہی تو تصویر جھوٹی ہے۔ وکیل صاحب کے ہاتھ اپنی جیب میں نہیں اوروں کی جیب میں ہونے چاہئیں۔ مجھے اسباب کا خوب علم ہے۔ مقدمہ ہار کر سیکڑوں روپیہ کھوکر یہ بات سیکھی ہے۔

۴۔ ایک چور کسی فقیر کی جھونپڑی میں گیا اور لگا اِدھر اُدھر ڈھونڈھنے کہ کچھ ملے تو لے اُڑوں۔ مگر کچھ نظر نہ آیا۔ فقیر کی آنکھ کھل گئی۔ چور سے کہا۔ بھائی مجھے دن دہاڑے یہاں کبھی کچھ نظر نہیں آیا تمہیں اندھیری رات میں کیا خاک دکھائی دیگا۔
(ایڈیٹر)

خبریں

ہمارے مہربان نتھا سنگھ صاحب لائل ساکن لائلپور نے پانچ روپے کا عطیہ مسیحی کو عنایت فرمایا ہے۔ ہم آپ کے نہایت مشکور ہیں۔

مسٹر اینڈرو محی الدین ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرکٹ آفس جہلم اور مسٹر سٹیفن کرم سنگھ سپرنٹنڈنٹ دفتر انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب کو سرکار دولتمدار نے حسن خدمات کے صلے میں سونے کا تمغہ عنایت فرما کر مسیحی قوم کو فخر بخشا ہے۔ امید ہے صاحبان موصوف اَور زیادہ عزت اور قدر گورنمنٹ کی نظروں میں حاصل کرینگے۔ اور دیگر مسیحی افسران بھی اس قسم کے اعزاز حاصل کرنیکی کوشش کرینگے۔ مسیحی کی طرف سے ہر دو صاحبان کو شاہنشاہ معظم کی طرف سے آئی۔ ایس۔ او کا اعزازی تمغہ ملنے پر مبارکباد۔

ناظرین رسالہ اور نولکھا پاسٹریٹ کے ممبران اس پُر مسرت اثر کو سنکر بہت خوش ہوں گے کہ نو لکھے کی کلیسیا کے پاسٹر پادری اینڈرو ٹھاکر داس صاحب

بی۔ اے لے جو پاسٹریٹ کی طرف سے مزید تعلیم کے لئے امریکہ گئے تھے امتحان ایم۔ اے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے اور اب انکا ارادہ ہے کہ چھ ماہ اور امریکہ رہکر وہاں کے لوگوں کو وعظ و نصیحت کرکے اہل امریکہ کو ہندوستانیوں کا لوہا منوا دیں اور وہاں کے مسیحیوں کو روحانی فائدہ پہونچائیں۔

عالیجناب کنور رگھبیر سنگھ صاحب ڈپٹی کمشنر گوجرانوالے سے لدھیانے تبدیل ہوکر ساتھ ہی اپنے عہدہ میں مستقل ہو گئے ہیں۔ صاحب موصوف کو مبارک اور لدھیانے کو نئے نیک دل مسیحی صاحب ڈپٹی کمشنر سلامت ہو۔

انتقال پُر ملال

افسوس کہ ڈاکٹر ایچ۔ سی گھوش صاحب تین ماہ بیمار رہ کر ۱۹ جولائی کو قریباً ۵۶ برس کی عمر میں اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ بڑے نرم دل اور مہربان تھے۔ سیکڑوں مریضوں کو انکے دست مبارک نے شفا دی آپ گوڑگاؤں۔ لائل پور وغیرہ میں اسسٹنٹ سرجن رہے اور بعد میں کرنال کنڈیاں وغیرہ میں قائم مقام سول سرجن رہکر ۱۹۲۰ء میں سینئر اسسٹنٹ سرجن کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ اور اب تین سال سے لاہور میں مقیم تھے۔ اور مسیحیوں کا مفت علاج کرتے تھے۔ ماہ مئی میں آپ کو دردِ گردہ اور دل کی شکایت شروع ہوئی۔ افسوس کہ مرض بڑھتا گیا اور آخرکار ہفتے کے روز ڈھائی بجے دن کے ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ دو لڑکیاں اور ایک لڑکا آپ نے چھوڑے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ سب برسرِ روزگار اور جوان ہیں۔ پانچوں بھائیوں نے آپ کے مرنے کا بڑا صدمہ اٹھایا ہے۔ خداوند کریم سے ہماری دعا ہے کہ وہ پسماندگان کو صبر جمیل عنایت کرے۔

ایک کو جمائی لیتے دیکھکر اوروں کیوں جمائی آتی ہے

ہر انسان کی پہلی اور اشد ضرورت سانس لینا ہے۔ جمائی دراصل ایک خوب گہرا سانس ہے۔ عام طور پر ہم جمائی اس وجہ سے لیتے ہیں کہ کسی نہ کسی وجہ سے خواہ بے مزگی اور تھکن کے باعث خواہ بیماری کے کارن ہمارے سانس میں فرق اور کمی آجاتی ہے۔ جمائی اس کمی کو پورا کرنیکے لئے قدرت نے علاج مقرر کر دیا ہے۔

آج کل تو ہر شخص اس امر کو بخوبی جانتا ہے کہ ایک آدمی کے خیال کا اثر دوسرے کے خیالات پر بن کہے بھی پڑ سکتا ہے۔ مثلاً ایک لڑکا بیٹھا چٹ پٹے کچا لونیبو نچوڑ کر کھاتا ہے تو اسے دیکھکر دوسرے کے منہ میں خواہ مخواہ پانی بھر آتا ہے۔ فوج کا ایک آدمی ڈر کر بھاگنے لگے تو ساری فوج خوف کے مارے دُم دبا کر بھاگ جاتی ہے۔ ع

"روزِ میداں آں کہ بگریزد بخونِ لشکرے"

اسی طرح ناچ رنگ طفل کھیل تماشے کی محفل میں جائیں تو مجال ہے ہولی کے مسخرے نہ بن جائیں۔ ہنس مکھوں خوش دلوں سے ملو جلو تو آپ سے آپ ہنسی دل لگی کو دل چاہتا ہے۔ خربوزے کو دیکھکر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے ؎

ہنسا اس ادا سے کہ سب ہنس پڑے		ہوے جی سے قربان چھوٹے بڑے

اور جو روتے گئے وہ مردوں کی خبر لائے۔ غمگین لوگوں میں جاؤ تو بھلا غمگین کیونکر نہ ہو۔ ع "افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را"۔ دو دوست پاس بیٹھے ہیں اور ایک دوست کسی خیال میں غرق ہے اکثر دیکھا جاتا ہے کہ وہی خیال دوسرے دوست کے دل میں آرہا ہے۔ جب ایک دوسرے پر ظاہر کرتے ہیں تو بڑے حیران ہوتے ہیں۔ ان مثالوں سے یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے ذہن سے بات دوسرے کے ذہن میں بہت زیادہ آسانی سے اسوقت داخل ہوتی ہے جب کہ وہ خیال ضروریات انسانی کے لوازمات زندگی میں سے ہو یا اسکے لگ بھگ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خوف اسقدر متعدی ہوتا ہے کہ اگر ریوڑ میں سے ایک جانور بدک کر تو سارا ریوڑ ڈر کر ادھر ادھر بھاگنے لگتا ہے۔ اسیطرح جمائی خیالات کے ذریعے ایک سے دوسرے کو لگ جاتی ہے۔

نام میرا سنکے مجنوں کو جمائی آ گئی		بید مجنوں دیکھ کر انگڑائیاں لینے لگا۔

+

دی پنجاب کرسچن سنٹرل کو آپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور

عرصہ تین سال کا ہوا کہ یہ بنک شہر لاہور میں کھولا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کے دیہاتی مسیحیوں کی مالی حالت کو بہتر بنایا جاوے۔ اس مومنٹ کے ذریعہ سے جو لوگ مسیحی مذہب میں شامل ہوتے ہیں اُن کی مالی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ خواہ زراعت پیشہ ہوں یا صنعتی یا حرفتی کاموں میں لگے ہوئے ہوں۔ ان لوگوں کو قرضی روپیہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ مسیحی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے جو بنئے بقال وغیرہ بے تحاشہ سود لیکر ان غریبوں کو روپیہ اُدھار پر دے بھی دیتے تھے وہ بھی انکار کر رہے ہیں۔ اگر ہم لوگ اُنکی مدد نہ کریں تو یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ اس بنک کے ذریعہ سے شہری مسیحیوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ عمدہ سود کی شرح پر روپیہ امانت پر رکھوائیں۔ نیز بنک کے حصص خرید کر عمدہ ڈیویڈنڈس و منافع کماویں۔ پچھلا ڈیویڈنڈ ۷ فیصدی شرح کے حساب سے دیا گیا تھا۔ پچھلے تین سال کے عرصہ میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ قرض دیا جا چکا ہے جو وقت مقررہ پر واپس آ رہا ہے۔ اور تقریباً بارہ ہزار روپیہ سود امانت پر روپیہ رکھنے والوں کو پہنچ چکا ہے۔ سو یہ بات وہی ہے کہ "آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام"۔ حصص کی قیمت مبلغ ۵۰ روپیہ ہے جو ششماہی انسٹالمنٹ (قسط) میں واجب الادا ہے۔ جو علاوہ شرح سود امانتی روپیہ کے واسطے ذیل میں درج ہے۔

تین ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ جو علاوہ (زرجمع مستقل) کیواسطے بشرح ۵ فیصدی سالانہ

۶ 〃 〃 〃 〃 ۵½ 〃 〃 〃

۱۲ 〃 〃 〃 〃 ۶½ 〃 〃 〃

پچھلا بالنس شیٹ منگوا کر بنک کی مالی حالت کا ملاحظہ فرماویں۔ بنک چلانے کے اخراجات نہایت کم ہیں۔ سوائے ایک پورے وقت کے اکاؤنٹنٹ کے باقی سب عہدہ داران بلا اجرت قومی خدمت کر رہے ہیں۔

المشتہر

آئی۔ درگا پرشاد۔ آنریری مینجر و سکرٹری

مسٹر کیمبل ... ایڈیٹر و پبلشر نے ... پریس ... کے اہتمام میں چھپوا کر ... [illegible] ... شائع کیا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۶۸۰

مسیحی

ستمبر ۱۹۲۴ء

لاہور

ہندوستانی مسیحیوں کا مذہبی۔ اخلاقی۔ علمی و تمدنی ماہواری رسالہ

ایڈیٹرز (۱) مسٹر کے ایل ریلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن سکول لاہور ایڈیٹر انچیف

(۲) مسٹر آئیون جیکب صاحب عاصی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ جائینٹ ایڈیٹر

فہرست مضامین

کل خط و کتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام مسٹر کے ایل۔ ریلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل سکول لاہور ہونی چاہئے باقی خط و کتابت و ترسیل زرچندہ و عطیہ وغیرہ بنام مسٹر ٹی۔ ر۔ خان۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ مینیجر رنگ محل مشن سکول لاہور آنی چاہئیں۔ **قیمت** سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک دو روپے ۵۰ سے کم آمدنی والوں کے لئے فقط دو روپے +

اشتہار کتب

فردوس گم شدہ مشہور و معروف شاعر ملٹن کی منظوم کتاب "پیراڈائز لاسٹ" کا بامحاورہ اور سلیس اردو منظوم ترجمہ۔ از مسٹر عیسیٰ چرن صاحب صدا لکھنوی طبع ثانی۔ ایک روپیہ آٹھ آنہ

فردوس بازیافتہ۔ ملٹن کی دوسری کتاب "پیراڈائز ریگینڈ" کا اردو نظم میں بامحاورہ ترجمہ مولوی عبدالحلیم شرر نے ان دونوں کتابوں پر دیباچہ لکھا ہے۔ اور مترجم کی محنت کی داد دی ہے۔ از مسٹر عیسیٰ چرن صاحب صدا۔ صفحہ ۸۲۔ ۸/

میرے رہنے کا گھر۔ انسانی جسم کے مشرح حالات معہ ۳۰ تصاویر۔ صفحہ ۶۲ — ۲/

مسیحی کا عقیدہ۔ مسیحی دین کے بڑے بڑے مسائل کی تشریح۔ موجودہ زمانہ کے مطابق۔ صفحہ ۱۹۴ — ۹/

مسیحی کلیسیا کی مختصر تواریخ۔ مؤلفہ بشپ ایکسنڈن صاحب مفید خلاصہ ہے۔ صفحہ ۱۰۶ — ۱/۶ پائی

مرقع پارلیمنٹ انگلستان۔ انگریزی پارلیمنٹ۔ دارالامرا و دارالعوام۔ پارلیمنٹ کے حقوق و فرائض کا مفصل بیان علم سیاسیات کے شائقین کے لئے مفید کتاب ہے۔ صفحہ ۱۳۵ — ۸/ رعایتی ۴/

مسائل دین کی تفسیر کینن نارس صاحب کا ۴۹ مسائل دین کی تفسیر و تشریح کا دینی کورس صفحہ ۱۱۸ — ۶/

مطلع نور۔ ایک بنگالی عورت مسماۃ بسنتو کے مسیحی ہونے کا پر لطف بیان کہانی کے طور پر صفحہ ۴۳ — ۱/۹ پائی

مرآۃ القرآن۔ قرآن کی وہ تمام آیات اردو میں۔ جو محمد صاحب کی زندگی کے آخری ۲۳ سال کا اچھا خاصہ مرقع پیش کرتی ہیں۔ صفحہ ۱۱۱ ...... ۶/

مسیحی دین کی اصولی باتیں۔ الہام۔ توحید و تثلیث۔ مسیح۔ روح القدس۔ انسان۔ کلیسیا خادمان دین اور ساکرمینٹوں کے بارے میں تعلیم صفحہ ۱۶۶ ...... ۹/

نوجوانوں کا رہنما۔ نوجوانوں کو تمام بری باتوں سے بچا کر تندرست عقلمند اور نیک بنانے والی کتاب صفحہ ۱۳۶ — ۸/ کپڑا ۱/

نصیحت طفلاں۔ مسیحی مذہب کی صداقتوں کے متعلق سیدھی سادھی ابتدائی سوال و جواب صفحہ ۱۶ — ۹ پائی کپڑا ۱/

پالنا۔ جوان ماؤں کیلئے چند ضروری ہدایات اور بچہ کی پرورش تربیت کا بیان صفحہ ۱۷ — ۶ پائی

سفارشی اور خاص اوقات کی دعائیں۔ تمام ضروری موقعوں کے لئے دعاؤں کی جامع کتاب جو ہر ایک مسیحی گھر میں رہنی چاہیئے۔ صفحہ ۶۴ ...... ۱/۹ پائی

ملنے کا پتہ:۔ سکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور

MR. STEPHEN KARAM SINGH,
Receipient of the I. S. O. Gold Medal from His Majesty.

یا مسیح

مسٹر سٹیفن کرم سنگھ صاحب سپرنٹنڈنٹ دفتر صاحب انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب

ہم صاحب موصوف کی تصویر آرائش رسالہ کرتے ہوئے آپ کے مختصر حالات مسیحی نوجوانان کی حوصلہ افزائی کے لئے درج کرتے ہیں +

آپ ۱۸۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ کے ایک معزز کھتری (بیچھی) خاندان سے ہیں۔ مشن سکول وزیر آباد میں تعلیم پائی۔ اور ۱۶ دسمبر ۱۹۰۰ء کو سی۔ ایم۔ ایس چرچ نیلا گنبد لاہور میں بپتسمہ پایا۔ اور مرحوم بشپ لیفرائے صاحب آپ کے دھرم باپ بنے۔ اِن دِنوں میں آپ ریلوے پولیس میں ہیڈ کانسٹبل تھے۔ یہاں سے خدا کی شان نظر آتی ہے کہ آپ ۱۸۹۷ میں ریلوے پولیس میں معمولی پیادہ سپاہی کی حیثیت سے بھرتی ہوئے۔ عیسائی ہونے کا خیال آتے ہی جھٹ سے ہیڈ کانسٹبل اور عیسائی ہونے کے بعد ۱۹۰۷ء میں سب انسپکٹر ہو گئے +

فروری ۱۹۰۸ء میں آپکا تبادلہ ضلع کرنال کا ہو گیا۔ اور ریلوے پولیس سے ضلع پولیس میں آئے اور ہیڈ کلارک دفتر صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر ہوئے +

۱۹۱۵ء میں آپ کرنال سے انبالے اسی حیثیت میں منتقل ہوئے۔ ۱۹۱۸ میں آپ کے عہدے میں اضافہ ہوا اور انسپکٹر پولیس کے عہدے پر تقرر حاصل کر کے دفتر صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پنجاب پولیس حلقہ جالندھر کے ہیڈ کلارک مقرر

ہوئے۔ پھر ۱۹۱۹ میں حلقہ انبالہ کے + ۱۹۲۰ میں آپ کی تبدیلی لاہور کی ہوگئی۔ اور پہلے دفتر انسپکٹر جنرل بہادر کے ہیڈ اسسٹنٹ اور بعد میں ۱۹۲۲ میں دفتر کے سپرنٹنڈنٹ بنے +

آپ کی ۲۷-۲۸ برس کی عمدہ خدمات کے صلے میں جس میں آپ اپنی کوشش اور محنت سے پیادے سے سر دفتر کے عہدے پر پہنچے ہیں۔ سرکار دولت مدار شاہنشاہ عالیجاہ کی طرف سے آپ کو امسال آئی۔ ایس۔ او کا طلائی اعزازی تمغہ مرحمت فرمایا ہے +

پولیس کلیریکل سروس کی تاریخ میں آپ پہلے ہندوستانی ہیں جو پولیس کے ادنےٰ صیغوں سے ترقی پاکر اور ان کا تجربہ حاصل کر کے انسپکٹر جنرل کے سر دفتر مقرر ہوئے ہیں۔ آپ کی خدمات کا زیادہ عرصہ صیغہ دفتر میں صرف ہوا ہے۔ اور خوشی کی بات ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے افسران سے داد و تحسین کا سہرا حاصل کرتے رہے ہیں۔

ہم مسٹر موصوف سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ بڑے سادہ مزاج۔ صاف دل صاف گو اور متواضع مسیحی ہیں۔ ۱۹۰۲ میں آپ کی شادی مس ایس۔ بھٹا چارجی سے ہوئی۔ دونوں میاں بیوی مسیحیوں سے دلی اُنس رکھتے ہیں۔ اور سب کی امداد کرنے کو ہر وقت سو جان سے حاضر رہتے ہیں۔ مسیحی کی طرف سے ہم مسٹر سٹیفن کرم سنگھ صاحب کو مبارکبادی دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ اور زیادہ رسوخ گورنمنٹ کی نظروں میں حاصل کر کے مسیحیوں اور کلیسیا کو بے حد فائدہ پہنچائیں گے +

(ایڈیٹر)

نوٹ اور خبریں

آلوالعزمانِ دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پھاڑتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

۱۔ مسٹر پی۔ ایم۔ لال صاحب ایم۔ اے نے امسال ایل۔ ایل۔ بی کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ آپ فورمن کرسچن کالج میں ۱۲ برس پروفیسر رہے۔ کالج میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ دو سال ہوئے لا کالج لاہور میں داخل ہوئے اور تمام پروفیسران کو اپنی لیاقت اور ذہانت کا لوہا منوا دیا۔ مسیحی نوجوانوں کو ہمت دلانے کے لئے انکی زندہ مثال بہت کافی ہے۔ "ہمتِ مرداں و مددِ خدا" کا مقولہ ہم سب کا ہونا چاہیئے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ بڑی کامیابی کے ساتھ وکالت کا کام شروع کرینگے یا کسی معزز و ممتاز عہدے پر سرافراز ہوں گے۔ ہم بڑی خوشی اور خلوص دلی کے ساتھ مسٹر موصوف کو مبارکبادی دیتے ہیں +

۲۔ رائے صاحب مسٹر جوزف ٹھاکر داس دوبارہ لائل پور سے تبدیل ہوکر لاہور تشریف لائے ہیں۔ اور بعہدہ اسسٹنٹ ڈپٹی کمشنر اقوام جرائم پیشہ مقرر ہوئے ہیں جو ایک نہایت ذمہ واری کا کام ہے۔ جو لوگ آپ سے واقف ہیں وہ بے تامل کہہ دینگے کہ رائے صاحب جیسے محنتی۔ دیانتدار اور تیز فہم شخص کے لئے اس کام سے عہدہ برآ ہونا معمولی بات ہے۔ آپ کا ایسے جلیل رتبے پر تعینات ہونا اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ سرکار عالی وقار کی نگاہوں میں آپ کی بڑی عزت ہے۔ دعا ہے کہ خداوند تعالےٰ ہمیں ناز کرنے کو ایسے بہت موقعے عنایت فرمائے۔ اور ہمارے مسیحی افسران ہر صیغے میں فخر و نام حاصل کریں +

۳۔ مسٹر جارج منتھائی۔ ایم۔ اے پروفیسر زوآلوجی گورمنٹ کالج لاہور کی شادی خانہ آبادی ۱۷۔ جولائی کو آکسفورڈ واقع انگلستان میں ہوئی۔ رسم نکاح سینٹ جائلز چرچ میں ادا کی گئی۔ آپ کی دلہن مس میری چانڈی ہیں۔ دلہا دلہن دونو جنوبی ہندوستان کی سُریانی کلیسیا کے جزو ہیں۔ بہت سے ہندوستانی اور انگریزی احباب برات میں شامل تھے۔ مسٹر اور مسز منتھائی ہفتے عشرے میں ولایت سے لاہور آنے والے ہیں۔ پروفیسر صاحب جنوبی کینسنگٹن کے نیچرل ہسٹری میوزیم میں خاص معلومات حاصل کرنے گئے ہیں۔ مسیحی کی طرف سے دلہا دلہن کو مبارک وسلامت +

۴۔ ہمنے مسیحی کے پچھلے نمبر میں مبرانِ نولکھا پاسٹریٹ کو یہ خبر مسرت اثر سنائی تھی کہ اُنکے نامی پاسٹر مسٹر اینڈر روٹھا کرداس صاحب۔ امریکہ کی ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کر کے چھ ماہ اور وہاں رہنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ یہ بھی بعض معتبر اصحاب کی زبانی سنا جاتا ہے کہ شاید وہ ماہ ستمبر یا اکتوبر میں بہ خیر و خوبی واپس تشریف لے آئیں۔ خیر کچھ بھی ہو۔ اس میں تو اپنی ہی جیت ہے۔ چت بھی اپنی اور پٹ بھی اپنی۔ خدا اُنکو کثرت سے اپنی خدمت کیلئے استعمال کرے +

۵۔ ابکے سال تمام امتحانات یونیورسٹی میں مسیحی طلبا کا کچھ قتلِ عام سا رہا۔ خال خال مسیحی نوجوان پاس تو ہوئے مگر جیسی امید کی جاتی تھی کامیابی اس سے بہت کم رہی۔ امید ہے کہ اگلے سال اسکی تلافی کردی جائے گی۔ اور مسیحی لڑکے اور لڑکیاں کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جائینگے۔ جو مسیحیوں کی شان کے شایاں ہے۔ بقول شاعر

سو بار مر کے عاشقِ جاں باختہ تیرا
لڑنے کو پھر کھڑا روش مزد ہوگیا

۶۔ ایف۔ اے کے امتحان میں مس ڈورس ہمفری اور مس لوئیس ٹیکا۔ اور پرائیویٹ متعلموں میں سے مس للی خان کینرڈ کالج لاہور سے کامیاب ہوئیں۔ مبارک۔ بی۔ اے کے امتحان میں اسی کالج سے مس این۔ وت اور مس حاکم خان پرائیویٹ طالب علم پاس ہوئی ہیں۔ بی۔ اے کے امتحان میں مسٹر سرکار گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس ہوئے۔ مبارک۔ ایف۔ ایس سی میں مسٹر ڈیوڈ ستیانند اور بی ایس سی کے امتحان میں مسٹر لارنس جیون مل کامیاب ہوئے ہیں۔ مبارک۔

۷۔ سرگودھے میں مشہور و معروف جہاندیدہ و فہمیدہ پادری ملوچند صاحب ہیں جنہوں نے سرگودھے میں ایک بڑی بھاری مسیحی کالونی (بستی) بسائی ہے اور ان میں بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔ یعنی وہاں کے مسیحیوں کی دینی اور دنیوی حالت کو اعلےٰ پیمانے پر لے گئے ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے مسٹر پال ملوچند لائلپور کے اگریکلچرل کالج کے پہلے مسیحی گریجویٹ ہیں جو ایک بڑے صاف دل اور سرگرم مسیحی ہیں۔ آپ کو مسٹر ملین ڈائرکٹر سررشتہ زراعت کی پُرزور سفارش پر سپیڈنگ اینڈ کو کے ہاں منیجر زراعتی کا منصب ملا ہے۔ اور بڑی معقول تنخواہ مقرر ہوئی ہے۔ ہر چند بیسیوں ہندو مسلمان گریجویٹ موجود تھے مگر مسٹر ملین کی نگاہ میں خدا کے فضل سے ہمارے مسیحی دوست مسٹر پال کے سوا کوئی نہ جچا۔ چنانچہ سفارش کرتے وقت صاحب بہادر نے صاف لکھا کہ اُنکی سفارش میں اسلئے کرتا ہوں کہ میری رائے میں امیدواران میں مسٹر پال ملوچند سے زیادہ محنتی اور دیانتدار کوئی نہیں۔ ہم مسیحیوں کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ حکام ہماری نسبت ایسا اچھا خیال رکھتے ہیں۔ اور ہمیں امید ہے کہ مسٹر پال ہماری امیدوں کو جو انکی ترقی کے ساتھ وابستہ ہیں پورا کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں گے۔ ہم انکو اور انکے والد بزرگوار کو مبارکباد دیتے ہیں +

ریویو یعنی تقریظ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آمد آخر زپس پردۂ تقدیر بپدید

آج ہمیں ریورنڈ قاضی خیر اللہ صاحب کی کتاب "خاص اوقات کی دعائیں" برائے ریویو موصول ہوئی ہے۔ ہمنے اس کتاب کو سرتاپا دیکھا ہے اور بڑی خوشی ہوئی کہ قاضی صاحب قبلہ نے اردو کی کتب الہیات کی کمی کو پورا کر دیا۔ اور خوب پورا کر دیا ہے۔ انگریزی زبان میں تو صدہا کتابیں اس قسم کی موجود ہیں جو دعائیہ مضامین کی حاوی اور کامل ہیں اور جنہیں بڑے بڑے صاحبانِ ریاضت اور مردانِ باخدا نے اپنے قلم صدق رقم سے لکھا ہے اور جن میں نہ فقط صبح کی دعا بلکہ خواب راحت سے اُٹھنے۔ نہانے۔ منہ ہاتھ دھونے۔ کپڑے بدلنے بلکہ ذرا ذرا سی بات تک کیلئے عمدہ دعائیں ملتی ہیں۔ مگر اردو زبان میں اس قسم کی کتابوں کی سخت قلت وقحط تھا۔ آج وہ کمی بھی پروفیسر صاحب نے اپنی نادر کتاب سے رفع کر دی ہے۔ پادری صاحب بڑے زاہد و پارسا ہیں اور علم الٰہی و علم ادب کے مانے ہوئے لائق اُستاد ہیں آپ کی متعدد تصنیفات مشہور عالم ہیں۔ عزیز اللغات و دیگر کتب دینیات مسیحیوں اور غیر مسیحیوں کی دن رات کی رفیق بنی ہوئی ہیں۔ ہم پادری صاحب کو اس عمدہ تالیف اور ترتیب پر بہت تہنیت اور آفرین کہتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ہر فرقے کے مسیحی آپ کی خاص اوقات کی دعاؤں کی کتاب کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنائینگے اور پروفیسر موصوف کو دعائے خیر سے یاد فرمائینگے ؎

اے تصور تیرے ہاتھوں کی بلائیں لےلوں
خوب تصویر بنائی مرے بہلانے کو

ایڈیٹر

مشاہیرِ قوم

ملک الواعظین جناب پادری ڈاکٹر عماد الدین صاحب لاہز

ڈی۔ڈی امرتسری کی زندگی کے حالات

(تصویر دیکھو مسیحی نمبر ۳ بابت ماہ اگست - بائیں طرف سے پہلی کرسی نشینوں میں)

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

پادری عماد الدین صاحب واقع میں اسم با مسمیٰ تھے۔ جیسا انکا نام عماد الدین تھا وہ فی الواقع عمادِ دینِ مسیحی ہی تھے۔ واعظانِ مسیحی اور مناظرانِ ہند میں کوسِ لمن الملکی کا نقارہ اس زور سے بجایا کہ کروبیوں کے کان کر ہو گئے۔ اور جو کسی نے چھوٹا منہ بڑی بات کرکے کوے کی طرح ہنس کی چال چلنی چاہی اور دبی آواز اُٹھائی تو اُسپر نقار خانے میں طوطی کی آواز کا آوازہ راست آیا۔ بے شک اگر انہیں ملک الواعظین کا خطاب دیا جائے تو بجا ہے۔ مناظرہ یا وعظ لکھتے وقت تو ؎

ہر دم یہ اشارہ تھا دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اس طبل و علم کا

پانی پت کے ہو کر دائمی عزت اور پت پانی اور علما و فضلا میں آبرو کی سلطنت جمانی یا تو مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم کو نصیب ہوئی یا ہمارے بزرگ پادری مولوی عماد الدین صاحب لاہز۔ڈی ڈی کو۔ در اصل آپ کے بزرگ ہانسی حصار کے باشندے تھے۔ انکے مورث اعلیٰ شیخ جمال الدین تھے جو کہ

بڑے پایہ کے صوفی تھے اور قطب کا مرتبہ رکھتے تھے۔

پادری صاحب کے والد بزرگوار کا نام مولوی محمد سراج الدین تھا جو مرتے وقت مسیح کا اقرار کرکے انتقال فرماگئے۔

پادری صاحب اپنی جوانی کے دنوں میں بڑے پکے مسلمان تھے اور اپنے مذہب کے لئے بہت جوش اور غیرت رکھتے تھے۔ مسلمانی تمام علوم دینیہ بڑے بڑے جیّد مولویوں اور فاضلوں سے حاصل کئے۔ قرآن۔ حدیث۔ فقہ۔ فلسفہ اور جملہ مراتب تصوف میں ید طولےٰ رکھتے تھے۔ برسوں مسجدوں میں وعظ و نصیحت فرماتے رہے۔ مدتوں مراقبے اور وظیفے پڑھے۔ روزے ریاضت چلے کشی۔ اور کیا کیا کچھ نہ کیا۔ مگر عجیب بات یہ تھی کہ بجائے اطمینان و تسکین قلبی کے مذہب اسلام کی طرف سے شک و بدظنی ہوتی گئی۔

اتنے میں بزرگ پادری رابرٹ کلارک صاحب امرتسری نے مسیح کی بشارت بذریعہ خط و کتابت آپ کو پہنچائی۔ اور گھنٹے کو ٹہیلتے کا بہانہ ہوا۔ آپ نے فوراً توریت اور انجیل منگا کر بغور مطالعہ کیا۔ پھر کیا تھا محمدی مذہب پر رہا سہا ایمان بھی گاؤ خورد ہوگیا۔ آپ نے اپنے شکوک بہت سے مولویوں اور عالموں دوست و احباب کے سامنے پیش کئے۔ مگر کوئی بھی انکو رفع نہ کرسکا اُلٹا یہ کہا کہ ہم خود اس مذہب کو تسلیم نہیں کرتے۔ مگر دنیوی عزت اور برادری کے ڈر سے مسیحی مذہب بھی اختیار کرنا پسند نہیں کرتے۔ تم بھی ہماری طرح باطن میں عیسائی اور ظاہر میں محمدی رہو۔ یہی ایک پنتھ دو کاج ہے ؎

دل میں ہے توبہ توبہ اگر لب پہ جام جام
رندانِ مے پرست ہی کچھ پارسا ملے

مسیح کا عاشق شیدائی اس سجدہ ریائی پر راضی نہ ہوا بلکہ علانیہ مسیح کا اقرار کیا پھر تو آپ کے خلاف جہادِ اکبر شروع ہوگیا۔ مسلمانوں نے سخت لعنت ملامت کی۔ مولویوں نے کفر اور ارتداد کے فتوے دے دے کر ہوش بگاڑ دئے۔ پٹھانوں کو انکے قتل پر آمادہ کیا

دوست دشمن کو انکے خلاف بھڑکایا۔ پر بیر اشیر ذرا نہ گھبرایا ؎

پھرتا ہے سیلِ حوادث سے کہیں مردوں کا منہ
شیر سیدھا تیرتا ہے وقتِ رفتن آب میں

پادری صاحب لاہور آئے اور مسٹر مکن توس Mackintosh صاحب
ہیڈ ماسٹر نارمل سکول سے انجیل شریف پڑھنی شروع کی۔ اسی اثنار میں
جہلم سے اُنکے غیور مسلمان دوست مولوی صفدر علی صاحب کے عیسائی ہونے
کی خبر آئی۔ ع۔ "سمندِ ناز کو ایک اور تازیانہ ہوا"۔
مسیح محبوب کا عشق دل میں شعلہ زن ہوا۔ اور آپ نے عیسائی مذہب
کھلم کھلا قبول کر لینے کا قطعی فیصلہ کر لیا ؎

بر تو فگن جو دل میں محبت کا نور ہو
ایک کوہِ طور اور بھی بالائے طور ہو

چنانچہ ۲۹۔ اپریل ۱۸۶۶ء میں بمقام امرتسر پادری رابرٹ کلارک
صاحب کے دستِ مبارک سے سی ایم۔ ایس کے گرجے میں بپتسمہ لیا۔
کیونکہ آپ کلارک صاحب کی دینداری اور سرگرمی کے بہت قائل تھے
اور سب سے پہلے آپ نے انہی کی معرفت مسیح کی بشارت پائی تھی۔
کچھ عرصے بعد آپ نے ایک کتاب تحقیق الایمان مولویوں اور دیگر مسلمانوں
کے فائدے کے لئے لکھی تاکہ وہ بھی شک کی حالت سے نکل کر مسیح کا یقین
کریں جو تمام دنیا کا نجات دینے والا ہے۔ اور جس نے کیا ہندو کیا مسلمان
سب کی نجات کے لئے اپنی خوشی سے اپنی بیش قیمت جان دی +

انتخاب کاروبار | عیسائی ہونیکو تو ہو گئے۔ اب کاروبار کا فکر ہوا۔ اگر مشن میں کام کرتے
ہیں تو ڈر ہے کہ لوگ باگ کا مجور احدی مشن کے ٹکڑ گدا وغیرہ بنائینگے۔ اور اگر کوئی
اور دنیاوی خدمت کرتے ہیں تو دل نہیں مانتا ع۔
"ہر گام پہ دل مثلِ جرس کرتا ہے فریاد"

کہ اے شخص اتنی مدت متاع عزور سمیٹا۔ مسیح سے دور۔ سچے مذہب سے نفور بلکہ مخالفت پر کمربستہ رہا اب بہت گئی تھوڑی رہی ہے اسکو یونہی کیوں گنواؤں۔ تو نقد آخرت کیوں نہ کماؤں۔ بلا سے لوگ کچھ ہی کہیں۔ مجھے اپنا فائدہ دیکھنا چاہیئے۔ لوگوں کی زبان سے آجتک کون بچا ہے۔ یہ تو فرشتے کیا خدا کو بھی نہیں چھوڑتے۔ مجھے اپنا ابدی فائدہ ڈھونڈھنا چاہیئے۔ اول خویش بعدہٗ درویش" سے

دنیا گئی کہ عشق میں ایمان و دین گیا
وہ مل گیا تو جانئے کچھ بھی نہیں گیا

اس واقعہ کے متعلق پادری صاحب کے پیارے الفاظ برائے ضیافت ناظرین نقل کرتے ہیں:۔

"عیسائی ہونے کے بعد جس قدر میں مسیح کے پانے کے سبب دل میں خوش و خرم تھا اسی قدر اس فکر سے غمگین اور شرمندہ بھی تھا کہ مینے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ مسلمانی کی حالت میں کاٹا اور خدا سے الگ رہکر وقت کو برباد کیا اگرچہ میری تسلی اس تمثیل سے جو متی ۲۰۔ ۱ سے ۱۶ تک لکھی ہے بہت ہوئی تو بھی یہ فکر زیادہ تھا کہ باقی عمر اس کی خدمت میں صرف کروں جسے مینے پایا۔ اور جس پر میرا دل ریجھا۔ اور جس نے میرا من موہ لیا۔ اور بائبل شریف کی خدمت کروں جسکی ہر تعلیم اور ہدایت ایک بیش قیمت موتی ہے اب میں ان موتیوں سے کھیلتا رہونگا۔ مگر ایک موتی چن کر اپنی روح کے گلے کا تعویذ بناؤں گا جو ہر وقت پیش نظر رہے۔ وہ لولوئے شاہوار (یشعیاہ ۳۵۔ ۱۱ و ۲ پطرس ۱۔۳) نکلا"۔

چنانچہ آپ امرتسر کے قطب و عماد دین عیسوی یعنے کلیسیا کے پاسبان کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ اور اس سرگرمی اور جانفشانی سے اپنے پیارے خداوند کی خدمت کی اور ہدایت المسلمین لکھکر ایسی نوبت بجائی کہ سیکڑوں مسلمان

نوبت بہ نوبت عیسائی ہوتے گئے۔ آپ کی تصنیفات وکتب دینیات ومناظرات تو بہت ہیں لیکن بڑے معرکے کی یہ ہیں۔ حقیقی عرفان۔ نغمۂ طنبوری تعلیم محمدی۔ تاریخ محمدی۔ اتفاقی مباحثہ۔ آثار قیامت۔ تفسیر مکاشفات وغیرہ وغیرہ۔ کلیسیا کو پادری صاحب کا بے حد ممنون احسان ہونا چاہیئے۔

بزرگ پادری رابرٹ کلارک صاحب کو ڈی ڈی کی ڈگری دی جانیکی تجویز ہوئی تو آپنے جواباً تحریر کیا کہ جب تک پادری عماد الدین کو ڈی ڈی کی ڈگری نہ دیجائے گی میں ہرگز منظور نہ کرونگا۔ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ اِس اعزاز کے مستحق ہیں۔

پادری صاحب کی علمی اور دینی خدمات کی قدرشناسی میں آرچ بشپ بینسن نے ڈی ڈی یعنی حکیم علم الٰہی کی ڈگری عطا فرمائی۔

۱۸۹۱ء میں مہتر چترال نے ڈاکٹر صاحب کو کہلا بھیجا کہ میں نے تمہاری بعض کتابیں پڑھی ہیں اور میرے نزدیک تم کافر ہو اور اس لائق ہو کہ قتل کئے جاؤ۔ میں بہت چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنے ہاتھ سے قتل کروں۔ ڈاکٹر صاحب نے پیغام لانیوالے کو جواب دیا کہ براہِ مہربانی اپنے آقا سے کہو کہ میں شکرگزار ہوں کہ آپ نے میری کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور میری یہ دعا ہے کہ آپ بھی حق کو معلوم کریں۔ اور اگر آپ مجھے مار بھی ڈالیں تو خدا میرے خون سے میرے جیسے بیس اور عماد الدین کھڑے کر دیگا۔ اس جواب سے مہتر کے منہ پر وہ جھاڑ دیڑی کہ ظلم کمانے سے باز رہا۔

پادری صاحب بڑے لسان اور شیریں زبان واعظ تھے۔ آپ جیسا لائق وفائق خادم الدین اور واعظ عیسائیوں میں پیدا نہیں ہوا۔ بڑی بات یہ تھی کہ بے حد تیاری کے بعد وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ۲۰ منٹ کا وعظ ہوتا تو ۲۰ دن تیاری میں لگاتے۔ کتب خانے چھان مارتے۔ چونکہ انکی طبیعت کا قدرتی میلان علم کیطرف تھا وہ زیادہ تر اپنا وقت مطالعہ میں صرف کرتے تھے طبعی طور پر وہ بہت علیحدگی پسند

اور خاموش واقع ہوئے تھے۔ ہفتے بھر تک وعظ کی تیاری میں ایسے کتاب کے کیڑے بن کر کتب خانے کے پلچیتے کہ ہفتے بھر عید کا چاند ہو جاتے اور تھوڑی دیر کو اتوار کے دن افق ممبر پر سے طلوع ہوتے تھے اور تھوڑی سی دیر وعظ ونصیحت کے پھول اور موتی برسا کر ایسے غروب ہوتے کہ پھر اگلے اتوار ہی نظر آتے۔ اسی واسطے بعض ہنسی سے انہیں .. Jack in the box (چوں چوں گڈا) کہتے تھے۔ مگر اللہ اللہ۔ جب بروز اتوار بر سر منبر آتے تو گرجے میں سناٹا بیت جاتا ہے

جب قفلِ دہن کھلا جواہر نکلے
گویا کہ زبان کلیدِ گنجینہ ہے

ہندو مسلمان دور دور سے اُنکا وعظ سننے آتے۔ بسا اوقات یہ لوگ گرجے کے پاس سے گزرتے ہوئے پوچھتے۔ کیوں صاحب کیا آج پادری عماد الدین صاحب وعظ فرمائینگے۔ انکا نام سنکر بے اختیار گرجے میں داخل۔

آپنے ۴۴ برس پاسٹری کا کام بہت خوبی سے سر انجام دیا۔ چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں نہ آتے تھے۔ گپ بازی میں ہرگز ٹانگ نہ پھنساتے تھے۔ بے مطلب کسی کے گھر نہ جاتے تھے۔ مشنری صاحبان آپ سے بڑی عزت سے پیش آتے تھے۔

عجیب بات یہ تھی کہ انگریزی زبان سے بہت کم واقف ہونیکے باوجود ایسی عالمانہ کتابیں تحریر کیں کہ زمانے میں یادگار رہینگی۔ انگریزی سے ناواقفیت ہونے میں لطف و صلاحیت کا یہ پہلو نکلتا ہے کہ آپ کی تمام تقریریں اصلی اور خیالات اچھوت و نئے ہوتے تھے۔

گرجے میں آپ پر عجیب رعب و جلال ہوتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ گرجے میں وعظ فرما رہے تھے کہ کسی نے دھڑاک سے ایک پتھر پھینکا۔ آپ کو یہ حرکت نہایت ناگوار معلوم ہوئی۔ اور آپ نے فرمایا جس نے یہ پتھر ڈالا ہے خدا اُسکی عقل پر پتھر ڈالے۔ معلوم ہوا کہ وہ شخص خود انکا ہی لڑکا تھا۔ آپ کو

معلوم ہوا مگر آپ ذرا بات سے نہ ہٹے۔
خدا کی قدرت دیکھو کہ وہ لڑکا تھوڑے عرصے بعد دیوانہ ہوگیا۔
آپ لوگوں کو اسکی نظیر دیتے نہ تھکتے۔ کیونکہ آپ میں انصاف اور دین مسیحی کی غایت درجے کی غیرت تھی۔ جب یہ لڑکا ہوش میں ہوتا آپ اسکو سمجھاتے اور توبہ کرنے کی ترغیب دیتے اور فرماتے کہ خدا سے تم نے ٹھٹھا کیا۔ اسلئے اس نے تمہاری عقل چھین لی۔ اب بنوکدنضر کی طرح غرور کیا ہے تو توبہ بھی ویسی ہی کرو۔
ماہ اگست ۱۹۱۰ء میں آپ موت کے بستر پہ لیٹے۔ آپ کو اپنے انجام کا غیب سے علم ہوگیا تھا۔ اسلئے فرمایا کہ آٹھ دن بعد تم پھر مجھے نہ دیکھو گے۔ اور آسمان کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ دروازہ کھلا ہے اور خداوند کھڑا ہے۔
تبدیلیٔ ہوا کی خاطر پادری کلارک صاحب مرحوم کی کوٹھی کے ایک کمرے میں اُنہیں لے گئے۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں ۱۸۶۶ء میں پادری کلارک صاحب سے انکی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ آپ نے خواہش ظاہر کی کہ اُن کا بستر صاحب موصوف کے دفتر کے کمرے میں بچھایا جائے اور کہا کہ مَیں اُسی کمرے میں مرنا چاہتا ہوں جہاں مینے مسیح کی تعلیم پائی ہے۔
۹ تاریخ کو وہ چند گھنٹے آنکھیں بند کئے آرام سے لیٹے رہے۔ اور اسی حالت میں ابدی آرام میں داخل ہوگئے ؎

حماك الله عن شر النوائب
جزاك الله في الدارين خيرا

(ایڈیٹر)

اُلٹے پاؤں

(از قلم جناب موسےٰ خان صاحب المخلص بفان۔ مہاسنگھ باغ لاہور)

مسیحیت بھی ایک عجیب طاقت اور قوت ہے۔ تاریخ عالم میں دو ہزار سال کا زمانہ کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ مگر اس قلیل عرصہ میں مسیحیت نے ایک شخص واحد سے شروع ہو کر آج سارے عالم پر تسلط جما لیا ہے۔ کہ اہل جہاں انگشت بدنداں ہیں۔ اور جب اسکی ابتدا سے اسکی موجودہ حالت کا مقابلہ کرتے ہیں تو انکے منہ سے بے اختیار نکل جاتا ہے کہ اگر یہ کام خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو اب تک ضرور بند ہو گیا ہوتا۔ اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا کی کایا پلٹ دی ہے۔ مسیحیت کا اثر عالمگیر روز اوّل سے اب تک رُو بہ ترقی ہے۔ اور اسکا ہر ایک قدم جب اُٹھتا ہے تو آگے ہی کو اُٹھتا ہے۔ گو مسیح کو دنیا سے گئے دو ہزار سال ہونے کو آئے مگر اسکی روحانی حضوری اور اخلاقی حاضری اب تک اہل دنیا کے ساتھ ہے۔ اور دن بدن اسکی موجودگی کو محسوس کیا جا رہا ہے۔ اور جیسا اس نے کہا کہ میں قیامت تک تمہارے ساتھ ہوں۔ اسکے الفاظ آج واقعات حقّہ بنکر اسکی یاد کو تازہ کر رہے ہیں۔ دنیا سے غلامی۔ عدم مساوات۔ مطلق العنانی۔ اصنام و اوہام پرستی اور زیردست آزاری کے بالمقابل مسیحیت نے وہ وہ کامرانیاں و ظفریابیاں حاصل کی ہیں کہ جو اُن پر سوچتا ہے جھٹ کہتا ہے کہ اگر یہ کام خدا کی طرف سے نہ تھا تو اب تک ضرور مٹ گیا ہوتا۔

ایک اور عجیب لطف بلکہ لطیفہ کی بات یہ ہے کہ جس قدر اسکی مخالفت ہوئی اسی قدر اسکو تقویت اور ترقی ملی۔ اور اسکے دشمن ہی سب سے پہلے اسکے مداح بنگئے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے اسکو ذات پات کی زبردست موجبات سے

دو چار ہونا پڑا۔ چنانچہ جب پہلے پہل خدا کے بندے چند مشنری صاحبان انجیل کے پیغام لیکر اس خطہ زمین میں آئے تو اسوقت یہ عقیدہ رائج پایا کہ کوئی دوِج شودر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کسی مذہب۔ ذاتی فضیلت اور احسن کاری کو توفیق ہے کہ ایک شودر کو دوِج بنادے۔ لوگ اچھوتوں سے کئی قدم دُور ہوکر چلتے تھے اور اُنہیں کھانے پہننے کو بھی کافی نہیں ملتا تھا۔ بیچاروں کو اس خستہ حالی اور صدیوں کی ذلت برداری سے نکلنے کا کوئی خیال ہی نہیں رہا تھا پس یہ خیال کہ ہر ایک شخص کا رُتبہ اُسکی پیدائش سے وابستہ ہے اہلِ ہند کی فطرتِ ثانیہ بن چکا تھا۔

مگر مشنری صاحبان نے جب ہندوستان میں آکر اچھوتوں کو اپنے ساتھ ملانا شروع کر دیا تو اہلِ ملک کے لئے یہ بالکل غیر طبعی اور اچنبے کی بات تھی اُنہوں نے اپنے عقیدہ سے مجبور ہوکر اپنے اُن بھائیوں کو جو اعلےٰ و شریف ذاتوں سے مسیحی ہو گئے۔ اچھوتوں کے برابر جانا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ساری مسیحی برادری کو چوہڑہ کا لقب دیا گیا۔ اور ایسی نفرت و حقارت کا نشانہ بنایا کہ ہزارہا لوگوں کو مسیحی ہو جانے سے اِس ذلت آمیز قومی لقب نے روک دیا۔ مگر اُنہوں نے جو اس بات پر یقین کامل رکھتے تھے کہ اگر یہ کام خدا کی طرف سے ہے تو کبھی بند نہ ہوگا سینہ سپر ہوکر ان تمام مصائب و نوائب کا مقابلہ کیا۔ خاندان برادری۔ قوم اور جائداد کے جملہ حقوق و معاملات سے فی الفور محروم ہو گئے۔ بہتوں نے ایمان کے دلیرانہ اصرار کے عوض جانیں قربان کر دیں مگر دُنیا کی عزت و آبرو کے خواہاں نہ ہوئے۔

چونکہ یہ کام درحقیقت خدا ہی کی جانب سے تھا۔ اس معرکہ میں آخر اسے وہ ظفر یابی و فتحمندی حاصل ہوئی کہ مسیحی دین کی دیکھا دیکھی دیگر مذاہب نے بھی چھوٹی اور اچھوت اقوام کو ملانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اسکی ابتداء برہمو سماج سے ہوئی۔ اور پھیلتے پھیلتے تمام قوموں میں اسکی تقلید ہونے لگی۔ اچھوتوں کو اعلےٰ اور شودروں کو دوِج بنا دینے کا دعویٰ بھی مسیحیت کو ہے اور عملی فخر بھی اسے ہی حاصل ہے۔ اور آج ہندوستان کے ہر ایک گوشہ میں مہاتما گاندھی کی یہ شہادت پکار پکار کر

بیان کی جا رہی ہے۔ کہ آریہ سماج نے مسیحیوں کی نقل میں شدھی کی رسم جاری کی ہے آج آریہ سماج
وہی کام کر رہی ہے جو مسیحی مشنریوں نے تھوڑا عرصہ ہوا شروع کیا۔ اور انہی مہاشئوں نے
اس پر "چوہڑہ" ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ چنانچہ اب مسیحیوں سے وہ نفرت وحقارت نہیں کیجاتی
جو ابتدا میں باعث دل آزاری اور موجب صبر آزمائی ہوتی تھی۔ مگر ہم یہ دیکھکر حیران ہو رہے ہیں
کہ آجکل مسیحی زندگی کا نمونہ پیش کرنے میں ہمسے کوتاہی ہو رہی ہے۔ اور ہم اس بات کے
خواہشمند پائے جاتے ہیں کہ لوگ ہماری پہلی اعلیٰ ذاتوں کے نام سے ہمیں یاد کریں۔
اور ادنیٰ جماعتوں کے لوگ ہمارے برابر حقوق حاصل نہ کریں۔ اخبار سیاست میں مدراس
کے ایک مقام کے مسیحیوں کا ذات پات کے متعلق جھگڑا درج ہوا ہے کہ اعلیٰ ذاتوں کے
مسیحی ادنیٰ ذاتوں کے مسیحیوں کو گرجے میں آنے نہیں دیتے۔ ہم پنجابیوں کو سختی کے ساتھ
اس ذات پرستی ومطلق العنانی کا کھڑے ہو کر مقابلہ کرنا چاہیئے کہ مدراس کی بدعت ہم میں
ہرگز نہ آگھسے۔ شکر کا مقام ہے کہ ابتک پنجاب میں ورن دیوتا کا قدم نہیں آیا۔ نہ
ہم میں یونانی ہیں نہ یہودی۔ نہ مختون اور نہ غیر مختون۔ نہ غلام نہ آزاد۔ نہ شودر۔ نہ برہمن
نہ مصلی اور نہ سید بلکہ مسیح ہم سب میں سب کچھ ہے۔ اور ہم سب مسیح میں یکساں
مسیحی کہلاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مساوات۔ برادری جمہوریت
اور یگانگت کی ایسی بینظیر زندگی کا مجسمہ بن جائیں کہ ہمارے چاروں طرف جو اونچ اور
چھوت اور اعلیٰ وادنیٰ کا خیال ہے وہ دور ہو کر ایک ہی مسیح کی ایک ہی سلطنت
قائم ہو جائے۔ یہ نہ ہو کہ جب مسیح نے ہندوستان کو جیت لیا اُسوقت ہم اسکی
فوج سے اُلٹے پاؤں پھرنے لگیں جہاں دنیوی طور پر مسیحیوں کو کسی سے پرخاش
نہ ہونی چاہیئے وہاں روحانی اور اخلاقی طور پر دنیا کی عزت اور اہل دنیا کی خوشنودی پر
مسیح کی عزت وآبرو کو ہرگز قربان بھی کرنا نہیں چاہیئے اور اسلیئے کہ ہندو مسلمان ہم سے
خوش ہو جائیں ہمیں سچی مسیحی زندگی اور مسیح کے نام کی علانیہ گواہی کو ہرگز ترک نہیں کرنا
چاہیئے۔ پس امید ہے کہ خدا کی مدد و توفیق سے ہم اس جنگ میں بھی مظفر ومنصور ہو کر نکلینگے لیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ

"خدا خود میشود ناصر اگر ہمت شود پیدا۔"

(خان)

دس روپے میں کیا کیا ہوتا؟

شوہر نے اپنے کسی دوست کو دس روپے قرض دئیے ہیں۔ بیوی صاحبہ سنتے ہی آپے سے باہر ہوگئیں۔

اخاہ! اب تو تم بڑے امیر ہو گئے۔ ہزار منع کیا مگر ایک نہ سنی میں کہتی ہوں کہ تم کہاں کے ایسے روپے والے ہو گئے جو روپیہ بانٹتے پھرتے ہو؟ انہیں دس روپیوں سے نہ معلوم کیا کیا کام نکلتے۔ اور اگر ابھی تم مانگنے جاؤ تو کوئی کوڑی بھی نہ دے۔ میں تو کیا کیا جتن کرکے خرچ کم کرتی ہوں۔ اور تم قرض دیتے پھرتے ہو۔ آخر روپے پیسے والی عقل کبھی تم کو آئیگی کہ نہیں؟ سمجھو تو اس دس روپے سے کتنے کام نکلتے۔ کیا روپیہ کہیں پڑا ملجاتا ہے؟ مگر تمہیں اسکا خیال کیوں ہونے لگا۔

آج تین مہینے سے ایک وائل کے ڈریس کو کہہ رہی ہوں مگر تم سنتے ہی نہیں تمہیں قرض دینے سے کب فرصت جو تمہیں بیوی کا خیال ہو۔ میں چیتھڑے لگائے پھرتی ہوں مگر تمہاری بلا سے۔ مجھ پر جو گذرے گذر جائے۔ تم کو اسکی کچھ پروا نہیں۔ سب کہتے ہیں کہ میں ایسے کپڑے نہیں پہنتی ہوں جو تمہاری بیوی ہو کر مجھے پہننا چاہئے۔ اور سچ پوچھو تو سچ کہتے ہیں مگر تمکو اسکی کچھ غیرت نہیں۔ دنیا پر تو تم مہربان ہو مگر دشمن ہو تو میرے۔ کاش تم بھی مجھے ویسا ہی سمجھتے جیسا میں تمہیں سمجھتی ہوں۔ دنیا مجھ پر انگلی اٹھاتی ہے کہ اتنے بڑے گھر کی بیوی اور ایک ڈریس بھی گت کا نہیں۔ کسیکو کیا معلوم کہ اس بڑے گھر میں خواہ فاقے ہی ہوں۔ مگر میاں قرض بانٹتے ہیں۔

بچوں کا الگ پتلا حال ہے۔ لڑکوں کی یہ کیفیت ہے کہ بدن پر کرتا ہے تو پاجامہ نہیں اور پاجامہ ہے تو کوٹ نہیں۔ لڑکیاں ہیں وہ ننگی پھر رہی ہیں۔ مجھے کیا؟ تمہیں پر لوگ ہنسیں گے کہ باواجان قرضہ دیتے پھرتے ہیں اور بچوں کے بدن پر کپڑے کا ایک تار نہیں۔ دس روپے کا کپڑا آتا تو گھر بھر کا بدن ڈھک جاتا

مگر تمہیں اسکی کیا فکر۔ گھر بھر خواہ ننگا رہے مگر تم قرض بانٹتے پھرو۔
مکان والا صبح پکار گیا ہے مگر جب لوگ گلی کوچے میں جو مانگے اُسے
دس روپے دیتے پھرینگے تو مکان کا کرایہ کہاں سے دینگے؟ اب دیکھیں
کہاں سے روپیہ آتا ہے۔ گھر وارہ بھی کیا وہی دئے جائیں گے جنکو قرض دیا ہے؟
دو دن سے کھڑکی کا پٹ نکل گیا ہے۔ مگر تمکو اس کی خبر کا ہے کو ہونے لگی تھی
میں بڑھئی کو بلانے والی تھی۔ مگر اب کیا خاک بلواؤں؟ مزدوری کہاں سے
آئے گی۔ مزدوری تو قرضہ میں گئی۔ اب کھڑکی یونہی رہے گی۔ یہ تو ٹھنڈک
اور یہ ہوا۔ اور اُسپر ننہا سا بچہ گود میں۔ اب اسکی جان کا خدا ہی حافظ ہے۔
زکام اُسے ایک ہی دن کی ہوا میں ہو گیا ہے۔ اب نمونیا بھی ہو جائے گا۔
تب حکیم ڈاکٹر بلاتے پھروگے۔ مگر فیس کہاں سے دیجائیگی۔ اگر بچے کی جان پر
آنچ آگئی تو تمہیں پر اسکا خون ہوگا۔ میرے بنوائے تو کھڑکی اب بن نہیں
سکتی۔ اگر لوگ دش روپے راہ چلتے نہ پھینک آئیں تو دُنیا کے ہزار کام نکلیں۔
جمعہ جمعہ آٹھ۔ سنیچر نو دسویں دن اتوار کو دائی کا مہینہ پورا ہوگا۔ اور اگر
دوسری صبح تنخواہ نہ دیگئی تو وہ کام چھوڑ کے بیٹھ رہے گی۔ تب میاں کو قرض
دینے کا حال معلوم ہوگا کہ ایسا ہوتا ہے قرض بانٹنا۔ دائیوں کا آجکل وہ کال
ہے کہ کمبخت ملتی ہی نہیں۔ اب گھر کا دھندا کون کریگا؟ چھوٹے بچے کو
گود میں لے کر مجھ سے تو کچھ ہونے کا نہیں۔ اب تم ہی بیٹھکر چولہا پھونکنا تب
قدر عافیت معلوم ہوگی۔ اتنے دن دائی رہی۔ مزے میں وقت پر کھانا ملتا رہا
مگر جب روپے کنکر پتھر کی طرح پھینکے جائیں گے تو دائی رہ چکی۔
ابھی کی دو مہینے کی فیس چڑھی ہوئی ہے۔ مس صاحبہ کی کئی چٹھیاں
آچکی ہیں۔ مگر یہاں فیس کے نام پیسہ بھی نہیں۔ یہی ہوگا کہ مس صاحبہ اُسے
اسکول سے نکال دینگی۔ لڑکی چاہے اَن پڑھ رہے مگر تمہیں روپیہ پھینکنے سے
مطلب۔ جب تعلیم ہی نہیں ہوگی تو اُسے کون پوچھیگا؟ بس یہی ہوگا کہ کسی گنوار کے

پلنے پڑے گی۔ اُسکی ساری خوبصورتی خاک میں مل جائے گی۔ بھلا ایسی لڑکی کسی گنوار کے لائق ہے ؟ مگر تمہیں اسکی غیرت کیوں ہونے لگی۔ تم تو اُٹھو اور جو راستے میں ملا اُسی کو دس روپے حوالے کر دئیے۔

ایڈورڈ کے لئے الگ پریشان ہوں۔ روز روز اُسکی بیماری بڑھتی جا رہی ہے۔ سوچ رہی تھی کہ اُسے الموڑہ ہی لے جاؤں۔ مگر کیسے لیجاؤں؟ تمہیں قرض بانٹنے ہی سے چھٹی نہیں۔ اس صورت میں الموڑہ جانا ہو چکا۔ لڑکا چاہے مرے چاہے جیئے تمہیں اس سے کیا؟ اب ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اُس غریب کی جان جائے گی۔ آہ! کیسا اچھا لڑکا تھا۔ مگر اب میں سمجھ گئی کہ اب وہ میرے ہاتھ سے چھن جائیگا۔ فرشتے اُسے لیجائیں گے۔ دوڑ دھوپ کیجاتی تو لڑکا بچ جاتا۔ مگر جب لوگ دس روپے نہیں بچا سکتے پھینکتے پھرتے ہیں تو لڑکے کو کون بچائے گا۔

گھر بھر میں ایک پلنگ کی اُدوان ٹھیک نہیں۔ جس پلنگ پر لیٹو قبر کا مزا آتا ہے۔ کھانا الگ ہضم نہیں ہوتا۔ گھر بھر کا پیٹ بگڑ گیا ہے۔ اگر رستی سول آجاتی تو کاہے کو یہ ہوتا۔ مگر تمہیں اس سے کیا واسطہ ؟ میں چاہے مروں چاہے جیوں۔ بچے چاہیں چارپائی پر رہیں چاہے بھاڑ میں جائیں۔ تم کو روپیہ ضرور پھینکنا۔ گھر میں بل اتنے ہو گئے ہیں اور چوہے اسقدر ہیں کہ خدا کی پناہ۔ کب سے کہتی ہوں کہ ایک مزدور لگا کر بند کرا دو۔ مگر نہیں سنتے۔ اور چوہے دان کی ہو کہتے ہو۔ تمہیں بتاؤ کہ چوہے دان کہاں سے آئے جو لگاؤں جب قرض بانٹنے سے چھٹکارا ہوتب تو چوہے دان آئے شہر میں طاعون کا ہلڑ مچا ہوا ہے کوئی دن میں ہماری طرف بھی آیا سمجھو۔ اور جب چوہوں کی یہی کثرت رہیگی تو ہمارا گھر کب بچ رہیگا۔ اب خدا ہی ہماری جان کا حافظ ہے۔ مگر تمہارے تو خیال ہی میں کوئی بات نہیں آتی۔ اگر قرض بانٹنے کی جگہ تم اپنے گھر بار کی خبر لیتے تو کیا تمہارے نام میں بٹہ لگ جاتا۔ مگر تمہیں گھر بار کی کیا فکر؟ تم دس روپے پر نفاوت کرنے پھرو۔

شوہر صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں معلوم اس لیکچر کا سلسلہ کب تک جاری رہتا مگر بیچ ہی میں مسٹر مادی کی بیوی صاحبہ یہ کہکر کہ میں سو گیا ہوں خاموش ہو رہیں۔ ”جان بچی لاکھوں پائے“ ۔

ش

پنجاب میں مسیحی قوم کی ترقی

مسیحیوں کی مقامی تعداد۔ سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری سے معلوم ہوا ہے کہ کل پنجاب میں مسیحیوں کی آبادی ۳۴۶۲۵۹ ہے۔ جن میں سے ۷ء۶ فیصدی تو یورپین ۱ء۴ فیصدی اینگلو انڈین اور ۹۱ فیصدی ہندوستانی مسیحی ہیں۔ تیرہ سالہ رپورٹ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اضلاع گوجرانوالہ۔ لاہور۔ وشیخوپورہ میں عیسائیوں کی تعداد کافی ہے۔ اسکے بعد دوسرا ضروری علاقہ پہاڑی علاقہ ہے۔ یہاں مسیحیوں کی تعداد کل آبادی کا ¼ سے زیادہ ہے۔ ضلع سیالکوٹ میں مسیحی کل آبادی کا ۷ء فیصدی۔ اور گورداسپور میں ۴ فیصدی ہیں۔ پنجاب کے شمال مشرق کیطرف کے اضلاع شاہ پور۔ منٹگمری۔ لائل پور میں بھی مسیحی آبادی نے نمایاں ترقی کی ہے۔ مگر سب سے زیادہ شملہ میں ہے یعنی کل آبادی کا ۴۰ فیصدی۔ اور ڈیرہ غازی خان کی طرف کے سرکاری علاقوں میں مسیحی بہت ہی کم پائے جاتے ہیں۔ یا یوں سمجھیں کہ کل آبادی کا ء۱ فیصدی ہے۔

اوپر بیان کیا گیا ہے کہ سنہ ۲۱ء میں پنجاب میں مسیحیوں کی تعداد ۳۴۶۲۵۹ تھی۔ مگر سنہ ۱۱ء تک صرف ۱۹۹۷۵۱ تھے۔ جس سے صاف ظاہر ہے ۷۳ء۳ فیصدی زیادتی ہوئی۔ ان میں سنہ ۱۱ء یورپین مسیحی ۳۲۲۷۸ تھے اور سنہ ۲۱ء ۲۶۳۱۳ رہگئے یعنی ۱۸ء۵ کی کمی واقع ہوئی۔ اینگلو انڈین کرسچین سنہ ۱۱ء میں ۳۴۰۹ تھے اور سنہ ۲۱ء میں ۴۸۱۵ تک بڑھ گئے یعنی ۴۱ء۳ فیصدی زیادتی مگر ہندوستانی مسیحیوں میں ۹۲ء۱ فیصدی زیادتی ہوئی۔ کیونکہ یہ سنہ ۱۱ء میں ۱۶۳۹۹۴ تھے۔ اور سنہ ۲۱ء ۳۱۵۰۳۱ ہو گئے۔

یہی نہیں کہ انہوں نے صرف انہی دس سالوں میں ترقی کی بلکہ پچھلے سالوں میں بھی دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتے رہے۔ چنانچہ انڈین کرسچین کی تعداد

DISTRIBUTION OF THE CHRISTIAN POPULATION.
Number per 1000 of total popn.
Over 50
25 to 49
10 to 24
5 to 9
2 to 4
Under 2.
STATES
Loharu State 1
Dujana 2
Pataudi 3
Kalsia 4
Nahan 5
Mandi 6
Suket 7
Kapurthala 8
Malerkotla 9
Faridkot 10
Chamba 11
Patiala 12
Jind 13
Nabha 14
Bahawalpur 15
Bilaspur 16
BALUCHISTAN
N.W.F. PROVINCE
KASHMIR
SIND
RAJPUTANA
UNITED PROVINCE
D.G. KHAN
MUZAFFARGARH
MIANWALI
ATTOCK
JHELUM
GUJRAT
SIALKOT
SHAHPUR
JHANG
MULTAN
15 Bahawalpur State
11 Chamba State
KANGRA
HISSAR
5

سنہ ۱۸۸۱ء میں ۳۷۹۶ تھی جو سنہ ۱۸۹۱ء میں ۱۹۵۴۷ ہو گئی پھر سنہ ۱۹۰۱ء تک ۳۷۹۸۰ ہو گئے۔ ان کی یہ نمایاں ترقی صرف مشنریوں کے سبب سے ہی ظہور میں آئی ہے۔

(پنجاب کے مختلف اضلاع میں مسیحیوں کی تعداد ترقی یا تنزل کا نقشہ)
سنہ ۱۱ء سے سنہ ۲۱ء

نام ضلع	سنہ ۱۹۱۱ء	سنہ ۱۹۲۱ء	کیفیت کمی یا زیادتی
انبالہ	۵۹۱۴	۱۴۰۳	۸۱۱ کمی
جالندھر	۱۲۸۵	۷۶۴	۵۲۱ 〃
فیروزپور	۳۰۹۸	۱۲۲۴	۸۷۴ 〃
لاہور	۴۷۹۶	۳۸۴۷	۹۴۹ 〃
سیالکوٹ	۲۲۸۷	۱۸۰۰	۴۸۷ 〃
راولپنڈی	۷۰۵۴	۶۲۲۶	۸۲۸ 〃
حصار	۲۷۳	۱۰۲۴	۷۵۱ زیادتی
رہتک	۳۳۴	۱۰۰۳۳	۹۶۹۹ 〃
کرنال	۹۸۲	۳۳۲۰	۲۳۳۸ 〃
کپورتھلہ ریاست	۱۰۷	۱۱۰۰	۹۹۳ 〃
امرتسر	۴۷۶۳	۱۲۷۷۳	۸۰۱۰
گجرات	۵۷۰	۲۳۷۳	۱۸۰۳
منٹگمری	۵۸۱	۱۰۴۰۸	۹۸۲۷

مندرجہ بالا فہرست کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیوں کی تعداد میں صرف ان مقامات میں کمی واقع ہوئی ہے جہاں فوجی چھاؤنیاں ہیں اور یہ کمی صرف یورپین مسیحیوں میں ہے جس کے دو وجوہات ہیں۔ اول تو یہ کہ فوجی ملازمت میں ہندوستانیوں کو اعلیٰ عہدے مل گئے اور متعین یورپین کو

ولایت جانا پڑا۔

دوسرے یہ کہ انگریزی افواج کی تعداد میں کمی کر دیگئی ہے اور انکی بجائے ہندوستانی بھرتی ہوگئے ورنہ انڈین یا اینگلوانڈین مسیحیوں کی تعداد میں تو ہر سال اضافہ ہی ہوتا رہا ہے۔

حصار۔ رہتک و کرنال میں جو نمایاں ترقی ہوئی ہے وہ صرف میتھوڈسٹ جماعت اور ایپس کوپل مشن کی سعی بلیغ کا نتیجہ ہے۔ کیورتھلہ میں پنجاب مشن آف دی امریکن پریسبیٹرین چرچ کی جدو جہد نے گل کھلائے ہیں۔ گجرات و امرتسر میں چرچ آف سکاٹ لینڈ مشن اور چرچ مشنری سوسائٹی نے کارہائے نمایاں کئے ہیں۔ منٹگمری میں بہت سے مشنوں نے کام کئے۔ اور اپنی کامیابی کے ثبوت دکھائے مگر "اے۔ آر۔ پی" مشن نے سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ (سنہ ۱۹۱۱ء و سنہ ۱۹۲۱ء کی عیسائی آبادی کا مقابلہ)

نمبر شمار	نام جماعت	سنہ ۱۹۱۱ء	سنہ ۱۹۲۱ء	فیصدی اضافہ
۱	تمام جماعتیں	۱۹۹۶۹۷	۳۴۶۲۵۹	۷۳٫۴
۲	انگریزی جماعت	۵۳۴۲۷	۶۹۳۷۴	۲۹٫۸
۳	امریکن	۱۲	۱۰۷	۷۹۱٫۷
۴	بپٹسٹ	۱۳۴۰	۲۵۵۶	۹۰٫۷
۵	یونانی	۱۸	۳	۸۳٫۳ کمی
۶	لوتھرن	۱۱۵	۳۹	۶۶٫۱
۷	میتھوڈسٹ	۱۲۸۵۰	۳۶۰۴۴	۱۸۰٫۵
۸	دیگر پراٹسٹنٹ جماعتیں	۱۴۷۹	۶۷۷۶	۳۵۸٫۱
۹	پریسبیٹیرین	۹۵۰۳۹	۱۳۴۰۶۳	۴۱٫۱
۱۰	پراٹسٹنٹ	۹۳۰	۱۷۰۴۴	۱۷۳۲٫۷
۱۱	کویکر	۳	۱	۶۶٫۷ کمی
۱۲	رومن کیتھلک	۱۵۸۴۷	۴۰۲۲۵	۱۵۳٫۸
۱۳	مکتی فوج	۱۸۰۷۳	۳۸۱۲۳	۱۱۰٫۹
۱۴	سریانی	۱	۲۶	۲۵۰۰

سنہ ۱۹۱۱ء کے بعد سوائے یونانی لوتھرن اور کویکر کے باقی سب میں ترقی واقع ہوئی ہے۔ اور کمی صرف مشنریوں کی کم توجہی کا باعث ہے۔

انگلیکن کی پہلی تعداد ۲۷،۴۲۳۵ تھی مگر اب ۴،۶۹۲۷ ہے یعنی ۹،۸ ۲ فیصدی زیادتی ہے۔

بیپٹسٹ کی تعداد میں کمی واقع ہوئی ہے جو صرف یورپینز کے کم ہو جانے کی وجہ سے ہے۔ بلکہ انڈین اور اینگلو انڈین مسیحیوں کی تعداد تو اس جماعت میں بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ یعنے ۵۴ ۱۱ سے ۲۴۳۹ ہو گئی۔ ان کی یہ زیادتی دہلی انبالہ اور پٹیالہ سٹیٹ میں زیادہ ہوئی ہے۔

میتھوڈسٹ جماعت کی تعداد ۵۰،۱۲ سے ۴۴،۹۰۳ تک پہنچ گئی یعنی ۵،۲۰۰ فیصدی زیادتی واقع ہوئی۔ یہاں بھی انڈین کرسچین تعداد میں سب سے بڑھ گئے جو زیادہ تر رہتک لاہور گورداسپور میں ہوئی ہے۔

پریس بیٹرین جماعت کی تعداد ۴۲،۰۳۹ ہے۔ یعنی ۱۰۱،۴ فیصدی کی زیادتی۔ انہوں نے جالندھر۔ لاہور۔ گوجرانوالہ اور منٹگمری میں بہت ترقی کی ہے۔ البتہ لائیلپور اور شاہپور میں کمی واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ یہاں سے مسیحی لوگ عام طور پر منٹگمری اور شیخوپورہ کی طرف چلے گئے اور وہاں ہی اپنی بود و باش اختیار کر لی۔

رومن کیتھلک جماعت نے کافی ترقی کی ہے۔ پچھلے دس سالوں کی نسبت ۸،۳،۵۲ ۱ فیصدی کی زیادتی ہوئی ہے۔ ان میں بھی اینگلو انڈین اور انڈین کرسچین اول نمبر پر رہی ہیں۔ اس جماعت میں یورپین ممبرز کی تعداد میں ۶،۲۳ فیصدی کی کمی واقع ہوئی ہے۔

سالویشنسٹ (مکتی فوج) نے بھی ۱۹۱۱ کے بعد ۲۰۰۵۰ آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔

کے۔ ایل۔ رلیارام۔ ایڈیٹر انچیف۔

این۔ایم۔ایس کے کام پر ایک سرسری نظر

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

تقریباً بیس سال ہوگئے ہیں کہ این۔ایم۔ایس کا کام ہند کے خاص خاص حصوں میں شروع ہے۔ ہم کو یاد ہے کہ سب سے پہلے سٹر عزرایاہ جو آجکل بشپ آف ڈورناکل ہیں مدراس سے پنجاب میں تشریف لائے اور این۔ایم۔ایس کی تحریک کی۔ چنانچہ لوگوں میں ایک خاص جذبہ اسکی نسبت پیدا ہوا۔ اور پنجاب اور دیگر صوبجات میں لوگوں نے بڑی دلچسپی اور سرگرمی سے حصہ لینا شروع کیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ شروع شروع میں بعض شخصوں نے مخالفت کی اور اس تحریک کے بانی مبانیوں اور حامی صاحبوں کو دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض تو برملا کہتے تھے کہ یہ چند روز کا کھیل ہے۔ لونڈے لاروں کی بات ہے۔ چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے۔ مگر خداوند تعالیٰ کا ہزار لاکھ شکر کہ زمانے کے تجربے سے یہ بات ثابت نہ ہوئی۔ جو تحریک خدا رکھے ۲۰ سال تک زندہ و قائم رہ سکتی ہے اسے کوئی بازیچۂ اطفال نہیں کہہ سکتا۔ ہمنے مانا کہ اس میں کمزوریاں ہیں۔ اور کمزوریاں۔ نقائص اور سقم تو انسان کے ہر فعل میں پائے جاتے ہیں۔ باوجود اسکے این۔ایم۔ایس کی اتنے برس کی زندگی اور قیام اس بات کا ادنیٰ ثبوت ہے کہ یہ ہمارے ملک کے لئے مفید ہے اور ایک نہ ایک وقت میں ضرور پوری پوری کامیابی حاصل کرے گی۔ کیونکہ اگر یہ تحریک خداوند کریم کی طرف سے نہ ہوتی تو اب تک کبھی کی مٹ کر گئی گزری ہوگئی ہوتی۔

ہم اس غرض سے اس مضمون کو نہیں لکھتے کہ کسی کے کام پر نکتہ چینی کی جائے بلکہ اس غرض سے کہ اس بات کی ترغیب دیجائے کہ یہ تحریک ہندوستانی مسیحیوں کی

زندگی کا جزو بن جائے۔ اور اس میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہو۔ اور ہمارے خیال میں یہ دونوں لوازمات جیسا کہ چاہئے ہم لوگوں میں موجود نہیں ہیں۔ اسلئے چند نکات ہم برائے غور پیش کرتے ہیں تاکہ این۔ ایم۔ ایس کی آئندہ ترقی اور دیسی مسیحیوں کی بہبودی ہو۔ ع

"بہروزی ہووے میری اور تیری بہتری ہو"

یہ قانون قدرت سا ہے کہ ہر کام۔ ہر ایک نئی تحریک اپنی ذاتی خوبیوں کے باعث خاص خاص حالات میں عمدگی کے ایک خاص درجے اور حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اسکے بعد اگر اسمیں کوئی تبدیلی نہ ہو تو حالات و واقعات کے بدل جانیکے باعث اس میں آپ ہی آپ تنزل اور کمزوری کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ اب وقت آگیا ہے کہ این۔ ایم۔ ایس اپنی پالیسی و طرزِ عمل میں تبدیلی کرے۔ اور ایسی کرے کہ حالات کے مناسب و واقعات کے مطابق ہو ؎

اے پادشہِ خوباں داد از غمِ تنہائی
دل بے تو بجاں آمد وقت است کہ باز آئی

سبحان اللہ! سوسائٹی کے نام کا لفظ نیشنل کچھ ایسا پیارا ہے کہ کل دیسی مسیحیوں کی آنکھوں کا تارا ہے۔ مسیحی خواہ کسی فرقے کا ہو؟ اسکو ایسا بھاتا ہے کہ کوئی اور لفظ اسکی خوبصورتی کو نہیں پاتا ہے۔ اس لفظ کے سنتے ہی ہندوستانی لوگوں کے دلوں میں ایک گونہ جوش اور ولولہ اور اپنی قوم کے لئے جذبہ پیدا ہو جاتا ہے ؎

یہ نام پاک اپنا رفیق و انیس ہے
ہادی ہے مہرباں ہے اور یارِ غمگسار

یہی سبب ہے کہ کئی شخص جو محبِ قوم و وطن ہیں انکے دل پر اس نام کے سنتے ہی جادو کا سا اثر ہو جاتا ہے۔

پس مناسب ہے کہ جیسا اس سوسائٹی کا نام بڑا اور بہت خیر ہے اور اس کے

نام میں وسعت اور عالمگیری کی روح پائی جاتی ہے اسکے کام اور پالیسی میں بھی وسعت اور عالمگیری پائی جائے۔ لہذا اس کا تعلق کسی خاص طبقے اور فرقے سے ہونا نہیں چاہیئے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ سوال بڑا پیچیدہ اور غور طلب ہے اور ابتدائیہ کمیٹی نے وقت اور حالات کو دیکھکر مصلحتاً یہ مناسب سمجھا کہ اسکا تعلق ہر صوبے میں ایک خاص فرقے کے ساتھ ہو۔ مثلاً پنجاب میں خاص سی۔ ایم۔ ایس کے ساتھ۔ یو پی میں پریس بیٹیرین کلیسیا کی زیر نگرانی۔ اس نکتہ نگاہ کی ایک حد تک ہم قدر بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ حالات ایسے تھے اور زمانہ اس قسم کا تھا کہ اگر اسوقت این۔ ایم۔ ایس سرزدری کرکے اپنے پاؤں پر بے سہارے کھڑا ہونا چاہتی تو ہرگز نہ نپنپتی۔ مگر دوسرے نکتہ خیال سے یہ پالیسی ایسی ہے کہ اگر اسکو ہمیشہ عملدرآمد کرکے جاری رکھا جائے تو این۔ ایم۔ ایس کے کام کو نمایاں ترقی حاصل نہیں ہو سکتی۔

اگرچہ عام طور پر ہمارے دیسی مسیحی بھائی فرقہ بندی کا بہت خیال نہیں کرتے اور اس قید زبون سے اپنے آپ کو آزاد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاہم ہر صوبے شہر اور گاؤں میں اس قسم کے دیسی مسیحی کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں جو اپنے خیالات کا دائرہ نہایت تنگ اور محدود رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ناصرت سے کوئی اچھی چیز نکل سکتی ہے۔ چنانچہ جب وہ کسی نئی تحریک کو دیکھتے ہیں تو ناک چڑھا کر کہہ دیتے ہیں کہ "اوہ۔ اسکا تعلق سی۔ ایم۔ ایس یا ہماری فلانی فلانی مشن سے نہیں ہے اسلئے ہمیں اس سے کیا سروکار ہے

"رات وہ بولے ہنسکر مجھ سے چاہ یہاں کوئی کھیل نہیں
میں ہوں ہنسوڑا تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں"

یہ ہماری قوم کی ایک بڑی بھاری بدقسمتی ہے کہ اسقدر فرقے اور وہ بڑے بندیاں ہم میں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ مدت سے خود تمام مشنری سوسائٹیوں کیطرف سے اس بات کی کوشش ہو رہی ہے کہ ہند میں ایک متحدہ کلیسیا قائم ہو جائے

ملکران کو ابتک اس امر میں ذرا بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اور ہم سب باتوں کو مدنظر رکھکر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس اہم مسئلے کا حل فقط ہمارے دیسی بھائی ہی کر سکتے ہیں۔

جب این۔ ایم۔ ایس کی بنیاد ڈالی گئی تو سب لوگوں کی آنکھیں انہیں صاحبان بانیان سوسائٹی کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ اور بڑی بڑی امیدیں تھیں کہ وہ اس مسئلے کو حل کرینگے۔ مگر وائے قسمت کہ انہوں نے بھی بجائے حل کرنیکے ایک فرقہ اور بڑھا دیا ؎

سانس دیکھا نہ بسمل ہیں جو آتے جلتے
ایک چرکا دیا صیاد نے جاتے جاتے

چنانچہ انکی وہی مثل ہے جو بادشاہ جاپان سے نقل ہے۔

جب پہلے پہل مسیحیت جاپان میں پھیلنی شروع ہوئی تو وہاں کے بعض متعصب لوگوں نے شاہ جاپان کی خدمت میں جاکر عرض کی کہ حضور پر نور دین مسیحی کے ہادیان و مبشران کو اجازت عطا نہ فرمائیں کہ وہ ایک نیا مذہب ہمارے جزیرے میں پھیلائیں ؎

بہ از شاہ بریخ زند نام او
نیارد وریں کشور آرام او

نیک روش اور آزاد منش شاہ نے پوچھا۔ اس سے آگے ہمارے ملک میں اور کتنے مختلف مذہب اور فرقے پائے جاتے ہیں۔ ایک صاحب نے کہا حضور یہی کوئی تیس بتیس ہوں گے۔ شاہ نے بڑی دانشمندی سے فرمایا۔ جہاں ۳۲ ہیں وہاں ۳۳ سہی کیا مضائقہ ہے۔ این۔ ایم۔ ایس کا بھی بعینہ ایسا ہی حال ہے۔ جہاں عیسائیوں کے اتنے فرقے ہیں وہاں ایک اور سہی۔ ع۔ "خوب گذرے گی جو مل بیٹھینگے دیوانے دو"

خیر اب وقت آگیا ہے کہ این۔ ایم۔ ایس اس بات پر غور کرے۔ اگرچہ کہنے

اور کرنے میں بہت فرق ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس میں بہت دقتیں ہیں تاہم کوئی معمّا ایسا نہیں کہ حل نہ ہو سکے۔ ع

ہمّت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

اوّل تو این۔ایم۔ایس کو چاہئے کہ ہر صوبے میں نیا ایک چرچ قائم کرے اور اُسکے قواعد وضوابط بنائے جو اس قسم کے عالمگیر ہوں کہ اس میں ہر فرقے کے مسیحی بآسانی شامل ہو سکیں۔ایک نیا چرچ۔نیا انتظام و نظام پرستش اور نیا طریقہ عبادت تجویز کرنا نہایت ضروری ہے۔گرجے کی عمارت ایک مرکزی جگہ میں قائم کی جائے۔اور چرچ کا نام نیشنل چرچ ہو۔سراسر دیسیوں کے روپے سے بنایا جائے۔بلکہ اکالیوں کی طرح تمام مسیحیوں کو دعوت دیجائے کہ اپنے ہاتھوں سے کام کریں اور گرجے کی تعمیر میں حصہ لیں سوائے اُس کام کے جو بغیر کاریگروں کے ہونا ناممکن ہے۔اور یہ کام کچھ مشکل نہیں جیسا کہ اسی نمبر کے مضمون "پنجاب میں مسیحی قوم کی ترقی" سے ظاہر ہے کہ مسیحیوں کی مردم شماری اور پنجاب میں آبادی سوا تین لاکھ ہے اور اگر ہر فی کس بھی لیا جائے تو ۷۵ ہزار روپیہ بنتا ہے۔

دوسرے واجب ہے کہ این۔ایم۔ایس اپنی انتظامیہ کمیٹی کی تعداد کو بڑھائے پانچ دس ممبر نہیں بلکہ کم از کم پچاس ممبر ہوں۔

تیسرے۔سال کے سال ایک بڑا میلہ نہایت جوش وخروش و دھوم دھام اور بڑی کامیابی سے کرنا چاہیئے اور ایک بڑا بھاری جلسہ کیا جائے تمام لوگوں کو دعوت دیجائے اور بہترین طریقوں پر اپنی کوشش کے دائروں کو وسیع کیا جائے۔

ہمارے خیال میں اب وہ وقت ہے کہ مقابلتہً لوگ آگے کی نسبت مذہبی باتوں میں زیادہ دلچسپی سے حصہ لیتے ہیں اور دین کے ساتھ ساتھ ہی این ایم ایس کو چاہیئے کہ بیروزگاری پراگندہ دل کے مسئلے کو پیش نظر رکھکر لوگوں کی دنیوی حالت کے بہتر بنانے کی کوشش کرے۔انکی تعلیم وتربیت صنعت وحرفت کو ترقی دینے کے

وسائل ڈھونڈے۔ مسیحی دنیا پر جب ہم ایک نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات اظہر من الشمس پائی جاتی ہے کہ ایک قوم کی ترقی کا مرکز اسکا چرچ ہے۔ اگرچہ موجودہ انتظامات کی رو سے دلیسیوں کو بہت سا حصہ کلیسیائی اختیارات کا ملگیا ہے پھر بھی ہم ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ہماری طاقت۔ ہماری دولت سب بٹی ہوئی ہیں اور کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا کی پھبتی ہمپر پھبتی ہے۔ مثلاً لاہور کی مثال لیجئے یہاں پر اور کلیسیاؤں کو چھوڑکر دو بڑی بھاری سوسائٹیاں مدت سے کام کررہی ہیں۔ ایک تو چرچ مشنری سوسائٹی۔ دوسری امریکن پریسبیٹیرین سوسائٹی۔ اور خدا کے فضل سے دونوں کلیسیاؤں میں اسوقت ایسے آدمی شامل ہیں جو ہر طرح سے قابل تعظیم و تکریم ہیں۔ خدا نے دولت۔ عزت۔ مرتبت و ثروت انہیں مرحمت فرمایا ہے۔ مگر ان دونوں کلیسیاؤں میں سے کوئی بھی ابھی تک سلف سپورٹ نہیں۔ نہ تو سی۔ ایم۔ ایس والے بغیر مشن کی امداد کے اپنے پاسٹر کی تنخواہ اور دیگر مصارف کے متحمل ہو سکتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس نولکھا چرچ والے۔ خدانخواستہ اگر آج ہمارے بدیشی بھائی اپنا ہاتھ روک لیں یا یہاں سے چلتے بنیں تو دیسی کلیسیا میں اتنا بوتا بھی نہیں کہ آدھی تنخواہ بھی اپنے پاسٹر کو دیسکیں اور معاذاللہ اُن تقدس مآب کو چنے چبانے پڑیں تو کوئی تعجب نہیں۔ مزید براں دونوں کلیسیاؤں کا ملنا بھی جوئے شیر کے لانے سے کم مشکل نہیں تاوقتیکہ ایک تیسری طاقت دونوں کو ملا نیوالی اسمیں شامل نہ ہو اور یہ تیسری طاقت نیشنل مشنری سوسائٹی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ مگر مشکل یہ ہے کہ یہ تیسری طاقت سی۔ ایم۔ ایس کا حصہ بنکر بجائے خود کوئی آزاد طاقت نہیں رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس ہماری تجویز کردہ تحریک اتحاد کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہمیں بے حد تکالیف اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑیگا اور بیشمار موقعوں پر حد درجے کی قربانی۔ خود انکاری و ایثار دکھانا ہوگا لیکن اگر ہم ہندوستان کی بشارت کا کام کرنا چاہتے ہیں اور اپنی کلیسیا کی بہبودی کے طالب ہیں تو

اسے ایک زندہ انتظام بنانا چاہتے تو یہ صرف این ایم ایس ہی سرانجام دے سکتی ہے۔ افسوس ہے کہ جو حالت پنجاب میں پائی جاتی ہے وہی ہندوستان کے اور صوبوں میں نظر آتی ہے۔

امید واثق ہے کہ منتظمان این۔ ایم۔ ایس ہماری گذارش کو انہی معنوں میں لیکر جس خیال سے وہ کیگئی ہے ہمارے خیالات پر غور و خوض کر کے تمام پنجاب کے مسیحیوں کا ایک بڑا بھاری جلسہ منعقد کرینگے اور بعد مناسب بحث و تحقیق کے کسی عمدہ علمی نتیجے پر پہنچینگے۔ اگر واقعی خیر خواہان این ایم ایس کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ یوں تو نہ ہونے سے کچھ نہ کچھ ہونا بہر صورت اچھا ہے۔ لیکن اگر یہی خوابِ خرگوش کی حالت رہی تو بے شک برسوں تک این ایم ایس اور ہندوستانی کلیسیا جیسے غلامی میں پڑی رہی ہیں بدستور رہینگی۔

ہم یہ دیکھکر بہت خوش ہیں کہ این ایم ایس کے باطن میں ایک مستقیم روح نئے سر سے پھونکی جارہی ہے اور مسٹر نظیر طالب الدین نے بڑے جوش وہمت اور صدق دلی سے کام کرنا شروع کیا ہے۔ اگر کوششیں اسی طرح جاری رہیں تو یقین کامل ہے کہ نتائج اچھے نکلینگے۔ ہر ایک اصلاح کرنیوالے کو ہمیشہ مشکلات اور نکتہ چینی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مگر انہوں نے ابتک نہایت صبر جمیل اور استقلال دکھایا ہے جو کامیابی کا اصلی راز ہے۔ انکا اخبار قاصد بھی نیا جامہ پہنکر نہایت زیب و زینت سے بن سنور کے نکلا ہے۔ جو کہ انکی محنت اور جانفشانی کی داد دیتا ہے۔

مسٹر اور مسز ڈی۔ زیڈ۔ نجم الدین جو کہ اس تحریک کے پنجاب میں روح رواں ہیں انکی خدمات کا بھی اعتراف کئے بغیر اس مضمون کو ہم بند نہیں کرسکتے۔ مگر امید ہے کہ وہ بھی اپنی قوم کی بہتری کو ملحوظ خاطر رکھکر ان نکات پر غور کرینگے۔ اور این۔ ایم۔ ایس کو پنجاب میں ایک جیتی جاگتی علمی تحریک بناکر اور صوبوں کے لئے نظیر قائم کرینگے۔

آخر میں ہماری دعا ہے کہ این۔ ایم۔ ایس نہ فقط نام میں بلکہ در اصل نیشنل بن جائے۔ آمین ❖

(ایڈیٹر ان چیف)

چشم یسوع

نئے عہد نامہ میں چار مقام پر اپنے مبارک خداوند کی چشم کا ذکر دیکھتے ہیں۔ گو کُل کتاب مظہر چشم الہیٰ ہے۔ اور ہر مقام پر اسکا نرالا اثر دیکھتے ہیں۔ بلاریب آنکھ بدن کا چراغ ہے اسلئے کہ یہ وہ لینز ہے جس سے ایک انسان کے اندرونی جذبات اور حقیقی اصلیت کی شعاع کا اظہار ہوتا ہے۔ علاوہ اسکے یہی وہ لینز ہے جس سے بیرونی اشیاء کا اثر انسان کے دل و دماغ پر ایسی سرعت سے اثر کرتا ہے جو محتاج بیان منطق و فلسفہ نہیں بلکہ عین الیقین کے زینہ پر بٹھا دیتا ہے اور جسکی تاثیرات کو دنیا کی کوئی طاقت بھی دور کرنیکے ناقابل ہے پس چشم انسانی ڈبل لینز ہے اور اثرات و اظہارات بھی مختلف

ا۔ ایک دفعہ متی (یعنے خدا کی بخشش جو رسول بھی ہوا) جب اپنی محصول کی چوکی پر بیٹھا ہوا اپنے کار سرکار کے فرائض کی ادائگی میں مصروف تھا۔ تو یسوع خداوند نے گذرتے ہوئے اسکی طرف دیکھا اور کہا کہ "میرے پیچھے ہولے"۔ اس نگاہِ یسوع میں عجب مقناطیسی اثر تھا اور عجب قسم کی محبت بھری نگاہ تھی کہ وہ باوجود اپنی مصروفیت کے اسقدر از خود رفتہ ہوگیا کہ چوکی پر قائم نہ رہ سکا۔ بموجب فرمان خداوند سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کمال متابعت سے پیچھے ہولیا۔ اور متابعت پُر محبت خدمت کے ساتھ تا شہادت کی۔

ایک لمحہ کے لئے ہم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو متی تصور کرے اور مبارک خداوند یسوع ہمارے پاس سے گذرتے ہوئے ہماری طرف دیکھے۔ اُسکی نگاہیں ہماری نگاہ کے ساتھ دوچار ہوں تو ہمارا کیا حال ہوگا۔ ہم اپنے دل میں موازنہ کریں کہ کیا ہم متی کی سی پھرتی و چستی سے سب کچھ چھوڑ کر اُسکی اس حد تک نگاہِ محبت سے چسپاں اور خدمت میں مصروف ہوجائینگے جو متی نے کی؟ یا فقط اُن نقطہ چینوں کیطرح ہو نگے جو خداوند مسیح پر محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ کھانے پینے کا الزام لگا کر اپنے دل سے اُتار دینا چاہتے ہیں۔ اسکا فیصلہ انفرادی طور پر ہم اپنے خداوند سے اکانت میں کریں +

۲۔ دوسرے موقع پر ہم قبر لعازر پر دیکھتے ہیں اور اُس عجیب آنکھ سے آنسو بہتے دکھائی دیتے ہیں یعنے جس وقت ہم غلامی ابلیس اور گناہ میں اسقدر غرقاب و مدفون ہوں کہ ہم سے عفونت آتی ہو تو اُسکی ہمدرد آنکھ سے درد و محبت بھرے آنسو بہ نکلتے ہیں جو ہمکو زندہ کرنے پر قادر ہیں۔ پس اے مسیحی تو اپنی اور اپنے خویش و اقارب کی حالت کو دیکھ اب اسوقت وہ موجود ہے۔ قبر میں نہ رہ بلکہ اپنے حقیقی محبوب کے آواز سے قبر سے باہر آ اور اُس آب چشم سے زندگی لے۔

۳۔ بر موقع انکار پطرس۔ جب دنیا کے خطرات و دُکھ درد جسمانی کی وجہ سے وہ خائف ہوگیا اور اپنے اُستاد و خداوند کا انکار کیا تو یسوع نے اُسکی طرف پھر کر دیکھا (لوقا ۲۲/۶۱) اس نگاہ نے غضب کی قابلیت پطرس کے اندر پیدا کردی کہ مثل آئینہ اس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔ اپنی کمزوری سے آگاہ ہوکر اور باہر جاکر زار و قطار رو رو کر تائب ہوا اور اسقدر معمور ہوا اسکی محبت سے کہ اُلٹا مصلوب ہونا پسند کیا۔ اسی طرح ہم جو اُسکے کہلاتے۔ اُسکا انکار کرتے۔ اُس سے شرماتے۔ اُسکی زندگی کو اپنی زندگی سے ظاہر کرنے میں قاصر رہتے تو وہ عجیب آنکھ ہماری طرف دیکھ رہی ہے۔ پس اے مسیحی اُسکی آنکھ سے آنکھ ملا پھر کرشمہ دیکھ ✦

۴۔ بر موقع شہادت استفنس۔ جب لوگ اسکو پیارے خداوند یسوع کے نام کے باعث سنگسار کر رہے تھے تو استفنس نے آسمان کیطرف دیکھا اور اپنے محبوب کو خدائے قادر مطلق باپ کے داہنی طرف کھڑے دیکھا جو یہ وعدہ کر گیا تھا کہ زمانے کے آخر تک میں تمہارے ساتھ ہوں اور اُسکی چشم بینا سے وہ قوت حاصل کی جو خود خداوند نے صلیب پر ظاہر کی تھی یعنی کہ "اے خداوند یہ گناہ انکے ذمہ نہ لگا۔ اور سوگیا"۔ پس خداوند کی چشم (۱) دعوتی ہے (۲) ہمدرد ہے (۳) بوقت کمزوری قابلیت پیدا کر کے معافی و تسلی بخش ہے (۴) وہ اپنے ستانیوالوں کو معاف کرنے کی طاقت بخش ہے ✦

ڈ۔ ک۔ ج

دی پنجاب کرسچن سنٹرل کوآپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور

عرصہ تین سال کا ہوا کہ یہ بنک شہر لاہور میں کھولا گیا تھا۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کے دیہاتی مسیحیوں کی مالی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ اس موومنٹ کے ذریعے سے جو لوگ مسیحی مذہب میں شامل ہوتے ہیں انکی مالی حالت ناگفتہ بہ ہے خواہ زراعت پیشہ ہوں یا صنعتی یا حرفتی کاموں میں لگے ہوئے ہوں۔ ان لوگوں کو قرضی روپیہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ مسیحی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے جو بنئے بقال وغیرہ بے تحاشا سود لیکر ان غریبوں کو روپیہ اُدھار پر دے بھی دیتے تھے وہ بھی انکار کر رہے ہیں۔ اگر ہم لوگ ان کی مدد نہ کریں تو یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ اس بنک کے ذریعہ سے شہری مسیحیوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ عمدہ سود کی شرح پر روپیہ امانت پر رکھوائیں۔ نیز بنک کے حصص خرید کر عمدہ ڈیویڈنڈس و منافع کماویں۔ پچھلا ڈیویڈنڈ ۵ فیصدی شرح کے حساب سے دیا گیا تھا۔ پچھلے تین سال کے عرصہ میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ قرض دیا جا چکا ہے جو وقت مقررہ پر واپس آ رہا ہے۔ اور تقریباً بارہ ہزار روپیہ سود امانت پر روپیہ رکھنے والوں کو پہنچ چکا ہے۔ سو یہ بات وہی ہے کہ "آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام"۔ حصص کی قیمت مبلغ ۵۰ روپیہ ہے جو سہ ماہی انسٹالمنٹ (قسط) میں واجب الادا ہے جو علاوہ شرح سود امانتی روپیہ کے واسطے ذیل میں درج ہے:۔

تین ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ جو علاوہ (زر جمع مستقل) کیواسطے بشرح ۴½ فیصدی سالانہ

۶ " " " " ۵½ " "

۱۲ " " " " ۶½ " "

پچھلا بالنس شیٹ منگوا کر بنک کی مالی حالت کا ملاحظہ فرماویں۔ بنک چلانے کے اخراجات نہایت کم ہیں سوائے ایک پورے وقت کے اکاؤنٹنٹ کے باقی سب عہدہ داران بلا اُجرت قومی خدمت کر رہے ہیں۔

المشتہر

آئی۔ درگا پرشاد۔ آنریری منیجر و سکرٹری

مسٹر کے ایل ملیارام ایڈیٹر و پبلشر نے کریمی پریس لاہور [illegible] کے اہتمام میں چھپوا کر [illegible] شائع کیا

ہندوستانی مسیحیوں کا مذہبی ۔ اخلاقی ۔ علمی و تمدنی ماہواری رسالہ

ایڈیٹرز (۱) مسٹر کے ۔ ایل ۔ رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن سکول لاہور ایڈیٹر انچیف
(۲) مسٹر آئیون جیکب صاحب عاصی بی ۔ اے ۔ بی ۔ ٹی جائنٹ ایڈیٹر

فہرست مضامین

کل خط و کتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام مسٹر کے ایل رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل سکول لاہور ہونی چاہئے ۔ باقی خط و کتابت و ترسیل زرچندہ و عطیہ وغیرہ بنام مسٹر ٹی خان بی ۔ اے ۔ بی ۔ ٹی مینجر رنگ محل مشن سکول لاہور آنی چاہئیں ۔ قیمت سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک دو روپے ۸ ر ۵۰ روپیہ سے کم آمدنی والوں کے لئے فقط دو روپے ۔

انارکلی بھیجیں۔

اشتہار کتب

قدیم یونانیوں کا علم الاصنام۔ باتصویر۔ زمانہ قدیم کے یونانیوں کی اصنام پرستی۔ بتوں۔ دیوی دیوتاؤں کے نہایت حیرت انگیز حالات۔ صفحہ ۹۸ ... ... ۱ر

قدما کی حکمت۔ اہل یونان وروم کے علم الاصنام کے متعلق دلچسپ قصے کہانیوں سے حکمت کے مسائل نکالے گئے ہیں عجیب معلومات کا خزانہ ہے۔ صفحہ ۸۰ ... ... ۲ر

ازالۂ مادہ۔ آریوں کے مایۂ ناز مسئلہ قدامت مادہ کی پرزور دندان شکن لاجواب تردید طبع ثانی صفحہ ۲۴ ... ۱ر۶ پائی

نجات دہندہ کا دعویٰ۔ مسیح کا بچوں کو بلانا اور اس سے جو مفید سبق برآمد ہوتے ہیں انکا پرلطف بیان صفحہ ۱۳۵ ... ۲ر

راحت القلوب۔ خدا کے بندوں کے روحانی دکھ۔ انکا واحد علاج اور مسیحی کے دلی اطمینان کا بیان صفحہ ۱۳۶ ... ۲ر

رسولوں کے اعمال کی تفسیر۔ از پادری ٹی واکر صاحب اردو زبان میں اعمال الرسل کی سب سے بڑی اور تازہ تفسیر۔ صفحہ ۴۲۰ ... ... دو روپیہ عہ

راہِ نجات۔ نجات یعنی مکتی کی حقیقت۔ اسکے حصول و ذرائع کے بیان میں صفحہ ۱۹۲ خاکی ۲ر سفید ۲ر

ردِ تناسخ۔ از پادری جیمس میکلن مرحوم۔ آواگون کی سب سے زبردست اور بے مثل تردید۔ صفحہ ۹۶ ... ۶ر

روحانی کافت کے متعلق چند سنجیدہ خیالات۔ کوائٹ ٹاکس ان پاورز کا اردو ترجمہ صفحہ ۱۲۷ ... ۲ر

بائبل کی کتابوں کا دیباچہ اور انکے مضامین۔ پادری جے آر ڈمیلو صاحب کی انگریزی تفسیر بائبل کے دیباچہ کا ترجمہ صفحہ ۵۲۶ ... ... دو روپیہ عہ

روحوں کا جیتنے والا۔ مسیح کے روحوں کو بچانے کے طرز اور طریقے از ہارکوٹ صاحب صفحہ ۱۲۶ ... ۳ر

رسالہ اظہار الحق۔ محمدی شرع کے رو سے مسیحیوں کا کھانا محمدیوں کو جائز ہے۔ اور اس پر مولوی صاحبان کے فتوے۔ صفحہ ۳۵ ... ... ۱ر

رامپال سنگھ۔ ایک سکھ گورو کے مسیحی دین کو قبول کرنے کا تذکرہ کہانی کے پیرایہ میں۔ صفحہ ۱۲۱ ۲ر سفید ۶ر رومن ۲ر کپڑا ۸ر۔

قواعد چوپانی۔ بشپ گریگوری اعظم کی کتاب کا ترجمہ۔ جس میں پاسٹر صاحبان کے لئے ازحد مفید ہدایات واسباق درج ہیں صفحہ ۱۱۵ ... ... ۳ر

نور مسیحی۔ خداوند یسوع مسیح کا مختصر احوال۔ جیسا اناجیل میں درج ہے صفحہ ۶۶ ... ۹ پائی

رسولی بزرگ۔ کلیمنس۔ اغناطیوس۔ پولیکارپ۔ برنباس۔ شبان ہرمس۔ پاپیاس وغیرہ کے حالات خطوط وغیرہ کا نہایت بالتفصیل حال صفحہ ۳۳۲ تقطیع کلاں ... ... ایک روپیہ ۸ر

ملنے کا پتہ:۔ سکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی۔ انارکلی بازار لاہور

نوٹ اور خبریں

(بغرضِ تفنّن ہمنے ایک دفعہ سلسلۂ مشاہیرِ قوم کو عارضی طور پر بند کیا ہے)

۱۔ ہم مسٹر سٹیفن کرم سنگھ صاحب کے جنہیں حال میں شاہنشاہِ معظم کی طرف سے آئی۔ ایس۔ او کا سونے کا تمغہ ملا ہے بہت مشکور ہیں کہ آپ نے مسیحی کو دس روپے کا عطیہ ارسال فرمایا ہے۔

۲۔ رائے صاحب جوزف ٹھاکر داس اور مسز ایف۔ آئی جیکب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی کو تولّدِ دخترِ نیک اختر مبارک۔ مسٹر عنایت اللہ خلف پادری خیر اللہ کے ہاں ۲۰ اگست کو فرزند ارجمند تولّد ہوا۔ قاضی صاحب کو سلامت۔

۳۔ مسٹر ریسی لکھن لال صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی نے بمقام لاہور پریکٹس شروع کر دی ہے۔ اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ شروع ہی میں خوب اچھا کام چلنے لگا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ وکیل صاحب مسیحیوں اور مسیحی میں پوری دلچسپی لیتے رہینگے اور مسیحیوں کو بہت مفاد پہنچائیں گے۔ پنجاب کے مسیحیوں کا اخلاقی فرض ہے کہ اپنے اور اپنے دوستوں کے مقدمات مسیحی وکلا کے پاس لیجایا کریں۔ جہاں محنتانہ کم اور پیروی اور توجہ وکیل صاحب زیادہ پائیں گے۔

۴۔ ہم یہ بڑے افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ تجارت پیشہ لوگوں اور دوکانداران لاہور میں مسیحیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ دو چار دوکانیں ہیں تو مسیحی پبلک وہاں سے خرید نا پسند نہیں کرتی۔ ورنہ لاہور میں مسیحیوں کی بڑی کافی تعداد ہے۔ اور اگر تمام مسیحی یہی کوشش کریں کہ جہاں تک ہو مسیحیوں سے ہی سودا خریدیں تو نہ فقط موجودہ مسیحی سوداگران کا کاروبار

خوب چلیگا بلکہ اتنی گنجایش اور حوصلہ افزائی ہوگی کہ سینکڑوں نہیں تو بیسیوں دوکانیں اَور کھل جائینگی۔ مگر افسوس کہ صورتِ حال اسکے بالکل برعکس ہے۔ عیسائی سوداگروں کا کام اچھی طرح نہیں چل رہا۔ اول تو ہندو مسلمان انکی جان کے دشمن۔ یہی چاہتے ہیں کہ کام انکا چلنے ہی نہ پائے۔ ڈوب ہی جائے۔ دوسرے مسیحی جو اپنے بھائی کو خوشحال نہیں دیکھ سکتے اُنسے لین دین نہیں کرتے۔ اسپر طرّہ یہ کہ نئے سوداگر صاحب بھی قلیل سرمایہ دار" چوہے کو ہلدی کی گرہ" ملی پنساری بن بیٹھے۔ بس ذرا دو دن بکری نہوئی۔ کام غارت ہوا۔ اس میں شبہ نہیں کہ تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے مسیحی سوداگر ایک تو ذرا مغرور ہوتے ہیں۔ غیر مسیحی سوداگران کی طرح انکی میٹھی زبان نہیں۔ گاہک کو گردانتے ہی نہیں۔ نہ کسی قسم کی سہولت انہیں دیتے ہیں۔ اور مال زبردستی مہنگا بیچتے ہیں۔ ہاں کافی پونجی نہ ہونے کے باعث وہ ایک حد تک مہنگا مال منگاتے ہیں مگر اسکے باوجود اگر وہ چاہیں تو منافع کمانے کے بعد بھی مال ہندو مسلمانوں کی دوکانوں سے سستا نہیں تو قیمت میں انکے برابر رکھ سکتے ہیں۔ اور اگر مسیحی شرافت کا نمونہ دکھائیں تو گاہک انکی دوکانوں پر اسطرح ہجوم کریں جیسے شہد پر مکھیاں۔ اُمید ہے کہ فریقین مسیح کے مبارک نام کی خاطر اس گزارش پر غور کرینگے +

۵۔ پارسیوں میں اسقدر اتفاق ہے کہ کبھی کوئی پارسی بھیک مانگتا یا بُرے حال اور رہائی کے دمامے" میں دکھائی نہ دیگا۔ یہ تو نہیں ہے کہ وہ کبھی مفلس اور بدراہ ہو کر برباد نہیں ہوتے۔ وہ بھی اَور لوگوں کیطرح آدمی ہیں۔ جان رکھتے ہیں کمزوریاں رکھتے ہیں۔ مگر انکی سوسائٹی کچھ ایسی بانیہ ہے کہ جہاں کہیں بگڑا ہوا بگڑا یا پارسی نظر آیا فوراً چندہ کرکے اُسے کوئی دوکان کرا دیتے ہیں۔ اور ایسا انتظام کرتے ہیں کہ وہ اس روپے کو بگاڑ نہ سکے۔ اور اگر بگاڑ بیٹھتا ہے تو امیر پارسی سوسائٹی اس نقصان کو پورا کر دیتی ہے اور برادری ہونے کے باعث اُس سے کام کراکر یا کسی اَور صورت سے وصول کر لیتی ہے۔ کاش کہ مسیحی سوسائٹی بھی ایسی غیرت رکھے کہ ایک بھی مسیحی مفلس

اور محتاج نظر نہ آئے۔

۶۔ الیف۔ ای۔ ایل یعنے وکالت کے پہلے امتحان میں جو مختاری کے برابر ہے۔ مسٹر مورت رامچندر پروفیسر رامچندر کے پوتنے کامیاب ہوئے ہیں۔ مبارک۔ افسوس کہ مسٹر پی آر۔ چندرا بیرسٹر۔ مورت رامچندر کے والد بزرگوار دو سال ہوئے انتقال کر گئے ہیں ورنہ دوبالا خوشی ہوتی۔ امید ہے کہ یہ نوجوان اپنے خاندان کا بہت نام روشن کریگا۔

۷۔ ضلع منٹگمری بمقام ہڑپے پر دو ریلگاڑیوں کے جھڑپے کی افسوسناک خبر آئی ہے۔ اور سنا ہے بہت لوگ مرد عورتیں اور بچے مارے گئے۔ انہی گاڑیوں میں ہمارے لاہور کے چند مسیحی بھی تھے جب گاڑی لڑی تو وہ اتنے گھبرا گئے سمجھے کہ بہشت کی بہت سیدھی راہ ہے۔ لیکن جب ذرا دم میں دم آیا تو اپنے آپ کو خدا کے فضل سے زندہ سلامت پایا۔ ایک طرف سے مسٹر آرتھر آسانند ایم۔ اے سٹنٹ کرتے آرہے تھے کہ رائے صاحب ٹھاکر داس سے مٹھ بھیڑ ہوگئی۔ بڑی خوشی سے ملے۔ اور ایک دوسرے کی خدمت کا دم بھرتے واپس لاہور آئے۔

واہ واہ۔ مسیحیوں پر بھی خداوند تعالیٰ اور اُسکے مسیح کا کیسا سایہ ہے مصریوں اور اسرائیلیوں کا ماجرا یاد آتا ہے۔ ہرچند اپنے غیر مسیحی بھائیوں کے نقصان سے ہمارا کلیجہ پھٹتا ہے۔ مگر ساتھ ہی مسیحیوں پر خداوند تعالیٰ کی نظر عنایت دیکھکر دل کو ہزار گونہ خوشی ہوتی ہے۔ اگرچہ متعدد مسیحی اِن گاڑیوں میں تھے مگر کسیکا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ مردم شماری کو دیکھو مسیحی تعداد میں دن دونی رات چوگنی ترقی کرتے جاتے ہیں۔ پیدائیش زیادہ موت کم۔ حضرت عزرائیل کا یہ وکھکر ناک میں دم۔ ایک اور بڑے شکر کا مقام ہے کہ مسیحیوں میں مذہبی اور تمدنی احساس پیدا ہورہا ہے اور دینی اور دنیوی حالت دونوں کو درست کرنے کا خیال ہر مسیحی کے دل میں

موجزن ہے۔ لاہور میں بہت سے مسیحی ایسے ہیں جنہوں نے اپنی مالی حالت کو قابل رشک بنالیا ہے۔ اور ہندو مسلمانوں کے ساتھ باگ سے باگ ملا کر ترقی کے میدان میں گھوڑے دوڑاتے ہیں۔

۸۔ **انتقال پر ملال** ہمیں یہ سُنکر نہایت رنج ہوا کہ مسٹر این۔ ایم۔ ہوز صاحب وکیل کپورتھلہ اور ایڈیٹر اخبار سی۔ ای۔ کی بڑی صاحبزادی مس ایوی ہوز صاحبہ ۲۲ سال کی عمر میں اس جہان فانی سے کوچ کر گئی ہیں۔ مرنے کا تو بچے اور بوڑھے سبھی کا رنج ہوتا ہے پر جوانا مرگ پر حیف صد حیف آتا ہے۔ ہم مرحومہ سے واقفیت رکھتے ہیں۔ آپ بڑی نیک۔ فرمانبردار۔ والدین کی خدمتگذار تھیں اور بڑی خوش مزاج۔ کبھی انکی پیشانی پر ہمنے بل بھی نہ دیکھا۔ بڑی ہونہار اور لائق تھیں۔ خدا زندگی دیتا تو اپنے والدین کا کلیجہ بہت ٹھنڈا کرتیں۔ ایسی نیک لڑکی کے مرنے سے والدین کو تو ایسا صدمہ پہونچا ہوگا کہ زندہ درگور ہوگئے ہونگے۔ ہمیں ان سے بہت ہمدردی ہے اسلئے دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ انکو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اگرچہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ایسے داغ جگرسوز پر فریاد نہ اُٹھنا معمولی بات ہے۔ "ماروں اور رونے نہ دوں" کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر بھی بقول سعدی ؎

نشاید پارہ کردن زیور رُو
کہ مزم تحت امر کردگار اند

۹۔ ہمنے ایک خبر نہایت وحشت اثر سُنی۔ ہے کہ دلّی کے مشہور و لائق پادری جوایل واعظ لعل ایم۔ اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایل جو میتھوڈسٹ مشن دہلی میں کام کرتے تھے بمقام سپاٹو کوہی ۱۵۔ ۲۰ دن ہوئے دل کی بیماری سے انتقال فرما گئے ہیں۔ پادری صاحب مرحوم فارسی اور عربی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ انکی کتاب LITERARY History of PERSIA تاریخ فارسی علم ادب ایف۔ اے

اور بی۔ اے کے لئے پنجاب یونیورسٹی نے مقرر کی ہوئی ہے۔ کوئی آٹھ نو برس ہوئے کہ آپ نے فورمن کرسچن کالج میں غیر مسیحی طلباء کو بڑا پُر زور وعظ فرمایا تھا۔ مناظرے میں وہ کمال حاصل تھا کہ دلی کے مولوی اور پنڈت کان دبا کر بھاگ جاتے تھے علمیت میں دریا تھے۔ سنتا ہے کہ مرتے وقت سادھو سندر سنگھ جی نے انکی خدمت کی۔ بڑا افسوس ہے کہ عین عالم شباب میں پادری صاحب ہمیں داغ مفارقت دے گئے ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

دعا ہے کہ خداوند کریم پسماندگان کو صبر و تسلی عنایت فرماوے۔

۱۰۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کا سکاوٹ کیمپ مری میں ہو رہا ہے۔ مسٹر ہیوم اور مسٹر ہوگ سکرٹری اور دیگر مسیحی صاحبان وہاں گئے ہوئے ہیں۔ دعا کی جائے کہ غیر مسیحی سکاوٹوں پر مسیحی سکاوٹوں کے نیک نمونے اور مسیحی چال چلن کا ایسا اثر پڑے کہ سب پیارے خداوند کے جھنڈے تلے آجائیں۔

۱۱۔ موگہ کنونشن ۳۔ اکتوبر سے ۷۔ اکتوبر تک ہیگی۔ سب مسیحی برائے مہربانی اپنی خلوتی اور خانگی دعاؤں میں خاص اسکے لئے دعا کریں تا کہ کلام کے سنانے اور سننے والے دونوں روح القدس سے معمور ہو کر وہاں سے آئیں اور اوروں کو فائدہ پہنچائیں اور کلام بہت پھل لائے۔

۱۲۔ اپنی قوم کی ایک مستحق خاتون کو سرکاری وظیفہ

ہمیں بڑی خوشی ہے کہ مس جمیلہ سراج الدین صاحبہ ایم۔ اے کو سرکاری وظیفہ ملا ہے تاکہ وہ انگلستان میں تشریف لیجا کر مزید تعلیم حاصل کریں۔ وزارت تعلیم کے

نہایت مناسب اور مستحق شخص کو انتخاب فرمانے کی ہم داد دیتے ہیں۔ اور مس سراج الدین اور اُنکے والدین کو صدق دل سے مبارکباد کہتے ہیں۔ یہ فخر اور عزت صرف اُن ہی کو حاصل نہیں بلکہ تمام قوم کی اس میں عزت افزائی ہے۔ دعا ہے کہ سفر میں خدا انکا نگہبان ہو اور وہ خوب علمیت حاصل کرکے ہندوستان آئیں اور اپنی قومی بہنوں کو بالخصوص فائدہ پہنچائیں۔

۱۳۔ مسٹر اور مسز حاکم دین۔ جزائر فجی تشریف لیجارہے ہیں تاکہ وہاں کے پنجابی مسیحیوں میں کام کریں اور اُنکو اُٹھائیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ مسٹر حاکم دین جیسی قابل اور لائق شخصیت کا ہمارے بیچ میں سے چلا جانا پنجاب کے مسیحیوں کا نقصان ہے۔ مگر چونکہ ہمارے نقصان سے ہمارے غریب الوطن پنجابی مسیحیوں کا بیحد فائدہ ہے اسلئے ہم اپنے نقصان پر خوش ہیں۔ ہم مسٹر حاکم دین اور انکی اہلیہ کی خود انکاری۔ بہادری اور خدمت کی روح کی بہت تعریف کرتے ہیں اور انکی کامیابی کے لئے دست بدعا ہیں۔ مسٹر حاکم دین دو برس سے زیادہ سے کانفرنس کے نائب میر انجمن تھے۔ اور ہر ایک تحریک جس میں قوم کا فائدہ نظر آتا تھا آپ اس میں بڑا حصہ لیتے تھے۔ ہمیں امید ہے کہ جہاں وہ جائینگے ہماری قوم کی آبرو کو بڑھائینگے۔ ہم اُنہیں کامیابی کی دعا کے ساتھ الوداع کہتے ہیں۔

۱۴۔ مشنریوں کے علاوہ بہت سے ہمارے دیسی مسیحی اب کے موسم گرما بسر کرنے کو کشمیر گئے ہیں۔ اسی لئے لاہور میں پھل بہت مہنگے ہو گئے ہیں۔ مثلاً مسٹر اور مسز وارث۔ مسز طالب الدین۔ مسٹر ایچ ایم سرکار۔ مسٹر اور مسز بھنوت۔ مسٹر اور مسز کے ایل رلیارام سب صاحب مع اپنے اپنے خاندان۔ مسٹر اور مسز پائنس بی از راولپنڈی۔ مس سرکار اور انکی بھنیں۔ ڈاکٹر آئی یو۔ ناصر۔ مسٹر جوناتھن ناصر۔ مسٹر اور مسز الہی بخش۔ دائی۔ ایم سی۔ اے۔ ڈاکٹر اور مسز احمد شاہ از کانپور۔ مشنری صاحبان

میں سے ڈاکٹر لوکس مع خاندان ۔ الہ آباد سے بزرگ ڈاکٹر جے ۔ جے لوکس ۔ مسٹر اور مسز ارل ۔ یو پی مشن کے ۔ پادری کلیمنٹس ۔ بلرز ۔ ڈاونز ۔ روسنر اور بے شمار مشنری لیڈیاں جنکی فہرست مرتب کرنے لگیں تو زبانِ قلم گھس جائے ۔ اِن صاحبان میں سے اکثر نسیم باغ میں تنبوؤں میں فروکش ہیں ✤

۱۵ ۔ ہمارے بزرگ سر جیمس یوینگ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مسٹر رے ۔ یوینگ ہندوستان میں تشریف لائے ہیں اور فورمن کرسچن کالج میں کام کرینگے ۔ ہم میں سے بہتوں نے اُنھیں بارہ برس ہوئے چھوٹا سا دیکھا ہے ۔ ہمیں کامل امید ہے کہ وہ اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چلینگے ۔ اور قابل باپ کے قابل فرزند ارجمند اپنے آپ کو ثابت کرکے دکھا دینگے ۔ آپ ۱۹۱۴ء میں مسٹر ولسن کے ہمراہ امریکہ گئے اور دس برس مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کرکے انگریزی میں خاص مہارت پیدا کی ہے ۔ آپ نے علم النفس ۔ فلسفہ ۔ یونانی ۔ لاطینی ۔ فرانسیسی زبان اور ریاضی وسائنس میں اچھی قابلیت حاصل کی ہے اور اپنی تعلیم کا بوجھ ہمیشہ خود اُٹھا کر ایک ایسی عملی تربیت پائی ہے جو ہر صیغے میں آپ کی کامیابی کا راز ہوگی ✤

ہمارے بزرگ سر جیمس اور لیڈی یوینگ

جب سے ڈاکٹر یوینگ صاحب ہندوستان سے تشریف لیگئے ہیں ان کا زیادہ وقت پرنسٹن ۔ نیو جرزی میں مدرسۂ علم الٰہی میں تعلیم دینے میں صرف ہوا ہے ۔ اس مقام پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے آرام کا مکان بنایا ہے ۔ آپ مختلف مشنوں کے کام کے متعلق تقریریں فرماتے ہیں ۔ اور ایسی چشمدید باتیں بتاتے ہیں جنکی لوگ بڑی وقعت کرتے ہیں ۔ وہ اپنے شاگردوں کو خیالات ہی سے

نہیں بلکہ حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں۔
آپ کی صحت نہایت عمدہ تو نہیں مگر کافی اچھی ہے کہ آپ اکثر امریکہ کے مختلف مقامات پر اتوار کو تقریریں کرتے رہے ہیں۔ اور جب سے آپ بورڈ آف فورن مشنز کے ممبر ہوئے ہیں آپ کئی بار شہر نیو یارک میں بورڈ کی میٹنگوں اور کونفرنسوں میں شریک ہوتے رہتے ہیں۔ اس قسم کے کام سے انہیں قدرتی لگاؤ معلوم ہوتا ہے۔ اور انکی صحت پر بھی اسکا اچھا اثر پڑا ہے۔
برٹش گورنمنٹ سے جو سَر کا خطاب آپ کو عطا ہوا تھا۔ اُس سے آپکی بڑی عزت افزائی تو ہوئی مگر امریکہ کے رسم ورواج کچھ سلطنت برطانیہ کی رسومات سے مختلف ہیں۔ اسلئے شاذ و نادر ہی انہیں سَر یوینگ کہا جاتا ہے۔ آپ کا دل ہندوستان میں پڑا ہے۔ اور آپ نے بارہا اپنے صاحبزادے مسٹر رے یوینگ سے ہندوستان واپس آنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔

پادری اینڈرو ٹھاکرداس صاحب ایم۔ اے کی نسبت ایک نئے مشنری کی رائے

"اب کے موسم بہار میں ایک اتوار کی شام کو مجھے سیکنڈ پربسٹیرین چرچ واقع پرنسٹن نیو جرزی میں خوش قسمتی سے پادری اینڈرو ٹھاکرداس صاحب کا پر زور وعظ سُننے کا اتفاق ہوا۔ اس میں آپ نے کلیسائے ہندوستان کی دقتوں اور غور طلب امور کی نہایت صاف تصویر کھینچکر دکھائی۔ آپ کی اپیل ایسی پُر اثر تھی کہ عبادت کے بعد حاضرین میں سے بیشمار اصحاب نے آکر انہیں گھیر لیا اور طرح طرح کے سوال اُن سے پوچھنے لگے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ کس حد تک

آپ کی تقریر نے سامعین کے دلوں میں اس مضمون کے متعلق دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ اگرچہ اُنکو سننے کا میرا یہ پہلا موقعہ تھا۔ مگر اس سے پیشتر میں انکی کامیابی کے متعلق بہت سی خبریں سُن چکا تھا کہ آپ بڑے عمدہ ستار بجانے والے اور مفید تقریر کرنے والے ہیں۔ آپ نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مختلف حصوں خاصکر شہر نیو یارک میں جہاں وہ تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں بہت لوگوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے ہیں" ‫

ضلع منٹگمری میں مسیحیوں کے لئے زمین

ہمارے پاس بے شمار عرضیاں اور سوالات بابت خریداری زمین ضلع منٹگمری جسکے لئے سرکار میں بہت دن ہوئے عرضی دیجا چکی ہے۔ آتے ہیں۔ باوجودیکہ ہمنے تقریباً تمام شرائط جنپر زمین مل سکتی ہے شائع کر دیئے ہیں تاہم کوئی دن ایسا نہیں جاتا۔ جس میں دو یا تین چٹھیاں اس صوبے کے مختلف مقامات سے ہمارے پاس نہ آتی ہوں۔ ایک طرح سے یہ بات بہت دل بڑھانے والی ہے۔ کیونکہ اس سے قوم کی سرگرمی اور ضروریات کا پتہ لگتا ہے۔ ایسے حضرات اس سال کے اخبار مسیحی کا جولائی کا نمبر ملاحظہ کریں جس میں وہ تمام باتیں درج ہیں جنکی اطلاع اس امر کے متعلق حالات موجودہ میں دیجا سکتی ہے۔

واضح ہو کہ زمین کے متعلق پورا پورا فیصلہ کرنے میں سرکار عالی وقار کو کچھ عرصہ لگیگا۔ ہم دو سال سے زمین کے متعلق کوشش کر رہے ہیں اور خدا جانے زمین ملنے میں اور کتنی دیر لگے گی۔ کیونکہ یہ کوئی ہمارے اختیار کی بات نہیں ہمیں اس معاملے میں صبر اور انتظار کو کام میں لانا چاہیئے۔ صبر اگرچہ کڑوا ہے پر اسکا پھل میٹھا ہے۔ "دیر آید درست آید"۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بعض اشخاص یا تو بوجہ ناواقفیت یا شرارتاً فضول اور جھوٹی افواہیں اڑا رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لاہور کے چند اشخاص یا شہری روپے پیسے والے مسیحی زیادہ تر زمین اپنے لئے لے اڑینگے۔ ایسی ہوائیاں حقیقت کے بالکل خلاف ہیں۔ ہم سب کو یقین دلاتے ہیں کہ اس تمام تجویز کی بنیاد یہ ہے کہ غریب مسیحیوں کی بہتری ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ اول اول جب ہم نے اس بات کی سلسلہ جنبانی شروع کی تو ہمارا ارادہ تھا کہ شہر کے امیر آدمیوں میں سے ایک کو بھی اس میں شامل نہ کیا جائے۔ یہ فقط صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع منٹگمری کے ارشاد پر جو کہ اس تجویز سے بڑی ہمدردی رکھتے ہیں ہوا کہ ہمنے خیال کیا کہ ایک محدود تعداد شہر کے لوگوں کی بھی ہونی چاہئے۔ انکی صلاح یہ تھی کہ عقلمندی اسبات میں ہوگی کہ اس تجویز کو کامیاب بنانیکے لئے شہر کے چند معزز اور متمول آدمی شامل کئے جائیں۔ یہ تمام ہونا متحدہ ذمہ واری کے اصول پر کیا جائیگا۔ یعنی ہر شخص جو زمین خریدے گا ان تمام شخصوں کی زمین کی قیمت اور دیگر رقوم واجب الادا کی ادائگی کا ذمہ وار ہوگا جو اسکے ساتھ ملکر زمین خریدینگے۔ اسلئے قدرتی بات ہے کہ گورنمنٹ ایسے لوگوں کی شمولیت پر اصرار کرے جو بصورت عدم ادائگی دیگران تمام قرضجات اور قیمت وغیرہ ادا کر سکیں تاکہ گورنمنٹ کو کسی قسم کا نقصان نہ ہو۔ باقی وہ آپسمیں نپٹ لیں۔

بعد منظوری گورنمنٹ اس تجویز کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے انڈین کرسچن کانفرنس یا کسی اور معتبر اور مسلّم جماعت کو زمین حاصل کرنے وغیرہ کے لئے اپنے آپ کو باقاعدہ گورنمنٹ میں رجسٹر کرانا پڑیگا۔

گورنمنٹ عالیہ نے انہی شرائط پر پہلے زمین مشنری سوسائٹیوں کو دی تھی۔ مگر ہر سوسائٹی نے زمین انہی لوگوں میں تقسیم کی جو انکے فرقے اور کلیسیا سے تعلق رکھتے تھے۔ تجویز موجودہ کی طرح عام مسیحیوں کو تقسیم نہ کی۔ ان سوسائٹیوں کو انکے اعتبار اور روپے کے بل پر زمین ملی۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ ایک ہندوستانیوں

کی انجمن صدق دل سے کوشش کر رہی ہے کہ غریب مسیحیوں کے لئے کچھ کرے۔ خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس صوبے کے مسیحیوں کی کثیر تعداد کانفرنس پر بھروسا اور اعتبار اور ہماری دل وجان سے تائید کرتی ہے۔ چونکہ ابتک تقسیم اراضی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوا ہے۔ اسلئے اسکے متعلق کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ یہ کہنا کافی ہے کہ وہ لوگ جو غریب ہیں مستحق ہیں اور کاشتکاری کا تجربہ رکھتے ہیں۔ اور اس بستی میں جاکر بود و باش اختیار کرنے کو تیار ہیں۔ انکو ترجیح دیجائے گی۔ ہم تو اپنی طرف سے صاف کہدیتے ہیں کہ ہمیں ایک چپہ بھر زمین اس تجویز کے زیر حاصل کرنے کی خواہش نہیں۔ شروع ہی سے ہمارا کبھی ایسا خیال نہ تھا۔ یہ سب بات صرف غریب مسیحیوں ہی کے فائدے کے لئے کیگئی ہے۔ اور سنہری روپے والے لوگوں کی تعداد جسقدر کم ممکن ہوگا رکھی جائے گی۔ جو اس تجویز کو کامیاب کرنے کے لئے گورنمنٹ لازمی سمجھے گی۔

ہماری بڑی بدقسمتی ہے کہ قوم کے دشمن قوم ہی میں پائے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ ایسے گھر کے بھیدی لنکا ڈھانے والوں کی اُڑائی ہوئی جھوٹی افواہوں پر ہمارے مسیحی بھائی ذرا توجہ نہ کرینگے۔ اور امید اور ایمان اور صبر کو کام میں لائینگے۔

الراقم

کے ایل۔ رلیارام۔ پریزیڈنٹ پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس۔ لاہور

مرحوم پادری منگول جنت آشیان

ہمیں ہمارے دوست مسٹر بی۔ پال نے ماہ جولائی میں بمقام سری نگر پادری منگول کے انتقال پُر ملال کی خبر ارسال کی ہے۔ امید ہے کہ مسیحی کے قدردان اسطرح ضروری خبریں ہمیں رسالے میں درج کرنے کے لئے بھیجکر ممنون احسان فرماتے رہیں گے۔

مسٹر بال فرماتے ہیں کہ مرحوم سچے مسیحی اور مسیحیوں پر جان دینے والے تھے۔ ۸۰ مربعے
زمین چک نمبر ۱۴۰۔ اور ۸۰۵ میں جو مسیحیوں کو دیگئی وہ آپ ہی کی دوڑ دھوپ
اور انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا۔ آپ نے اپنے حین حیات میں اپنی محنت
کے درخت کا پھل چکھا جب کہ سنہ ۱۹۲۰ء میں بجائے ۸۰ مربعے کے ۱۶۰ مربعے دیئے گئے۔
جب آپ چک نمبر ۱۴۸ میں رہتے تھے تو اپنے غریب بھائیوں کی یہانتک امداد
کرتے تھے کہ جو آٹا انکے گھر کے لئے گوندھا جاتا تھا وہ تک اُٹھا کر دے دیتے تھے۔
آپ تب کھاتے جب اپنے تمام غریب مسیحی بھائیوں کو کھلا لیتے۔ آپ کی اہلیہ اس
کام میں آپکا پورا پورا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ افسوس کہ آپ کے انتقال سے کچھ دن پہلے
آپ کی بی بی کی بھی وفات ہوئی۔ ہماری دلی دعا ہے کہ خداوند مسیح انکی لڑکی اور
دو کم عمر لڑکوں پر اپنا سایہ رکھے۔ جن بیچاروں نے اپنے نیک دل ماں باپ
کا داغ کھایا ہے۔ امید ہے کہ وہ مسیحی دوست جنہیں پادری صاحب مغفور نے آباد
اور شاد کیا ہے ان بچوں کا بہت خیال رکھیں گے۔ اور کسی قسم کی تکلیف اور
دقت اُنکے والد کے مشنری اور مسیحی دوست اُنکے قریب آنے نہ دینگے ؎

پدر مردہ را سایہ بر سر فگن　　غبارش بیفشان و خارش بکن
الا تا نگرید کہ عرش عظیم　　بلرزد ہمے چوں بگرید یتیم

⁂

پادری ہیروز کی صاحبزادی اور پادری راس ولسن لاہور کے ڈیڑھ سال کے چھوٹے صاحبزادے کو فرشتوں کے ساتھ آواز
ملاکر چھوٹے بچوں کے دوست کی تعریف کے گیت گانیکے لئے پیارے خداوند نے اپنی گود میں لیا ہے اسی لئے اُن کے
ماں باپ کو تسلی ہے۔ انکے ننھے ننھے معصوم ہونٹوں سے خداوند کی ستائش کیسی پیاری معلوم ہوتی ہوگی۔ یہ دونو
بچے بمقام مری دو ہفتے گزرے [illegible] کی بیماری سے جان بحق ہوئے ؂

ہماری قوم کو جناب مسٹر الفریڈ نندی صاحب بیرسٹر ڈیرہ دون کے انتقال فرمانے سے سخت سیاسی اور تمدنی صدمہ
پہنچا ہے مسٹر نندی کی لیاقت کا زمانہ قائل ہے آپ ہندوستان کے مشہور اخباروں کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔
آپنے یوپی اور پنجاب میں بڑا نام پایا تھا۔ این ایم ایس کے کام سے آپکو بڑی دلچسپی تھی اور مسیحیوں کی بہبودی کے
بڑے خواہاں تھے۔ خدا انکو غریق رحمت کرے اور انکے لواحقین کو تسلی دے ؂

کلیسیائی اتحاد

(از قلم جناب ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب ناصر)

گاہ بگاہ ہماری کلیسیاؤں میں ایک قسم کا جوش موجزن ہو جاتا ہے جسمیں اچھے اچھے ارادے سطح آب پر بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ انمیں کلیسیائی اتحاد کا خوبصورت جہاز بڑی شان کے ساتھ گزرتا ہوا نظر آتا ہے مسیح کا ہر ایک پیرو جسے مختلف کلیسیاؤں کا اتحاد عزیز ہے اس مضمون پر اپنی رائے زنی کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ مسیحی کلیسیائیں اپنے مجمعوں میں اسپر دھواندھار تقریریں کرتی ہیں۔ بڑے بڑے رزولیوشن منظور ہوتے ہیں اور پھر چند روز میں دھوئیں کیطرح غائب ہو جاتے ہیں۔ اس ناکامیابی کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟ آخر یہ اتحاد کسی صورت سے قائم بھی ہو سکتا ہے؟

ابتدائی مسیحی صدیوں کے سنہرے زمانے کے بعد کلیسیائی جامع ایسی شاخ در شاخ ہو گئی ہے کہ اسکے بکھرے ہوئے شیرازے کو جمع کرنا قریبًا ناممکن ہو گیا ہے۔ مسیحی مذہب کے بعض اصول جن پر کلیسیا کی عمارت قایم ہے رفتہ رفتہ نئی صورت اختیار کرتے گئے ہیں اور اسی وجہ سے امتداد زمانہ کے ساتھ کلیسیائی اتحاد کے رستہ میں نئی نئی اور سنگین رکاوٹیں پیدا ہو گئی ہیں۔ جب کلیسیا ایمان کی سادگی سے منحرف ہو کر رسم پرستی میں پڑ گئی اور اس میں حکومت کا عنصر زیادہ زیادہ ترقی کرتا گیا تو ایک ایسی اصلاح کی ضرورت لاحق ہوئی جو اس برگشتہ کلیسیا کے خوبصورت بت کو گرا کر ابتدائی مسیحی روحانیت اور آزادی کو قایم کرے۔ مگر یہ اصلاح عظیم بھی کلیسیائی پھوٹ کی رو کو روک نہ سکی۔ کیونکہ شخص کے بند ٹوٹنے اور روحانی آزادی کا ضروری نتیجہ ہوا کہ جہاں چند ہمخیال مسیحی مل بیٹھے ایک نئے فرقے کی بنیاد قایم ہو گئی۔ مگر ان فرقوں میں بنیادی اصولوں میں تبدیلی واقع نہ ہونے سے اتحاد کا امکان باقی رہا۔ رومی کلیسیا بھی جسکو اصلی رسولی کلیسیا ہونے کا دعویٰ ہے اور جو اور کلیسیاؤں کو جائز تسلیم ہی

نہیں رکھتی۔ بیشک وہ بھی اتحاد کی قائل ہے مگر یہ اتحاد اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ باقی سب کلیسیائیں اُسکے زیر سایہ پناہ لیں اور روما کے پوپ کو اپنا روحانی سر تسلیم کر لیں۔ چنانچہ پوپ لیو سیزدہم پروٹسٹنٹ کلیسیاؤں کی طرف مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ "ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کے بند سے بندھے رہنا چاہئے یسوع مسیح نے سب سے زیادہ اسی محبت پر زور دیا جس سے اُسکے شاگرد دنیا میں پہچانے جائینگے لیکن جب تک ایمان نے دلی یگانگی پیدا نہیں کی کامل محبت دلوں کو کیونکر بندھا سکتی ہے؟ اور مسیح کے ساتھ جو سر ہے پیوستگی کیونکر ہو سکتی ہے جب تک اُسکے بدن کے ساتھ جو کلیسیا ہے پیوستگی نہ ہو؟ اور جب تک پطرس اور اُسکے جانشینوں کی سرداری کو تسلیم نہ کر لیا جائے مسیح پر حقیقی ایمان کیونکر ہو سکتا ہے؟" دوسرے لفظوں میں جب تک کوئی کلیسیا رومی کلیسیا کی شراکت اور پوپ کی بیعت اختیار نہ کرے وہ اس کلیسیا کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتی۔ اسلئے یہ توقع رکھنا کہ رومی اور پروٹسٹنٹ کلیسیاؤں میں بھی اتحاد قائم ہو جائیگا۔ ع

"ایں خیال است و محال است و جنوں"

علاقہ مدراس میں جہاں رومی کلیسیا کے شرکا کی ایک نمایاں تعداد ہے سیاسی اغراض کی بنا پر اُسکو پروٹسٹنٹ کلیسیا کے ساتھ ملانے کی کوشش رائگاں ہوئی ہے۔ البتہ انگلستان میں چرچ آف انگلینڈ کی ایک شاخ جسکو انگلو کتھولک کے نام سے نامزد کرتے ہیں بہت کچھ روما کے قریب آگئی ہے اور شاید جلد پوپ کی گود میں جا بیٹھے گی۔ یوں تو کلیسیائے انگلستان کا ایک حصہ ہمیشہ سے رومی مسائل اور رسم پرستی پر دلدادہ رہا ہے۔ آزاد کلیسیاؤں کا یعنے اُن چرچوں کا جو سرکاری انتظام اور رسم پرستی کی زنجیروں سے جکڑی ہوئی نہیں ہیں باہمی اتحاد ممکن ہے۔ مگر کلیسیائے انگلستان کا اُنکے ساتھ متحد ہونا محال ہے۔ یہ سچ ہے کہ جہاں کہیں چرچ آف انگلینڈ کے پیشوا جمع ہوتے ہیں وہاں پریسبی ٹیرین وغیرہ کلیسیاؤں کو کلیسیائے جامع کے اعضا سمجھا جاتا ہے۔ مگر جب اتحاد کا سوال

پیش ہوتا ہے تو خالی خولی تجاویز سے آگے قدم بڑھایا نہیں جاتا۔ ماہ اگست ۱۹۲۰ء میں کثیر التعداد عالی وقار بشپ صاحبان نے بمقام لمبتھ بڑی دھوم دھام سے فراہم ہوکر کلیسیائی اتحاد کے بنیادی اصولوں کو قایم کیا۔ اور آزاد کلیسیاؤں کی طرف اخوت کا ہاتھ بڑھایا۔ مگر نتیجہ جو ہوا سو سب کو معلوم ہے۔ لمبتھ کانفرنس گرد دیا دروزہ لگا۔ مگر تجاویز اور نیک ارادے جن کر رہ گئی۔

غرض پروٹسٹنٹ کلیسیاؤں کا رومی کلیسیا کے ساتھ اتحاد ناممکن ہے۔ مگر آزاد کلیسیاؤں کا آپس میں ملجانا نہ فقط قرین قیاس بلکہ عملی طور پر ممکن ہے۔ دنیا میں ہر کہیں ان کلیسیاؤں کی مختلف شاخیں آپس میں اتحاد پیدا کر رہی ہیں۔ کنیڈا میں میتھوڈسٹ اور کانگری گیشنل کلیسیائیں اس ملاپ کی طرف آگے بڑھ رہی ہیں اور سب پریسبی ٹیرین کلیسیاؤں نے ملکر یونائیڈ چرچ آف کنیڈا کھڑا کر لیا ہے۔ آسٹریلیا میں بھی ان کلیسیاؤں میں ایک زبردست تحریک شروع ہے اور جلد ایک متحد کلیسیا قایم ہونے والی ہے۔ جنوبی ہند میں مختلف پریسبی ٹیرین کلیسیائیں مل گئی ہیں اور ایک متحد پریسبی ٹیرین کلیسیا قایم ہوگئی ہے بعض دیگر صوبجات میں بھی اسی مدعا کے حصول کی طرف قدم بڑھایا جا رہا ہے۔

یہ بار بار کہا گیا ہے کہ ہمارے ملک کی کلیسیاؤں کا چرچ وہی ہے جسے مشنری صاحبان غیر ممالک سے یہاں لے آئے ہیں اور فرقہ بندی کا منشا زر روپے پیسے کے سہارے پر قایم ہے۔ ایک کلیسیا کا کثر ممبر جب دوسرے چرچ میں خواہ کسی غرض سے چلا جاتا ہے تو اپنے پرانے چرچ کو کوسنے لگتا ہے۔ درحقیقت ہندوستان میں کلیسیائی تفرقوں کا بیج پتھریلی زمین پر گرا ہے جہاں اسکا پودا جڑ نہ ہونے کے سبب جلد سوکھ جاتا ہے۔ باوجود اسکے بھی ظاہری اتحاد کو قایم کرنا دشوار ہے۔ جب تک مادر کلیسیاؤں میں اتحاد نہ ہو ہندوستان کی کلیسیائیں اپنی پرانی لکیر کو پیٹتی رہیں گی۔

کلیسیائی اتحاد پر زور دینے والوں کی دلائل زیادہ تر مسیح کی اس دعا کی بنیاد پر

قایم ہیں کہ "وہ سب ایک ہوں"۔

اس سے سوائے اسکے اور کیا مراد ہوسکتی ہے کہ سب مسیحی افراد اور جماعتیں مسیح میں قایم اور اسی کی زندگی میں شریک ہوں۔ جب تک بنی آدم میں طبائع کا اختلاف ہے یہ ناممکن ہے کہ ہر ایک شخص کامل طور پر اوروں کے ساتھ ہر بات میں متفق ہو۔ اگر تنتے کسیکی کانشنس کو جکڑ کر اُس سے بعض مسائل منوالئے تو مسیحی آزادی کہاں رہی؟ جہاں آزادی ہے بعض باتوں میں اختلاف ضرور ہوگا۔ مگر اتحاد بالاختلاف ہی نیچر کا اصول ہے۔ گوناگون رنگوں میں کیسا اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر وہ سب ملکر رونق پیدا کرتے ہیں۔ کسی پہاڑ کے بلند ٹیلے پر سے نگاہ دوڑاؤ۔ وہ ہرے ہرے درختوں یا برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں۔ وہ سبزہ زار وادیاں جن میں سبز کھیتیاں لہلہا رہی ہیں۔ اور چوپائے گھاس چر رہے ہیں۔ اور ندیاں پیچ و تاب کھاتی جا رہی ہیں۔ وہ ڈھلوان دیکھو جس پر ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہے جسکے مکانات درختوں کی پھیلی ہوئی شاخوں میں سے جھانک رہے ہیں۔ کیسا خوشنما منظر ہے۔ اگر [illegible] ہوتا تو نظارہ کی خوبصورتی کہاں رہتی۔ کیفیت [illegible] ہے۔ اسی طرح مسیح کے بدن کے اعضا میں مدارج ہیں اور ہر ایک عضو کا اپنا اپنا کام ہے۔ افسیون کے نام کے خط کے چوتھے باب میں یہ مضمون نہایت صفائی کے ساتھ ادا کیا گیا ہے۔ اسلئے کامل یگانگی کے نقطۂ خیال سے کلیسیائی اتحاد کو ہر وقت رٹتے رہنا فضول ہے۔

ہم کیوں فروعات یا مذہبی رسوم میں اختلاف رکھتے ہوئے ایک نہیں ہوسکتے؟ ہندوستان [illegible] ڈاکٹر [illegible] صاحب نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ "کسی کلیسیا کے ایک مسیحی کو پھسلا لینے یا کسی مسیحی مشن کی خاص خدمت یا فرض کو اپنے ذمے لے لینے کیطرف ایک قدم بڑھانے سے میرے لئے یہ بہتر ہے کہ میں گنگا میں کود کر ڈوب مروں"۔ اگر ہر ایک مشنری اسی کشادہ دلی سے اس ملک میں خدمت کرے تو کلیسیائی اتحاد کی پختہ بنیاد قایم ہوجائے گی۔

اب اگر کلیسیائی اتحاد کے اصول کو تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ اور موجودہ فرقوں کا باہمی اتحاد بعض حالتوں میں ناممکن بعض میں دشوار اور بعض میں ممکن ہے تو پھر اس اتحاد کی تکمیل میں کونسی چیز مانع ہے؟ کیا ہمارے ہادیانِ دین ایک ناممکن بات کی تلاش میں سرگرداں ہو رہے ہیں؟ ہمارے خیال میں یہ سب مساعی اپنی اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ فائدہ رکھتی ہیں۔ ان سے اول تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے کلیسیاؤں کا رُخ کسطرف کو ہے۔ پھر یہ ہمارے پیشواؤں کے دلی جذبات اور اُمنگوں کا اظہار ہے۔ لاہور میں بعض اصحاب کی کوشش سے ایک ماہوار متحدہ عبادت شروع کی گئی ہے جس میں کلیسیائے انگلستان پریسبی ٹیرین میتھوڈسٹ اور مکتی فوج کے ممبر کا حصہ لیتے ہیں۔ یہ ایک قسم کا مصنوعی اتحاد ہے جو بغیر سہارے کے مدت تک کھڑا نہیں رہ سکتا۔ مگر تو بھی چند مسیحی فرقوں کا ایک ہی جگہ ملکر عبادت کرنا سراسر بے فائدہ نہیں ہے۔ یہ ہمارے موجودہ تفرقوں کے بیابان میں ایک خوشنما نخلستان ہے۔ یہ کلیسیائی اتحاد کی طرف قدم بڑھانے کا آغاز ہے۔ اور ممکن ہے کہ اسی نمونے پر اور متحدہ عبادتیں بھی شروع ہو جائیں۔ لیکن حقیقی اتحاد کیونکر ہو سکتا ہے؟ اگر ناظرین نے ان چند سطور کو غور سے پڑھا ہوگا تو اُن پر واضح ہو گیا ہوگا کہ اس تحریر کا رُخ اُس سوراج کی طرف ہے جس میں غیر ممالک کے موجودہ کلیسیائی جھگڑے ہمیشہ کے لئے جاتے رہینگے۔ اور ایک ہندوستانی کلیسیا قایم ہوگی۔ بہت عرصہ گزرا کہ بنگال میں ایک قومی کلیسیا کی بنیاد ڈالی گئی۔ مگر چونکہ اسکی ہستی چند اشخاص کی ذات کے ساتھ وابستہ تھی وہ بہت مدت تک قایم نہ رہی اور نہ اُس نے چنداں ترقی کی۔ آجکل مدراس میں بھی کرسٹو سماج شروع کیا گیا ہے۔ معلوم نہیں اُسکو کہاں تک کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ یہ کوششیں اُسی سوراج کیطرف اشارہ کرتی ہیں جب ہندوستان میں ایک ملکی کلیسیا ہندوستانی طرز پر قایم ہوگی جس میں اختلاف تو جاتے نہیں رہینگے مگر ہر طرف عملی یگانگی کا دَور ہوگا۔

ناصر

مشنری تحریک کا اثر امورِ سیاسیہ پر

(از قلم جناب پادری علی بخش صاحب لاہور)

مسٹر رامزے میور۔ ایم۔ اے۔ ممبر پارلیمنٹ نے دوران لیکچر میں یہ ذکر کیا کہ چار صدیوں سے برابر یورپ اپنا رسوخ روئے زمین پر بڑھا اور پھیلا رہا ہے۔ اسی کی وجہ سے یورپ کی قوموں کو کرۂ زمین کے ہر طبقے میں غیر مہذب قوموں سے تعلق وواسطہ ہوگیا۔ سولہویں سترہویں اور اٹھارہویں صدیوں تک یورپ کی قومیں ان غیر مہذب قوموں کو عملاً یہ سمجھتی رہیں کہ انکا کوئی حق نہیں اسلیئے اُن کو بے رحمی سے پورے طور پر لوٹ لینا بالکل جائز تھا۔ چنانچہ اُس زمانے کی غلامی اور غلاموں کی تجارت اس امر کا بڑا ثبوت ہے۔ اس تجارت کے ذریعے یورپ کی مختلف قوموں نے یکے بعد دیگرے نئی دنیا میں حبشیوں کو بیچنے سے ایسا کثیر نفع حاصل کیا کہ تجارت کے کسی دوسرے صیغے سے کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔ چنانچہ لنکاشائر کی دولت اسی کے ذریعے فراہم ہوئی۔ انہوں نے ارزاں اشیاء۔ خراب بندوقیں اور سستی شرابیں افریقہ کے مغربی ساحل کو بھیجیں اور اُنکے تبادلے میں نوجوان حبشی حاصل کئے اور اُن کو جہاز کی ایسی کوٹھڑیوں میں رکھا جہاں وہ مکھیوں کیطرح ہلاک ہوئے۔ وہ ایسے ارزاں تھے کہ کسیکو اُنکی پروانہ ہوئی۔ تم نے اُنکو ویسٹ انڈیز میں فروخت کیا۔ اور اپنے جہازوں کو رم۔ چینی اور تمباکو سے بھر کر واپس لورپول کو لائے۔ لنکاشائر اور لورپول کو اس تجارت نے مالا مال کر دیا۔ کل سترہویں صدی اور کسیقدر اٹھارہویں صدی میں یہ کام بالکل جائز سمجھا گیا اور اس میں ہماری

کامیابی ہمارے فخر کا باعث ٹھہری۔ یورپ کی حریف قومیں اس تجارت کو بڑے نفع کا باعث سمجھکر اس پر پورا قبضہ کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔ آخر کار ہم نے ان سب حریفوں کو زک دی۔ اسی کے طفیل ہماری بحری فوقیت قایم ہو گئی۔

سترہویں صدی میں ڈچ بوروں اور فرنچ ہیوگی ناٹ جلاوطنوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا اور غلاموں کی تجارت میں مصروف رہے۔ اور تقریباً ہر انگریز کا ان دنوں میں یہ عقیدہ تھا کہ حبشی لوگ حام کی اولاد تھے جن پر خدا نے دائمی غلامی کا فتویٰ دیا تھا کیونکہ انہوں نے طوفان کے بعد اپنے جد امجد حضرت نوحؑ کی بے عزتی کی تھی۔ بڑے بڑے مسیحی علما کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ انگریزی گیت کی کتاب کے کئی ایک گیت جو عبادت عام میں گائے جاتے تھے وہ جان نیوٹن کے طبعزاد تھے۔ اور یہ جان نیوٹن غلاموں کی تجارت کے ایک جہاز کا کپتان تھا۔ وہ اُن غلاموں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتا انکو انجیل سناتا انکو اچھی خوراک دیتا اور اُن کو گیت گانا سکھاتا تھا۔ لیکن مدت تک اسکو یہ خیال بھی نہیں گزرا کہ یہ تجارت ناجائز تھی۔ وہ اسے بالکل جائز خیال کرتا تھا۔ بعد ازاں یہ شخص انگریزی کلیسیا میں خادم دینی کے عہدے پر ممتاز ہوا۔ اور اس نے اس قسم کے کئی گیت لکھے۔ "مسیح کا نام کیا شیریں ہے" وغیرہ۔

اب ان پست حالت قوموں کی نسبت خیالات میں تبدیلی ہونے لگی۔ یہ تبدیلی کیسے وقوع میں آئی؟۔ اٹھارہویں صدی میں میتھوڈسٹ مشن کی تحریک شروع ہوئی۔ اور یہ خیال پیدا ہوا کہ خدا کی نظر میں سب روحوں کی قیمت یکساں تھی۔ اسکے بعد چرچ اوف انگلینڈ اور دیگر کلیسیاؤں میں انجیلی تحریک کا آغاز ہوا۔ اور اس نے ایسی ترقی کی کہ انگلستان کی روحانی اور کسیقدر عقلی زندگی میں ایک نیا انقلاب پیدا ہو گیا .... خاص کر ان پست حالت قوموں کی طرف اُن کی توجہ ہوئی اور اس امر میں اپنی ذمہ واری کو محسوس کرنے لگے۔

سنہ ۱۷۸۷ء میں فرینڈز اور ایونجیلیکل EVANGELICAL لوگوں کی ایک چھوٹی

انجمن قایم ہوئی جس کا مقصد غلاموں کی تجارت کو موقوف کرنا تھا۔ اس لئے کچھ زمین خرید کر سیرالیون کی بستی قایم کی تاکہ آزاد شدہ غلام وہاں جاکر آباد ہوں۔ الغرض نفع کمانے کی بجائے رفاہ عام کا کام شروع ہوا۔ لیکن اس نئی روح کی آمد کا یہی ایک نشان نہ تھا بلکہ قانون کی تاویل میں بھی تبدیلی ہونے لگی۔ اور بلا اغراض قانون کے یہ نئے معنے مقبول عام ہوئے۔ اسکے مقبول ہونے کی وجہ خیالات کی تبدیلی تھی۔ اس کرہ خیالات میں مشنری تحریک کا آغاز ہوا اور اس تبدیلی خیال کا یہ دوسرا نشان تھا۔ ۱۷۹۵ء میں تعلیم یافتہ پٹ موچی۔ ولیم کیری نامی اپنے خرچ پر مشنری ہوکر ہندوستان میں آیا اور اس نے ایسی دلیری اور ایثار نفسی دکھائی جو آجتک انگریزی باقاعدہ مشنری تحریک کے اوائل دنوں کو روشن کر رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہی انگلستان کی تقریبًا ہر کلیسیا نے ان پست حال قوموں کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھنا شروع کیا۔

بہت عرصہ گزرنے نہ پایا تھا کہ انگریزی کولونی آل احسن نے یہ پالیسی ظاہر کی کہ جن علاقوں میں یہ پست حال قومیں آباد ہیں وہ خدا نے ہمیں نفع حاصل کرنے کے لئے نہیں دیں بلکہ وہ امانتًا ہمارے سپرد ہیں۔ ان لوگوں کے فائدہ کے لئے جو وہاں آباد ہیں۔

الغرض نفع کمانے اور لوٹنے کی بجائے محافظ ہونے کے خیال کی ترقی ہوئی اور تہذیب و انسانیت میں یہ ترقی کا ایک قدم تھا۔ اور تاریخ میں اس تصور کا قایم ہونا ایک بڑا واقعہ تھا۔ اور بلاشک وشبہ مشنری سوسائیٹیوں نے جو چاروں طرف دنیا میں پھیل گئی تھیں اس خیال کی توسیع اور ترقی میں مدد دی۔

لیگ آف نیشنز کے عہد نامے میں اسی بڑے اصول کو مختلف جملوں میں ظاہر کیا۔ جن میں بعض چھوٹی ریاستوں کی نسبت بڑی ریاستوں کی سرپرستی کا ذکر ہے۔ اور اس عہد نامے میں ادنٰی اور اعلٰی ریاستوں کے درمیان باہمی رشتے کو ایک نیا جامہ پہنایا ہے۔ اعلٰی ریاستوں پر یہ لازمی فرض ٹھیرایا کہ وہ ادنٰی قوموں سے

انصاف کریں اور دوسرے لوگوں کو اُن پر جبر و ظلم کرنے سے روکیں۔ انگریزی سلطنت کی تین پشتوں میں اس تصور نے الہام اور مشنریوں کے زیرِ اثر نشو و نما حاصل کیا۔

الغرض مشنری تحریک نے دنیا کے امورِ سیاسیہ پر گہرا اثر کیا۔ اور اب تک وہ اثر جابجا ہو رہا ہے۔ پس ایک مؤرخ کی حیثیت سے میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ جس مشنری تحریک کی مدد کلیسیائیں اور انگریز صاحبان چندہ وغیرہ سے کر رہے ہیں اُس نے مہذب دنیا میں ایک زبردست اور صحت بخش انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

(ماخوذ از چرچ مشنری آؤٹ لک)

جے۔ علی بخش

غزل

(از نتیجۂ فکر جناب معلّے القاب پادری خیراللہ صاحب۔ قاضیؔ۔ خاص مسیحی کے لئے)

وجہِ بے حرمتی و مانعِ اسبابِ شباب — فتنۂ امن و اماں موجبِ رنجِ احباب
مالکِ عقل و خرد مفسدِ دین و ایماں — رہزنِ قوّتِ جاں مُصرفِ مال و اسباب
دشمنِ آبِ حیاتِ خرد و عقلِ سلیم — کونسی چیز ہے؟ کہتے ہیں جسے لوگ شراب
ہو کے بے عقل و خرد کہتے ہیں مت والے ہیں — آبِ شر نام ہے اور کہتے ہیں ناداں سے ناب
فاسق و فاجر و زانی و جفا جو خود کام — شری و مفتری و سفلہ طبیعت کذّاب
رند و بدمست و بد اندیش شرابی کج فہم — اِس حیاسوز کے احباب کو ملتے ہیں خطاب

ربع مسکوں میں فساد اس نے مچا رکھا ہے
قاضیؔ اس مفسدہ پرداز کا خانہ ہو خراب

ہماری غلامی

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

جب آفتاب کا نشانہ مغرب میں داخل ہو جاتا ہے۔ اُسکی تلملانے والی شوخ کرنیں اٹکھیلیاں کرتیں دفعتہً غائب ہو جاتی ہیں۔ اور شام کی ہلکی ہلکی سیاہی چاروں طرف پھیلتی نظر آتی ہے تو ایک عجیب منظر دکھائی دیتا ہے۔ پرندوں کے غول ادہر اُدہر اُڑتے جاتے ہیں۔ کسی کا رُخ مشرق کو ہے کسی کا مغرب کو۔ کوئی شمال کیطرف جاتا ہے کوئی جنوب کیطرف۔ پروں کی حرکت سے ہوا میں ایک تموّج پیدا ہوتا ہے۔ کوئی خاموش ہے کوئی نواسنج دل بے ساختہ بول اُٹھتا ہے۔ "یہ کہاں جاتے ہیں؟" عقل سلیم جواب دیتی ہے۔ "اپنے اپنے آشیانوں کو"۔ کونسی زبردست طاقت ہے جو انہیں کشاں کشاں لئے جاتی ہے؟ حبِّ وطن! چوپائے جو صبح سے جنگلوں اور مرغزاروں میں چرنے چگنے گئے ہوتے ہیں آبادی کیطرف مُنہ اُٹھائے چلے جاتے ہیں۔ جب پرندوں اور حیوانوں میں یہ قدرتی جذبہ موجود ہے۔ جب وہ اپنے گھر کی غلامی کو آزادی سمجھتے ہیں۔ جبکہ ویرانہ بلکہ مرغزار میں رہنا اُنکے واسطے غلامی ہے تو کیا حضرت انسان جو اپنے آپ کو اشرف المخلوقات سمجھتا ہے۔ اور اس عالمِ حقیقی کا بنا گردرشید ہے۔ اس پاک جوہر سے مستثنٰے رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

ہم بالکل مایوس نہیں۔ اور نہ ہم پست ہمت ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس مایوسی میں بھی روشنی کی جھلک آتی ہے۔ ہر ایک کے دل میں کم و بیش اپنی

قوم اپنے ملک کی بہتری وبہبودی کا جوش موجزن ہے۔ لیکن جب ہم اپنی قوم یعنی مسیحیوں پر نظر کرتے ہیں تو ایک بھیانک منظر دکھائی دیتا ہے اور پر شوق نگاہیں تلملا تلملا کر پلکیوں کے آغوش سے نکلتی ہیں پھر لوٹ جاتی ہیں۔ ہم دست تاسف ملتے رہ جاتے ہیں۔ مگر شکر کا مقام ہے کہ اس منظر میں بھی کہیں دور و دراز جگہ میں کسی ٹمٹماتے ہوئے ستارے کی روشنی آتی ہے ہماری گھٹی ہوئی خواہشیں بڑھتی ہیں۔ پست ہمت دلوں میں ولولہ پیدا ہوتا ہے اور ہم ہمت کی کمر باندھے ہوئے آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ مگر آگے چلکر ہم خود کو غلامی کے جال میں پھنسے ہوئے پاتے ہیں جس سے کسیقدر ہمت کی ڈور ٹوٹنے لگتی ہے مگر پھر بچ جاتی ہے۔ جہاں ہندو مسلمان آزادی آزادی کے نعرے بلند کر رہے ہیں۔ ہم خواب خرگوش میں پڑے سو رہے ہیں۔ اُدھر ہندو مسلمان اپنی اقوام کو بہتر بنانے میں سر توڑ کوشش کر رہے اور ہم غلامی خرید رہے ہیں۔ اور اس پہ طرہ یہ کہ ہم اس پر بھی شاداں ہیں ؎

بہائم کی اور اُن کی حالت ہے یکساں
کہ جسطرح پر ہیں اُسی میں ہیں شاداں
نہ ذلت سے نفرت نہ عزت کا ارماں
نہ دوزخ سے ترساں نہ جنت کے خواہاں

گویا کہ ہمارے دلوں میں آزادی سے رہنے کا خیال ہی نابود ہو گیا۔ ہمارا حال بعینہ اُس پرندے کی مانند ہے جو سالہا سال قفس میں قید رہا ہو۔ اور جب دیکھو یہی کہتا ہے ؎

خبر نہیں کسے کہتے ہیں گل چمن کیسا؟
قفس کو ہم تو سمجھتے ہیں آشیاں صیاد

عزیزو تہیدست اور محتاج رہنا۔ دوسروں کی غلامی خریدنا ہے۔ جب تک ہمنے یک جہتی اور آپسکے اختلافات کو رفع نہ کیا ہم کبھی اُس گلشن راحت بخش میں

یں پہنچ سکتے۔
کسی پہلو پر نظر کیجئے۔ مایوسی ہی مایوسی نظر آئیگی۔ کیا یہ بات قابلِ افسوس
ہیں؟ جبکہ یہ زمانہ بیداری و ہوشیاری کا ہے۔ ہم خوابِ غفلت میں پڑے
انٹے بھر رہے ہیں۔ افسوس مسیحیوں اور غیر مسیحیوں کے تعلقات پر روز بروز
ھنیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ایک گرہ کھلتی ہے۔ چار بل پڑتے ہیں۔ انکے رشتۂ اتحاد
ں پیچیدگیاں عقدۂ لاینحل ہو رہی ہیں۔ نہ عقل و فہم کی کوئی تدبیر کارگر ہوتی ہے
رنہ ناخنِ تدبیر گرہ کشائی کر سکتا ہے۔ اگرچہ آجکل زمانہ ترقی کا ہے۔ کشمکش کی
ندگی اور حصولِ کمال میں زندہ اور ترقی یافتہ قوموں کا ہمپلہ ہونا چاہتے ہیں۔
رطرف کوشش ہو رہی ہے مگر سب تدابیر لاحاصل جاتی ہیں۔ دراصل بات
یہ ہے ؎

صفائیاں ہو رہی ہیں جتنی دل اُتنے ہی ہو رہے ہیں میلے
اندھیرا چھا جائیگا جہاں میں اگر یہی روشنی رہے گی

اُن اقوام (یعنے مغربی اقوام) کی زندگی اور خوشحالی کا راز و حقیقت کچھ اور ہے
ہمیں معلوم ہے۔ مگر دانستہ تجاہل۔ خود غرضی اور ذاتی نام و نمود کی غرض سے
راموش کئے بیٹھے ہیں اور صرف چند روزہ خوشحالی کی زندگی اور عارضی جاہ و
بلال کی خاطر اپنی آئندہ نسلوں کی راہ میں کانٹے بونے کا خوفناک اور تکلیف دہ
کام نہایت سرگرمی اور مستعدی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ مگر ہم یہی سمجھ رہے
ہیں کہ یہ راستہ درست ہے۔ اور ہم اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائیں گے۔ مگر
ہم صاف کہتے ہیں ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

یہ بات مسلّم الثبوت ہے کہ انسان کو جب اپنی کمزوریاں معلوم ہو جاتی ہیں
تو وہ ایک نئی زندگی اختیار کرنے کا مصمم ارادہ کر لیتا ہے اور خصوصاً جس وقت

اپنے گرد و نواح کے لوگوں کو اپنے سے مختلف مگر اعلیٰ حالت میں پاتا ہے۔ اپنے عادات و اطوار کے تقویم پارینہ کو پھینک دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ہندوستان ایک بہت بڑا ملک ہے۔ اسکو کسی وقت وہ عروج حاصل تھا جس پر اقوام عالم رشک کھاتی تھیں۔ مگر اب یہ خیال ہے

"خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا"

یہ امر تو یقینی ہے کہ اسکے دل میں پستی سے نکلنے کی خواہش پیدا ہو گئی ہے۔ یعنی ہندو اور مسلمان ترقی کے زینہ پر چڑھ رہے ہیں۔ اگرچہ ظاہرا اختلاف و اختلاف سے جنگ و جدل ہوا ہے مگر درحقیقت وہ ترقی کر رہا ہے۔ کیا نہیں دیکھکر ہمارے دل میں ترقی کرنے کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر ہم علیحدہ رہ کر ترقی نہیں کر سکتے۔ اگر ہماری حالت کمزور ہے تو آؤ اپنے بھائیوں سے ملکر اس اہم کار کو انجام دیں۔ میں یقینی طور سے کہتا ہوں کہ ہم انہیں سیدھے راستہ پر چلائیں گے۔ جب تک مسیحی اُن سے نہ ملیں وہ کبھی مدعا حاصل نہیں کر سکتے محبت ہی سب غیر ضروری امور کو دور کر سکتی ہے۔ جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں انکو دور کرو اور آپسمیں ملجاؤ۔

اس بات سے کسی سلیم العقل اور واقف کار انسان کو انکار نہ ہوگا۔ کہ مسیحیوں اور غیر مسیحیوں میں کچھ غلط فہمیاں رہی ہیں جنکی وجہ سے ان میں ہمیشہ کشیدگی اور نفرت پائی گئی ہے۔ بعض اوقات تو ہمارے تعلقات امید افزا نظر آنے لگ گئے تھے۔ مگر پھر وہ سب ہوا ہو گئے۔ بعض متعصبین کے پرستاروں اور غلامی کے آقاؤں نے عملاً یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ مسیحی اور غیر مسیحی ملکر نہیں رہ سکتے۔ دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں جہاں مختلف الخیال اور مختلف المذاہب ملکی ترقی کے لیئے باہمی اتفاق پر مجبور نہ ہوئے ہوں۔ اور دین و دنیا کو علیحدہ علیحدہ چیزیں سمجھکر مذہب کو الگ کر کے دنیوی معاملات میں متفق و متحد نہ ہوئے ہوں۔ مگر یہاں اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ سب کہتے ہیں کہ ہم علیحدہ علیحدہ رہ کر ترقی کر سکتے ہیں

وہ اسطرح کہ ہم مشنری کا دامن پکڑکر کسی عمدہ جگہ پر پہنچ جائینگے۔ مگر۔ ع

این خیال است ومحال است وجنوں

ہماری نئی پود اور انگلو انڈین آپ کو علیحدہ رکھنے پر آمادہ ہیں۔ آہ! یہ خیال کتنا خوفناک ہے۔ یہ عمل کتنا مضرت رساں ہے۔ جو لوگ صدیوں سے ایک ہی ملک میں رہتے آئے۔ ایک ہی آب وہوا میں پرورش پاتے رہے کیوں ایک دوسرے سے علیحدہ رہیں۔ اگر مذہباً علیحدہ ہیں تو کیا ہوا۔ ہماری قومیت ایک ہی ہے۔

اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ انسانی طبائع مختلف ہیں اور اس وجہ سے مختلف معاملات میں تخالف وتضاد ضروری ہے۔ مگر اسکا لازمی نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ اس اختلاف طبائع کو عداوت ومنافرت کی حد تک پہنچا دیا جائے اور فروعی اختلافات کی وجہ سے اصول کو پامال کیا جائے۔ انگلستان کے پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک فرقوں میں کسقدر لڑائیاں ہوئیں۔ مگر آخر کار اُن کو اپنی غلطی معلوم ہو گئی اور اب وہ اسطرح ملکی خدمت انجام دے رہے ہیں کہ کوئی مغائرت تھی ہی نہیں۔ ہم متعجب ہیں کہ ہمیں ہمیشہ اندیشہ رہتا ہے کہ اگر ایک فریق نے اقتدار کامل حاصل کر لیا ہمیں کچل ڈالیگا۔ اسواسطے اپنی حفاظت اور اسکی مدافعت سے غافل نہ رہنا چاہیئے۔ سو اگر ایک فریق نے دوسرے کو رنج پہنچایا یا حملہ کیا تو شکایت کی گنجایش ہے بلکہ فریق ثانی کا ضمیر خود کہہ دیتا ہے۔ ع

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

ہم اپنے بھائیوں کو غیر سمجھ رہے ہیں اور غیر کو بھائی۔ ہم ظاہرا غیر مسیحیوں سے تنافر ظاہر کرتے ہیں۔ اُن سے ملنا کسرِ شان (میرا مطلب معمولی حیثیت والے یا ہم رتبہ اشخاص سے ہے) انکو گناہ وذلت کے کیچڑ میں لت پت سمجھتے ہیں۔ اس طریقہ سے ہم ترقی نہیں کر سکتے۔ ہم مسیحی تعلیم کے خلاف چلتے ہیں۔ مسیحی تعلیم کی خوبی دیکھئے

کہ "تو اپنے دشمنوں کو پیار کر"۔

کچھ پرواہ نہیں اگر وہ مذہبًا علیحدہ ہوں۔ ہمیں آہستہ آہستہ اُن سے ملنا چاہئے۔ مذہبی باتوں کو ترک کرکے انکو دعوت دینی چاہئے۔ کچھ پرواہ نہیں۔ اگر ہم مسیح کے نام سے ستائے جائینگے۔ ایک دن ضرور ہم ہندوستان کو مسیح کے پاؤں پاس لاسکیں گے۔ یہ امر بھی یقینی ہے کہ دیسی مسیحی ہندوستان کی نجات کے ذمہ وار ہیں۔ انگریز یا اہل مغرب یا مشنری ہرگز ہرگز اس کار اہم کو انجام نہیں دے سکتے اسواسطے ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہم اُن کے ساتھ شیر و شکر کی طرح مل جائیں۔ پھر محبت کی آگ مشتعل ہوگی۔ اور مسیحیت کی خوبیاں خودبخود ظاہر ہوں گی۔ مگر یہاں معاملہ کچھ اَور ہے اور اسلئے۔ ع

ہم اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائینگے

ہم کسی طرف جارہے ہیں اور ہمارے بھائی کسی اَور طرف۔ دونوں فریقین ایک دوسرے پر مضحکہ اُڑا رہے ہیں۔ یاد رہے کہ کسی قوم کے گرنے کا سب سے پہلا سبب یہ ہے کہ اُسکے افراد قومی بہتری۔ وسیع نظری اور فراخدلی کے عالمگیر اصولوں سے انحراف کرجاتے ہیں۔ اگر ہم تنگ خاناں یا تنگِ وطن ہیں تو اسی لئے کہ ہمنے ملکی اور قومی بہبودی کو شخصی اغراض اور ذاتی فوائد پر قربان کردیا ہے۔ لیکن اگر ہم اپنی کمزوریوں کو محسوس کریں تمام خودغرضیوں کو رفاہِ قوم پر نثار کرنیکے لئے آمادہ ہوجائیں تو ہماری بیداری کے دن بہت نزدیک نظر آئینگے۔

الغرض ہمیں ہر طرف مایوسی ہی مایوسی نظر آتی ہے۔ چونکہ ہندوستان مذاہب کا عجائب گھر ہے اسواسطے قومیت کا احساس باقی نہیں رہا۔ مگر دوراندیش اور اہلِ دانش صاحبان بخوبی جانتے ہیں کہ ان دونوں میں کیا تعلق ہے۔ امید بندھ گئی تھی کہ جہالت کی شبِ تاریک کے پردہ سے علم کا وہ نور جسکے اُجالے میں آنکھوں سے غیریت جاتی رہتی ہے بیگانے اپنے نظر آتے ہیں جلوہ افروز ہوکر تمام باشندگانِ ہند کو متحد کردے گا۔ اور وہ "من و تو" کے بھڑکانے والے جذبات سے رہائی پاکر اُس

نور حقیقی کے طالب نظارہ ہونگے جو تمام بنی نوع انسان پر برابر روشنی ڈالتا ہے
امید ہے کہ ہمارے لیڈر ایک عمدہ راستہ پر چلیں گے اور ہمیں اُس گلشن راحت
میں پہنچائیں گے جسکے لئے ہماری پُرشوق نگاہیں بیقرار ہیں اور ہم تھوڑی
مدت کے بعد اپنے بھائیوں سے بھائیوں کی طرح برتاؤ کرینگے اور اپنی زندگی
اور محبت سے انکو مسیحیت کی روشنی میں لاکر اُس نور کے سامنے لا کھڑا کرینگے
جس میں انسان کو اپنی اور عقبےٰ کی اصلیت معلوم ہو جاتی ہے۔ ہم اپنے لیڈروں
سے اسطرف خیال کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ کیا ہمیں ابھی کچھ عرصہ اور
دشتِ ادبار کی خاک چھاننا ہے!؎

خضر ملجائیں تو کچھ راستہ اُن سے پوچھیں
منزلِ عشق کی طے ہوتی ہیں راہیں کیونکر

تصویر کا دوسرا رخ انشاءاللہ آئندہ ماہ میں دکھائیں گے۔

پی۔این۔ بھنوت از اجنالہ ضلع امرتسر

یسعیاہ نبی

(از جناب ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب۔ ناصر)

کتاب مقدس کے چار انبیائے کبیرہ میں سے یسعیاہ پہلا نبی ہے۔ ہم اُسکی زندگی کے فقط چند حالات سے واقف ہیں۔ شاہزادہ اموص کا بیٹا اور شادی شدہ تھا اور اُسکے کم از کم دو بیٹے تھے۔ اُس نے یہوداہ کے بادشاہوں عزیاہ اور یوتام اور آخز اور حزقیاہ کے دنوں میں نبوت کی۔ غالباً شاہ منسی کے عہد سلطنت کا کچھ حصہ بھی اُسکے دورِ نبوت میں شامل ہے۔ اس لحاظ سے یسعیاہ نے چالیس برس سے زیادہ عرصہ تک نبوت کی اور عمر رسیدہ ہو کر وفات پائی۔

روایت ہے کہ جب منسی نے اُسے گرفتار کرنے کو لوگ بھیجے تو وہ بھاگ کر ایک

شہتوت کے تنے میں چھپ گیا۔ اُسکے پکڑنے والوں نے درخت کو معہ نبی کے آرے سے چیر ڈالا۔اس طرح یہ اُلوالعزم نبی جان بحق تسلیم ہوا۔ تعجب نہیں کہ عبرانیوں کے خط میں (۱۱ باب) اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ بعض کا خیال ہے کہ اُسکا والد اموص شاہ امصیاہ کا بھائی تھا۔ اگر یہ صحیح ہو تو یسعیاہ شاہی خاندان میں سے تھا۔ بہرصورت ایک بات یقینی ہے کہ اگر وہ عالی تبار نہ بھی ہو تو بھی اُسکی شخصیت اور مدبرانہ حکمت۔ اُسکی عظیم الشان فصاحت اور اُسکی اعلیٰ خدمت اُسے انبیا کی صفِ اولین میں افضل درجہ پر سرافراز کرنے کے لئے کافی ہے۔

پیشتر اسکے کہ ہم یسعیاہ نبی کے زمانے کے حالات اور اُسکی نبوت کا مختصر طور پر ذکر کریں تھوڑی دیر تک اس دلچسپ سوال پر غور کرینگے کہ جبکہ کتاب مقدس میں بزرگانِ سلف اور اسرائیل کے قاضیوں اور بہادروں اور بادشاہوں کی سوانح عمری کم و بیش تفصیل کے ساتھ درج کی گئی ہے تو کیا وجہ ہے کہ انبیا کی زندگی کے حالات قلم انداز کئے گئے ہیں؟۔ اگر انکا کچھ ذکر کیا گیا، تو اتفاقیہ یا اشارۃً۔ الہامی مصنفوں کی یہ فروگذاشت بلاوجہ نہیں ہوسکتی۔ یہ محض اتفاق کا نتیجہ نہیں کہ یوسف کی تصویر تو نہایت خوبصورتی کے ساتھ کھینچی گئی ہے۔ مگر یسعیاہ جیسے جلیل المنزلت نبی کو ایک گزرتے ہوئے بادل کے ٹکڑے یا شہابِ ثاقب کیطرح تھوڑی دیر کے لئے آنکھوں کے سامنے رکھکر ٹال دیا ہے۔ غالباً اس معمے کا حل یہی ہے کہ اگر کسی شخص کے ذاتی حالات کو اُسکی تعلیم سے علیحدہ کیا جائے تو اسکا پیغام زیادہ مؤثر ہوجاتا ہے۔ ہر ایک انسان کی زندگی میں کوئی نہ کوئی نقص ضرور ہوتا ہے۔ اسلئے یہ ایک عام مشاہدہ کی بات ہے کہ دینیات کے معلم کی روزمرّہ زندگی کے ساتھ حد سے زیادہ واقفیت اُسکی تعلیم کو کمزور بنا دیتی ہے۔ اسی سبب سے انبیا کے چہرے کو نظروں سے اوجھل رکھا جاتا ہے اور فقط اُسکی آواز سنائی دیتی ہے ہمیں آدمی دکھائی نہیں دیتا مگر پکارنیوالے کی آواز ہمارے کانوں میں پڑتی ہے۔

یسعیاہ کو اوائل عمر میں دو ایسے واقعات پیش آئے جنکا بڑا گہرا اثر اُسکی زندگی
پر پڑا۔ عزیاہ بادشاہ نے ایک عرصہ دراز تک بڑے جاہ و جلال کے ساتھ سلطنت
کی مگر آخر میں اُس نے ہیکل میں بڑی بھاری خودسری دکھائی جسکی پاداش میں
وہ مبروص ہو کر مرا۔ جوان یسعیاہ کو اس واقعہ میں اپنی قوم کا نقشہ نظر آیا ہوگا
جسکی بغاوت اور خودسری اُسکو خدا کے حضور سے دھکیل کر واجبی سزا کیطرف
لئے جارہی تھی۔ دوسرا واقعہ یسعیاہ کی زندگی میں اس سے بھی حیرت افزا تھا۔ ایک
روز کا ذکر ہے کہ وہ ہیکل میں عبادت کر رہا تھا کہ یکایک اُسے ایک آسمانی رویت
نظر آئی۔ ڈرتے اور تھرتھراتے ہوئے اُس نے قادرِ مطلق خدا کو تخت پر بیٹھے دیکھا۔
اور سرافیم کا آسمانی گیت سُنا۔ اس منظر کی قدسیت کے مقابلے میں وہ اپنی گناہ
آلودہ حالت کو دیکھکر بول اُٹھا کہ "میں ناپاک ہونٹھ والا آدمی ہوں اور نجس
لب لوگوں کے درمیان بستا ہوں"۔ پھر سرافیم میں سے ایک نے مذبح پر سے ایک
سُلگا ہوا کوئلا لیکر اُسکے لبوں کو چھوا اور اُسکو پاک بنا دیا۔ اسکے بعد وہ اپنی
بھاری خدمت کے لئے تیار ہو گیا۔ اور کمربستہ ہو کر نبوت اور مشورے کے ذریعے
بادشاہوں اور اپنی قوم کی ہدایت راہِ راست پر کرتا رہا۔ وہی اپنے شاگردوں اور
میکاہ نبی کے ساتھ ملکر شاہ حزقیاہ کے عہد میں قومی عبادت کی اصلاح کا ذریعہ ٹھیرا۔

یسعیاہ کی نبوت کا زمانہ یہوداہ کے لئے ایک نازک وقت تھا۔ اسرائیل کے
دس فرقے اسیری میں جاکر تتر بتر ہو چکے تھے اور اُنکی قومی ہستی معدوم ہو گئی تھی
جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ اُن لوگوں کے ساتھ مخلوط ہو کر جنکو اسیریہ کے بادشاہ
نے اُنکے ملک میں آباد کیا تھا ایک نئی قوم بنگئے تھے جو بعد میں سامری کہلائے
اور جنسے یہودی سخت نفرت رکھتے تھے۔ اب مذہب کو اُسکی اصلی پاکیزگی پر قایم رکھنے کا
بوجھ یہودی قوم کے سر پر تھا۔ مگر اُسکی اپنی حالت تسلی بخش نہ تھی۔ خدا نے اپنی پروردگاری
میں اُسے ایک اور صدی تک اپنے ملک میں آباد رہنے دیا تاکہ مذہب کی جڑ زیادہ مضبوطی
سے قایم ہو جائے۔ اور جب وہ اسیری میں جائے تو خدا کا حقیقی مذہب روئے زمین پر سے

مٹ نہ جائے۔ اس مدعا کو پورا کرنیکے لئے یسعیاہ عین موقعہ پر مبعوث ہوا اور خدا کے ہاتھ میں ایک نہایت مفید اوزار بنا۔ اسوقت یہودی قوم اپنے اُسی عروج پر تھی جس تک سموئیل اور داؤد نے اُسے پہنچایا تھا۔ مگر اُس خوشوقتی کا انجام یہ ہوا کہ قوم عیش پرست ہوگئی اور اخلاقی پایہ سے گر گئی۔ ظاہرداری اور رسم پرستی کا خوبصورت قالب رہگیا اور خداپرستی اور حقیقی دینداری جاتی رہی اُدہر مشرق میں اسیریہ کی بڑھتی ہوئی طاقت ایک تند آندہی کیطرح یہودی قوم پر لوٹ پڑنے کے لئے تیار تھی اور مغرب میں مصر کی سلطنت مُنہ پھاڑے ہوئے اُسکو ڈرا رہی تھی۔ ایسے آڑے وقت میں یہ یسعیاہ نبی کا کام تھا کہ قوم کے جہاز کو دو خطرناک چٹانوں کے بیچ سے عبور کرا کر سلامتی سے پار لے گیا۔ اُس نے کم از کم تین نازک اوقات میں یہودی بادشاہوں کو خطروں سے بچالیا۔ بلکہ ایک موقعہ پر وہ تین برس تک برہنہ اور ننگے پاؤں پھرتا رہا۔ تاکہ اپنی قوم پر ظاہر کرے کہ جس کوش اور مصر پر اُسکا بھروسا ہے اُسکے جوان اور بڈہوں کو شاہ اسور اسیطرح ننگا اور ننگے پاؤں اسیر کرکے لیجائیگا۔ ہر قسم کی سیاسی اور قومی مشکلات میں یسعیاہ نبی کا اصول یہ تھا کہ جو لوگ انسان پر نہیں بلکہ خدا پر توکل رکھتے ہیں خدا اُنکا مددگار ہے۔

یسعیاہ نبی کی نبوت میں تین خاص باتیں پائی جاتی ہیں۔ اول۔ وہ خدا کی قدوسی پر زور دیتا ہے اور اُسکو اسرائیل کا قدوس نام دینا پسند کرتا ہے۔ دوئم اسکے مقابلے میں وہ اپنی قوم کی گناہ آلودہ حالت کو دیکھکر اُسکو پاک کرنیکے لئے قومی سزا کی ضرورت پیش کرتا ہے۔ اور سوئم اس سزا کے ذریعے وہ اپنی قوم کے ایک مقدس بقیہ کی پیشین گوئی کرتا ہے جو گویا دکٹھالیوں میں تایا جاکر خالص نکلے گا۔ اور جسکے وسیلے سے دنیا برکت پائیگی۔ جب جب یہ دنی قوم کے چھٹکارے کا ذکر کرتا ہے تو وہ دو آنیوالے واقعات کو ایک ہی سلسلے میں منسلک کر دیتا ہے۔ ایک تو وہ عارضی نجات ہے جو خورس شاہ فارس کے ذریعے سے ہوگی۔ اس بادشاہ کو خدا نے اسکا نام لیکر بلایا اور اُس نے حکم جاری کیا کہ اسیر یہودیوں سے

جو چاہے اپنے ملک کو لوٹ جائے۔ اور یروشلم میں ہیکل کو از سرِ نو تعمیر کرے۔
دوسری وہ ہماری نجات ہے جو مسیح سے سارے بنی آدم کو حاصل ہونیوالی ہے
یسعیاہ مسیح کے اِس آخری سنہرے زمانہ کا ذکر نہایت دلسوزی اور بلند پروازِ شاعرانہ
تخیل کے ساتھ کرتا ہے تاکہ اُسکی قوم کے ایمان کو تقویت پہنچے اور اُسپر روحانی
وجد کی حالت طاری ہوجائے۔ اسی وجہ سے اُسکو بشیر نبی کا خطاب دیا گیا ہے۔
بعض امور اس پیشینگوئی میں نہایت قابل لحاظ ہیں۔ مثلاً یسعیاہ جو خود صاحبِ
اولاد تھا اور بچوں کی سادگی اور طبیعت سے بخوبی واقف تھا مسیح کی آمد اور اُسکے
پاک اور پُرامن زمانے کا نقشہ ایک عجیب بچے کی آمد کی صورت میں دیکھتا ہے
جو خدائے قادر اور ابدیت کا باپ اور سلامتی کا شاہزادہ ہوگا۔ آنیوالا مسیح ایک
پھلدار شاخ کی مانند ہوگا جس پر خداوند کی روح ٹھیرے گی۔ حکمت اور خرد کی روح
مصلحت اور قدرت کی روح۔ معرفت اور خدا کے خوف کی روح۔ پھر یہ نجات دہندہ مسیح
کوئی فرشتہ نہ ہوگا۔ یسعیاہ نے اُس عظیم رویت میں سرافیم کو خدا کی خدمت میں مصروف
دیکھا۔ مگر جب انسان کی خدمت اور مدد کا موقعہ آتا ہے تو وہ فرشتوں کیطرف نہیں
بلکہ ایک آدمی کیطرف نظر اُٹھاتا ہے۔ ہاں ایک ایسا شخص جو آندھی سے پناہ گاہ
کی مانند ہوگا اور طوفان سے چھپنے کی جگہ اور پانی کی ندیوں کی مانند خشک زمین میں
اور بھاری چٹان کے سایہ کی مانند ماندگی کی سرزمین میں۔ مگر سب سے عجیب مسیح
کی وہ تصویر ہے جسے وہ نہایت تاریک رنگوں سے کھینچتا ہے۔ وہ جو دنیا کو نجات
دینے آتا ہے کوئی بڑا بادشاہ نہیں جو شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ آرہا ہے بلکہ وہ آدمیوں
میں نہایت ذلیل اور حقیر اور مردِ غمناک اور رنج کا آشنا ہے۔ وہ خدا کا مارا کوٹا اور ستایا ہوا ہے۔
اُسکے ڈیل ڈول کی کچھ خوبی نہیں اور نہ کچھ رونق اور نمائش ہے۔ دنیا میں یہ ایک نرالی بات
تھی کہ خلقت کو گناہوں سے چھڑانیوالا خود اُسی سزا کے فتوے کے نیچے ہوگا جس سے وہ دنیا کو
بچانے آتا ہے۔ اگر یہ پیشینگوئی خدا کیطرف سے نہیں تو اور کیا ہو سکتی ہے؟ جو بات دنیا کے
خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی تھی وہ نبی سینکڑوں برس پیشتر دیکھ رہا ہے۔ جو بیان اُسکے صحیفے
کے باب ۵۳ میں مندرج ہے اسکا ایک ایک لفظ اس مسیح پر ٹھیک بیٹھتا ہے جسکی تصویر ہم اناجیل میں پاتے

سرکاری عہدوں پر مامور ہیں۔ رانی صاحبہ خوش مزاجی۔ سادگی
اور سلیقہ شعاری میں بے نظیر تھیں۔ مسیحیوں سے ہمیشہ بڑی محبت
اور تپاک سے ملتی تھیں۔ جو ان کے گھر جاتا وہ یہ محسوس ہی نہ کرتا کہ
اتنی جلیل القدر رانی کے سلام کو حاضر ہوا ہے۔ آپ اِس
انکسار سے میٹھی گفتگو کرتیں کہ سب کو گرویدۂ احسان بنا لیتیں۔
انگریزی اور اُردو میں فصاحت و بلاغت ان کے خاندان کا
حصّہ تھا۔ اور شرافت تو آپکے گھر کی ہی تھی۔ ہمکو تو کوئی بھی ایسی
بی بی نظر نہیں آتیں جو آپ کی جگہ لے سکیں۔ آپکا گذر جانا فقط
آپ کے خاندان کا نقصان نہیں۔ بلکہ کُل مسیحی قوم کا ایسا زیان
ہے کہ جس کی تلافی ہونی ناممکن ہے۔ ہم تہِ دل سے راجہ صاحب
اور جُملہ کنور صاحبان اور دیگر لواحقین سے اظہار افسوس و ہمدردی
کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالٰی جو تسلّی اور اطمینان کا سرچشمہ
ہے۔ سب کو صبر کی توفیق دے۔

رانی صاحبہ کا مفصّل حال ہم اگلے نمبر میں شایع کریں گے +

ایڈیٹر انچیف

لیڈی رانی ہرنام سنگھ مرحومہ کی تعزیت

یہی کہتا ہوں گھبرا کر فلک سے   کہ او بے مہر بد اختر کمینے
کہاں ہم اور کہاں تیرا یہ اندھیر   یہ کس دن کے نکالے تو نے کینے

گردونِ دوں خدا جانے کیوں ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہے۔ کہ ہر طرف سے خبر وحشت اثر کسی نہ کسی عزیز کے انتقال پُر ملال کی آئے جاتی ہے۔ اِس ممبر کی نوحہ خوانی کم تھی۔ کہ محترم رانی ہرنام سنگھ کا داغ ساری قوم کو دیا گیا۔ رانی صاحبہ سے پنجاب کیا کُل ہندوستان واقف ہے۔ آپ جالندھر کے مشہور و معروف پادری گولک ناتھ مرحوم کی صاحبزادی تھیں۔ راجہ سر ہرنام سنگھ اہلو والیہ۔ کپورتھلہ جب مسیحی ہوئے تو ان سے شادی خانہ آبادی کی اور بڑی مسیحی محبّت اور ہر دلعزیزی کی زندگی بسر کی۔ آپکا خاندان آفتاب اور ماہتاب کی طرح مسیحیوں میں درخشاں ہے۔ تمام کنور بڑے بڑے مُمتاز

دی پنجاب کرسچن سنٹرل کوآپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور

عرصہ تین سال کا ہوا کہ یہ بنک شہر لاہور میں کھولا گیا تھا۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کے
دیہاتی مسیحیوں کی مالی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ اس مؤمنٹ کے ذریعہ سے جو لوگ مسیحی مذہب
میں شامل ہوتے ہیں انکی مالی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ خواہ زراعت پیشہ ہوں یا صنعتی یا حرفتی کاموں
میں لگے ہوئے ہوں۔ ان لوگوں کو قرضی روپیہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ مسیحی مذہب اختیار
کرنے کی وجہ سے جو بنئے بقال وغیرہ بے تحاشا سود لیکر ان غریبوں کو روپیہ ادھار پر دے سکتے
دیتے تھے وہ بھی انکار کر رہے ہیں۔ اگر ہم لوگ انکی مدد نہ کریں تو یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ
گھاٹ کے۔ اس بنک کے ذریعہ سے شہری مسیحیوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ عمدہ سود کی شرح
پر روپیہ امانت پر رکھوائیں۔ نیز بنک کے حصص خرید کر عمدہ ڈاویڈنڈس و منافع کمائیں
پچھلا ڈیویڈنڈ ۹ فیصدی شرح کے حساب سے دیا گیا تھا۔ پچھلے تین سال کے عرصہ
میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ قرض دیا جاچکا ہے جو وقت مقررہ پر واپس آرہا ہے۔ اور
تقریباً بارہ ہزار روپیہ سود امانت پر روپیہ رکھنے والوں کو پہونچ چکا ہے۔ سو یہ بات
وہی ہے کہ "آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام"۔ حصص کی قیمت مبلغ ۵۰ روپیہ ہے
جو سہ ماہی انسٹالمنٹ (قسط) میں واجب الادا ہے جو علاوہ شرح سود امانتی روپیہ
کے واسطے ذیل میں درج ہے:۔

تین ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ جو علاوہ (زر جمع مستقل) کیواسطے بشرح ۴½ فیصدی سالانہ
۶ " " " " ۵½ " "
۱۲ " " " " ۶½ " "

پچھلا بالنس شیٹ منگواکر بنک کی مالی حالت کا ملاحظہ فرماویں۔ بنک چلانیکے اخراجات
نہایت کم ہیں۔ سوائے ایک پورے وقت کے اکاؤنٹنٹ کے باقی سب عہدہ داران
بلا اجرت قومی خدمت کر رہے ہیں۔

المشتہر

آئی۔ درگا پرشاد۔ آنریری مینجر و سکرٹری

[illegible] ایڈیٹر و پبلشر نے کرسچن پریس لاہور [illegible] باہتمام [illegible] چھپوا کر [illegible] شائع کیا

بسرپرستی انڈین کرسچن کانفرنس۔ لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۶۸۰

مسیحی لاہور

۱۹۲۴ء

جلد ۱ نمبر ۶

ہندوستانی مسیحیوں کا مذہبی۔ اخلاقی علمی و تمدنی ماہواری رسالہ

ایڈیٹرز (۱) مسٹر کے ایل رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن سکول لاہور ایڈیٹر انچیف

(۲) مسٹر آئیون جیکب صاحب عاصی بی۔ اے بی ٹی جائینٹ ایڈیٹر

فہرست مضامین

کل خط و کتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام مسٹر کے ایل رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل سکول لاہور ہونی چاہیئے۔ باقی خط و کتابت و ترسیل رسیدہ و چندہ وغیرہ بنام مسٹر نی۔ خاں۔ بی اے بی ٹی مینیجر۔ رنگ محل مشن سکول لاہور آنی چاہئیں۔

قیمت سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک دو روپیہ ۸ / ۔ ۵۰ سے کم آمدنی والوں کے لئے فقط دو روپیہ۔

مسیحی کا حوالہ دیکر فرمائیش کریں

اِشتہارِ کُتب

اصول و فروع مسیحیوں کے انجیلی عقائد و فرائض کے اصول۔ مولفہ پادری جے۔ ایل۔ پاٹر صاحب علم الٰہی کا عمدہ خلاصہ ہے۔ ص ۱۴۰۔ ۸ر مجلد ۱۲ر

مذبح کا طواف۔ عشاء ربانی کے متعلق انگریزی کتاب "سٹیپس ٹو دی آلٹر" کا مشہور ترجمہ۔ صرف ایک درجن جلدیں باقی ہیں۔ ص ۲۵۱۔ ۶ر

حیات المسیح۔ مسیح کی زندگی کے مفصل حالات۔ بترجمہ مولفہ پادری طالب الدین صاحب مرحوم۔ اب بعد نظر ثانی دوسری بار طبع ہوئی۔ ص ۲۴۱۔ ۱۴ر

سمپردائے۔ اہل ہنود کے قریباً تمام فرقوں اور پنتھوں کے حالات۔ تعلیمات۔ تواریخ اور پیرووں کے بیان ہیں۔ ص ۲۹۲ قیمت ۶ر مجلد ۱۰ر

مذہب اور حقیقت مصنفہ سادھو سندر سنگھ صاحب۔ خدا اور انسان کے باہمی رشتہ کی نسبت ہندو۔ بدھ۔ محمدی اور مسیحی مذہب کی تعلیمات و اصول پر محققانہ خیالات۔ ص ۶۲۔ ۳ر

تحفۃ النساء۔ یعنی بائبل میں مذکورہ و ابتدائے مسیحیت۔ درمیانی اور موجودہ زمانوں کی مسیحی مستورات کے حالات۔ آٹھ حصّوں میں قیمت فی حصہ۔ ۹ پائی۔ تمام حصّے مجلد یکجائی۔ قیمت ۱۰ر

دلچسپ اور نصیحت آموز ۱۵۰ کہانیاں۔ از واعظ صاحب۔ اخلاقی۔ روحانی اور تمدنی واقعات کہانیوں کی طرز پر جو واعظوں۔ مبشروں۔ پاسٹروں اور منادوں کے لئے نہایت کار آمد اور بچوں کے لئے مفید ہیں۔ ص ۱۱۸۔ قیمت ۵ر

تعلیم المسیح۔ اناجیل اربعہ کے مطابق خداوند کی تعلیم کے خاص اصول مصنفہ رائٹ ریورنڈ ڈاکٹر ڈارسی صاحب۔ ص ۱۴۶۔ قیمت مجلد ۹ر

روحوں کا جیتنے والا۔ خداوند یسوع مسیح کے روحوں کو جیتنے کے طرز و طریقے۔ پاسٹروں اور مبشروں کے لئے خاص ہدایات سے پُر کتاب ہے۔ ص ۷۲۔ قیمت ۳ر

۴۲ بائبل کی کہانیاں۔ بالخصوص اس موومنٹ میں کام کرنیوالے مسیحی کارندوں کیلئے جو بہت سی ہندوستانی زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہے اور اب پہلی بار اردو میں چھپی ہے ص ۷۲۔ تقطیع کلاں۔ ۳ر

آسمان کی بادشاہت۔ آسمان کی بادشاہت کیا۔ کہاں اور کیسی ہے اور اسکے وارث کون ہیں؟ وغیرہ مصنفہ پادری ڈے صاحب۔ ص ۵۸۔ قیمت ۲ر

روح القدس از روئے قرآن و بائبل۔ روح القدس اور جبرائیل۔ روح القدس اور انسان روح القدس اور الہام۔ روح القدس اور عیسیٰ اور روح القدس کے بارے میں بائبل کی تعلیم ص ۹۶۔ ۳ر

المشتہر

سیکرٹری پنجاب رلیجس بک سوسائٹی۔ انارکلی لاہور

The Late Rev. Kali Charan Chatterji, D.D.

Forty-eight years a missionary at Hoshiarpur Punjab.

یا مسیح

نوٹ اور خبریں

۱۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مس احمد شاہ بی۔اے کینیرڈ کالج۔ لاہور میں مس بھتّا چارجی کی جگہ جو ولایت گئی ہیں زینت افزائے پروفیسران ہوئی ہیں + اور ہمیں کامل اُمید ہے کہ آپ کا مسیحی مزاج۔ سادگی اور دانائی مسیحی لڑکیوں پر بہت اچھا اثر پیدا کریگی + ہم مس احمد شاہ کو خوش آمدید کہتے ہیں اور کالج کو مبارکباد +

۲۔ مسیحیانِ پنجاب کی طرف سے پنجاب کرسچن کانفرس سر میلکم اور لیڈی ہیلی کو خوش آمدید کہنے کے لئے ۱۵ نومبر کو فورمن کرسچن کالج میں جلسہ کریگی + ہم چاہتے ہیں کہ سب مسیحی پنجاب کے خواہ گاؤں کے ہوں یا شہروں کے اپنی شمولیت سے اس جلسے کی رونق بڑھائیں + ہم نے دعوتی کارڈ بھیجے ہیں۔ جن صاحب کے پاس نہ پہنچیں اور وہ آنا چاہیں تو وہ سر آنکھوں پر آئیں اور اپنے تشریف لانے کی اطلاع ہمیں دیدیں تاکہ انکے لئے انتظام کیا جائے +

۳۔ **کشمیر میں مسیحی کام اور مسیحی افسران**۔ رجواڑوں میں مسیحیوں کی تعداد بہت کم ہے اور مسیحی عہدہ داران قسمت سے ملتے ہیں + ہاں دو چار ریاستیں ہیں جنہیں مسیحیوں کی کچھ دال گلتی ہے۔ اور بڑے فخر کی بات ہے کہ جہاں جہاں مسیحی عہدہ داران ذمہ داری کے کام پر مامور ہیں وہ بڑی نیکنامی کے ساتھ کام

سرانجام دے رہے ہیں۔ ایسی ریاستوں میں سے ایک ریاست کشمیر جنت نظیر ہے۔ یہاں ہمارے کرمفرما مسٹر رام گوپال صاحب ایم۔ اے۔ ایم ایس سی ہیں جو ایڈنبرا میں تعلیم حاصل کر کے آئے ہیں۔ آپکے نام نامی واسم گرامی سے کشمیر کا بچہ بچہ واقف ہے۔ آپ بڑے خاندانی آدمی ہیں اور ریاست کشمیر میں ڈائرکٹر آف اگریکلچر یعنی مہتمم صیغۂ زراعت کے جلیل القدر منصب پر ممتاز ہیں اور اپنے فرائض کو بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ آپکی لیاقت اور ذہانت اور نیک چال چلن کے سب لوگ اور ریاستی مداح ہیں۔ ہم آپ کا مفصل حال مع تصویر اپنے پرچہ مسیحی کے کسی نمبر میں جلدی ہی ہدیۂ ناظرین کرینگے۔ دوسرے صاحب مسٹر بقال۔ بی۔ اے۔ بی ٹی ہیں۔ جو پہلے وائی۔ ایم۔ سی۔ اے میں تھے۔ آپ کشمیر کے رہنے والے ہیں۔ صیغۂ چاول میں اسسٹنٹ سُوپروائیزر کے عہدے پر تعینات ہیں۔ یہ عہدہ بھی بڑی ذمہ واری کا ہے۔ کشمیر میں چاول بہت ہوتا ہے مگر باہر لیجانے کی اجازت نہیں۔ اس محکمے کے افسران اگر چاہیں تو پانچوں گھی میں کر سکتے ہیں۔ لیکن کیا مجال کہ آپ کی دیانت داری پر حرف آجائے۔ کشمیر میں عام لوگوں تک میں آپکی دیانتداری کی بڑی تعریف ہے۔ ہم مسیحیوں کو ناز کا مقام ہے۔

مسز ڈیک فیلڈ جو پہلے مس اینجلینا شیر سنگھ تھیں ہمارے بزرگ قوم منصف شیر سنگھ صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کشمیر میں انسپکٹر آف سکولز ہیں اور اپنا کام بڑی خوبی سے بجالاتی ہیں۔

علاوہ ازیں دو اور مسیحی صاحبان نے نہایت عمدہ کام کیا ہے۔ جس کا نشان مدت تک رہیگا۔ وہ ٹِن ڈل بسکو اور انکے بھائی اور ڈاکٹر نیو صاحب اور انکے ڈاکٹر بھائی ہیں۔ ان چاروں نے کشمیر کو چار چاند لگا دئے ہیں۔ کشمیر کو ان صاحبان نے بنا دیا ہے۔ افسوس کہ مسٹر بسکو کے ایک بھائی اور مسٹر نیو کے ایک بھائی اس دنیا سے چل بسے ہیں اور دورہ گئے ہیں۔ مگر بقول

دو چُون کے بھی بڑے ہوتے ہیں۔ اب بھی وہ کام ہو رہا ہے کہ پیارے خداوند کا بڑا نیک نام ہو رہا ہے + تعلیم کے متعلق جو کام مسٹر بسکو کر رہے ہیں اور طب میں جو مسیحائی ڈاکٹر نیو دکھا رہے ہیں وہ لارڈ لارنس اور انکے بھائی کے سیاسی کام کی طرح ضرب المثل ہے + کشمیری پنڈت تو ہر دو صاحبان کو اوتار کی طرح پوجتے ہیں اور پاؤں دھو دھو کر پیتے ہیں + اور ہمیشہ ان کا ذکر خیر کرتے ہیں + چنانچہ ایک اچھے تعلیمیافتہ کشمیری پنڈت نے دَوران گفتگو میں کہا + کشمیر کے لئے مہاراجہ صاحب نے کیا خاک کیا ہے + تعلیم ہم کشمیریوں کو دی تو بسکو صاحب نے + آدمی ہمیں بنایا تو بسکو صاحب نے۔ مرنے سے ہمیں بچایا تو نیو صاحب نے + مردوں کو جلایا تو نیو صاحب نے + ابتک یہی حال ہے + لوگ مشن ہسپتال کو سرکاری ہسپتال پر ترجیح دیتے ہیں + یہانتک کہ پچھلے موسم گرما میں جب راجہ ہری سنگھ ولیعہد سلطنت کی ٹانگ میں ضرب آئی تو آپ نے بھی فرمایا ہمیں مشن ہسپتال میں لے چلو۔ چنانچہ آپ ڈاکٹر نیو ہی کے زیرِ علاج رہے + نیو صاحب جسمانی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ تو مسٹر بسکو جہالت کی تاریکی کو علم کی روشنی کا مشعل دے رہے ہیں + آپ کا سکول بھی اپنی قسم کی ایک چیز ہے + لڑکوں میں جو خدمت کی روح آپ نے پیدا کر دی ہے وہ نہایت قابل تحسین و آفرین ہے + اگرچہ افسوس ہے کہ ڈھاک کے تین پات ڈھائی ٹوٹرو مسیحی استاد سے زیادہ اس سکول میں نہیں + ہماری اس نکتہ چینی کے جواب میں بسکو صاحب نے ہرچند بہت سے جواب پیش کئے جو ظاہر میں کسی قابل ہونگے مگر ہم انکو انگریزی کی ضرب المثل " جی چاہے تو طریقے بہت" یاد دلا کر امید کرتے ہیں کہ وہ اس کمی کو بھی جلد دور کر دینگے + اس میں نہ صرف کئی مسیحی نوجوانوں کی روزی نکل آئیگی بلکہ سکول میں اور ریاست میں مسیحی چال چلن کا نمونہ پیش کرنیوالے کافی تعداد میں ہو جائینگے +

۴- مسٹر لیلشور کی پوتی کے انتقال کی خبر سُن کر ہمیں سخت رنج ہُوا + دُعا ہے کہ خداوند تعالیٰ والدین اور رشتہ داران کو تسلی بخشے +

۵- پادری اور مسز ڈیرز + اور ہارپر صاحبان امریکہ سے تشریف لے آئے ہیں + مسٹر ہارپر مسٹر میکی کی جگہ مو گے انڈسٹریل سکول کے پرنسپل ہونگے + آپ خاص تعلیم حاصل کرکے آئے ہیں + اور ہمیں اُمید ہے کہ وہ مسٹر میکی کے نقش قدم پر چل کر مسیحیوں کو بہت فائدہ پہنچائینگے + پادری ڈیرز صاحب کا دم ہم لاہور والوں کو بہت غنیمت ہے + مشن احاطے کی رونق دیکھئے اب کہاں سے کہاں جاتی ہے + ہم ہر دو صاحبان کو خوش آمدید صفا آمدید کہتے ہیں +

۶- مسٹر چیٹرجی سابق مشنری این- ایم- ایس کی صاحبزادی کی شادی خانہ آبادی بریلی + یوپی کے ایک بڑے لائق مسیحی نوجوان سے ہُوئی ہے- خدا برکت دے + اور کثرت سے برکت دے + ہم مسٹر چیٹرجی کو مسیحی کی طرف سے مبارکباد دیتے ہیں +

۷- کرسچن کانفرنس کے دو نیک ارادے (۱) ہمارا ارادہ ہے کہ مسیحی کا کرسمس نمبر نہایت قابل دید ہو + تمام مضامین خداوند یسوع مسیح کے تجسم اور زندگی کے متعلق چیدہ چیدہ نامہ نگاران کی دُرافشانی ہوگی- اعلیٰ چھپائی اور دلکش تصاویر اس نمبر کی زیب و زینت کو بڑھائینگی + جو صاحب مضامین اور غزلیں وغیرہ بھیجنا چاہیں وہ بڑی خوشی اور شکریئے کے ساتھ درج رسالہ کئے جائینگے + مضمون اس قسم کے ہونگے + خداوند مسیح اور بیسویں صدی + خداوند مسیح اور قومیت + خداوند مسیح اور خدمت + غرضیکہ کل نظموں اور مضامین

کام مرکز اور قبلہ ہمارے معصوم خداوند ہی ہونگے ۔ چند کرمفرمایان مسیحی سے خاص طور پر استدعا کی گئی ہے ۔ یہ دُرِ خوشاب خوانِ مسیحی میں رکھ کر ہدیۂ ناظرین ہونگے ۔ جو صاحب ہمیں مشکور فرمانا چاہیں ۱۵ نومبر تک مضامین وغیرہ ارسال فرمائیں کیونکہ ۸ دسمبر کو پرچہ بڑی آب و تاب سے نکلیگا ۔

(۲)۔ خدا کی توفیق سے پنجاب کرسچن کانفرنس کا یہ بھی ارادہ ہے ۔ کہ لاہور میں ایک بڑی بھاری متحدہ عبادت کرسمس کے ہفتے میں ہو ۔ جس میں درخواست ہے کہ پنجاب کے جتنے مسیحی سرفرقے کے آسکتے ہیں کوشش کرکے آئیں ۔ سادھو سندر سنگھ جی کو خاص طور پر مدعو کیا جائیگا اور زر چندہ کی بجائے انجیلیں اور بائبلیں چندے میں لی جائینگی ۔ کہ جن غریب مسیحیوں کے پاس انجیل نہیں ہے اُن میں اور غیر مسیحیوں میں تقسیم کیجائیں ۔

۸۔ منٹگمری میں مسیحیوں کو زمین ملنے کی تجویز سُن کر بہت سے دیہاتی اور شہری مسیحی ہمارے پاس آتے ہیں اور فرداً فرداً ہم سے شرائط دریافت کرتے ہیں ۔ اگر ایسے صاحبان اپنے کسی معتبر نمائندے کو یا اپنے انچارج پادری صاحب کو لاہور بھیجدیں تو طرفین کو آسانی ہو جائے ۔ کرسچن کانفرنس کی میٹنگوں میں ایسے حضرات شامل ہو کر تمام معلومات اور شرطیں پورے طور سے معلوم کر سکتے ہیں ۔ ایک کانفرنس کا اجلاس ۲۵ اکتوبر کو ہوا ۔ اسمیں بہت سی باتیں زمین کی خریداری کی شرطوں کے متعلق پیش ہوئیں ۔ ناظرین اس میں دلچسپی لیں اور کانفرنس کے لئے دعا کریں تاکہ وہ اس بڑی ذمہ داری کے کام سے بہ حُسن و خوبی عہدہ برآ ہو ۔

پادری خیر اللہ صاحب قاضی نے اپنی نادر کتاب "خاص دعائیں" کی ۵۰ جلدیں ناظرین مسیحی کو مفت تقسیم کرنے کے لئے انعام دیکر ہمیں مشکور فرمایا ہے ۔

مرحوم رانی ہرنام سنگھ صاحبہ کے مختصر حالاتِ زندگی

ہم رانی مرحوم کے انتقال پُر ملال کی خبر پہلے دے چکے ہیں ۔ یہ کہنا واقعی بجا ہے کہ انکی موت سے تمام پنجاب میں ایک تہلکا مچ گیا ہے اور مسیحی اور غیر مسیحی خواتین کی نظروں سے ایک اعلےٰ درجے کی خاتون کا بے نظیر نمونہ اوجھل ہو گیا ہے ۔

رانی صاحبہ جلندھر کے پادری گولک ناتھ صاحب کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں ۔ پادری گولک ناتھ کے نام سے ناواقفیت تجاہل عارفانہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتی ۔ آپ کا خاندان نہایت مشہور ہے اور جلندھر کی پرانی اینٹ سمجھا جاتا ہے ۔ جو رسوخ اس خاندان کو حاصل ہے وہ کہاوت بن گئی ہے ۔ اعلیٰ خاندان میں پیدائش تعلیم اور تربیت ۔ شائستگی و تہذیب کی زیبائش نے آپکا شہرہ دور دور پھیلایا ۔ یہانتک کہ آپکے اور آپکے والد کے مسیحی چال چلن اور آداب و اخلاق کے کپور تھلے کے کنور ہرنام سنگھ ایسے قائل ہوئے کہ انہوں نے مسیحی تعلیم پادری گولک ناتھ صاحب سے حاصل کرنی شروع کی اور آخرکار مشرف بہ دین عیسوی ہوئے ۔ اور کچھ عرصے بعد ۱۸۷۵ء میں بمقام جلندھر رانی مرحوم سے شادی خانہ آبادی کی ۔ اس وقت کنور صاحب ۲۴ سال کے تھے ۔ آپ راجہ سر رندھیر سنگھ اہلو والیہ والئے کپور تھلہ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں ۔ مگر افسوس کہ مصلحت ملکی اور تعصب مذہبی کے باعث جب کنور ہرنام سنگھ صاحب مسیحی ہوئے تو باوجود حکومت انگریزی آپکو راج سے محروم کر دیا گیا ۔ مگر آپ "پادشاہی سے تو بہتر ہے گدائی تیری" کا ورد پڑھتے رہے ۔ مہاراجہ یسوع کو اپنا آقا تسلیم کرنے کی وجہ سے آپکو وہ عزت اور آبرو حاصل ہوئی کہ راجگانِ گدی نشین کو ہرگز حاصل نہ ہوئی ۔ بقول عاصی ؎

اد نے گدا کو تیرے لگیں ایسے چار چاند
ہو عرش پر دماغ نہ پروا ہو شاہ کی

اس تمام تمکین و جاہ کے حاصل کرنے میں بہت بڑا حصہ رانی صاحبہ کا تھا + کہتے ہیں کہ بیوی خاوند کو بنا دیتی ہے + چنانچہ سلیمان کیا خوب فرماتے ہیں + کسے ایسی بیوی ملے جو نیکوکار ہو۔ اُس کی قدر لعلوں سے بہت زیادہ ہے + اُس کے شوہر کو اُس پر اعتماد ہے + پس اُسے منافع کی کمی نہ ہوگی + وہ جبتک جیتی رہیگی اُس سے نیکی ہی کریگی۔ بدی نہ کریگی + وہ صوف اور کتان ڈھونڈھتی ہے اور خوشی کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے کام کرتی ہے + وہ سوداگروں کے جہازوں کی مانند ہے + وہ اپنی خورش دُور سے لے آتی ہے + وہ رات رہتے اُٹھتی ہے اور اپنے گھرانے کو کھلاتی ہے + اور اپنی چھوکریوں کو کام دیتی ہے + وہ کسی کھیت کی بابت سوچ کرتی ہے اور اُسے مول لیتی ہے + اور اپنے ہاتھوں کے نفع سے تاکستان لگاتی ہے + وہ مضبوطی سے اپنی کمر باندھتی ہے اور اپنے بازُوں کو مضبوط کرتی ہے + وہ اپنی سوداگری تجویز کرتی ہے کہ وہ مفید ہے + رات کو اُسکا چراغ نہیں بجھتا + وہ تکلے پر اپنے ہاتھ چلاتی ہے اور اسکے ہاتھ اٹیرن پکڑتے ہیں + وہ غربا کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتی ہے + ہاں وہ اپنے ہاتھ محتاجوں کی طرف پھیلاتی ہے + وہ اپنے گھر کے لئے پالے سے نہیں ڈرتی + کیونکہ اسکے خاندان میں ہر ایک سُرخ لباس اوڑھے ہُوئے ہے + وہ اپنے لئے نگارین بالا پوش بناتی ہے + اس کی پوشاک مہین کتانی اور ارغوانی ہے + اسکا شوہر پھاٹک کی مجلسگاہ میں مشہور ہے جبکہ وہ شہر کے بزرگواروں کے ساتھ بیٹھتا ہے + وہ مہین کتان کے تھان بُنتی اور بیچتی ہے اور پٹکے سوداگروں کے پاس امانت رکھتی ہے + عزت اور حرمت اس کی پوشاک ہیں اور وقت آئندہ کی بابت وہ خوش وقت ہوگی + وہ اپنا مُنہ کھول کر حکمت کی باتیں بولتی ہے + اسکی زبان میں مہربانی کی شریعت ہے + وہ اپنے گھرانے کی

عادتوں پر بخوبی نگاہ کرتی ہے + اور کاہلی کی روٹی نہیں کھاتی + اسکے بیٹے اُٹھتے ہیں اور اُسے مبارک کہتے ہیں اور اس کا شوہر بھی اس کی تعریف کرتا ہے + تیرے بیٹوں نے نیکوکاری کی ہے پر تو سب پر سبقت لے گئی + حسن دھوکا ہے اور جمال میں پائداری نہیں پر وہ عورت جو خداوند سے ڈرتی ہے ستودہ ہوگی + اُسے اس کے ہاتھوں کا پھل دو + اسکے کام پھاٹکوں کی مجلس گاہوں میں اسکی ستائش کرینگے +

ہم نے امثال اس باب اپنے ناظرین اور مسیحی بیبیوں کے مطالعے کے لئے سرتاپا اس لئے لکھا ہے کہ ایک لفظ بھی چھوڑ دینا خوبصورتی کا خون کرنا ہے + یہ تمام باب گویا ایک پیشین گوئی خاص رانی صاحبہ کے متعلق ہے جو لفظ بہ لفظ پوری اُتری + جو اصحاب رانی جی سے واقف ہیں دیکھیں + رانی مغفور نے اس جنگ عظیم میں مجروحین کے لئے اور غریب غربا کے لئے جو کام کیا وہ سب جلندھر بلکہ پنجاب کے ایک ایک آدمی پر روشن ہے + ۱۹۰۷ میں ہرنام سنگھ صاحب نائیٹ بنے اور سر کا خطاب گورنمنٹ عالیہ سے پایا + رانی صاحبہ بھی پہلے لیڈی اور پھر رانی بنیں + بادی النظر میں دیکھا جائے تو شاید کوئی کہے کہ راجہ صاحب سے شادی کرنے سے انہیں یہ سب عزت حاصل ہوئی کہ اعلیٰ درجہ کی سوسائٹی ملی + ولایت میں حضور شاہنشاہ معظم کے دستر خوان پر خاصہ کھایا وغیرہ + مگر جو لوگ رانی صاحبہ کو جانتے ہیں وہ کب یہ بات مانتے ہیں + رانی صاحبہ ہر بات میں راجہ صاحب کے ہم پایہ تھیں + راجہ صاحب کی بدولت اگر انکو عزت ملی تو انکی بدولت راجہ صاحب کو کیا کم نیکنامی اور ترقی حاصل ہوئی + راجہ صاحب کی عزت افزائی میں واقعی ایک بڑا حصہ رانی صاحب نے لیا +

آپکا گھر شملے میں ایک ایسا مقام تھا جہاں امیر سے غریب تک کی پہنچ تھی + سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا تھا + چنانچہ انکے برآمدے

میں وائسرائے + گورنر اور راجگان و امرا و کبرا سے لیکر غریب مسیحیوں تک کو
بڑی عزت سے چائے پیتے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھاہے + بلکہ غریبوں
پر کچھ نظر عنایت زیادہ ہوتی تھی + عام طور پر بڑے عہدے اور اچھی مجلسوں
میں اُٹھنے بیٹھنے والے چھوٹوں غریبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں + مگر
رانی صاحب کی طبیعت سچی مسیحی طبیعت تھی + وہ سب کو ایک آنکھ دیکھتی تھیں +
غریب پر زیادہ شفقت کہ اپنی پستی محسوس نہ کرے + بڑی توجہ سے آپ ایسوں
کے گھر تک کے حالات دریافت کرتیں اور دلچسپی دکھاتیں +

رانی صاحبہ سچی اور عابد مسیحی خاتون تھیں + مذہب کا بہت پاس رکھتیں
ہمیشہ گرجے جاتیں اور مذہبی بات چیت کا چرچا گھر میں رکھتیں تھیں + آپکی
دینداری کا بڑا بھاری ثبوت یہ ہے کہ کوئی راجہ نہیں جس کے لڑکوں میں ایسی
لیاقت ہو یا جنہوں نے ایسے جلیل القدر مناصب سرکار میں پائے ہوں
جیسے کہ رانی صاحب کے صاحبزادگان بلند اقبال نے + بچوں کی تعلیم اور
تادیب میں آپ نے بڑا حصہ لیا + کسی قسم کی علت جس کے اکثر امیروں کے
لڑکے شکار ہو جاتے ہیں انکے خاندان میں پائی نہیں جاتی +

عام خوبیوں کے علاوہ ایک بڑی صفت جو آپ میں پائی جاتی تھی
وہ ذہانت تھی + آپ انسانی طبیعت کو خوب پہچانتی تھیں + ۵ منٹ بات
کرکے آدمی کے مافی الضمیر اور خصائل کو تاڑ جاتی تھیں اور اُن کی رائے عام طور
پر غلط ثابت نہ ہوتی تھی + جو آپکے پاس جاتا خالی داماں نہ آتا + عیسائیوں
کی مدد کرنی آپکا ذاتی شیوہ تھا + جو اشخاص راجہ صاحب کے رعب کے باعث
اظہار مطلب نہ کر سکتے تھے + رانی صاحب انکی ترجمان بن کر انکی مشکل آسان کرادیتی
تھیں + بے شک ایسی رحمدل + خوش مزاج + لاثانی بی بی کا ہمارے درمیان
سے اُٹھ جانا ایک عظیم صدمۂ جانکاہ نہ فقط مسیحیوں کے لئے ہے بلکہ کل
پنجاب کو ایک ایسا نقصان پہنچاہے جس کی تلافی ہونی اگر محال نہیں تو مشکل ضرور

ہے + ہمیں امید ہے کہ مسیحی صاحب توفیق بہنیں رانی صاحب کے اعلیٰ مسیحی نمونے کو ہردم پیش نظر رکھینگی اور اپنے ملک اور قوم کو بیحد فائدہ پہنچانیکا عزم بالجزم کریں گی + ہم راجہ صاحب اور رانی صاحب کے پس ماندگاں سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ ہمارے خداوند بہشت میں انکی نیک نیتی کے موافق انکو مراتب اعلےٰ عنایت فرمائیں۔ ع

خدا بر روح وے بارانِ رحمت گل فشاناد

ایڈیٹر

ایم ای مشن علاقہ بٹالہ کی سالیانہ کانفرنس و سمر اسکول

۲۲ ستمبر لغایت ۲ اکتوبر ۱۹۲۴ء

امسال بھی حسب معمول علاقہ بٹالہ کی سالانہ کانفرنس موضع علیوال میں فراہم ہوئی + مبلغین و مسیحان علاقہ کے واسطے مکان مشن کے احاطہ میں تنبو اور چھولداریاں نصب تھیں + اور ضلع کے بورڈ کے پرائمری اسکول کا مکان ان کے مطالعہ و تلاوت کے واسطے عاریتاً لیا ہوا تھا + مکان مشن کے وسیع صحن میں دو شامیانے دعا بندگی کے لئے ایستادہ کئے گئے تھے + اور معززہ اصحاب کی خاطر جو دیگر علاقوں سے درس تدریس اور وعظ و نصیحت کے واسطے مدعو تھے محکمہ نہر کا بنگلہ کرایہ پر لیا گیا تھا + غرضیکہ رہائش و خوراک کا کل انتظام خاطرخواہ اور تسلی بخش تھا اور یہ سب جناب ڈی۔ ایس پادری ڈانی ایل صاحب کی قابلیت مہماں نوازی اور حسن انتظام کا نتیجہ تھا +

اول روز علاقہ کے مسیحی چوہدریوں کا جلسہ تھا + جو کہ اپنے سادہ مگر صاف اُجلے لباس میں عین وقت پر حاضر جلسہ ہو گئے + جناب ڈاکٹر کیز لر صاحب نے

ان کو کلام اللہ شریف میں سے روحانی خوراک سے خوب سیر کیا +
بعدہٗ ڈاکٹر کیز (صاحب + ڈاکٹر ہل صاحب + پادری کلارک صاحب (چرچ مشن) اور مسٹر جلال الدین (امریکن مشن) نے حاضرین جلسہ کو پندرہ روز تک کلام پاک میں سے مختلف مؤثر اور گوناگوں پیغامات سنائے + اور حاضرین نے بہت علمی اور روحانی فائدہ حاصل کیا +
گانے والی منڈلی کے خوش الحان اور خوش نوا گانے والوں نے نئی نئی غزلوں اور اعلیٰ درجے کی دل خوش کن راگنیوں اور حمد باری کے ترانوں سے حاضرین کو مسرور کیا + اور انکے روحانی جوش کو تازہ اور زندہ رکھا +
دعائیہ ہستیوں نے اس ستھرے بیج کو جو لاریب صاف و تیار زمین میں بویا گیا تھا اپنی شب و روز کی پُرجوش اور متواتر دعاؤں سے خوب سینچا اور تر رکھا جو بالیقین بے ثمر نہ رہیگا +
بہنوں کا بھائیوں کے ساتھ اور ان سے الگ بھی تعلیم کا بندوبست تھا + مس کرسٹنسن صاحبہ + بوآمار تھا اور مسز ڈانی ایل صاحبہ باری باری کل مستورات کو بائبل سکھاتیں اور کئی اور مفید کتب پڑھاتی تھیں + اور مسز گوہر مسیح صاحبہ بیماروں کی خبرگیری اور دوا دارو پر مامور تھیں + آپکی مہربانی سے ہر صبح چرائتہ کے جام اُڑتے تھے جس سے حاضرین کی صحت ایام کانفرنس میں عموماً اچھی رہی اس کے لئے خدا کی تعریف ہو +
امتحانات ہوئے اور سب امتحان دینے والے کامیاب نکلے +
آخری روز کی شام کو پاک عشاء کی پاک رسم منائی گئی + کئی ایک بپتسمے ہوئے اور چند ایک نئے ممبر کلیسا میں شامل کئے گئے + اسی روز مسٹر ڈانی ایل بھولل صاحب انسپکٹر کرسچن کو اپریٹو بنکس ایم ای مشن کے باقاعدہ ممبر قرار پائے اور علاقہ بٹالہ میں آنریری ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ سنڈے اسکولز مقرر ہوئے اُمید ہے کہ بھائی اس اعزازی منصب کو بھی اپنی معمولی سرگرمی اور تن دہی

سے انجام دینگے +
ایام کانفرنس میں شخصی کام بھی کافی ہُوا + ہر شب کو غیر مسیحیوں کی کثیر تعداد گراموفون اور مسیحی بھجن سننے جمع ہو جاتی تھی + جنہیں نجات کا پیغام نہایت تپاک اور شانتی سے سُنا دیا جاتا تھا۔ اکتوبر ۶ کی صبح کانفرنس برخاست ہُوئی اور جناب ڈی۔ ایس صاحب نے سب کو خوشی خوشی وداع کیا + ہاں یاد آگیا کانفرنس میں لفظ بھنڈی خاص دلچسپی اور اہمیت رکھتا تھا +

ایرک ڈانی ایل۔ بٹالہ

غزل

نتیجۂ فکر جناب پادری خیر اللہ صاحب قاضی۔ لاہور

طرح۔ خوشا دماغ کہ رہتی ہے جس میں بُو تیری

ملیگا تو انہیں جن کو ہو جستجو تیری
وہ نیک فال ہیں جنکو ہو آرزو تیری

خوشا وہ دل کہ جسے تُو نے ہے کیا مسکن
خوشا دماغ کہ رہتی ہے جس میں بُو تیری

مسیحا تو ہے عجیب و مشیر قادر رب
کرے جو شک تو وہ لیتا ہے آبرو تیری

بنینگے پاؤں کی چوکی ترے ہمہ اعدا
بروز حشر۔ کہ جب ہوئے گفتگو تیری

گنہگاروں کے بدلے ہُوا ہے تو قرباں
اسی سبب سے یہ شہرت ہے چارسُو تیری

تجھی نے خلق کیا ہے مجھے اسی باعث
میں کرتا رہتا عبادت ہوں اے یشوع تیری

نہیں ہے بندہ ترا سے غلام شیطاں کا
کہ جس میں ہوئے نہ۔ اے شاہ خوو بُو تیری

ہُوا ہوں جب سے ترا عاشق اے میرے سرور
مجھے تلاش ہے ہر وقت کُو بہ کُو تیری

خوشی سے رقص میں آؤں میں بیخودی سے وہیں
جو دیکھوں خواب میں وہ شکل خوبرو تیری

تڑپتا رہتا ہوں سیماب کی طرح ہر دم
نہیں قرار کہ ازبس ہے جستجو تیری

مسیح قاضیٔ حاجات ہے نہ ڈر قاضی
کریگا پُوری وہ ہر ایک آرزو تیری

پادری جوئیل واعظ لعل صاحب مرحوم

از ڈاکٹر آئی یو ناصر صاحب لاہور

دہلی بپٹسٹ مشن کے مشہور عالم و فاضل پادری جوئیل واعظ لعل صاحب ۳۱ اگست اتوار کی صبح کو اس دارِ ناپائدار سے چل بسے۔ آپ چند سال سے علیل تھے اور گو آپ کا عارضہ اس قسم کا نہ تھا کہ آپ ہر وقت بستر پر لیٹے رہتے مگر وہ رفتہ رفتہ گھلتے جا رہے تھے۔ یورپ اور ہندوستان کے بڑے بڑے نامی ڈاکٹروں اور حکیموں سے آپ نے اپنا امتحان کرایا۔ مگر کوئی علاج راس نہ آیا۔ ہزار جتن کئے مگر قضا کے آگے ایک نہ چلی۔ آپکی موت دل کی حرکت کے دفعتہً بند ہو جانے سے واقع ہوئی۔ اور چونکہ سپاٹو جیسے دور افتادہ مقام میں آپکا انتقال ہوا دور دور کے دوستوں کو اس سانحہ جانکاہ کی خبر دیر سے ملی۔ اول خیال جو اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ "آج کے دن۔ ایک بہت بڑا شخص اسرائیل کے درمیان گر گیا" واعظ لعل کی قابلیت کی نسبت زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ وہ پنجاب یونیورسٹی کا ایک نہایت روشن ستارہ اور ہندوستانی مسیحی جماعت کی فضا میں منور چاند تھا +

آخری چار سال سے اردو عہد عتیق کے ترجمے کی نظر ثانی کا کام اُن کے سپرد کیا گیا تھا۔ اپنے گذر جانے سے پیشتر آپ نے زبور کی کتاب کے اخیر تک بلکہ کچھ حصہ امثال کا بھی ختم کر لیا تھا۔ نظر ثانی کی کمیٹی کے پانچ شرکا میں آپ صدر کا درجہ رکھتے تھے۔ نظر ثانی کا مسودہ تیار کرنا خالہ جی کا گھر نہیں ہے جن لوگوں کو خود ایک غیر زبان سے ترجمہ کرنا پڑا ہے وہی اسکی مشکلات کو سمجھ سکتے ہیں اور پھر کتاب مقدس کے مطالب کو موزوں اور عام فہم الفاظ میں ادا کرنا تو اور بھی ٹیڑھی کھیر ہے۔ مگر جس قابلیت اور تن دہی سے آپ نے اس خدمت

کو انجام دیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ اب چاروں طرف نظر دوڑانے سے کوئی آدمی انکے پایہ کا نظر نہیں آتا جو اکیلا اس کام کو نبٹا سکے۔ یوں تو آدمیوں کی آمد و رفت کا تانتا لگا ہی رہتا ہے۔ اور دُنیا کے کام کسی انسان کے گزر جانے سے بند نہیں ہوتے۔ مگر انسانی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ پادری واعظ لعل کے برابر زباندان اور کتاب مقدس کا ماہر اور اُس کے مضمون کو اُردو زبان میں صفائی سے ادا کرنے والا اور کوئی آدمی موجود نہیں ہے ؃

واعظ لعل کی طبیعت میں کچھ عجیب متضاد صفات واقع ہُوئی تھیں۔ ادھر تو آپ بڑے عالی دماغ اور بلند نظر تھے۔ بلکہ اپنے بچوّں کو آخر تک یہی سمجھاتے رہے کہ بیٹا امتحان میں کامیاب ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ تم ہمیشہ ایسی کامیابی کو مدنظر رکھو کہ انعام یا تمغے حاصل کرو اور اوّل نکلنے کا سہرا تمہارے سر پر بندھے۔ باوجود اسکے آپ پرلے درجے کے حلیم اور خاکسار تھے۔ اور اپنی قابلیت کو پہچانتے ہُوئے خود بیں یا متکبر نہ تھے۔ بارہا اثنائے گفتگو میں آپ نے فرمایا کہ میں حیران تھا کہ یہ تمام زباندانی میرے کس کام آئیگی۔ اب جب سے میں نے کلام مقدس کی نظر ثانی کا بیڑا اُٹھایا ہے مجھ پر ثابت ہو گیا ہے کہ میری تمام لیاقت اسی مقدس خدمت کے لئے مجھے عنایت ہُوئی تھی۔ آپ نے اپنی ساری لیاقت اور علم کو اپنے نجات دہندے کے قدموں پر نثار کر دیا۔ آپ سے نہ فقط ہندوستان۔ بلکہ انگلستان کے بڑے بڑے کالجوں میں بھاری مشاہرے پر نوکری اختیار کرنے کی درخواست کی گئی۔ مگر آپ نے خدا کی خدمت میں تھوڑی تنخواہ پر گذارہ کرنا ہزاروں روپے کمانے سے بہتر سمجھا۔ آپکو یقین تھا کہ کلام مقدس کی نظر ثانی کی خدمت ہی آپکی زندگی کا حقیقی مدعا ہے ؃

آپکو اپنے بچوّں کی تعلیم کا بہت خیال تھا۔ آخری دن تک اُنکو خود لکھانے پڑھانے میں بہت سا وقت صرف کرتے تھے۔ بڑے بیٹوں

کو انہوں نے انگریزی مدارس میں تعلیم دلوانا مناسب سمجھا۔ بلکہ اس بات کی بھی پروا نہ کی کہ وہ کونسی کلیسیا کا مدرسہ ہے۔ جب ہندوستانی نام رکھنے کی وجہ سے اُن کے بچوں کے انگریزی سکولوں میں داخل ہونے پر اعتراض اُٹھایا گیا تو آپ نے اپنا نام بجائے جوئیل واعظ لعل کے جے ڈبلیو لا۔ رکھ لیا۔ بعض لوگ شائد اُن کے اس فعل کو اُن کی طبیعت کی کمزوری پر محمول کرینگے مگر اُنکا اصول یہ تھا کہ اگر اُن کا نام بدلنے سے بچوں کو فائدہ پہنچ جائے تو اُس کو ضرور بدل لینا چاہیئے۔ آخر نام میں رکھا کیا ہے؟

جو حالات اُن کے آخری ایّام کے سننے میں آئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یقین ہو گیا تھا کہ آپکا آخری وقت نزدیک ہے بات چیت میں بار بار ایسے اشارے کرتے تھے جن سے پایا جاتا تھا کہ آپ چند روز کے مہمان ہیں اور اجل کا پیغام جلد آنے والا ہے۔ چنانچہ ایک روز کسی بیٹے پر ناراض ہُوئے اور کہنے لگے کہ میں اب تمہیں نہیں پیٹتا۔ تم میرے بعد کہا کرو گے کہ والد نے مجھے پیٹا تھا۔ جب بچّوں کی رخصتیں پوری ہو چکیں اور اُنہیں لکھنؤ میں اپنے سکول کو لوٹ جانا تھا تو مسٹر لا کو اُنکی مفارقت گوارا نہ ہُوئی۔ وہ سپاٹو سے کچھ دور تک اُن کے ساتھ ریل میں جانا چاہتے تھے۔ مگر جب واپس جانے کا قصد کیا تو محبتِ پدری نے پھر جوش مارا اور آگے کسی اور اسٹیشن تک جانے کا ارادہ کیا۔ آخر اسی طرح جاتے جاتے لکھنؤ تک بیٹوں کے ساتھ گئے اور بڑی مشکل سے اُن سے جُدا ہُوئے۔ پھر دہلی میں الوداعی ملاقاتیں کر کے سپاٹو کو واپس گئے۔ اُن کے خویش و اقارب اُن کی میّت کو دہلی میں لے گئے اور اُن کی بیوی کی قبر کے پہلو میں اُسکو زمین کے حوالے کیا۔

پادری واعظ لعل کلام مقدس کے بڑے فصیح واعظ تھے۔ اپنی تقریر میں لفظوں سے ایسا نقشہ کھینچتے کہ سننے والے بُت کی طرح ساکت بیٹھے رہتے

طبیعت میں مذاق بھی کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ محفل میں اپنی خوش طبعی شعرخوانی اور قصہ گوئی سے ایسا رنگ جماتے تھے کہ اُٹھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ راقم سطور کو آپکے ساتھ بحیثیت نظر ثانی کی کمیٹی کا ممبر ہونے کے کئی مرتبہ اکٹھا رہنے کا اتفاق ہُوا۔ آپ کی خندہ روئی کی تصویر ہر وقت میری آنکھوں میں پھرتی ہے۔ آپ کی دوستی میرے لئے فخر کا باعث تھی۔ آہ! ایسا بے تکلف زندہ دل اور لائق مسیحی دوست کہاں ملیگا؟

ناصر

وفاتِ حسرت آیات

ناظرین! یہ سُن کر بہت غمگین ہونگے کہ کل بتاریخ ۲۷ اکتوبر صبح ۶ بجے بمقام امرتسر مسز رلیارام زوجۂ محترمہ بابو رلیا رام صاحب مرحوم۔ وکیل امرتسر اس جہان فانی سے رحلت فرماگئیں + ۴ بجے شام کے قریب میت اُٹھی۔ شہر کے رؤسا ساتھ تھے۔ ہندو مسلمان اور مسیحیوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ لاہور اور دیگر شہروں سے لوگ نماز جنازہ میں شریک ہونے آئے۔

آپ نے ۷۵ سال کی عمر پائی جو فی زمانہ بڑی کافی عمر تصوّر کیجاتی ہے۔ مگر ایک نیک خاتون اور پاک بزرگ کا سایۂ اُٹھ جانا کیا کم قلق کی بات ہے + آپکی سادہ اور عاقلانہ زندگی کا امرتسر میں اتنا اثر تھا کہ بڑے بڑے گھروں کی عورتیں آپ سے صلاح لینے آتی تھیں + آپ کی موت سے آپکے پانچوں صاحبزادوں نے سخت صدمہ اُٹھایا ہے + ہم مسیحی کی طرف سے مرحومہ کے سب پس ماندگان اور عزیز و اقارب سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالےٰ ہماری قوم کے بزرگ کی اہلیہ مطہرہ کو غریقِ رحمت کرے۔

ایڈیٹر

"وہ نو کہاں" ہیں؟ (لوقا ۱۷: ۱۷)

افادۂ جناب پروفیسر خیر اللہ صاحب۔ ڈوئنٹی کالج۔ لاہور

ہمارے خداوند نے اپنی موت سے دو ماہ پیشتر لعزر کو جلایا۔ اور جب یہودیوں نے اُسکے قتل کا پختہ طور پر منصوبہ باندھا۔ تو وہ شہر افرائیم کو چلے گئے۔ وہاں سے پیریہ پھر گلیل۔

اسکے بعد وہ گلیل اور سامریہ کے سرحدوں سے اس طرح پر کہ گلیل اُسکے بائیں اور سامریہ اُسکے دہنے ہاتھ پر مشرق کی طرف بیت شان کو پہنچے۔ وہاں ایک پُل پر سے یردن کو عبور کیا۔ اور یردن کے کنارے کنارے اُن قافلوں کے ساتھ جو عید فسح کیلئے یروشلیم کو جارہے تھے اپنے آخری سفر کے لئے روانہ ہوئے۔ راہ میں بچوں کو برکت دی۔ دولتمند جوان سے باتیں کیں۔ اپنے قتل اور جی اُٹھنے کی صاف خبر دی اور زبدی کے بیٹوں کے سوال کا جواب دیا۔ بعدہٗ بیت عبارہ کے پاس یردن سے مغرب کی طرف عبور کرکے یہودیہ کے علاقہ میں داخل ہوئے۔ وہاں پر ایک گاؤں کے پاس اُنہیں دس کوڑھی ملے۔

کوڑھ۔ اسکے لئے کلام اللہ میں جو عبرانی لفظ آیا ہے اُسکے لفظی معنے "چوٹ" "مار" اور "سزا" کے ہیں۔ اور یونانی لفظ کے معنے "چھلکے والی بیماری" ہے۔ درحقیقت یہ بیماری خدا کی طرف سے ایک سخت سزا تھی۔ اور یہ گناہ کی علامت تھی۔ یہ بیماری مصریوں اور اسرائیلیوں میں عام تھی۔ اسکے مختلف اقسام تھے۔ مگر جو کوڑھ کہ بنی اسرائیل میں پایا جاتا تھا وہ سفید رنگ کا ہوتا تھا۔ وہ ایک چھوٹے سے داغ یا آماس سے شروع ہوتا تھا۔ پہلے جلد سے ذرا نیچے۔ پھر بال سفید ہوجاتے اور داغ پھیلتے اور کچا چمڑہ دکھائی دیتا۔ بال اور ناخن گرجاتے اور رفتہ رفتہ اُنگلیاں۔ ناک وغیرہ اعضا گرنے

لگتے + اور دماغی قواء میں فرق آجاتا +

جب یہ بیماری نمودار ہوتی + تو وہ شخص کاہن کے پاس لایا جاتا + اور جب ثابت ہوتا کہ یہ کوڑھ ہے + تب اُسکے کپڑے پھاڑے جاتے + سر ننگا کیا جاتا + اور وہ اپنے اوپر کے ہونٹھ کو چھپا لیتا + اور کہتا کہ " ناپاک - ناپاک - ناپاک" + سو وہ آدمیوں میں سے نکالا جاتا + اور بنی اسرائیل میں نکالتے وقت یہ دستور تھا - کہ لوگ اُس مبروص کے پیچھے ہو لیتے - اور " ناپاک - ناپاک" پکارتے اور مٹھی بھر بھر کر مٹی اُسکے پیچھے پھینکتے (جس کا مقصد یہ کہ اب وہ زندوں میں شمار نہیں) سو ایسا شخص بے یار و مددگار باہر آبادی سے دُور رہا کرتا تھا + کبھی کبھی کئی کوڑھی مل کر ایک ساتھ رہتے + جیسے یہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ دس کوڑھی جمع ہیں +

ان کوڑھیوں نے جب خداوند کو دیکھا - تو دُور سے چلّائے + " اے یسوع اے صاحب ہم پر رحم کر" خداوند نے حکم دیا - کہ " جا کر اپنے تئیں کاہن کو دکھاؤ" وہ فوراً کاہن کے پاس چلے - اور جب راہ میں ایک نے دیکھا کہ میں شفایاب ہوا - تو شکر گزاری کرتا ہُوا لوٹا + اور پاؤں پر گر پڑا + خداوند نے بڑے افسوس اور تعجب سے فرمایا + کہ " وہ نو کہاں ؟" (لفظ " کہاں ؟" بطور سوالیہ عہدِ عتیق میں کم از کم چالیس بار اور عہدِ جدید میں بیس بار آیا ہے دیکھو پید ۳ : ۹ و ۴ : ۹ و ۲۷ : ۳۳ وغیرہ وغیرہ) +

کلام اللہ میں جہاں کہیں اس قسم کا سوال مذکور ہے - حیرت تعجب اور افسوس اُس سے ٹپکتا ہے + " وہ نو کہاں ؟ پہلے وہ کہاں تھے ؟ اب کہاں ہیں ؟ اور آئندہ کہاں ہونگے ؟ وہ جو ابراہیم کے فرزند کہلاتے ہیں کیسے ناشکرے ہیں +

ناظرین مسیحی ! ہم نے جو حقیقی کوڑھ سے شفا پائی ہے کس حالت میں ہیں + کیا خداوند ہماری بھی شکایت کرتا ؟

قاضی

خاص مسیحی کے لئے

از قلم پادری قاضی خیر اللہ صاحب۔ لاہور

۱۔ حضرتِ آدم جمعہ کے دن عالمِ ہستی میں آئے

۲۔ آدمِ ثانی (ربنا المسیح) جمعہ کے دن مصلوب ہُوئے +

۳۔ مکابی فوج نے جمعہ کے دن انٹائکس پر فتح پاکر مقدس ہیکل پر قبضہ کیا + جس کے بعد عیدِ تجدید کی بُنیاد پڑی +

۴۔ مشہور مُصلح۔ مارٹن لوتھر جمعہ کے دن وارمس کی مجلس میں حاضر کئے گئے +

۵۔ فرانس والے جمعہ کو Vendredi یعنی زہرہ کا دن کہتے ہیں +

۶۔ گلیڈسٹون۔ ڈس ریلی اور بسمارک جمعہ کے دن پیدا ہُوئے تھے +

۷۔ سیکنڈ نیویا کے باشندے جمعہ کو سب سے زیادہ خوش قسمتی کا دن گنتے ہیں +

۸۔ قدیم انگریزوں کا خیال تھا + کہ جو انڈے جمعہ کے دن مرغی دے۔ وہ دردِ قولنج کے لئے ازحد مفید ہیں +

۹۔ گذشتہ سالوں کی رپورٹوں سے ظاہر ہے + کہ جمعہ کے دن بہ نسبت اور دنوں کے بندرگاہوں سے کم جہاز روانہ ہوتے ہیں +

۱۰۔ یُورپ کے بعض ممالک میں جمعہ "بلیک فرائڈے" کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے +

۱۱۔ یُورپ اور امریکہ کے باشندے جمعہ کے دن شادی کرنیکو بدشگون تصوّر کرتے ہیں +

۱۲۔ جمعہ امریکہ کے لئے بڑی خوش قسمتی کا دن ہے + کولمبس نے امریکہ جمعہ کو دریافت کیا + اور اُسی روز اُس میں داخل ہُوا +

مسیحی پادری مدینہ میں جمعہ کے دن داخل ہوئے ۔

واشنگٹن جمعہ کے دن پیدا ہوا ۔

۱۳- اہلِ اسلام جمعہ کو سب سے مقدس اور خاص دن مانتے ہیں ۔

۱۴- مشہور مسیحی اخبار نور افشاں پہلے پہل (۲ ۱۸۷۳ء میں) جمعہ کے دن شائع ہوا ۔

۱۵- قاضی عبد الکریم صاحب (افغان) مسیحی ایمان کے باعث سرحد پر جمعہ کے دن شہید ہوئے ۔

۱۶- مشہور کتاب تحقیق الاسلام (مصنفہ پادری مولوی غلام مسیح صاحب) کا پہلا حصہ جمعہ کے دن شائع ہوا ۔

قاضی

ریویو کتاب نایاب

مسمی بہ

تحقیق الاسلام

پادری غلام مسیح صاحب ایڈیٹر اخبار نور افشاں کی نہایت عالمانہ کتاب ہے۔ جسکے تین حصے حقیقت الاسلام - اہل اسلام غیر السلام سرمایۂ دلچسپی و فیضان ہیں ۔ ایک بڑی خوبی جو ہم اس کتاب میں پاتے ہیں وہ اسکی شائستہ و شستہ زبانی ہے ۔ دلائل قاطع وساطع نہایت معقول اور ہمدردانہ الفاظ میں پیش کیگئی ہیں کہ کوئی مسلمان اُنکو پڑھکر ناراض یا آزردہ خاطر نہیں ہو سکتا ۔ ہر دعوے کو آیتوں اور روایتوں سے اس حسن خوبی کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ بے اختیار آمنا وصدقنا زبان پر آتا ہے ۔ کتاب میں بڑی خوبصورتی سے واضح کیا گیا ہے کہ اسلام مسیحیت کا حصہ ہے اور بہت سی غلط فہمیاں جو لوگوں میں خصوصاً اہل اسلام میں مسیحی مذہب کے متعلق پھیلی ہوئی ہے اسطرح دور کیگئی ہیں جسطرح روشنی آفتاب کے سامنے تاریکی کافور ہو جاتی ہے ۔ کتب مذکور پادری صاحب کی سالہا سال کی عرقریزی اور محنت کا نتیجہ ہے ۔ آپنے بغیر کسی سوسائٹی یا انجمن کی مالی مدد کے یہ کتاب فیض انتساب تصنیف فرمائی ہے اور ہمیں امید ہے کہ بہت سے اہل اسلام اسکو پڑھکر مسیحیت کے سوجان سے دلدادہ ہو جائینگے ۔ پادری صاحب مستحق ہزار قدردانی ہیں مشنریوں پادریوں اور رہنماؤں کے کتبخانے بغیر تحقیق اسلام کے خانۂ بے نور کے مصداق ہونگے امید ہے کہ خواندہ اور منصف مزاج اہل اسلام اور جملہ مسیحی اس کتاب کو خرید فرماکر اسکے مطالعے سے اپنی معلومات کے دائرے کو

نیچری مذہب

از قلم معجز رقم جناب تقدس مآب پادری کینن۔ جے علی بخش صاحب لاہور

جس نیچری مذہب کا رواج یورپ و امریکہ کے علما میں ترقی پذیر ہے اُسے ماڈرنزم (Modernism) کہتے ہیں یعنی زمانہ حال کا مذہب + سرسید احمد خاں مرحوم نے گذشتہ صدی میں اسی قسم کی تعلیم کو فروغ دیا اور جو تعلیمیافتہ مسلمان اُن کی اس تعلیم سے متاثر ہوئے اُن کو لوگ نیچری کہنے لگے تھے + آجکل اس تعلیم کا اثر مسیحی تعلیمیافتہ لوگوں میں بھی بڑھتا جاتا ہے + اس تعلیم کے ماننے والے پرانے خیال کے مسیحیوں کو جو بائبل کو کلامِ خدا مانتے اور اُس کے قصوں اور تاریخوں کو صحیح جانتے ہیں نظر حقارت سے دیکھنے لگے ہیں ۔۔۔ ایک اخبار میں ماڈرنزم کے ایک حامی نے اس نام کا ایک مضمون دیا "تفرقہ کلیساؤں کی بنیادیں ہلا رہا ہے"۔ اور اس میں اپنی اس نئی تعلیم کے اصول قلمبند کئے + اور ان لوگوں کی طرف سے ان اصولوں کا بیان پہلی دفعہ شائع ہوا + گو مختلف کتابوں میں پرانے مذہب پر نکتہ چینی کرتے وقت ایسے اصولوں کا ذکر گاہے گاہے اتفاقیہ طور پر ہوتا رہا + اس لئے اس عقیدہ سے واقف ہونا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ وہ یہ ہے:۔

(۱)۔ خدا خود اور شخصیت ہے + لیکن اُس کی نہ انسانی صورت ہے نہ بدن ہے + وہ ساری فطرت میں اپنے تئیں منکشف کرتا ہے لیکن وہ روح ہے اور مادہ سے متاثر +

(۲)۔ آسمان میں نہ موتیوں کے پھاٹک ہیں نہ بربطیں + نہ ہوسعنا کی صدائیں +

(۳)۔ دوزخ کی آگ کچھ نہیں + شیطان پارسیوں کے زردشتی مذہب

کی اختراع ہے۔

(۴)۔ ایک بھو کے شخص کے صندوق میں دعا روٹی نہیں ڈال دیتی جبتک کہ کوئی انسانی وسیلہ نہ ہو۔

(۵)۔ بقا بدن کی نہ ہوگی۔ شخصیت قائم رہیگی لیکن بدن کی کوئی قیامت نہ ہوگی۔

(۶)۔ مسیح کی اعجازی پیدائش عقیدہ کا لازمی جز نہیں اور غالباً یہ امر واقعی بھی نہیں۔

(۷)۔ عہد عتیق کے معجزے بالکل فسانے ہیں اور نئے عہد نامے کے معجزے پیچھے ڈالے گئے۔ جادو مسیح کی شان کے شایاں نہیں۔

(۸)۔ یہ جملہ کہ مسیح آسمان پر چڑھ گیا ایسے شخص نے عقیدہ میں ڈالا جو یہ سمجھتا تھا کہ آسمان اس زمین کا چوبارہ تھا۔ یہ کہنا کہ لوگ اب تک اسے مانتے ہیں ہنسی کی بات ہے۔

اگر اس عقیدے کے اجزا کا بائبل کے بیان سے مقابلہ کریں تو اس کا صدق و کذب ظاہر ہو جائیگا۔

(۱)۔ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا (پیدائش ۱-۲۶)۔ مسیح خدا کی صورت پر ہے (عبرانی ۱-۱ سے ۳ یوحنا ۱۴-۸ و ۹)

(۲) "یہ سب ایمان میں مر گئے . . . . . وہ اس پائیدار شہر کا امیدوار تھا (عبرانی ۱۱-۱۳ سے ۱۶)

"میرے باپ کے گھر میں بہت سے مکان ہیں۔ اگر نہ ہوتے تو میں تم سے کہہ دیتا . . . . . میں جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے جگہ تیار کروں (یوحنا ۱۴-۱ سے ۳)

(۳) دوزخ کی آگ کا تو ذکر نہیں لیکن اس کا تو ذکر ہے" اس دن

آسمان بڑے شور وغل کے ساتھ برباد ہو جائینگے اور عناصر حرارت کی شدت سے پگھل جائینگے اور زمین اور اُس پر کے کام جل جائینگے (۲ پطرس ۳-۱۰) "اور آسمان پر سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائیگی + اور اُن کا گمراہ کرنے والا ابلیس آگ اور گندھک کی اُس جھیل میں ڈالا جائیگا جہاں وہ حیوان اور جھوٹا نبی بھی ہوگا" (مکاشفہ ۲۰- ۹ و ۲۰) +

شیطان کا تو صاف ذکر ہمارے خداوند نے کیا "میں شیطان کو بجلی کی طرح آسمان سے گرا ہوا دیکھ رہا ہوں" (لوقا ۱۰- ۱۷ و ۱۸)- نیز دیکھو یسعیاہ ۱۴- ۱۲ +

(۴) "مانگو تو تمہیں دیا جائیگا + ڈھونڈھو تو پاؤ گے . . . . . کیونکہ جو کوئی مانگتا ہے اُسے ملتا ہے" (متی ۷- ۷ و ۸)- یہ الفاظ خود ہمارے خداوند یسوع کی زبان مبارک سے نکلے اور دعا کی تاثیر کے بارے میں کافی مستند ہیں +

(۵) "ضرور ہے کہ یہ فانی جسم بقا کا جامہ پہنے اور یہ مرنے والا جسم حیات ابدی کا جامہ پہنے" (اکرنتھی ۱۵- ۴ ۵)- اگر مُردوں کی قیامت نہیں تو مسیح بھی نہیں جی اُٹھا + اور اگر مسیح نہیں جی اُٹھا تو ہماری منادی بھی بے فائدہ ہے اور تمہارا ایمان بھی بے فائدہ ہے" (اکرنتھی ۱۵- ۱۲- سے ۱۴ و ۱۷) +

(۶)- ہمارے خداوند کنواری سے پیدا ہُوئے جس کی خبر یسعیاہ نبی نے دی تھی (یسعیاہ ۷- ۱۴) اور اس کی تکمیل لوقا ۱- ۳۵ میں مذکور ہے +

(۷)- ان نیچری لوگوں کا معجزوں پر ایمان نہ لانا اُن کی بے ایمانی کا اظہار ہے + وہ قدرت کے کام خود اُن کا جواب ہیں +

(۸)- مسیح کے صعود کا مفصل بیان انجیل میں ہُوا + اور وہاں سے اُس کے اُترنے کا بھی صاف ذکر ہے (۲ تھسلنیکے ۴- ۱۶ سے ۱۸)-

لیکن ایسی بے ایمانی کی خبر مقدس پطرس نے ان الفاظ میں دی تھی "اخیر دنوں میں ایسے ہنسی ٹھٹھے کرنے والے آئیں گے جو اپنی خواہشوں کے موافق چلیں گے اور کہیں گے کہ اُس کے آنے کا وعدہ کہاں گیا (۲ پطرس ۳-۳ و ۴)

لیکن شکر ہے کہ خدا کے کلام میں ان کم اعتقادیوں کے بالمقابل بڑی تسلی پائی جاتی ہے (۲ پطرس ۱-۱۴- امیوں ۳-۱۶ سے ۹)

سلسلہ مشاہیرِ قوم

مرحوم ڈاکٹر۔ جے۔ سی۔ چیٹرجی صاحب۔ ڈی۔ ڈی۔ ہوشیارپوری

پادری صاحب ایک اعلیٰ بنگالی برہمن خاندان سے تھے اور شہرہ آفاق مشنری ڈاکٹر الگزنڈر ڈف کے شاگردِ رشید۔ آپ ہشیارپور میں زیادہ عرصے کام کرتے رہے اور اُس ضلع کے کام کو ایسا سنبھالا جیسا سنبھالنے کا حق ہوتا ہے۔ دیسی اور بدیشی مسیحیوں کی ایک بڑی بھاری جماعت کا انتظام اس خوبی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا کہ سب دنگ رہ گئے۔ آپ شمالی ہند کے بڑے معزز لیڈر سمجھے جاتے تھے اور جیسی آپکی عزت دیسی مسیحیوں اور مشنریوں میں ہوئی ویسی کم کسی کو حاصل ہوئی۔ دو چار مسیحی اگر اس پائے کے پیدا ہو جائیں تو ہندوستان کی کایا پلٹ دیں اور چند سال ہی میں اتم مسیحی جوبن میں لے آئیں۔

بنگال اور پنجاب

جولائی سنہ ۱۸۳۰ء کی ایک خوشگوار صبح کا سماں تھا کہ پادری ڈاکٹر ڈف صاحب نے ایک سکول شہر کلکتے میں کھولا جسمیں تمام علوم مغربی انگریزی میں پڑھائے جانے لگے اور انگریزی علم ادب اور مسیحی مذہب کے جوہر دل کے خزانے ہندوستانیوں کو پہلے پہل دکھائے گئے۔ کیا انگریزی کیا دیسی کیا مسیحی کیا غیر مسیحی سب نے مخالفت شروع کی اور اعتراضات کی بھرمار شروع ہوئی کہ یہ ایک پادری کیلئے سراسر تضیع اوقات ہے۔ آہستہ آہستہ سکول عوام اور سرکار دونوں کی نظروں میں عزت حاصل کرتا گیا۔ اور جلدی ہی کوڑیوں سکول اس طرز کے جابجا ہندوستان میں مشنریوں نے کھولدیئے۔ مغربی خیالات سب میں نئی روشنی پھیلانے لگے اور تھوڑے دن بعد انگریزی درباری زبان قرار دیگئی۔ ایسے سکول کیا کھلے لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور بہت سے لوگ مسیحی دین کے قائل ہوئے۔ اور بت پرستی کو چھوڑ کر خداوند مسیح کو اپنا شفیع جاننے اور ماننے لگے۔ کچھ مسیحی بنگال سے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں آئے اور رہنے سہنے لگے۔ یہانتک کہ ہمارے پنجاب میں بھی چند بنگالی مسیحیوں نے آکر بود و باش اختیار کی جنمیں سے ایک ہمارے بزرگ پادری چیٹرجی تھے۔ انجیل شریف کی تعلیم بڑے زور دل سے بیشمار مشنری سکولوں میں دی جانے لگی۔ اور تعلیم دینے والے زیادہ تر ڈاکٹر ڈف صاحب ہی کے تعلیم دئے ہوئے مشنری اور دیسی مسیحی تھے۔

بچپن کے حالات۔ کالی چرن چیٹرجی صاحب ۲۳ اگست ۱۸۴۹ء میں سکھ چار نام ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ جو دریائے ہگلی کے بائیں کنارے پر واقع ہے اور کلکتے سے کوئی ۸ میل شمال کی طرف ہے۔ آپکے والد بزرگوار کا نام رام ہری چیٹرجی تھا جو رادھیا کولن برہمن تھے۔ اس ذات کے برہمن اُن پانچ برہمنوں سے اپنا سلسلہ ملاتے ہیں جنھیں مشرقی بنگال کا راجا ادھیسر نویں صدی عیسوی میں قنوج سے اپنے ہاں لایا تھا اسلئے یہ برہمن اپنے بزرگوں پر بہت فخر کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات مہا برہمن کہکر پکارے جاتے ہیں۔ بچپن میں آپنے اپنی موسی (خالہ) کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی کیونکہ آپکے والدین کو اپنے کاروبار سے انکی طرف توجہ کرنیکی فرصت کم ملتی تھی۔ آپ ہمیشہ اپنی موسی کے بہت ممنون احسان رہے جنہوں نے انہیں شاستروں۔ پوجا پاٹ۔ پن دان کی نہایت عمدہ تعلیم اور تربیت دی۔ آپکے گھر میں کالی مائی کی بت پرستش ہوتی تھی اور خوب چڑھاوے چڑھتے تھے اور بکریوں اور بھینسوں کی بھینٹ دی جاتی تھی۔ گویا کہ یہ تعلیم انکی گھٹی میں پڑی تھی کہ بغیر خون بہائے پاپ موکش نہیں ہو سکتے۔ آپکا نام کالی چرن بھی اسی خونناک دیوی کی بدولت ملا۔ پانچ برس کے ہوئے تو سکول میں ڈالے گئے۔ آٹھ برس کی عمر میں آپنے جنیو پہنا اور اُپنائن کی رسم ادا کرکے دوجنمے بنے۔ کچھ دن بعد آپ اگرپاڑہ سی۔ ایم۔ ایس کے سکول میں داخل ہوئے جو آپکے والد کے گھر سے دو میل پر تھا۔ تاکہ انگریزی کی تعلیم حاصل کریں۔ یہاں پہلے پہل آپکو انجیل کی پاک تعلیم کا علم ہوا۔ اس سکول کے ہیڈ ماسٹر بابو گرو چرن بوس تھے جو خود ایک سچے اور سرگرم مسیحی تھے۔ تمام استادان جو تعداد میں نو تھے مسیحی ہی تھے اور اعلیٰ مسیحی چال چلن رکھتے تھے۔ آپ پر اور بیسیوں آپکے ہم جماعتوں پر ہیڈ ماسٹر صاحب اور انکے ایک ماتحت استاد کے چال چلن کا بڑا اثر ہوا۔ آپنے خداوند مسیح کا اپنے دیوی دیوتاؤں سے مقابلہ کیا۔ ترازو میں تولا اور مسیح کا پلہ بھاری تر بھاری پایا۔ رامائن مہابھارت اور دیگر ہندو کتابوں کے ڈھکوسلوں کا مسیحی کی انجیل اور بائیبل شریف کے واقعات سے خوب مقابلہ کیا۔ اور انجیلی تعلیم کو بہتر پاکر مسیح اور اسکی تعلیم کو بہتر جانا۔ اور اپنا اصول زندگی بنایا اور مسیح کے متعلق دل سے بزبان شاعر فرمایا ؎

دیکھ کر تجھ کو حسینانِ جہاں مان گئے
جتنے معشوق تھے صدقے گئے قربان گئے

انہی ایام میں آپ مدرسے کے بائیبل شریف کے امتحان میں اول نکلے اور انعام میں ایک نہایت خوبصورت جلد کی بائیبل آپکو ملی۔ سکندر کی پیاسی روح کو گویا خضر نے آبحیات پلایا۔ آپ اور تین اور آپکے ہم جماعتوں نے ڈاکٹر ڈف سے باقاعدہ بائیبل کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی اور دعائیں مانگیں کہ الٰہی ہمیں تو ہدایت

عنایت فرمایا۔ مسیح کی مصائب اور شفاعت کے متعلق جو آیتیں تھیں انہیں پڑھ کر سب خداوند مسیح کو اپنا اُستاد رہنما اور منجی سمجھنے لگے۔ رومیوں کے خط کے پانچویں باب نے رہے سہے شکوک بھی رفع کر دیئے اور آپ نے علانیہ مسیح کے شافیع عالم ہونیکا اقرار کرنیکا ارادہ کر لیا۔ بُت پرستی اور ہندوانی ریت رسموں سے ہاتھ دھوئے۔ مگر کھلم کھلا اقرار میں بہت سی رکاوٹیں حائل ہو گئیں جنکا انہوں نے اندازہ نہ کیا تھا۔ اسی اثناء میں سکول کے ایک سب سے پرانے طالب علم نے مسیح کا کھلے خزانے اقرار کیا۔ اُس بچارے پر تکلیفوں کا طوفان برپا ہوا اور مصیبتوں کا آسمان ٹوٹ پڑا۔ گھر سے نکالا گیا۔ اپنے بیگانے ہوئے۔ ذات برادری سے خارج ہوا۔ لوگوں نے کِھلّیاں اُڑا اُڑا کر ناک میں دم کر دیا۔ اس پر ہر طرف سے زور ڈالا گیا۔ اُس غریب نے تنگ آ کر پلٹا کھایا۔ ہندو مذہب میں آیا۔ افسوس!

کیا گذری بزم ناز میں جا کر غریب پر کچھ تم کو ہے خبر دلِ حسرت مآب کی

ہمارے بزرگ کا بھی یہ دیکھ کر ایمان ڈگمگایا۔ ڈر گئے کہیں ایسا نہ ہو کہ جو اسکے ساتھ ہوا میرے ساتھ بھی ہو۔ چنانچہ خفیہ مسیحی رہنے کا خیال سوجھا۔ نام کے ہندو اور کام کے مسیحی بننے کی سوچی۔ مگر یہ بھی نہ ہو سکا۔ مسیح کے الفاظ رات دن کانوں میں گونجتے تھے کہ جو لوگوں کے سامنے میرا اقرار کریگا۔ ابن آدم بھی فرشتوں کے سامنے اسکا اقرار کریگا۔ مگر جو شخص لوگوں کے روبرو میرا اقرار نہ کریگا۔ میں بھی اپنے باپ کے سامنے اسکا اقرار نہ کرونگا۔ آخری فیصلہ کرنا پڑا۔ کچھ ہو بپتسمہ لینا ضرور ہے۔ جب اپنے آقا چاہیں تو انکار کیونکر ہو سکے

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

سب سوچ بچار کر کے اور آگا پیچھا دیکھ کر آپ نے کلکتے کے مسیحی کالج میں چلے آنیکا ارادہ کیا۔ اس امید میں کہ وہاں بہت نو مسیحی ہیں اور ڈاکٹر ڈف اور انکے ہم خدمتوں سے ہر قسم کی ہمدردی اور پناہ ملیگی۔ انکا خیال ٹھیک نکلا۔ چنانچہ اپنے والدین سے اجازت لے ۱۸۵۴ء میں کالج میں آ گئے۔ ہندو مذہبی رسموں کو دھتا بتائی۔ اور برادری والوں سے میل جول چھوڑ دیا اور اپنے والد سے کہدیا کہ میں مسیحی ہو جاؤنگا اور سب کے سامنے بپتسمہ لونگا۔ خفیہ عیسائی نہ رہونگا ہے

زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر یا وہ جگہ بتا دے جہاں پر خدا نہ ہو

باپ نے بہت بُرائی بھلائی سمجھائی پر ع - یاں وہ نشے نہیں جنہیں ترشی اُتار دے -
آپکو پادری ڈف صاحب تو نہ ملے مگر ڈاکٹر یوارٹ صاحب کے دست مبارک سے ۸ نومبر ۱۸۵۴ء
میں گرجہ میں خداوند کے در کی گدائی کو پادشاہی سمجھا یعنی بپتسمہ لے ہی لیا + گھر سے نکالے
گئے برادری سے خارج ہوئے اور سخت تکلیفیں اُٹھائیں + مشن نے آپکو پناہ دی اور سات
برس ایک مسیحی بورڈنگ میں رکھا جسکے سپرنٹنڈنٹ پادری رائے بہاری ڈے صاحب تھے +
یہاں آپکو کتاب مقدس کے مطالعہ کا بہترین موقعہ ملا - اور مسیحی عبادت کا حظ اٹھایا اور مسیح
اور اسکے شاگردوں کے پاک اور بے عیب چال چلن نے آپکے دل میں گھر کر لیا - اور
دیوی دیوتاؤں کا رنگ پھیکا پڑ گیا + آپ پر اُن آیات نے خاص اثر کیا جو خداوند مسیح کی
اذیتوں اور کفارے کے متعلق انجیل میں ملتی ہیں + سکول اور کالج میں ہمارے بزرگ نے بڑی ناموری
حاصل کی - اور دو چاندی کے تمغے آپکو ملے - انٹرنس پاس کیا تو وظیفہ لیا - اور ہر مضمون
کا انعام پاتے رہے + اپنے استادِ نامدار پادری یوآرٹ کی مسیحیانہ موت سے ان پر
ایسا اثر ہوا کہ آپنے اپنی زندگی مسیح کی خدمت میں صرف کرنیکا مصمم ارادہ کیا +

اکتوبر ۱۸۶۱ء میں مسٹر چیٹرجی کو جالندھر کے مشہور پادری گولک ناتھ صاحب
کا گرامی نامہ ملا جنہوں نے مشن سکول کی ہیڈ ماسٹری دینے کا وعدہ کیا - آپنے منظور کیا -
اور بنگال سے پنجاب میں آئے + ؎

بیا بیا کہ ز آمدنت اے بہشتِ نعیم — زمانہ بر تر از امید کامراں آمد

جلندھر آکر آپنے بڑے دھڑلے سے مسیحی خدمت شروع کی - سکول کی
بہت ترقی ہوئی - اور آپ کے ایک انٹرنس کے طالب علم جارج لوئس مرحوم
نے ایسی عزت پائی کہ چیفکورٹ پنجاب کے جج مقرر ہوئے +

جون ۱۸۶۲ء میں مسٹر چیٹرجی کا پاک نکاح پادری گولک ناتھ کی دوسری
صاحبزادی میری سے ہوا - اور دونوں میاں بیوی نے ۵۴ برس مسیحی خدمت
جا بجا پنجاب میں کی - اور بہتوں کو فیض پہنچایا +

اِس ہری ڈالی میں پانچ پھل لگے ایک لڑکا اور چار لڑکیاں + آپکے صاحبزادے

گو لکناتھ کیمبرج سے آکر گورنمنٹ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر ہوئے اور بڑی شہرت حاصل کی جو انکے انتقالِ پُرملال کے بعد بھی قائم ہے۔ آپکی تصنیف کی ہوئی کتابیں ابتک پنجاب کے سکول اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں +

سب سے بڑی صاحبزادی متونا کی شادی ڈاکٹر ڈی۔ این۔ پی ڈٹا صاحب سول سرجن سے ہوئی۔ کچھ برس ہوئے کہ غریق رحمت ہوئیں۔ دوسری صاحبزادی کی خانہ آبادی کنور رگھبیر سنگھ ڈپٹی کمشنر سے ہوئی جو راجہ اور رانی ہرنام سنگھ کے صاحبزادے ہیں + تیسری لڑکی کی شادی جنکا نام لینا ہے۔ حیدر آباد کے ڈاکٹر جارج نندی سے ہوئی + سب سے چھوٹی ڈورا امریکہ سے ڈاکٹری کا امتحان پاس کر کے آئیں۔ اور اپنے والدین کے ساتھ مشنری کام کرنیکے بعد آپ رائے صاحب منگت رائے۔ بی۔ اے سے بیاہی گئیں +

مسٹر چیٹرجی کی شادی کو ابھی کچھ دن ہی ہوئے تھے کہ آپکو گورنمنٹ سکول کی ہیڈ ماسٹری ملتی تھی پر آپنے منظور نہ کی۔ اور مشن میں تھوڑی تنخواہ پر مسیح کی خدمت کرنیکو سرکاری ملازمت کی امیری اور عزت پر ترجیح دی + ۱۸۶۵ء میں ڈاکٹر فورمن صاحب نے سکول مع کالج لاہور میں کھولا۔ اور مسٹر چیٹرجی کو ریاضی کا پروفیسر بنایا۔ مگر یہ کام آپکو نہ بھایا۔ آپ نے منادی کے کام کو بدرجہا بہتر سمجھا اور آخر کار ایسا اختیار کیا کہ مرتے دم تک اُسے نباہا اور بڑی خوبی سے نباہا + مسز چیٹرجی بنگالی عورتوں میں جا کر کلام سناتی تھیں +

۱۸۶۶ء میں مسٹر۔ ایچ۔ ای۔ پارکنز ڈپٹی کمشنر ہوشیارپور کے اشارے سے ہوشیارپور میں مشنری کام کھولا گیا۔ اور مسٹر اور مسز چیٹرجی وہاں بھیجے گئے۔ ۱۸۷۰ء میں آپ نے یہاں ایک غریب خانہ اور ۱۸۸۰ء میں لڑکیوں کے لئے یتیم خانہ کھولا۔ جسکو میونسپل کمیٹی اور مسیحیوں نے روپے سے بڑی امداد دی + ۱۸۸۳ء میں آپ میونسپل کمشنر بنے اور بعد میں پریزیڈنٹ کے عہدے پر سرفراز ہوئے + اب تو آپ شہر کے لوگوں کے دلوں پر چھا گئے۔ اور ہسپتال اور سکول اور غربا نوازی کا باب کھولدیا + آپکے مسیحی کام اور چال چلن اور مہربانی کو دیکھ کر سینکڑوں خداوند مسیح کے قائل ہوئے۔ ۲۹ ہندو مسلمان

خاندان مسیحی دین میں شامل ہُوئے۔ ہندو شرفا اور مسلمان راجپوت سچّا اسلام لائے +

چھوٹی ذاتوں اور غریبوں مسکینوں میں کام - برہمن ہو کر آپ گاؤں کے لوگوں سے مسیح کے نام کی خاطر ایسے شیر و شکر ہُوئے کہ ہزاروں کو مسیحی ہونے کا شرف حاصل ہُوا۔ چھوٹوں کی خاطر آپ چھوٹے بنے۔ جو شخص کہ ایسے لوگوں سے چھو جانے سے ناپاک بنے وہ پیارے خداوند کی خاطر اُن میں گھُل مل جائے تو اسے معمولی کسر نفسی اور خود انکاری تصور کرنا ٹھیک نہیں + بڑے بڑے پتے کو مار کر اس رتبے پر پہنچتے ہیں۔ دیوتاؤں کی یہ شان ہے۔ خدا کے بھگتوں کا یہ مذہب ہے + برہمن تو برہمن ہی رہتے ہیں پر چھوٹے اس قسم کی فراخدلی سے بڑے بن سکتے ہیں +

ہمارے بزرگ بازار کی منادی اور مسیحی سکولوں میں انجیل کی تعلیم کو ایک بڑا بھاری ذریعہ لوگوں تک کلام پہنچانے کا سمجھتے تھے۔ اس لئے لڑکوں اور لڑکیوں کے واسطے آپ نے ہوشیارپور میں سکول کھولے۔ اور اس طور سے اونچ ذاتوں کے ہندو اور مسلمانوں تک مسیح کا پیغام پہنچایا گیا + خاص مسیحی لڑکیوں کے لئے جن کے ماں یا باپ مر چکے ہوں ایک عمدہ پرائمری سکول ابتک ہوشیارپور میں جاری ہے جو مسٹر اور مسز چیٹرجی کی متحدہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہاں بڑی مفید تعلیم دی جاتی ہے۔ جو لڑکیوں کے لئے خصوصاً مناسب ہے + اس سکول میں سادگی اور نیک چلنی پر شروع سے بہت زور دیا گیا ہے۔ اور لڑکیوں کے اخراجات بہت کم رکھے گئے ہیں +

کلیسیا میں سربراہ کاری - ۱۸۷۵ء میں ہندوستان کی سینیڈ نے آپ کو الہ آباد کے مدرسۂ علم الٰہی میں پروفیسر کے عہدے پر سرفراز کیا + پریسبیٹری اور سینڈ کے آپ ہمیشہ نیرِ اعظم رہے + آپ کی منصف مزاجی۔ صاف گوئی اور سرگرمی نے آپکو کلیسیا کا سربراہ اور لیڈر منوا کر چھوڑا۔ چنانچہ آپ برسوں پریسبیٹیرین کلیسیا کے موثر رہبر رہے +

سہارنپور کے مدرسے علم الٰہی کے آپ مرتے دم تک ڈائرکٹر رہے۔ اور

نورمن کرسچن کالج کے ڈائرکٹروں کے سب سے پہلے پریزیڈنٹ منتخب ہوئے۔ اور تیس برس تک اس عزت پر سرفراز رہے۔ چنانچہ آپکے نام نامی پر ۱۹۱۱ء میں چیٹرجی سائنس بلاک تعمیر کیا گیا + آپنے مختلف مسیحی فرقوں کے ملانیکی سرتوڑ کوشش کی۔ اس خیال سے کہ ہم عیسائیوں کو اتحاد کر کے غیر مسیحی قوتوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے +

منجملہ دیگر خیالات کے آپکا یہ بھی خیال تھا کہ اگر بشپ بجائے سرکار کی طرف سے مقرر ہونیکے پادری اور عام مسیحیوں کی رائے سے چنے جائیں تو اتحاد جلد ممکن ہے۔ آپ فرقہ بندی سے نفرت رکھتے ہر ایک کو یہی تعلیم اور نصیحت دیتے + دوسرے کلیسیاؤں کے مسیحی انکو اپنی ہی کلیسیا کا شریک سمجھتے تھے۔ اور انکے بے حد مداح تھے۔ پروفیسر رُودرا۔ مسٹر دِگرم۔ ڈاکٹر وائٹ بریجنٹ نے اُنکی تعریف میں تفضیل کے تمام صیغے گردان دیئے ہیں + آپکا سلوک اپنی کلیسیا کے ممبروں اور ماتحت منادوں وغیرہ سے نہایت رحمانہ اور مسیحیانہ تھا + اس سوال پر کہ آیا دیسی مسیحی پادریوں کی تنخواہ و اختیارات وغیرہ بدیشی پادریوں کے برابر ہونے چاہئیں یا نہیں انکا جواب یہ تھا۔ کہ ہونے چاہئیں مگر جب خود انکو پورا مشن کا ممبر بنانے اور رائے دینے کے اختیار سے انکار کیا گیا تو آپ ایک حرف اس فیصلے کے خلاف زبان پر نہ لائے۔ افسوس جیسا چاہیئے تھا آپ کی قدردانی نہ ہوئی۔ اب تو یہ مجاز عام مسیحیوں تک کو ملگیا ہے

۱۹۱۱ء میں سرکار نے آپکو قیصر ہند کا چاندی کا تمغہ آپکی ضلع ہوشیارپور کی اچھی خدمات کے صلے میں عطا فرمایا۔ اسی سال میں آپکو ڈی ڈی یعنی حکیم علم الٰہی کی ڈگری واشنگٹن اور جیفرسن کالج سے ملی + اور ۹ برس بعد ایڈن برا یونیورسٹی کے چانسلر نے اسی ڈگری کی سند مکرر دیکر آپکی اور اپنی یونیورسٹی کی عزت افزائی فرمائی + اس قسم کے اعزاز حاصل کرنیکے متعلق ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ میں انکا طالب نہ تھا۔ میں خداوند مسیح کا خادم اور اُسکے انگوری باغ کی مزدوری کرنیکے شرف کو حاصل کرنے پر زیادہ خوش ہوں۔ یہ اعزاز مجھے بطور انعام منجانب اللہ ہیں جو اُسکے جلال کیلئے دیئے گئے ہیں اور میں بڑی شکر گزاری سے انہیں منظور کرتا ہوں۔

،،میرا باپ میری عزت کرتا ہے،،

سنہ ۱۹۱۰ء سے آپکے قواء میں ضعف آنا شروع ہوا مگر آپ نے کام میں فرق نہ آنے دیا۔ آخر کار ناتوانی نے یہانتک عاجز کیا کہ آہستہ آہستہ انکی صحت کے خیال سے زبردستی انکو تھوڑا بہت سبکدوش کیا گیا۔ جب وعظ کرنیکی طاقت بھی نہ رہی تو لکھ کر بھیجدیتے جو پڑھ کر سنائی جاتی تھی + مشنریوں نے خدا خدا کر کے آپکو پھلور چلتا کیا + پھر بھی جب ایک دفعہ جالندھر میں پریسبٹیری ہوئی تو آپ آہی پہنچے ؎

جب دھم سے آکودونگا حضرت سلام میرا
دیوار پھاندنے میں دیکھوگے کام میرا

آپ اس چھوٹے سفر کی برداشت کے قابل بھی نہ تھے مگر اپنی ذمہ داری کا خیال آپکو کھینچ لایا ؎

ذمہ داری ہے کہ سو بار لئے پھرتی ہے
جا نہ سکتا تھا جہاں آپ سے اک بار وہاں

گئے تو۔ مگر بری حالت میں لوٹے۔ جو آپکے انتقال کے دن یعنی ۳۱ مئی سنہ ۱۹۱۶ء تک قائم رہی جبکہ آپ دائمی آرام میں داخل ہوگئے + آپکے آخری الفاظ یہ تھے،، میں خداوند یسوع مسیح کا بندہ ہوں،، آپکو ہوشیارپور کے قبرستان میں دفن کیا۔ ہزاروں مسیحی۔ ہندو مسلمان۔ سکھ۔ یوروپین اور دیسی سرکاری ملازم جنازے کے ساتھ تھے۔ ایسی بارور خدمت اور نیک زندگی خدا سب کو عنایت کرے +

+

دی پنجاب کرسچن سنٹرل کوآپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور

عرصہ تین سال کا ہوا کہ یہ بنک شہر لاہور میں کھولا گیا تھا۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کے دیہاتی مسیحیوں کی مالی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ اس مومنٹ کے ذریعہ سے جو لوگ مسیحی مذہب میں شامل ہوئے ہوتے ہیں انکی مالی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ خواہ زراعت پیشہ ہوں یا صنعتی یا حرفتی کاموں میں لگے ہوئے ہوں ان لوگوں کو قرضی روپیہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے مسیحی مذہب اختیار کرنیکی وجہ سے جو بنئے بقال وغیرہ بے تحاشہ سود لیکر ان غریبوں کو روپیہ اُدھار پر دے دیا کرتے تھے وہ بھی انکار کرتے ہیں۔ اگر ہم لوگ انکی مدد نہ کریں تو یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ اس بنک کے ذریعہ سے شہری مسیحیوں کو موقعہ دیا جاتا ہے کہ عمدہ سود کی شرح پر روپیہ امانت پر رکھوائیں۔ نیز بنک کے حصص خرید کر عمدہ ڈیویڈنڈ (منافع) کما دیں۔ پچھلا ڈیویڈنڈ ۹ فیصدی شرح کے حساب سے دیا گیا تھا۔ پچھلے تین سال کے عرصہ میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ قرض دیا جا چکا ہے جو وقت مقررہ پر واپس آتا رہا ہے اور تقریباً دس ہزار روپیہ سود امانتاً پر روپیہ رکھنے والوں کو پہنچ چکا ہے۔ سو یہ بات وہی ہے کہ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔ حصہ کی قیمت مبلغ ۵۰ روپیہ ہے جو ششماہی انسٹالمنٹ (قسط) میں واجب الادا ہے۔ جو علاوہ شرح سود امانتی روپیہ کے واسطے ذیل میں درج ہے۔

تین ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ جو علاوہ زر جمع مستقل کے واسطے بشرح ۴½ فی صدی سالانہ
۶ " " " " ۵½ " "
۱۲ " " " " ۶½ " "

پچھلا بیلنس شیٹ منگوا کر بنک کی مالی حالت کا ملاحظہ فرمادیں۔ بنک چلانے کے اخراجات نہایت کم ہیں۔ سوائے ایک پورے وقت کے اکاونٹنٹ کے باقی سب عہدہ داران بلا اجرت قومی خدمت کر رہے ہیں۔

المشتہر

آئی درگا پرشاد آنریری منیجر و سیکرٹری

کریمی پریس لاہور زد کوتوالی قدیم میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور ایڈیٹر مسٹر کے ایل رلیا رام نے شائع کیا

بسرپرستی انڈین کرسچن کانفرنس لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۶۸۰

مسیحی لاہور

دسمبر ۱۹۲۴ء

جلد ۱
نمبر ۷

ہندوستانی مسیحیوں کا مذہبی اخلاقی علمی تمدنی ماہواری رسالہ

ایڈیٹرز (۱) مسٹر کے ایل لبھارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن ہائی سکول لاہور۔ ایڈیٹر انچیف

(۲) مسٹر آموں جیکب صاحب عاصی بی اے بی ٹی
جائنٹ ایڈیٹر

A. Rahim Singh

15th November. The Punjab Indian Christian Conference was 'AT HOME' to His Excellency Sir Malcolm and Lady Hailey.

The Hon'ble Raja Sir Harnam Singh Ahluwalia is seated on His Excellency's left.

فہرستِ مضامین

کل خط و کتابت متعلق مضامین غیرہ بنام مسٹر کے ایل رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل سکول لاہور ہونی چاہیئے۔ باقی خط و کتابت و ترسیل زرِ چندہ و خطیہ وغیرہ بنام مسٹر ٹی خاں۔ بی اے بی ٹی منیجر۔ رنگ محل مشن سکول لاہور آنی چاہئیں ✤

قیمت۔ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک دو روپے ۸ ر۔ ۵۰ سے کم آمدنی والوں کے لئے فقط دو روپے ✤

سر ملکم اور لیڈی ہیلی کو جلسۂ خوش آمدید

۱۵۔ نومبر ۱۹۲۴ء کو چار بجے شام کے لاہور میونسپل ٹاؤن ہال میں پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس نے کل مسیحیان پنجاب کی طرف سے گورنر اور لیڈی ہیلی کو خوش آمدید کہنے کے لئے ایک جلسہ بڑی دھوم دھام سے کیا + کانفرنس کے بیدار مغز، بلند خیال۔ وسیع النظر، حقیقی ہمدرد قوم پریزیڈنٹ مسٹر کے ایل رلیارام نے فقط کل مسیحیوں کو صلائے عام دی بلکہ قوم میں اتحاد اور قوت پیدا کرنے کے لئے اس بات کا خیال رکھا کہ ہر مسیحی خاندان کا کم سے کم ایک شخص ضرور شامل ہو۔
قوم زبان حال سے باآواز بلند کہتی تھی کہ میرے فرزندو اٹھو اور میرا نام روشن کرو۔ چنانچہ جب یہ تحریک شروع ہوئی تو کیا گاؤں کیا شہر کے مسیحی سب نے لبیک کہی اور جوق جوق لاہور میں آئے اور جلسے میں رونق افزا ہوئے +

احاطۂ ٹاؤن ہال دلہن کی طرح آراستہ کیا گیا۔ ایک چھوڑ چار بینڈ باجے نوبت بنوبت بج رہے تھے۔ سکاؤٹ جابجا سرگرم انتظام تھے ایک طرف شغلز نے اول طعام بعدہٗ کلام کو صحیح کر کے دکھانے کی غرض سے بہشت کا نقشہ زمین پر کھینچ دیا تھا۔ خانساماں مثل غلمان کمربستہ کھڑے تھے۔ نقل ہائے بوقلموں گوناگوں سونے اور چاندی کو شرما دینے والی طشتریوں میں نہایت خوبصورتی سے چنے دھرے تھے۔ گرم چائے دیکھکر دل میں گرمجوشی پیدا ہوتی تھی۔ شامیانے میں عجب بہار تھی صدر مسند میں حضور گورنر بہادر کے لئے کرسی زرنگار رکھی ہوئی تھی جس پر سرخ مخمل کی گدیاں لگی ہوئی تھیں جن پر سلمے ستارے کا کام آنکھوں میں چکاچوند کا عالم دکھاتا تھا۔ کرسی کی پشت پر شیر کھڑا تھا جو یہوداہ کے شیر کی یاد دلوں میں تازہ کرتا تھا۔

مسیحی اور غیر مسیحی مہمان وقت مقررہ پر آنے شروع ہوئے جو آیا پریزیڈنٹ کانفرنس نے پھولوں کے ہار گلے میں ڈلوائے پھر شامیانے میں بعد استقبال بصد عز و ناز بٹھایا یہاں تک کہ تمام جگہ رنگا رنگ کے گلدستوں سے رشک گلزار بن گئی۔

لیڈی ہیلی اور گورنر بہادر مع اپنے افسران رکاب کے موٹر پر عین چار بجے تشریف لائے۔ سلامی ریلوے بینڈ نے اتاری۔ استقبالیہ کمیٹی جس میں شہر کے سرکردہ مسیحی گاؤں کے نمبرداران ومناداں تھے دروازے پر صف باندھے خیر مقدم کے لئے کھڑے تھے۔ راجہ ہرنام سنگھ صاحب نے سب کا تعارف گورنر بہادر اور لیڈی صاحبہ سے کرایا۔ رنگ محل مشن سکول کے بینڈ نے پھر سلامی دی۔ بٹالہ، لدھیانہ اور لاہور کے سکاؤٹوں کی فوج آداب بجالائی۔ فوج کا معائنہ کرتے ہوئے آگے بڑھے تصویر لی گئی۔ پھر سلامی لیتے ہوئے استقبالیہ کمیٹی کے جلوس کے ساتھ شامیانے میں آئے سب نے کھڑے ہو کر خیر مقدم کہی۔ فخر قوم راجہ ہرنام سنگھ اہلوالیہ نے مسند نگارین پر بٹھایا۔ قوم کے ممتاز اصحاب دائیں بائیں مسند پر پایہ پایہ بیٹھے۔ راجہ سر ہرنام سنگھ نے گورنر بہادر کے سامنے کھڑے ہو کر کل مسیحیان پنجاب کی طرف سے خیر مقدم کا ایڈریس نہایت ادب سے پڑھا۔ گورنر بہادر اٹھے اور ایڈریس کا جواب باصواب دیا جس سے ہماری قوم کا پایۂ افتخار آسمان تک بلند ہوا ہے

کلاہ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید
کہ سایہ بر سرش افگند چوں تو سلطانے

میزبان نے خوان الوان کھلوائے۔ سب مہمانوں نے خوب مزے سے کھائے خوش گپیاں اور ملاقاتیں شروع ہوئیں۔

ایک ایک کی زبان پر کانفرنس اور اس کے لائق پریزیڈنٹ کی حسن تدبیر کے ترانے جاری تھے۔ بیرنگ ہائی سکول بٹالے کے سکاؤٹوں نے اپنے فن دکھا کر گورنر اور لیڈی اور جملہ حاضرین کو بہت محظوظ کیا۔

بعد میں پریزیڈنٹ کانفرنس گورنر بہادر اور لیڈی ہیلی کو گاؤں کے لوگوں کی طرف لے گئے۔ گورنر بہادر نے گاؤں کے نمبرداران وچیدہ سربراہ کاراں سے ہاتھ ملائے۔ اور ان سے باتیں کیں۔ ان کی بھولی بھولی باتیں جو دلِ بے غل سے نکلتی

تھیں سننیں۔ مل ملا کر سکاؤٹوں کی تیغ چوبیں کی محراب حمایت کے نیچے سے ہوتے ہوئے گورنمنٹ ہاؤس تشریف لے گئے۔ جلسہ برخاست ہوا مگر لوگ کچھ ایسے تمام انتظام سے خوش ہوئے کہ اندھیرے تک آپس میں گفتگو اور ملاقات میں سرگرم رہے۔ امید ہے کہ اس قسم کے جلسوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اور ہماری قوم کو اخلاقی تمدنی اور سیاسی فائدہ بے حد پہنچیگا۔

رات کو مسٹر کے ایل رلیارام کے مکان پر اور مہا سنگھ باغ میں دیہاتی اور شہری مسیحیوں کو جو پنجاب کے مختلف شہروں سے آئے تھے ضیافت دی گئی۔ بہت سے دیہاتی بھائیوں کے ٹھیرنے کا انتظام رنگ محل مشن سکول میں کیا گیا تھا ہر طرح کا آرام اُن کے لئے مہیا کیا گیا۔ لوگ خوش خوش اپنے گھروں کو لوٹے۔

ہم مسٹر کے ایل رلیارام پریزیڈنٹ اور ممبران کرسچن کانفرنس کو بالخصوص مبارکباد دیتے ہیں۔ اور ان تمام مسیحیوں کو عموماً تہنیت کہتے ہیں جنہوں نے اپنی قوم کی اشد ضرورتوں کو محسوس کر کے اس جلسے میں قدم رنجہ فرمائی کی۔ مسٹر اور مسز پی این دت مستحق خاص مبارکبادی کے ہیں۔ کیونکہ اس جلسے کی کامیابی مسٹر دت اور انکی میم صاحبہ کے عمدہ انتظام کا نتیجہ ہے۔

آیئون فریڈرک جیکب عاصی از لاہور

ترجمہ ایڈریس

منجانب۔ ممبران پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس۔

بخدمت حضور فیض گنجور جناب سر ولیم ملکم ہیلی صاحب۔ کے سی۔ ایس آئی سی۔ آئی۔ اِی۔ آئی۔ سی۔ ایس گورنر بہادر صوبہ پنجاب۔

حضور پرنور۔

ہم ممبران پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس بہ حیثیت اپنی قوم کی کثیر تعداد کے نمائندے ہونے کے جناب کے اس صوبے کے منصب جلیلۂ گورنری پر سرفراز ہو کر لاہور میں تشریف لانے پر حضور انور اور لیڈی ہیلی کو بڑے تپاک اور صدق دلی سے خیر مقدم

کہتے ہیں۔

ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ حضور نے اس صوبے کی کارپردازی ایسے وقت میں اختیار کی ہے جب کہ نہایت ضروری و پیچ در پیچ معاملات در پیش ہیں جن میں اگر ایک عقلمند مدبر ہی بڑے استقلال اور ہمدردی سے ہاتھ ڈالے تو حل ہو سکتے ہیں۔

جناب عالی! ہمیں یقین واثق ہے کہ آپ کی پنجاب سے کما حقہ واقفیت۔ آپ کا وسیع تجربہ جو آپ نے گورنمنٹ آف انڈیا کے زیر طرح طرح کے مناصب جلیلہ پر مامور ہو کر اور نہایت قابل تعریف کارہائے نمایاں دکھلا کر حاصل کیا ہے۔ اور جناب کی ذاتی ذہنی قابلیت اور اعلیٰ شخصیت آپ کے بعہدہ گورنری پر تقرر حاصل کرنے کو نہایت مناسب و مستحق ثابت کرتی ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ توفیق الٰہی سے حضور کا زمان حکومت صلح، امن خوشحالی اور باقاعدہ ترقی کا زمانہ ثابت ہو جو ہندوستان کو آزادی اور اتحاد کے منزل مقصود تک لے جائے اور ہمارے ملک کو وفاداری اور دوستی کے رشتوں سے قوموں کی نعمت مشترکہ یعنی گورنمنٹ برطانیہ سے وابستہ کرے۔

حضور انور! ہماری قوم اگرچہ تعداد میں قلیل ہے تاہم برسر ترقی ہے اور بہت سے تعلیمی۔ مدنی معاشرتی اور روحانی معموں کو حل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ جناب عالی ہمیں یقین ہے کہ ہماری قوم نے اس صوبے کی صیغہ تعلیم میں ایک حد تک خدمت کی ہے۔ اور کر رہی ہے۔ خصوصاً تعلیم نسواں کے متعلق ہم نہ فقط سلسلہ جنبانی کرنے والے ہیں بلکہ زیادہ تر تعداد استاداں کی جو اس بڑے کام کو سرانجام دے رہے ہیں۔ ہماری ہی قوم کے لوگ ہیں۔ ہماری قوم اپنی مدد آپ کرنے کے سبق سیکھ رہی ہے۔ نیشنل مشنری سوسائٹی کی بنا برسوں ہوئے "ہندوستان اور فقط ہندوستان" کے اصول پر قایم کی جا چکی ہے۔ اس سوسائٹی کا صدر مقام ضلع منٹگمری میں ہے جہاں کہ یہ دیہاتی مسیحیوں کے تمدنی عروج کے لئے بدل و جان کوشاں ہے اور طبی امداد کا سرچشمہ بنی ہوئی ہے۔

ہم نے ایک سنٹرل کواپریٹو بنک بھی قایم کیا ہے تاکہ اپنی قوم کے کاشتکاروں کو تقویت دیں۔ اور ہماری یہ کوشش مسٹر ایچ کلورٹ صاحب رجسٹرار جائنٹ

سٹاک کمپنی کی قابل اور ہمدردانہ صلاح سے کافی کامیاب اور بار آور ہو چکی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ ہماری کوششیں جو ہم اپنی قوم کی مالی اور تمدنی حالت کی بہبودی کے لئے کر رہے ہیں حضور انور کی گورنمنٹ اس میں ہمارے ساتھ نہایت ہمدردی اور حوصلہ افزائی فرمائیگی۔

جو دلچسپی لیڈی ہیلی نے عورتوں اور بچوں کی حفظان صحت اور خیر و عافیت میں لی ہے۔ اور جس سرگرمی سے انہوں نے گرل گائڈز اور بوئی سکاؤٹ مومنٹ میں جو لڑکے اور لڑکیوں کے چال چلن اخلاق و آداب سنوارنے والی تحریکیں ہیں حصہ لیا ہے۔ ہمارے دلوں پر کالنقش فی الحجر ہے۔ ایسی اور اس قسم کی اور تحریکوں میں ہماری قوم جو فرائض اس کے ذمے ہیں اختیار اور ادا کرنے کو نہایت حاضر و مستعد ہے۔

ہم نہایت ادب سے حضور انور اور لیڈی ہیلی کے آج شام کو ہمارے جلسے میں تشریف آوری کا شرف بخشنے پر نہایت شکر گذار ہیں اور مکرر آپ کو بڑی نمک حلالی اور سرگرمی سے خیر مقدم کہتے ہیں۔

خاکساران مسیحیان پنجاب
بمعرفت راجہ سر ہرنام سنگھ اہلوالیہ

ترجمہ سپیچ گورنر بہادر

بجواب ایڈریس تہنیت

حضرات! میں جانتا ہوں کہ آپ مجھے معاف رکھیں گے اگر میں کوئی باقاعدہ جواب اس ایڈریس کا نہ دوں جو راجہ سر ہرنام سنگھ صاحب نے آپ کی قوم کی طرف سے پیش کیا ہے۔ خاصکر اگر میں زیادہ تر اپنے آپ کو اس خوشگوار امر تک ہی محدود رکھوں اور اس حقیقی شکر گذاری کا اظہار کروں جو آپ کے مجھے اور میری اہلیہ کو بڑی دلی گرمجوشی کے ساتھ مبارکباد کہنے پر میرے دل میں پیدا ہوئی ہے۔ کیونکہ

آپ کا ایڈریس خوش آمدید کا ایڈریس ہے اس لئے اس کا جواب دینے میں مجھے وہ مشکل واقع نہیں ہوتی جو بعض وقت مجھے درپیش آتی ہے۔ مثلاً ایسا ایڈریس جس کے جواب میں قومی نمایندگی کی درستی یا نادرستی پر بعد غور و خوض بلیغ رائے ظاہر کرنی ہو یا مجھے مجبوراً گول مول جواب ظاہرا لاجواب کر دینے والے مالی امداد کے سوال کے متعلق دینا پڑے۔ آج وہ وقت ہے جب کہ پنجاب کی مختلف اقوام کے مابین رقابت سی پائی جاتی ہے۔ اس لئے مجھے قدرتی طور پر اس کام کی تعریف کرنے کی کوشش میں تامل پیدا ہوتا ہے جو ہندوستانی مسیحیوں نے پنجاب میں اپنے اور اوروں کے فائدے کے لئے کیا ہے اور جو طاقت اس قوم نے اپنی تمدنی اور علمی ترقی میں اضافہ پیدا کرنے کے لئے دکھائی ہے لیکن اور قوموں کے برا مان جانے کے احتمال سے میں آپ کو ایک صیغے میں جس میں آپ نے خاص ترقی حاصل کی ہے مبارکباد کہنے سے نہیں رک سکتا۔ وہ صیغہ تعلیم ہے۔ عیسائی مشنری سوسائٹیوں نے پنجاب میں چار کالج قایم کئے ہوئے ہیں اور مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ ان میں سے ایک لڑکیوں کے لئے ہے۔ انکے ۱۶ ہائی سکول اور ۷ مڈل سکول ہیں۔ اور لڑکیوں کی تعلیم کم سے کم اس قوم میں اور قوموں کی نسبت زیادہ ہے۔ بے شک آپ لوگوں ہی میں سے اس صوبے کے لڑکیاں کے سکولوں میں زیادہ تر استانیاں ہیں۔ موگا میں ایک نہایت عمدہ ٹریننگ سکول ہے۔ جہاں تعلیم کے علمی پہلو پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ گورنمنٹ نے حال ہی میں ایک دیسی مسیحی بی بی کو وظیفہ دیکر انگلستان بھیجا ہے تاکہ وہاں سے اصول تعلیم سیکھ کر آئیں۔ اسکے علاوہ آپ کا فخر بجا ہے۔ کہ آپ نے ایک سنٹرل کوآپریٹو بنک بھی جاری کر رکھا ہے۔ جس سے آپ کی قوم کے زراعت پیشہ لوگوں کو بہت تقویت پہنچتی ہے۔ اسی قسم کے کام ایک قوم کی ترقی اور عروج کا باعث ہوتے ہیں۔ انہی سے قوم کی مالی حالت درست ہوتی ہے اور اخلاقی معیار وسیع ہوتے ہیں۔ اسی قسم کی تجاویز اور کوششیں ہیں۔ جن سے ہمیں ایک صوبے کی بہتری کی امید ہوتی ہے۔ جو قوم کہ اس راہ میں استواری سے ہمت کا قدم آگے بڑھاتی ہے اسے اس بات کا ہرگز خوف نہیں کرنا چاہئے کہ اور قومیں اسے تسلیم نہ کریں گی چاہے اس قوم کی تعداد کچھ ہی ہو۔ اور اس کی مالی حالت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔

میں خصوصاً اس بات کا ذکر نہایت صفائی سے کرنا چاہتا ہوں کہ میرے خیال میں جو مشنری سوسائٹیاں اس ملک میں کام کر رہی ہیں انہیں اکثر یہ دیکھکر مایوسی ہوتی کہ جس قدر جلدی وہ چاہتے ہیں یہاں کے لوگ عیسائی نہیں ہوتے تاہم میری رائے میں وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ وہ ایک اور طریق سے ہندوستان کو بہت فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ سینکڑوں مرد اور عورتیں جو ہم میں ہیں مگر خود انکاری اور خدمت گذاری کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ نہ فقط مذہب کی خاطر بلکہ تعلیم اور طبی امداد پہنچانے کی غرض سے ہو نہیں سکتا کہ ان کی زندگیاں اس ملک کو بہت فائدہ نہ پہنچائیں۔ میں نے بچشم خود پنجاب کے اضلاع میں اس قسم کا کام بڑی خوش اسلوبی سے ہوتے دیکھا ہے میں ان لوگوں کے ارادوں کی جو اس کام میں مشغول ہیں بہت وقعت کرتا ہوں اور ان کی ثابت قدمی اور ہمت کی داد دیتا ہوں۔ جس کے باعث وہ مشکل اور دل توڑنے والی حالتوں میں بھی پائے برجائے رہتے ہیں۔ میں اس وقت نہ کرتا ہوں نہ ایسے مجمع میں کر سکتا ہوں کہ اس کام کی تعریف اور اندازہ کرنے کی کوشش کروں۔ جو انھوں نے اپنے مذہب کے لئے کیا ہے۔ لیکن ناممکن ہے کہ انہی لوگوں میں رہ کر زندگی بسر کی جائے اور یورپین سرکاری عہدہ دار کی حیثیت سے بسر کی جائے۔ اور اس بات کی طرف مطلق توجہ نہ کی جائے کہ ان لوگوں میں سے اکثروں کو کیسی واقعی خود انکاری اور کسرنفسی کرنی پڑتی ہے۔ اس شخص کے لئے جس کو اس ملک کی بہبودی میں دلچسپی ہے یہ بھی ممکن نہیں کہ ان لوگوں کی مستحق تعریف کرنے سے باز رہے۔ جن کی زندگیاں اپنے فرض سے وفاداری کرنے کی مثال ہیں۔ اور جن کی موجودگی سے نہ فقط بے حد دماغی تعلیم حاصل ہوتی ہے بلکہ جو اُن بے شمار لوگوں کی جسمانی تکالیف کو بھی کم کر رہے جن کے درمیان وہ بود و باش کرتے ہیں۔ میں مکرر آپ کے مبارکبادی دینے پر اپنی مشکوری کا اظہار کرتا ہوں + میں اپنی نسبت تو کہنے میں تامل کرتا ہوں۔ لیکن آپ نے اُس گہری دلچسپی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو میری اہلیہ نے اس ملک کی عورتوں اور بچوں کی حفظان صحت اور خیر و عافیت میں لیا ہے۔ اس بات کا جواب بڑے دعوے کے ساتھ دے سکتا ہوں۔ کیونکہ میری اُن سے کوئی آنچ سے واقفیت نہیں۔ اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ہمیشہ آپ کا ساتھ دیں گی +

یا مسیح ابن مریم عصمت پناہ

آسمان پر خدا کا جلال، زمین پر صلح، بنی آدم میں خوشنودی ہوئی

نوٹ اور خبریں

۱- بڑا دن خوب ہی آیا مبارک ہو مبارک	خدا نے دن یہ دکھلایا مبارک ہو مبارک ہو
یہ چھوٹا دن بڑا دن ہو گیا عیسےٰ کے آنے سے	عجب رحمت ہے وہ لایا آہا ہا اہو ہو ہو

۲- ز قدر و شوکت سلطان نگشت چیزے کم	زالتفات بہ مہمانسرائے دہقانے
کلاہ گوشۂ دہقان بہ آفتاب رسید	کہ سایہ بر سرش افگند چوں تو سلطانے

مارے خوشی کے قلم انگلیوں میں ناچتا ہے کہ لیڈی ہیلی وام اقبالہ نے ہمارے اخبار مسیحی کا خریدار بننا کیا مربی ہونا منظور فرمایا ہے۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے کوپن (ضرورت) بھر کر ہمیں مشرف فرمایا ہے۔ اس بات سے صاف ظاہر ہے کہ لیڈی صاحبہ کس قدر ہندوستانی شہری اور دیہاتی مسیحیوں میں دلچسپی لیتی ہیں۔ دہلی میں بھی جناب کی یہی تعریف ہے۔ ہم مسیحیوں کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ ایسے مہربان اور نیک دل گورنر بہادر اور لیڈی صاحبہ ہم پر نظر لطف و عنایت رکھتی ہیں۔ خدا دونوں کا اقبال تا قیامت سلامت رکھے۔ اردو اخبار کب کسی گورنر بہادر اور لیڈی صاحبہ نے خریدا ہے۔ سبحان اللہ۔

۳- ہمارے اخبار مسیحی کے خریداروں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جاتا ہے ہم ان اصحاب کے نہایت مشکور ہیں۔ جو خود بھی خریدار بن رہے ہیں۔ اور خریدار بھی بنا رہے ہیں۔ وہ اصحاب خصوصاً مستحق مشکوری ہیں۔ جو اپنے عطیے ارسال فرما کر ہماری حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اگر مسیحی کی ترقی اسی طرح ہوتی رہی تو عنقریب یہ آل انڈیا رسالہ بن جائیگا۔ کم از کم سو خریداران کی ہمیں اور ضرورت ہے تاکہ پرچے کی مالی

حالت اچھی ہو جائے۔ اس سال ہم نے اسے چلایا ہے اور باوجود دقتوں کے چلایا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ مسیحیان ہندوستان اس کو اپنا پرچہ سمجھکر اسکی اشاعت بڑھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔

۴۔ ۱۵ نومبر ۱۹۲۲ء کو پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس کے ممبران نے گورنر اور لیڈی میکلیگن کو خیر مقدم کہنے کیلئے ایک نہایت بارونق اور شاندار جلسہ کیا۔ اور ایٹ ہوم دیا۔ گاؤں والوں کو خوب افراط سے عمدہ مٹھائیاں تقسیم کی گئیں اس قسم کا جلسہ آجتک مسیحیوں کیطرف سے کبھی نہیں ہوا۔ جملہ حاضرین نہایت متاثر ہوئے یہاں تک کہ ایک صاحب جو دیسی مسیحی ہیں پریزیڈنٹ کانفرنس کے مکان پر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں کانفرنس کو دیسی مسیحیوں کے لئے دس ہزار روپیہ دینا چاہتا ہوں جو چاہیں کریں۔ میں دیکھتا ہوں کہ مسیحیوں کے لئے جو لاہور میں شہروں اور دیہاتوں سے آتے ہیں ٹھیرنے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں۔ اسلئے میں مسافر خانے کی تجویز پیش کرتا ہوں مگر آپ جس بات کے لئے مناسب خیال کریں اس روپے کو صرف کریں۔ انہوں نے ابھی اجازت نہیں دی ہے کہ آپ کے نام نامی سے ہم اپنے ناظرین کو مطلع کریں۔ ہاں جب یہ تجویز تکمیل تک پہنچ جائیگی تو ہم اپنے مہربان سے اجازت لیکر سب کو انکے اسم گرامی سے آگاہ کریں گے۔ پریزیڈنٹ کانفرنس جملہ مسیحیاں سے استدعا کرتے ہیں کہ اپنی اپنی رائے سے مستفید فرمادیں۔ کہ اس رقم کو ان کی لایق رائے میں سب سے بہتر کس طرح خرچ کیا جائے۔ فی الحال مسافران اور متلاشیاں کیلئے آرام کا مکان بنانے کی تجویز ہے اگر کوئی اس سے بہتر تجویز ہو جس میں دس ہزار سے زیادہ کی ضرورت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ہمارے محسن اور زیادہ دینے کو تیار ہیں۔

۵۔ مسٹر حاکم الدین ہیڈ ماسٹر یو۔ پی مشن سکول سیالکوٹ کے ہاں پچھلے ہفتے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ مبارک ہو۔

۶۔ مسیحی کے کرسمس نمبر میں جناب پادری احمد شاہ صاحب شائق کا مضمون "مسیح اور کارکن" اور ایک غزل درج ہے۔ ہم خاص طور پر اپنے ناظرین کی توجہ ان کی طرف دلاتے ہیں۔ پادری احمد شاہ صاحب بڑے دقیقہ رس کہنہ مشق اہل قلم ہیں۔ اور زبان اردو کے مانے ہوئے ماہر۔ پادری جوالا دت واعظ لعل صاحب مرحوم کے بعد آپ ہی کا دم ہم غنیمت سمجھتے ہیں۔

۷۔ مسٹر ڈیویز صاحب کی شادی جو پنجاب سول سکریٹریٹ میں کام کرتے ہیں ہفتہ عشرہ گذرا۔ لاہور میں مس جلال الدین سے ہوئی ہے۔ خدا برکت دے اور ہر دو جوانان

سے مسیح کا جلال ظاہر کرائے۔ مسیحی کی طرف سے مبارکباد* پروفیسر سموئیل لال صاحب جن
کی کوششوں سے بہت لوگ دینِ عیسوی پر مشرف ہوئے اور ہو رہے ہیں اور جو تلاشیانِ
دینِ مسیحی پر دستِ شفقت و حمایت رکھتے ہیں۔ خاص تہنیت کے مستحق ہیں۔ یہ شادی خانہ آبادی
بھی آپ ہی کی سعیِ حسنہ کا نتیجہ ہے۔

۸۔ در روزگار ما نہ تواند شمار یافت — خود روزگار آنچہ دریں روزگار یافت
پرکار تیز گردِ فلک درمیاں جبیں — حق داد دادِ حق کہ بمرکز قرار یافت

خوشا نصیبِ پنجاب کہ گورنر بہادر اور لیڈی ہیلی جیسے شریف محسن ہمیں حضرت پروردگار نے عنایت
فرمائے ہیں۔ لیڈی صاحبہ شریف اور شریف پرور ہیں آپ جو بندہ نوازی ہم مسیحیوں پر فرماتی ہیں وہ صفحہ
دل پر سونے کے حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ کرسچن کانفرنس کے خیر مقدم کے جلسے کے اگلے دن اتوار کو
لیڈی ہیلی صاحبہ بنفسِ نفیس مسز پی۔ این دت صاحبہ کے مکان پر تشریف لائیں اور فرمایا کہ میں چاہتی
ہوں کہ آپ ۲۰-۲۵ مسیحی نمایندوں کے ساتھ جو بیرونجات کے شہروں اور دیہات سے آئے ہیں۔ چائے
پینے کے لئے آج شام کو چار بجے گورنمنٹ ہاؤس میں تشریف لائیں۔ لاہور کے مسیحیوں کو میں بعد میں
بلاؤں گی۔ افسوس کہ فقط ۱۲۔ اصحاب جا سکے کیونکہ بہت سے جلسے کے روز شام کو یا اتوار کی صبح کو چلے گئے
تھے۔ جو صاحب جا سکے ان میں سے چند کے نام نامی حسبِ ذیل ہیں۔ مسٹر اور مسز پی۔ این۔ دت +
مسٹر اور مسز۔ ایم۔ ایل رلیا رام۔ از گورداسپور۔ مسٹر اور مسز ایل۔ این متراز کپورتھلہ۔ مسٹر جے سی
گھوش از لدھیانہ وغیرہ۔ غرض خوب مہمانیوں کے ٹھاٹھ ہوئے۔ لیڈی صاحبہ بڑے تپاک سے ملیں
اور جلسے کی نسبت بہت اظہار خوشنودی فرمایا۔

گورنر صاحب نے اثنائے گفتگو میں ایک صاحب سے فرمایا کہ میں اپنے افسران سے رپورٹ پا کر
خوش ہوا ہوں کہ مسیحی کاشتکاران بہت اچھی طرح کام کرتے ہیں۔ اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں اوروں
سے بہتر ہیں۔ جب گورنر بہادر کی ایسی عمدہ رائے ہو تو کیسی خوش نصیبی اور فخر کی بات ہے۔ خدا ہماری قوم
کی عزت اور زیادہ کرے آمین

۹۔ ایک موقعہ ۱۶ نومبر ۱۹۲۲ء کو فورمن کرسچن کالج میں بوقت چار بجے شام یونین سروس بڑے
زور شور سے ہوئی۔ ہر فرقے کے مسیحی بڑے شوق سے شامل ہوئے۔ عبادت کئی ہادیانِ دین نے ملکر کرائی
کسی نے ورد پڑھا کسی نے وعظ کیا۔ کسی نے دعا کرائی۔ غرضیکہ فرقہ بندی کی قل ہو اللہ پڑھی گئی۔
مسٹر ہنری گولک ناتھ ماڈریٹر جنرل اسمبلی اور مسٹر این ایم ہوز وکیل کپورتھلہ نے بڑے پرجوش وعظ فرمائے

پادری ٹلو چند صاحب کی تقریر نہایت دلچسپ، پر اثر اور نتیجہ خیز تھی۔ سامعین بہت محظوظ ہوئے آپ نے کافی دیر تک تقریر کی مگر افسوس آپ کو اپنے خیالات کا اظہار پورے طور پر کرنے کا وقت مل سکا۔ امید ہے کہ وہ کسی اور وقت ضرور افادہ فرمائیں گے۔ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ ہر چند یہ عبادت دو گھنٹے رہی پھر بھی کسی کا دل نہ گھبرایا۔ یہی دل چاہتا تھا کہ سنے ہی جائیں عبادت کا مضمون مسیحیوں کا اتفاق تھا۔ چندہ کافی جمع ہوا جو طغیانی زدگان کی امداد کیلئے بھیجا گیا۔

۱۰۔ لاہور کے مسیحی خصوصاً اور پنجاب کے مسیحی عموماً سنکر بہت خوش ہونگے کہ جناب مسٹر مانٹگو بٹلر صاحب سابق ڈپٹی کمشنر و پریزیڈنٹ لیجسلیٹو کونسل پنجاب سی۔ پی کے گورنر مقرر ہوئے ہیں۔ آپ بڑے اعلیٰ خاندان سے ہیں۔ آپکے دادا مرحوم کو کون نہیں جانتا بشپ بٹلر صاحب مصنف انالوجی آف ریلیجن اپنے زمانے کے مانے ہوئے فلسفی اور عالم علم الٰہی تھے۔ گورنر موصوف کے سب برادران بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر سرفراز ہیں۔ آپ ابھی نوجوان ہی ہیں مگر دل کے ایسے شریف کہ پریزیڈنٹ انڈین کرسچن کانفرنس پنجاب نے آپکو مسیحیان پنجاب کی طرف سے آپکے عہدہ گورنری سی۔ پی پر ممتاز ہونے پر ایک تار بھیجا جس کا نہایت عمدہ جواب صاحب موصوف نے دیا ہے امید کہ ہمارے لوگوں کو ان کی ذات سے بہت بہت فائدے پہنچیں گے۔

۱۱۔ ہمارے ناظرین کو یہ مژدہ سنکر بڑی خوشی ہوگی کہ کنور دلیپ سنگھ صاحب بیرسٹر ہائیکورٹ پنجاب کے مستقل طور پر گورنمنٹ ایڈووکیٹ مقرر ہوئے ہیں۔ کنور صاحب کی لیاقت و ذہانت کا سکہ تمام لوگوں اور حکام پر بیٹھا ہوا ہے۔ آپ پہلے مسیحی ہیں جو بسبب وکالت میں ایسے بڑے عہدے پر سرفراز ہوتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ چند سال ہی میں آپ ہائی کورٹ کے جج ہو جائیں گے۔ یہ بات تمام قوم کیلئے فخر کا باعث ہے کہ ہمارے آدمی اپنی قابلیت اور خوش رفتاری کے بل پر ترقی کر رہے ہیں جو ہماری قوم کی سب سے بڑی دولت ہے۔ ہم آپکے تمام خاندان کو اور بالخصوص راجہ صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں۔

رپورٹ بابت زمین بقایا ضلع منٹگمری

۵ جون ۲۴ء کو کرسچن کانفرنس کا اجلاس وائی ایم سی۔ اے ہال لاہور میں منعقد ہوا اسمیں بہت سی باتیں زمین کی خریداری وغیرہ کی شرطوں کے متعلق پیش ہوئیں آخر یہ بات اجلاس میں کثرت رائے سے منظور ہوئی کہ سب سے پہلے زمین کے دیکھنے کے لئے تجربہ کار اشخاص کی ایک کمیٹی چنی جاوے جو دیکھے کہ آیا بقایا زمین ضلع منٹگمری کی کاشتکاری کے قابل ہے یا نہیں کیونکہ سنا جاتا ہے کہ بارہ زمین کلر

دیہہ کی ہے۔ اسلئے آگے کئی ایک لوگوں نے جو ضلع منٹگمری میں گئے تھے سخت نقصان اٹھایا ہے اور مجبوراً
گھر کی سب جائداد وغیرہ تباہ کر کے خستہ حالت میں واپس آتے ہیں۔ اس لئے سوچ بچار کر مسٹر
جے دانی ایل صاحب سکنہ گجرات اور بی ایم پال صاحب لاہور و پادری نواب الدین صاحب
سکنہ مرالیوالہ ضلع گوجرانوالہ و متوالا چک سوہل و سوہن لال سکنہ جہاز ضلع شیخوپورہ کی کمیٹی زمین
دیکھنے کے لئے مقرر کی گئی اس کمیٹی کے چیرمین مسٹر جے دانی ایل صاحب مقرر کئے گئے مقرر
شدہ کمیٹی نے بندہ کو یعنی پادری نواب الدین سکنہ مرالیوالہ ضلع گوجرانوالہ کے ساتھ متوالا و
سوہن لال صاحب کو بقایا زمین ضلع منٹگمری کے چکوں کو دیکھنے کے لئے مقرر کیا اور اسی وقت
بدھوار بتاریخ 29 تاریخ مقرر کی گئی۔ مقرر شدہ کمیٹی کی ہمراہ کے ممبر اپنا اپنا اپنے گھروں سے بستر وغیرہ لیکر
لاہور مسٹر کے ایل رلیا رام صاحب کے دولتخانہ پر اکٹھے ہوئے ملا ہور میں موقع تاریخ مقررہ شدہ
کمیٹی کے علاوہ ۱۷-۱۶ اشخاص کئی ایک ضلعوں سے مسٹر کے ایل رلیا رام کی کوٹھی لاہور پہنچے
ہوئے تھے اس جگہ بندہ نے اور مسٹر کے ایل رلیا رام صاحب نے لوگوں کو بہت سمجھایا کہ اتنے لوگوں کا
کمیٹی کے ساتھ جانا فائدہ مند نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ
اور اتنا روپیہ فضول خرچی میں ضائع نہ کرو۔ کمیٹی صرف دیکھنے کے لئے جا رہی ہے واپس آ کر رپورٹ دیدیگی
تم کو بھی معلوم ہو جاوے گا۔ مگر لوگوں نے ایک نہ سنی اور نہ کچھ ہمارے سمجھانے کا اثر ہوا۔ لاہور
سے روانہ ہوتے وقت مسٹر کے۔ ایل رلیا رام صاحب نے دو چٹھیاں دستی ای۔ اے۔ سی ڈپٹی
فیل بوس صاحب و ہیڈ کلرک مسٹر بنیرجی صاحب ضلع منٹگمری و اسطے امداد زمین عطا کیں۔ 29 کو
کو کمیٹی ہمراہ بیس اشخاص جو کہ چند ایک ضلعوں سے آئے ہوئے تھے زمین کے دیکھنے کے لئے اسی
شب کی گاڑی میں ضلع منٹگمری کو لاہور سے روانہ ہوئے۔ 30 کو صبح ضلع منٹگمری پہنچے۔ اور مسٹر
ڈیوڈ صوبیدار کی رہبری سے ہم ڈپٹی صاحب اور ہیڈ کلرک صاحب کے دولتخانہ پر پہنچے
اور وہ بڑے اعلیٰ اخلاق سے ہمارے ساتھ پیش آئے اور ان کی امداد سے بقایا زمین کے چکوں
کی فہرست اور سٹیشن وغیرہ معلوم ہو گئے۔ جس سے ہمیں زمین دیکھنے کی بہت آسانی ہو گئی 30 کو
کو منٹگمری سے دس اشخاص یعنی سنا عمر دغیرہ سکنہ چک سوہل کو ضلع شیخوپورہ کو خانیوال
جہانیاں منڈی یا لہ جنگل کے اسٹیشنوں کی طرف بقایا چکوں کے دیکھنے کے لئے روانہ کر
دیا اور باقی دس آدمی بندہ یعنی پادری نواب دین کے ہمراہ ضلع منٹگمری کے چکوں کے دیکھنے
کے لئے روانہ ہو گئے۔ حسب ذیل رپورٹ تفصیل وار درج کی جاتی ہے۔

ضلع منٹگمری

نمبر شمار	چک نمبر	نام راجباہ	تعداد ایکڑ	نام اسٹیشن	کیفیت
۱	۴۰	۴ ایل	۳۳۸	یوسف والا	
۲	۱۲۴	۹ 〃	۲۷۵	〃	
۳	۱۳۳	۶ 〃	۵۲۳	منٹگمری	
۴	۷	۱۱ 〃	۴۳۸	داد جتیانہ	
۵	۸	۱۱ 〃	۵۲۱	〃 〃	
۶	۱۶۴	۹ 〃	۳۵۷	چیچاوطنی	
۷	۱۶۵	〃 〃	۳۰۲	〃 〃	
۸	۱۶۷	〃 〃	۲۱۷	〃 〃	
۹	۱۷۱	۹ 〃	۲۲۸	〃 〃	
۱۰	۱۰	۱۱ 〃	۴۳۹	داد جتیانہ	
۱۱	۱۲	〃 〃	۲۴۵	〃 〃	
۱۲	۱۴	〃 〃	۳۸۵	〃 〃	
۱۳	۲۲	〃 〃	۳۱۸	〃 〃	
۱۴	۲۹	〃 〃	۸۶۱	چیچاوطنی	
۱۵	۳۰	〃 〃	۵۹۴	〃 〃	
۱۶	۳۱	〃 〃	۳۸۸	〃 〃	
۱۷	۳۲	〃 〃	۳۶۶	〃 〃	
۱۸	۵۲	۱۳ 〃	۲۷۶	〃 〃	
۱۹ و ۲۰	۶۳ و ۶۴	〃 〃	۳۲۲	کسووال	
۲۱	۵۷	〃 〃	۸۰۴	〃	
۲۲	۸۴	〃 〃	۴۵۰	اقبال نگر	
۲۳	۹۰	〃 〃	۲۷۱	〃 〃	

نمبر شمار	چک نمبر	نام راجباہ	تعداد ایکڑ	نام اسٹیشن	کیفیت
۲۴	۹۱	۱۲-ایل	۳۷۳	اقبال نگر	
۲۵	۹۲	" "	۲۸۶	" "	
۲۶	۹۳	" "	۲۶۵	" "	
۲۷	۱۰۱	" "	۹۲۰	کسووال	
۲۸	۱۱۷		۲۵۳	" "	
۲۹	۱۲۰		۲۹۱	" "	
۳۰	۷۶	۱۵-ایل	۲۹۹	کچا کھوہ	
۳۱	۴۰	" "	۷۲۵	" "	
۳۲	۷۸	" "	۲۸۷	" "	
۳۳	۸۱	" "	۵۳۷	" "	
۳۴	۱۸	سون آر	۲۲۰	" "	
۳۵	۱۲۵	۱۵-ایل	۳۶۵	میاں چنو	
۳۶	۶۲	۱۰-آر	۵۰۰	خانیوال	
۳۷	۹۶	" "	۱۲۵۹	"	
۳۸	۹۷	" "	۳۸۸	"	
۳۹	۹۸	" "	۴۹۳	مڑھیالہ جنگل	
۴۰	۱۵۳	۱۰-آر	۲۵۶	جہانیاں	
۴۱	۱۵۴	" "	۳۰۴	" "	
۴۲ / ۴۳	۱۷۳ / ۱۷۴	" "	۵۱۲ و ۵۹۰	ڈھیالیہ / جہانیاں وغیرہ	

نتیجہ

چکوں کا ملاحظہ کیا گیا۔ بندہ کے ہمراہ جو آدمی گئے تھے ان میں سے بعض

آدمی بوجہ سفر و تھکاوٹ کے جلدی واپس اپنے اپنے گھروں کو متوالا وغیرہ چلے آئے لیکن اس سفر میں اخیر تک مناب سکنہ پھیلا و سوہن لال و حمند اسکنہ ننانک کوٹ ضلع گوجرانوالہ و گر سکنہ چیلے کے ضلع سیالکوٹ نے پورا پورا ساتھ دیا۔ اور اس سفر میں ہا پیادہ وہ کسی دن بیس بیس میل روزانہ کرتے تھے۔ اور رات کو تھکاوٹ سے گہری نیند میں سو جاتے تھے۔ لیکن چک ۵۳ و ۱۳۳ و چک ۳۰ کے عیسائیوں نے ہماری خوب مہمان نوازی کی ہم اُن کے تہ دل سے مشکور ہیں۔

یہ زمین مذکورہ بالا چکوں کی سب کی سب تیسرے درجہ کی ہے یعنی باڑا اور ناقص زمین ہے۔ لیکن ان میں سے کچھ نہ کچھ چک نمبر ۴۰-۲۴-۲-۷-۱۰-۱۲-۱۴-۲۲ کا نصف شمالی حصہ ۳۰-۳۱-۶۵-۱۲۱-۸۴-۸۷-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۱۰۱-۱۱۷-۱۲۰-۱۲۸ کی زمین سخت محنت کرنے اور روپیہ خرچ کرنے سے دو تین سال میں بن سکتی ہے۔ جس پر مسیحی لوگ آباد ہو کر محنت کرنے والے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے بعد ازاں روزی کما سکتے ہیں۔ لیکن ان چکوں کے علاوہ جو کہ فہرست میں آپکے پاس بھیجی جاوے تو میری اپنی رائے یہ ہے کہ اس مقام پر عیسائیوں کو آباد کرنے میں کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا ہے۔ بلکہ سراسر بربادی اور نقصان ہوگا +

احقر قوم کا خیر خواہ پادری نواب الدین سکنہ سرالیوالہ
ڈاکخانہ خاص ضلع گوجرانوالہ

تنبیہ

ہمیں خبر ملی ہے کہ بعض لوگ مشن کے کارندے بابو وغیرہ پنجاب کرسچن کانفرنس کے نام سے لوگوں کو دھوکا دیکر زمین کے لئے روپیہ جمع کر رہے ہیں۔ دیہاتی مسیحیوں کو خصوصاً اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ کانفرنس کو زمین کے لئے کسی قسم کے روپے وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ کوئی صاحب دھوکے میں آکر روپیہ نہ دے بیٹھیں۔ جو صاحب اس طرح کی غلطی کرتے ہیں وہ خود اسکے ذمہ وار ہیں۔ کانفرنس کا کوئی دوش نہیں۔ ہم مشکور ہونگے اگر جو شخص ایسی کارروائی کرتا ہے اسکے نام اور پتے سے ہمیں فوراً اطلاع دیجاوے تاکہ ہم اس شخص کے خلاف کارروائی کر سکیں۔

المشتہر۔ کے۔ ایل رلیارام۔ پریذیڈنٹ
پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس لاہور

عید میلاد

غزل تال جھنجوٹی

نذرانہ بہ بارگاہ مسیحی از طرف مسٹر ایڈون جیکب صاحب عاجز
والد بزرگوار آئیون جیکب ایڈیٹر مسیحی

فلک پر آج گاتے ہیں فرشتے
ثنائے رب سُناتے ہیں فرشتے

ہُوا مریم سے ہے پیدا مسیحا
یہ مژدہ آج لاتے ہیں فرشتے

گنہگاروں کو یہ پیغام دیکر
عجب رغبت دلاتے ہیں فرشتے

عجب تکریم سے اُس آستاں پر
سرِ عجز آ جھکاتے ہیں فرشتے

پھر اسکے پائے نازک کو اُٹھا کر
وہ آنکھوں سے لگاتے ہیں فرشتے

سُنا کر مجھ کو مژدہ اُس صنم کا
میری اُلفت بڑھاتے ہیں فرشتے

تو حاضر ہو جہاں اُس شمع رُو پر
چو پروانہ گھر آتے ہیں فرشتے

جو ہے مختارِ سرکارِ خداوند
تجھے اُس تک بلاتے ہیں فرشتے

ہے یاور عاجز اتیرا نصیبا
فلک سے کہتے آتے ہیں فرشتے

از جناب جے جانسن صاحب اظہار فیروزپوری وارد حال تھیولاجیکل سیمنری بریلی تلمیذ حضرت ثاقب میرٹھی

دیکھنا کس جوش پر ابر کرم آیا ہے آج
بارشِ رحمت ہے سر پر رُوح کا سایہ ہے آج

سُنتے ہی مژدہ یہ بلبل سے ہُوا دل باغ باغ
باغِ عالم کا عزیزو باغباں آیا ہے آج

نسلِ آدم کے گناہوں کو مٹانے کیلئے
جامۂ انسان میں خالق کا پسر آیا ہے آج

اے زمیں والو تمہارے واسطے ابن خدا
عرش کرسی چھوڑ کر اس فرش پر آیا ہے آج

جسکی آمد کے جہاں میں انبیا تھے منتظر
وہ ہی نورِ حق وہی ابنِ خدا آیا ہے آج

بحرِ عصیاں سے بچانیکو تمہیں اے عاصیو
کشتیِ راحت کو لیکر ناخدا آیا ہے آج

تم چلو اظہار ہیکل میں عبادت کیلئے
کیا مُبارک دن مبارک سال پھر آیا ہے آج

تمجید آسمان پہ زمین پہ سلامتی
خلقِ خدا میں میل کی ہووے پُکار آج

مسیح اور کارکُن

ہدیۂ جناب پادری احمد شاہ صاحب شائق از کانپور

ابتدائے آفرینش میں آدم معہ اپنی ہمدم اور ہم ذات حوّا کے خدا کی محبت میں مگن تھے مگر ابوالشر یعنی حضرت شیطان کو یہ ناگوار گذرا اور سانپ کی شکل میں نمودار ہوکر نازک پیدائش حوّا کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا کر خدا کی حضوری سے نکلوا کر ہی رہا۔ جب خداوند خدا نے اِن راندۂ درگاہ کو اپنی حضوری سے ہانکا تو یہ فتویٰ سُنادیا تھا کہ آدم اپنے ماتھے کے پسینہ سے اپنی ضروریات حاصل کریگا۔ عورت دردِزہ سے بچے جنے گی اور سانپ ساری عمر مٹی چاٹتے گا۔ اس وقت ہم صرف اس پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ کہاں تک خدا کا فتویٰ آدم پر مؤثر ہُوا۔ اگر تاریخ عالم پر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے اس فتوے کے اثر نے میاں ابوالشر کی تحریک پر حاکم محکوم اور خادم مخدوم کے عقاید پیدا کردئے۔ اگر آدم اور اُنکی ذُرّیت پھر بھی آدم کے فتویٰ کے مطابق اپنی اپنی محنت مزدوری ہی سے اپنے لئے روزی کمانے پر قناعت کرتی تو زیادہ مشکلات میں نہ پھنستی۔ مگر میاں ابوالشر کب نچلے بیٹھنے والے تھے اُنھوں نے انسان کے دل میں بجائے قناعت کے حرص کا عنصر بھی بھر دیا۔ انسان کو واجب تھا کہ کل کی فکر نہ کرتا۔ آج کا دُکھ آج ہی کے لئے بس خیال کرتا۔ مگر انہیں حرص دامنگیر ہُوئی۔ اب نہ صرف کل کی بلکہ برسوں کی فکر ہونے لگی اور نہ صرف اپنی بلکہ آئندہ پُشتوں کی۔ نہ صرف منقولہ بلکہ غیر منقولہ جائدادیں پیدا کرنیکے درپے ہُوا۔ نقد زر کے لئے تجارت جاری کی۔ ملکیت حاصل کرنیکے لئے طرح طرح کے اصول ایجاد کئے۔ جو کچھ قوت بازو سے پیدا کیا۔ اُسی پر قناعت نہ کی۔ بلکہ اب دوسروں کے مال پر نگاہ دوڑانے لگا۔ اب سوچ میں پڑا کہ کیونکر دوسرے کی دولت میری ہو جائے یا کم سے کم میں دوسروں کی نسبت زیادہ حاصل کروں۔ تجارتی سلسلوں میں اُسکو بڑے بڑے کارخانے

کھولنے پڑے۔ جس میں دوسرے لوگوں کی مدد لینا پڑی۔ اور سوچ میں پڑ گیا کہ جنہوں نے سخت محنت سے میرے لئے دولت پیدا کی ہے۔ انکو صرف اسی قدر ملنا چاہیئے جس سے وہ ہمیشہ میرے محتاج رہیں۔ تاکہ میرے کارخانے میں کارکنوں کی کمی نہ ہو۔ اس طرح ایک چھوٹی جماعت بہت بڑی جماعت پر قابو جما کر انکی دنیا برباد کر دینے کے درپے ہو گئی ‌‌‌‌‌۔

اپنے کارخانوں میں دوسرے ہمخیال لوگوں کو بھی شریک کر لیا۔ اس طرح سے سرمایہ داروں کی ایک جماعت بن کر غریب کارکنوں کے لوٹنے کے اصول قائم کر کے سب کے سب عیش و عشرت میں بدمست ہو کر صرف سالانہ جلسہ میں اپنا اپنا منافع لینے کو تیار رہنے لگے۔ اور اگر سال کے دوران میں معلوم ہوا کہ کام کثرت سے ہے اور کارکن کم۔ تو بیچارے کارکنوں کو ایک اور جال میں پھنسایا کہ تھوڑے وقت رات کو بھی کام کیا کرو اور اسکے عوض تمکو چند پیسے اور ملجائینگے۔ انکی تندرستی کو یوں زائد نقصان پہنچایا۔ اور یہ بیچارے کارکن چند پیسوں کے لالچ میں انکے دام تزویر میں پھنس گئے۔ دوسری چال یہ کی کہ بجائے آدھ گھنٹے کے دس گھنٹے کام لیا۔ کبھی کبھی گھڑی کو حسب ضرورت آگے یا پیچھے کر دیا۔

اسی سلسلہ میں نیچ کے ملازمین بھی آ گئے۔ آقا صاحب اپنے آرام سے بیٹھے ہیں ملازم آواز کا منتظر ہے۔ کہ کب پکار ہو۔ اور میں جواب دوں ''آیا حضور'' اور ''حضور'' کو ذرا بھی خیال نہیں کہ وہ بھی میری ہی طرح انسان ہے۔ اسکو بھی آرام کی ضرورت ہے۔ ''حضور'' تو چار یا پانچسو روپیہ کی گٹھری گھر میں لائیں۔ جو صرف دو چار شخصوں کے لئے بھی کافی نہیں سمجھی جاتی۔ مگر ملازم کو ''حضور'' بڑی دریادلی سے دس یا پندرہ روپیہ ماہوار دیکر خیال کرتے ہیں کہ انکے خاندان بھر کو کافی سے زیادہ ہے۔

یہ سب میاں ابو الشر کے رکانے اور ہتھکنڈے ہیں جس طرح ہمارے مورث اعلیٰ آدم کو حوا کے ذریعے قابو میں لایا تھا۔ ویسا ہی آجتک ہمکو دنیا کی شان و شوکت دکھا کر اپنے زیر کئے ہوئے ہے۔ ہمکو یاد ہے کہ خداوند مسیح کی آزمایش میں اس نے پہلے جسم کی کمزوری پر حملہ کیا۔ کہ ''تو بھوکا ہے پتھر سے کہو کہ روٹی بن جائے'' پھر جسم کی طاقت پر حملہ کیا ''اس اونچے مقام سے اپنے تئیں نیچے کو گرا دے'' اور آخر کار نفس پر قبضہ کرنا

چاہا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھکو سجدہ کر تو دُنیا کی ساری شان و شوکت تجھکو دونگا۔ یہ میری ہے جسکو چاہوں بخشوں" مگر میاں ابو الشّر نے اُس قدوس کے ہاتھوں وہ زک اُٹھائی کہ آجتک پریشان ہے ۔

مگر ہاں اُسکو اگر کوئی عارضی فتح حاصل ہے۔ تو ہم بندوں پر۔ ہمارے سامنے اُس نے طرح طرح سے جال پھیلایا ہے۔ کسی کو زمین کی چاٹ۔ کسی کو نقد اشرفیوں کی کسی کو فیشن کی۔ کسی کو حُسن کی۔ کسی کو بغض و حسد کی۔ لُوٹ کھسوٹ کی۔ کسی کو سود بیاج کی مگر ایک چاٹ سب کو دے رکھی ہے۔ وہ یہ کہ اپنے آپکو دوسرے سے افضل خیال کرو۔ اور اسی تحریک میں خادم مخدوم۔ حاکم محکوم۔ سرمایہ دار اور مزدور یا کارکن کی تعلیم چھپی ہوئی ہے۔ میاں ابو الشّر خود تو شیرہ اُنگلی سے دیوار پر لگا کر دور الگ کھڑے ہوئے تماشہ دیکھا کرتے ہیں اور ہم اُسکے ہاتھوں میں کٹھ پُتلی کی طرح تار کو حرکت دینے سے ناچتے ہیں۔ ہم اپنے کو آقا اور دوسرے کو غلام تصور کر کے میاں ابو الشّر کے مقصد کو پورا کر رہے ہیں ۔

دُنیا کے جس حصّے میں جاؤ۔ میاں ابو الشّر کے یہ کرشمے نظر آئینگے۔ یورپ کی مسیحی قوموں پر تو اُس نے خوب ہی قبضہ اور دخل کیا ہوُا ہے۔ اونچے طبقہ کے لوگوں پر بھی اس کا جادو چل گیا ہے ۔ لوگوں کو بھُلا دیا ہے کہ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند" بلکہ یہانتک سمجھا دیا ہے۔ کہ صرف سفید چمڑے والے ہی انسان کہلانے کے مستحق ہیں۔ دوسرے رنگ والے چمڑے محض اس لئے ہیں کہ اُنکو خوب پیسو اور جس طرح چاہو اپنے فائدہ کے لئے کام میں لاؤ۔ ہندوستان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ یہاں تو اور بھی اندھیر ہو رہا ہے۔ ذرا ایک کاشتکار کی زندگی کی تصویر ملاحظہ فرمائیں۔ مسیح چرن ایک کاشتکار ہے۔ جسکے چار بچّے ہیں۔ جنکی عمر بتدریج ۷-۹-۱۱ و ۱۳ سال ہے۔ بیوی کام میں میاں کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ بلکہ شریکِ غالب ہے۔ یہ بیچاری گھر کا سارا کام کرتی۔ اور جو وقت بچتا ہے اُسکو کھیت کے کام میں لگاتی ہے۔ بچّے بھی اپنی بساط کے مطابق کاشتکاری کے کام میں مدد دیتے ہیں۔ اب مسیح چرن صبح سے شام تک کھیت ہی کے کام میں لگا رہتا ہے۔ گرمی ہو یا برسات۔ جاڑا ہو یا موسمِ بہار بچّوں کو بھی کام ہی میں لگائے رہتا ہے۔ جب دھان لگاتا ہے تو کمر کمر تک دلدل

میں کھڑے ہو کر لگاتا ہے۔ اوپر سے دھوپ نیچے سے زہریلے ابخرات جسم میں جذب کرتا ہے۔ رات دن رکھوالی کرتا ہے۔ جب دھان یا کوئی دوسری فصل خیریت سے تیار ہو کر گھر میں آتی ہے تو اُس سخت محنت کا ثمرہ کیا ملا۔ ۱۲ بیگہ زمین کے تمام اخراجات دیکر اُسکے پلّے کوئی بیس یا پچیس روپے پڑے۔ گھر بھر نے محنت کی مگر دو مہینے کے کھانے کو نہ بچا۔ کچھ قرضہ میں چلا گیا۔ کچھ دوا دارو میں خرچ ہُوا۔ اب ذرا اُس کی زندگی پر نگاہ ڈالیں کہ یہ رہتا کس طرح ہے۔ کھاتا کیا ہے۔ پہنتا کیا ہے۔ اس کو تفریح یا آرام کے کون سے وسائل حاصل ہیں۔ کھانے کو اگر صبح ملے تو شام کو ندارد۔ پہننے کو وہی پھٹی ہُوئی مرزئی۔ رہنے کو ایک ایسا جھونپڑا جس میں جُھک کر جانے اور داخل ہونیکی عادت سے کمر میں بڑھاپے سے پہلے خم آ گیا۔ برسات میں باہر بارش دو گھنٹے ہو۔ تو اُسکے گھر میں چار پہر رہتی ہے۔ ساری چھت چھلنی ہو رہی ہے۔ تفریح کے سامان کا کیا کہنا۔ اُسکو تو کام ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ رات کو جانوروں کو چارہ بھوسہ دینے اور باندھنے کھولنے میں لگا رہنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی ہل جوتتے ہُوئے کو سرکاری ملازمین یا زمیندار کے نوکر بیگار میں پکڑ لیجاتے ہیں۔ بیوی کام کی کثرت سے وقت سے پہلے عجوزہ ہو گئی ہے۔ بچّے آدھا پیٹ کھانے سے فاقہ ہو رہے ہیں۔ کسی کے تن پر ثابت کپڑا نہیں۔ مُنہ پر مَیل کی تہ چڑھی ہُوئی ہے۔ گھر بھر کو شام کو سوتے وقت کام کی فکر صبح اُٹھ کر گھر میں برکت ہی برکت نظر آتی ہے۔ کسی ہمسایہ سے کچھ مانگ تانگ کر گذر کرنا تو ایک عام بات ہے۔ اور جب نہ ملا تو زبردستی کا روزہ رکھ لیا۔ بچّے بھُوک سے بلبلا رہے ہیں۔ مگر کھیت میں کام کرنا ضروری ہے۔ یہ بیچارے بھُوکے رہیں تو رہیں۔ مگر اپنے جانوروں کے لئے کہیں نہ کہیں سے چارہ ضرور لاتے ہیں۔ تا کہ وہ بےزبان بھوکے نہ رہیں +

اے کاش کہ اُنکے مالدار پڑوسی جو اُنکے ہمجنس ہیں۔ اُنکی تنگی کا خیال کرکے اپنی اندوختہ دولت سے اُنکی کچھ مدد کرتے۔ مگر نہیں۔ وہ تو بدمست ہو رہے ہیں۔ خداوند نے انہیں تباہ حال لوگوں کو مخاطب کرکے کہا ہے " اے سب تھکے اور بڑے بوجھ سے دبے ہُوئے لوگو تم سب میرے پاس آؤ کہ میں تمہیں آرام دونگا "

اب آپ اسکے مقابلہ میں ایک فربہ زمیندار فضل مسیح کو دیکھ لیجئے۔ اسکی زمینداری ہے۔ مسیح چرن جیسے سو کاشتکار ہیں۔ اس کی سالانہ آمدنی ہزاروں تک ہے۔ بڑی شان و شوکت سے رہتا ہے۔ ہر کاشتکار کی باری بندھی ہوئی ہے۔ کوئی جانوروں کے لئے گھاس لاتا ہے۔ کوئی جلانے کے لئے لکڑی۔ کوئی جانور چراتا ہے۔ کوئی ہل جوتتا ہے۔ کوئی کھیتوں کی نگرانی کرتا ہے۔ کوئی فصل کاٹ کر کھلیان لگاتا ہے اناج صاف ہو کر اسکے گھر خود بخود پہنچ جاتا ہے۔ گاڑیبان مفت کا ہے۔ میاں فضل مسیح اپنے دل میں ملہار گاتے ہیں۔ اے جان خوش ہو۔ چین کر۔ کھا پی اور اسکے بعد جو کچھ بچیگا۔ اسکو میں اپنی کوٹھی میں جمع کر دونگا۔ بیج بوتے وقت کاشتکاروں سے کئی گنا زیادہ لے لونگا۔ مگر خداوند اس سے کہتا ہے کہ آج ہی رات تیری جان تجھ سے لے لی جائیگی۔ یہ جو کچھ تو نے جمع کیا ہے کسکا ہوگا؟"

ناظرین! یہ دونوں تصویریں ہمارے سامنے روز نمایاں ہوتی ہیں۔ مگر ہم کچھ ایسے الست ہیں کہ کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ہم نے حاکم و محکوم خادم مخدوم کی تعلیم کے تاریک پہلو کو اپنے لئے دستور العمل بنایا۔ ہمارا خداوند خود خادم کی صورت اختیار کرکے دُنیا میں آیا اُس نے اسی پر زور دیا کہ خادم بنو نہ مخدوم۔ اگر حاکم کہلانا چاہتے ہو تو محکوم بنو۔ بار بار اُسکی تعلیم یہی تھی۔ خود کمر میں پٹکا باندھ کر اپنے شاگردوں کے جو اُسکو اُستاد و خداوند کہتے تھے۔ پاؤں دھوئے اور اُنکو بتلا دیا کہ خدمت ہی خدا پرستی کا گُر ہے۔ پس جس وقت یہ خدمت کا اصول اس خود غرض دُنیا میں جاری ہوگا۔ اُسی وقت خدا کی بادشاہت زمین پر قائم ہوگی ورنہ ہمارا یہ کہنا کہ "تیری بادشاہت آوے" ایک بے معنی بات ہے۔ کیا وہ لوگ جو دیہات میں غریب مسیحیوں کے خداوندان نعمت ہیں۔ اسکا خیال رکھینگے کہ مخدومیت خادم کی شکل میں تبدیل کرلیں۔ یہ مضمون بہت وسیع ہے چونکہ مسیحی کا یہ پرچہ خاص مضامین کے لئے وقف ہے۔ اس لئے ہم نے محض اشارتاً چند باتوں کا ذکر کر دیا۔ بیچارے کارکن ہر صیغے میں مظلوم ہی ہیں۔ مگر خدا اُنکے آنسو اُنکی آنکھوں سے ضرور پونچھیگا ◆

اگرچہ میاں ابو الشر اپنی کامیابی پر ضرور بغلیں بجاتے ہونگے کہ میں نے

خدا ہی کے بندوں میں سے ایسے لوگ پیدا کر لئے ہیں۔ جو میرے آڑے آتے ہیں۔ جو بلا کسی معاوضہ کے اپنی جان کو برباد کر رہے ہیں اور دنیا میں ہر قسم کے کارکنوں پر میری سلطنت کا رعب جما رہے ہیں مگر یاد رہے انکی کلیا بہت جلد تمام ہو جائیگی اور ہمارے کارکن جو اس وقت ان ابوالبشر کے کارندوں کے شکار ہو رہے ہیں۔ ان سے ہم یہ کہا چاہتے ہیں۔ خوش ہو۔ خوشی کرو۔ کیونکہ تمہارا چھٹکارا نزدیک ہے اور ایک دوسرے کو ہمت دلا کر مخلصی کے داتا کی شان میں ہمزبان ہو کر حسب ذیل گاتے رہو۔

عید تولید

نتیجۂ گوہر افشانیٔ جناب پادری احمد شاہ صاحب شایق از کانپور

رباعی

جب سنتے تھے اب پیام تیرا دیکھا — پایا جو نشاں تو نام تیرا دیکھا
موجود تھا جو ابتدا میں تیرے ساتھ — ان آنکھوں سے وہ کلام تیرا دیکھا

نغمہ

خدائے قادر مطلق نے کیسا پیار کیا — گناہ گاروں پہ اکلوتے کو نثار کیا
سوا گناہ کے اور باقی کل صفت کے ساتھ — ہماری ذات و بدن اس نے اختیار کیا
یہ رحم دیکھو کہ مریم کے رحم میں آ کے — عمانوایل کا انسان کو راز دار کیا
خدا کی ذات کا نقش اور جلال کا پرتو — ہمارے دل پہ جمایا اور آشکار کیا
ہوا فرشتے وہ خادم ہیں آگ کے شعلے — خدا نے تخت دیا اسکو پائدار کیا
ہمیں یہ بخشش کہ نو زادگی کریں حاصل — جو ابنیت کا عطا ہمکو اختیار کیا
جلال اسکے تیرے اور روح کے ہمراہ — کہ تو نے اسکو تو اسنے ہے ہمکو پیار کیا

مسیح کا دُنیا میں آنیکا مقصد

حضرت عیسیٰ اس دُنیا میں روحانی راج قائم کرنے کے لئے آئے۔ دُنیا کے راج میں جسمانی۔ نفسانی اور حیوانی تحریکوں۔ حرکتوں اور جذبات کا غلبہ اور سکہ جاری تھا۔ اس میں مذہبی۔ قومی اور سیاسی آڑ میں بعض نے تو جبر اور تشدد اور جسمانی زور و طاقت کے عمل سے اپنی حکومت کے سکے کو جاری رکھا تھا۔ اور بعض نے مدتوں غلامی کی خاک چھان کر اور کورانہ تقلید کر کے غلامی ہی کے طوق کو اپنی زندگی کا جزو قرار دے لیا تھا۔ ایسی دنیا کے حاکمانِ وقت بھلا کب گوارا کر سکتے تھے کہ کوئی اُن کے نظم و نسق میں مخل ہو۔ اہل یہود تو اپنی زوال پذیر حکومت کے از سر نو بحال ہونیکا خواب دیکھ رہے تھے وہ بھی کب گوارا کر سکتے تھے کہ اُنکا رعب داب اور اُن کی عنانِ حکومت یا اُن کی صدارت اور عملداری کو کوئی ایسا تہ و بالا کرے کہ جس سے ان کے صدیوں کے غلام شدہ اور اچھوت بندے اپنا سر اُٹھائیں اور آزادی کا دم بھرنے لگیں اور ان کو کب یہ بھاتا تھا کہ اُنکے آبائی مذہب کا صدیوں کا عروج اور اُن کے چشم اُمید کی دل فروز روشنی تاریک ہو جائے اور کوئی اُٹھ کر ان کی جسمانی سلطنت کی ایسی ترجمانی کرے جس سے اُن کی سلطنت کی عمارت بالکل منہدم ہو جائے۔ لہذا حضرت عیسیٰ کا دُنیا میں آنا یہ معنی رکھتا ہے کہ انسانی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دے۔ اور ایسا راج قائم کرے کہ جس میں انسان کی قدر و منزلت ہو اور دُور اُفتادہ انسان بھی اس راج میں حصہ لے سکے اور وہ دوسرے کے دست نگر نہ ہو بلکہ خود راج کرنے کے قابل ہو۔ اس لئے اب ہم حضرت عیسیٰ کی سرگذشت اور اس کی کیفیت پر مختصراً غور کرینگے۔

حضرت عیسیٰ ایشیائی تھے۔ قوم کے لحاظ سے یہودی۔ وطن آپ کا یہودیہ پیدائش آپکی ایک گمنام شہر بیت اللحم میں واقع ہوئی۔ نسب کے لحاظ سے شاہی خاندان میں سے تھے اگرچہ اسکو زوال آ چکا تھا۔ غریبی کا یہ عالم کہ پیدائش بھی گھر میں نہیں بلکہ غربت میں ایک سرائے کے اندر جہاں مسافروں کا اژدہام

تھا اور چارپائی تک بھی میسر نہیں ہوتی تھی چنانچہ وہ پیدا ہوتے ہی ایک چرنی میں رکھے گئے۔ تاہم اُن کی پیدائش کے وقت چند باتیں ایسی معرض ظہور میں آئیں جو کہ انگشت شہادت کی طرح یہ دکھاتی تھیں کہ ان کی زندگی ایک رُوحانی پہلو اختیار کئے بغیر نہ رہے گی جو اندیکھے اور بلا کیفیت کے اپنا جلوہ دکھائے گی اور جس کی مضبوط چٹان پر دُنیا کی تمام طاقتیں اپنا سر ٹکرا کر چکنا چُور ہو جائیں گی۔ یوم پیدائش کوئی شاہی نقارہ یا کوس و طبل نہیں بجے۔ نہ اس کی پیدائش کی خبر عام طور سے دُنیا میں مشتہر ہوئی۔ لیکن ہاں اس اَن دیکھی دُنیا میں جس کی یہ دُنیا بہ مثل علامت یا ایک سایہ ہے اس کی پیدائش کی خبر ہوئی تھی اور یہ اعلان کیا گیا کہ آج داؤد کے شہر میں تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہوا یعنی مسیح خداوند۔ اور پھر ایک دلکش راگ اور سُریلے آسمانی سازوں کے شادیانوں نے آسمان گنجا دیا۔ اور اس راگ کی آواز چرواہوں کے کانوں تک اس وقت جبکہ تمام دُنیا میں عالم خموشی کا عجیب سناٹا چھایا ہوا تھا پہنچی۔ اس راگ کا مضمون یہ تھا۔ "عالم بالا پر خدا کی تمجید ہو اور زمین پر ان آدمیوں میں جن سے وہ راضی ہے صلح" ان کی پیدائش گویا خدا اور انسان میں صلح و میل کی صدا دیتی تھی۔ اور جب وُہ بڑھتا گیا تب بھی اس کی شہرت کا ڈنکا دُنیا میں نہیں بجا لیکن "جو کان رکھتے ہوئے سُنتا اور آنکھ رکھتے ہوئے دیکھتا ہے" مجوسی جن میں تحقیق اور جستجو کی رُوح موجود تھی وُہ نیچر کی کھلی کتاب میں اس کی کھوج لگاتے ہُوئے اور اس کا چمکتا ستارا دیکھ کر اس کے آگے سرنگون ہونے کو آموجود ہوتے۔ اور ننھی مورت اور ننھے سے دلفریب مکھڑے کو جس کی لوح پر رُوحانی کرنیں تاباں تھیں اس کو اپنی ماں کی گود میں دیکھ کر اس کی قدر و منزلت کو پہچان گئے اور گر کر اُسے سجدہ کیا۔ اور اپنی جھولی کھول کر سونا۔ لوبان اور مُر اس کی نذر کیا۔ ان محققوں نے رُوحانیت کی قدر کی اور جو کچھ نذر کیا وہ اسی کے شایان سمجھا۔ دولت۔ عزت۔ جاہ و حشمت۔ دل و دماغ دُنیوی زور و طاقت اور کل استطاعت خدا نے ہم کو بطور امانت بخشی ہیں۔ تاکہ ان سے دُوسروں کی خدمت کر کے ہم ذی رُوح کی قدر کرنا سیکھیں۔ وُہ لڑکا جو کہ دُنیا میں گمنام ہو کر آیا۔ بڑھتا اور قوت پاتا اور حکمت سے معمور ہوتا گیا اور خدا کا فضل اس پر تھا۔

ہم پھر ان کو طفولیت کے ایام میں یروشلم میں بمصداق ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات ٹھہرا ہوئے دیکھتے ہیں۔ اُن کے والدین تو مذہبی فرائض ادا کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ مگر

عشق الٰہی ان کو یروشلم ہی میں قائم رکھتا ہے اور وُہ اس وقت اپنی ماں کا گھر بھول جاتے ہیں۔ اور خدا کے مسکن کو اپنا مسکن سمجھنے لگتے ہیں۔ جب والدین ڈھونڈتے ہوئے اس کو پا لیتے ہیں اور کڑھتے ہوئے فریاد کرتے ہیں تو ان کی زبان مبارک سے پہلے کلام میں یہ نکلتا ہے کہ "تم کو معلوم نہ تھا کہ مجھے اپنے باپ کے ہاں رہنا ضرور ہے۔" یوں تو اُن کے والدین ان کو پہلے ہی یروشلم میں خدا کی نذر کر چکے تھے۔ مگر اب بچہ خود اپنے آپ کو اپنی رضامندی سے خدا کے آگے نذر کرتا ہے۔ تیس برس کی عمر تک وُہ اپنے والدین کے تابع رہے اس عرصے میں اُن کا راستہ تیار کرنے والا ایک اور اُن کا ہمعصر یُوحنا اُٹھا۔ حضرت عیسٰے تو تیس برس کی عمر تک اپنے والدین کی متابعت میں رہے۔ دُنیا کے مشاغل میں شریک رہے۔ جو سیکھنا تھا سیکھا اور اپنے دست مبارک سے کام کرتے رہے۔ لیکن اس اثنا میں یوحنا زاہد۔ تارک الدنیا ہو کر یردن کے بیابان میں دنیا سے الگ تھلگ رہ کر آبادی والوں کو اپنی طرف کھینچ لائے۔ مگر خود ان کے پاس نہیں آئے۔ وُہ تو محض بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز تھے جس نے بہتیروں کو اپنی طرف بُلایا اور جو آئے ان میں تمدنی اور اخلاقی اصلاح پیدا کی اور ان کو پانی سے بپتسمہ دیا تاکہ وُہ مسیح کی آمد پر اپنے اپنے گھروں میں رُوحانی جنم حاصل کریں۔

انسان کی تبدیلی بتدریج ہوتی ہے۔ پہلے ضروری تھا کہ ظاہری خراب دستورات و رسومات دُور کی جائیں اور لوگ اپنی اصلاح کریں تاکہ وُہ مسیح کی رُوحانی تعلیم کو سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ جب یُوحنا نے اپنا کام کما ینبغی پُورا کر لیا تو حضرت عیسٰی بھی اپنے پردہ مستور سے نکل آئے اور سیدھے یُوحنا کی طرف آئے اور اس سے بپتسمہ لیا۔ یُوحنا تو تارک الدنیا تھا وُہ دُنیا میں نہیں گھُستا تھا۔ اور نہ دُنیوی کاروبار میں شریک ہُوا۔ اس نے لوگوں کے دلوں میں خیالات کی تبدیلی۔ اصلاح اور اُمنگیں پیدا کر دی تھیں کہ وُہ ایک آنے والی رُوحانی بادشاہت کی انتظاری کریں۔ اور اس نئی حالت کے ساتھ داخل ہوں جس میں نہ کوئی یہودی یا غیر قوم۔ رُومی۔ یونانی یا بربری نہ ملچھ نہ کافر۔ مسیح خداوند جنہوں نے تیس برس متواتر دنیوی معاملات میں صرف کئے تھے اب عین عالم شباب میں یوحنا سے بپتسمہ لیتے ہیں اور اس عمل سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وُہ بھی یُوحنا کی طرح دُنیا کو خیرباد کہتے ہیں مگر ایک نئے رنگ میں کہ وُہ دُنیا میں داخل ہو کر دُنیا کے نہیں کہلائیں گے بلکہ اُن کا کھانا

بیٹا خدا کی مرضی کو پُورا کرنا ہوگا۔ وُہ دُنیا میں خدمت اور ایثار اور قربانی اور محبّت کی نئی رُوح پھُونکیں گے۔ چنانچہ بپتسمہ لیتے ہیں۔ جب وُہ پانی سے اُوپر آئے تو رُوح القدس اُن پر نازل ہُوئی اور آسمان سے یہ آواز آئی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے تجھ سے میں خوش ہوں" حضرت عیسیٰ نے دُنیا میں اب وُہ قدم رکھا جس میں صرف خدا کی رضا پُوری ہو۔ لہٰذا اب وُہ محض اہلِ یہُود کا بندہ یا محض انسان بنی انسان نہ رہا بلکہ ابن آدم کا خطاب حاصل کیا تا کہ وُہ کسی خاص قوم یا فرقے کا بندہ نہ سمجھا جاوے بلکہ ابن آدم سمجھا جاوے۔ یعنی وُہ انسان کامل جو تمام بنی انسان کا کامل معیار ہے۔ لہٰذا بالائی رُوحانی قوت سے معمُور ہو کر وُہ اس بڑی مہم کی کٹھن منزل کو طے کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ تاکہ شیطانی راج کا مقابلہ اور اس کا استیصال کرے اور اس کے عوض میں رُوحانی راج قائم کرے۔ چنانچہ اس مہم کے لئے اُنہوں نے تیاری کی۔ دُنیا سے الگ ہو کر بیابان میں رہے اور چالیس رات و دن دُعا و روزے اور خدا کی مقاربت میں کاٹے۔ اب جب بھُوکے ہُوئے اور دُنیا میں مقابلے کے لئے اُن کا آنا ضروری ہُوا تو دُنیا کا سردار خود ان کے مقابلے کے لئے روبرو آپہنچا اور جن آزمائشوں سے ان کا مقابلہ کیا وُہ وہی تھیں جن میں تمام دُنیا پھنسکر مُبتلا ہو گئی تھی یعنی تین ایسے آثار دُنیا کے نظر آتے ہیں جن میں کل بنی نوع انسان ہر قوم و ملّت و مذہب کے مبتلا ہیں۔ اول ہیں یا خودی کا فکر۔ میں کیا کھاؤں اور کیا پہنوں۔ دوم بے دینی یا خدا فراموشی سوم خود غرضی یعنی یہ کل دُنیا میری ہو جاوے۔ یہ سب آزمائشیں بیابان میں کنایتہً اور دُنیا میں حقیقتاً ان کے سامنے آئیں مگر ان کے نیک عندیہ اور ارادے میں سرِ مُو فرق نہ آیا اور اُن کا ایمان برقرار رہا۔ اور خدا اور انسان سے محبّت کے سوا کسی قسم کا لالچ یا خود پسندی نے جو کہ بُت پرستی ہے۔ اُن کے دل میں گھر نہیں کیا۔ جب وُہ دُنیا میں وارد ہُوئے تو ایک طرف ان کی یہ حالت کہ لومڑیوں کے لئے بھٹ۔ ہوا کے پرندوں کے لئے گھونسلے۔ مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں۔ دوسری طرف وُہ کھاتے پیتے ملتے جُلتے رہے جس نے بُلایا اُس کے گھر گئے۔ جس نے کھلایا اس کا کھایا مگر ان چیزوں کا خود فکر نہیں کیا۔ حاکم کی بجائے خادم کی صُورت اختیار کی۔ اپنے کو خالی کیا تاکہ دُوسرے سیر ہوں اور دُوسروں کی سیوا اور تعلیم دینے میں اپنے دن کاٹے اور تنہائی میں خدا کو یاد کرتے رہے جو معجزے کہ اُن سے سرزد ہُوئے وُہ بھی خدمت کے رنگ میں طاقت

رکھتے ہُوئے۔ وُہ اپنے زور و طاقت پر پُورے قابض تھے۔ کہیں ان کو بے محل اور بے جا استعمال نہیں کیا بلکہ دُوسروں کی بہتری کی خاطر۔ جو کہنا تھا اس کے کہنے سے نہیں جھجکتے۔ جو کرنا تھا وُہ کمال حوصلگی سے کیا۔ اُنہوں نے بُرے یا ظالم کا مقابلہ نہیں کیا۔ نہ ان کے بیان میں کسی قسم کی کپکپی۔ بُزدلی یا ہچکچاہٹ پائی گئی۔ اس نے کسی مذہب کی توہین نہیں کی بلکہ یہ فرمایا کہ مَیں تورات۔ زبور اور انبیاء منسُوخ کرنے نہیں بلکہ پُورا کرنے آیا ہوں۔ ان کے مداحوں نے کئی بار ان کو دنیوی بادشاہ بننے پر مجبُور کیا۔ مگر وُہ یہی کہتے گئے کہ میری بادشاہت یہاں کی نہیں ہے۔ مَیں دُنیا میں دُنیاوی راج کرنے کی غرض سے نہیں آیا۔ ہاں وُہ اپنی دُوسری آمد پر ضرور راج کرے گا۔

آخر میں ایک اور بڑی عظیم اور مہیب مہم اُن کے آگے آئی جس میں اُن کا مقابلہ دُنیا کے سردار کے کل مختاروں کے ساتھ ہونا تھا۔ ایک طرف تو نفرت۔ کڑواہٹ۔ جھنجھلاہٹ۔ ظلم۔ تشدد۔ جبر اور جھُوٹ اور ناراستی۔ تلوار اور بھالے غرضیکہ دُنیا کے کُل تباہ کرنے والے ہتھیار ایک کثیر لشکر کی طرح اس کے مقابلے میں صف آرا تھے۔ اور دُوسری طرف خداوند مسیح جن کے ہتھیار روحانی۔ ایک طرف تو مادی ہتھیاروں سے کام لیا جا رہا ہے اور دُوسری طرف حضرت عیسٰی دُعا کے ساتھ دُوسروں کی خاطر اور سورگ راج کا خیال رکھتے ہُوئے قربانی کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ اگر ان کے آگے کوئی اور راستہ بغیر قربانی کے ممکن تھا تو مسیح نے اس کے لئے دُعا کی کہ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ میرے پاس سے ہٹا لے۔ خدا کے غضب کی تلوار گناہوں کی وجہ سے آدم زاد پر جھوم رہی تھی اور انصاف مقتضی تھا کہ گنہگار اپنے گناہ کی پاداش میں سزا پاوے۔ اُس نے تین بار پیالے کے ہٹا لینے پر دُعا کی اور ساتھ ہی یہ جُملہ ایزاد کیا کہ میری مرضی نہیں کیونکہ مَیں تو اسی خاطر اس دُنیا میں آیا کہ تیرا انصاف پُورا کروں۔ تاکہ تیری محبت اور رحم کا دریا بہ نکلے۔ اس نے وُہ جان کنی کی ساعت گتسمنی باغ میں دُعا میں صرف کی تاکہ رُوح کی مستعدگی سے اس کا جسم بھی تقویت پاوے۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ وُہ اُٹھا اور آخری مقابلے کے لئے میدان میں نکل آیا اور اس کے پکڑوانے والے شاگرد یہوداہ کے ساتھ ایک انبوہ کثیر لاٹھیاں لئے ہُوئے سردار کاہنوں۔ فقیہوں اور بزرگوں کی طرف سے ان کے پکڑنے کو اپنے سامنے آتے دیکھا۔ یوں تو تلوار کے مقابلے میں تلوار بھی

اس کے شاگردوں کے پاس موجود تھی اور حسبِ حال کہ یہ اس کو خوب معلوم تھا اور اگر وُہ ایسا چاہتا تو وُہ اپنے دیگر شاگردوں اور مداحوں کو حملے کے لئے فراہم کرلیتا اور جنگ وجدل کا بازار گرم کردیتا مگر یہ اس کا مقصد نہیں تھا۔ چنانچہ کمال حیرت افزا حوصلے سے وُہ اُن کے آگے بڑھتا ہے اور اُن سے پُوچھتا ہے کہ تم کس کو ڈھونڈھتے ہو۔ اور جونہی اُس کی رُوحانی رعد کی صدا سُنتے ہیں اور اُن کے چہرے پر رُوحانیت کے پاکیزہ آثار دیکھتے تو اس رُوحانی چہرے کی تاب نہ لاکر وُہ پیچھے ہٹ کر زمین پر گر پڑتے ہیں مگر اس نے ان کو گرے ہٹنے نہیں دیا۔ اس نے تو اُن سے پہلے ہی صلیب پر مارے جانے کا پختہ ارادہ کرلیا تھا۔ ان کو کوئی خوف وخطر نہیں تھا۔ چنانچہ بہادروں کی طرح پھر اُن گرے ہوؤں سے پُوچھا کہ تم کسے ڈھونڈھتے ہو اور پھر مکرر کہا کہ مَیں ہوں اور معلوم ہوتا ہے کہ دُوسری بار کہنے پر کہ مَیں ہوں تب بھی اُن کے دُشمنوں کو جرأت نہیں ہُوئی کہ اُٹھیں اور اُن کو پکڑیں۔ چنانچہ پطرس کو اُن کی یہ عاجزی کی حالت دیکھ کر حوصلہ ہُوا کہ تلوار جو اس کے پاس تھی کھینچی اور ملکس نامی سردار کاہن کے نوکر پر چلادی اور اس کا دہنا کان اُڑا دیا۔ تین بار تو خداوند مسیح نے دُعا کی کہ یہ پیالہ میرے پاس سے ہٹالیں مگر میری مرضی نہیں اور تین ہی بار اُن کو یہ موقع ملا کہ بھاگ نکلے مگر یہ نہیں کیا۔ بلکہ پطرس سے کہا کہ تلوار کو میان کر میری بادشاہت جبر کی بادشاہت نہیں ہے جو پیالہ باپ نے مجھے دیا کیا مَیں اُسے نہ پیوُوں۔ اور وہیں چھو کر مجروح کے کان کو اچھا کیا وُہ طاقت جو وُہ استعمال کرسکتا تھا اس مقابلے کے موقع پر بھی دُوسرے کی بہتری کی خاطر اس کو استعمال کیا اور جب دشمنوں نے اس کو پکڑ لیا۔ یا یوں کہنا صحیح ہوگا کہ جب اس نے اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کیا تب سے انہوں نے پُورا سکوت اختیار کیا حتیٰ کہ اپنی بریت کے لئے بھی منہ نہ کھولا۔ جو کہتا آیا تھا وہی کہا۔ صلیب پر مرتے ہُوئے ماں کی خبرگیری کا بندوبست کیا۔ دُشمنوں کے لئے دُعا مانگی اور ڈاکو جو دشمنوں کے ساتھ لعنت میں شریک تھا اور جو ان کے ساتھ صلیب پر اپنے کئے کی سزا پارہا تھا اس کے توبہ کرنے پر اس کو معاف کیا۔ اور آخر میں یہ کہہ کر کہ پُورا ہُوا سر جُھکا کر جان دی۔

آجکل اس ملک ہندوستان میں دردِ زہ کی طرح یہ پیڑ لگی ہُوئی ہے کہ قومیت کا عنصر ظہور پذیر ہو۔ جبکہ اس ملک کا ہر ایک رہنے والا خواہ اعلیٰ خواہ ادنےٰ خواہ غیر مذہب ہم مذہب

وہم خیال وہم آواز ہوکر تہ دل سے بے ساختہ یہ بول اُٹھے کہ ؎

"ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا"

سُوراج زبان زد خلایق ہو رہا ہے۔ ہند کے پیشوا و لیڈران مابین مختلف فرقہ جات اتحاد قایم کرنے میں سر توڑ کوششیں کر رہے ہیں۔ دہلی کی اتحادی کانفرنس میں اسی مسئلہ پہ اصُول قایم کئے گئے اور قرار دادیں منظور فرمائی گئیں۔ ہم اُن کے نیک ارادوں اور کوششوں کی داد دیتے ہیں اور خدا کرے وُہ کوششیں عوام میں عملی پیرایہ میں کارگر ثابت ہوں۔ مگر دلی اتحاد کی صورت تب ہی ظاہر ہو سکتی ہے جب سوراج کی جگہ "سورگ راج" دل میں قایم ہو۔ چونکہ سلطان بودگی رام کہانی غرور و تکبر پیدا کرتی ہے۔ اس کے عوض میں دل کی غریبی جگہ لے۔ بجائے اس کے کہ ہم دُنیا کمانے کی دُھن میں لگے رہیں رُوح کا فکر پہلے کریں۔ اپنے زور پر نازاں ہونے کے بجائے خاکسار اور حلیم بنیں تاکہ دُنیا حاصل ہو انتقام لینے کے بھُوکے اور پیاسے ہونے کے بجائے کاشکہ ہم راستی کے بھُوکے اور پیاسے ہوں نہ صرف اہنسا کی تعلیم پر عامل ہوں کہ کسی کو نقصان نہ پہنچایا جاوے بلکہ رحم کے کام کرنے والے بنیں تاکہ بے رحمی دُور ہو۔

نہ صرف دھیان و تپسیا سے برہم کے ساتھ لین ہو جانا نہ صرف اُن زینوں کا طے کرنا جو صوفی اصطلاح میں شریعت طریقت۔ معرفت اور حقیقت کے نام سے نامزد ہیں فنا فی اللہ ہو جانا ہمارا آئی ڈیل ہو بلکہ پہلے خود سے گناہ کا دُور کرنا اور خدا کی رضا جوئی میں مصروف رہنا ہم کو اس قابل بناتا ہے کہ ہم خدا کو دیکھ سکیں۔ ناپاک دل خدا کا صحیح پتہ نہیں لگا سکتا۔ اور جب خدا کو ہی نہ دیکھا تو ہم اپنے آپ سے بھی آشنا نہیں ہو سکتے اور نہ غیر سے بلکہ غیر ہم کو خواہ ہم جنس انسان ہی کیوں نہ ہو بھُوت سا نظر آوے گا۔ جس کو یا تو ہم دبانا چاہیں گے اور یا اس سے پرہیز کریں گے۔ اگر "سورگ راج" ہمارے دل میں قایم ہے تو بجائے اس کے کہ ہم تفرقے اور پھُوٹ پیدا کریں ہم صلح اور میل کے بانی ہونگے۔ راستی اور سچائی کی خاطر دُکھ سہنے والے تاکہ سورگ راج ہمارا ہو۔ جب سورگ راج قایم ہُوا تب سوراج کے لئے بھی ہماری قوم ضرور تیار ہو جاوے گی۔ چنانچہ جب حضرت عیسٰے مَوت پر غالب ہُوئے اور اس کے معدودے چند بھگوڑے شاگرد جو سورگ راج سے تو اُس وقت تک بالکل ناآشنا گر اپنی کمروں کو تلواروں سے کس کر جسمانی راج کا خواب

دیکھ رہے تھے مسیح کی صلیبی موت کے ماجرے کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر اُنکی اُمیدیں خاک میں مل گئیں اور جسمانی راج کا انتظار بمصداق ؎

مدت سے لگ رہی تھی لب بام ٹکٹکی
تھک تھک کے گر پڑی نگہ انتظار آج

ایک خام خیال نکلا۔ ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

وُہ جو مسیح کی زمینی خدمت کے ایام میں جیتے بھی مُردوں کے ہم پایہ تھے اب اور بھی زندہ درگور ہو گئے۔ مگر مسیح خداوند کو زندہ از گور دیکھ کر چشم ما روشن دل ما شاد والی حالت طاری ہو گئی۔ اور مسیح خداوند پھر گلیل کے پہاڑ پر اُن گیارہ شاگردوں پر ظاہر ہوُا اور فرمایا کہ زمین اور آسمان کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے۔ پہلے تو وُہ حکومت اور اختیار سے خالی ہو کر صرف خدمت کرنے آئے تھے مگر اب خدمت کا دَور پورا کر کے حاکم اور فاتح کی حیثیت میں حکم فرماتے ہیں کہ پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور باپ بیٹے اور رُوح القدس کے نام سے بپتسمہ دو۔ اور اُنہیں یہ تعلیم دو کہ اُن سب باتوں پر عمل کرو جن کا میں نے تم کو حکم دیا۔ اور دیکھو میں دُنیا کے آخر تک تمہارے ساتھ ہوں۔

ہندوستان کے مذہبی۔ تمدنی و اخلاقی خیالات میں بہت کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہے خیالات کی تبدیلی نے ملک کی کایا پلٹ دی ہے۔ ہماری قوم میں اُمنگیں پیدا ہوُئی ہیں اور اب ہر ایک ایسی غیبی طاقت کی انتظاری میں ہیں کہ ایک برقی مَوج محبت قوم کی رگوں میں دَوڑے جو دلی اتحاد پیدا اور تعصب اور خوف اور حقارت کی رُوح دُور کر دے۔ وُہ غیبی طاقت عالم بالا سے حاصل ہو سکتی جو رُوح القدس کی طاقت ہے۔ ہماری دُعا ہے کہ خدا جلد وُہ مبارک مقبولیت کے ایام لائے۔ آمین ✦

احقر ایچ گولک ناتھ

جناب پادری ہنری گولک ناتھ ماڈریٹر جنرل اسمبلی کے مندرجہ بالا پیشکش کیطرف ہم اپنے ناظرین کی خاص توجہ دلاتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

خداوند مسیح اور بیسویں صدی

(ارمغان جناب ڈاکٹر آئی۔ یو۔ ناصر صاحب از لاہور)

یہ ایک یقینی امر ہے کہ ابتدائی مسیحی صدی سے آج تک انسان کی سرشت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اب بیسویں صدی میں وہ کونسی بات ہے جس کا ذکر خاص طور پر مسیح کے ساتھ کرنے کے لائق ہے۔ مسیح کی تعلیم کی یہ ایک صفت ہے کہ وہ ہر زمانے اور ہر ملک کے لوگوں کے مناسب حال ہے۔ ہر طبقے کے آدمیوں کی مسیحی مذہب کے وسیع حلقے میں جگہ ہے ہم اس وقت مختصر طور پر دیکھیں گے کہ موجودہ صدی میں مسیح کس پایہ پر ہے اور کہاں تک اُس کی ذات اور شخصیت کی نسبت علم ترقی کر رہا ہے۔

بیسویں صدی ترقی کی صدی ہے۔ دُنیا کے کسی شعبے کو دیکھو ترقی کے آثار نظر آئینگے آمد و رفت کے زمینی اور ہوائی وسایل اور بے تار کی خبر رسانی نے بنی آدم کو روئے زمین پر ایک نئے رشتے میں منسلک کر دیا ہے۔ خیالات کے تبادلے کے نئے نئے ذرایع پیدا ہو گئے ہیں۔ سائنس کی ترقی دن دُونی رات چوگنی ہو رہی ہے۔ رُوحانی اور اخلاقی معاملات بھی اس دوڑ میں پیچھے نہیں رہے۔ اب چونکہ مسیح کا خاص تعلق رُوحانی عالم کے ساتھ ہے۔ ہم سب سے پہلے اسی کا ذکر کرینگے۔ وحشی آدم خور سے اعلیٰ تریں انسان تک سب کسی نہ کسی مذہب کے پیرو ہیں۔ اگر تاریخ مذہب کا شرح سے مطالعہ کیا جائے۔ تو ثابت ہوگا کہ مذاہب کا رُخ مادہ پرستی اور بُت پرستی سے رُوحانیت کی طرف ہو رہا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ جب کسی مذہب کا سابقہ کسی ایسے مذہب سے پڑتا ہے جو اخلاقی اور رُوحانی پایہ میں اُس سے افضل ہے تو وُہ مذہب اپنی حالت سے خوش نہیں رہتا۔ بلکہ جس طرح ہو سکے اپنی پست حالت کو اُس اعلیٰ مذہب کی طرف اوپر اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں کہ غیر مسیحی ادیان کے پیرو اپنے اپنے مذہب کی اصلاح اور رفوگری میں سر توڑ جد و جہد کر رہے ہیں۔ کثیف اور نامعقول تعلیم کو نئی نئی تفسیروں اور تشریح کے سہارے کھڑا کرتے ہیں اور اپنے ہادیوں کے معیُوب اور قابل نفرین افعال پر پردہ ڈال رہے ہیں

ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ مذہبی انقلاب مسیح کے مذہب کے طفیل ہے۔ مسیح نے دُنیا میں ایسی رُوح پھُونک دی ہے کہ سب مذہب اُسی کی شخصیت اور تعلیم سے متاثر ہو کر اپنی اپنی درستی میں مصروف ہیں۔ ہندوستان میں جو بُری رسمیں مذہب کی آڑ میں محفوظ سمجھی جاتی تھیں مسیحی مذہب نے بعض کا قلع قمع کر دیا۔ اور باقی بھی کوئی دن کی مہمان ہیں۔ اچھوت ذاتوں کی بغلگیری بُت پرستی کی مخالفت کثیر الازدواجی اور دیگر اسی قسم کی قبیح رسوم کے خلاف عام رائے کی صدائے احتجاج ایسے نشانات ہیں جن کو دیکھ کر مسیحیوں کا دل خوش ہو جاتا ہے۔ یہ خصوصاً بیسویں صدی کا معجزہ ہے کہ مسیح دُنیا کے مذاہب کو تہ وبالا کر رہا ہے۔ وُہ وقت دُور نہیں جب ہندوستان مسیح کی عدیم النظیر شخصیت سے گرویدہ ہو کر اُس کے قدموں میں سرنگوں ہو گا۔

سیاسی اور اخلاقی دُنیا میں بھی ایک بڑا بھاری انقلاب پیدا ہو رہا ہے۔ مسیحی ممالک کے درمیان ایک خونخوار جنگ کا ہونا نہایت شرم کی بات ہے۔ مگر کوئی انصاف پسند شخص عقل سلیم رکھتے ہُوئے یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسیحی اقوام میں مسیح کی تعلیم نے جنگ و جدل کی رُوح پیدا کر دی ہے۔ یہ انسان کی جبلی وحشت اور حیوانی جذبہ ہے جو اُس کو ایک دُوسرے کے گلوگیر ہونے کی طرف مائل کرتا ہے۔ اگر اس وحشت کو روکنے والی کوئی چیز ہے تو وُہ مسیح کا مذہب ہے۔ جہاں تک کوئی شخص یا قوم مسیح کی پاک تعلیم اور نمونے سے متاثر ہو گی اُسی قدر وُہ لڑنے بھڑنے سے گریز کرے گی۔ پھر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ باوجود جنگ کی خونخواری کے غنیم قیدیوں اور زخمیوں کے ساتھ نہایت ہمدردانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ بین الاقوام جھگڑوں کو نپٹانے کے لئے ایک خاص مجمع تجویز کیا گیا ہے جس میں بہت سے پیچیدہ معاملے مصالحت سے طے کئے جاتے ہیں۔ ہم نہیں کہتے کہ یہ مجمع پُورے طور پر کامیاب ہُوا ہے۔ مگر اس کی ہستی اس امر کا ثبوت ہے کہ مسیحی اقوام کا رُخ مصالحت اور آشتی کی طرف ہے۔ یہ سب مسیح کی رُوح کا اثر ہے۔ پھر یہ ایک مانی ہُوئی بات ہے کہ جب دُنیا کے مذاہب میں اخلاق کے اعلیٰ ترین نمونے کی تلاش کی جاتی ہے تو ہر ایک راستی پسند اور محقق شخص قدرتی طور پر مسیح کی طرف اپنی آنکھیں اُٹھاتا ہے۔ جب مہاتما گاندھی خود انکاری اور خود نثاری کی زندگی اختیار کرتا ہے۔ تو ہر طرف سے یہی صدا آتی ہے کہ وُہ مسیح کے نمونے پر چل رہا ہے۔ قدیم زمانے کے اُن بے رحم رُومی سپاہیوں کی طرح بہت سے لوگ مسیح کے ظاہری لباس کو لے لیتے ہیں مگر اُس کی صلیبی موت پر غور

نہیں کرتے۔ اس صدی میں بہت سے حق کے تلاشی رفتہ رفتہ اس اخلاقی منزل کو طے کرکے حق کو پا جائیں گے۔

بیسویں صدی میں سائینس کی ترقی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ براہ راست اس ترقی کا مسیح کی ذات یا مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں مگر سائینس کی تازہ معلومات ہمیں مسیح کی ماہیت کے سمجھنے میں مدد دے سکتی ہیں۔ ان میں سے خاص ایک بات کی طرف مختصر طور پر ناظرین کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ایک وہ دن تھا کہ کسی مفرد شے کے ذروں کو مادہ کے انتہائی اجزا تصور کیا جاتا تھا۔ اب ثابت ہو گیا ہے کہ ہر ایک ذرہ ایک کرہ ہے جس کے اندر بجلی کے ذرات نہایت تیزی کے ساتھ چکر لگا رہے ہیں۔ گویا ہر ایک ذرہ چھوٹے پیمانے پر ایک نظام شمسی ہے۔ یہ برقی اجزا اس ذرے کے اندر مقید نہیں بلکہ بعض نہایت سرعت کے ساتھ باہر نکل جاتے ہیں۔ یعنی مادہ کا انتہائی ذرہ قوت کا مخرج ہے۔ نیچر میں یہ قوت ہر شے کے ذرات میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ سائینس کے ماہرین اس ٹوہ میں لگے ہوئے ہیں کہ اس قوت کو قابو کرکے کام میں لایا جائے۔ سائینس کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ مادہ میں خود بخود حرکت پیدا نہیں ہو سکتی۔ کسی طاقتور ہی سے طاقت نکل سکتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مادہ کے ذرات میں یہ حرکت کہاں سے آئی۔ سائینس دان اس سوال کا جواب دینے سے عاجز ہیں مگر الہام اس مشکل کو یوں حل کرتا ہے کہ مخلوقات میں تمام حرکت کا منبع قادر مطلق خدا ہے۔ سائینس خواہ اس ہستی کی قائل نہ ہو مگر اس نتیجے سے گریز بھی نہیں کر سکتی۔ مگر ہم اس سے ایک قدم آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ اب بیان کیا گیا۔ موجودات کے ہر ایک ذرے میں حرکت اور بے حد قوت کا ثبوت ملتا ہے۔ جو کام مادی عالم میں قوت کرتی ہے وہی حیوانات اور ذی روح انسان میں قوتِ ارادہ سے ہوتا ہے۔ دنیا میں یہی دو طاقتیں ہیں جو حرکت پیدا کر سکتی ہیں۔ مادی اشیا میں حرکت پیدا کرنے والی قوت سے سب لوگ کم و بیش واقف ہیں۔ قوتِ ارادہ کی ایک سادہ مثال یہ ہے کہ ہم کسی شے کو پکڑنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ یہ ارادہ ہمارے دماغ کے خاص حصوں میں ایک قسم کی حرکت پیدا کرتا ہے۔ یہ حرکت باریک تاروں کے ذریعہ جن کو اعصاب کہتے ہیں ہمارے بازو اور ہاتھ کے عضلوں اور پٹھوں کو متحرک کرتی ہے۔ اور ہم اس شے کو پکڑ سکتے ہیں۔ اب قوتِ ارادہ اور مادی عالم کی قوت دونوں خفیہ طور پر کام کرتی ہیں۔ دونوں کا ثبوت اُن کے

ظاہری افعال سے ملتا ہے۔ کیا یہ مان لینا خلافِ قیاس ہے کہ خالقِ کائنات کا ارادہ گویا مادی عالم کی قوت میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اِس تبادلہ کی نسبت ہم اپنے موجودہ علم کی مدد سے کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ جب دیدنی اشیا کے ایک ذرے کی ماہیت ہماری سمجھ سے بالا ہے اور اپنے جسم کی اندرونی حرکات اور زندگی کی ماہیت اور دیگر اسی قسم کے اسرار ہماری عقل کی حدود سے باہر ہیں تو نادیدنی عالم کی نسبت ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ مگر ہم الہام کی مدد سے اس گہری کھاڑی کو عبور کر سکتے ہیں۔ جو شخص ایمان کے ذریعے سے یہ مان سکتا ہے کہ کوئی شے نیست سے ہست ہو سکتی ہے اُس کے لئے یہ مان لینا دشوار نہیں کہ صانع مطلق رُوحانی طاقت کو مادی عالم میں منتقل کر سکتا ہے۔ اِس تبادے کے عمل میں لانے کا وسیلہ وہی ابن اللہ یا کلمۃ اللہ ہے جس کو ہم یسوع مسیح کہتے ہیں۔ "ساری چیزیں اُس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں" تو ہم دُوسرے الفاظ میں یہ کہہ رہے ہیں کہ مسیح خدا کے اس ارادے کو جو کائنات کی خلقت کی نسبت تھا دیدنی عالم میں ظاہر کرنے کا وسیلہ ہے وُہ گویا منشور ہے جس میں سے غیر مرئی روشنی مختلف رنگوں کی صُورت میں ظاہر ہو گئی ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہماری مثالیں اور قیاس کامل نہیں ہیں۔ مگر دیگر مثالوں کے ساتھ جن کی جھلک ہمیں سائنس کی معلومات میں ملتی ہے۔ ہمیں مسیح کی ذات وصفات کا علم حاصل کرنے میں مدد دے سکتی ہیں +

آخرکار یہ بیسویں صدی بے قراری کی صدی ہے۔ انسان اپنی حالت سے خوش نہیں۔ وُہ ہر بات میں ترقی کی آرزو رکھتا ہے۔ وُہ تردد اور گھبراہٹ میں دن بسر کرتا ہے۔ ہر طرف دوڑ دُھوپ ہے۔ انسانی رُوح میں اطمینان نہیں۔ ملکوں میں سیاسی انقلاب ہو رہے ہیں۔ نظامِ خلقت کی کل بگڑی ہوئی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انقلاب عظیم ہونے والا ہے۔ کسی بزرگ نے سچ فرمایا ہے کہ "ساری مخلوقات کراہ رہی ہے" دُنیا اپنی آنکھیں اُٹھائے ہوئے ہے کہ کہیں روشنی کی کرن اُسکی بیقراری اور نااُمیدی کی تاریکی پر پڑ جائے۔ اُسکے کان منتظر ہیں کہ کسی طرف سے کوئی شیریں آواز سُنائی دے کہ جس سے اُسکو تسلی ملے اور اُسکی رُوح پر سے بوجھ ہلکا ہو۔ ایسے آڑے وقت میں صرف مسیح کی طرف سے یہ آواز آتی ہے کہ "اے محنت اُٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ کہ میں تمہیں آرام دونگا" یہی وہ مسیح ہے جو بیسویں صدی کی امید اور پناہ گاہ ہے +

(ناصر)

عالمگیر مسیح

(تحفۂ جناب کیپٹن علی بخش صاحب از لاہور)

اگرچہ ہمارا خداوند یسُوع مسیح ایک خاص ملک ایک خاص قوم اور ایک خاص زمانے میں مبعوث ہُوا۔ لیکن وُہ ہر ملک و قوم و زمانے کو فیض پہنچانے اور بچانے آیا تھا۔ یہودی تنگ خیالی کو کشادہ دلی سے اُس نے بدل دیا۔ یُونانی فلسفے کو معرفت الٰہی سے اُس نے رنگ دیا۔ رُومی انتظام پسندی اور قانونی پابندی پر اُس نے جلا چڑھائی وحشی قوموں کو شائستہ اُس نے بنایا۔ الغرض جہاں جہاں اُس کی انجیل کو لوگوں نے خوش آمدید کہا وہاں وہاں صلح۔ اطمینان۔ عرفان اور امن و امان نے اپنا مسکن بنایا ہندوستان بھی اس نعمت سے محروم نہ رہ سکتا تھا۔ کیا آج وُہ مسیح ہندوستان کی آرزو کو پُورا کر سکتا اور اُس کی ضروریات رفع کر سکتا ہے۔ ہندوستان کی غلامی کی زنجیریں توڑ سکتا ہے۔ کیا ہندوستان کو وُہ آزاد کر سکتا ہے۔ جس سوراج حاصل کرنے کی تمنا سارے ہندوستانیوں کو لگی ہُوئی ہے کیا اُس کی تحصیل میں مسیح اور اُسکی انجیل کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہ آزمائش کا موقعہ ہے اس وقت ہندوستان کی جو مشکل کشائی کرے وُہی ہندوستان کا نجات دہندہ بن سکتا ہے۔ اس آڑے وقت میں ہندوستان کی سہائیتا کون کرے گا۔ اس کی تاریکی میں نور کون چمکائیگا۔ کیا مسیح کا یہ دعوٰی ہندوستان میں پایہ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے۔ اگر وہ عالمگیر مسیح ہے تو ہندوستان میں بھی اُس کے دُنیا میں آنے کا یہ مقصد پُورا ہونا چاہیئے "وُہ اس لئے مجھے غریبوں کو خوشخبری دینے کے لئے مسح کیا۔ اُس نے مجھے بھیجا ہے کہ قیدیوں کو رہائی اور اندھوں کو بینائی پانے کی خبر سُناؤں۔ کچلے ہُوؤں کو آزاد کروں اور خداوند کے سالِ مقبُول کی منادی کروں"۔ کیا ہندوستان کی موجودہ حالت کی یہ تصویر ہے۔ جس قدر افلاس ہندوستان میں پایا جاتا ہے شائد کسی دُوسرے ملک میں نہ ملے گا۔ اکثروں کو یہاں دو وقت کا کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ قیدیوں سے جس قدر جیل خانے یہاں پُر رہتے ہیں کسی دُوسرے ملک میں مشکل سے اُسکی

نظیر ملے گی۔ جس قدر بے علمی اور جہالت میں یہ ملک گرفتار ہے۔ جس قدر اختلاف جدائی مخاصمت اس ملک کے باشندوں کے درمیان پائی جاتی ہے کسی دیگر ملک میں نہ ملے گی۔ اچھوت اور نیچ ذاتیں جس قدر یہاں مظلوم اور ستم رسیدہ ہیں کسی دیگر ملک میں نہ ملیں گی۔ سچ بولنے۔ آزادانہ کلام کرنے اور اظہار خیالات کی جو پابندی یہاں پائی جاتی ہے اُس نے تو یہ صفات ہی اس ملک کے باشندوں میں تقریباً کالعدم کردی ہیں۔ تحصیل آزادی کی کوشش اور لوگوں کے جایز تقاضات کا خون جس قدر یہاں ہوتا ہے کسی دُوسرے ملک میں نظر نہیں آتا۔ الغرض مسیح کی جس قدر ضرورت اس ملک کو ہے شاید کسی دُوسرے ملک کو نہ ہوگی۔

آج مدبران ملک ہندو مسلم اتحاد کے لئے جان توڑ کر کوشش کررہے ہیں۔ لیکن ہنوز روز اوّل ہے۔ مصنوعی اتحاد اگر ہو بھی گیا تو وُہ تا بکے۔ حقیقی اتحاد کا راز مسیح نے منکشف کیا جس قدر انسان خدا میں اور مسیح میں قایم ہوگا اُسی قدر اُس کا اتحاد ایک دُوسرے کے ساتھ ہوگا۔ حقیقی اتحاد کی بنیاد محبت الٰہی ہے " اے عزیزو آؤ ہم ایک دوسرے سے محبت رکھیں کیونکہ محبت خدا کی طرف سے ہے اور جو کوئی محبت رکھتا ہے وُہ خدا سے پیدا ہوا ہے اور خدا کو جانتا ہے۔ جو محبت نہیں رکھتا وُہ خدا کو نہیں جانتا کیونکہ خدا محبت ہے...... محبت اس میں نہیں کہ ہم نے خدا سے محبت کی بلکہ اس میں ہے کہ اُس نے ہم سے محبت کی... اے عزیزو جب خدا نے ہم سے ایسی محبت کی تو ہم پر بھی ایک دُوسرے سے محبت کرنی فرض ہے۔ بلکہ انسانوں کی باہمی محبت کو ایسی محبت کے پہچاننے کا معیار ٹھہرایا" اگر کوئی کہے کہ مَیں خدا سے محبت رکھتا ہوں اور وُہ اپنے بھائی سے محبت نہ رکھے تو جھوٹا ہے۔ کیونکہ جو اپنے بھائی سے جسے اُس نے دیکھا ہے محبت نہیں رکھتا وُہ خدا سے بھی جسے اُس نے نہیں دیکھا محبت نہیں رکھ سکتا۔ اور ہم کو اُس کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ جو کوئی خدا سے محبت رکھتا ہے وُہ اپنے بھائی سے بھی محبت رکھے"

ہندوستان کو آزادی چاہیئے۔ مسیح اسی مقصد کی تحصیل میں اہل ہند کو کیا مدد دے سکتا ہے؟ خداوند نے حقیقی آزادی کے دو وسائل ہم پر ظاہر کئے جن پر عمل پیرا ہونے کے ذریعے انسان حقیقی طور پر آزاد ہو سکتا ہے:۔

(۱) سچائی تم کو آزاد کرے گی" اس سے پیشتر اُس نے فرمایا کہ اگر تم میرے کلام پر قایم رہو گے تو حقیقت میں میرے شاگرد ٹھیرو گے اور سچائی سے واقف ہو گے" اور ایک دوسرے

موقعہ پر اُس نے فرمایا کہ "راہ حق اور زندگی میں ہوں"۔ کیا سچائی کے بغیر ہم حقیقی آزادی حاصل کر سکتے ہیں؟ آنرا کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک است راستی موجب رضائے خداست۔ کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست۔ جب تک ہم اس حق کو اپنے دلوں میں قبول نہ کر لیں وہ سچائی ہم میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور نہ حقیقی آزادی حاصل ہو سکتی ہے۔ خواہ ملکی آزادی ہو یا کلیسیائی۔

(۲) "جہاں کہیں خداوند کی رُوح ہے وہاں آزادی ہے"۔ یہ رُوح چونکہ خود آزاد ہے اس لئے جن میں وہ سکونت کرتی ہے اُن کو بھی حقیقی آزادی عطا کرتی ہے۔

پس اہلِ ہند کو ان دونوں چیزوں کی ضرورت ہے۔ اور یہ دونوں خداوند مسیح سے مل سکتی ہیں۔ ہندوستان میں ایک اور خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ انگریزی میں اسے Demoralisation کہتے ہیں۔ اس کے لئے ہمارے ملک میں یہ مثل آئی ہے کہ کوا اپنی چال چھوڑ کر ہنس کی چال چلنے لگا تو وہ اپنی چال بھی بھول گیا۔ ایسی دُھن میں آ کر بعضوں نے نہ صرف اپنی تہذیب اپنے دیسی ناموں کو الوداع کہا بلکہ ولائیت کو بھی بدل ڈالا نہ تیتر رہے نہ بٹیر۔ دیسی ٹھوٹ خراسانی دو لتّی والا معاملہ ہو گیا۔ خداوند مسیح نے گو وہ ساری دُنیا کے لئے آیا تھا۔ اپنے قومی لباس۔ یہودی نام اور قطع وضع کو بدل نہ ڈالا۔ بلکہ قومی خواص کو تکمیل تک پہنچایا ہر قوم وملت سے یسوع یہی توقع رکھتا ہے کہ اپنے قومی خواص وصفات کو خداوند کی نذر کرے تاکہ وہ اُن کو برکت دے اور اُن کو تکمیل کے درجے تک پہنچائے۔ انگریزوں نے انگریزی خواص فرانسیسیوں نے فرانسیسی صفات۔ جرمنوں نے جرمنی خوبیوں کو مسیح کے قبول کرنے سے دُور نہیں کیا بلکہ اُن کو ترقی دی۔ ہندوستانیوں سے بھی مسیح یہی چاہتا ہے کہ وہ اپنے قومی خواص۔ صفات وخوبیوں کو قائم رکھتے ہوئے اُن کو ترقی دیں۔ قومی تجارت قومی صنعت وحرفت قومی طور طریقے قومی قطع وضع۔ الغرض جو کچھ قومی ہو اور معصوم وگناہ سے مبرا ہو اُس کو دور دفع نہ کریں بلکہ اُس کو ترقی دیں۔

رہا سوراج۔ یہ تو مسیح کے آنے کا ایک خاص بڑا مقصد تھا۔ اسی کا دوسرا نام "آسمان کی بادشاہت" یا خدا کی بادشاہت" آیا ہے۔ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آ گئی ہے"۔ بائبل میں اس سوراج کا نقشہ یہ کھینچا گیا ہے "اُس میں رونے کی آواز کبھی پھر سُنی نہ جائے گی اور نہ نالہ کرنے کی آواز۔ سو آگے کو وہاں کوئی ایسا لڑکا نہ ہو گا جو کم

عمر رہے اور نہ ایسا کوئی بوڑھا جو اپنی عمر پوری نہ کرے ..... وہ گھر بنائیں گے اور اُن میں بسیں گے۔ اور وہ تاکستان لگائینگے اور اُن کے میوے کھائینگے اور ایسا نہ ہوگا کہ وہ بنائیں اور دوسرا لیوے وہ لگائیں اور دوسرا کھائے...... انکی مشقت بے ثمر نہ ہوگی..... بھیڑیا اور بھیڑ ایک ساتھ چلیں گے اور شیر ببر بیل کی مانند گھاس کھائیگا..... وہ میرے سارے کوہِ مقدس پر دکھ نہ دینگے اور ہلاک نہ کرینگے خداوند فرماتا ہے۔ (یسعیاہ ۶۵)

کیا اہلِ ہند کی دلی تمنا کا یہ پورا اظہار نہیں یہ سوراج عطا کرنے مسیح آیا۔ اے خداوند جلد آ اور اس ہندوستان کو نئی الحقیقت بہشت نظیر بنا۔ (اسحٰق - علی بخش)

مزید اخبارات

ہمیں حال ہی میں راولپنڈی جانیکا اتفاق ہوا اور وہاں کے تقریباً سب معزز مسیحی اصحاب سے ملاقات حاصل کرنیکا فخر حاصل ہوا۔ رائے بہادر لالہ منگت رائے انکم ٹکس آفیسر اور مسز منگت رائے مسیحی جماعت میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔

کنور شمشیر سنگھ صاحب سول سرجن راولپنڈی سے تبدیل ہو کر جلندھر تشریف لائے ہیں۔ کنور صاحب جہاں جاتے ہیں آپکی لیاقت اور ہر دل عزیزی کا ہمیشہ شہرہ ہو جاتا ہے۔ آپ مسیحیوں پر خاص نظر عنایت رکھتے ہیں۔ بالنفس انکا معالجہ کرتے ہیں مسیحیوں کے لئے واقعی آپکا دم قدم باعث رفاہیت ہے۔

مسٹر بی۔ سی۔ لال صاحب۔ یو پی مشن سکول کے ہیڈ ماسٹر بڑی عمدگی سے اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں سکول دن بدن ترقی پر ہے۔ ہندو مسلمانوں میں آپکی لیاقت اور شرافت کی بہت شہرت ہے۔

مسٹر پانس لی سے ملکر ہمیں بہت خوشی ہوئی۔ آپ کالج میں ۲۳ سال سے کام کر رہے ہیں۔ انکی متبرک ذات پر ہماری قوم کو جس قدر ناز ہو کم ہے۔

مشیخت مآب بزرگ مسٹر میکولی جو ۵۰ سال مشن کی خدمت کر چکے ہیں بدستور اشاعت انجیل میں سعی بلیغ فرماتے ہیں۔

عدم گنجائش کے باعث ہم اس ماہ حساب اخراجات جلسہ کانفرنس منعقدہ ۱۵ نومبر سال رواں اور فہرست اُن صاحبان کی جنہوں نے شمولیت جلسے کا اعزاز ہمیں بخشا ہے نہ چھاپ سکے انشاء اللہ اگلے نمبر میں درج کرینگے۔ کے ایل رلیارام

نظم مولود مقدس

(زتراوشِ قلم جناب ظہور مسیح صاحب ظہورؔ از کانپور)

ـب لچک کر چمن میں ڈالی کسی کی آمد بتا رہی ہے
اور آب گوہر سے شبنم تر گلوں کے مکھڑے دھلا رہی ہے

ـیم بیت اللحم خوشی سے دلوں کے غنچے کھلا رہی ہے
مشام عالم کو نکہتِ گل مہک مہک کر بسا رہی ہے

ـل چہک چہک کر عنادلِ اپنا گلوں کو نغمہ سنا رہی ہے
روشِ روشِ پر قطار پھولوں کی اپنا جلوہ دکھا رہی ہے

ـلفتہ ہونگی دلوں کی کلیاں خزاں زمانے سے جا رہی ہے
نویدِ فرحت یہ جانفزا ہے بہارِ عالم میں آ رہی ہے

ـوا ہے مشرق میں کس کا تارا طلوع جس سے ہے ماند سورج
سرِ فلک چشمِ پیرِ گردوں چمک سے کیوں تلملا رہی ہے

ـمیں پہ اترا ہے مہرِ انور ہوا ہے بیت اللحم منور
عجب ہے چرنی کا آج منظر وہ نور سی جگمگا رہی ہے

ـحل سراؤں کے رہنے والو نگاہِ عبرت سے چل کے دیکھو
سرا میں ٹکنے کی جا نہیں ہے تو آنکھیں چرنی بچھا رہی ہے

ـلک پہ رکھتے تھے رتبہ عالی زمیں پہ پائی یہ پست حالی
یہی تو ہے اک ادا نرالی جو سب کے دل کو لبھا رہی ہے

ـمیں پہ صلح و سلامتی ہو فلک سے آواز آ رہی ہے
رضا رضا کی صدا زمیں سے بھی آسمانوں پہ جا رہی ہے

ـہ کون دل ہے جو تیری خاطر نہیں ہے بیت اللحم کی چرنی
تری ولادت کی رنگ لیاں تمام خلقت منا رہی ہے

ـری محبت کی نکہت ایسی بسی ہے اپنے مشامِ جاں میں
چمن میں جس گل کو سونگھتے ہیں تو اس میں بو تیری آ رہی ہے

ـہ کیوں ہوں شاداں مریضِ عصیاں بنا خدا خود ہے آج انساں
مٹی شریعت سے قید انساں خوشی یہی دل میں چھا رہی ہے

جہاں میں آیا شفیع عالم ہوا شریک مصیبت و غم
ظہورؔ محشر کا اب نہیں غم صدا یہ ہر سو سے آ رہی ہے

بسرپرستی انڈین کرسچن کانفرنس لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۶۸۰

مسیحی لاہور

جنوری ۱۹۲۵ء

جلد ۱ نمبر ۸

ہندوستانی مسیحیوں کا مذہبی اخلاقی علمی تمدنی ماہواری رسالہ

ایڈیٹرز (۱) مسٹر [illegible] رام صاحب ہیڈ ماسٹر
رنگ محل مشن ہائی سکول ایڈیٹر انچیف

(۲) مسٹر آئیون جیکب صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی
جائنٹ ایڈیٹر

Kahn Singh

اُردو کی نئی کتب

احادیث اہل اسلام ۔ مولفہ پادری گولڈ سیک صاحب۔ احادیث کا آغاز۔ سند و صحت۔ تالیف و تقسیم۔ احادیث و بائبل قرآن اور عقل صفحہ ۱۳۲ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۶/

الغزالی مصنفہ پادری ایس۔ ایم۔ زویمر صاحب۔ امام غزالی کی پیدائش تعلیم۔ سیاحت۔ تصانیف۔ اخلاقی تعلیم امام غزالی بحیثیت صوفی۔ اسکی تصانیف میں یسوع مسیح قابل مطالعہ تصنیف ہے۔ مع تصاویر بلاک صفحہ ۲۴۲ ۔ ۸/

آسمان کی بادشاہت مصنفہ پادری اے۔ ای۔ ڈے صاحب۔ مضمون نام سے ظاہر ہے صفحہ ۵۶ ۔ ۲/

الطریقت ۔ از پادری جے۔ ٹیکل صاحب۔ تصوف۔ باطنی طریقہ کی منزلیں کامل روحانی راہنما مسیح اور روحانی اتحاد اور مسیحی تحصیل صفحہ ۹۴ ۔ ۴/

دلچسپ اور نصیحت آموز ۱۵۰ کہانیاں ۔ بچوں کے لئے پادری عظمت صاحب کی یہ کہانیاں بہت عمدہ اور سبق آموز ہیں صفحہ ۱۱۱ ۔ ۵/

ہادی النساء ۔ مسز میری وڈ۔ ایلن صاحبہ ایم۔ ڈی کی انگریزی کتاب کا ترجمہ۔ جو جوان مستورات کیلئے جسم کی حفاظت۔ خوراک نیند تنفس تنگ لباس کے نقائص۔ ورزش غسل۔ دماغ۔ لڑکی کا سن بلوغت امراض نسوان تخلیہ کی عادات مذموم۔ سامان تفریح وغیرہ کے متعلق حقیقی راہنما ہے۔ صفحہ ۲۲۸ ۔ ۔ ۱۲/

حالات و تعلیمات مسیح ۔ مسیح کے واقعات پیدائش و لڑکپن تعلیمات معجزے دکھ اور موت قیامت و صعود صفحہ ۴۳ ۔ ۱/

حیات المسیح ۔ پادری طالب الدین صاحب مرحوم کی تالیف ہے اب دوسری بار بعد نظر ثانی آسان اردو میں شائع ہوئی ہے صفحہ ۲۴۱ ۔ ۱۲/

انسان کیا ہے؟ از پادری ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو۔ گارڈنر صاحب ابتدائے انسان اسکی فطرت اسکی پیدائش کا مقصد صفحہ ۶۰ ۔ ۲/

کرنتھی مسیحیوں کو پولوس رسول کے دوسرے خط کی تفسیر ۔ از پادری جے جے لوکس صاحب صفحہ ۳۳۶ ۔ ۷/

مسیح کی موت کے مختلف پہلو ۔ مسیح کی موت۔ زندگی کا دروازہ۔ موت تک محبت، بہادرانہ راہنمائی۔ اور موت پر غالب آنے والی موت ہے۔ مسیح کی موت کا رشتہ۔ صفحہ ۳۳ ۔ ۲/

المشتہر

سیکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

انارکلی لاہور

Sir James Ewing, D. D., LL. D.,

C. I. E.,

Sometimes

PRINCIPAL

FORMAN CHRISTIAN COLLEGE, LAHORE;

VICE-CHANCELLOR

Punjab University,

AND NOW

President, Board of

Foreigns Mission, U.S.A.

فہرست مضامین

کل خط وکتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام مسٹر کے۔ ایل رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل سکول ہونی چاہیئے + باقی خط وکتابت و ترسیل زر چندہ۔ عطیہ وغیرہ بنام مسٹر۔ ٹی۔ خان۔ بی۔ اے۔ بی ٹی۔ مسٹر رنگ محل مشن سکول لاہور آنی چاہئیں
قیمت سالانہ پیشگی معہ محصول ڈاک دو روپے آٹھ آنے (عہ/۸) ۵۰ سے کم آمدنی والوں کیلئے فقط دو روپے (عہ/) +

نئے سال کا تحفہ

از ڈاکٹر۔ آئی۔ ملو۔ ناصر لاہور

۱۔ بائیبل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں سال کے پہلے مہینے کی ایک خاص منزلت تھی۔ جس وقت اسرائیلی لوگ ملک مصر سے نکلنے کی تیاری کر رہے تھے خدا نے اُس مہینے کو اُن کے سال کا پہلا مہینہ ٹھیرایا (خروج ۱۲: ۲) اور پھر اُسی مہینے کی چودھویں تاریخ فسح کی عید منانے کے لئے مقرر کی (خروج ۱۲: ۱۸) تاکہ مصر کی غلامی سے آزاد ہونے کی یادگاری قائم کی جائے۔ اور سال بسال فسح کا برہ اُن کو یاد دلایا کرے کہ جب خدا نے ملک مصر کے پہلوٹھوں کو مارا تو برے کے خون کے نشان نے اُن کو ہلاک کرنے والے فرشتے کی تلوار سے محفوظ رکھا۔ یہ عید اُن کو ہر سال منانی پڑتی تھی۔ مگر خدا کا شکر ہو کہ ہم کو جو شیطان کی غلامی سے چھُوٹ گئے ہیں قربانی بار بار چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہمارے سردار کاہن نے ایک بار اپنے آپ کو قربان کر کے ہمیشہ کے لئے ہمارے گناہوں کا کفارہ دیدیا ہے۔ اِس لئے ہم سال کے پہلے مہینے میں خدا کے اس بے بہا فضل کے لئے اُس کا شکر کریں +

۲۔ جب شاہ حزقیاہ نے بنی اسرائیل میں اصلاح شروع کی تو اُس نے پہلے مہینے کی پہلی تاریخ کو خداوند کے گھر کے دروازوں کو کھولا اور اُن کی مرمت کی (۲ تواریخ ۲۹: ۳) یہ نوروز دل کے دروازے کھولنے کا دن ہے تاکہ یسُوع بادشاہ ہمارے دل کے اندر داخل ہو کر سال بھر بلکہ عمر بھر ہماری زندگی کا بادشاہ ہو +

۳۔ اسی نوروز پر جلاوطنی سے واپس آنے کے بعد عزرا کے زیر انتظام یہُودیوں کی ایک پنچائیت نے تجویز کیا کہ جن لوگوں نے اجنبی عورتیں بیاہ لی تھیں اُن کو چھوڑ دیا جائے اور اُنہوں نے قسم کھا کر اقرار کیا کہ ہم اپنی بیویوں کو طلاق دیں گے اور پھر اپنے گناہ کا کفارہ دیا (عزرا ۱۰: ۱۷ و ۱۸) اس نئے سال میں ہر ایک شخص اپنے دل میں ارادہ باندھ لے کہ اگر کوئی ناپاک خیال میرے دل میں ہے یا میں کسی گندی علت میں مبتلا ہوں تو میں ہمیشہ کے لئے اُس کو چھوڑ دونگا۔ اور آئندہ کے لئے شیطان کے حملوں سے بچنے کے لئے مسیح کی آڑ میں پناہ لوں گا +

۴۔ پھر جب خدا کی ہیکل مدت تک بند رہنے کے سبب سے غلیظ حالت میں تھی

تو لکھا ہے کہ کاہن خداوند کے اندرونی گھر میں اُس کے پاک کرنے کو داخل ہوئے اور وُہ ساری نجاست کو جو خداوند کی ہیکل میں مُوجود تھی باہر لائے اور اُسے اُٹھا کر قدرُون کے نالے میں ڈال دیا۔ اور پہلے مہینے کی پہلی تاریخ کو اُنہوں نے تقدیس کا کام شروع کیا (۲ تواریخ ۲۹: ۱۶ و ۱۷) یہی کام ہم کو اس نئے سال کے شروع میں کرنا ہے۔ اگر ہم نے مدت سے اپنے دل کی صفائی کی طرف توجہ نہیں کی۔ اور اپنی غفلت سے اُس میں نجاست جمع ہونے دی ہے تو آج اُس کو اچھی طرح سے پاک کر کے سارے کوڑے کرکٹ کو اُس نالے میں ڈال دیں جو کلوری پہاڑ سے نکلتا ہے۔ اگرچہ ہیکل کی صفائی سال کے شروع میں کی گئی تو بھی ضرور تھا کہ روز بروز اس کو صاف کیا جائے۔ اور گرد وغبار اُس میں جمع ہونے نہ پائے۔ یہی خیال اس نئے سال میں ہمارے سامنے رہے کہ ہمیں ایک بار پاک ہو کر غافل نہیں ہو جانا چاہیئے۔ بلکہ ہم خدا کی مدد سے اس سال میں ہر روز اپنے دل کو صاف و پاک رکھیں +

(ناصر)

کرسمس کے موسم کا شادیوں سے ایسا ہی تعلق ہو گیا ہے۔ جیسا آفتاب کو مشرق سے یا مینہ کو ساون بھادوں سے۔ بجلی کو بادل سے۔ اس دفعہ بھی اکٹھی ۴ - ۵ شادیاں ہونے والی ہیں۔ پہلی شادی راج موہنی سنگھا دختر مسٹر راجو سنگھا مرحوم کی مسٹر شودیر کمار رُدرا ایم - اے کے ساتھ جو ہمارے بزرگ پروفیسر رُدرا سابق پرنسپل دہلی سینٹ سٹیفنز کالج کے صاحبزادے ہیں۔ دُلہا میو کالج الہ آباد میں علم سیاست مدن کے لکچرار ہیں اور کیمبرج سے تعلیم پا کر آئے ہیں۔ یہ شادی ۲۶ دسمبر کو بڑی دھوم دھام سے لاہور ٹرنیٹی چرچ میں ہوگی اور مسٹر جی - سی چیٹرجی - آئی - ای - ایس کے مکان پر دعوت کا انتظام کیا گیا ہے۔ دوسری شادی ہماری قوم کے بزرگ پادری جیون مل گوجرانوالہ کی لڑکی ڈیزی کی مسٹر پی - رائے صاحب سے ہے۔ تیسری مسٹر جیمس ہمفری اور مس ریچیل لوتھر کی۔ چوتھی مسٹر جمن رتن چند ہیڈ کلرک دفتر ڈپٹی کمشنر بہادر کی شادی بٹیالے کے مسٹر سوہن لعل کی صاحبزادی کے ساتھ۔ پانچویں مسٹر نتھانیل کی مس لائل کے ساتھ +

پادری اینڈروز ٹھاکر داس صاحب کی آمد آمد ہے اور ہماری آنکھیں لگی ہوئی تھیں کہ وُہ ماہ دسمبر میں آجائینگے مگر چند وجوہات کے باعث وُہ جنوری سے پہلے روانہ نہیں ہو سکتے غالباً وُہ ماہ فروری کے آغاز میں لاہور میں رونق افروز ہوں گے +

سلسلۂ مشاہیرِ قوم

جائے اُستاد خالیست

یعنی

ہمارے بزرگ سر جیمس یوینگ صاحب کے مختصر حالاتِ زندگی

آپ امریکہ کے ایک بڑے پُرانے اور نامور خاندان سے ہیں جو اُس نئے برِّ اعظم میں بہت عزّت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اور ہمارے بزرگ نے تو اس خاندان کا شہرہ فلک الافلاک پر پہنچا دیا اور ہندوستان جنّت نشان اور اُس سلطنت میں جس پر خدا کے فضل سے سُورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ اپنے آفتابِ شہرت کو نصف النہار تک بلند کر دیا ہے۔

ان کے خاندان کے تین ساڑھے تین ہزار آدمی ایسے ہیں جن کے نام کے آخر میں لفظ یوینگ لگتا ہے۔ اسی بات سے اس خاندان کی وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جیمس ہنری یوینگ اور پادری ٹامسن۔ آر۔ یوینگ مرحوم ڈی ڈی کے نام سے امریکہ کا بچہ بچہ واقف ہے۔ سنہ ۱۷۲۰ء یعنی ٹامسن یوینگ صاحب اور ان کی اہلیہ میری ماسکل کی شادی کے وقت سے اب تک تخمیناً ایک لاکھ ساٹھ ہزار سے زیادہ اس خاندان کے شرکاء ہو گئے ہیں۔ جنہوں نے بڑی بڑی خدمات کی ہیں ہمارے بزرگ کے والد مرحوم جیمس ہنری یوینگ صاحب تھے اور آپ کی والدہ الیا نور جین رہتی تھیں۔ آپ کے ماں باپ بڑے زاہد و پارسا تھے۔ اور صبح شام کی دعاؤں میں اُن قوموں کو یاد کرتے تھے۔ جو اب تک خداوند مسیح سے ناآشنا تھیں۔ جیمس ہنری پریسبیٹیرین کلیسیا کے پاسبان تھے اور یہ آپ کی دُعاؤں ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے تین صاحبزادوں نے انجیل کی خدمت اختیار کی +

ہمارے بزرگ کا پُورا نام جیمس کار وتھرز رہی یوینگ ہے۔ آپ ۲۳ جون سنہ ۱۸۵۴ء میں ضلع آرمزسٹرانگ واقع پنسل وینیا میں پیدا ہوئے۔ چند سال تعلیم کا

کام کیا اور سالٹس برگ اکاڈمی اور واشنگٹن اور جیفرسن کالج میں تعلیم حاصل کرتے رہے ۱۸۷۶ء میں آخرالذکر کالج سے بی-اے پاس کیا- اور ۱۸۷۹ء میں ویسٹرن تھیولوجیکل کالج کے گریجوایٹ بنے- آپ کا اسی سال تقرر ہوا اور ہندوستان کی دینی خدمت بورڈ آف فارن مشنز کی طرف سے آپ کے سپرد ہوئی- اس وقت سے لیکر ۱۹۲۳ء تک آپ ہندوستان میں کام کرتے رہے- شروع شروع میں الہ آباد مین پوری اور سہارنپور میں تعینات ہوئے- ۱۸۸۸ء میں آپ لاہور میں فورمن کرسچن کالج کے پریزیڈنٹ بن کر آئے اور ۲۲ برس اس حیثیت میں کام سرانجام دیا- ۱۹۰۰ء یعنی جنگ مابین سپین اور امریکہ کے اختتام پر آپ کو بورڈ آف فارن مشنز نے چند ماہ کے لئے جزائر فلپی میں بھیجا تاکہ آپ وہاں تبلیغ کے کام کی بنیاد ڈالیں۔

۱۹۰۵ء میں ایک اعزاز غیر مترقبہ حاصل ہوا یعنی قیصر ہند کا طلائی تمغہ درجہ اوّل کا عطا- یہ ایڈورڈ ہفتم شاہنشاہِ صلح جو کی طرف سے آپ کی مختلف خدمات کے صلے میں عنایت ہوا جس سے عوام و حکام نے ان کی حسن کارکردگی کا اعتراف کیا خصوصاً جو آپ سے بحیثیت چیرمین کمیٹی برائے امداد زلزلہ زدگان ظہور میں آئی تھیں- اس سے بڑھ کر اور کوئی اعزاز ہماری گورنمنٹ کے پاس نہیں جو اُن اشخاص کو بخشا جاتا ہے جو رفاہ عام کے کام کو بخوبی سرانجام دیتے ہیں چنانچہ اس موقعہ پر ہمارے لاہور کے ایک اردو کے اخبار نے لکھا کہ ہمارے نیک دل ڈاکٹر یوینگ کے نام سے تعلق رکھنے کی وجہ سے خود اس تمغہ کی وقعت دوبالا ہوگئی ہے"۔

ہمارے بزرگ جب ۱۸۹۶ء میں چھٹی لیکر امریکہ گئے تو اُن کو وسٹر یونیورسٹی کا پریزیڈنٹ منتخب کر لیا گیا- اور کوئی ان کی جگہ ہوتا تو اس کام کو سمجھتا کہ بلی کے بھاگوں چھیکا ٹوٹا- مگر ہمارے بزرگ کی نگاہوں میں اُن کا اپنی زندگی ہندوستان کے لئے مخصوص کر دینا زیادہ قابل قدر بات تھی- اس لئے اُنہوں نے اُس بڑی تنخواہ کی جو اس عہدے پر مامور رہکر اُن کو مل سکتی تھی- ذرا پرواہ نہ کی اور جس طرح مرغ گرفتار قفس سے رہائی پاکر گلزار میں اپنے آشیان کی طرف خوش خوش آتا ہے- آپ اس کام سے اپنا پیچھا چھڑا کر امریکہ سے ہندوستان میں آگئے- جب تک آپ چھٹی پر رہے اہل امریکہ کو جگہ جگہ دورے فرما کر غیر مسیحی دنیا کی جانب ان کے فرائض سے آگاہ کرتے رہے۔

۱۹۰۰ء میں آپ کی امریکن یونیورسٹی نے آپ کو ایل-ایل-ڈی کی ڈگری عنایت کی

اور فروری ۱۹۱۱ء میں آپ کو پنجاب یونیورسٹی کا وائس چانسلر منتخب کیا گیا۔ لاہور کے مشہور و دلپسند اخبار ٹریبیون کے ۱۳ فروری ۱۹۱۱ء کے پرچے نے اس عہدے کی وقعت اور اُس عزت کی قدر اور ہر دلعزیزی پر جو ہمارے بزرگ کو ہندو اور مسلمانوں کی نگاہوں میں حاصل ہے۔ ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:"ہم صدق دل سے ہز آنر دی چانسلر اور یونیورسٹی کو یادری ڈاکٹر جے۔ سی۔ آر یوینگ صاحب ایم۔ اے۔ ڈی۔ ڈی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی کو وائس چانسلری کے لئے منتخب فرمانے پر مبارکباد دیتے ہیں۔ اور خود اپنے نئے وائس چانسلر کو نہائیت ادب سے اس تقریب پر تہنیت کہتے ہیں۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ڈاکٹر یوینگ کی نسبت جن کو اضافہ ذمہ واریوں کے ساتھ ساتھ بلاشبہ رفاہِ عام کے موقعے بھی زیادہ ملیں گے۔ یونیورسٹی دراصل مبارکبادی پانے کی زیادہ مستحق ہے۔ کیونکہ اُسے ڈاکٹر یوینگ جیسے مرتبے اور فضیلت کا آدمی دستیاب ہُوا ہے تاکہ اس کے کاروبار کو چلائے۔ ہر شخص اس امر میں کمال ہم رائے تھا کہ ایسے بڑے عہدے کا حق ڈاکٹر یوینگ ہی ادا کر سکتے ہیں اور ہمیں یہ دیکھ کر واقعی بہت خوشی ہُوئی کہ سر لوئی ڈین صاحب نے اِس موقعے پر سب کی توقع کو نہائیت عمدگی سے پُورا کر دیا۔ ہر بڑے اور شریفانہ کام کے جس میں ہندوستانیوں کی تمدنی اخلاقی اور اقتصادی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ ڈاکٹر یوینگ سچے ہادی عمدہ صلاح کار اور حقیقی رفیق ثابت ہوتے ہیں۔ اور ایسے کاموں میں بڑی ہمدردی اور پُوری پُوری امداد دیتے ہیں۔ فورمن کرسچن کالج کے سرہونے کی حیثیت سے جو کہ ایک نہائیت اعلیٰ درجے کا کالج ہے۔ ڈاکٹر یوینگ ایک عرصے دراز سے کالج کے طلبا کو جو سیکڑوں کی تعداد میں ہر سال نکلتے ہیں۔ دماغی تعلیم اور اخلاقی تربیت دیکر ایک نہائیت قابلِ قدر اور لائق یادگار کام کر رہے ہیں"۔

"طلبا ان کے بیشمار احسانات۔ اشفاق اور ان کی بہتری میں حقیقی دلچسپی لینے کی وجہ سے آنجناب کو اپنے حق میں نعمت عظیم تصور کرتے ہیں۔ ہمیں یہ کہنے میں بالکل تامل نہیں ہو سکتا کہ ڈاکٹر یوینگ کا انتخاب نہ فقط مناسب و دل پسندِ خاص و عام ہوگا بلکہ ہمیں پورا یقین ہے کہ یونیورسٹی اور پنجاب کی تعلیم کو اس سے بڑا اقرار واقعی مفاد حاصل ہوگا۔ ڈاکٹر یوینگ کے دَور دَورے اور عہدِ انتظام میں سنجیدہ اور معقول خیالات اور اظہار رائے کی ہمیشہ مناسب قدر اور لائق شنوائی ہوگی۔ اور طالب علموں کو کامل اطمینان حاصل ہوگا کہ ان کے مطالبات پر جو ان کی بہبُودی کے لئے ہوں کمال دانائی اور ہمدردی اور انصاف پسندی کے ساتھ

غور و خوض کیا جائے گا۔

ڈاکٹر یوئنگ اپنی مذکورہ بالا اور دیگر خوبیوں کے باعث متواتر چھ سال تک وائس چانسلر رہے اور جو فوائد پنجاب کو ان کے عہدِ انتظام میں پہنچے وہ ہر ایک کے دل پر نقش ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں آپ کو شہنشاہ معظم کی طرف سے نائیٹ ہڈ ملی اور سر کا خطاب پایا اگر اور یہاں رہتے تو خدا جانے مزید اعزاز کیا کیا ملتے۔ آج تک کسی پادری کو یہ خطاب میسر نہیں ہوا۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ ڈاکٹر یوئنگ کی سی شخصیت اور قابلیت کا شخص پنجاب کا مشنری دنیا میں آج تک نہیں ہوا جس نے اعلیٰ مذہبی روش رکھ کر دنیا میں ایسا معزز حصہ لیا ہو۔ دنیا و دین کا اس طرح سے دست و داماں کرنا آپ ہی کا کام تھا۔ بے شک آپ ہندوستان کے بڑے آدمیوں میں شمار ہونے کے مستحق ہیں۔ آپ اُن آدمیوں میں سے ہیں کہ جہاں چلے [?] جائیں سب کو اپنا لوہا منوائیں۔ صد را آنچہ گفتہ شنید صد است [?] کا مقولہ گویا آپ ہی کی شان میں آیا ہے۔ شیکسپیئر کا قول ہے کہ دریا آدمی کو خواہ جس سمت کو لگا دو موجیں ہی ماریگا اور بڑھتا جائیگا۔ کسی عقلمند نے کہا ہے کہ اگر نپولین ڈراما لکھتا تو شیکسپیئر ہو جاتا اور اگر شیکسپیئر پیشہ سپاہگری کی طرف رجوع کرتا تو نپولین بن جاتا۔ ہمارے بزرگ پادری یوئنگ صاحب بھی اگر سرکاری ملازمت کی طرف رُخ کرتے تو خدا رکھے کسی صوبے کے گورنر یا وائسرائے ہوتے۔ پادری رہ کر بھی جو دنیوی عزت آپ نے پائی وُہ کسی دنیاوی عہدے دار سے کم کیا نہ تھی بلکہ صدہا بار زیادہ تھی۔ لاہور میں تھے تو یونیورسٹی کے فیلو۔ وائس چانسلر۔ ممبر کمیٹی اور کیا کیا کچھ نہ رہے۔ شہر کے نظم و نسق میں وُہ حصہ لیا کہ ضرب المثل بن گیا۔ سادہ و غریبانہ زندگی عمداً بسر کرنے میں چند ایسے فوائد ہوتے ہیں جو تکلفانہ و امیرانہ زندگی کے خواب خیال میں بھی نہیں آتے۔ آپ نے اگر گورنر و حکام بالادست کے ساتھ کھانا کھایا تو غریب مسیحیوں کے ہاں بھی مہمان رہ کر پلاؤ ایران [?] نوش جان فرمایا۔ اور اس طور سے وُہ اخلاقی سبق آپ نے سیکھے جو دنیوی اعتبار سے بڑے آدمیوں کو کبھی میسر نہیں۔ اور انسان کی بڑائی اور خوش قسمتی ایسے ہی تجربات سے پیدا ہوتی ہے۔

بڑے آدمیوں کی ایک اور بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ ان کا حافظہ غضب کا ہوتا ہے۔ آپ کی یاد اس بلا کی تھی کہ اپنے پرانے سے پرانے طالب علم کا نام تک نہ بھولتے تھے۔

برسوں کے بعد بھی ان کے زمانۂ طالب علمی کے حالات اس طرح بیان کرتے تھے۔ جیسے کل کی بات ہے۔ جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو اپنے طلبا سے کیسی دلچسپی تھی +

بڑے آدمیوں میں ایک بات یہ بھی ہوتی ہے کہ گرے ہوؤں کو اُٹھایا کرتے ہیں۔ اور گرتوں کو سنبھالتے ہیں۔ آپ کی بلند نظری و فراخ دلی کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ آپ احسان کرکے کبھی نہ جتاتے تھے۔ اور نہ پُرانی خراب زندگی کی طرف کبھی بھولے سے بھی اشارہ کرتے تھے +

آپ میں بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ آپ کی رائے بڑی صائب ہوتی تھی۔ پانچ منٹ میں آدمی کو جانچ پرکھ لیتے تھے۔ اور جو رائے کسی آدمی کے چال چلن اور قابلیت کی نسبت آپ قایم کرتے تھے وہ ۹۹ فیصدی راست نکلتی تھی +

آپ ہندوستانیوں کے خیر اندیش اور بہی خواہ قوم ہونے کی وجہ سے دیسیوں کے فی الحقیقت مایۂ ناز ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ کی صحت نے اجازت نہ دی کہ آپ اور ہمارے ملک میں قیام فرماتے۔ چنانچہ ۱۹۲۲ء میں آپ امریکہ تشریف لے گئے اور وہاں پر آجکل اُسی فورن مشنز بورڈ کے پریزیڈنٹ ہیں جس نے آپ کو ہندوستان میں دینی خدمت کے لئے بھیجا تھا۔ اس عہدے پر سرفراز ہونے سے آپ چار دانگِ عالم میں معزز ہوئے ہیں۔ اس قدر دانی پر اُنہیں تو انہیں خود فورن مشنز بورڈ کو ہم صدق دل سے مُبارکباد دیتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ ان کی ذات سے بیش از پیش برسوں ہمارے ملک کو روحانی فیض پہنچے گا۔

اس مقام پر لیڈی یوینگ کا ذکر خیر کرنا بھی نہائیت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ انگریزی میں ایک ضرب المثل ہے کہ عقلمند بیوی اپنے خاوند کو بناتی ہے۔ واقعی شریف اور نیک بی بی اپنے خاوند کا مرتبہ دوبالا کرتی ہے۔ میاں بیوی ایک گاڑی کے دو پہئیے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی ناموزون ہو تو چلتی گاڑی میں روڑا اٹک جاتا ہے۔ مسز یوینگ کی لیاقت و شرافت کا زمانہ قائل ہے۔ جو کام آپ نے مسیحی اور غیر مسیحی بیبیوں میں کیا ہے۔ اس کا اعتراف کئے بغیر ہمارے بزرگ کی کامیابی کا بیان اُدھورا نہ رہ جانے کے احتمال سے ہم مختصراً ان کا حال قلمبند کرتے ہیں۔

۲۴ جون ۱۸۷۹ء میں آپ کی شادی خانہ آبادی ڈاکٹر یوینگ سے ہوئی۔ رسم شادی

مس جینی شر آرڈ صاحبہ کے والد بزرگوار پادری جان ایچ شر آرڈ صاحب نے ادا کی۔ آپ اُس وقت واشنگٹن کے زنانہ مدرسۂ علم الٰہی کی گریجوایٹ تھیں اور کچھ عرصے تک اس مدرسے میں تعلیم بھی دے چکی تھیں۔ آپ کے چھ لڑکے لڑکیاں ہوئے مگر چونکہ ان میں سے دو سے ہمارا خاص تعلق ہے۔ اس لئے انہی کا بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں آپ کی صاحبزادی مِس شر آرڈ آجکل لاہور میں ہیں۔ اور ڈاکٹر لوکس صاحب کے جو ان دنوں فورمن کرسچن کالج کے پرنسپل ہیں سلک ازدواج میں ہیں۔ آپ کے بھائی ریو یونگ حال ہی امریکہ سے ہندوستان تشریف لائے ہیں۔ اور فورمن کالج میں پروفیسر ہیں۔ یہ تینوں صاحب مسٹر اور مسنر لوکس اور ریو یونگ اپنے والد بزرگوار کی تقلید کرتے ہیں اور مہمان نوازی اور ہندوستان کی خیر خواہی کا دم بھرتے ہیں +

(ایڈیٹر)

کرسمس کے ایام میں ہماری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کا نظارہ بھی قابل دید ہوتا ہے۔ ڈپو کے ہال میں کتابیں۔ تحائف۔ کھلونے عجیب کثرت سے ہوتے ہیں اور نہایت عمدہ طرح سے سجائے جاتے ہیں۔ ہر قوم وملت کے آدمیوں کی بھیڑ صبح سے شام تک لگی رہتی ہے۔ انگریزی اور دیسی گاہک اس طرح ٹوٹتے ہیں جیسے شہد پر مکھی۔ ایک ایک دن میں دو دو ہزار کی بکری ہوتی ہے۔ یہ دوکان مسیحی انتظام کی خوش سلیقگی کا عمدہ نمونہ ہے۔ یہاں کی آرائش وزیبائش شان اور شوکت کسی لاہور کی بڑی دوکان سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہوتی ہے اور اس تمام کامیابی کا سہرا ہمارے لیڈر اور فخر قوم مسٹر ایف۔ ڈی وارث کے سر ہے جو اس بک ڈپو کے سیکرٹری ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ بک ڈپو مقروض تھی۔ مگر اب ہزاروں روپے کی آمدنی ہے۔ اور دن دُونی اور رات چوگنی ترقی پر ہے۔ حال ہی میں ایک چھاپہ خانہ بھی کھولا گیا ہے جس میں لکھائی چھپائی کا کام بہت عمدہ ہوتا ہے۔ اور لاتھو اور بیرو سنجات سے خوب کام آتا ہے +

این۔ ایم۔ ایس سیل وائی۔ ایم۔ سی۔ اے ہال میں امسال ۱۲ ماہ حال رواں کو منعقد ہوا جلسے میں بڑی رونق تھی۔ دوکانوں کی سجاوٹ قابل دید تھی۔ انتظام بڑے اعلیٰ درجے کا تھا۔ جو مسٹر اور مسنر ڈی۔ زیڈ نجم الدین صاحب کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ کینیرڈ سکول کی دُوکان اور بک ڈپو کی سٹال پر خریداروں کا ہجوم تھا۔ بکری کا منافع این۔ ایم۔ ایس کی امداد میں تبلیغ مذہب کے لئے دیا گیا +

دردکا وقت گذرا ۔ گرمی کے ایام تمام ہوُئے ۔ اور ہم نے رہائی نہیں پائی ۔ میری قوم کی
بیٹی کی شکستگی کے سبب میں شکستہ دل ہوُا ۔ مَیں کُرہتا رہتا ہوں ۔ حیرت نے مجھے گرفتار
کرلیا ۔ جلعاد میں روغنِ بلسان نہیں ۔ کیا وہاں کوئی طبیب نہیں ۔ میری قوم کی بیٹی کیوں بحال نہیں ہوتی ۔ یرمیاہ $\frac{8}{20-22}$

شاہان یہود یہویقیم اور صدقیاہ کا زمانہ نہائیت ہی تاریک زمانہ تھا ۔ ہاں سخت مُصیبت کا زمانہ تھا ۔
بُت پرستی اور بدی شریعت سے بے پروائی حد سے گذر گئی تھی ۔ شاہ سے گدا تک یکساں حال تھے ۔
جیساکہ یرمیاہ $\frac{7}{8-15}$ میں مرقوم ہے ۔ خداوند فرماتا ہے ۔
دیکھو کہ تم جھوٹی باتوں پر جو سُودمند نہیں ہوسکتیں ۔ اعتماد کرتے ہو ۔ کیاتم چوری کروگے ؟
خون کروگے ۔ زناکاری کروگے ۔ جھوٹی قسم کھاؤگے ۔ اور بعل کے آگے لوبان جلاؤگے اور غیر معبودوں
کی جنہیں تم نہیں جانتے تھے ۔ پیروی کروگے ۔ اور میرے حضور اس گھر میں جو میرے نام کا کہلاتا ہے ۔
آکے کھڑے ہوگے ۔ اور کہوگے کہ ہم نے خلاصی پائی ۔ تاہم یہ سب نفرتی کام کروگے ۔ کیا یہ گھر
جو میرے نام کا کہلاتا ہے ۔ تمہاری آنکھوں میں چوروں کی کھوہ ہے ۔ دیکھ خداوند کہتا ہے ۔ مَیں نے
یہ دیکھا ہے ۔ پس اب میرے اُس مکان میں جو سیلا میں تھا ۔ جس پر مَیں نے پہلے سے اپنے نام کو
قائم کیا تھا ۔ جاؤ اور دیکھو ۔ کہ میں نے اپنے گروہ اسرائیل کی بُرائی کے سبب اُسے کیا کیا ۔ اور
اب اسی لئے کہ تم لوگوں نے یہ سب کام کئے خداوند کہتا ہے ۔ اور مَیں نے سویرے اُٹھ کے تم کو

کہا۔ اور کہتا ہی رہا۔ پر تم نے نہ سُنا۔ اور مَیں نے تمہیں بُلایا۔ پر تم نے جواب نہ دیا۔ سو مَیں اس گھر سے جو میرے نام کا کہلاتا ہے۔ جس پر تمہارا اعتماد ہے۔ اور اس مکان سے جسے میں نے تمہیں اور تمہارے باپ دادوں کو دیا۔ وہی کروں گا۔ جو مَیں نے سیلا سے کیا ہے۔ اور مَیں تمہیں اپنے سامنے سے نکال دونگا جس طرح سے میں نے تمہاری ساری برادری افرائیم کی کل نسل کو نکال دیا ہے۔

کلیسیا کی یہ حالت دیکھ کر یرمیاہ آہ و نالہ کرتا ہے کیونکہ اُس کی آنکھیں کُھلی تھیں۔ اُن بدکاریوں کے سبب جو مصیبت قوم پر آنے والی تھی۔ پیش بینی سے دیکھتا ہے۔ وُہ دیکھتا ہے کہ کس طرح اس شہر اور اس قوم کو تباہ و برباد کرنے کے واسطے بابل کی فوجیں آ رہی ہیں۔ اُس کے گھوڑوں کے فراٹے کی آوازوں سے سُنی جاتی ہے۔ اُس کے بھاری بدن والے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سے تمام زمین کانپ گئی۔ وُہ آئے اور زمین کو اور سب کچھ جو اُس میں ہے اور شہر کو بھی اُس کے باشندوں سمیت سب کچھ نگل جاتے۔ یرمیاہ ۸/۱۶ یرمیاہ قوم پرست تھا۔ قوم کی ہمدردی میں ایسا مِٹا ہُوا تھا۔ کہتا ہے اے کاش میرا سر پانی ہوتا۔ اور میری آنکھیں آنسوؤں کا سوتا۔ تب مَیں اپنی قوم کی بیٹی کے مقتولوں پر دن رات روتا ۹/۱ جو دکھ جو مُصیبتیں قوم پر آنے والی ہیں۔ گناہوں اور بغاوتوں کے سبب وُہ اُن کو دیکھنا نہیں چاہتا۔ آہ اُس مردِ خدا کی جان کیسی مُصیبت میں ہے۔ کہتا ہے کاش کہ میرے لئے بیابانوں میں مسافروں کے رہنے کا مکان ہوتا۔ تو مَیں اپنی قوم کو چھوڑ دیتا اور ان میں سے نکل جاتا ۹/۲ کیونکہ مجھ سے ان کا دُکھ دیکھا نہیں جاتا۔

عبرت کے واسطے اُن کو سیلا کی بربادی کا نقشہ دکھایا جاتا ہے۔ پس میرے اُس مکان میں جو سیلا میں تھا۔ جس پر میں نے پہلے اپنے نام کو قائم کیا تھا۔ جاؤ اور دیکھو۔ کہ میں نے اپنے گروہ اسرائیل کی بُرائی کے سبب کیا کیا۔ . . . اِس مکان سے بھی میں وُہی کروں گا۔ جو میں نے سیلا سے کیا۔ میں تمہیں اپنے سامنے سے نکال دونگا۔ جس طرح سے میں نے تمہاری ساری برادری اور قوم کی کل نسل سے کیا۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے ایسے عبرت ناک واقعات ہو چکے تھے۔ تب بھی یہوداہ نے عبرت حاصل نہ کی۔ بدیوں سے باز نہ آئے۔ اُن کی ایسی بے پروائی اور گردن کشی کے سبب خداوند یرمیاہ سے فرماتا ہے۔ تو اس قوم کے واسطے دُعا مت مانگ اور اُن کے واسطے آواز بلند مت کر اور نہ منت کر اور مجھ سے شفاعت نہ کر۔ مَیں تیری نہ سُنوں گا۔ آہ یرمیاہ جیسے مردِ دعا اور قوم پر مر مٹنے والے شخص کے واسطے یہ پیغام کیسا دکھ اور نا امیدی کا پیغام ہے۔ خداوند فرماتا ہے کہ میں تیری نہ سنوں گا۔ کلیسیا کی حالت جب اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ تو خادمانِ دین جو

یرمیاہ کی رُوح کے ہوتے ہیں۔ واقعی بڑی مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اُن کی جان ضیق میں ہوتی ہے۔ ایک طرح وُہ اپنی جان سے تنگ آجاتے ہیں۔

یرمیاہ کہتا ہے۔ درو کا وقت گذر گیا۔ موسم بہار آیا اور ختم ہُوا۔ جاڑے میں ہم اُمید کرتے ہیں۔ کہ بہار آتے ہی ہم مخلصی پا ئینگے۔ مگر آہ اب کے بھی دن بہار کے یونہی گذر گئے۔ کیا یہی حالت ہماری نہیں۔ روز روز بہتر دنوں کی انتظار کرتے ہیں۔ کنونشین اور ریوائیول میٹنگز ہوتی ہیں۔ مگر حالت کیا ہے ؟ ہر روز تیز تر مرے بیتم والا معاملہ ہے۔ مجھے ایک مسیحی بھائی نے لکھا کہ جتنی زیادہ کنونشین ہوتی ہیں اُتنی ہی زیادہ بدی اور مادہ پرستی بڑھتی جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آسمان کے دروازے بند ہیں۔ مخلصی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ جس طرح ملکی اور سیاسی معاملات اُلجھن میں پڑے ہیں۔ کلیسیا کی حالت اُس سے بھی بدتر اُلجھنوں میں پھنسی ہُوئی ہے۔ مذہب اور دین یورپ میں برائے نام تھا۔ مگر اب وُہ بھی جاتا نظر آتا ہے۔ اُسی کی پیروی ہندوستان کی کلیسیا بھی کر رہی ہے۔ مغرب میں مسیحیت اب برائے نام ہے۔ مسیح کی اعجازی پیدائش۔ معجزات۔ جسم کی قیامت۔ عروج سما صرف وہم وخیال ہو رہا ہے۔ کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ کوئی نہ کوئی مصیبت کلیسیا پر ضرور آنے والی ہے۔ کیا کلیسیا میں کوئی یرمیاہ نہیں جو سفارشی دُعائیں کرے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے سسیلا کی طرح بلجیم کے عالیشان سر بفلک گرجے خاک میں مل گئے۔ افرائیم کی طرح بلجیم۔ پولنڈ۔ سرویا برباد ہو گئے۔ ہماری آنکھیں نہ کُھلیں۔ کلیسیا کو عبرت نہ آئی۔ بلکہ اور بھی سخت دل ہو گئی۔ اور خداوند سے باغی۔ وہی بے پروائی۔ وہی ناچ رنگ۔ وہی عیش وعشرت۔ اتوار کو گرجے خالی۔ جنگل میں منگل منائے جاتے ہیں۔ کیا وُہ زمانہ آگیا ہے کہ بے دینی کے بڑھ جانے سے بہتوں کی محبت ٹھنڈی ہو جائے گی۔ کیا ابن آدم زمین پر آکے ایمان پائیگا۔ خود غرضی کا زمانہ ہے۔ خود انکاری کی زندگی مفقود۔ محبت عنقا۔ خدا کے گھر کا شوق ندارد۔ کال۔ مری۔ بھونچال سیلاب۔ قوموں کی بے چینی۔ آپس میں مار دھاڑ۔ خداوند فرماتا ہے۔ کہ اگر تم بھی توبہ نہ کرو۔ تو سب اسی طرح ہلاک ہو گے۔

یرمیاہ حیران ہے۔ کہ کیوں میری قوم کی بیٹی شفا نہیں پاتی۔ حالانکہ جلعاد میں روغن بلسان موجود ہے۔ اس روغن سے ہر قسم کے زخم اور گھاؤ درست ہو جاتے ہیں۔ کیا کوئی حکیم نہیں۔ جو مرض کی تشخیص کرے۔ کیا اس وقت کلیسیا کے درمیان کوئی علاج کرنے والا نہیں۔ ہاں ہیں تو بہت جیسے کلیسیا یہود میں یرمیاہ اور دیگر انبیاء تھے۔ اور روغن بلسان بھی موجود ہے۔

مگر جس طرح یہود سخت دل اور دُنیا پرست ہو رہے تھے - وہی حال آج مسیحی کلیسیا کا ہے - مرض ظاہر ہے - روغن بلسان خداوند یسوع کا خون موجود ہے - مگر بے پروائی اور دُنیا کی محبت توبہ کی طرف مائل ہونے نہیں دیتی - جب یہ صُورت ہے - تو صحت کیسے ہو - موسم آتا ہے - کونشن ہوتی ہیں - مگر نتیجہ وہی - ابکے بھی دن بہار کے یونہی گذر گئے -

سنہ ۱۹۲۴ء میں کیسے کیسے عبرت ناک واقعات دُنیا میں گذرے ہیں - مگر ہماری سخت دلی میں کوئی فرق نہیں آیا - کسی تنبیہ کی تاثیر ہم پر نہیں ہوئی - یہی وجہ ہے کہ ہماری دعائیں بے تاثیر ہیں - ہماری سخت دلی کی وجہ سے خدا اپنے بندوں کی نہیں سنتا - کیا ہماری حالت اُس درجہ تک پہنچ گئی ہے - کہ اس قوم کے واسطے دُعا مت مانگ - آہ یہ تو نہایت ہی مُصیبت و دُکھ و ناامیدی کا پیغام ہے - خدا نہ کرے - کہ یہ پیغام ہمارے واسطے ہو اور بابل کا کوڑا ہم پر آکر پڑے - اور ہم برباد ہو جائیں - بے شک خدا صابر ہے - اور صبر کرتا ہے - مگر ہر حال میں وُہ معاف نہ کرے گا - لیکن ایسا نہ ہو - کہ ہمارا پیمانہ لبریز ہو جائے - اور یہ پیغام یرمیاہ کی معرفت ہم کو ملے +

خداوند نے مجھے فرمایا - کہ اس قوم کے واسطے دعا مت مانگ - کہ اُن کی خیر ہو کیونکہ جب وُہ روزہ رکھیں - میں اُن کا نالہ نہ سُنوں گا - اور جب وُہ سوختنی قربانیاں اور ہدیئے گذرانیں - میں قبول نہ کروں گا - بلکہ تلوار - کال اور وبا سے اُنہیں ہلاک کرونگا ۱۴/۱۱ و ۱۲ +

پیارے مسیحی ناظرین سنہ ۱۹۲۴ء گذر گیا - اب سنہ ۱۹۲۵ء کا آغاز ہے - کیا شخصی طور پر ہم میں سے ہر ایک کہہ سکتا ہے - کہ اے خدا تیرا شکر ہو کہ تو نے مجھے نجات بخشی - اور میں نے اپنی زندگی میں موسم بہار کی خوشیاں دیکھیں - ممکن ہے کہ ہم میں بہت سے ایسے بھی ہوں - جو دست تاسف ملتے ہُوئے - سنہ ۱۹۲۴ء کو یاد کرتے ہُوئے یہ کہہ رہے ہونگے

اب کے بھی دن بہار کے یونہی گذر گئے

راقم واعظ

نوٹ - ہم اب کے نمبر میں جناب پادری رحمت مسیح صاحب واعظ اور تحصیلدار صاحب مسٹر جلال الدین عنبر کے دلچسپ مضامین ہدیہ ناظرین کرتے ہیں - افسوس کہ ہر دو مضامین اُس وقت ہمیں ملے کہ کرسمس نمبر کا مضمون پُورا ہو چکا تھا - لیکن چونکہ تحفۂ بارگاہ مسیحی ہیں - ہماری مجال نہیں کہ نور وز کے نمبر میں اُن کو جگہ نہ دیں +

(ایڈیٹر)

مسیح خداوند

(سوغاتِ جناب پادری رحمت مسیح صاحب واعظ)

ناظرین مسیحی کو میلاد مبارک مبارک ہو۔ سلامتی کا خدا مبارک ہو جس نے ہم کو پھر اس مبارک دن کی خوشی دکھائی۔ آج ہم اپنے مولائے کریم غفور الرحیم ربنا المسیح کے جنم کی خوشی منا رہے ہیں۔ فرشتے بھی ہمارے ساتھ شادمان ہیں۔ وہ بھی اپنا جلوہ دکھا رہے ہیں۔ آسمان سے نازل ہو کر خوشی کے نغمے سُنا رہے ہیں۔ کہ آج داؤد کے شہر میں تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہؤا ہے۔ وہ مسیح خداوند ہے۔ وہ گناہگاروں کا منجی ہے۔ فرشتے اُسے خداوند کہتے ہیں۔ لاریب وہ آسمانوں اور زمینوں کا منجی ہے۔ نہ صرف منجی بلکہ خداوند ہے۔ ہاں وہ عالمین کا خداوند ہے۔ ہم اس لئے خوشی منا رہے ہیں۔ کہ وہ ہمارا نجات دہندہ ہے۔ اور ہم مانتے ہیں۔ کہ باپ نے بیٹے کو بھیجا۔ کہ گناہگاروں کو نجات دے۔ ہم اُس سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ بلکہ کر چکے ہیں۔ ہم میں سے بہتوں نے گناہوں کی معافی حاصل کر کے اپنے تجربہ سے معلوم کر لیا ہے۔ کہ وہ منجی ہے۔ لیکن کیا ہم نے اُس کو اپنا خداوند بھی مانا ہے۔ یہ ممکن ہے اور سچ بھی ہے کہ ہم نے اُسے منجی مانا ہے۔ لیکن کیا ہم اُسے اپنا خداوند بھی مانتے ہیں۔ فرشتے کہہ رہے ہیں۔ کہ وہ مسیح خداوند ہے۔ کیا ہم نے بھی اُسے خداوند مانا ہے۔ کیونکہ ہر ایک بچانے والا خداوند نہیں ہو سکتا۔

ذکر ہے کہ ایک شہزادہ اپنے غلام کے ساتھ دریا کے کنارے سیر کر رہا تھا۔ اتفاقاً شہزادہ کا پاؤں پھسل گیا۔ اور وہ دریا میں گر کر غوطے کھانے لگا۔ غلام فوراً دریا میں کُود گیا۔ اور شہزادہ کو پکڑ لیا۔ اور سلامتی سے کنارے پر لے آیا۔ شہزادے کی جان بچ گئی۔ اب ظاہر ہے کہ غلام شہزادہ کا بچانیوالا تو ہؤا۔ مگر اُس کا آقا اور خداوند نہیں بن گیا۔ نہ شہزادہ اُس کو اپنا آقا مانتا ہے۔ غلام کا مشکور رہے۔ وہ غلام غلام ہی ہے۔ اور شہزادہ آقا ہے۔ یونہی یہ سچ ہے۔ کہ موت کے سمندر میں جب ہم گر گئے۔ تو مسیح نے غوطہ مار کر ہم کو نکالا۔ ہم کو بچایا۔ اب وہ ہمارا منجی ہے۔ بچانے والا ہے۔ ہم اُس کے شکرگذار ہیں۔ کیا ہر ایک مسیحی جو بچ گیا ہے۔ اور اپنے منجی کا شکرگذار ہے۔ وہ اُس کو اپنا آقا اور خداوند بھی مانتا ہے۔ اب میرا ناظرین مسیحی سے سوال ہے۔

(۱) کلیسیا کا پاسٹر بھیڑوں کا چرواہا ہے۔ بھیڑیں خداوند کی ہیں۔ پاسٹر کو بھیڑوں کی خدمت سپرد

ہے۔ کہ بھیڑوں کو وقت پر کھانا پانی دے۔ پاسٹر مالک نہیں۔ وہ صرف نوکر ہے۔ بھیڑیں خداوند کی ہیں۔ کیا پاسٹر نے مسیح کو اپنا اور بھیڑوں کا خداوند مانا ہوا ہے۔ وہ بھیڑوں پر خداوندی کرتا ہے۔ یا خدمت کرتا ہے۔

(۲) کیا مشنری نے مسیح کو خداوند مانا ہے۔ یا خود خداوند بنا ہے۔ اگر غلام آقا کے سر چڑھے۔ کہ چونکہ میں نے تم کو غرق ہونے سے بچایا ہے۔ اس لئے میں تیرا آقا ہوں۔ غلام نالائق سمجھا جائیگا۔ ہم نالائق تو نہیں۔ کہ خود خداوند کی جگہ لے بیٹھے ہیں۔ خداوند فرماتا ہے۔ کہ میں تمہارے درمیان خدمتگار کی مانند رہا۔ تم مجھے خداوند اور اُستاد کہتے ہو۔ ٹھیک کہتے ہو۔ کیونکہ میں خداوند ہوں۔ کس طرح مشنری خدمت ہو رہی ہے۔ کیا ہم اپنے خداوند کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ تم آپس میں بھائی ہو۔ مدراس میں مسٹر انڈروز نے گرجا میں وعظ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ "خداوند مسیح اور رسول پولُس نے فرمایا ہے۔ کہ تم سب بھائی ہو۔ کالے اور گورے کا کوئی فرق نہیں۔ مگر آج کیا حال ہے مغرب میں کالے اور گوروں کے الگ الگ گرجے بنائے گئے ہیں۔ افریقہ کا کوئی باشندہ گورے لوگوں کے گرجا میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ جنوبی افریقہ میں یہ قانون ہو گیا ہے۔ کہ سلطنت اور گرجے گھروں میں مساوات روا رکھی نہیں جاسکتی۔ وہاں تفریق نسل و رنگ عام ہے۔ امریکہ میں ریاستی ٹکس اور دیگر مقامات میں نسلی منافرت عیسائیوں میں عام پائی جاتی ہے۔ آپنے فرمایا۔ کہ ۱۹۱۳ء میں جب میں ڈربن میں تھا تو مہاتما گاندھی میرا اُپدیش سُننے کو آئے۔ لیکن اُن کو گرجے سے نکال دیا گیا۔ کیونکہ وہ ایشیائی تھا۔ اگر خداوند یسوع خود بھی وہاں تشریف لیجاتے تو ایشیائی ہونے کی وجہ سے گرجے سے نکال دیئے جاتے"........ الخ کیا ایسے لوگ خداوند کے گھر میں بجائے خادم کے خداوندی نہیں کرتے۔ ہاں ایسے لوگ (اگر کہیں ہیں) تو مسیح کو منجی تو ضرور مانتے ہیں۔ مگر خداوند نہیں مانتے۔

(۳) کیا ہمارے مسیحی بورڈنگ سکولوں میں مسیح کو آقا مانا جاتا ہے۔ کیا مسیح سکولوں میں خداوند ہے۔ مسیح کی بادشاہی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کیا ہمارے بچوں کے سامنے مسیح پیش کیا جاتا ہے۔ اور مسیح کے قانون (انجیل) کے مطابق وہاں کاروبار ہوتے۔ اور یکساں سلوک کیا جاتا ہے۔

(۴) کیا ہمارے گھروں میں مسیح خداوند ہے۔ یہ سچ ہے۔ کہ قریباً ہر ایک تعلیم یافتہ گھر میں ہر ایک کھانے کی میز کے اوپر ایک خوشنما سنہرا کارڈ بورڈ لٹکا رہتا ہے۔ جس پر لکھا ہے۔ کہ کرایسٹ از دی ہیڈ آف دِس ہاؤس۔ اَن سین گسٹ سائیلنٹ لسنر لیکن کھانے کی میز پر جب ٹیبل ٹاک ہوتی ہے۔ ہم اس بات کا خیال رکھتے ہیں؟ کہ ہمارے ساتھ ہمارا آقا کھانے بیٹھا ہے۔ وہ ہماری گفتگو سُنتا ہے

وہ اس گھر کا مالک ہے۔ ذرا سمجھ سوچ کر گفتگو کریں۔ کسی کی حقارت اور غیبت نہ کریں۔ کیا یہ کارڈ بورڈ صرف نمائشی نہیں۔ کیا یہ باتیں ظاہر نہیں کرتیں۔ کہ مسیح منجی تو ہے۔ مگر خداوند نہیں۔

(۵) اب عام طور پر مسیح کو خداوند مانتے ہوئے میرے چند سوالات ہیں۔ ہر ایک مسیحی کا ناظرا اپنے دل میں غور کر کے خداوند کو جواب دے۔

الف۔ کیا میں نے اُس کے احکام کی تعمیل کی ہے۔ کیا مَیں اُسے خداوند جان کر اُس کا خوف رکھتا ہوں۔ اُس سے محبت کرتا ہوں؟ ب اُس کا فرمان ہے۔ اگر تم مجھے پیار کرتے ہو۔ تو میرے حکموں پر عمل کرو۔ اپنے دشمنوں کو پیار کرو۔ کیا میں نے ایسا کیا ہے؟ ج۔ کیا دشمنوں کو پیار کرنے کے بجائے اپنے بھائیوں کو ذلیل تو نہیں کیا؟ کیا وہ مجھ سے خوش ہے؟ میرا دل تو مجھے ملامت نہیں کرتا؟ د بدلہ لینے کی کوشش تو نہیں کی۔ کیا غریبوں محتاجوں کے ساتھ میں نے خوش سلوکی کی ہے؟ کیا مَیں آج فرشتوں کے ہم زبان ہو کر خوشی کرتے ہوئے اس گیت کو گا سکتا ہوں۔ کہ آج میرے لئے داؤد کے شہر میں ایک نجات دینے والا پیدا ہُوا۔ وہ مسیح خداوند ہے۔ ہاں وہ میرا خداوند ہے میرا مالک ہے۔ میرا آقا ہے۔ میرا سب کچھ اُس کا ہے۔

یاد رہے۔ کہ اگر مَیں اُسے خداوند نہیں مانتا۔ تو وُہ میرا منجی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وُہ منجی خداوند ہے۔ جب وُہ خداوند ہے تو میرے جسم کا۔ میری جان کا۔ میرے مال کا۔ میرے گھر کا ہاں وُہ میری مرضی کا بھی خداوند ہے۔

اگر ایسا ہی مَیں اُس کو مانتا ہوں۔ اور میری روزانہ زندگی سے اُس کی خداوندی کا اظہار ہوتا ہے۔ تب تو خوشی بجا ہے۔ ورنہ صرف ایک رسم ہے۔ جس کو ہر سال ظاہرداری کے طور پر پُورا کیا جاتا ہے۔ ؎

پُھپا ہُوا ہے دیکھو وُہ منجی جہان کا
مالک ہے اور آقا زمین و زمان کا

راقم واعظ

افسوس کہ اس ہفتے میں مسز ایل زوجہ پادری اُپل صاحب انبالہ کا انتقال ۵۹ برس کی عمر میں ہو گیا۔ قوم کو سچی ہمدردی پادری اُپل اور مرحومہ کے پسماندگان سے ہے۔ مسیحی بھی تعزیت کرتا ہے۔

خیالات برائے کرسمس ۱۹۲۴ء

سوغات فرستادہ جناب چودھری جلال الدین صاحب عنبر بی۔ اے تحصیلدار

چونکہ انسانی رُوح زمینی زندگی میں خاکی بدن سے وابستہ ہے اور مذہب کا کام ہے۔ کہ بیرُونی رسُومات اور اثرات کے ذریعے بدن اور رُوح کی صفائی اور تنویر ہو۔ اِس لئے عیدوں اور دیگر رسمیات مذہبی کا تقرر ترقیاتِ عالم مذہبی اور رُوحانی میں ضروری ہے۔ یہ نہایت اچھا ہے کہ ایسے وسائل فضل ہم اپنی بہتری کے لئے استعمال کریں۔ بایں ہمہ ہمیں یاد رکھنا چاہئیے۔ کہ جہاں ایسی بیرونیات ہماری صحتِ مذہبی کے لئے مفید ہیں۔ وہاں مذہبی تخیل بھی جس کا کہ براہِ راست تعلق ہماری عقل اور رُوح سے ہے۔ ضروری ہے۔ پس مناسب ہے کہ ہم اپنے خداوند کی پہلی آمد کے معنی اور مطلب کے احساس اور فہمید میں ایسا غور کریں کہ اُس سے ہماری آئندہ زندگی متاثر ہو۔ تب عید تولد ہمارے لئے حقیقی عید تولد ہوگی۔ خداوند کی آمد کا مطلب تب پُورا ہوگا۔ جب اُس کے ایک جنم سے ہزارہا دُوسرے جنم ہوں۔

(ج ۔ د ۔ ع)

متی دس باب ۲۳ آیت

تم اسرائیل کے تمام شہروں میں نہ پہنچ چکے ہو گے۔ کہ ابن آدم آچکے گا۔

خداوند یسُوع مسیح کی پہلی آمد یہودیوں کے لئے ہُوئی۔ مسیح مُوعود داؤد کا بیٹا کنواری مریم سے بیت اللحم میں پیدا ہُوا۔ اُس کا ختنہ ہُوا۔ اور سب باتوں میں اُس نے شریعت کی متابعت کی۔ لیکن اس آمد کی بابت بھی اُس کے اپنے زمانے میں لوگوں کو پُورا یقین نہ ہُوا۔ شاگردوں کا سوال جب اُنہوں نے کہا کہ تیرے آنے کا کیا نشان ہوگا؟ یوحنّا بپتسمہ دینے والے کا سوال کہ کیا جو آنے والا تھا تو ہی ہے؟ اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔ شاگردوں پر یا دوسروں پر یہ امر پُورے طور پر واضح نہ ہُوا کہ مسیح مُوعود واقعی آچکا ہے۔ جس طرح یہودی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں۔ کہ وُہ کسی دُوسری قوم میں شامل ہو۔ اسی بنا پر مسیح خداوند نے بھی اس امر کا اعلان کیا۔ کہ میں (موجودہ جسم میں) اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس بھیجا نہیں گیا۔ تو بھی وُہ ہمیشہ کی زندگی

کا کلام سناتا رہا۔ اور اُس کی محبت تمام بنی نوع انسان کے لئے رہی۔ اور بحیثیت ابن آدم ہونے کے بقول رسُول پولُوس جُدائی کی درمیانی دیوار کو توڑنے اور غیر قوموں کے مخالف احکام کے مٹانے کی فکر میں رہا۔ جس کی تکمیل کے لئے اُس نے محسُوس کیا کہ میرے لئے ضروری ہے کہ میں بحیثیت ایک یہودی کے مر جاؤں۔ تاکہ کل آدمیوں کو اپنی طرف کھینچ لاؤں۔ کیونکہ یہودیت اور اُس کی شریعت کی پابندیوں کا زور جسم پر ہی ہو سکتا تھا۔ اس طرح بحیثیت مسیح موعود کے اُس کی تردید اور جسم کو مارنے کے لئے اُس کی تصلیب اُس کی آمد بحیثیت ابنِ آدم کے ایک پیش خیمہ تھی۔ اپنی موت سے پیشتر اُس نے اپنی آمد کی نسبت ظاہر کیا کہ وُہ یقینی ہے۔ اور کہ وُہ اُس کے سامعین میں سے بعضوں کی حین حیات میں واقع ہو گی۔ جیسا کہ ہماری سُرخی کی آیت سے ثابت ہے۔ کیا مسیح نے یہ غلط بیانی کی تھی؟ نہیں بوقت صعود مسیح اس دیدنی عالم سے علیحدہ ہُوا اور بوقت نزولِ رُوح القدس وُہ دُنیا میں رُوحانی صُورت میں یعنی ایک زندہ اور جدید طریقے پر دُنیا میں آیا۔ اس رُوحانی آمد سے پہلے ضروری تھا کہ وُہ جلال پائے جس کا مطلب یہ تھا کہ یسُوع کی انسانی رُوح رُوح القدس میں اُٹھالی جاوے۔ یعنی انسانیت کو الوہیت اپنے میں لے لیو اس طریق پر ابنِ آدم دُنیا میں آیا۔ ایسے بدن میں جس پر مَوت کا زور کارگر نہ ہو سکے اور جس میں ہو کر وُہ ایک ہی وقت میں ہزارہا جگہ میں کام کر سکے۔ جب تک رُوح القدس کے نزول کے ذریعے اُس کی آمد نہ ہوئی۔ تب تک اُس کی انجیل کی منادی کا آغاز نہ ہُوا۔ اس آمد کی تاریخ سے اُس کے نام لیوا دُنیا میں اُس کا پیغام لیکر گئے۔ یہ حقائق ہیں جو آج کے دن ہمارے زیرِ غور ہونے چاہئیں۔ ایسے حقائق ہماری خوراک بننے چاہئیں۔ چاہیئے کہ ہم ان کو مقیم کریں۔ تاکہ اُن سے خداوند یسُوع کے تجسّم کے پورے فوائد حاصل ہوں۔ رُوح القدس کے ذریعے خداوند یسُوع کنواری مریم کے پیٹ میں پڑا۔ اور آدمی بنا۔ یہودیوں کا مسیح موعود اُن کے درمیان شب و روز پھرتا رہا وُہ اپنوں کے پاس آیا۔ اور اپنوں نے اُسے رد کیا۔ پس صلیبی موت کے ذریعے وُہ یہودی جسم کی قیود سے منقطع ہو کر بذریعہ صعود تجلیل حاصل کر کے پھر اسی آمد کے سلسلے میں بذریعہ رُوح القدس بحیثیت ابنِ آدم کے رُوحانی طور پر کل بنی نوع انسان کے لئے اپنی کلیسیا میں مجسّم ہُوا۔ گو دُنیا اُس کو نہیں دیکھتی لیکن ہم اُس کو دیکھتے ہیں۔ ہمارے ایمان کی تکمیل ہما۔ تجربہ عید [illegible] کا لُب لُباب یہ ہے۔ کہ مسیح خداوند رُوح القدس کے ذریعے ہم میں مجسّم ہو۔ وُہ ہم [illegible] ہمارے گھروں میں ہماری کلیسیاؤں میں نظر آئے۔ اور اُس کا اثر ساری دُنیا میں پھیلے۔ اور وہ اُس کو

دیکھے تب ہماری پاکیزگی اور خوشی کی تکمیل ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ مسیح کی آمد بذریعہ تولد ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں۔ کہ رُوح القدس کے ذریعہ اُس کا ہمارے درمیان رہنا ایک روزمرہ کا یقینی واقعہ ہے۔ اُس نے کہا کہ اگر میں نہ جاؤں تو رُوح القدس تمہارے پاس نہ آئیگا میں جاتا ہوں تاکہ تمہارے پاس آؤں۔ میں مرئی احساسات کے دائرے سے باہر جاتا ہوں تاکہ رُوح القدس کے راستے سے تمہارے پاس آؤں۔ کیا آج ہمارے درمیان مسیح ہے۔ کیا آج ابن آدم ہمارے ساتھ کھاتا پیتا۔ بیٹھتا اُٹھتا۔ چلتا پھرتا اور سوتا ہے۔ اس کی تصدیق اسی ایک بات سے ہو سکتی ہے۔ کہ کیا رُوح القدس کی حضوری ہمارے درمیان ہے یا نہیں۔ پس آؤ۔ ہم اس عید تولد پر یہ برکت حاصل کریں کہ ہم اُس سے کوئی تحفہ مانگیں۔ تو کیا وُہ ہمیں رُوح القدس عطا نہ کرے گا؟

جلال الدین عنبر

---

۱۸ دسمبر کو پریزیڈنٹ پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس نے حضور گورنر بہادر سے گورنمنٹ ہوس میں شرف ملاقات حاصل کیا۔ گورنر موصوف آدھ گھنٹے تک باتیں کرتے رہے اور جلسے کی نسبت آپ نے اظہار خوشنودی فرمایا اور عیسائی قوم کی مشکلات اور دقتوں کو بغور سُنا۔ پریزیڈنٹ کانفرنس عنقریب ایک نئی تجویز بابت خرید اراضی گورنمنٹ اور مسیحی قوم کے روبرو پیش کریں گے آجکل وُہ اس تجویز کے متعلق بہت غور و خوض فرما رہے ہیں اور بڑی جانفشانی اور تن دہی سے اس معاملے میں کوشش کر رہے ہیں۔ اگر قوم کے افراد بھی اس امر میں کوشش کرینگے تو کامیابی کی بڑی اُمید ہے۔ اور پھر لوگوں خصوصاً گاؤں کے مسیحی زراعت پیشہ لوگوں کی بہت بہتری ہوگی۔ ہمارے نمائندے جناب مسٹر ای میاداس صاحب ایم۔ ایل۔ سی نے بھی بتاریخ ۱۶ دسمبر لاٹ صاحب سے اسی غرض سے نیاز حاصل کیا۔ اور دیہاتی مسیحیوں کی تکالیف کا دل کھول کر بیان کیا۔ گورنر بہادر نے بہت ہمدردی ظاہر کی۔ اور دوران گفتگو میں فرمایا کہ مسیحی زراعتی کام سے واقف ہی نہیں۔ بلکہ بہت اچھے مزارع ہیں۔ اور جب کوئی مجھ سے پُوچھتا ہے کہ کس قسم کے آدمیوں کو مزارع بناؤں میں بے تامل صلاح دیتا ہوں کہ مسیحیوں کو۔ یہ الفاظ گورنر بہادر کی ہمارے دل بڑھانے کو کافی ہے۔ اور امید ہے کہ اس کو ہم پنجاب کی ضرب المثل بنانے کی کوشش کریں گے۔

کافی

نتیجۂ فکر مسٹر جاشو افضل الدین صاحب۔

رتا جی میں اوگنہاری

مہر کریں رب سچے سائیاں   وچ درگاہے دیواں دوہائیاں

بن عملاں میں ہاری

پریم پیا سنگ لا کے بھلی   جھال عشق دی میں نہ جھلی

روواں وچ خواری

مان کتا من ماندی ہوئی   نام گیا ہن لاہی لوئی ٹو

ہوئی بہت خواری

چھڈ سہیلیاں سب ٹھ گیاں   وچ بیلے میں کھمل ہوئیاں

روندی کونج دیاری

جے ماسے اج رانجھا ہوندا   وچ پردے ڈکھ نہ پوندا

مشکل کیڈی ساری

ایس رانجھے دے کیہہ گن گاواں   بن جوگن میں بھیس لواواں

تد جوگی تھوں واری

دیکھ ماسے توں منہ لکایا   بجھ میتوں توں ڈولی پایا

مرساں برہوں ماڑی

ہفتہ عشرہ ہوا مسز پرائس ملو مہربان مسٹر جون پرائس بی۔ اے لاہور کی والدہ صاحبہ آناً فاناً اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔ آپ مسیحی خود انکاری کی مثال تھیں۔ اپنے چار لڑکوں کو آپ نے بی۔ اے تک تعلیم دلائی۔ اور اب آپ خود اپنی محنتوں سے آرام میں چلی گئیں۔ مسیحی اظہار ہمدردی کرتا ہے۔

(ایڈیٹر)

خداوند مسیح کی آمد

اور

فرقۂ اناث

ثمرۂ خیالاتِ عمیق جناب پادری برکت اللہ صاحب۔ ایم۔ اے۔

عہدِ عتیق میں بالعموم عورات کی حیثیت ادنےٰ اور پست درجہ پر ہے۔ تاہم یہ امر کبھی فراموش نہیں کیا گیا تھا کہ عورت "مرد کی ساتھی" اور اس کی "ہڈیوں میں سے ہڈی اور گوشت میں سے گوشت" (پیدائش ۲: ۱۸ اور ۲۳) ہے۔ عہدِ عتیق کی عورات مثلاً سارہ۔ ربقہ۔ راخل۔ مریم ہمشیرۂ موسےٰ۔ دبورہ وغیرہ کسی مرد سے ادنےٰ حالت میں نظر نہیں آتیں۔ کتاب استثنا میں عورات کے حقوق کی حفاظت واجبی طور پر کی گئی تھی۔ لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا۔ یہودی خیالات فرقۂ اناث کی نسبت بد سے بدتر ہوتے گئے۔ خداوند مسیح کے ہمعصر یہود نے عورات کو آدمیوں کی جائداد اور کھلونا سمجھ رکھا تھا۔ جب دل میں آیا بیاہ کر لیا۔ جتنی عورات سے جی چاہا شادی کر لی جس کو چاہا طلاق دے دی۔ چنانچہ کتاب استثنا کے الفاظ (۲۴: ۱) کو مروڑ کر مختلف مفسرین نرالی تفسیریں کیا کرتے تھے۔ الفاظ زیرِ بحث یہ تھے "اگر کوئی مرد کوئی عورت لیکے اس سے بیاہ کرے۔ اور بعد اس کے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو۔ اس سبب سے کہ اس نے اُس میں کوئی پلید بات پائی تو وہ اس کو طلاق نامہ لکھ کے اس کے ہاتھ میں دے اور اسے اپنے گھر سے باہر کرے"۔ اس آیت میں مفسر شمعی اور اس کے شاگرد لفظ "پلید" پر زور دیتے تھے اور اس سے "ناپاکی اور زناکاری" کا مطلب اخذ کرتے تھے۔ مفسر ہلیل اور اس کے شاگرد لفظ "بات" پر زور دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر کوئی مرد معمولی "بری بات" پر مثلاً بیوی کے روٹی جلا دینے پر طلاق دے تو جائز ہے۔ ربی عقیبہ اور اس کے شاگرد الفاظ "وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو" پر زور دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر شوہر کو کوئی اور عورت زیادہ خوبصورت مرغوب

خاطر ہو اور پہلی اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو تو طلاق جائز ہے۔ ربی حلیل کی رائے مقبول عام تھی۔ اور "پلید" سے مراد "کوئی بری بات" لی جاتی تھی۔ اس ربی کے شاگرد یہی تفسیر کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ چونکہ کتاب استثنا میں زانیہ کی سزا موت ہے۔ لہذا آیت بالا میں لفظ "پلید" سے مراد "زنا" نہیں بلکہ ہر قسم کی برائی مقصود ہے۔

یہود کی کتب تفاسیر (یعنی مشناہ) میں طلاق کے جواز پر مرقوم ہے کہ شوہر ذیل کے امور میں طلاق دے سکتا ہے۔ اگر عورت موسوی شریعت کی پابند نہ ہو۔ مثلاً اگر شوہر کو وہ کھانا کھلا دے جس پر دہ یکی ادا نہ کی گئی ہو۔ یا اپنے پہلے گوندھے ہوئے آٹے میں سے قربانی نہ دے یا کسی منت کو جو اس نے مانی ہو ادا نہ کرے۔ اور اگر کوئی عورت یہودی رسوم کی پابند نہ ہو مثلاً بال کھلے عوام کے سامنے نظر آ جائے یا گلی کوچوں میں چرخہ کاتے یا اپنے بازو برہنہ کرے یا غیر اشخاص کے ساتھ گفتگو کرے یا شوہر کے سامنے اپنی ساس اور خسر کے حق میں نا سزا الفاظ منہ سے نکالے یا شوہر کے گھر میں جھگڑا کرے۔ یا اگر کوئی عورت اپنے مذہب کو تبدیل کرے یا اس میں بدنی عیوب ہوں تو وہ شوہر بلا تامل اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔

خداوند کے ہمعصر یہود عورات کو نہائت ذلیل اور خوار خیال کرتے تھے۔ ان کا یہ مقولہ تھا۔ کہ کسی عام جگہ میں کوئی مرد کسی عورت کو سلام نہ کرے اور نہ اس کے سلام کا جواب دے۔ خواہ وہ عورت اس کی اپنی بیوی ہی ہو۔ ان کی کتب مروجہ میں یہ لکھا تھا کہ "شریعت کے الفاظ کا جل جانا اس سے بہتر ہے کہ ان کو عورات کو دیا جائے" عبادت خانوں میں روزمرہ شکر گذاری کی عبادت میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں "اے خداوند تو مبارک ہے کیونکہ تو نے مجھے عورت پیدا نہیں کیا" یہی وجہ تھی کہ جب خداوند مسیح سامری عورت سے گفتگو کرتے تھے تو شاگرد آ گئے اور تعجب کرنے لگے کہ "وہ عورت سے باتیں کر رہا ہے"

خداوند مسیح کی آمد نے دنیا کی کایا پلٹ دی۔ آپ نے طلاق کو منع کر دیا اور صاف فرمایا کہ "جسے خدا نے جوڑا اسے آدمی جدا نہ کرے" اور پیشینیوں کے جواز طلاق پر فرمایا کہ "موسیٰ نے تمہاری سخت دلی کے سبب تمہیں اپنی بیویوں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی" لیکن یہ الہی منشا کے خلاف تھا۔ اسی انسانی "سخت دلی" نے بیویوں کی تعداد بڑھا کر تعدد ازدواج کو برپا کر رکھا تھا خداوند نے کثرت ازدواج کو بھی حرام و ناشروع کر دیا کیونکہ جس نے انہیں بنایا۔

اس نے ابتدا ہی سے انہیں مرد اور عورت بنایا۔" یوں ہی منجیٔ جہاں نے عیاشی اور فسق و فجور کا قلع قمع کر دیا اور رسم قباحت عظیم کی بیخکنی کر دی۔

انجیل جلیل کے مطالعہ سے ہم پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ منجیٔ عالمین عورات کی قدر و منزلت کرتے تھے (متی ۱۲ : ۴۷ وغیرہ) عورات کی روحوں کے لئے ویسے ہی فکر مند تھے۔ جیسا آدمیوں کی روحوں کے لئے۔ عورات کے ساتھ ملاقات اور گفتگو کرنے میں کچھ عار نہ تھی (یوحنا ۴/۴) عورات کی مدد کرنا اپنا فرض خیال کرتے تھے (لوقا ۷/۳۹)۔ بدکار عورات کو منجیٔ کونین نے چاہِ ضلالت سے نکال صراط مستقیم پر ڈالا۔ عورات کا خداوند سے ایسا اُنس تھا کہ اپنا مال ان پر فدا کرتی تھیں (لوقا ۸/۲) اور آپ کی جانکنی کے وقت جب کل خلقت خداوند کی دشمنِ جان تھی یہ فدا کار عورتیں بے عزتی کی پرواہ نہ کرکے خداوند کی صلیب کے پاس کھڑی تھیں۔

مسیحیت نے فرقۂ اناث پر ابدی احسان کیا ہے۔ بیویوں کے حقوق کو واجبی طور پر محفوظ کرکے شوہروں کے ساتھ مساوات عطا کر دی ہے۔ روحانی امور میں آدمیوں کے ہم پلہ قرار دی گئی ہیں۔ منجیٔ جہان عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے کفارہ ہوئے۔ دونوں کو نجات دینے کے لئے اس دنیا میں رونق افروز ہوئے (۱ پطرس ۳/۷ ۔ گلتی ۳/۲۸)۔ عورت جو خداوند کی آمد سے پہلے آدمی کی ملکیت اور جائیداد خیال کی جاتی تھی۔ اب بذاتِ خود ایک شخص اور غیر فانی روح تسلیم کی گئی ہے۔ اعمال الرسل کے مطالعہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ عورات کی حیثیت میں کیسی عظیم الشان تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ ابتدائی کلیسیا میں ہمیں نبیہ عورتیں ملتی ہیں۔ جو بغیر روک ٹوک نبوت کرتی ہیں۔ عورات دعاؤں اور عبادت میں شریک ہوتی ہیں (۱ قرنتھ ۱۱/۵) بعض نقاد عبرانیوں کے خط کو ایک عورت کی (پرسکلا) کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ فرقۂ اناث کلیسیائی عہدوں پر ممتاز ہے (روم ۱/۱۶ ۔ ۱ تمطا ۳/۱۱ ۔ ۵/۱۶-۲) پانچویں صدی مسیحی میں عورات ہادیٔ دین اور قربان گاہوں پر پریسٹ کا کام سرانجام دیتی رہی ہیں +

بخوفِ طوالت میں اپنا مضمون یہاں ختم کرتا ہوں۔ اگر اختصار مانع نہ ہوتا تو مذکورہ بالا اور دیگر امور کا بالتفصیل ذکر کرتا جس سے ہم کما حقہ طور پر محسوس کر سکتے کہ خداوند مسیح کی آمد نے دنیا میں کیسی عظیم الشان تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ دوسروں کے حق میں تو سراسر مبالغہ ہوگا مگر خداوند عالمین کی شان میں ہی ہم کہہ سکتے ہیں

بلغ العلیٰ بکمالہٖ۔ کشف الدجیٰ بجمالہٖ

(برکت اللہ از نارووال)

انسانی زندگی

نتیجۂ افکارِ پسندیدۂ جناب مسٹر پی۔ این بھنوت صاحب

ہر ایک انسان ایک خاص مقصد لیکر آتا ہے۔

اگر دُنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز پر نظر کریں، تو وُہ کسی نہ کسی مطلب اور غرض کے واسطے دُنیا میں پیدا کی گئی ہے ہر ذرہ کسی خاص مقصد کے لئے اپنا کام انجام دے رہا ہے اگر بڑے سے بڑا سورج اگر روشنی کا خزانہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ تو چھوٹے سے چھوٹا قدہ روشنی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کا جوہر ہے اگر ہم بادلوں کے پانی دینے پر خوش ہوتے ہیں، تو ہوا کا ایک جگہ سے دوسری جگہ اُڑا لے جانا خالی از معنی نہیں۔ حاصل یہ کہ خداوند کریم نے دُنیا کی کسی چیز کو فضول اور عبث پیدا نہیں کیا، عالم ہستی کی تمام اشیاء کا جب یہ حال ہو، تو حضرتِ انسان بھی آخر اسی صفحۂ ہستی پر مقیم ہیں۔ آخر اُن کے ساتھ بھی "ہر کسے را بہر کارے ساختند" والا سلوک کیا گیا، نپولین بونا پارٹ کا کام اگر ملک گیری اور اپنی گری ہوئی قوم کو بلند کرنا تھا۔ تو حضرت عیسےٰ مسیح کا بھولے بھٹکوں کو راہِ راست پر لانا۔ کیا سکندر کی فتح اور دارا کا اپنے ہی خانہ زاد غلاموں کے ہاتھوں قتل ہونا بے معنی ہے؟ اور ایک خدا کو بھولے ہوئے، نخوت اور تکبر کے پتلے جابر انسان کے لئے باعث عبرت نہیں! ؎

منع کرتا ہوں تجھکو بھی نہ اترا حسن پہ جاناں
نہیں قبضہ ترا اس پہ ہے یہ تو دستِ یزدانی

ایک ننھے بچے کی پیدائش اگر اپنے والدین کے لئے مایۂ ناز اور سرور و بہجت کا سبب ہے تو ویسے ہی ایک معصوم یا نوجوان کی موت بھی اپنے عزیز و اقربا کے لئے باعث رنج و الم ہوتی ہے، لیکن نہ وُہ اپنے اختیار سے پیدا ہوا نہ یا اپنے اختیار سے مرا بلکہ دونوں نے مشیتِ الہٰی کو (جس کی کنہ تک انسانی رسائی ناممکن ہے) پورا کیا۔ اگرچہ کوئی دہریہ یا علت پرست آدمی بچے کی پیدائش کا سبب فقط انسان کی شہوت رانی خیال کرتا ہو یا مرنے والے کی موت والدین کے گناہ یا خود اُس کے بداعمال کا نتیجہ جانتا ہو۔ کیونکہ لکھا ہے "گناہ کی مزدوری موت ہے"

مگر یہ اس کی بے بصیرتی ہے۔ یعنی مرنے والا نہ مرتا اگر وُہ گناہ نہ کرتا یا اگر وُہ بد اعمال میں گرفتار نہ رہتا۔ ایسے لوگ ایک نوجوان کا عین عالمِ شباب میں مرنے کا باعث گناہ سمجھتے ہیں۔ مگر وُہ نہیں جانتے کہ نیک ایک بھی نہیں ہاں کوئی بھی نہیں۔ اگر موت کی یہی وجہ ہو تو تمام مخلوقات آن کی آن میں فنا ہو۔ مگر درحقیقت انسانی زندگی کا مقصد بہت گہرا ہے۔ ہر ایک کی زندگی سے خدا ہی واقف ہے۔ جس کا ثبوت "مشتے نمونہ از خروارے" سطورِ ذیل میں درج ہے:۔

کیا انسانی زندگی کا خاکہ پیشتر از ولادت درگاہِ الٰہی میں کھینچا ہوا ہے؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے مقصد کی تکمیل پر کہاں تک مہلت ہے۔ اس لئے ہم انسانی زندگی کے مختصراً دو تین حصے لیکر اس پر غور کرتے ہیں۔ پیدائش موت۔ عمل (نیکی و بدی)۔

۱۔ حیات و ممات دُنیا میں کسی ذی رُوح کا پیدا ہونا اور اس دارِ فانی کو چھوڑ دار البقا کو سدھار جانا قطعاً انسان کے اپنے اختیار میں نہیں۔ کیا کوئی انسان کہہ سکتا ہے کہ میں اپنے اختیار سے پیدا ہوا بلکہ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝ (تیرا خالق رب ہی ہے) کے بموجب وُہی ایک ذات ہے، جو اشرف المخلوقات (انسان) پر ہر طرح اپنا قابو اور اختیار رکھتی ہے بھلا اگر دُنیا میں آنا کسی آدمی کے اختیار اور بس میں ہوتا تو کیا انسان یہ گوارا کر سکتا تھا کہ ایک غریب بیکس یا بالکل ادنے حیثیت کے آدمی کے گھر پیدا ہو۔ اسی طرح موت کا خیال کر لیجیے کسی متنفس کا دل نہیں چاہتا کہ اِس دُنیائے دُنی سے سفرِ آخرت اختیار کرے۔ یاد نہیں۔ رُوحانیت اور کاملیت کے مکمل نمونے مسیح علیہ السلام نے اپنی موت کا پیالہ پینے سے پہلے کیا کہا "تاہم میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی پُوری ہو" کسی دانا نے سچ کہا ہے۔ ؎

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے۔ نہ اپنی خوشی چلے

وہی ایک زبردست ہاتھ ہے جو اپنے منشا اور اشارے سے ایسے وقوع ظہور پذیر کرتا ہے۔ دیکھو وُہی یہ تعلیم دیتا ہے کہ دُنیوی تفکرات سے باز رہو۔ "تم اس تلاش میں نہ رہو کہ کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے اور نہ شکی ہو۔ کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں دُنیا کی قومیں رہتی ہیں اور تمہارا باپ جانتا ہے کہ تم ان کے محتاج ہو" مزید براں قدرتی کام بھی انوکھے ہیں۔ موسیٰ کو فرعون کے گھر میں پرورش کیا جاتا ہے۔ اور پھر اس سے اپنے احکام اور منشا کی تعمیل

کرائی جاتی ہے۔ باوجود فرعون کے محل میں رہائش کرنے کے وُہ پھر بھی خدا کے کام میں مشغول ہُوا خواہ کسی طریقہ سے ہو، آخر یہ ایزدی کام کر رہا تھا، اس کا قتل کرنا ہی، اس کا پیشوا اور رہنما ہونے کا آغاز تھا۔ پھر یہی موسےٰ علیہ السلام جو کنعان کی سرزمین میں داخل ہونے کی توقع رکھتا تھا۔ اُس زمین پر قدم نہ رکھ سکا۔ اس کی سرکشی اور ناگہانی مَوت کا کس کو یقین تھا۔ بالآخر اُس نے کنعان کو دُور سے دیکھا اور نامعلوم کہاں دفنایا گیا۔ زبور نویس سچ کہتا ہے "خداوند مغروروں کا مقابلہ کرتا ہے مگر فروتنوں کو سرفرازی عطا کرتا ہے" حیات وممات کا اختیار انسانی قبضے میں نہیں، اس پر خداوند حکمراں ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ کتنے دن جئیں گے اور کب مرینگے +

ایک شبے کا ازالہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مَوت آدمی کے عملوں کے باعث آیا کرتی ہے۔ یہ بات سراسر بے بنیاد معلوم ہوتی ہے۔ بھلا بتایئے، ایک چھ ماہ یا برس کے بچّے نے کیا گناہ کیا جس کی پاداش میں اُسے آخرت کا ٹکٹ ملا۔ ع

آمد پیک اجل ہے عبث رنج و ملال ہے
زندگانی کی قضا لائی پیام زندگی ہے

ایک امیر گھرانے کی اولاد نے کیا اچھے عمل کئے جس کی پاداش میں ان کو ایک آرام کی زندگی میسر آئی، غور کرنے سے عیاں ہوتا ہے، کہ مَوت وحیات محض خدائی مشیت ہے۔ جس کے مطابق دن ورات عمل ہو رہا ہے۔ انسان لاکھ کوشش کرے اس کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا یہاں رسائی ناممکن ہے۔ ہر چند ہم کوشش کریں لاحاصل جائے گی، انسان ہے ہی کیا کہ ایسے پیچیدہ مسائل پر اپنے عقل وعلم کو ضائع کرے۔ بس ہمارا یہی اعتقاد ہونا چاہئیے "خدا نے دیا خدا نے لیا اُسی کا نام مبارک ہو"۔

مسبب الاسباب نے ہر ایک کام کو اسباب کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ آنکھ کو دیکھنے کا ذریعہ، کان کو سننے کا، ہاتھ کو کمانے کا پاؤں کو چلنے کا سبب بنایا ہے۔ غرضیکہ وہ یعنی طاقتِ غیبی جسے ہم خدا کہہ کر پُکارتے ہیں ان سب پر قادر ہے، سارے دن کی اَتھک کوشش کے بعد اگر خدا نہ چاہے، تو رات کی روٹی نصیب نہ ہو۔ جو لوگ صرف اسباب پر بھروسہ کرنے والے ہیں اُن کو نہیں معلوم کہ چور رات کو لُوٹ لے جایا کرتے ہیں، تجارت میں نفع کی اُمید

پر چلا ہوا جہاز طوفان کے باعث طعمۂ سمندر ہو جایا کرتا ہے۔ کیا نہیں دیکھا بھوکے پیٹ کا پرندہ صبح اپنے درخت سے اڑتا ہے اور رات کو پیٹ بھر کر گھونسلے میں آ داخل ہوتا ہے۔ سے

اہلِ دُنیا کو ہے ناحق اہتمامِ زندگی
دستِ قدرت سے ہے وابستہ نظامِ زندگی

اِسی واسطے مسیح یسوع نے ہمیں یہ دُعا سکھائی "اے خدا آج کی روٹی ہمیں پہنچا، پھر اسی سبب سے وُہ یہ کہتا ہے کہ تم دُنیوی تفکرات سے باز رہو۔ کیونکہ تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم کن اشیاء کے محتاج ہو۔ وُہ ہمارا خالق ورازق ہے، اُسی کے دستِ قدرت میں ہماری زندگی ہے، جب چاہے ہمیں اس جہان سے اپنے پاس بُلا لے۔ چاہیئے کہ ہم شب و روز اس کی ہدایات اور مثال پر اپنی زندگی گذارنے کی کوشش کریں۔ بعد اپنی زندگی پر کیا اعتبار ہے ہماری زندگی کا حال جنگلی گھاس کی مانند ہے۔ ابھی نظر آئی اور ابھی غائب ہوگئی۔ "تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم آج یا کل فلاں شہر میں جا کر وہاں ایک برس ٹھہرینگے اور سوداگری کر کے نفع اُٹھائینگے اور یہ نہیں جانتے کہ کل کیا ہوگا۔ ذرا سُنو تو تمہاری زندگی چیز ہی کیا ہے، بخارات کا سا حال ہے ابھی نظر آئے، ابھی غائب ہوگئے۔ بجائے اس کے تمہیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر خداوند چاہے تو ہم زندہ بھی رہیں گے اور یہ یا وُہ کام بھی کریں گے" کیا اس سے مظہر نہیں کہ ہم عبث شیخی مارتے ہیں۔ اور خداوند جانتا ہے کہ ہماری حقیقت کیا ہے۔ آخر میں ہم اس نتیجے پر آسکتے ہیں کہ حیات وممات خداوند کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی آدمی اپنی زندگی کا ایک دن کم یا زیادہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ یہ موت یا پیدائش ہمارے اعمال کے سبب ہوتی ہے بلکہ ہر ایک پیدائش سے خداوند کا خاص مقصد ہوتا ہے۔ اور جب چاہے اُس کو بُلا لے۔ انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ صرف خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیئے وُہی مالکِ سزا و جزا ہے۔

پی۔ این۔ بی۔ نادر از اجنالہ

انسانی زندگی

دوسرا حصہ

اعمال کی حقیقت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس صورت میں انسان کے لئے نیکی و بدی پہلے سے تیار ہو پھر سزا جزا کیا معنی رکھتی ہے۔ مگر ہم اس کے قائل نہیں۔ کیونکہ انسان فاعل مختار ہے۔ اسکے لئے یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے اس میں تمام طاقتیں قدرتِ ایزدی سے ودیعت کی ہوتی ہیں۔ جیسے غم و غصہ، شجاعت و بزدلی، حلم و عفو، عقل و تمیز وغیرہ وغیرہ نشو کے وقت جس قسم کے اسباب مہیا ہو جائیں طبیعت میں اُسی قسم کا غلبہ پیدا ہو جائے گا۔ مثلاً ایک کوری لکڑی جس میں ہر قسم کے روغن کی قبولیت کی طاقت ہو۔ اُس پر جس روغن سے رنگ کیا جائے گا اُسی کا اثر غالب ہو جائے گا۔ بدیہی ثبوت اس کا یہ ہے کہ دو لڑکے ایک ہی ع اور دماغ کے لئے جائیں۔ ایک کی تربیت رہبانیت اور دوسرے کی فوجی طریق پر کی جا پھر کامل تربیت کے بعد دیکھا جائے تو ان کے افعال۔ ان کی عادات۔ ان کی پسند۔ ان طبیعت میں زمین آسمان کا فرق معلوم ہوگا۔ اسی طرح قدرتِ یزدانی نے ہر بچے میں نیکی و بد کی طاقتیں پیدا کر دی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے افعال و اقوال کے ذمہ وار ہیں جن کے مطابق روزِ قیامت کو سزا جزا ملیگی۔ مگر تعلیم و تربیت کے وقت جس طاقت کو اُبھارنے کوشش کی جائے گی۔ وہی طاقت بڑھتے بڑھتے دوسری پر غالب آجائیگی۔ اسی واسطے مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد علیہ السلام نے فرمایا اَلصُّحبَتُ تاثیر صحبت ایک ا رکھتی ہے۔ یعنی جس قسم کی صحبت اور حالات میسر آئیں گے۔ اسی قسم کی علتیں اور خصلتیں ظ پذیر ہونگی۔ مگر یہ امر یاد رہے کہ بدی سرعت کے ساتھ ترقی کرتی ہے۔ اور جلد ہی نیکی پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے۔ ہم بدی کے کام کرنے آسان اور عمدہ سمجھتے ہیں۔ لیکن نیکی کرتے وقت صدہا دقتیں آتی ہیں۔ سینکڑوں مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ دیکھو پولوس رسول کیا صاف بیان کرتا ہے "جو میں کرتا ہوں اس کو نہیں جانتا۔ کیونکہ جس کا میں ارادہ کرتا ہوں وہ نہیں ک

بلکہ جس سے مجھ کو نفرت ہے وہی کرتا ہوں...... کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مجھ میں یعنی میرے جسم میں کوئی نیکی بسی ہوئی نہیں البتہ ارادہ تو مجھ میں موجود ہے پر نیک کام مجھ سے بن نہیں پڑتے۔ چنانچہ جس نیکی کا ارادہ کرتا ہوں وہ تو نہیں کرتا مگر جس بدی کا ارادہ نہیں کرتا اُسے کر لیتا ہوں" (رومیوں ۷ ۱۵ تا ۱۹) پس ظاہر ہو گیا کہ بدی نیکی پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے۔ مگر اسی طرح اگر انسان اچھی صحبت میں دن گذار دے تو نیکی بدی پر غلبہ حاصل کرے گی اس کی بدیہی مثال کے لئے یوں خیال کریں۔ سورج کی روشنی کے آہستہ آہستہ رونما ہونے سے اندھیرا غائب ہوتا جاتا ہے۔ ہم اندھیرے کے وجود سے قطعاً انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ روشنی کے عدم سے فوراً اندھیرا موجود ہو گا۔ مگر چونکہ روشنی اندھیرے پر غالب آ گئی ہے۔ اِس لئے روشنی کو ہم زیادہ اچھی طرح دیکھتے ہیں۔ اتنا جاننے کے بعد انسان کے اعمال کی حقیقت بڑی جلدی سمجھ سکیں گے۔ ان میں سب طاقتیں کم و بیش موجود تھیں جس طاقت کے وسائل بہم پہنچے اسی کا غلبہ طبیعت میں ہو گیا۔ بہرکیف یہ ضروری ہے کہ روزِ حشر کو ہر فردِ بشر کو اس کی زندگی کے اعمال کے مطابق سزا و جزا ملے۔ کیونکہ خداوند نے انسان کو فاعل مختار پیدا کیا ہے۔ لہذا ہر ایک فعل کی اس سے جواب پرسی ہو گی۔

رسولوں کی ضرورت

اگر ہم قطعاً اسی بات کے مان لینے پر آمادہ ہو جائیں کہ نیکی اور بدی خدا ہی انسان سے سرزد کراتا ہے۔ تو اس طرح دُنیا کا انتظام بھی بگڑ جائے گا۔ میں ایک آدمی کی گردن پر مکا مارتا ہوں۔ اور کہتا ہوں خدا نے ایسا کرایا۔ ایک آدمی دُوسرے کو قتل کرتا ہے۔ اب چونکہ فاعل وُہ خود نہیں ہے۔ اِس لئے پھانسی خدا کو دینی چاہیئے جس نے یہ کام کرایا۔ اِس لحاظ سے یہ اعتقاد عملاً ناگوار گذرتا ہے۔ اس کے علاوہ رسولوں کا دُنیا میں آنا اور نجات کی خوشخبری دینا اور نیکی پر لگانا ایک عبث اور بے بُنیاد چیز ہے۔ مگر نہیں رسول دُنیا میں آئے۔ خدائی احکام دنیا میں پیش کئے اُن کی صحبت اور فیض ان کی تقلید نے انسان میں نیکی کا زنگ جما دیا۔ بدی وجود میں کمزور ہو گئی۔ جس کی زندگی بطالت میں گذرتی ہے۔ وُہ راست پر آتا ہے۔ کلام اللہ اور رسولوں کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنی شروع کرتا ہے۔ اور آخر کار مرنے سے پہلے اپنے نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ جیسے یہوداہ اسکروتی

اگرچہ اپنی عمر کا بہت سا حصہ مسیح یسوع کے ہمراہ بسر کرتا رہا مگر آخر میں مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرا کر خودکشی کر لی اور اپنے نتیجہ کو پہنچ گیا۔ اسی طرح نوح کی قوم کئی سال وعظ سننے کے بعد بھی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچی۔ اور پطرس نے مرغ کی اذاں سے پہلے مسیح کی پیشین گوئی کے مطابق مسیح کا تین بار انکار کیا۔ مگر پھر جلدی ہی پشیمان ہؤا اور نادم ہو کر خدا کی درگاہ میں توبہ کرنے لگا۔ رہی یہ بات کہ پطرس رسول نے اگر بعد میں توبہ کر لی تھی تو یہ گناہ کیا کیوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دُنیاوی وجاہت اور شاہی دبدبہ اپنی بے عزّتی یا لالچ نے اس کی نیکی کی قوت کو کمزور کر دیا۔ اور جیسے روشنی کی کمزوری سے سیاہی کا غلبہ ہو جانا ضروری ہے اسی طرح نیکی کی قوت کچھ وقت کے لئے دب گئی۔ اور بدی کی قوت کے غلبے سے اُس نے مسیح علیہ السلام کا انکار کیا۔ مگر چونکہ اُسے نیکی و بدی کی امتیاز تھی۔ وُہ گناہ و راستبازی کی تشخیص کرنی جانتا تھا۔ اِس لئے اس نے جلد ہی توبہ کی اور نیکی کی طرف مائل ہُوا۔ انسان کمزور ہے اور کمزوری ہی ایک بڑا گناہ ہے۔ بلکہ سب سے زبردست گناہ کمزوری ہے۔ تمام رسولوں پر اس نے غلبہ کیا۔ گتسمنی باغ میں مسیح کو سب چھوڑ کر رفوچکر ہو گئے۔ یہ اُن کی کمزوری تھی۔ پولوس رسول ایک عرصہ تک بدی اور گناہ میں لت پت رہا۔ مگر بالآخر نیکی نے بدی پر غلبہ پایا اور وُہ راہِ راست پر چلنے لگا۔ ہر ایک انسان فرداً فرداً آزمایا جاتا ہے۔ دیکھئے کوئی بھی نیکوکار نہیں۔ ہاں ایک بھی نہیں۔ سب کی سرشت میں گناہ ہے مسیح علیہ السلام ہی ایک انسان اس دُنیا میں آیا۔ جسے ہم کامل انسان اور خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ اس کی ہدایات لاغلط ہیں وُہ خود لاغلط ہے۔ مگر وُہ ہم انسانوں کی مانند آزمایا گیا۔ چونکہ وُہ کمزور نہ تھا۔ اِس لئے اُس نے شیطان سے کہا اے شیطان دُور ہو۔ اس نے انسان بنکر ہم پر ظاہر کر دیا کہ انسان اس دُنیا میں نیک اور گناہ سے دُور رہ سکتا ہے۔ وُہی ایک نمونہ ہے اُسی کو نبی معصوم کہتے ہیں۔ اس نے ہمارے واسطے اس جگہ رسول بھیجے تاکہ ہمیں اُس کی خوشخبری کی بشارت دیں۔ اور آخر ایک دن معین کیا جسے روزِ شمار کہتے ہیں۔ اس دن ہمارے اعمال کے مطابق ہم سے سلوک کیا جائے گا۔ چونکہ عقل و تمیز ودیعت کی گئی ہے۔ اس کو چاہیئے کہ اپنی بہتری کے واسطے استعمال کریں۔ ہم خود فاعل مختار ہیں اور اپنی نیکی و بدی کے مختار ہیں نہ کہ خدا +

شیطان کی حقیقت

شیطان نے خدا کی نافرمانی کی اور ابدی لعنت کا مستوجب ہوا، مگر اُس نے اپنی لعنت و عذاب میں گرفتار رہنے کے لئے مہلت مانگی۔ مہلت ملی۔ مگر ساتھ ہی تہیہ کر لیا کہ مَیں اپنی مصیبت میں بہت سی خلقت تیار کرونگا۔ اِس لئے اُس نے ابنِ آدم کو خدائی راستہ سے بہکا کر اپنے ساتھیوں میں داخل کرنا چاہا۔ اور قیامت تک ایسا ہی کرتا جائیگا اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ شیطان کی خدا کے مقابلے میں کوئی ہستی نہیں۔ کوئی طاقت نہیں۔ مگر چونکہ اس کو قیامت تک مہلت دی گئی ہے۔ اور خدا کی شان اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ؕ وعدہ خلافی کرنا نہیں ہے۔ اِس لئے اس وقت خداوند کریم اس کو اِس کام سے یعنی لوگوں کو بدی کی ترغیب دینے سے باز نہیں رکھتے۔ اتنا سمجھ لینے کے بعد ہم یہی کہیں گے کہ بدی شیطان کی طرف سے ہے اور نیکی خدا کی طرف سے ؛

انجام

بخوفِ طوالت ہم انجام کو لے کر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ اب معاملہ بالکل صاف ہے۔ اِنسان میں نیکی و بدی کی قوتیں ودیعت کی گئی ہیں۔ خدا کے رسُول نجات دلانے اور صاف رستہ دکھلانے کیلئے دُنیا میں آئے۔ عقل و تمیز دی گئی۔ شیطان کے وجود اور اُس کی نافرمانی اور اسکی قیامت تک کی آزادی اور قیامت کے بعد کم و بیش حال کا اِنسان کو پتہ دیدیا گیا۔ نیز یہ ضروری ہے کہ انسان سے بازپُرسی کی جائے حساب لیا جائے۔ اور اسکے بعد ہمیشہ کیلئے اپنے تابع یا نافرمانوں میں جگہ دیجائے۔ حیات و ممات۔ ناداری و دولتمندی اور دُنیا و دین کے تمام اسباب خدا کریم نے اپنے دستِ قدرت میں رکھے ہُوئے ہیں۔ اور نیکی اور بدی کے حصُول میں انسان کو فاعلِ مختار کردیا گیا ہے اگر گیہوں بوئے گا گیہوں کاٹے گا۔ جو بوئے گا جو کاٹے گا۔ سے

گندم از گندم بروید جو ز جو ‌ ‌ ‌ ‌ از مکافاتِ عمل غافل مشو

ان تمام امور کا زمانے کے دانا شیخ سعدی نے چند لفظوں میں کیا اچھا فیصلہ کر دیا ہے۔ سُرمایج

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند ‌ ‌ ‌ ‌ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرمانبردار ‌ ‌ ‌ ‌ شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

کلامِ نادر

(از پی۔ این۔ بھنوت صاحب نادرؔ)

گرے جاتے ہیں خود اپنی نظر سے ہم ستم یہ ہے
نشاں اپنا مٹائے جاتے ہیں افسوس، غم یہ ہے

بڑھے جاتے ہیں آگے ہم سے سب اس دار فانی میں
ہمیں ہیں رنج و غم سہنے کو، دنیا میں الم یہ ہے

رواں ہو رہے ہیں قافلے ہر آن دنیا سے
اگر پوچھیں کدھر کو؟ کہتے ہیں راہِ عدم یہ ہے

رہو گے محو کب تک غافلو اس بزمِ فانی میں
نہ اللہ سے تقرب ہوگا، اس حالت میں غم یہ ہے

کہینگے صاف ہم اللہ کے آگے روزِ محشر میں
دبے جاتے ہیں بارِ غم سے اے اللہ، غم یہ ہے

کرینگے ایکدن پرواز عقل و ہوش سب اپنے
ملینگے حیف سے دستِ تاسف مجھکو غم یہ ہے

نہ کر نادرؔ بھروسہ اس قدر دنیائے فانی پر
پکڑ دامانِ حق مضبوط راحت کا علم یہ ہے

نوٹ اور خبریں

نسیمِ لطف نوروزی سے عالم میں ہر اک غنچہ
خوشی سے پھول پھول آیا آہا ہا او ہو ہو ہو!

۱۸ و ۱۹ دسمبر ۱۹۲۴ء کو پنجاب یونیورسٹی کی کانوکیشن بڑی دھوم دھام، تزک و احتشام سے ہوئی۔ حسنِ انتظام مالا کلام مسٹر جی۔ این۔ دت صاحب رجسٹرار کی قابلیت اور تجربہ کاری کا زبانِ حال سے شاہد تھا۔ ایف۔ اے کے امتحان کے نتیجے پر اردو زبان میں اول رہنے کے لئے مس ڈورین میاداس دختر نیک اختر مسٹر اے میاداس صاحب ایم۔ ایل۔ سی فیروزپور اور مس ڈورس ہمفری کو یونیورسٹی کی طرف سے گورنر بہادر نے اپنے دستِ مبارک سے ایک ایک تمغہ انعام دیا۔ مبارک۔

اسی کانوکیشن میں مس وینا ایڈورڈ، مسٹر اجاگر سنگھ اور مسٹر ایف۔ آئی جیکب ایڈیٹر رسالہ مسیحی کو بی۔ ٹی کی ڈگری ملی۔ سلامت بڑی خوشی کی بات ہے کہ ایک سال میں تین مسیحیوں کو یہ اعزاز حاصل ہوا۔

امسال بتقریب کرسمس لاہور میں خوب رونق رہی۔ کرسمس ایو کو برٹ انسٹی ٹیوٹ میں خلقت کا ایسا ہجوم تھا کہ آج تک کبھی نہیں ہؤا۔ ہندو مسلمان بھی خال خال وہاں موجود تھے کرسمس کیرلز کے شروع ہوتے ہی ایسا سماں بندھا کہ سامعین محسوس کرنے لگے کہ سچ مچ وُہ بھی فرشتوں کے آسمانی گروہ کے ساتھ ہم نوائے ستائش وحمدِ منجیٔ عالمین ہیں۔

امریکن مشن کپاؤنڈ میں عجیب رونق تھی۔ تمام احاطے میں ضیائے موفور تو مکانات نورٌ علیٰ نور۔ تمام امریکن مشنری صاحبان نے اپنی کوٹھیوں پر چراغ جلوائے۔ کمرے اندر باہر سے سجائے۔ شام کو ایک گانے والوں کا جلوس تیار ہو کر روشنی دیکھنے اور پیارے منجی کے استقبال کے لئے عقلمند کنواریوں کو تیار کرنے آیا۔ احاطے کے مسیحیوں نے کرسمس کیک نذر کیا۔ اور ان کے خیر مقدم میں آتشبازیاں چلائیں۔ پھول جھڑیوں سے پھول برسائے۔ پٹاخوں سے سلامی دی۔

وارث روڈ پر بھی تمام مکان بقعۂ نور تھے اور خاطر مدارات۔ سلام پیام کا بازار گرم تھا۔ ان تمام باتوں سے ہمارے دل میں خوشی کا نور ضیا افگن ہوتا ہے۔ امید ہے کہ سال آئندہ میں اس سے بھی زیادہ کلیسیا اپنے دُولہے کی آمد کے لئے تیار پائی جائے گی۔ کیونکہ غریب اور محتاج تو ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں۔ جو کچھ اس نے کیا محبت کی راہ سے کیا۔ گو یہ قیمتی جٹاماسی کا عطر بہت داموں کو بک سکتا تھا۔ اور یتیموں اور بیواؤں کو دیا جا سکتا تھا۔ ناظرین ایسے اخراجات کو ضایع نہیں بلکہ بالکل وصول سمجھیں۔ اور نہائیت موزون مناسب وجائز تصوّر کریں۔ اگر پیارے منجی کی محبت اور شکر گذاری ہمارے دلوں میں موجزن ہے تو یہ تو کیا جتنا خرچ اس قسم کی باتوں میں کریں کم ہے ؎

خلق میگوید کہ خسرو بُت پرستی میکند آرے آرے میکنم با خلق و عالم کار نیست

ہمارے مہربان پادری نواب دین صاحب ساکن مرالیوالہ ہفتے عشرے میں کم از کم ایک دو خریدار ضرور مسیحی کی خاطر بنا لیتے ہیں۔ اب کے بھی آپ نے پانچ نئے خریداران کے نام ہمیں بھیجے ہیں۔ جن کیلئے ہم تہ دل سے مشکور ہیں۔ اگر پادری نواب دین صاحب جیسے دس پانچ حامی آنر مسیحی کے پیدا ہو جاویں تو پھر دیکھئے رسالہ مسیحی کی شان کہاں سے کہاں کو جاتی ہے۔

ایڈیٹر

ضمیمہ مسیحی

بابت ماہ جنوری

تفصیل آمدنی وخرچ بموقعہ ایڈریس گورنر بہادر

مع

اسمائے گرامی چندہ دہندگان

جو چھپی ہوئی فہرست - اور ضمیمہ فہرست چندہ دہندگان بوقت جلسہ بروز ۱۵ نومبر ۱۹۲۴ء تقسیم کی گئی تھی - اس میں بہت سے اصحاب کے نام نامی درج نہ ہو سکے - کیونکہ بہت سے لوگوں کا چندہ فہرستیں چھپ جانے کے بعد وصول ہوا - بہتوں نے دن کے دن چندہ دیا - بعض نے عین جلسے کے وقت رقمیں عنائیت کیں - جلدی میں بعض رقم چندہ تو دے گئے مگر نام اور پتہ نہ لکھوایا - بعض نے اپنا سرنامہ ایسا لکھا کہ لکھے موٹے اور پڑھے خدا کا مضمون ہو گیا - اس لئے کانفرنس مناسب خیال کرتی ہے کہ ایک مکمل فہرست جملہ ارباب قوم مع اندراج زرچندہ رسالہ مسیحی میں شائع کی جائے اور کانفرنس کی طرف سے تہ دل سے شکریہ ادا کیا جائے کیونکہ اگر قوم کی تائید اس امر میں شامل حال نہ ہوتی تو توقع سے بہت بڑھ کر کامیابی جیسا کہ ہوئی ہے ہونی ناممکن تھی ۔ جن اصحاب کے نام اس میں نہ ہوں وہ ہمیں فوراً اطلاع دے کر مشکور فرماویں ۔

گھر پیچھے دس روپے چندہ رکھا گیا تھا مگر بعض اصحاب مثلاً پادری صاحبان وغیرہ سے پانچ روپے بھی بصد شکریہ لئے گئے ۔ فخر قوم راجہ سر ہرنام سنگھ صاحب نے پچاس روپے کا عطیہ عنائیت کیا - آپ تو بہت زیادہ دیتے مگر آپ کو اس سے زیادہ دینے کی تکلیف ہی نہ دی گئی ۔

اول اول ۵۰۰ روپیہ کے خرچ کا اندازہ لگایا گیا تھا - لیکن تعداد کثیر کی

شمولیت سے کانفرنس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اور بعض مشفقوں کی رائے سے بڑے وسیع اور اعلیٰ پیمانے پر انتظام جلسہ کیا گیا۔ دیہاتی مسیحیوں کا آرام اور خاطر مدارات جسکی خصوصیت سمجھی گئی۔ لہٰذا اُن کے کھانے۔ ٹھیرنے اور دعوت کا خاص بند وبست ہُوا اور جلسے کے وقت پیٹ بھر کر مٹھائی تقسیم کی گئی +

اہل دیہات و بیرونجات کے مسیحیان کی زبانی معلوم ہُوا ہے کہ سب لوگ بہت خوش اپنے گھروں کو تشریف لے گئے ہیں۔ اور یہ تمام کامیابی اس لئے ہوئی کہ قوم نے اپنی ذمہ واری کو پہچانا اور فراخ دلی سے کام لیا۔ امید ہے کہ ہمارے ہم قوم آئندہ بھی ہمیشہ ایسی سچی ہمدردی اور یگانگت کا ثبوت دیا کرینگے +

فردحساب آمدنی وخرچ جلسہ خوش آمدید

تفصیل خرچ	پائی	آنے	روپے
شامیانہ اور دریوں کا کرایہ	۰	۰	۸۹
محصول ڈاک	۹	۹	۴۲
چھپائی	۰	۲	۱۰۵
نقلہائے انگریزی	۹	۱۴	۷۲۵
دیسی مٹھائیاں برائے اہل دیہات	۰	۰	۴۱۵
متفرقات	۰	۲	۴۸
مزدوروں نوکروں وغیرہ کو	۰	۰	۵
کرسیوں کا کرایہ	۰	۰	۲۰
قیمت ایڈریس اور ڈبہ جس میں ایڈریس پیش کیا گیا	۰	۳	۵۹
ٹانگوں کا کرایہ	۰	۲	۳۹
نذرانہ ریلوے بینڈ	۰	۰	۹۳
بٹالہ اور لدھیانہ کے سکاؤٹوں کے کھانے اور ٹھیرنے کا خرچ	۰	۰	۱۳۱
نذرانہ پولیس	۰	۰	۳۲
کل میزان اخراجات	۳	۱۵	۱۳۸۹
کل آمدنی	۰	۰	۱۳۸۵
خسارہ	۳	۱۵	۴

فہرست چندہ دہندگان جشن عصرانہ بتقریب جلسہ تہنیت حضور گورنر بہادر و لیڈی ہیلی

راجہ سر ہرنام سنگھ اہلوالیہ صـ۵۰

مفصلہ ذیل اشخاص نے دس دس روپے عنایت کئے ہیں: ۔

نمبر شمار	نام معطی		نمبر شمار	نام معطی	
	لاہور		۱۹	مسٹر جے سین کلیر	عـــه
۱	مسٹر آئی۔ جے اینگلز	عـــه	۲۰	مسز نجم الدین	〃
۲	مسٹر این۔ ایس لائل	〃	۲۱	مسٹر ڈبلیو لے سالک	〃
۳	مسٹر کے۔ ایل رلیا رام	〃	۲۲	پادری دینا ناتھ	〃
۴	پروفیسر سراج الدین	〃	۲۳	مسٹر بی۔ مکھن لال	〃
۵	مسٹر سیمو ایلز لال	〃	۲۴	رائے بہادر اے۔ ایم سرکار	〃
۶	رائے بہادر پی۔ این دت	〃	۲۵	ڈاکٹر آئی۔ یو۔ ناصر	〃
۷	مس بوس صاحبہ	〃	۲۶	مسٹر بی ایڈورڈ	〃
۸	مسٹر جے۔ سی چیٹرجی	〃	۲۷	مسٹر ای۔ آر لوش	〃
۹	مسٹر آئی درگا پرشاد	〃	۲۸	مسٹر فلپ	〃
۱۰	مسٹر پی۔ ایل رلیا رام	〃	۲۹	ڈاکٹر ایس صادق	〃
۱۱	مسٹر الف۔ ڈی وارث	〃		**منٹگمری**	
۱۲	مس سرکار بی۔ اے	〃	۳۰	مسٹر آر۔ سی بینرجی	〃
۱۳	مسٹر سٹیفن کرم سنگھ آئی۔ ایس۔ او	〃	۳۱	مسٹر ایچ۔ ایس فیلیوس	〃
۱۴	کیپٹن دیویندر سنگھ آنڈ	〃	۳۲	مسٹر جے ڈیوڈ	〃
۱۵	مسٹر آئی لطیف	〃	۳۳	پادری پریم چندر	〃
۱۶	مسٹر بی بی گھوش	〃	۳۴	مسٹر اے۔ این دھاول	〃
۱۷	رائے صاحب جوزف ٹھاکر داس	〃		**لائل پور**	
۱۸	مسٹر جون ابی نذر	〃	۳۵	مسٹر ایس ڈیوڈ	〃

نمبر شمار	نام معطی	
۳۶	چوہدری بہادل خان	عنلہ
۳۷	مسٹر فضل الدین	//
۳۸	ایس پال	//
	فیروز پور	
۳۹	مسٹر ای مپیاداس - ایم ایل سی	//
	سیالکوٹ	
۴۰	مسٹر حاکم الدین	//
	امرتسر	
۴۱	مسٹر ایس - سی ٹھاکرداس	//
	ترنتارن	
۴۲	چوہدری ہتّو	//
	گوجرانوالہ	
۴۳	رائے بہادر ایس - سی چیٹرجی	//
۴۴	پادری جیون مل	//
۴۵	پادری نواب الدین	//
	جالندھر	
۴۶	مسٹر جے - سی سنگا	//
۴۷	لالہ بشنداس	//
۴۸	بابو فقیر مسیح	//
۴۹	مسٹر آر - ایچ عنایت مسیح	//
۵۰	پادری رلیارام	//
۵۱	پادری گولک ناتھ	//
	کپورتھلہ	
۵۲	مسٹر ایم - این بوز	//

نمبر شمار	نام معطی	
۵۳	مسٹر این - ایل متر	عنلہ
	جالندھر چھاؤنی	
۵۴	مسٹر اے گھوش	//
۵۵	لالہ سندرداس	//
۵۶	چوہدری عمرا	//
	انبالہ	
۵۷	مسٹر ایم - سی گھوش	//
	نارووال	
۵۸	مسٹر ایس - ایم سرکار	//
	گجرات	
۵۹	جے - ڈانیل صاحب	//
	شیخوپورہ	
۶۰	چوہدری متوالا	//
۶۱	// گھسیٹا	//
۶۲	// شاہانہ	//
۶۳	// دولا	//
۶۴	// دولت	//
۶۵	// قاسم	//
۶۶	مسٹر ای لوئس	//
۶۷	چوہدری عمرا	//
	ہوشیارپور	
۶۸	مسٹر بہاری لال	//

ضمیمہ مسیحی

بابت ماہ جنوری

تفصیل آمدنی وخرچ بموقعہ ایڈریس گورنر بہادر

مع

اسمائے گرامی چندہ دہندگان

جو چھپی ہوئی فہرست ۔ اور ضمیمہ فہرست چندہ دہندگان بوقت جلسہ بروز ۱۵ نومبر ۱۹۲۴ء تقسیم کی گئی تھی ۔ اس میں بہت سے اصحاب کے نام نامی درج نہ ہو سکے ۔ کیونکہ بہت سے لوگوں کا چندہ فہرستیں چھپ جانے کے بعد وصول ہوا ۔ بہتوں نے دن کے دن چندہ دیا ۔ بعض نے عین جلسے کے وقت رقمیں عنایت کیں ۔ جلدی میں بعض رقم چندہ تو دے گئے مگر نام اور پتہ نہ لکھوایا ۔ بعض نے اپنا سرنامہ ایسا لکھا کہ لکھے ہوئے اور پڑھے خدا کا مضمون ہو گیا ۔ اس لئے کانفرنس مناسب خیال کرتی ہے کہ ایک مکمل فہرست جملہ ارباب قوم مع اندراج زر چندہ رسالہ مسیحی میں شائع کی جائے اور کانفرنس کی طرف سے تہ دل سے شکریہ ادا کیا جائے کیونکہ اگر قوم کی تائید اس امر میں شامل حال نہ ہوتی تو توقع سے بہت بڑھ کر کامیابی جیسا کہ ہوئی ہے ہونی ناممکن تھی ۔ جن اصحاب کے نام اس میں نہ ہوں وہ ہمیں فوراً اطلاع دے کر مشکور فرما دیں ۔

گھر پیچھے دس روپے چندہ رکھا گیا تھا مگر بعض اصحاب مثلاً پادری صاحبان وغیرہ سے پانچ روپے بھی بصد شکریہ لئے گئے ۔ فخر قوم راجہ سر ہرنام سنگھ صاحب نے پچاس روپے کا عطیہ عنایت کیا ۔ آپ تو بہت زیادہ دیتے مگر آپ کو اس سے زیادہ دینے کی تکلیف ہی نہ دی گئی ۔

اوّل اوّل ۵۰۰ روپیہ کے خرچ کا اندازہ لگایا گیا تھا ۔ لیکن تعداد کثیر کی

شمولیت سے کانفرنس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اور بعض مشفقوں کی رائے سے بڑے وسیع اور اعلیٰ پیمانے پر انتظام جلسہ کیا گیا۔ دیہاتی مسیحیوں کا آرام اور خاطر مدارات جسکی خصوصیت سمجھی گئی۔ لہٰذا اُن کے کھانے۔ ٹھیرنے اور دعوت کا خاص بند و بست ہُوا اور جلسے کے وقت پیٹ بھر کر مٹھائی تقسیم کی گئی +

اہل دیہات و بیرونجات کے مسیحیان کی زبانی معلوم ہُوا ہے کہ سب لوگ بہت خوش اپنے گھروں کو تشریف لے گئے ہیں۔ اور یہ تمام کامیابی اس لئے ہوئی کہ قوم نے اپنی ذمہ واری کو پہچانا اور فراخ دلی سے کام لیا۔ امید ہے کہ ہمارے ہم قوم آئیندہ بھی ہمیشہ ایسی سچی ہمدردی اور یگانگت کا ثبوت دیا کرینگے +

فرد حساب آمدنی و خرچ جلسہ خوش آمدید

تفصیل خرچ	پائی	آنے	روپے
شامیانہ اور دریوں کا کرایہ	۰	۰	۸۹
محصول ڈاک	۹	۶	۴۲
چھپائی	۰	۲	۱۰۵
نقلہائے انگریزی	۶	۱۴	۷۲۵
دیسی مٹھائیاں برائے اہل دیہات	۰	۰	۴۰۵
متفرقات	۰	۲	۴۸
مزدوروں نوکروں وغیرہ کو	۰	۰	۵
کرسیوں کا کرایہ	۰	۰	۲۰
قیمت ایڈریس اور ڈبہ جس میں ایڈریس پیش کیا گیا	۰	۴	۵۹
ٹانگوں کا کرایہ	۰	۲	۳۹
نذرانہ ریلوے بینڈ	۰	۰	۹۳
بٹالہ اور لدھیانہ کے سکاؤٹوں کے کھانے اور ٹھہرنے کا خرچ	۰	۰	۱۳۱
نذرانہ پولیس	۰	۰	۳۲
کل میزان اخراجات	۳	۱۵	۱۳۸۹
کل آمدنی	۰	۰	۱۳۸۵
خسارہ	۳	۱۵	۴

فہرست چندہ دہندگان معہ رقم بتقریب جشن جلسۂ تہنیت حضور گورنر بہادر و لیڈی صاحبہ

راجہ سر ہرنام سنگھ اہلووالیہ .... ۵۰ عـ

مفصلہ ذیل اشخاص نے دس دس روپے عنایت کئے ہیں :-

نمبر شمار	نام معطی		نمبر شمار	نام معطی	
	لاہور		۱۹	مسٹر جے رسن کلیر	۱۰ عـ
۱	مسٹر آئی - جے اینگلز	۱۰ عـ	۲۰	میسز نجم الدین	"
۲	مسٹر این - ایس لائل	"	۲۱	مسٹر ڈبلیو لے سالک	"
۳	مسٹر کے - ایل رلیا رام	"	۲۲	پادری دینا ناتھ	"
۴	پروفیسر سراج الدین	"	۲۳	مسٹر بی - مکھن لال	"
۵	مسٹر سیوا ایلز لال	"	۲۴	رائے بہادر اے - ایم سرکار	"
۶	رائے بہادر پی - این دت	"	۲۵	ڈاکٹر آئی - یو - ناصر	"
۷	مس بوس صاحبہ	"	۲۶	مسٹر بی ایڈورڈ	"
۸	مسٹر جے - سی چیٹرجی	"	۲۷	مسٹر ای - آر لوس	"
۹	مسٹر آئی درگا پرشاد	"	۲۸	مسز فلپ	"
۱۰	مسٹر بی - ایل رلیارام	"	۲۹	ڈاکٹر ایس صادق	"
۱۱	مسٹر الف - ڈی وارث	"		**منٹگمری**	
۱۲	مس سرکار بی - اے	"	۳۰	مسٹر آر - سی بینرجی	"
۱۳	مسٹر سٹیفن کرم سنگھ آئی - ایس - او	"	۳۱	مسٹر ایچ - ایس فیلیوس	"
۱۴	کیپٹن دیویندر سنگھ آنڈ	"	۳۲	مسٹر جے ڈیوڈ	"
۱۵	مسٹر آئی لطیف	"	۳۳	پادری پریم چندر	"
۱۶	مسٹر بی بی گھوش	"	۳۴	مسٹر اے - این ودھاوان	"
۱۷	رائے صاحب جوزف ٹھاکر داس	"		**لائل پور**	
۱۸	مسٹر جون ابی ندر	"	۳۵	مسٹر ایس ڈیوڈ	"

نمبر شمار	نام معطی	
۳۶	چوہدری بہاول خان	عہ
۳۷	مسٹر فضل الدین	//
۳۸	ایس پال	//
	فیروز پور	
۳۹	مسٹر ای میاداس-ایم-ایل-سی	//
	سیالکوٹ	
۴۰	مسٹر حاکم الدین	//
	امرتسر	
۴۱	مسٹر ایس-سی ٹھاکرداس	//
	ترنتارن	
۴۲	چوہدری ہتو	//
	گوجرانوالہ	
۴۳	رائے بہادر ایس-سی چیٹرجی	//
۴۴	پادری جیون مل	//
۴۵	پادری نواب الدین	//
	جالندھر	
۴۶	مسٹر جے-سی سنگا	//
۴۷	لالہ بشنداس	//
۴۸	بابو فقیر مسیح	//
۴۹	مسٹر آر-ایچ عنایت مسیح	//
۵۰	پادری رلیارام	//
۵۱	پادری گولک ناتھ	//
	کپورتھلہ	
۵۲	مسٹر ایم-این بوز	//
۵۳	مسٹر این-ایل مِتّر	عہ
	جالندھر چھاؤنی	
۵۴	مسٹر اے گھوش	//
۵۵	لالہ سندرداس	//
۵۶	چوہدری عمرا	//
	انبالہ	
۵۷	مسٹر ایم-سی گھوش	//
	ناروال	
۵۸	مسٹر ایل-ایم سرکار	//
	گجرات	
۵۹	جے-ڈینیل صاحب	//
	شیخوپورہ	
۶۰	چوہدری متوالا	//
۶۱	// گھیٹا	//
۶۲	// شاہانہ	//
۶۳	// دولا	//
۶۴	// دولت	//
۶۵	// قاسم	//
۶۶	مسٹر ای لوئس	//
۶۷	چوہدری عمرا	//
	ہوشیارپور	
۶۸	مسٹر بہاری لال	//

نمبر شمار	نام معطی	
	لدھیانہ	
۶۹	مسٹر بی-وا ٹلی	۱۰عہ
۷۰	مسٹر جے-سی گھوش	〃
	ینگ سن آباد	
۷۱	چوہدری سندرداس	〃
	پشاور	
۷۲	ڈاکٹر نذیر اللہ	〃
	کلارک آباد	
۷۳	مسٹر بی-این-دوہاوال	〃
	مارٹن پور	
۷۴	مسٹر ہیرالال وائی-ایم-سی	〃
	سرگودہا	
۷۵	پادری ٹلو چند	〃
	ڈسکہ	
۷۶	مسٹر پی-ڈی بھنوت	〃
	راولپنڈی	
۷۷	مسٹر بی-سی-لال	〃
	جہلم	
۷۸	مسٹر اینڈرو محی الدین	〃
۷۹	مسٹر فضل الہی بی-اے	〃
	ننکانہ صاحب	
۸۰	مسٹر جے-ڈی-عنبر	〃
	شاہ پور	
۸۱	مسٹر ایچ-ڈی بھنوٹ آئی-سی-ایس	〃

نمبر شمار	نام معطی	
	سانگلہ ہل	
۸۲	چوہدری دساوال	۱۰عہ
۸۳	چوہدری فتح جنگ	〃
	قصور	
۸۴	چوہدری میوہ	〃
۸۵	چوہدری جیتو	〃
	بھیرہ	
۸۶	پادری ایس-بی-سالک	〃
	جگراواں	
۸۷	پادری احمد شاہ	〃
	اٹاری	
۸۸	مس کے-ایم-بوس	〃
	گورداسپور	
۸۹	رائے بہادر ایم-ایل-رلیا رام	〃

مفصلہ ذیل اشخاص نے پانچ پانچ روپے عنایت کئے ہیں:-

نمبر شمار	نام معطی	
	شیخوپورہ	
۱	بابو خوشحال چند	۵ھر
۲	چوہدری حاکم رائے	〃
۳	پادری دتہ	〃
۴	مسٹر ڈینئل	〃
۵	چوہدری لہنا	〃
۶	چوہدری گہنا	〃
۷	چوہدری سندر	〃

نمبر شمار	نام معطی	
۸	چوہدری دینا	۵ر
۹	چوہدری مراد	〃
۱۰	چوہدری گھسیٹا	〃
۱۱	چوہدری حسنا	〃
۱۲	چوہدری امام الدین	〃
۱۳	چوہدری میلا	〃
۱۴	چوہدری کتھو	〃
۱۵	چوہدری لبھو	〃
۱۶	چوہدری ویرد	〃
	لاہور	
۱۷	مس احمد شاہ	〃
۱۸	پادری پیلیز	〃
۱۹	پادری غلام مسیح	〃
۲۰	پادری طالب الدین	〃
۲۱	مسٹر طہماسپ خان	〃
۲۲	مسٹر جیکب	〃
۲۳	مسٹر اینگلز	〃
۲۴	مس مترا	〃
۲۵	مسٹر فیض علی	〃
	گجرات	

نمبر شمار	نام معطی	
۲۶	پادری مہتاب الدین	۵ر
	ینگسن آباد	
۲۷	مسٹر ٹھاکر داس شرف	〃
۲۸	چوہدری وساوا مل	〃
	فیروزپور	
۲۹	پادری پریم داس	〃
	منٹگمری	
۳۰	پادری آر۔ ایم شاد	〃
	گوجرانوالہ	
۳۱	پادری بی۔ ایم لٹے	〃
۳۲	پادری لبھو مل	〃
۳۳	چوہدری کلو	〃
۳۴	چوہدری لابھا	〃
۳۵	چوہدری عبداللہ	〃
۳۶	چوہدری امام الدین	〃
۳۷	〃 〃 〃	〃
۳۸	〃 اللہ دتہ	〃
۳۹	〃 اروڑا	〃
۴۰	پادری ہیرا لال	〃
۴۱	مسٹر سٹیفن	〃

نمبر شمار	نام معطی	
۴۲	چوہدری بڈھو	۵ر
	سرگودہا	
۴۳	پادری چیتو مل	〃
۴۴	〃 اروڑا رام	〃
۴۵	ایلڈر لابھی	〃
	اکال گڑھ	
۴۶	پادری عبدالکریم	〃
	لائل پور	
۴۷	مسٹر مخزن اللہ	〃
	خانقاہ ڈوگراں	
۴۸	مسٹر شاد	〃
	چوہڑ کانہ	
۴۹	چوہدری رلو	〃
۵۰	چوہدری ہیرا	〃
۵۱	مس ایچ میاداس	〃
۵۲	چوہدری رام چند	〃
۵۳	چوہدری اروڑا	〃
۵۴	معرفت مسٹر اے گھوش جالندھر	صہ ۳
۵۵	معرفت پادری نواب الدین گوجرانوالہ	۲۵ صہ

نوٹ: پچیس ۲۵ اشخاص ایسے ہیں جنہوں نے عین بمقام جلسہ پانچ پانچ روپیہ چندہ ہمارے کلرک کو دیئے مگر اپنا پتہ ٹھیک طرح نہ لکھوایا ہم بہت مشکور ہونگے اگر وہ صاحب خود یا اُن کے احباب ہمیں فوراً اُنکے نام و پتہ سے اطلاع دیں۔

کے۔ ایل۔ رلیارام پریزیڈنٹ پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس لاہور

هماری

لئے ایک لڑکا

تولد هوا - اور هم کو ایک بیٹا بخشا

گیا اور سلطنت اسکے کاندھے پر هوگی - اور وہ اس نام سے کہلاتا ہے

عجیب مشیر خدای قادر ابدیت کا باپ سلامتی کا شہزادہ

اسکی سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی کچھ انتہا نہ هوگی - وہ

داؤد کے تخت پر اور اسکی مملکت پر آج سے لیکر ابد تک بندوبست

کریگا - اور عدالت اور صداقت سے اسے قیام بخشیگا - رب الافواج

کی غیوری یہ کریگی + (توریت) یسعیاہ ۹ باب ۶، ۷ آیت

خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا

تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے هلاک نہ هو - بلکہ همیشہ کی زندگی

پائے + (انجیل) یوحنا ۳ باب ۱۶ آیت

زبور ۲
مسیحی
رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۶۸۰
فروری
۱۹۲۵ء
جلد ۱
نمبر ۹
ہندوستانی مسیحیوں کا مذہبی اخلاقی علمی و تمدنی ماہواری رسالہ
ایڈیٹرز (۱) مسٹر کے ایل۔ رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن
ہائی سکول لاہور۔ ایڈیٹر انچیف
(۲) مسٹر آسٹون جیکب صاحب عاصی۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ جائینٹ ایڈیٹر
S. K. Singh

اشتہار کتب

عبد المسیح ولد اسحاق کندی خلیفہ مامون رشید کے عہد حکومت کا ایک مسیحی اور مسلمان کے مابین مباحثہ۔ اس سے دونوں مذہبوں کی واقفیت بہت بڑھ جاتی ہے صفحہ ۲۰ ... ... ۱۰ ؍

اعتراض المسلمین معہ جوابات۔ مسلمانوں کے مسیحی مذہب پر ۱۵۱ اعتراض اور انکے جواب جنہیں مرحومی بشیر کو عموماً واسطہ پڑتا ہے صفحہ ۱۵۰ اصل ۱۲ ؍ رعایتی ۸ ؍

مختصر ریویو بر کرسچن مت درپن۔ پنڈت لیکھرام آریہ کے مسیحی مذہب کے خلاف ایک رسالہ کا دندان شکن جواب صفحہ ۷۸ ؍

دُرِ حکمت۔ سادھو سندر سنگھ صاحب کا رسالہ جس میں روحانی زندگی کے ۲۵ اسباق درج ہیں روحانی اسباق کا ایک قابل دید مجموعہ ہے۔ صفحہ ۳۸ ... ... ۴ ؍

حقیقی عرفان۔ پادری عماد الدین صاحب مرحوم کے ۱۲ رسائل کا مجموعہ۔ صرف ۲۰ جلدیں باقی ہیں۔ کمیاب و قیمتی چیز ہے صفحہ ۱۵۵ ... ... ۴ ؍

بائبل کی کتابوں کا دیباچہ اور اُن کے مضامین۔ پادری جے۔ آر ڈملیو صاحب کی انگریزی تفسیر بائبل کے دیباچہ کا ترجمہ۔ بائبل کے مطالعہ کنندگان و طالب علمان مدارس علم الٰہی کے لئے تحفہ بے بہا ہے صفحہ ۵۲۴ دو روپیہ ... ... عہ ؍

تعلیم المسیح۔ اناجیل اربعہ کے مطابق مسیح کی تعلیم کے خاص اصول۔ اخلاقی تعلیم۔ پاک دل۔ اعلیٰ نمونہ۔ زندگی و ترقی۔ دینی تعلیم۔ بیٹا فار قلیط اور مسیح کی معموری اسکے مضامین ہیں صفحہ ۱۴۰ مجلد ۹ ؍

کرنتھی مسیحیوں کو پولوس رسول کے پہلے خط کی تفسیر از پادری جے جے لوکس صاحب صفحہ ۵۰۰۔ ایک روپیہ ۸ ؍

تحفۃ النساء۔ تمام مشہور و معروف مسیحی عورتوں کے حالات۔ ۸ حصص یکجا مجلد۔ قیمت صرف ۔ ۱۰ ؍

روحوں کا جیتنے والا۔ اس میں مسیح کے روحوں کو خدا کی بادشاہی میں شامل کرنیکے طریقے درج کرکے منادوں کے لئے عمدہ سبق بیان کئے ہیں صفحہ ۶۲۔ ٹائٹل رنگین ۔ ... ... ۳ ؍

ازالۂ مادہ۔ فاضل اجل مولوی پادری سلطان محمد پال افغان کا آریہ سماج کے بنیادی مسئلہ کی تردید میں لاجواب رسالہ جسکی تعریف ہندوستان بھر کے تمام مسیحی اور مسلم اخبارات نے کی ہے صفحہ ۲۴۰ ... اٹھ پائی

سمیر درے۔ ہندوؤں کے خورد و کلان صدہا مختلف مذہبی فرقوں کے عقائد و تعلیمات اور انکے پیشواؤں کے عجیب و غریب حالات۔ صفحہ ۲۹۲۔ کپڑا ... ... ۶ ؍

المشتہر سکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور

فہرست مضامین

اجلاس یازدہم

آل انڈیا کرسچن کانفرنس

منعقدہ بمبئی - ۲۹ لغایت ۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۲۴ء

خلاصہ تقریر پادری ڈاکٹر جے - آر چتمبر ایم - اے پریزیڈنٹ

مشکلات موجودہ کو کس طرح حل کرنا چاہئے

ڈاکٹر صاحب نے اپنے پریزیڈنٹ منتخب کئے جانے پر کسر نفسی ظاہر کرنیکے بعد تیرہ برس کا کانفرنس کی حسن خدمات کا اعتراف کیا اور ترغیب دی کہ بیش از پیش اپنی قوم اور ملک کی بہبودی کے لئے کوشش کریں اور جو کمزوری یا کوتاہی مسیحیوں میں پائی جاتی ہے انہیں دور کرنے میں کوئی وقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

فرمایا کہ دنیا کے ہر ملک و سلطنت و ہر براعظم میں ان دونوں کسی نہ کسی قسم کی سیاسی و تمدنی ہل چل پائی جاتی ہے۔ جو کھلبلی شرق تا غرب پائی جاتی ہے اُسکا ذکر کرنے کے بعد آپ نے ہند کی مشکلات کا بیان کیا۔ فسادات مابین ہندو مسلمانان کے متعلق فرمایا کہ ہرچند کہا جاتا ہے کہ یہ جھگڑے سیاسی نہیں محض مذہبی ہیں۔ مگر ہندوستان میں جہاں مذہب ہر تحریک کی جان ہے۔ ایسے تنازعے قومی ضعف اور تمدنی۔ اقتصادی سدِ راہ بنے بغیر نہیں رہ سکتے۔

فرمایا کہ ہم انڈین کرسچن کانفرنس اضلاع متحدہ کے ساتھ ہم نوا ہو کر اپنے غیر مسیحی ہندو مسلمان بھائیوں سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے وطن کی خاطر اپنے جھگڑوں کو بالائے طاق رکھدیں اور بجائے نفاق اتفاق پیدا کریں۔

فرمایا کہ گو میں دہلی کانفرنس وغیرہ کو جو اتحاد قائم کرنے کی غرض سے ہوئی تھیں

پورے طور پر کامیاب نہیں سمجھتا۔ تاہم ہمیں اس بات کا بڑا فخر ہے کہ جناب لاٹ بشپ
ہندوستان اور ہمارے سابق پریذیڈنٹ ڈاکٹر ایس۔ کے۔ دتا نے ان میں ہماری نمائندگی
کا خوب حق ادا کیا۔ ان ہر دو صاحبان کی موجودگی اور تقریروں نے اتحاد کے مسئلے کو حل کرنے
میں ایک خاص اور قابل قدر حصہ لیا۔ امید ہے کہ جلد صلح کی صورت نکل آئے گی۔
کانفرنسوں سے عارضی کارروائی ہوتی ہے۔ تاوقتیکہ عام لوگوں میں فراخدلی اور راست
بازی کا مادہ بھر نہ دیا جائے۔ دائمی اور پائدار اتحاد قائم نہیں ہوسکتا۔ اسلئے عوام کو درست
کرنا۔ اہل دیہات کو سنوارنا ہمارا فرض اولین ہے تاکہ اپنے جھگڑوں کو دریائے نیل میں
غرق کرکے ملکر اپنے ملک کی ترقی کے لئے کوشش کریں۔ ان تمام فسادات کو گورنمنٹ
کے ذمے لگاکر طویلے کی بلا بندر کے سر نہ ڈالیں بلکہ اپنے قصور علم و فطور عقل کا اعتراف
کریں اور اپنی نادانیوں سے باز آئیں۔

فرمایا۔ میرے خیال میں ہندوستانی مسیحی ان فسادات میں نہ ہندو کے طرفدار ہیں نہ
مسلمان کے۔ ذاتی رائے کسیکی کچھ ہو۔ ہماری قوم اس معاملے میں بے رو رعایت ہی نہیں رہی
ہے بلکہ فریقین کی خدمت کا دم بھرتی اور فی الواقع خدمت کرتی رہی ہے۔ لکھنؤ میں ہندوستانی
مسیحیوں نے مشنری صاحبان کی مدد اور ترغیب سے اپنے ہندو اور مسلمان بھائیوں کی
بڑی امداد کی ہے۔ ہم پر دونوں میں سے کسی کے ساتھ ہونے کا الزام مطلق اتہام ہوگا۔ ہم تو
صلح چاہتے ہیں اور ہماری قوم کی حیثیت درمیانی شفیع کی ہے۔ ہم اپنے ہندو اور مسلمان
بھائیوں کے پیشواؤں کے مشکور ہیں کہ انہوں نے ہمارے نمائندوں کو بڑی محبت اور
تعظیم سے قبول فرمایا۔ اور اس معاملے میں انکے خیالات کو بڑی ہمدردی سے سنا۔

چونکہ ہم ہندو و مسلمانوں میں سے نکلے ہیں۔ ہماری قوم کو دونوں سے ہمدردی ہے
اسی لئے ہم سود و زیاں میں انکے شریک ہوئے ہیں۔ ہم میں سے بعض نے چاہے غلط
سمجھ یا صحیح۔ انکے ساتھ ملتی نمائندگی کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ ہم انکے قومی مقاصد
میں انکے ہمراہ ہیں اور انکی آزادی حاصل کرنے کی کوششوں میں انکے ہاتھ میں ہاتھ دیکر
بہت دور جانے کو تیار ہیں بشرطیکہ وہ ہمارے خداوند اور آقا یسوع مسیح کی تعلیم اور
اصولوں کے خلاف اور کلام ربانی کے مناقض نہ ہوں۔ افسوس ہے کہ بعض ہندو مسلمان
بھائی خواہ مخواہ ہماری صداقت پر حرف لاتے ہیں اور ہماری خدمت اور رفاقت کے دعووں کو

شبہ کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ واضح ہو کہ ہماری قوم کا شمار دن بدن بڑھ رہا ہے۔
اور ہمارے شریک ہوئے بغیر پورا پورا اتحاد ہرگز قایم نہیں ہوسکتا۔
پھر آپ نے اپنی قوم کی تین بڑی تمدنی خرابیوں کا حال مجملاً بیان فرمایا جنکی فوراً بیخکنی کرنی مناسب ہے۔

۱۔ انسداد استعمال منشیات ومسکرات۔

۲۔ لڑکوں کی تعلیم جو لڑکیوں کی تعلیم سے زیادہ ہونی چاہئے۔ بہرصورت ان سے کم تو نہ ہو۔ بعض مسیحی لڑکیاں اسی خرابی کے باعث غیر مسیحیوں سے شادی کر بیٹھتی ہیں جو نہایت مضر اور قبیح فعل ہے۔ لہذا لڑکوں کو نہایت اعلیٰ تعلیم دلانا ہر ماں باپ کا لازمی فرض سمجھا جانا چاہئے۔

۳۔ تیسری خرابی جو ہمیں آنکھیں دکھاتی ہے مسیحی اور غیر مسیحی مرد اور عورتوں میں باہم بیاہ شادی ہونے کا سوال ہے۔ ہمارے بعض غیر مسیحی دوست خواہ کچھ بھی کہیں حق تو یہ ہے کہ مسیحی مذہب میں اس قسم کے سمبندھ اور رشتے قایم کرنے کی ہرگز کہیں اجازت پائی نہیں جاتی۔ اس قباحت کو یک قلم موقوف کر دینا چاہئے؛

رہا ہندوستانی مسیحیوں کی سیاسی حالت اور روش۔
ہماری قوم نمک حلال۔ پابند قانون اور محب وطن قوم رہی ہے اور رہے گی لیکن ساتھ ہی ہمارا یقین ہے کہ ماں بھی بچے کو بغیر مانگے دودھ نہیں دیتی۔ اور ہم "ہر کسے مصلحت خویش نکو میداند" کے قائل ہیں۔ ہمارا معقولہ بنانا ہے نہ کہ بگاڑنا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم لوگ عدم تعاونی نہیں بلکہ تعاون کے حامی ہیں۔ مغرب نے مشرق پر بہت احسان کئے ہیں اور یہ خدا کی مرضی کے باعث ہوا۔ انگریزوں کے خاص اشفاق ہندوستانیوں پر ہیں۔ ہم کو نسلیں توڑنے۔ رکاوٹیں پیدا کرنے کے حق میں نہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ کی مخالفت سے خاک بھلا نہیں ہوسکتا۔ قومی نفرت اور مغربی تجارت اور دیگر مغربی عناصر سے مغائرت پیدا کرنے سے کیا بن سکتا ہے۔ شوق سے اپنے ملک کی صنعت وحرفت کو ترقی دو۔ مگر مغرب سے بغض للہی کیسا؟ کیا تعلیم مغرب سے ہم مستفیض نہیں ہوئے۔ کیا مغرب کی ایجادوں اختراعوں اور عیش وآرام کے سامانوں سے ہمنے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور یہ ہمارے جمہوری خیالات کہاں سے آئے جو آجکل

اس زور شور سے ہم میں عملی طور پر نظر آرہے ہیں۔ اور ان سب پر طرہ یہ ہے کہ مسیحی
مذہب کے ہندوستان میں لانے والے بھی ہمارے مغربی بھائی ہیں۔ اِن تمام نوازشات
کے لئے ہم کسطرح کافی ممنونیت کا اظہار کرسکتے ہیں۔ غرض ہندوستان کبھی کمالِ علمیت
تک پہنچ نہ سکتا اگر مغرب سے بے تعلق رہتا۔ جاپان نے جو کچھ ترقی کی مغرب کی بدولت
اور ہندوستان جو ترقی کریگا مغرب کی بدولت۔ بغاوتوں سے جس طرح مصر نے اپنا
اینٹ کا گھر مٹی کرلیا ہندوستان بھی معرضِ بربادی میں آجائیگا۔ ہندوستان کی
تمدنی۔ اقتصادی اور سیاسی ترقی تناسخ کے عمل سے پیدا ہوگی نہ کہ انقلاب اور
بغاوت کے اکھڑ ہاتھوں سے۔ ہندوستانی مسیحی اپنے ہندو مسلمان بھائیوں سے
علیحدگی نہیں چاہتے۔ بلکہ اُن سے ملکر اپنی قوم کو تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اکیلے
چنے ہوکر بہاڑ نہیں پھوڑ سکتے ہمیں سیاسی معاملات میں اپنے آپ کو ہندو مسلمان
بھائیوں سے جدا نہیں کرنا چاہئے۔ چاہے تھوڑا بہت ہمارا اس میں نقصان بھی
کیوں نہ ہو۔

پریزیڈنٹ صاحب نے اس امر پر بڑا افسوس ظاہر کیا کہ مسیحی قوم کا ایک حصہ اس
کانفرنس کی کارروائی میں کوئی حصہ نہیں لے رہا ہے۔ پروٹسٹنٹ تو موجود ہیں مگر فرقہ
رومن کیتھلک کے نمائندے بالکل جلسے میں مفقود ہیں۔ انگریزوں میں تو یہ تفریق
پائی نہیں جاتی۔ ہر فرقے کے مسیحی ملکر کام کرتے ہیں مگر ہمارے ہندوستان ہی پر فرقہ
بندی اور تفریق قومی کی نحوست سوار ہے جو جلد جاتی رہنی چاہئے۔ فرقہ رومن
کیتھلک سے اس امر میں اتحاد کی درخواست کیجاتی ہے۔ اور ہر کلیسیا کے ممبروں کو
اپنے ملک اور قوم کے فائدے کے لئے شامل ہونے کی ترغیب دیجاتی ہے کیا
ہی کیا دیہاتی ہم سب ملکر اپنے ملک کی خدمت کا ذمہ اُٹھائیں اور اپنے ہندو
مسلمان محبانِ وطن کو اپنی پر داخت کا ضامن بنائیں۔

آخر میں بڑے زور سے اس بات کو کہتا ہوں کہ اگرچہ وفاداری۔ خدمت۔
اپنی قوم اور ملک کی ضروری تو ہیں لیکن یہ اس حقیقت کی تابع ہیں کہ ہم پر اپنے خداوند
اور مالک یسوع مسیح کی پوری پوری اطاعت اور فرمانبرداری کرنی اس سے بھی زیادہ

ضرور ہے۔ سب سے پہلے ہمیں خدا کی بادشاہت اور اُسکی راستبازی کا طالب ہونا چاہئے۔ پھر یہ تمام بخششیں آپ سے آپ ہمیں مل جائینگی۔ ہم اِسی گُر کے بل پر تمام موجودہ واقعات و مشکلات کو قرار واقعی حل کر سکتے ہیں۔

پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس کی انتظامیہ کمیٹی کا

ایک ضروری اجلاس بابت زمین

۲۴۔ جنوری کو ڈاکٹر ایم۔ سی۔ اے بینٹ بہ صدارت مسٹر کے۔ ایل رلیارام صاحب پریزیڈنٹ کانفرنس منعقد ہوا۔ مفصلہ ذیل اشخاص حاضر تھے۔ مسٹر جے ڈانیل صاحب گجرات۔ پادری بی۔ ایم رائے گوجرانوالہ۔ مسٹر آئی جے انگلز میونسپل کمشنر لاہور۔ پادری نواب الدین از مرالی والہ۔ مسٹر حاکم شاہ سکاچ مشن جنوکی سامریال ضلع سیالکوٹ۔ مسٹر بی ایل رلیارام صاحب سکرٹری لاہور۔ مسٹر سٹیفنز از گوجرانوالہ۔ ان اصحاب کے علاوہ اہل دیہات کی ایک جماعت کثیر یعنی ۲۵۔ ۲۴ آدمی جو مختلف اضلاع سے جلسے کی کارروائی سُننے آئے تھے ساتھ کے کمرے میں فراہم تھے۔ بعد بعد غور و خوض مفصلہ ذیل قرار دادیں منظور ہوئیں۔

۱۔ کہ کانفرنس کا سالانہ جلسہ تعطیلات ہولی میں۔ نولکھا۔ اے پی مشن احاطہ لاہور میں فراہم یعنے ۹ مارچ کی شام کو شروع ہو کر ۱۱ مارچ کی شام تک رہے جلسے کی کامیابی اور انتظام کے لئے ایک انتظامیہ کمیٹی مقرر ہوئی جسکے ممبر مسٹر کے۔ ایل رلیارام صاحب پریزیڈنٹ مسٹر آئی۔ جے انگلز اور پادری نواب الدین صاحب منتخب ہوئے۔

۲۔ دیگر قرار پایا کہ ایک لنگر لگایا جائے تاکہ تمام صاحبان کو جو اس جلسے میں قدم رنجہ فرما ہوں مفت کھانا دیا جائے۔

۳۔ پروگرام جلسہ پریزیڈنٹ اور سکرٹری کانفرنس ملکر مرتب کریں۔

۴۔ منٹگمری کی زمین کی نسبت یہ قرار پایا کہ کانفرنس اسباب کو محسوس کرتی ہے کہ اگرچہ یہ زمین ناقص خیال کیجاتی ہے پھر بھی اس موقعے کو ہاتھ سے دینا نہیں چاہئے۔ جو قطعے اچھے ہیں انکی خرید کا ضرور انتظام کیا جائے۔ جو صاحب خریدنا چاہیں وہ زمین بذات خود دیکھ آئیں اور زمین کا

نمبر وغیرہ ہمکو دیدیں۔ اور ۱۵ فروری سے پہلے بحساب فی مربعہ ۵۵۲ روپے کرسچن کوآپریٹیو
بنک لاہور میں جمع کرکے نمبر رسیدز کے ہمراہ اپنی عرضی باقاعدہ کانفرنس کو بھیجدیں۔
واضح ہو کہ زمین فرداً فرداً کسی شخص کو نہ دیجائے گی تاوقتیکہ کسی خاص ضلع کی
ایک جماعت مجموعی طور پر نہ خریدے جس ضلع یا گاؤں کے لوگ زمین چاہیں وہ پہلے
ایک سوسائٹی یا انجمن اس غرض سے بنائیں۔ اور وہ انجمن کانفرنس سے زمین کیلئے
کہے اور روپیہ مسیحی بنک لاہور میں داخل کرائے۔ پھر کل ممبران انجمن کی متحدہ ذمہ واری پر زمین
دے دیجائے گی۔ پانچ اصحاب کی کمیٹی اس اراضی کی خرید کے لئے ٹنڈر دے گی جسکے ممبران
حسب ذیل ہیں۔ مسٹر کے۔ ایل رلیارام۔ مسٹر بی۔ ایل رلیارام۔ مسٹر آئی۔ جے انگلز۔ پادری
نواب الدین اور مسٹر جے ڈانیل۔

۵۔ قرار پایا ہے کہ پاک پٹن میں ایک مسیحی کالونی یا بستی آباد کرنیکے لئے کم از کم ۴۰۰ یا
۵۰۰ مربعے زمین خریدی جائے۔ یہاں کی زمین نہایت عمدہ ہے۔ کسی شخص کو ایک مربعے
سے زیادہ خرید کرنے کی اجازت نہیں تاکہ پنجاب کے کل اضلاع کے لوگوں خصوصاً اہل دیہات
اور غریب مسیحیوں کو فائدہ پہنچے۔ کانفرنس چاہتی ہے کہ پاک پٹن کی زمین کی خریداری کے لئے ابھی سے
باقاعدہ تیاری شروع کیجائے۔ تمام مشنوں کو اس تجویز میں شامل کرنیکی کوشش کیجارہی ہے۔ خواہ کسی مشن کا
آدمی کیوں نہ ہو اس مقام پر زمین خرید سکتا ہے کسی خاص مشن سے تعلق رکھنے کی قید نہیں ہے۔ تمام قواعد
وضوابط اور مکمل تجویز انتظامیہ کمیٹی بابت خرید اراضی تیار کرکے کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں پیش کیگی
اور سب اہل شہر و دیہات ملکر اس امر پر غور کرینگے امید کیجاتی ہے کہ بہت اصحاب تشریف لاکر اپنی اپنی رائے
سے کانفرنس کو اس امر میں امداد دینگے۔ فورمن کرسچن کالج لاہور نے ایک سال پھر ۱۳ برس کے بعد فٹ بال کی
ڈھال جیتی ہے اور یہ کامیابی مسٹر اسرائیل لطیف صاحب ایم۔ اے کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔
چک نمبر ۷۰ و کے مسیحی کرمفرماؤں نے مبلغ دس روپے ہمارے اخبار مسیحی کی امداد کیلئے ارسال فرمائے ہیں جسکو ہم مشکور ہیں
پادری ملو چند صاحب ساکن سرگودھا نے اخبار مسیحی کی امداد کیلئے ۲۰ روپے دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔
اس قسم کی حوصلہ افزائیوں سے ہماری ہمت بڑھتی ہے۔ خریداران اخبار کی تعداد میں اس سرعت
سے ترقی ہے کہ اگر یہ رفتار قائم رہی تو پرچہ مسیحی ہندوستان کے تمام مسیحی اخباروں سے
طاقتور ہو جائیگا۔ اور قوم اور ملک کی بے حد خدمت بجالائیگا۔

❖

نئے دن زمین کی بابت ہمارے پاس خطوط دور ونزدیک سے آتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے
کہ ہماری قوم کے افراد ماشاءاللہ زمین کے از صد خواہاں ہیں۔ ہم پھر عرض کرتے ہیں کہ ہمیں اس
معاملے میں نہایت صبر واستقلال کو کام میں لانا چاہیئے۔ اس بارے میں اگلے ماہ کانفرنس کے
سالانہ اجلاس میں خوب غور وخوض کیا جائیگا۔ زمین کے متعلق رو نئین تجاویز غور طلب ہمارے پاس
ہیں جو بموقعہ اجلاس سالانہ لوگوں کے سامنے پیش کیجائینگی تاکہ انپر بحث ہو۔ منٹگمری کی زمین
کی نسبت ہمارے فخر قوم مسٹر ڈانیل صاحب کی رائے ہے کہ زمین عموماً خراب ہے مگر چند
قطعات کافی اچھے ہیں۔ انکے خیال میں اس موقعے کو بھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے ہمیں معتبر
ذریعے سے خبر ملی ہے کہ اس زمین میں بھی گورنمنٹ عالیہ نے ایک حصہ عیسائیوں کے لئے
مخصوص کر رکھا ہے۔ لوگ چاہیں تو ایک قلیل تعداد کو یہ اراضی ملسکتی ہے مگر اپنے نام ہمارے
پاس بھیجنے سے بیشتر مناسب ہے کہ زمین کا بچشم خود ملاحظہ کر لیا جائے۔ کیونکہ ہمیں زمین
کی واقفیت نہیں۔ اس زمین کی خرید کے لئے چند نام ہمارے پاس آچکے ہیں اور کانفرنس
کی کمیٹی تھوڑے دنوں میں انکے واسطے گورنمنٹ کو ٹنڈر پیش کرنے والی ہے۔ یہ قطعات
فقط اہل دیہات کو دلوائے جائینگے۔ کوئی شہری اس میں شامل نہ کیا جائیگا۔

ایک نئی تجویز بابت خرید اراضی مارچ میں سالانہ جلسے میں پیش کی جائیگی۔ لوگوں سے
درخواست ہے اس عرصے میں اس تجویز پر غور کریں کہ کن شرائط پہ پاک پٹن میں تقریباً
۴۰۰ مربعہ زمین خریدی جائے۔ یہ زمین نہایت اچھی ہے جو چھ سات ہزار روپیہ مربعہ
سے کم قیمت نہ ملیگی۔ ہمارے مکرم مسٹر جے۔ ڈانیل صاحب ساکن گجرات اسکے متعلق
تجویز بنا رہے ہیں تاکہ سب کے سامنے برائے غور پیش کریں۔

نئے سال کی فہرست اعزاز سرکاری میں ہماری دو معزز بہنوں کو گورنمنٹ عالیہ سے
قیصر ہند کا تمغہ عطا ہوا ہے۔ ایک مسز ڈالی ہنٹر صاحبہ لیڈی ہیلتھ آفیسر ڈیرہ اسمٰعیل خان
ہیں۔ اور دوسری مس فیلبوس ہمشیرہ صاحبہ ڈپٹی فیلبوس صاحب ہیں جو بنگال میں ڈاکٹری
کرتی ہیں۔ مسیحی کی طرف سے دونوں کو مبارکبادی عرض ہے۔

کرسمس کی آخری تعطیلات میں اوکاڑے کے پاس ایک کیٹل فارم کے دیکھنے کا
اتفاق ہوا۔ جو سردار مالا سنگھ صاحب کی ملکیت ہے۔ کوئی ۳۰۰ مربعہ زمین میں کو یہ بڑا
پھیلا ہوا ہے۔ اور ۲۵ خاندان مسیحیوں کے سردار صاحب کے ہاں کام کرتے ہیں

سردار موصوف مسیحیوں پر ایسی نظرِ عنایت رکھتے ہیں کہ اس تمام کاروبار کا خاص مختار ایک مسیحی کو مقرر فرمایا ہوا ہے۔ امید ہے کہ سردار صاحب ہمیشہ ان مسیحیوں پر نظر التفات رکھینگے نہایت کشادہ دلی کو کام میں لائینگے اور ہمارے بھائی بڑی نمک حلالی اور تن دہی سے کام کرکے سردار صاحب کی نظروں میں ہماری قوم کا درجہ افتخار بڑھائینگے۔ یہ معلوم کرکے ہمیں نہایت خوشی ہوئی ہے کہ پادری پریم چند صاحب ان مسیحیوں کی روحانی پرداخت کے متکفل ہیں۔

ہم اپنی قوم کے مایۂ ناز مسٹر جی۔ سنتھالی صاحب ایم۔ اے۔ ایف۔ زیڈ۔ ایس۔ ایف ایل۔ ایس۔ آئی۔ ای۔ ایس پروفیسر زیالوجی گورنمنٹ کالج لاہور کے پنجاب یونیورسٹی کے آرڈنری فیلو مقرر ہونے پر صدق دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔

مسٹر ایس ناصر خلف ڈاکٹر آئی یو ناصر صاحب ناگپور میونسپلٹی کے کمشنر مقرر ہوئے ہیں۔ ان کے حق میں ہندو مسلمانوں نے خوشی خوشی رائے دیکر سچی حب الوطنی کا ثبوت دیا ہے مبارک۔

تقریظ رسالہ

نان کوآپریشن کا طوفان و مقدس بائبل کا بیان

پادری جسونت سنگھ صاحب مصنف رسالہ ہذا ایک بڑے لائق اور تجربہ کار مسیحی خادم الدین ہیں جنہوں نے گرم و سرد روزگار کا خوب مشاہدہ کیا ہے۔ آپ نے جو نان کوآپریشن کی تواریخ کی تصویر بنائے عالم کے بیشتر سے شروع کی ہے نہایت دلچسپ ہے۔ مصنف نے نان کوآپریشن کے نقصانات ہندوستان اور مسیحی کلیسیا کے لئے بیان کئے ہیں انکو پڑھکر ناممکن ہے کہ کوئی قائل نہ ہو کہ نان کوآپریشن میں سراسر زیان اور کوآپریشن میں مفاد ہے۔ ان دنوں نان کوآپریشن کی نادرگردی ہے اور اس قسم کی کتاب کو لوگ پسند نہیں کرتے تاہم سیاسی تحریکات کا یہ دوسرا رخ بھی دیکھنا سب کا فرض ہے تاکہ جو روش اختیار کی جائے دونوں پہلوؤں کو دیکھکر کی جائے۔ امید ہے کہ اس رسالے کی ہمارے ہموطن مناسب قدر کرینگے اور سیاسی معاملات میں ان معلومات سے فائدہ اٹھائینگے۔ کوآپریشن اور نان کوآپریشن کا شجرہ نسب بھی بہت دلچسپ ہے۔ ہم پادری صاحب کو انکی ایسی طرفہ تصنیف پر مبارکباد کہتے ہیں۔

(ایڈیٹر)

مفید الواعظین

تبرک جناب پادری جوئیل واعظ لال صاحب ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل۔ مرحوم ومغفور

اے اسرائیل! تو اپنے خدا کی ملاقات کی تیاری کر۔ عموس ۴/۱۲

سُلیمان کے انتقال کے بعد رحبعام کے عہد میں یہودی سلطنت دو حصے ہوگئی۔ ایک حصے کا بادشاہ رحبعام رہا۔ اِس حصے کا نام جنوبی سلطنت یا یہوداہ کی سلطنت تھا۔ اور یروشلم اس کا دارالخلافہ تھا۔ دوسرے حصے کا نام شمالی سلطنت یا اسرائیل کی سلطنت تھا۔ اس کو اکثر دس قبیلوں کی سلطنت یا افرائیم بھی کہتے تھے۔ اور اِس کا دارالخلافہ سمرون تھا۔ بائبل میں سُلیمان کے عہد کے بعد اِن دونوں حصوں کے بادشاہوں کے نام الگ الگ آئے ہیں۔ اِن دونوں سلطنتوں میں صُلح یا اتحاد بہت کم رہا۔ یہ دونوں اکثر آپس میں لڑتی اور ایک دوسری کا خون پیتی رہیں۔ شمالی سلطنت نے شروع ہی سے بُت پرستی کو اپنا مذہب بنا لیا تھا۔ اور اِسی بُت پرستی کی وجہ سے وہ رفتہ رفتہ نیست ونابود ہوگئے۔ نبیوں کے ذریعے سے خدا نے بار بار اُن کو آگاہ کیا کہ اگر یہ اپنی بُت پرستی اور شرارت سے باز نہ آئیں تو وہ طرح طرح کی مُصیبتوں میں پھنسینگے اور آخرکار اپنے دشمنوں کے ہاتھ سے بالکل ہلاک ہوجائیں گے۔ پر یہ ایسی آگاہیوں کو کانوں پر سے ٹال جاتے اور اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے تھے۔ نبی نے اُن کو یہ بھی بتایا کہ یہ خشک سالیاں اور قحط اور خانہ جنگیاں اور دشمنوں کے حملے اور آئے دِن کی خونریزیاں اِسی سبب سے ہیں کہ اُنہوں نے خداوند اپنے باپ دادا کے خدا کو چھوڑ دیا اور اُس سے باغی اور سرکش ہوگئے نبی نے اُن سے یہ بھی کہا کہ اگر وہ خدا کی طرف نہ پھریں تو وہ تباہ اور خستہ حال۔ برباد اور خانہ خراب ہوجائیں گے اور اُن کا مُلک ویران اور اُجاڑ ہوجائیگا۔ تو بھی ان کو ہوش نہ آیا۔ اور

نہوں نے کروٹ نہ بدلی ۔

عاموس نبی کی کتاب میں شروع سے آخر تک ورق ورق میں ہمیں یہ تصویر دکھائی دیتی ہے
ی نہایت ہی پرسوز و گداز لفظوں اور دردناک پیرائے میں قوم کی شرارت اور خدا کی
تنبیہ کا ذکر کرتا ہے۔ اُس نے انہیں صاف صاف بتایا کہ خدا نے اُن پر اسی ارادے سے
آفتیں اور مصیبتیں بھیجیں کہ وہ اپنے خالق اور مالک کی طرف پھریں۔ پر اُنہوں نے یہ نہیں
لیا۔ اس لئے اُنہیں آخری تاکید یہ کی جاتی کہ اے اسرائیل! تو اپنے خدا کی ملاقات کی
تیاری کر ۔

ہم ان لفظوں سے کئی سبق سیکھتے ہیں جو ہماری خدمت اور روزمرّہ کی زندگی
میں ہمارے لئے از حد مفید ہیں۔

۱۔ تُو۔ خدا کے کلام میں فرد اور قوم دونوں کو اسی ضمیر واحد سے خطاب کیا ہے۔ گویا
یہ بتایا جاتا ہے کہ اے انسان تو فردی حالت اور قومی حیثیت ۔ دونوں اعتبار سے
تن تنہا اور اکیلا ہے ۔ تیرے رشتے اور تعلّقات ۔ تیرے مشغلے اور ظاہری حالات
خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں ۔ روحانی حیثیت سے تُو خدا کے حضور اکیلا آدم اور فرد واحد ہے
تیرا حساب تیرے سر ہے اور تیری سزا یا جزا میں اور تیری عاقبت میں کوئی دوسرا شریک
نہیں ہوسکتا۔ اس لئے جو کچھ کرنا ہے اُس کے انجام کو سوچ لے۔ وغیرہ

۲۔ اپنا خدا۔ بار بار کلام میں یہی بتایا جاتا ہے کہ **خداوند ہمارا خدا** ہے۔ یہ رشتہ
ازلی اور ابدی ہے۔ یہ رشتہ ہمارے اختیار یا پسند پر موقوف نہیں۔ خدا ہماری ہستی اور وجود کا
بانی۔ خدا ہماری جان اور روح کا خالق ہے۔ جو کچھ ہمارے پاس اور جو کچھ ہمارے چوگرد ہے
سب اُس کا ہے۔ اِسی لئے اُس کو چھوڑنا زندگی کو چھوڑنا اور اُس کے خلاف اپنے بنائے
اور گھڑے ہوئے بتوں کو ماننا سخت بغاوت اور سرکشی اور اپنی موت کو بُلانا ہے۔ یعنے
خدا کو ماننا اور اُس کی **قربت** میں رہنا زندگی ہے اور اُس کی حکم عدولی اور اُس سے
دور ہو جانا موت ہے۔ وغیرہ

۳۔ خدا کی ملاقات۔ کئی طرح سے ہم خدا کی ملاقات کرتے ہیں۔ فطرت میں چاروں
طرف خدا ہے۔ روزمرّہ کے تجربوں میں خواہ دکھ ہو یا سکھ خدا کی ملاقات ہے۔ خصوصاً
اپنے اعمال کی سزا میں ہم خدا سے ملاقات کرتے ہیں۔ موت کے وقت اُس کی ملاقات

ہوتی ہے۔ اور قیامت کے روز وہ ملاقات ہوگی جس کا نتیجہ یا تو ہمیشہ کی زندگی یا باہر کی
تاریکی اور موت ہے۔ اِن ملاقاتوں کی تیاری نہایت ضروری ہے۔ وغیرہ

تیاری کر۔ زندگی کے ہر پیشے اور کام میں تیاری ضروری ہے۔ خوشحالی اور راحت
کا لازمہ۔ ترقی کی شرط اور کامیابی کا راز یہی ہے۔ خدا کا یہ سب سے بڑا قانون اور حکم
ہے۔ یہی وہ تار زریں ہے جس کا سلسلہ غیر متناہی جوانات اور نباتات۔ معدنیات
اور فلزات کے ہر طبقے میں صاف نظر آتا ہے۔ خدا نے اِس وسیع اور خوبصورت عالم کو
پیدا کیا۔ اور اس کی ساری اشیا کے لئے اُن کے ضروری لوازم اور سامان تیار کئے۔
خداوند یسوع مسیح نے اپنے شاگردوں اور سامعین کو بتایا کہ "میرا باپ اب تک کام کرتا ہے"
روز حکمِ ایزدی سے ہمارے لئے زمین کھانا اور کپڑا تیار کرتی ہے۔ ساری کائنات اسی
لفظ تیاری کی شرح اور تفصیل ہے۔ مسیح آسمان پر گیا ہے تاکہ ہمارے لئے "جگہ تیار کرے"
ہم اپنے بچوں کے لئے سب کچھ تیار کرتے ہیں اور بچے زندگی کی کش مکش کے لئے تیار
ہوتے ہیں۔ مرد اور عورت۔ جوان اور بڈھے۔ امیر اور غریب۔ عالم اور جاہل۔ شریف
اور رذیل سب کے سب تیاری میں لگے ہیں۔ اور ساری قدرت دن رات تیاری میں
لگی رہتی ہے۔ یہاں نبی کہتا ہے کہ خدا کی ملاقات کی تیاری کر۔ کئی طرح سے خدا کی
ملاقات ہوتی ہے۔ ہم اِن ملاقاتوں کے لئے تیار ہو رہے یا نہیں۔ ہماری تیاری
کیسی اور کتنی اور کس قسم کی ہے؟ اس ملاقات کے نتیجے کا دارومدار ہماری ملاقات
پر ہے۔ ہم تیار ہو رہے یا نہیں۔ الٰہی تاکید یہ ہے **تیاری کر**۔ وغیرہ

ریویو

سرچشمہ امرت برمھہ گیان یعنے اردو ترجمہ اکتیس اوپنشد

لالہ کانشی رام صاحب نیّر گورنمنٹ پنشنر ساکن لاہور محلہ سرین کوچہ سوڈیاں سے یہ کتاب نایاب تحفہ
فرما کر سب صاحب پڑھیں خصوصاً مسیحی منادان اور خادمانِ دین سے سفارش کیجاتی ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر
اپنی معلومات کے دائرے کو وسیع بنائیں۔ لالہ صاحب نے بڑی جانفشانی اور محنت کی داد دیکر اکبر بادشاہ
تخت جگر شاہزادہ دارا شکوہ کے فارسی نسخے سے برائے فوائد انام اسکو ترجمہ کرکے چھاپا ہے قیمت فی
ایک روپیہ رکھی گئی ہے۔ لالہ صاحب مستحق صد تحسین و آفرین ہیں کہ اُنہوں نے اسرار نہانی ہندوستانی پبلک کے
عام فہم اردو زبان کی زبانی بیان فرما دیئے ہیں تاکہ طالبانِ معرفت کو ایک خوراک روحانی میسر آجائے (ا

کرسٹ آشرم یا مسیحی مونسٹری

ہردوار جوالاپور

ناظرین۔ لو آخر خدا نے ہماری مراد پوری کی۔ لوگ پوچھتے پوچھتے تھک گئے اور بہت نااُمید ہو گئے۔ مگر ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے جلدی کرنے سے کچھ نہیں بنتا۔ دیر آید درست آید۔ دو سال سے اخبارات میں آشرم کا تذکرہ ہوتا رہا۔ غیرتمند مہربان مسیحی اصحاب نے چندے بھی دیئے۔ اب آشرم کھل گیا ہے۔ ہمارا کام تو ختم ہوا۔ اب صرف منکوں کی ضرورت ہے۔ ہردوار اسٹیشن کے قریب دامن کوہ کے میں تیس ۳۰ بیگھہ زمین خریدی گئی ہے۔ فی الحال ضرورت پوری کرنے کے واسطے جوالاپور میں مکانات ہیں۔ عنقریب خرید شدہ زمین میں مکانات کی تعمیر شروع ہو جائے گی۔ اب اُن جوانوں کے واسطے جو انجیل کی خدمت اپنی زندگی کا مدعا سمجھتے ہیں موقعہ ہے کہ آشرم میں داخل ہوں۔ کسی چرچ کی خصوصیت نہیں۔ یہ آشرم تمام مسیحیوں کے واسطے ہے۔ خواہ کسی چرچ کے ہوں۔ جو ودیارتھی آشرم میں داخل ہوں گے اُن کے سادھو آنہ اخراجات کھانے پینے کے آشرم کمیٹی دے گی۔ کسی کو کچھ خرچ کرنا نہیں پڑیگا تعلیم دیجائیگی۔ کھانے پہننے کو دیا جائیگا۔ انجیل کی خدمت کے واسطے تیار کئے جائینگے۔ اب دیکھیں کہ کسقدر بہادر جوان خود انکاری کرکے دنیا اور دنیا کی شان پر لات مار کر غربت تجرد اور فرمانبرداری کی قسم اُٹھانیکو تیار ہوتے ہیں۔ اور اس صلیبی خدمت اور روحانی عزت کو روحوں اور خداوند کے واسطے اختیار کرنے اور آشرم میں داخل ہونیکو تیار پائے جاتے ہیں۔ مسٹر ونک یعنی مہنت انیسرداس جو خداوند کے صلیب کے فدائی ہیں اور اس آشرم کے مہنت ہیں ہر ایک سچے وفادار اور خادم صلیب کو خوش آمدید کہنے کو تیار ہیں اگر یہ موقعہ کھو دیا جائیگا تو گناہ آپکے ذمہ رہیگا۔ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا خدا کا شکر ہے کہ اُس نے اس ذمہ داری سے سبکدوش کیا۔ یاد رہے کہ پنجاب آشرم کمیٹی پنجاب کے امیدواران آشرم کے تمام اخراجات آشرم کے مقررہ قاعدے کے مطابق ادا کرنے کو تیار ہے پنجاب کے امیدوار مجھ سے خط و کتابت کریں یو پی اور ہندوستان کے مہنت صاحب سے یعنی پی۔ جی مشن رڑکی سے۔

"لِلّٰہ الحمد ٹھکانے لگی محنت اپنی"۔

دعاگو واعظ
کلارک آباد۔ ضلع لائلپور

حزقی ایل نبی

(از قلم ڈاکٹر آئی۔ یو۔ ناصر صاحب۔ لاہور)

یہودی قوم کی تواریخ میں بعض ایسے تاریک زمانے ہو گزرے ہیں جب معلوم ہوتا تھا کہ اس کا نشان روئے زمین پر سے نابود ہو جائیگا۔ ایک اسی قسم کا نازک وقت وہ تھا جب شمالی سلطنت کے دس اسرائیلی فرقے اسیر ہو کر جلاوطن کیئے گئے۔ یہ فرقے دنیا میں ایسے تتر بتر ہوئے کہ آج تک اُن کا پتہ نہیں ملتا۔ اِس اسیری کے ایک سو تیس برس کے بعد یہودی قوم جو کنعان کے جنوبی حصے میں آباد تھی اسیر ہو کر بابل کے علاقے میں بسائی گئی۔ خدا نے اُن کو اُن کی بے دینی اور بُت پرستی کی یہ سزا دی کہ غیر ممالک کے بادشاہوں نے اُنہیں پامال کیا۔ اول شاہِ مصر فرعون نکو نے ان کے ملک پر چڑہائی کی۔ اُس کے مقابلے میں شاہ یہوداہ یوسیاہ نے شکست کھائی۔ جب شاہِ مصر اپنی فتح کا فائدہ اُٹھانے کو تھا تو شاہِ بابل نے اُسے آدبوچا اور خوب پچھاڑا۔ اور پھر یہودیوں کے ملک پر ایک برائے نام بادشاہ مقرر کر دیا۔ اس وقت یہودی قوم کے وطن پرست جوانوں کا خون جوش مار رہا تھا۔ مگر یرمیاہ نبی کاہن نے اُن کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اُنہی ایام میں کاہنوں کے فرقے میں سے ایک نوجوان حزقی ایل بوزی کاہن کا بیٹا اپنی قوم کی خستہ حالت کو دیکھ رہا تھا۔ بدقسمتی سے جس عارضی بادشاہ کو شاہِ بابل بنوکدنضر نے یہودیوں پر مقرر کیا تھا اُس نے بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا۔ اس غدار کی سرکوبی کے لئے شاہ بابل نے پھر یہودیوں کے ملک پر چڑہائی کی اور دس ہزار چیدہ آدمیوں کو اسیر کر کے بابل کو لیگیا۔ اور اُنہیں مسوپوتامیہ کے مقام تل ابیب میں نہر کبار کے کنارے پر آباد کیا۔ اُن اسیروں میں حزقی ایل بھی بابل میں پہنچایا گیا۔ اُدہر تو یرمیاہ یروشلیم کے باقی ماندہ یہودیوں کو وعظ و نصیحت کے ذریعے سے حوصلہ دلاتا اور یہ سکھاتا تھا کہ تم اپنے کیئے کی سزا اُٹھا رہے ہو اس لئے خدا سے

قوی ہاتھ کے نیچے دبے رہو اور بابل کے سرسبز میدانوں میں حزقی ایل نبی اپنی قوم کے بدنصیب جلاوطنوں کو سکھاتا رہا کہ جو کچھ تم پر گزر رہا ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کی سزا ہے۔ جب لوگ شکایت کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادا کے گناہوں کی سزا ہمکو کیوں مل رہی ہے اور خدا کو بے انصاف حاکم سمجھتے تھے تو حزقی ایل نے اُنکو سمجھایا کہ یہ تمہاری غلطی ہے۔ جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی۔ یہ اس نبی کی خاص صنعت ہے کہ گو اس نے ایک ایسی قوم کے درمیان پرورش پائی تھی جو اپنی قومیت پر فخر کرتی تھی اور جس کا ہر فرد اپنی ہستی کو قوم پر قربان کرنے کو تیار تھا تو بھی اُس نے اُن کو شخصی مذہب کی تعلیم دی۔ جب خدا فرداً فرداً ہر شخص کی روح کے ساتھ کلام کرنے لگا تو اُس نے اُس قوم کو آگ کی بھٹی میں تایا تاکہ قومی غرور کے میل کو صاف کرے۔ یہ کام اُنکے اپنے ملک میں رہتے ہوئے نہیں ہو سکتا تھا۔ ہیکل اُن کے لئے ایک ایسا مضبوط قلعہ تھا کہ جسکے باہر اُنکے قیاس میں اُنکا مذہب زندہ ہی نہیں رہ سکتا تھا اسلئے قومیت کا خیال اُنکے دل سے اُسی صورت میں محو ہو سکتا تھا کہ وہ کسی دور ملک میں آباد ہوں۔ شاہ بابل نے اُنکو اس غرض سے اسیر کر کے جلاوطن نہیں کیا تھا کہ اُنہیں سزا دے بلکہ وہ اُنکو اُنکے مذہب کے مرکز سے دور لیجانا چاہتا تھا کہ نہ وہ ایک غیر ملک میں اپنی رسوم ادا کر سکیں گے اور نہ بغاوت کے لئے سر اُٹھائیں گے۔ اِس جلاوطنی میں جن چند لوگوں نے خدا کے خالص مذہب کو زندہ رکھا اُنکے ملنے سے سچے مذہب کا بیج باقی رہ گیا۔ اور آخر اسی بقیہ کے ذریعے سے جہان کو نجات حاصل ہوئی۔

حزقی ایل نبی کے بہت تھوڑے شخصی حالات ہمکو معلوم ہیں۔ وہ صاحب رویت تھا۔ اور کاہنوں کے فرقے میں سے ہونے کی وجہ سے اُسکی رویتوں میں زیادہ تر خدا کی قدوسی اور رسم پرستی کا مادہ پایا جاتا ہے۔ حزقی ایل کے دل میں ہر وقت یہ خیال موجزن تھا کہ خدا نے مجھے یہودی قوم کا نگہبان مقرر کیا ہے۔ اور اگر میں شریر کو اُسکی بدراہی سے باز نہ رکھوں اور وہ مرجائے تو اُسکا خون میرے سر پر ہوگا۔ جو پیغام وہ خدا سے سُنتا اُسے اپنی قوم کے بزرگوں کو پہنچایا کرتا تھا۔ چونکہ اُس پردیس علاقے میں اُنکا کوئی معبد نہ تھا جہاں عوام جمع ہو کر خدا کا کلام سُن سکتے۔ اِسلئے وہ حزقی ایل کے گھر میں وعظ سُننے کو آیا کرتے تھے۔ وہ اُنکو بتایا کرتا تھا کہ یروشلم کی بربادی جلد ہونے والی ہے۔ مگر جب تم یہ وحشت انگیز خبر سنو تو واویلا نہ کرنا۔ اس نصیحت کو عملی طور پر خدا نے اُنہیں یوں سکھایا کہ اُس نے نبی کی

آنکھ کی پیاری اور محبوب بیوی کو ایک سخت بیماری میں مبتلا کیا۔ وہ صبح بیمار ہو کر شام کو مر گئی
خدا نے حزقی ایل کو منع کیا کہ اُس پر نہ تو ماتم کرنا اور نہ رونا۔ یعنی کسی کو یہ نہ جتانا کہ تجھے غم ہے۔
حزقی ایل کے لئے یہ بڑا بھاری صدمہ تھا۔ مگر اُس نے نوحہ گری کی کوئی رسم اختیار نہ کی۔ دوسرے
روز حسب معمول لوگ اُسکے گھر میں وعظ سُننے کے لئے جمع ہوئے۔ اور نبی کی اس حرکت
سے حیران تھے کہ باوجود ایسے صدمے کے وہ مطلق آہ وزاری نہیں کرتا۔ تب نبی نے اُنکو
سمجھایا کہ جب یروشلیم میں تمہارا مقدس ناپاک ہو جائے اور تمہیں اپنے بچوں کے قتل
ہو جانے کی خبر ملے تو اسی طرح تم بھی نوحہ وزاری نہ کرنا۔ فقط میری طرح ٹھنڈے
سانس بھرنا۔ جس روز اُس کی بیوی بیمار ہو گئی اُس نے قوم کے بزرگوں کو اطلاع دی کہ جبتک
یروشلیم کی بربادی کی خبر یہاں نہ پہنچے میرا منہ بند رہے گا۔ اسی انتظار میں تین برس گزر گئے
اور جس روز ایک قاصد نے یہ منحوس خبر اُن کو سنائی اُسی روز نبی کی زبان کھل گئی۔ حزقی ایل
نبی کی پیدائش اور اوائل عمر کی نسبت ہم کچھ نہیں جانتے۔ اس فروگذاشت کی وجہ یسعیاہ
نبی کے حالات لکھتے ہوئے ہم نے بیان کی تھی۔ انبیا ر شہاب ثاقب کی طرح تھوڑی دیر
کے لئے اپنی روشنی چمکا کر معدوم ہو جاتے ہیں۔ اُنکی موت کا حال بھی مندرج نہیں۔
روایت کے مطابق ممکن ہے کہ یسعیاہ آرے سے چیر اگیا ہو۔ ممکن ہے کہ یرمیاہ سنگسار
کیا گیا ہو۔ مگر حزقی ایل کی موت کی نسبت تو روایت بھی خاموش ہے۔ بات اصل میں
ہے کہ انبیا کبھی نہیں مرتے۔ وہ اپنے کلام اور پیغام میں زندہ رہتے ہیں۔ قدیم بزرگوں اور
انبیا کی فہرست میں سے حزقی ایل نبی نوح ایوب اور دانیل کا نام خاص طور پر چن لیتا
اور یہی تینوں راستباز بطور نمونہ کے ہمیشہ اُسکی آنکھوں کے سامنے رہتے ہوں گے۔

حزقی ایل نبی کی کتاب کا بہت سا حصہ رویتوں پر مشتمل ہے۔ اسلئے ضرور ہے
کہ مختصر طور پر انکا بھی کچھ ذکر کیا جائے۔ چھوٹی چھوٹی رویتوں کو نظر انداز کر کے ہم اسوقت
اُسکی چار بڑی رویتوں کا تھوڑا سا حال لکھیں گے۔ اول رویت جو حزقی ایل نے نہر کبار
کے کنارے پر دیکھی وہ خدا کے جلال اور اُسکی بعید از فہم صفات کے متعلق تھی۔ اس وجہ
کی پیچ در پیچ متحرک تصویر سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی بابل کی عمارات پر کی تصاویر سے
بخوبی واقف اور ہیکل کی رسوم میں کامل طور پر ماہر تھا۔ جو بات معمولی الفاظ میں ادا نہ
ہو سکتی تھی اُس نے بذریعہ ایک عجیب تصویر کے یہودی قوم کی آنکھوں کے سامنے

رکھ دی جب وہ لوگ اپنی اسیری میں خدا کی پروردگاری اور اُسکے عدل کی نسبت شبہ ظاہر کر رہے تھے۔ ایسی رویت کے ذریعہ اُنکو خدا کی پاک ذات اور صفات کا علم سکھانا نہایت ضروری تھا۔ اسلئے یہ پہلی رویت باموقع تھی۔ دوسری رویت میں روح نبی کو یہودیہ کے کوہستان میں لے گئی۔ اور اُسکو وہ بُت پرستی اور ناپاک عبادت دکھائی جو خدا کی مقدس ہیکل میں ہو رہی تھی۔ اسوقت خدا کی حضوری کا بادل قدس الاقداس پر سے ہیکل کے آستانے پر آگیا اور وہاں سے مشرق کی جانب کوہِ زیتون پر ٹھہر گیا۔ اس سے یہودی اسیروں کو یہ سکھانا منظور تھا کہ یروشلیم اور اُسکی ہیکل کی بربادی عنقریب ہونیوالی ہے مگر وہ پھر بحال کیے جائینگے۔ یہودی پہلے تو اِسکو ماننے کے لئے تیار نہ تھے مگر جب تین سال کے بعد اُنکو بربادی کی خبر ملی تو اُنکی آنکھیں کھُل گئیں۔ اس افسوسناک منظر کے پیچھے نبی وہ وقت دیکھتا ہے جب یہودی قوم اپنے ملک میں از سرِ نَو آباد ہوگی اور خدا کا بندہ داؤد اُنکا چوپان ہوگا۔ اور خدا اُنکے سنگین دل کو نکال کر اُنہیں گوشتین دل عنایت کرے گا۔ باوجود ایسے تسلی بخش اور حوصلہ افزا کلمات کے وہ جلاوطن یہودی نہایت سوز سے واویلا کرکے یہ کہتے تھے کہ ہماری ہڈیاں سوکھ گئیں اور ہماری امید جاتی رہی۔ ہم تو بالکل فنا ہو گئے۔ اس شکایت کے جواب میں خدا حزقی ایل نبی کو وہ رویت دکھاتا ہے جو سوکھی ہڈیوں کی رویت کہلاتی ہے۔ ایک بڑے میدان میں خشک ہڈیاں بکھری پڑی ہیں۔ اول اُن میں حرکت پیدا ہوئی۔ پھر وہ آپسمیں مل گئیں۔ پھر اُن پر نسیں اور گوشت چڑھ آئے اور چمڑے کی پوشش اُن پر ہو گئی۔ اُن میں روح نہ تھی۔ جب نبی نے نبوت کی تو وہ جی اُٹھیں اور اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئیں۔ یہ یہودی قوم کی دو قسم کی بحالی کی تصویر تھی۔ وہ نہ فقط اپنے ملک میں لوٹ جائینگے پر اُن میں پاکیزگی کی زندگی بخش روح بھی آجائے گی۔ اِس آخری حصے کی تکمیل پنتکوست کے دن پر ہوئی۔ آخری رویت اُس ہیکل کی ہے جسے حزقی ایل کاہن کی رسم پرست آنکھ دور سے دیکھ رہی ہے۔ اس میں اور سلیمان کی ہیکل میں بعض نمایاں فرق پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اس نئی ہیکل میں عہد کا صندوق اور کفارہ گاہ قدس الاقداس اور مقدس جگہ میں موجود نہیں سنہرے مذبح کی جگہ ایک معمولی سادہ میز رکھی ہے۔ سب سے بھاری فرق یہ ہے کہ اس ہیکل کے آستانے میں سے پانی نکل کر بہنے لگا اور اُسکی گہرائی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔ اور جب یہ دریا بحرِ مردار میں جا ملا

تو اس بحر کا پانی اچھا ہو گیا جس میں ہر قسم کی مچھلیاں اور زندہ جانور پیدا ہو گئے۔ اس دریا کا بیان بہت کچھ وہی ہے جو مکاشفہ کی کتاب کے بائیسویں باب میں پایا جاتا ہے۔ اس رویت میں خدا کی عبادت کی بحالی کے ساتھ موسوی رسوم کی پابندی بھی لازمی قرار دی گئی اور خدا پرستی کے ساتھ رسم پرستی کا جزو بھی قائم رہا۔ اس تعلیم سے فقیہ اور فریسیوں کے فرقے پیدا ہو گئے۔ جب ہیکل کی عبادت کا دور جاتا رہا اور حزقی ایل نبی نے اپنے گھر میں عبادتخانہ بنا لیا تو ان بے شمار عبادت خانوں کی بنیاد پڑ گئی جو ہر کہیں یہودیوں کی بستیوں میں قائم ہو گئے اور جن میں یروشلیم کے باہر بھی وہ لوگ خدا کی عبادت کر سکتے تھے۔ یہی عبادتخانے مسیحی کلیسیا کے ابتدائی زمانے میں مسیحی مذہب کی تعلیم پھیلانے میں بہت مددگار ثابت ہوئے۔ اس لحاظ سے حزقی ایل نہ فقط جلاوطنی کے زمانے میں ایک مقامی نبی تھا بلکہ دنیا میں زندہ خدا کے مذہب کو قائم رکھنے اور پھیلانے کا ذریعہ ٹھہرا +

ناصر

نظم

(از مسٹر موسٰے خاں صاحب مہان سنگھ باغ۔ لاہور)

تو سراپا نور ہے اور میں سیہ کاروں میں ہوں
اس پہ لیکن فخر ہے۔ تیرے پرستاروں میں ہوں

تو الہٰی ذات۔ اور معصومیت میں بے عدیل
میں مجسم معصیت۔ یکتا گنہگاروں میں ہوں

دنیوی جاہ و جلال۔ و زور و زر کچھ بھی نہیں
پر ترے سرمایہ بخشش سے زرداروں میں ہوں

نفس و شیطاں کھینچکر۔ دوزخ کو ہیں لیجا رہے
پھر بھی ناصح سے یہی کہتا ہوں ہشیاروں میں ہوں

ہو چکی اب عمر۔ اور کچھ بھی نہیں اعمال نیک
عدل کے رو سے جہنم کے سزاواروں میں ہوں

لیک تیرے فضل سے بخشا گیا ہوں۔ یا مسیح۔
گو کہ دنیا کی نظر میں سخت بدکاروں میں ہوں

یا ہٹا دو دل مرا۔ اور یا اُٹھا لیجو مجھے۔
جی نہیں لگتا ہے اب دنیا میں بیزاروں میں ہوں

بیخودی طاری ہے گویا جام الفت سے سدا
پر شیاطین و معاصی سے خبرداروں میں ہوں

تن میں سینہ۔ سینہ میں دل۔ دل میں ہے آتش شوق
ہوں بھلا چنگا بظاہر۔ لیک بیماروں میں ہوں

پاک ہے تو۔ ذات تیری پاک۔ تیرا نام پاک
تیرے ذکر پاک سے میں نیک گفتاروں میں ہوں

ناصحوں کو خان ڈر دوزخ کا رہتا ہے۔ رہے
میں مسیح کے فضل سے جنت کے حقداروں میں ہوں

مسیحی جماعت کی اقتصادی حالت

(نتیجۂ فکر جناب۔ای۔چارلس بھٹی صاحب ایم۔اے)

کسی جماعت کی ترقی اُسی وقت ممکن ہوسکتی ہے جبکہ اُسکے افراد ذاتی طور پر اُسکی بہتری اور بہبودی کے لئے بہ تن کوشاں اور غور و فکر میں معروف رہیں۔ جبکہ ایسی حالت کسی جماعت میں ظہور پذیر ہوتی ہے تو جان لینا چاہیئے کہ اُسکی تمام کمزوریاں خواہ کسی قسم کی کیوں نہ ہوں خدا کے فضل و کرم سے فوراً کافور ہو جائینگی۔ ایسی روح اور احساس کی موجودگی حقیقتاً زندگی کا نشان ہے زندگی عمل کا سبب ہے۔ ہماری جماعت میں بھی خدا کی مہربانی سے ایسا احساس اِن دنوں موجزن ہے۔ بہت سے محب قوم اپنے بیش قیمت وقت کو قوم کی بہتری کے مذبحہ پر قربان کر رہے ہیں امید واثق ہے کہ اگر یہ لہر اسی انداز پر رہی تو سب اہم معاملات حل اور تمام کٹھن منزلیں طے ہو جائیں گی۔ استقلال کی روح نے بھی اپنا قدم پوری استقامت سے جما رکھا ہے۔ ہزیمتوں کی بوچھاڑ خواہ کتنی ہی زور آور کیوں نہ ہو مستقل مزاجی اور اولوالعزمی کو ایسے میدان میں پچھاڑ نہیں سکتیں۔ اور یہی امید ہمیں اپنے بلند ارادہ قومی لیڈروں سے ہے۔

ہماری جماعت کے اقتصادی اور تمدنی اور معاشرتی مسائل دیگر غیر مسیحی جماعتوں سے فرق اور مشکلات سے معمور ہیں۔ شمار کے لحاظ سے ہماری جماعت، "مشتے از خروارے" ہے۔ اور باوجود کم ہونے کے اس کی حالت نہایت ہی افتادہ ہے اور اِسی کو بہتر بنانے میں بہت سی محنت کا تعارف لازم اور لابُد ہوگا۔ پارسی لوگ ہماری طرح شمار میں بہت کم ہیں۔ لیکن اُن میں اتفاق۔ حب اور باہمی امداد کا احساس اِس قدر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی ترقی کے خواہاں اور قومی بہتری کے لئے جانیں اور دھن قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔

شائد پارسی لوگوں کو ایسی مشکلات درپیش آئی ہوں جیسی کہ زمانۂ حال میں ہماری جماعت کو درپیش ہیں۔ ہماری جماعت کی تعدادی ترقی بہ تعجیل حیرت انگیز ہوئی ہے۔

اسی سبب سے اسی قلیل عرصہ میں لوگوں کا اپنی حالت کو سنبھالنا غیر ممکن معلوم ہوتا ہے۔ اگر
انکی حالت کی تبدیلی کسی فوق العادت طریق سے ہوتی تو وہ الگ بات ہے۔ اورنیز
ہماری جماعت مختلف قسم کے لوگوں کی جامع ہے۔ اگر خوشحال اور متمول خاندان سے
نکلے تو مسیحیت کے سبب سے بے سروسامان گھر سے نکالے گئے۔ اسی لئے ہم عام طور
پر کہہ سکتے ہیں کہ ہر ایک شخص مسیحی ہونے پر ناداری کو اپنے ساتھ لے آیا۔ اگرچہ متمول
صاحب جائداد مسیحی ہوگئے تو وہ عام حالت میں بہت فرق ڈال نہیں سکتے۔ اور جو اب خدا کے
فضل سے آسودہ حالت میں نظر آرہے ہیں وہ انکی ذاتی کوشش کا نتیجہ ہے۔ علاوہ ازیں
مسیحیت کو پنجاب میں قدم رکھے ہوئے بہت عرصہ نہیں گذرا۔ اور پھر بھی اس قلیل
عرصہ میں مسیحیوں نے بے قیاس تعلیمی ترقی کی ہے۔ تجارتی طور پر اس لئے پیچھے ہے کہ
تجارت کے وسیع میدان میں بغیر اصل داخل ہونا غیر ممکن اور دشوار ہے۔ اسی لئے مسیحیوں کو
ملازمت قرین مصلحت دکھائی دیتی تھی۔ شروع شروع میں مسیحیوں کی تعداد بہت کم تھی۔
اور مشنری بہت مہربان ہوا کرتے تھے۔ اس لئے انکی امداد اور پشتی سے سرکاری
ملازمت بھی اکثر اوقات ملجایا کرتی تھی۔ اور پھر مشن کا کام بھی وسعت پانے لگا۔ جونہی
مسیحی ہوئے مشن کی ملازمت اختیار کرلی۔ لہٰذا زمانہ نے مشن کو بھی ایک محکمہ بنا دیا۔
ہماری جماعت میں ایسے مسیحی بھی شامل ہیں جو نہ تو سرکاری ملازم اور نہ مشن کے۔ انکا
ذریعۂ معاش دستی محنت ہے۔ وہی لوگ ہیں جو کہ ہماری جماعت میں زیادہ تعداد میں
پائے جاتے ہیں۔ مسیحیت کے ابتدائی زمانہ میں اقتصادی اور تمدنی مسائل اسقدر
اہمیت آمیز نہ تھے لیکن موجودہ زمانہ کی ترقی اور قومیت کے احساس کی لہر اس امر کی
مقتضی ہے کہ ایسے طریقے اور وسائل سوچے جائیں جس سے ہم اپنے کثیر التعداد دیہاتی
مسیحی بھائیوں کی اقتصادی اور تمدنی حالتوں کو بہتر اور حسب دلخواہ بنا سکیں۔
شہری لوگوں کو بھی ایسی ترقی کی ضرورت ہے لیکن دیہاتی مسیحیوں کو زیادہ توجہ
کی ضرورت ہے۔ مشنریوں کی کوششیں باقاعدہ جاری ہیں اور شمار میں دن بدن
ترقی ہو رہی ہے۔ تعدادی ترقی بہت اچھی ہے۔ لیکن میری رائے میں مشنری
صاحبان کو زیادہ توجہ لوگوں کی اقتصادی۔ تمدنی اور معاشری حالت کو بہتر بنانے کیطرف
مبذول کرنی چاہیئے۔ اور اسی صورت میں ہماری جماعت دوسری غیر مسیحی جماعتوں کے

ہم پلہ اور ہر قومی معاملہ میں ہم رکاب اور مشورہ دینے کے قابل ہو سکتی ہے۔

ہماری جماعت میں تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں (۱) دیہاتی لوگ جو زمینداروں کے پاس بطور مزدور کام کرتے ہیں۔ (۲) زمیندار۔ وہ لوگ جو زمین کے مالک ہیں (۳) ملازم مشن (۴) سرکاری ملازم۔

(۱) دیہاتی مسیحی۔ یہ لوگ بہت غریب ہیں۔ ان لوگوں کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانا "کارے دارد"۔ اگر ہم اپنی جماعت کے اس بڑے حصے کو قطع نظر کر دیں تو ہماری تمام جماعتی تمنائیں اور جملہ مقاصد پورے نہ ہوں گے۔ یہ لوگ ہمیشہ کے لئے اقتصاداً افتادہ رہیں گے۔ شہری اور دیہاتی مسیحیوں کے درمیان ایک ایسی ناقابل گذر حد فاصل قائم ہو جائے گی کہ برسوں کی محنت سے بھی گرنی دشوار اور محال ہو جائیگی اور نیز غیر مسیحیوں کی نظر میں ہماری جماعت کی وقعت کم ہو جاوے گی۔ کیونکہ وہ اقتصاداً ہماری جماعت سے کئی گنا بہتر ہیں۔ پنجابی میں مثل مشہور ہے۔ "جدے گھر دانے اوہدے کملے وی سیانے"۔

اس لئے اسباب ظہور پذیر ہیں کہ جماعت کی توجہ خاص طور سے اس معاملہ کیطرف مبذول کی جاوے۔ دیہاتی مسیحی جنکا ذریعۂ معاش زراعتی محنت ہے بڑے محنت کش اور صابر ہیں۔ درحقیقت گاؤں کے زمیندار ان لوگوں کے پسینہ کی کمائی پر عیش و عشرت اور لہو و لعب میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ سخت محنت اور زندگی کے عادی ہو گئے ہوئے ہیں۔ ہر کام زمینداروں کے حکم کے مطابق کرتے ہیں۔ اس لئے ان میں پروگرام بنانے اور خود سوچنے کا مادہ مردہ ہو گیا ہے۔ سچ پوچھیں تو وہ سو روپیہ سالانہ پر سارا خاندان بچوں اور عورتوں سمیت غلام بنجاتے ہیں۔ بعض وقت خودداری اور انانیت بھی اسی قسم کے نذر ہوتی ہے۔ انکی معلومات بہت تنگ اور تھوڑی ہیں۔ وہ اس امر سے کما حقہ بے بہرہ ہیں کہ وہ اپنے گاؤں سے باہر زیادہ اجرت لے سکتے ہیں۔ ان لوگوں کی سادگی اور لاعلمی انکے لئے خودکشی کا اثر رکھتی ہے۔ انکی محنت نہایت بیش قیمت ہے۔ وہ بلا عذر دشوار سے دشوار کام کرنے کے لئے طیار ہو جاتے ہیں۔ انکی حالت قابل رحم ہے۔ ان کو سچے ہمدردوں اور معاونوں کی سخت ضرورت ہے زبانی جمع خرچ انکی حالت کو بہتر نہ بنائیگا۔ انکی حالت لا علاج ہے۔ علاج بہت آسان ہے

ین وہ جنپر یہ ذمہ واری خدا کی طرف سے رکھی گئی ہے اپنے ذاتی مفاد کے حاصل کرنے
ں ہموارہ مستغرق رہتے ہیں اسلئے وہ اپنی حقیقی ذمہ داری کو فراموش کئے بیٹھے
یں۔ یہ ہمارے مناد ہیں۔ منادا ور پاسباں حکم دو عا سکھانے پر اپنا کام ختم
مجھتے ہیں۔ مشنریوں کو خوش کرنا اعلیٰ ترین مقصد ہے۔ لیکن سچ ہے "جسکی لاٹھی
سکی بھینس"۔ پیٹ کی خاطر سب کچھ کرنا گوارا ہوتا ہے۔ مشنری صاحبان نزدیکی
دیدنی رازق ہیں لیکن خدا ایک نادیدنی ہستی ہے۔ "ہُندیڑے کہ خدا نیڑے" کا
مثلہ ہے۔ اسلئے مناد بھی معذور اور بے قصور ہیں۔ وہ اس کام کو ذریعہ معاش سمجھتے
یں اور حقیقتاً یہ درست بھی ہے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو پاسبانوں
ی ضرورت نہیں بلکہ باپ کی ضرورت ہے جو انکی ہر ایک جسمانی اور روحانی ضرورت
و مہیا کر سکے۔ پاسبان اپنی کلیسیا کا باپ ہے۔ روحانی اور جسمانی ہر دو غذاؤں کا
نتظام اُسے کرنا چاہئے۔ اُن لوگوں کی ہر تکلیف اور دُکھ میں پورے طور سے غمگسار
ور معاون ہونا چاہئے۔

یاد رہے کہ اقتصادی پیدائش کے نظام میں محنت ایک نہایت ضروری بلکہ اہم
عامل ہے۔ اگر محنت عدم موجود ہو تو پیدائش ناممکن بلکہ قدرتی نظام سے باہر ہے۔
سلئے ہماری جماعت میں ایک بڑی بھاری قوت پائی جاتی ہے جو کہ اِن دِنوں
جماعتی اور ذاتی لحاظ سے بالکل ضائع ہو رہی ہے۔ اور دوسرے لوگ اس سے
بے بہا فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے۔ ہمارے پاسبان ایسی
صورتیں نکالیں جنکے ذریعے اُنکی محنت کی مناسب قدر ہو۔ بالخصوص دیہاتی پاسبانوں
کو اس امر کی طرف زیادہ متوجہ ہونا چاہئے۔ اگر وہ لیبر ایسوسی ایشنز (برادریاں) قائم کریں
تو خالی از مطلب نہ ہوگا۔ اس برادری کا حلقہ بہت وسیع ہونا چاہئے اور ایک معیاری
اُجرت مقرر کرنی چاہئے۔ اور زمینداروں کو آگاہ کر دیویں کہ اس سے کم پر کام نہ کرینگے۔
برادری میں اسقدر اتفاق اور مضبوطی ہونی چاہئے کہ کسی صورت میں بھی اپنے مطالبہ
سے کم پر کام نہ کریں۔ پڑوس کے گاؤں کے لوگوں کو اس انجمن میں شامل کر لینا چاہئے۔
تاکہ کوئی کم اُجرت پر کام کرنے پر طیار نہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زمیندار کوشش
کرینگے کہ پہلی اُجرت پر لوگوں سے کام کرائیں اور شاید اپنی مطلب برآری کے لئے

وہ بنکوں سے بھی کام لیویں۔ لیکن اگر تھوڑی دیر صبر کیا جائیگا تو نتائج حسب دلخواہ حاصل ہوں گے۔ لیکن ہمارے دیہاتی لوگ یہ کام خود بخود نہیں کر سکتے۔ اُنکے پاسبانوں اور منادوں کی رہنمائی اور رہبری اُنکے لئے نہایت ضروری اور لابُد ہے۔ یہ ایک طریقہ ہے جس سے ہم لوگوں کی آمدنی کو بڑھا سکتے ہیں۔

اِن برادریوں کو قایم کرنے کے بعد اگر کوآپریٹو سوسائٹیاں (انجمن امداد قرضہ بھی) بھی جاری کر دیویں تو لوگ ظالم بنیوں اور جالوٹوں سے بالکل آزاد ہو جائینگے۔ علاوہ ازیں اُن میں کفایت۔ انسانیت اور دوراندیشی کا مادہ بھی پیدا ہو جاویگا۔ اسکے ساتھ سپلائی سوسائٹیاں بھی کھولنی چاہئیں۔ اور ایسی برادریوں میں یہ نہایت مفید اور پُر نتائج ہوگا۔

لوگوں کی حالت کو بہتر بنانے کا ایک اَور طریقہ بھی ہے جس سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچ چکا ہے۔ آجکل لوگوں کے پاس اتنی زمین ہے کہ لوگ خود کاشت نہیں کر سکتے۔ اور اگر کر بھی سکتے ہوں تو دستی محنت سے عار ہے۔ اگر ایسے لوگوں سے زمین ٹھیکہ پر لے کر غریب مسیحیوں کو نصف ماحصل کے طریق پر دیجاوے تو لوگوں کو بہت فائدہ ہوگا۔ اس طریقہ سے لوگ خود کاشت کرنے کے عادی ہو جائیں گے۔ اور جنکے پاس کچھ سرمایہ جمع ہو جاوے گا وہ خود بخود ٹھیکہ لیکر کاشت کرنے لگیں گے۔ اور اسطرح سے وہ سب سے آزاد ہو کر زندگی بسر کرینگے۔ لیکن ٹھیکیدار کو چاہئے کہ وہ تمام عیسائیوں کی پیداوار کو اپنے پاس جمع رکھے اور اُن کی فروخت کا خود انتظام کرے۔ کیونکہ خطرہ ہے کہ لاتعلیم لوگوں کو چالاک تجارتی لوگ دھوکا نہ دیویں۔ گاؤں کے بنئے بہت چالاک ہوتے ہیں۔ اُن کے وزن کم و بیش۔ اُنکا حساب یکطرفہ ایک کے بدلے دو لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ پاسبان کو غریب لوگوں کے کاروبار سے اسقدر متعلق ہونا چاہئیے کہ بنیوں کے بہی کھاتے اور دیگر رجسٹر قرضہ خود ملاحظہ کیا کریں۔ کیونکہ اس معاملہ میں اکثر انجان بے علم لوگوں سے دھوکا بازی ہوتی ہے۔ بنئے عام طور پر دو قسم کی کتابیں رکھتے ہیں۔ ایک میں وہ جنس جو بطور قرضہ کے دیجاتی ہے درج کرتے ہیں۔ اور دوسری میں قیمت بمطابق نرخ بمعہ سود کیونکہ سال کے اختتام پر اکثر جنس گراں ہوتی ہے۔ اپنے فائدہ کے مطابق کتاب نکالتے ہیں۔ اگر جنس ارزاں ہو تو روپیہ کا مطالبہ ہوتا ہے اگر جنس گراں ہو تو جنس کا۔ علی ہذا القیاس ایسے اندھیر کھاتے کی بہت سی مثالیں دیجا سکتی ہیں لیکن کاغذ اجازت نہیں دیتا۔

تیسرا طریقہ جس سے ترقی ممکن ہو سکتی ہے اور بلاشبہ اعلیٰ ترین قرار دیا جا سکتا ہے وہ تعلیم ہے۔ عام تعلیم بہت اچھی ہے۔ لیکن آجکل اسکے بہت عام ہو جانے کی وجہ سے اسکی پہلی قدر و منزلت گر گئی ہے۔ بی۔اے۔ ایم۔اے مارے مارے پھرتے ہیں لیکن روزگار نہیں ملتا۔ مقابلہ غایت درجہ تک تجاوز کر گیا ہے۔ اس لئے انڈسٹریل (صنعت و حرفت) تعلیم زیادہ بہتر اور عوام الناس قوم کی اقتصادی حالت کو درست کرنے میں کارگر ہو گی۔ اس میں مشنیں بھی حصہ لے سکتی ہیں۔ اگرچہ ہم لوگوں کو کوشش کرنی چاہیئے کہ ایسے معاملات میں جسقدر جلدی ممکن ہو سکے اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاویں۔ اتنی دیر تک مشن کی اُنگلی پکڑ کر چلتے رہے لیکن وقت آگیا ہے کہ ہمارے ہادیانِ قوم اپنا ہاتھ بڑھاویں تاکہ یہ لوگ اُنکی اُنگلی پکڑیں۔ اس میں فخر ہے۔ ترقی کے ممکنات زمانۂ مستقبل میں نہ دیکھے جاوینگے۔ بہ نسبت ہائی سکولوں کی تعداد بڑھانے کے صنعت و حرفتی سکول کھولے جاویں۔ جن میں مسیحی نوجوان مختلف قسم کی دستکاریاں اپنی طبیعت کے رجحان اور میلان کے مطابق سیکھیں۔ اِن دِنوں ایک معمولی مستری ایک بی۔اے سے زیادہ کما سکتا ہے۔ ہمارے نوجوان تعلیم یافتہ دستکار ہونگے اُن میں خود سوچنے کا ملکہ ہو گا۔ غیر مسیحی دستکاروں سے زیادہ ترقی کرنے کا امکان ہو گا لیکن اسکے لئے کچھ عرصہ درکار ہے۔ بہت سے روپیہ کا نصارف لازمی ہے اور ایسے سکولوں کے کھولے جانے پر منحصر ہے لیکن بعض ایسے پیشے ہیں جن میں بہت زیادہ مہارت کی ضرورت نہیں۔ اگر لوگوں کو ترغیب دیجاوے کہ وہ اپنے بچوں کو ایسی دستکاریاں سکھاویں تو تھوڑے عرصہ میں بہت سے خاندان اپنی آمدنی کو بڑھا سکتے ہیں۔ عورتوں کو سوت کاتنے کیطرف رغبت دلانی چاہیئے۔

اس میں دو فائدے ہیں۔ اوّل وہ مضبوط اور سستا کپڑا اپنے خاندان کے لئے تیار کر سکتی ہیں۔ اور دوسرے وہ اُجرت پر دوسرے لوگوں کے لئے کات سکتی ہیں۔ نواڑ بننی اور اِزار بندوں کا بننا زیادہ رائج کیا جائے۔ سیلمان اپنی کتاب میں ایسی چھوٹی چھوٹی اور گھریلو دستکاریوں کا ذکر کرتا ہے۔ یاد رہے کہ انڈسٹریل ریولیوشن (صنعت و حرفتی انقلاب) سے پیشتر تمام مرد و عورت انگلستان میں اپنے گھروں میں دستکاری کا کام کیا کرتے تھے۔ آجکل گاؤں میں زمینداروں کو عورتوں اور بچوں کی محنت مفت ملتی ہے

وہ نہیں جانتے کہ عورتیں اور بچے بھی کما سکتے ہیں۔ اسلئے ضرورت ہے کہ اُن پر اِنکا عیاں کر دیا جائے کہ عورتیں آدمی جتنا کما سکتی ہیں۔ یہ تمام باتیں وہی لوگ سکھا سکتے ہیں جو ہمیشہ اُن کے درمیان رہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ لوگ مٹی کا ڈھیلا ہیں جس سانچے میں ڈالے جاوینگے۔ ویسی ہی اُنکی شکل بنجاوے گی۔ لوگ ترقی کے خواہشمند ہیں۔ روپیہ خرچ کرنے کے لئے بھی طیار ہیں۔ لیکن اُنکو اچھے لیڈر نہیں ملتے جو اُن کی رہنمائی اچھی طرح کر سکیں۔ اگر ان لوگوں کی خبر گیری مسیحی ہونے کی ابتدا سے ہوتی تو موجودہ کام اسقدر مشکل اور دشوار نہ ہوتا۔ مشنری صاحبان ہمارے مستقبل مسائل کو ہماری قومی دوربین سے دیکھ نہیں سکتے۔ شاید اُنہوں نے ابتدا میں مشن سکول صرف مناد پیدا کرنے کیلئے کھولے۔ اور میرے خیال میں بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ اگر حالات نے یہی صورت رکھی تو ہماری قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ کام مشکل ہے لیکن "ہماری مدد صیحون سے ہے"۔ اگر میں قلیل آمدنی کے اثر اور نتائج جو خاندانی اور انفرادی زندگی پر پڑتے ہیں بیان کرنے لگوں تو موجودہ مضمون بہت طول پا جائیگا۔ اسلئے عام حالت کے بیان کرنے پر قناعت کرونگا۔

(باقی آیندہ)

مذہب و قومیت

(ثمرِ خیالاتِ مرغوبِ جناب مسٹر پی۔ این۔ بھنوت صاحب)

جو تیِ وحشت میں نہیں باقی رہا کچھ امتیاز
فرشِ گل اپنی نظر میں ایک خارستاں ہوا

جس پاک سرزمین کی مقدس خاک سے ہمارے جسم بنے۔ جس خطۂ دلفریب کے آب و دانہ پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے جس بھارت ورش میں ہمالیہ کی خوشگوار اور دلکش نسیم دستِ قدرت کے لگائے ہوئے گل بوٹوں سے مہک کر ہمارے تنفس کا باعث بن رہی ہے۔ غرضیکہ وہ ملک جس میں آج اس زوال کے زمانہ میں بھی ہم

ہندیوں کو حوادثِ مخالف کے تھپیڑوں سے بچنے کے لئے کافی زمین مل سکتی ہے۔ ایسے محسن اور مربی ملک کیطرف ہمارے کیا فرائض ہونے چاہئیں۔ اور کسطرح سے اپنی بھارت ماتا کی خدمت میں دن گذارنے چاہئیں تاکہ ہم اُسکے وفادار فرزند رہ کر اُسکی خدمت میں اپنے دن پورے کریں۔

مگر نہیں اس وقت ہم اپنے فرائض کا بیان نہیں کرتے (اسپر پھر اظہار خیالات کرونگا) اسوقت ہم ناظرین مسیحی کی توجہ ایک اور اہم مسئلہ کی طرف مبذول کرتے ہیں جسکا حل کرنا گویا ہمارا فرض منصبی ہے۔ ہندوستان کو اکثر اوقات "مذاہب کا عجائب گھر کہا جاتا ہے"۔ اِس سرزمین میں کئی مذاہب بس رہے ہیں جس وجہ سے قومیت کا مادہ اور وطنیت کا خیال مفقود ہے۔ ہر ایک مذہب نے اپنی علیحدہ قوم بنائی ہے۔ جب تک ذاتی اغراض اور شخصی اُمنگیں۔ قومی اغراض اور قومی اُمنگوں کے سامنے تہِ تیغ نہ کی جائینگی۔ تب تک مؤخر الذکر کی جیت ناممکن ہے۔

اب ہمارے سامنے دو سوال ہیں (۱) قومیت کیا ہے؟ اور (۲) مذہب کیا ہے؟ کیا یہ دونوں لازم ملزوم ہیں یا بجائے خود ضروری ہیں۔ اور ایک کو دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ کئی اولوالعزم اسی غلطی کے مرتکب ہوئے۔ اُنہوں نے مذہب اور قومیت کو ایک جگہ ملانے کی کوشش کی مگر وہ حصول مدعا سے ناکامیاب رہے اور اُنکی کشتی بجائے کنارِ عافیت پر پہنچنے کے منجدھار میں ایسی پھنسی کہ کئی جانوں کا نقصان ہوا۔ اگر اس غلطی کی پہلے ہی بیخکنی کی جاتی تو آج ان تکالیف کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ مذہب کا قومیت سے کوئی تعلق نہیں۔ مذہب کسی کام کے لئے ہے اور قومیت کسی کام کے لئے۔ جسکا انکشاف سطور ذیل میں ہوگا۔

دیکھئے مسیح یسوع بھی قومیت کو مذہب سے علیحدہ کرتا ہے۔ جب اُس سے استفسار کیا گیا کہ جزیہ دینا روا ہے کہ نہیں تو اس نے جواب دیا "جو قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو"۔ یعنے مذہب کو دنیاوی کاموں سے کچھ سروکار نہیں۔ ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ حق ادا کرو۔ اسی حق کے بارے میں پولوس رسول کہتا ہے "سب کا حق ادا کرو"۔ حاصل کلام یہ کہ مذہب کو قومیت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ قومیت کو مذہب سے مگر بجائے خود دونوں ضروری ہیں جیسا سطور ذیل سے ظاہر ہے۔

یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ مذہب نے دنیا کو حیوانی جذبات کے اندھیرے سے نکال کر انسانی جذبات کی اعلیٰ روشنی میں ڈالا ہے۔ حضرت انسان کو وحشیانہ افعال کے ارتکاب اور وحشیانہ زندگی بسر کرنے کے رواج سے ہٹا کر تہذیب و شائستگی کے صراطِ مستقیم پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ کیونکہ اگر دنیا میں مذہب کا آفتاب جلوہ افروز نہ ہوتا تو جہالت کی تاریکی صفحۂ عالم سے ہرگز کافور نہ ہوتی۔ اس بات سے بھی کوئی اہل الرّائے منکر نہیں ہو سکتا کہ جس زمانے میں انسان نے مذہبی اصولوں سے سرکشی کی اُس وقت نہ صرف اسکے عادات اور اخلاق پر ہی بُرا اثر پڑا بلکہ اپنے ہمجنسوں میں بے امنی اور پریشانی کا باعث بھی ہوا۔ پس اگر ہم مذہب کی یہ تعریف کریں کہ "مذہب وہ ہے جس نے بنی نوع انسان کو جہالت کے تیرہ و تار گڑھے سے نکالکر آفتابِ صداقت کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔ اور نیکی اخلاق اور روحانیت کا سبق پڑھایا" تو کسی طرح غیر واجب نہیں۔

ہمارا دوسرا سوال یہ ہے کہ قومیت کیا ہے؟ "قومیت ایک ایسا رشتہ ہے جو ایک ملک یا ایک قطعۂ عالم کے انسانوں کو باہم منسلک کر دے۔ اور انہیں ایک ہی سرزمین میں پیدا ہونے کی وجہ سے ایسا کر دے کہ وہ دوسرے کے سود و زیاں کو اپنا نفع و نقصان خیال کریں۔ یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ قومیت کا خیال ایک نیا خیال ہے۔ اسکی صورت اور انداز نہایت ہی دلفریب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ممالک نے اسے خوش آمدید کہکر اپنے گھر بلا لیا ہے۔

مذہب اور قومیت کی تعلیم جداگانہ ہے۔ مذہب دین کے لئے ہے اور قومیت دُنیا کے لئے۔ مذہب ایک قدیم پیشوا ہے۔ قومیت ایک نیا ریفارمر ہے۔ مذہب چاہتا ہے کہ ہمارے تمام کام عاقبت کے لئے ہوں۔ قومیت اس امر کی مقتضی ہے کہ ہم اپنی زندگی کو خوشحال بنانے میں ہمہ تن مصروف رہیں۔ مذہب ہماری روحانی طاقتوں کو نشو و نما دیتا ہے۔ لیکن قومیت جسمانی قوٰے کی پرداخت کے لئے۔ مذہب کی غرض اولیٰ یہ ہے کہ ہر شخص معرفت کے ترانے سے مست رہے۔ اور "من و تو" کے بھڑکانے والے جذبات سے محفوظ رہے۔ قومیت کا یہ منشا ہے کہ ایک ہی سرزمین کے لوگ باہمی ہمدردی اور باہمی محبت سے ایک ہی سلک میں منسلک ہو جائیں اور بوقت ضرورت ایک دوسرے سے اختلاف بھی رہے۔ مذہب سکھاتا ہے کہ اس دنیا میں کوئی بیگانہ نہیں سب اُسی کی مخلوق ہیں

وہم سارا بھروسہ اُسی پر کریں۔ وہی ہر مشکل کا مشکلکشا ہے۔ قومیت کی تعلیم ہے کہ اس دنیا
بں "سروائیول آف دی فٹسٹ" (بقائے اکمل) قانونِ قدرت کے ماتحت کام کیا جائے
ور اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر بے شک کشت وخون کی ندیاں بہ جائیں۔
غرض اِن امور سے صاف عیاں ہے کہ مذہب دین کے لیئے اور قومیت دنیا کے لیئے
ہے۔ اور ان دونوں کا آپسمیں بالکل تعلق نہیں۔ مگر بجائے خود دونوں مفید ہیں۔ اگر دونوں
کو سمجھ کر استعمال کیا جائے۔ اگر ہم مذہب اور قومیت کی اغراض کو ایک دوسرے سے
جدا نہ کرینگے تو کئی مصیبتیں اُٹھانی پڑینگی۔ کئی سختیاں جھیلنی پڑینگی۔ اور پھر بھی ہم ورد مقصود
نہ پائیں گے۔ اسواسطے لازمی ہے ان دونوں میں تمیز کی جائے۔ تاکہ بوقتِ عمل الجھن
پیدا نہ ہو۔ جسطرح ہماری عبادت گاہیں خدا کی یاد کے لئے ہیں نہ کہ دُنیاوی کاروبار کے لیئے
اُسی طرح دنیاوی کاروبار میں مذہب کو دخل نہیں۔ اگر ہم اپنی عبادت گاہوں میں پولیٹیکل
معاملات پر بحث مباحثہ کریں تو ہم اُسے "خداوند کا مسکن" نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح اگر ہم دنیاوی
کاروبار میں مذہب کی آڑ میں شکار کھیلیں تو یہ انسانیت نہیں۔ کیونکہ مذہب کا قومیت
سے کوئی تعلق نہیں۔ اور ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپسمیں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یہ جذبہ کیسا اعلیٰ ہے۔ یہ خیال کیسا لطیف ہے۔ اگر ہم مذہب کو قومیت سے علیحدہ رکھکر
ملکی معاملات میں حصہ لیں تو ہماری حالت آن کی آن میں بہتر سے بہترین ہو جائے۔
آج تمام دنیا اس بات کی قائل ہے کہ مذہب کا قومیت سے کوئی تعلق نہیں۔
اس پر سب سے پہلے یوروپین اقوام نے عمل کیا اور آہستہ آہستہ دیگر ممالک بھی اونکی
تقلید کر رہے ہیں۔ گویا قومیت کے معنے ہیں ایک ہی ملک میں پیدا ہونا۔ ایک ہی
آب وہوا میں پرورش پانا اور ملکی مفاد کے لئے متحد رہنا ہے۔
جو شخص انگلستان میں پیدا ہوا ہے وہ انگریز کہلاتا ہے خواہ کسی مذہب و فرقہ کا ہو۔
اسی طرح جاپان میں۔ بدھ اِزم شنٹو اِزم مسیحیت وغیرہ وغیرہ ہیں۔ مگر ملکی معاملات
میں سب متحدہ کوشش کرتے ہیں۔ کسی وقت انگلستان کو بھی اپنی غلطی معلوم نہ تھی۔ اور
اسی وجہ سے وہ ترقی نہ کرسکا۔ مگر جب اُس نے اپنی غلطی کو محسوس کیا اور قومیت اور مذہب کو

علیحدہ علیحدہ رکھا تو وہ دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا چلا گیا اور آج وہ حاکم وقت کہلاتا ہے جسکی سلطنت میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ ان کی موجودہ ترقی صدیوں کی کوشش محنت و خونریزی کے بعد حاصل ہوئی۔ صدہا جھگڑے ہوئے۔ مدتوں خانہ جنگیاں ہیں فرقوں کے فرقے غارت ہوئے اور بادشاہ تک پھانسی چڑہائے گئے۔ پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک فرقوں میں کسقدر لڑائیاں ہوئیں۔ مگر آخرکار انکو اپنی غلطی معلوم ہوگئی۔ اور اب وہ اسطرح ملکی خدمت انجام دے رہے ہیں گویا کوئی مغائرت تھی ہی نہیں۔ جب تک ہم اس حالت میں اہل یورپ کی تقلید نہ کرینگے یہ خانہ جنگیاں ہرگز ختم نہ ہوں گی۔

ہندوستان کو یہی بات ترقی کرنے سے مانع رکھتی ہے۔ مسلمان اپنے مذہب کو قومیت بناتے ہیں۔ ہندو اپنے مذہب کو۔ مزید براں ہر بات کو خواہ وہ مذہبی تعلق سے کوسوں دور کیوں نہ ہو مذہب سے وابستہ کرتے ہیں۔ اور ہر معاملہ کو خواہ وہ مجلسی ہو یا اسی۔ تجارتی ہو یا صنعتی مذہبی رنگت دیجاتی ہے۔ گویا مذہب ہی قومیت کا انحصار ہے ہندو ہندوؤں کو قوم سمجھتے ہیں۔ مسلمان مسلمانوں کو۔ مسیحی مسیحیوں کو۔ سکھ سکھوں کو۔ غرضیکہ ہر مذہب کی علیحدہ قوم۔ یعنے ہندوستان میں جتنے مذہب اُتنی ہی قومیں۔ گویا یہاں قومیت کا معیار ہی الگ ہے۔ یہاں نہ تو ایک سرزمین میں پیدا ہونے کا لحاظ ہے اور نہ مذہبی نکتۂ خیال کا۔ ممکن ہے کہ اِسی تفریق در تفریق سے ہر خاندان ایک قوم ہو جائے۔

کیا ہم اب بھی ان دونوں میں امتیاز نہ کرینگے اور سب ہم آواز ہو کر اپنے آپ کو ہندوستانی نہ کہیں گے؟ آجکل تو ہر جماعت میں فرقہ بندیاں شروع ہیں۔ ایک جماعت دوسری سے بدظن۔ ایک فرقہ دوسرے سے بدگمان۔ ایسی حالت میں سوائے اسکے کہ رنجشیں بڑہیں۔ کدورتیں ترقی پائیں اور کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ آؤ ہم سب بھائی گلے ملیں اور ہم آواز ہو کر کہیں ؎

فرخ ! اس زمیں پر ہیں آباد ملک لاکھوں
اوروں کے اور ہوں گے ہندوستاں ہمارا

تب ہی ہم اس غلطی کو محسوس کر سکتے ہیں۔ ہم اگر مسیحی ہیں تو مذہبًا بالآخر ہم ہندوستانی ہیں"

ہندو و مسلمان ہمارے بھائی ہیں۔ ہندوستان ہمارا وطن ہے۔ اگرچہ ہم پولیٹکس میں وہ حصہ نہیں لیتے رہے جو ہمارے واسطے لازمی ہے تاہم اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کے ساتھ بغلگیر ہوں۔ اور اُن کو بتائیں کہ مذہب کا قومیت سے تعلق نہیں۔ اس طریقہ سے ہم دو کام کرینگے۔ ایک ملک کو سیدھے راستے پر چلائینگے دوسرے مسیحی تعلیم کی اشاعت کرینگے۔ برادران اُٹھو! اور ہمت کی کمر باندھ کر میدان ترقی میں آؤ۔ باقی اشخاص ہمارے منتظر ہیں ہمارا مذہب ایسا ہے جو ہمیں قومیت اور مذہب کو علیحدہ علیحدہ اور اکٹھا کر دکھاتا ہے۔ مذہب کو قومیت سے تعلق ہے بھی اور نہیں بھی۔ اُٹھو اور ہمت کرو۔ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کے ساتھ ملکی معاملات میں حصہ دار ہوں۔ والسلام۔ (پی۔ این۔ بھنوٹ)

نوٹ اور خبریں

۱۔ ہم بڑے افسوس کے ساتھ اپنے ناظرین کو خبر دیتے ہیں کہ مس ایلین آبی بنیطر ۱۳۔ دسمبر کی صبح کو اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔ آپ گجرات کے مشہور و معروف پادری دیدار سنگھ صاحب کی پوتی تھیں۔ آپ نے کل ۱۴ برس ۸ ماہ کی عمر پائی۔ ہمیں مرحومہ کے پسماندگان کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ اور دعا ہے کہ خداوند کریم صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

۲۔ پچھلے ہفتے لاہور میں جناب ڈاکٹر چارلس۔ ڈبلیو۔ گل کی صاحب ننکا گو واقع امریکہ سے بحیثیت بیروز لکچرار تشریف لائے۔ اور ۹ جنوری لغایت ۱۲ جنوری تک پنجاب یونیورسٹی ہال میں اس رو رشور سے لکچر دیئے کہ حاضرین پر بڑا اثر ہوا۔ لکچر سننے اسقدر لوگ آتے تھے کہ ہال میں مشکل سے جگہ ملتی تھی حالانکہ لکچر سب مسیحی مذہب کی خوبیوں اور خداوند مسیح کی ذات بابرکات کے متعلق تھے۔ ڈاکٹر موصوف نے نولکھا چرچ میں بھی ایک نہایت عمدہ وعظ دیسی مسیحیوں کے فائدہ کے لئے فرمایا۔ دعا کی جائے کہ کلام پھل لائے اور کثرت سے لائے۔

بہ کشتن تو دادی تنومندی ام
بدہ زآنچہ کشتم برومندی ام

۳۔ ۲۴ دسمبر کو لاہور کتھیڈرل میں متحدہ عبادت اردو اور انگریزی میں ہوئی۔ بشپ صاحب اور پروفیسر سراج الدین پیشوا تھے۔ یہ ایک بڑی نیک فال ہے۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ کتھیڈرل کے اندر ممبران پریسبیٹرین کلیسیا کو عبادت کی رسم ادا کرنے کی اجازت دیگئی ہے اور قابل تحسین کشادہ دلی اور نئی روح سے کام لیا گیا ہے۔ یہ کلیسیا کی بہبودی کا بڑا آثار ہے۔ بشپ صاحب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور قوم کو اس ترقی اور اتحاد پر مبارکباد دیجاتی ہے۔

۴۔ پچھلے دنوں مسٹر ایس۔ پی سنگھا جنرل سکرٹری وائی۔ ایم۔ سی۔ اے دہلی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ مبارک۔

۵۔ پروفیسر اے۔ یوینگ فرزند رشید جناب سر جیمس یوینگ صاحب کو سول ملٹری گزٹ لاہور کے کہانیوں کے مقابلے میں جنکا مضمون بڑے دن کی تقریب سعید سے متعلق ہوتا ہے تین سو روپے کا انعام ملا۔ پوت کے پیر پالنے میں دکھائی دیتے ہیں اور ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" کوئی آج کی ضرب المثل نہیں۔ نوجوان پروفیسر صاحب حال ہی میں لاہور وارد ہوئے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ اپنے والد بزرگوار کا خوب نام روشن کرینگے۔ مسیحی کی طرف سے مبارک۔

۶۔ آل انڈیا کرسچن کانفرنس کا سالانہ اجلاس اس دفعہ بتاریخ ۲۹ تا ۳۱ دسمبر بمقام بمبئی ہوا اسکے پریزیڈنٹ مشہور و معروف پادری چنمبر صاحب تھے جو رنگون کرسچن کالج کے پرنسپل ہیں۔ پنجاب کی طرف سے مندرجہ ذیل نمائندے جلسے میں تشریف لیگئے۔ مسٹر ای۔ میا داس۔ ایم۔ ایل۔ سی۔ فیروزپور۔ پادری ہنری گولک ناتھ صاحب جالندھر۔ مسٹر وائی جمال الدین صاحب جالندھر۔ مسٹر این۔ ایم ہیوز کپورتھلہ۔ مسٹر نذر خان لدھیانہ۔ مسٹر بی ایل رلیا رام لاہور۔ رائے بہادر ایم۔ ایل رلیا رام گورداسپور۔

۷۔ مسٹر فریڈی بہان صاحب بیرسٹر کو ئی ہفتہ عشرہ ہوا کہ اپنے والد مسٹر ٹی بہان کے پاس بیمار ہوکر آئے اور جمعہ کی شام کو انتقال فرما گئے۔ آپ بیرسٹری پاس کرکے ۶۔۷ سال تک ہندوستان میں فقیرانہ اور عابدانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ مذہبی خیالات نے آپ کے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ پراکٹس بالکل نہ کی۔ بستر مرگ پر انکو اس بات کا علم معلوم ہوتا تھا کہ انکی سفر کی تیاری ہے۔ آپ یہی فرماتے رہتے تھے کہ میں نے اپنے اوپر فتح پالی ہے۔ روح کہتی ہے کہ مبارک ہیں وہ مردے جو خداوند میں سوتے ہیں۔ ہمکو مرحوم کے لواحقین سے پوری ہمدردی ہے۔

۸۔ قصور میں کچھ دن ہوئے پادری راس صاحب اختلاج قلب کی بیماری سے آناً فاناً انتقال فرماگئے ۔آپ بظاہر بالکل توانا و تندرست تھے ۔رات کو اچھے بھلے سوئے صبح جب اُنکے صاحبزادے حسب معمول اُنہیں جگانے گئے تو دیکھا کہ طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرگیا ہے ۔ہم مسز راس اور اُنکے خاندان کے حق میں صبر کی دعا کرتے ہیں ۔

۹۔ مسیحی بابت ماہ جنوری میں جو فہرست چندہ دہندگان بابت جلسہ خوش آمدید چھاپی گئی تھی اُس میں ۲۵ اصحاب کے نام نامی نہ دئے جا سکے ۔اُن اصحاب میں سے چند نے جنکے نام ذیل میں درج ہیں ہمیں اطلاع دے کر مشکور فرمایا ہے ۔باقی صاحبان بھی حتی الامکان جلد ہمیں خبر دیں ۔

(۱) نمبردار صادق فضل الدین از مارٹن پور دس روپے عـہ

(۲) پادری بوٹا ل صاحب ۔جنڈیالہ شیر خان ضلع شیخوپورہ پانچ روپے ۔ صـہ

(۳) مسٹر سوہن لال سکنہ جہاڑ دس روپے ۔ عـہ

(۴) گلاب خان از قلعہ سردار معل سنگھ ڈاکخانہ حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ صـہ

۱۰۔ پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی تاریخ جنوری کے آخری ہفتے میں پہلے پہل تجویز ہوئی تھی لیکن اس خیال سے کہ زور کی سردی میں سب کو خصوصاً جو اصحاب دیہات سے تشریف لائینگے بہت تکلیف ہوگی ۔قرار پایا ہے کہ جلسہ ۹ مارچ لغایت ۱۱ مارچ کی شام تک ہو ۔احاطہ مشن لاہور میں کیا جائے مفصل پروگرام جلد ہی بھیجا جائیگا ۔اس جلسے میں قوم کے مذہبی ۔دنیوی ۔اقتصادی ۔تمدنی وغیرہ تمام مسائل پر غور ہوگا کوشش کی جارہی ہے کہ ایک لنگر بھی جاری کیا جائے ۔باہر کے کئی اصحاب نے اس میں امداد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ۔ایسے موقعوں پر جب ہمارے ہندو مسلمان بھائی مفت کھانا تقسیم کرتے ہیں تو کیا وجہ کہ ہم جو کسی بات میں اُنسے کم نہیں اس امر کی [illegible] قوم کے [illegible] ہے ۔

۱۱۔ ۱۷ دسمبر گذشتہ کو مسٹر ایچ ڈی بھنوٹ کے ایک دختر نیک اختر تولد ہوئی ۔مبارک ہو مولود کی عمر دراز ۔

۱۲۔ ہم نیشنل لٹریچر فنڈ کمیٹی کے تہ دل سے ممنون ہیں کہ اُنہوں نے ۲۵۰ روپے سالانہ امداد منظور فرما کر رسالہ مسیحی کی قدردانی و حوصلہ افزائی کی ہے ۔گزشتہ ماہ جون میں جب ہمنے ادارت کا بیڑا اُٹھایا تو ہمیں کلہم ساٹھ روپے ملے تھے ۔جائے تشکر ہے کہ ۹ ماہ تک ہمنے اپنے دوستوں کی

مدد سے خوب کام چلایا۔ اور اب اس امداد سے تمام سال کے اخراجات پورے ہوجائینگے جب سے ہمنے اس کام کو اپنے ذمہ لیا ہے ۱۵۰ سے زیادہ خریداران کا اضافہ ہوا ہے۔ اور بہت ترقی کی امید ہے۔ عنقریب یہ رسالہ اپنا خرچ آپ اُٹھانیکے قابل ہوجائیگا۔

۱۳۔ پچھلے نمبر میں ہم اپنے کرم فرما پادری نواب دین صاحب کا ذکر کرچکے ہیں کہ وہ مسیحی کے گاہک پیدا کرنے میں کس جوش وخروش کو کام میں لارہے ہیں۔ ہم اپنے نئے مہربان مسٹر حاکم شاہ صاحب ساکن جنڈو ضلع سیالکوٹ کا بھی ذکر بصد تشکر یہ رسالہ ہذا میں درج کرتے ہیں جنہوں نے اس ماہ میں اکٹھے بارہ خریداران کے نام ہمارے پاس بھیجے ہیں۔ اگر ایسے دس پانچ رسالہ مسیحی کے حامی وناصر اور ہمیں حضرت پروردگار عنایت فرماویں تو مسیحی کیا مسیح کا خوب بول بالا ہو۔

۱۴۔ پروفیسر برسی مکھن لعل صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی جنکے نام نامی سے پنجاب کا بچہ بچہ واقف ہے اور جو کئی سال تک فورمن کرسچن کالج لاہور میں انگریزی کی پروفیسری کے عہدہ پر ممتاز رہے ہیں۔ اب اُنہوں نے گذشتہ سال سے وکالت کا کام شروع کردیا ہے۔ اور روز بروز میدان وکالت میں بھی ویسی ہی کامیابی حاصل کررہے ہیں جیسی کہ اُنہوں نے کالج میں شہرت حاصل کی تھی۔ جو کہ ہم سب کے لئے ایک فخر کا باعث ہے۔

چنانچہ ۱۶ ... فروری ۱۹۲۵ء کو وکیل صاحب نے ایک ایسے مقدمے میں کامیابی حاصل کی ... [illegible] ... لیاقت، ذہانت وقابلیت علم وکالت کی داد ہے جیساکہ قریباً ہم سب کو معلوم ہے کہ جناب ستمبر ۱۹۲۴ء سے ایک مسیحی نوجوان بنام فذا ایل دیا لچند کا مقدمہ کررہے تھے اور گزرے ہفتے یعنے ۱۶ ماہ جنوری ۱۹۲۵ء ملزم کو صاف بری کرادیا۔ ایسے اُلجھے ہوئے مقدمے کو سلجھانا اور ایسی بُری طرح پھنسے ہوئے ملزم کو چھڑانا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ واہ صاحب واہ۔ لیاقت ہو تو ایسی ہو۔ جتنے صاحبان کو اس مقدمے کی پیچیدگی اور مشکلات کا علم ہے وہ ضرور بر ضرور وکیل صاحب کی اس فتحیابی کی داد دیتے ہوئے مانیں گے کہ اب مسیحیوں میں ایک لائق وفائق وکیل عدالتوں میں ہماری رہبری کرنیکے لئے اور ہمکو جھوٹے الزاموں سے چھڑانیکے لئے خدا نے عنایت فرمایا ہے۔

دی پنجاب کرسچن سنٹرل کوآپریٹو بنک

لمیٹڈ لاہور

عرصہ تین سال کا ہوا کہ یہ بنک شہر لاہور میں کھولا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کے دیہاتی مسیحیوں کی مالی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ ماس مؤمنٹ کے ذریعہ سے جو لوگ مسیحی مذہب میں شامل ہوتے ہیں انکی مالی حالت نا گفتہ بہ ہے۔ خواہ زراعت پیشہ ہوں یا صنعتی یا حرفتی کاموں میں لگے ہوئے ہوں۔ ان لوگوں کو قرضی روپیہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ مسیحی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے جو بنئے بقال وغیرہ بے تحاشہ سود لیکر ان غریبوں کو روپیہ اُدھار پر دے بھی دیتے تھے وہ ابھی انکار کر رہے ہیں۔ اگر ہم لوگ اُن کی مدد نہ کریں تو یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے اس بنک کے ذریعہ سے شہری مسیحیوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ عمدہ سود کی شرح پر روپیہ امانت پر رکھوائیں۔ نیز بنک کے حصص خرید کر عمدہ ڈیویڈنڈس و منافع کما دیں۔ پچھلا ڈیویڈنڈ ۹ فیصدی شرح کے حساب سے دیا گیا تھا۔ پچھلے تین سال کے عرصہ میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ قرض دیا جا چکا ہے جو وقت مقررہ پر واپس آ رہا ہے اور تقریباً بارہ ہزار روپیہ سود امانت پر روپیہ رکھنے والوں کو پہنچ چکا ہے۔ سو یہ بات وہی ہے کہ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔ حصص کی قیمت مبلغ ۵۰ روپیہ ہے جو سہاہی انسٹالمنٹ (قسط) میں واجب الادا ہے جو علاوہ شرح سود امانتی روپیہ کے واسطے ذیل میں درج ہے۔

تین ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ جو علاوہ (زر جمع مستقل) کے واسطے بشرح $4\frac{1}{2}$ فی صدی سالانہ

۶	" " " "	$5\frac{1}{2}$ " " "
۱۲	" " " "	$6\frac{1}{2}$ " " "

پچھلا بالنس شیٹ منگوا کر بنک کی مالی حالت کا ملاحظہ فرماویں۔ بنک چلانیکے اخراجات نہایت کم ہیں۔ سوائے ایک پورے وقت کے اکاونٹنٹ کے باقی سب عہدہ داران بلا اُجرت قومی خدمت کر رہے ہیں۔

المشتہر

بی۔ ایل۔ رلیا رام۔ مینجر و سکرٹری۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے لاہور

کریمی پریس لاہور نزد کوتوالی قدیم میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور ایڈیٹر مشرق کے ۲۱ بی۔ ایل۔ رلیا رام نے شائع کی

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۶۸
مسیحی
مارچ
سنہ ۱۹۲۵ء
جلد ۱
نمبر ۱۰
ہندستانی مسیحیوں کا مذہبی۔ اخلاقی۔ علمی و تمدنی ماہواری رسالہ
ایڈیٹرز (۱) مسٹر کے۔ ایل۔ رلیارام صاحب ہیڈماسٹر رنگ محل مشن
ہائی سکول لاہور۔ ایڈیٹر انچیف
(۲) مسٹر آئیون جیکب صاحب عاصی۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ جائینٹ ایڈیٹر
S. K. Singh

اشتہار کتب

عبد المسیح ولد اسحاق کندی خلیفہ مامون رشید کے عہد حکومت کا ایک مسیحی اور مسلمان کے مابین مباحثہ۔ اس سے دونوں مذہبوں کی واقفیت بہت بڑھ جاتی ہے صفحہ ۲۷۶ ... ... ۱۰/

اعتراض المسلمین معہ جواباً۔ مسلمانوں کے مسیحی مذہب پر ۲۵۱ اعتراض اور اُنکے جواب جنسے ہر مسیحی مبشر کو عموماً واسطہ پڑتا ہے صفحہ ۱۴۸ اصل ۱۲/ رعایتی ۸/

مختصر ریویو برکرسچن مت درپن۔ پنڈت لیکھرام آریہ کے مسیحی مذہب کے خلاف ایک رسالہ کا دنداں شکن جواب صفحہ ۳۶ ۱/

دُرِ حکمت۔ سادھو سندر سنگھ صاحب کا رسالہ جس میں روحانی زندگی کے ۲۵ اسباق درج ہیں روحانی اسباق کا ایک قابل دید مجموعہ ہے۔ صفحہ ۳۶ ... ... ۴/

حقیقی عرفان۔ پادری عماد الدین صاحب مرحوم کے ۱۲ رسائل کا مجموعہ۔ صرف ۲۰ جلدیں باقی ہیں۔ کمیاب و قیمتی چیز ہے صفحہ ۱۵۵ ... ... ۱۴/

بائبل کی کتابوں کا دیباچہ اور اُن کے مضامین۔ پادری جے۔ آر ڈملیو صاحب کی انگریزی تفسیر بائبل کے دیباچہ کا ترجمہ۔ بائبل کے مطالعہ کنندگان و طالب علمان مدارس علم الٰہی کے لئے تحفہ بے بہا ہے صفحہ ۵۲۴ دو روپیہ ... ... عہ/

تعلیم المسیح۔ اناجیل اربعہ کے مطابق مسیح کی تعلیم کے خاص اصول۔ اخلاقی تعلیم۔ پاک دل۔ اعلیٰ نمونہ۔ زندگی و ترقی۔ دینی تعلیم۔ بٹیا فارقلیط اور مسیح کی معموری اسکے مضامین ہیں صفحہ ۱۴۴ مجلد ۹/

کرنتھی مسیحیوں کو پولوس رسول کے پہلے خط کی تفسیر از پادری جے جے لوکس صاحب صفحہ ۵۰۰ ایک روپیہ ۸/

تحفۃ النساء۔ تمام مشہور و معروف مسیحی عورتوں کے حالات ۔ ۴ حصص یکجا مجلد۔ قیمت صرف ۔ ۱۰/

روحوں کا جیتنے والا۔ اس میں مسیح کے روحوں کو خدا کی بادشاہی میں شامل کرنیکے طریقے درج کرکے منادوں کے لئے عمدہ سبق بیان کئے ہیں صفحہ ۶۲۔ ٹائٹل رنگین ۔ ۳/

ازالہ مادہ۔ فاضل اجل مولوی پادری سلطان محمد پال افغان کا آریہ سماج کے بنیادی مسئلہ کی تردید میں لاجواب رسالہ جسکی تعریف ہندوستان بھر کے تمام مسیحی اور مسلم اخبارات نے کی ہے صفحہ ۲۴۴ ارہ پائی

سمیر درسے۔ ہندوؤں کے خورد و کلان صدہا مختلف مذہبی فرقوں کے عقائد و تعلیمات اور انکے پیشواؤں کے عجیب و غریب حالات ۔ صفحہ ۲۹۲ ۔ کپڑا ۶/

المشتہر سکرٹری پنجاب رلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور

بسرپرستی پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس

فہرست مضامین

کل خط و کتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام مسٹر کے ایل رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن سکول لاہور ہونی چاہیئے

باقی خط و کتابت و ترسیل زرِ چندہ و عطیہ وغیرہ بنام مسٹر ٹی۔ خان۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی مینیجر۔ رنگ محل مشن سکول۔ لاہور .... آنی چاہیئیں

قیمت سالانہ پیشگی مع محصولڈاک عہ .... فی پرچہ ۴ر

پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس کا سالانہ اجلاس اے پی مشن کمپاؤنڈ لاہور میں ۹ مارچ کی شام سے شروع ہو کر ۱۱ مارچ کی شام تک رہیگا۔ کل مسیحیوں کو بخوشی دعوت دیجاتی ہے کہ اپنی تشریف آوری سے جلسے کی رونق دوبالا کریں۔

زمین

کانفرنس کی طرف سے جو کمیٹی منٹگمری کی زمین کا ملاحظہ کرنے گئی تھی اُسکی مفصل رپورٹ مع تفصیل مربع جات ہم رسالہ مسیحی بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۴ء میں نکال چکے ہیں۔ اب گورنمنٹ کی طرف سے اے۔ دی آسکینہ صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع منٹگمری نے ۵ اجنوری ۱۹۲۵ء کو اُن مربعوں کی جنہیں گورنمنٹ فروخت کرنا چاہتی ہے نئی فہرست نکالی ہے جو ہمیں ابھی موصول ہوئی ہے۔ وہ شرائط کافی طول طویل ہیں۔ مگر انکا لب لباب جن سے لوگوں کا تعلق ہے ہم اختصار کر کے ناظرین رسالہ ہذا کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ مفصل شرائط سالانہ جلسے میں پڑھکر سنائے جائینگے۔

یاد رہے کہ کانفرنس مربع جات زیر فروخت کے اچھے یا بُرے ہونے کی کسی قسم کی ذمہ واری نہیں لے سکتی۔ جو صاحب جس مربعے کو خریدنا چاہیں بچشم خود دیکھ آئیں۔ اور اپنی ذمہ واری پر کانفرنس کی معرفت خرید سکتے ہیں۔ کانفرنس کسی شخص کو زمین خرید کر دلانے کے لئے تیار نہ ہوگی تاوقتیکہ شخص مذکور کی عرضی ۲۰ مارچ تک کانفرنس کو موصول نہ ہوگی۔ اور نمبر حصہ زمین (لاٹ) اور نمبر مربع کا حوالہ نہ ہوگا۔ اور مبلغ ۲۵۵ روپے فی مربع بمعرفت کانفرنس کرسچن کوآپریٹو بنک لاہور میں داخل نہ کرے گا۔ کانفرنس کی طرف سے ٹنڈر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع منٹگمری کی خدمت میں یکم اپریل تک پہونچ جائینگے۔

جو شخص جسقدر زمین چاہے خرید سکتا ہے مگر اُسے پیشگی بیعانہ ایک روپیہ فی ایکڑ کے

حساب سے داخل کرنا ہوگا۔ بصورت نامنظوری ٹنڈر بیعانہ واپس کردیا جائیگا۔
لیکن جسکا ٹنڈر منظور ہوجائے اور بعدازاں وہ زمین خریدنے سے انکار کرے۔
تو اسکا بیعانہ ضبط کرلیا جائیگا۔ کوئی شخص سوائے اپنے لئے دوسرے کے واسطے
ٹنڈر نہیں دے سکتا۔

جو زمین بیچی جائیگی اسکا تبادلہ کسی صورت میں نہ کیا جائیگا۔ ہر حصّے کی قیمت
گورنمنٹ مقرر کرے گی۔

زمین زیر فروخت سرکاری افتادہ غیر مزروعہ زمین ہے جو تحصیل اکاڑہ اور منٹگمری ضلع
منٹگمری میں اور تحصیل خانیوال ضلع ملتان میں واقع ہے اور جو رجبہے انہیں سیراب کرتے
ہیں اُنکے نام بھی درج ہیں۔ یہ زمین علیحدہ علیحدہ مربعوں میں نہیں بلکہ مختلف حصوں
میں فروخت کیجائیگی۔ ہر حصے میں کئی مربعے ہونگے۔ اگرچہ ان حصوں میں آب پاشی کا انتظام
ہے مگر گورنمنٹ آبرسانی کی کوئی ذمہ واری نہیں لیتی ہے۔

درخت اور جنگل جھاڑیاں وغیرہ خریدار کی ہونگی۔ سوائے کانوں۔ دھاتوں۔ کوئلہ۔ مٹی کے
تیل وغیرہ کے جو اس زمین پر یا اسکے نیچے ہوں۔

بصورت منظوری ٹنڈر خریدار کو بوقت منظوری کل قیمت کا دس فیصدی داخل
کرنا ہوگا جسمیں سے ایک روپیہ فی ایکڑ جو پیشتر دیا جاچکا ہے مجرا دیا جائیگا اور کل قیمت
منظوری کے پانچسال بعد یکمشت لی جاوے گی۔ اس عرصہ کے بعد رقم واجب الادا ششماہی
چھ قسطوں میں وصول کیجاسکتی ہے مگر اس حالت میں ۶ فیصدی سود لیا جائیگا۔ اگر پٹہ دار شرائط
بجانہ لائیگا یا زمین نہ خریدے گا یا نہ خرید سکیگا تو جو رقم اسوقت تک داخل ہوچکی ہوگی سب ضبطی میں
آجائیگی۔ خریدار اپنے خرچ پر اسٹامپ کے کاغذ پر اقرار نامہ پر دستخط کرکے گورنمنٹ کو دیگا۔

دیکھو اعلان پنجاب گورنمنٹ نمبر ۳۰۱-۱۶۶۶-۳۶-۵۵ مورخہ ۱۶ اپریل ۱۹۲۴ء
برائے شرائط خرید زمین۔

۲۔ کسی شخص کا اس زمین پر اجارہ نہ ہوگا۔ گورنمنٹ جسے چاہے اپنا اسامی دار بنا سکتی ہے۔
۴۔ ان شرائط کے موافق جس شخص کو ایسی زمین ملے جو پہلے سے توڑی ہوئی ہو تو اُسے کوئی میعاد
معافی نہ ملیگی۔ اور جسے آدھی سے کم توڑی زمین ملیگی وہ آدھی معافی کا حقدار ہوگا۔
۱۵۔ اسامی دار کو ہمیشہ گورنمنٹ کا خیر خواہ رہنا ہوگا۔

۱۶۔ اس زمین کے لئے جب مالکانہ قابل ادا ہوگا تو ایک روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے لیا جائیگا۔ جو اراضی باری دوآب نہر کے نچلے حصّے سے سیراب ہونگی گورنمنٹ پہلی چار فصلوں کا لگان۔ ٹیکس۔ ابواب وغیرہ کچھ نہ لیگی۔

۱۷۔ اسامی دار کو قبضہ ملنے کے چھ ماہ کے اندر ملکیت پر مستقل طور پر آباد ہونا پڑیگا۔ اور ایک سال کے عرصے میں مناسب مکان بنانا ہوگا۔ جب دو یا دو سے زیادہ مشترکہ اسامی دار ہوں تو کلکٹر کی اجازت سے اس قاعدے سے بری بھی ہوسکتا ہے۔ ۵۰ ایکڑ سے زیادہ زمین ہونے کی صورت میں اسامی دار اپنی بجائے اپنے کسی سمجھدار مرد رشتہ دار یا کسی اَور آدمی کو کلکٹر کی اجازت سے وہاں بسا سکتا ہے۔

۱۸۔ اسامی دار کو اپنی زمین پر تین برس کے اندر اندر کنواں کھودنا ہوگا ورنہ گورنمنٹ کھود کر قیمت وصول کر لیگی۔

۲۰۔ اسامی دار کو زمین پر کنوئیں کھُدانے درخت لگانے اور دیگر اصلاح کرنیکا حق حاصل ہوگا۔

۲۲۔ تمام شرائط بجالانے کل قیمت ادا کرنے پر گورنمنٹ اسامی دار کو حق ملکیت دیدیگی اور دستاویز انتقال بحق خریدار عطا کیا جاویگا۔

اسامی دار جو حق ملکیت حاصل کرے تو بصورت آبادی دِہ میں بھی زمین دئے جانے پر اُسے ۹.۱ روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے ادا کرنا ہوگا۔

ہمیں معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ مسیحیان سیالکوٹ نے رائے صاحب لالہ چھوٹو رام صاحب وزیر صیغہ زراعت پنجاب کو جلسہ خوش آمدید دیکر اپنی بیداری اور مسیحی یگانگت کا ثبوت دیا ہے۔

بابو ایس۔ پی متر مرحوم ہیڈ ماسٹر امرتسر مشن سکول کی اہلیہ جنکی طبیعت سال ڈیڑھ سال سے ناساز تھی ۲۴ جنوری کو بمقام پوسا اپنے صاحبزادے کے ہاں بعمر ۷۰ سال اس دار فانی سے عالم بقا کو چل بسیں۔ مرحومہ بڑی مہمان نواز تھیں۔ انمیں اپنایت کا مادہ اسقدر تھا کہ اپنے جان پہچانیوں کے بچّوں کو اپنے بچے سمجھتی تھیں۔ جس شہر میں جاتیں اُنسے ضرور ملتیں۔ آپکا گھر مسیحی مہمان نوازی کا مرکز تھا۔ مسٹر متر کے ریٹائر ہونے کے بعد آپ ۸ سال لاہور رہیں۔ جب دیکھا انکا گھر صفائی کے لحاظ سے شیشے کیطرح چمکتا دیکھا۔ آپ کے تین لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں جن سے ہم اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔ بابو متر صاحب مرحوم کے حالات لکھتے وقت ہم آپ کی ذات اور صفات کا مفصل بیان کرینگے +

نوٹ اور رائیں

(از ع۔ا۔ن)

دنیا میں یہودی قوم کی آبادی۔ روئے زمین پر یہودی قوم کی ہستی ایک عجیب راز ہے، اور قومیں تو اپنے اپنے ملک میں ہیں مگر یہودی لوگ غریب الوطن اور ملک بملک مارے مارے پھرتے ہیں۔ باوجود اسکے انکا نیست ہونا تو درکنار انکی قوم کی شخصیت بدستور قائم ہے۔ اور وہ دیگر اقوام کے ساتھ مخلوط نہیں ہوئے۔ جب خدا نے اس قوم کے قدیم آبا سے وعدہ کیا کہ انکی اولاد آسمان کے ستاروں اور سمندر کے کنارے کی ریت کی مانند بےشمار ہوگی تو اس سے یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ کسی ایک ہی وقت میں یہودی تعداد میں ایسے کثیر ہو جائیں گے کہ گنے نہیں جائیں گے۔ اس کا مفہوم یہی ہے کہ زمانے کے آخر تک انکی مجموعی تعداد شمار سے باہر ہو جائیگی۔ یہ وعدہ لفظ بلفظ پورا ہو گیا ہے۔ معاشرتی پہلو سے یہودی قوم کی حالت کچھ کم حیرت افزا نہیں ہے۔ باوجود ہر قسم کی مخالفت کے وہ بڑے مالدار اور صاحبِ اقبال ہیں۔ دور کیوں جائیں خود ہمارے وائسرائے اُسی قوم میں سے ہیں۔ دنیا میں یہودیو کی موجودہ تعداد دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ اس وقت دنیا بھر میں انکی گنتی ایک کروڑ پچپن لاکھ سے زیادہ ہے جسکی دو تہائی یورپ میں اور آبادی کی قریب ایک چوتھائی فی صدی شمالی اور جنوبی امریکہ میں ہے۔ باقی براعظموں میں آبادی کے ½ فیصدی سے کچھ کم۔ یورپ میں انکی تعداد زیادہ تر وسطی ممالک میں موجود ہے جہاں وہ کل آبادی کا آٹھواں حصہ ہیں۔ چنانچہ فقط پولینڈ ہی میں پینتیس ۳۵ لاکھ یہودی ہیں۔ ایشیا میں انکا زیادہ حصہ فلسطین اور ان علاقوں میں آباد ہے جہاں عربی زبان بولی جاتی ہے۔ افریقہ کی دو کروڑ اسی لاکھ کی آبادی میں قریب ساڑھے چار لاکھ یہودی ہیں جو زیادہ تر بحیرۂ شام کے اُس ساحل پر پائے جاتے ہیں جہاں زبان عربی مروّج ہے۔ سرکار انگلشیہ کی عملداری میں قریب آٹھ لاکھ یہودی ہیں جنمیں سے قریب تین لاکھ برطانیہ کلاں اور شمالی آئرلینڈ میں آباد ہیں۔ ملک روس کے علاقہ میں انکی بڑی بھاری آبادی ہے۔ یعنے قریب پونے چونتیس لاکھ

یورپ میں اور ایک لاکھ سائبیریا میں۔ امریکہ کے صوبجات متحدہ کے بڑے بڑے شہروں میں کثرت سے یہودی آباد ہیں۔ فقط شہر نیویارک ہی میں اُنکی تعداد قریب پندرہ لاکھ ہے۔ خاص ملک فلسطین میں قریب چوراسی ہزار یہودی ہیں یعنے اُس ملک کی آبادی کے 1/10 سے کچھ کم۔ یروشلیم کے قریب ساڑھے باسٹھ ہزار باشندوں میں سے چونتیس ہزار یہودی ہیں ✤

اردو مسیحی علم ادب کے معمار۔ اردو علم ادب نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ اور ہر ایک قوم اپنے اپنے طرز پر اپنی اپنی لغات کی توسیع میں کوشاں ہے۔ مگر مسیحیوں نے اپنا اردو علم ادب تعمیر کرنے میں نمایاں حصہ نہیں لیا۔ ہمارے اکثر بھائی تو "عمن مت دے تُک کرلے گذارہ"۔ کی لکیر سے آگے نہیں بڑھے۔ بعض نے غیر مسیحیوں کی ایسی کورانہ تقلید کی ہے جو نہایت نامناسب ہے۔ ہمارا روئے سخن اِسوقت اُن اصحاب کی طرف ہے جو خداوند مسیح کا ذکر کرتے ہوئے اُنکو "حضرت عیسےٰ" کے اسلامی نام سے یاد کرتے ہیں۔ اول تو لفظ عیسیٰ مسیحی علم ادب میں بہت کچھ متروک ہو گیا ہے۔ دراصل یہ نام محمد صاحب کا ایجاد کردہ ہے جو قرآن کی قافیہ بندی میں کھپ جاتا ہے۔ چنانچہ ہابیل قابیل اور ہاروت ماروت وغیرہ اسمار کے طرز پر موسیٰ اور عیسیٰ کا جوڑ بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔ مگر انجیل مقدس کے پیارے ناموں یسوع اور مسیح کے مقابلے میں عیسیٰ مسیحی تحریروں میں زیب نہیں دیتا اور پھر "حضرت" کو عیسیٰ کے پہلے لگا دینا تو اور بھی بھونڈا ہے۔ اہل اسلام کے پیروں اور پیغمبروں کو یہ لقب مبارک رہے۔ ہمارے لئے انجیلی لقب "خداوند" سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہوسکتا۔ مگر ہم اُس مسیحی نامہ نگار کی نسبت کیا کہیں جس نے اپنی تحریر میں "حضرت عیسیٰ" کے علاوہ بار بار "علیہ السلام" کا استعمال کیا ہے۔ اگر محمدی صاحبان اپنے نبی کو سلامتی کا محتاج سمجھتے ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ مگر ہمارے کان میں تو "موسیٰ علیہ السلام" بھی کھٹکتا ہے۔ خیر اس کو بھی ہم کسیقدر قابل معافی مان لیتے ہیں لیکن "مسیح علیہ السلام" کا کسی مسیحی تحریر میں مستعمل ہونا کفر نہیں تو اور کیا ہے۔ جو خود سلامتی کا بانی ہے اور ہمیں اپنی سلامتی بخشتا ہے۔ کیا ہم اُسکے لئے دعا مانگ سکتے ہیں کہ اُس پر سلامتی ہو؟۔

کیا ہم ابن اللہ کو خداماں کر ایسا کلمہ تحریر میں لا سکتے ہیں؟ اگر ہم "خداوند علیہ السلام" نہیں کہہ سکتے تو "مسیح علیہ السلام" کیونکر کہہ سکتے ہیں؟ مناسب ہے کہ مسیحی اصحاب اپنی تحریروں میں اس قسم کی تقلید سے احتراز کریں۔ اور اگر کسی خاص لفظ یا محاورہ کی ضرورت ہو تو حتی المقدور کلام مقدس میں سے اخذ کریں۔ بائبل کے الفاظ اور محاورات تو انگریزی علم ادب کی جان ہیں۔

ہندوستانی مسیحیوں کی آل انڈیا کرسچن کانفرنس کا گزشتہ سالانہ اجلاس

یہ اجلاس بتاریخ ۲۹ ماہ دسمبر بمقام بمبئی منعقد ہو کر تین دن کے بعد بخیر و خوبی انجام پایا۔ اور ممبر کار سال بھر کے بند بخارات نکال کر سلامتی سے گھر کو لوٹے۔ امسال ممبروں کی تعداد ہندوستان کے قریب نصف کروڑ مسیحیوں میں سے کل جمع میں ۱۳ افراد تھی۔ اگر خوش قسمتی سے اسی موقع پر پریسبٹیرین کلیسیا کی اسمبلی کے جلسے نہ ہوتے تو یہ تعداد اور بھی کم ہوتی۔ کانفرنس کے اس گیارہویں اجلاس میں بجائے ترقی کے تعداد کی کمی کا ہونا ثابت کرتا ہے کہ مسیحیوں کو اس کانفرنس کی کارروائی میں اب وہ دلچسپی نہیں رہی جو پیشتر ہوا کرتی تھی۔ مدراس کے مسیحی تو قریب قریب اس سے دست بردار ہو چکے ہیں۔ بنگال میں بھی اب وہ پرانا جوش نہیں رہا۔ اگر کانفرنس میں کوئی عملی کام نہیں کیا جاتا تو ملک کے مسیحیوں کی دلچسپی کیونکر قائم رہ سکتی ہے؟ ہمیں یاد ہے کہ پنجاب سی۔ ایم۔ ایس مشن کے ابتدائی زمانے میں ایک "چرچ کونسل" ہوا کرتی تھی جس کے سالانہ اجلاس میں اچھی اچھی قراردادیں منظور ہوتی تھیں۔ گو کوئی مفید عملی نتیجہ تو برآمد نہیں ہوتا تھا۔ مگر ممبر صاحبان اسی کو اپنی خوش قسمتی سمجھتے تھے کہ سال میں ایک موقع مل بیٹھ کر باتیں کرنے کا تو مل گیا۔ جب اس کونسل کی عمر کا پیمانہ لبریز ہونے کو تھا۔ ایک ہندوستانی پادری صاحب نے سر اجلاس فرمایا کہ صاحبو! پیشتر تو ہم باتیں کر کے چلے جایا کرتے تھے اب باتیں بھی ختم ہو چکیں اب کیا ہوگا؟ ہونا کیا تھا؟ ایسی کونسل مدت تک قائم نہ رہ سکتی تھی۔ آخر اسے ٹوٹنا تھا ٹوٹ گئی +

ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہماری موجودہ آل انڈیا کانفرنس کا بھی یہی حشر ہونے کو ہے کچھ عرصے کا ذکر ہے کہ اس کانفرنس کے کسی گزشتہ اجلاس کے پریزیڈنٹ نے

اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ یہ کانفرنس کوئی دن کی مہمان ہے۔ آخر وہ طبعی موت مرجائے گی۔ ایک دوسرے پریزیڈنٹ نے یہ الفاظ سُنکر اس رائے کی تائید کی۔ اگر اسکو قایم رکھنا ہے تو کوئی عملی کام کرکے دکھانا چاہیئے۔ محض باتوں اور سوکھی روئدادوں سے ملک میں دلچسپی پیدا نہیں ہوسکتی۔

⁂

نوح کا طوفان کیونکر واقع ہوا ہوگا۔ نظام عالم میں حوادث اور انقلابات تو ہمیشہ سے ہو رہتے ہیں۔ مگر جب کوئی غیر معمولی واقعہ عین ضرورت کے وقت سرزد ہوتا ہے جو کسی اخلاقی مقصد مثلاً سزا کے لئے خدا کے ہاتھ میں ہتھیار بن جاتا ہے تو وہ ایک معجزے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلئے نوح کے طوفان کا طبعی سبب دریافت کرنا بے ایمانی کا ثبوت نہیں ہے۔ اِس واقعہ کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں جو زیادہ تر قیاسی ڈھکوسلے ہیں۔ بعض قرین قیاس بھی ہیں۔ ابھی حال میں ایک جرمن انجنیر نے ایک نئی رائے پیش کی ہے۔ اُسکے خیال میں کسی زمانے میں ایک آوارہ بھٹکتا ہوا چھوٹا سا سیارہ زمین کی کششِ ثقل سے کھنچکر اس کرۂ ارض کے گرد بطور ایک عارضی چاند کے کچھ فاصلہ پر چکر لگانے لگا۔ وہ جوں جوں نزدیک آتا تھا سمندر کا پانی اُسکی طرف اُبھرتا چلا جاتا تھا۔ یہانتک کہ یہ پانی رفتہ رفتہ خط استوا اور اُسکے متصل کے ممالک میں انبار ہوکر زمین کا گویا کمربند بنگیا۔ آخر ہزاروں سال کے عرصہ میں زمین کی کششِ ثقل نے اس عارضی چاند کو توڑکر ریزہ ریزہ کردیا۔ جب پانی پر سے اُبھارنیوالی طاقت دفعتہً جاتی رہی تو وہ پھر بحر میں جاگرا۔ اس سے چالیس دن کا ایک طوفان پیدا ہوگیا جس نے افریقہ کے شمالی حصے عرب فارس براعظم ایشیا اور صوبجات متحدہ کے جنوبی حصے کو غرقاب کردیا۔ اس طوفان کے پھر کسی زمانے میں واقع ہوجانے کا امکان ہے۔

⁂

مسز بینو دینی متر مرحوم۔ یہ مسیحی خاتون جسکے انتقال کی افسوسناک خبر چند روز گزرے ہمیں ملی کرنل متر صاحب آئی۔ ایم۔ ایس کی اہلیہ اور لاہور اور آسرا پور کی مس بوس صاحبان کی ہمشیرہ تھیں۔ ہم اُنکے سب رشتہ داروں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

مسز ستر صاحبہ گزرے گیارہ سال سے اپنے دو بیٹوں اور دو بیٹیوں کو لیکر انگلستان میں مقیم تھیں۔ اب وہ ہندوستان کو واپس آنیوالی تھیں تاکہ اس ملک میں گھر بنا کر بیٹھ جائیں مگر اجل نے اجازت نہ دی۔ مدراس کے علاقہ میں جہاں جہاں کرنیل صاحب موصوف کو دورانِ ملازمت میں جانے کا اتفاق ہوا یہ مسیحی خاتون مستورات کے درمیان خدمت کیا کرتی تھیں۔ اور انگلستان میں جہاں کہیں موقع ملتا باوجود ضعف طبع کے تقریریں کرتیں اور مشنوں کے کام میں دلچسپی پیدا کرتی رہیں۔ آپ کی زندگی ایک پاکیزہ مسیحی زندگی تھی کرنیل ستر صاحب فرماتے ہیں کہ "جب میں نے اُن سے شادی کی درخواست پیش کی تو انہوں نے فقط ایک سوال مجھ سے پوچھا کہ کیا مسیحی زندگی بسر کرتے ہیں تم میرے مددگار رہوگے یا نہیں"؟ اور پھر فرماتے ہیں کہ "یہی عملی مسیحی زندگی عمر بھر آنکے ایمان کی ہمسا رہی"۔ مسز بینو دینی ستر کا گھر ہر پہلو ایک مسیحی گھر تھا اور اُنکی خواہش ہمیشہ یہ تھی کہ وہ اپنے بچوں کی نسبت خدا کو یہ کہہ سکیں کہ "یہ تیرے ہیں اور تو نے اُنہیں مجھے بخشا ہے"۔ ہم اس مسیحی خاتون کی زندگی کے لئے خدا کا شکر کرتے ہیں اور اُسکے ایمان اور شادی کے نقطۂ خیال اور خاندانی فرائض کے احساس کو خصوصاً اُن اشخاص کے آگے غور کے لئے پیش کرتے ہیں جو کہا کرتے ہیں کہ اگر ہماری لڑکیاں ہندو مسلمانوں سے شادی کرلیں تو کیا مضائقہ ہے اور عقدِ شادی محض ایک معاشرتی اور قانونی معاہدہ ہے اور اگر دل ملے ہوں تو مذہب کے سوال کو اس میں دخل دینا نہیں چاہیئے۔ اگر مسز ستر صاحبہ شادی کے وقت مذہب کے سوال کو بالائے طاق رکھدیتیں تو کیا وہ ایسی پاکیزہ اور خوشی کی زندگی بسر کرسکتی تھیں؟۔

حیات بعد ازممات

(تمرۂ خیالات فائز جناب پادری علی بخش صاحب۔لاہور)

آجکل مابعد حیات کے بارے میں بہت دلچسپی بڑھ گئی ہے Spiritualism کی ترقی نے اس اشتیاق کو دوبالا سہ بالا کردیا ہے۔ بلکہ خودکشی کی وارداتکا یہ شوق ایک بڑا محرک سمجھا جاتا ہے۔ مجھے خود اس قسم کی کتابوں کے مطالعے کا بڑا شوق رہا۔ تقریباً پندرہ سال کا عرصہ گزرا سِول ملٹری گزٹ میں ایک بیان شائع ہوا تھا کہ حالتِ نزع میں ایک شخص کو ایک عمدہ شیشے کے گھرمیں رکھا گیا اور وہاں سے نکلتی روح کی فوٹو لی گئی۔ تین سال کا عرصہ گزرا ایک کتاب کا چرچا ہوا جو متوفی خاوند نے اپنی بیوہ کو لکھوانی شروع کی۔ اُسکے دستخط کی تصدیق کرائی گئی۔ میں نے اُس کتاب کے چند باب پڑھے۔ اب ہندو میں کسی دوسری اسی قسم کی کتاب کے لکھوائے جانے کا ذکر تھا۔ الغرض یہ مضمون نہایت دلچسپ ہے کہ مرنے کے بعد ہماری حالت کیا ہوگی اِس پردہ کے پیچھے کیا ہے۔ انسان میں استعجاب کی صفت فطرتاً موجود ہے۔

لیکن اِس وقت مجھے یہ ظاہر کرنا ہے کہ از روئے بائبل موت کے بعد زندگی کا کیا ذکر آیا ہے۔ بائبل کے ماننے والے سب فرقوں (سوائے صدوقیوں کے) کا یہ عام عقیدہ ہے کہ ہماری زندگی موت پر ختم نہیں ہوجاتی بلکہ برابر جاری رہتی ہے۔ یہ بدن اس زندگی کا ایک اوزار ہے جس کے ذریعے وہ زندگی اپنا کام کرتی ہے۔ جیسے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک وغیرہ لیکن انکے زائل ہوجانے سے وہ زندگی زائل نہیں ہوجاتی اور حواس خمسہ کے ذریعہ جو علم ایک دفعہ حاصل ہوگیا وہ اُنکے زائل ہوجانے سے جاتا نہیں رہتا۔

الفاظ ۔ بائبل میں عموماً دو لفظ موت کی مابعد حالت کے لئے آئے ہیں۔ ایک تو عبرانی لفظ شیول ہے جو پرانے عہدنامے میں آیا ہے اور دوسرا یونانی لفظ Hades ہے (ہادیس) اِس لفظ شیول کا ترجمہ کبھی تو قبر کیا گیا اور کبھی پاتال۔ لغوی معنے گڑھا (cavity) یا کھوکھلی جگہ زیرین زمین (ایوب

جو سخت تاریکی سے پُر ہے۔ ایوب ۱۰۔ ۲۱ و ۲۲۔ اُس تاریکی کے ملک میں جو تاریکی ہی ہے۔ اُس موت کی پرچھائیں کے ملک میں جس کی کچھ رونق نہیں اور جہاں کی روشنی تاریکی سی ہے۔ اور تمثیلی طور پر واں والیاں (امثال ۹۔ ۱۸) پھاٹک اور سلاخیں لگی ہوئی ہیں (یسعیاہ ۳۸۔ ۱۰۔ ایوب ۱۷۔ ۱۶۔) جو مرجاتے ہیں وہ اس شیول میں اُتر جاتے ہیں (گنتی ۱۶۔ ۳۰ + حزقیل ۳۱۔ ۱۵ و ۱۷ + پیدائش ۲ ۳ ۵۔ ۳۸ اسموئیل ۲۔ ۶ + سلاطین ۲۔ ۹) اور جو کسی کی جان کو بچاتے ہیں وہ شیول کے ہاتھوں سے بچاتے ہیں ہوسیع ۱۳۔ ۱۴ + زبور ۴۹۔ ۱۶) یہ شیول سب کو نگل جاتا ہے۔ (امثال ۱۔ ۱۲) اس کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔ امثال ۳۰۔ ۱۶ + یسعیاہ ۵۔ ۱۴) یہ بہت سنگدل اور ظالم ہے۔ غزل الغزلات ۸۔ ۷) اس نے گویا پھندے آدمیوں کو پکڑنے کے لئے لگا رکھے ہیں۔ زبور ۱۸۔ ۶۔ ۲ سموئیل ۲۲۔ ۶) یہ سب تمثیلی بیان ہیں جن سے صرف یہ مراد ہے کہ سب کو موت سے گزر کر اُس حالت میں جانا ہے۔

حاویس۔ دوسرا لفظ حاویس ہے۔ یہ یونانی ہے۔ اسکے بھی لغوی معنے یہ ہیں "جو تاریکی میں ہے"۔ اور جنھوں نے عہد عتیق کا یونانی ترجمہ مسیح سے دوسو برس پہلے کیا اُنہوں نے شیول کا ترجمہ Hades کیا۔ البتہ یونانیوں میں اس لفظ سے ایسی جگہ مراد تھی جہاں نیکوں اور بدوں کی روحیں الگ الگ رہتی ہیں۔ نئے عہدنامے میں موت کے بعد کی حالت کے لئے یہی لفظ آیا ہے۔ عہد عتیق کے تو اکثر مقاموں میں شیول سے قبر ہی مراد تھی اور صرف چند مقاموں میں قبر کے پرے کی حالت کا ذکر تھا۔ لیکن نئے عہد نامے میں یہ لفظ چند مستثنیات کے سوا (اعمال ۲۔ ۳۱ + اکرنتھی ۱۵۔ ۵۵) عموماً ایسی حالت کے لئے آیا ہے جہاں مرنے کے بعد سزا و جزا ملتی ہے (متی ۱۱۔ ۲۳ + ۱۶۔ ۱۸ + لوقا ۱۶۔ ۲۳)

پس یہ تو متفق علیہ مسئلہ ہے کہ موت پر زندگی کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ بلکہ جیو یا Soul نفس اس بدن سے علحدہ ہونے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔

حالت۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس شیول میں یا Hades حاویس میں اس جیو کی حالت کیا ہوتی ہے۔ اس میں مسیحی فرقوں میں اختلاف ہے۔

اور اس اختلاف کی وجہ ایک تو خود بائبل کے بعض مقامات ہیں جن کے معنے میں مفسروں کا اختلاف ہے۔ مثلاً ۱ پطرس ۳-۱۹۔ اور بعض قدیم روایات ہیں جنکے زور پر رومن کیتھالک لوگوں نے Purgatory کا طول طویل بیان کھڑا کر دیا جہاں روحیں آگ سے صاف کیجاتی ہیں اور جسکے عذاب سے بچنے کے لئے معافی نامے Indulgences بیچے گئے اور جنکی خاطر خیرات وغیرہ دی جاتی ہے تاکہ اُن کو ثواب پہونچے۔

سویڈن برگ نے تو یہ بھی ذکر کیا کہ وہاں جیو فرشتوں سے تربیت پاتا رہتا ہے اور بہتر ہوتا جاتا ہے اور روزِ قیامت تک اِسی تربیت و ترقی کی حالت میں رہے گا۔

بائبل میں چار شخصوں کا ذکر آیا ہے جو مرنے کے بعد لوگوں کو دکھائی دیئے اور کچھ کلام کیا۔

اوّل تو سموئیل کا ذکر ہے کہ وہ اپنے مرنے سے چند سال بعد ساؤل کو دکھائی دیا۔ اور ساؤل کی شکست اور موت کی خبر دی۔ موسیٰ اپنی موت سے ہزاروں برس کے بعد ایک پہاڑ پر مسیح سے باتیں کرتا پطرس یعقوب اور یوحنا کو دکھائی دیا۔ لیکن سب سے مفصل ذکر مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے اور چالیس روز تک مختلف موقعوں۔ جگہوں اور شخصوں پر نظر آنے اور مختلف لوگوں سے کلام کرنے کا ہے۔ پس مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا مسیحیوں کے نزدیک حیات آئندہ کا پختہ ثبوت ہے اور نیز اِس امر کا کہ مرنے کے وقت سے لیکر اُس کے جی اُٹھنے تک اُس کا جیو کہاں اور کس حالت میں رہا۔ کیا اُس کا جیو Concious تھا یا unconcious بعض مسیحی تو یہ کہتے ہیں کہ جیو بدن سے علٰحدہ ہونے کے بعد قیامت تک زندہ تو رہتا ہے لیکن unconcious حالت میں اور اس کے ثبوت میں وہ چند آیات بائبل سے پیش کرتے ہیں جن میں ذکر ہے کہ شیول میں خدا کی یاد نہیں اور نہ اسکی تعریف ہے اور نہ وہ جانتا ہے کہ اُسکے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ وہ غم اور خوشی سے واقف نہیں۔ اکثر مسیحی جیو کو مرنے کو بعد Concious مانتے ہیں

اور اسکے لئے خداوند مسیح کی وہ تمثیل پیش کرتے ہیں جو دولتمند اور لعزر کی تمثیل ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ دولتمند اور لعزر دونوں نے مرکر ایک دوسرے کو پہچانا۔ ایک دوسرے کی حالت کو معلوم و محسوس کیا۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ وہ حالت تبدیل نہ ہوسکتی تھی۔ ایک حالت عذاب میں تھا اور ایک خوشی کی حالت میں۔ یہودی بھی عموماً یہی مانتے تھے۔ کہ اس ہٹیول کے دو حصے ہیں۔ اوپر کے حصے میں راستبازوں اور نیکوں کی روحیں آرام کی حالت میں رہتی ہیں۔ اس حالت کے مختلف نام انہوں نے رکھے تھے۔ فردوس۔ باغ عدن۔ ابراہیم کی گود۔ تخت کے نیچے۔

اس مسئلہ پر مختلف مروجہ فلسفوں کے ذریعے مختلف اثر ہوا۔ اور اس لئے بائبل کی تعلیم کی زیادہ تفتیش دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اُن فلسفیانہ آراء سے علحدہ کرکے خالص بائبل کی تعلیم کو دریافت کریں اور اُسی کو اپنا عقیدہ ٹھرائیں

جے۔ علی بخش

مسیحیانِ ہند تباہی سے کس طرح بچیں

(نتیجۂ خیر اندیشیٔ جناب مسٹر جے۔ ڈانیل صاحب)

جناب ایڈیٹر صاحب مسیحی۔ "چُرو چُگو کماؤ کی" سرخی دے کر ۱۵ جنوری کے مخزن میں ذکر کیا گیا ہے کہ مشنوں میں ولایت سے روپیہ کم آتا ہے۔ چنانچہ امسال میتھوڈسٹ مشن میں روپیہ چالیس فیصدی ولایت سے کم آیا۔ اسوجہ سے اسی نسبت سے کمی دیسی پادریوں اور کارندوں میں ہوتی ہے۔ تمام دنیا میں مادیت کیطرف زور ہے لہذا روحانیت سے لاپرواہی ہے۔ اسی وجہ سے چندوں میں کمی ہے تو دینی کارندوں میں لازمی طور پر کمی ہوگی۔ آپ کی تجویز کہ سیمنریوں میں دینی تعلیم کے ساتھ ہر ایک طالب علم کو لازمی طور پر کوئی نہ کوئی دستکاری سکھائی جائے نہایت معقول ہے۔ سب سے پہلے یہ تجویز سہارنپور کی سیمنری میں جاری کرنے کی کوشش کیجائے

تاکہ دوسری سیمنریوں کے لئے یہ نمونہ بنے۔
ہمارا خداوند خود بڑھئی تھا۔ پولوس رسول جس نے نئے عہدنامہ کی سب سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ اور جس نے سب سے زیادہ کلیسائیں قائم کیں خیمہ دوز تھا۔ اُس کو اس بات پر فخر تھا کہ اپنے ہاتھوں سے کام کرکے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی حاجتوں کو پورا کرتا تھا۔ کیا آجکل کے مناد و پادری ایسا نہیں کرسکتے؟ اگر نہیں تو وجہ کیا؟ کوئی نہ کوئی ہنر سیکھے ہوئے مناد و پاسٹر کلیسیا کے تمام دیگر ممبروں سے اچھے گزارے والے ہوں گے کیونکہ اُن کو علاوہ اپنی دستکاری کی آمدنی کے کلیسیا کی خدمت کے لئے جو کہ وہ کرے گا۔ بیاہ شادی۔ بپتسما و دیگر خوشی کے موقعوں پر کچھ نہ کچھ آمدنی ہو جایا کرے گی جسکی وجہ سے وہ اپنے ہم پیشہ لوگوں سے آمدنی میں زیادہ رہیگا۔ مسلمانوں کی مساجد میں تنخواہ دار علما شاید ہی کہیں ہوں حالانکہ اُنکو دن میں پانچ وقت نماز پڑھانی پڑتی ہے پھر بھی تہوار کی آمدنی اور جمعرات کی روٹی کافی تصور ہوتی ہے۔ اگر مولوی اور مولوی کی بیوی جماعت کے بچوں کو پڑھائیں تو اُنکو معقول آمدنی ہو جاتی ہے۔ بہت سے پیشہ ور جو مذہبی کام کرتے ہیں ایک پیسہ بھی نہیں لیتے ہیں۔ کیا ہمارے پیشہ دان مذہبی کارندے ہی ایسا نہیں کرسکتے ہیں؟ ضرور کرسکتے ہیں اور کریں گے بھی بشرطیکہ اُنکو پیشے سکھا دیئے جائیں۔
پیشہ ور۔ بڑھئی۔ درزی۔ لوہار۔ ایک سال کام سیکھ کر چالیس پچاس روپے کا کاریگر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ کام سیکھنے میں بہت کم بلکہ کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا۔ مگر بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ وغیرہ اپنی عمروں کی تہائی بلکہ نصف عرصہ خرچ کرکے بھی امید نہیں کرسکتے کہ اُنکو ضرور اتنے کی نوکری ملجائے گی۔ اگر تجربہ کرنا ہو تو ایک اشتہار دے کر دیکھ لیجئے کہ کتنے ڈگری یافتہ اتنی تنخواہ کی اسامی کے لئے درخواستیں کرتے ہیں۔ جب ڈگری یافتہ اشخاص کا یہ حال ہے تو نیم تعلیم یافتہ مشن کے کارندوں کا کیا حال ہوگا۔ ایک زمانہ تھا جب صرف پرائمری تک تعلیم یافتہ اشخاص کی گورنمنٹ و مشن ہر دو میں بڑی ضرورت و قدر تھی مگر اب تو پرائمری چھوڑ یونیورسٹیوں کی ڈگریوں والوں کی قدر نہ گورنمنٹ میں ہے نہ مشن میں۔ اب تو دستکاروں کی قدر ہے۔ دستکار جہاں جائے گا

قدر پائیگا۔ پڑھا لکھا ڈگری یافتہ بے ہُنر اپنے وطن میں بھی بھوکا مریگا۔ لوگ امریکہ و یوروپ کے ہُنرمند دیں۔ دستکاروں کو دیکھکر بھی سبق نہیں لیتے۔ نہ سبق لیں گے تو تباہ ہو جا ئینگے۔ اور اُنکا خون اُنہیں کی گردنوں پر ہوگا۔
دوسری مصیبت یہ ہے کہ اخراجات انگریزی رکھے ہوئے ہیں اور آمدنی قلیوں کی بھی نہیں ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ایک ہندو شخص کے کھانیکا خرچ تین روپے ماہوار۔ مسلمان کے کھانیکا خرچ تیس ۳۰ روپے ماہوار مگر ایک انگریز کے کھانے کا خرچ تین صد روپیہ ماہوار۔ مسیحیان نے اپنی پوشش۔ رہائش و خورش بہت کچھ انگریزوں کی طرح کی کرلی ہے تو انکے افراد کا ماہانہ خرچ تیس و تین صد کے درمیان ہونا چاہیے۔ مگر آمدنی کی طرف سے انگریزوں کی آمدنی کا عشر عشیر بھی نہیں تو ان مسیح کے جلال ظاہر کرنیوالوں کا انجام کیا ہوگا۔ میری رائے میں تو اس قوم کا بچاؤ ذیل کی باتوں میں ہے۔ اگر نہ مانیں گے تو سخت ذلت کے ساتھ نابود ہو جاویں گے۔

(۱) انگریزوں و دیگر یورپین قوموں و امریکن لوگوں کی کھانے پہننے کی نقل کرنی چھوڑ دیں۔ اپنی خوراک و پوشاک دیسی کرلیں۔ اگر خدا زیادہ دیتا ہے تو غریبوں کی مدد کریں۔ جیسے کہ پارسی کرتے ہیں۔

(۲) اپنے بچوں کو تعلیم ضرور دلوائیں مگر تعلیم کے علاوہ کوئی نہ کوئی ہُنر یا دستکاری ضرور سکھائیں تاکہ وہ بڑے ہو کر اپنے کُنبے کی پرورش کرسکیں۔

(۳) سرکاری نوکریوں یا مشن کی نوکریوں کی امید نہ رکھیں۔ تمام ہند میں ایک لاکھ اشخاص ہر سال کوئی نہ کوئی یونیورسٹی کا امتحان پاس کرتے ہیں اور اس کا دسواں حصہ بھی نئی اسامیاں نہیں نکلتیں باقی لوگ کہاں جائیں؟۔

(۴) ایسی کوشش کریں کہ اپنا کما کھا کر خداوند کا کام پولس و دیگر شاگردوں کیطرح مفت کرسکیں۔

(۵) لڑکیوں کے ہر ایک سکول میں لڑکیاں دیسی کپڑے پہنیں۔ اپنا کھانا پکائیں اپنا کپڑا سئیں۔

(۶) لڑکوں کے ہر ایک سکول میں شروع ہی سے کوئی نہ کوئی دستکاری یا ہنر تعلیم کے ساتھ لازمی کیا جاوے تاکہ بچپن سے لڑکا اسکا عادی ہو جاوے ورنہ بقول سلیمان بڑا ہو کر وہ ہنر سیکھنا یا دستکاری کا کام کرنا ہرگز ہرگز منظور نہ کریگا۔

راقم جے۔ ڈانیل از گجرات

22 1/25

ہندوستانی مسیحیوں کی اقتصادی حالت

(گذشتہ سے پیوستہ)

(از مسٹر ای۔ چارلس بھٹی صاحب ایم اے)

(۲) زمیندار۔ مشنری سوسائیٹیوں کے اثر اور رسوخ سے ہمارے غریب مسیحی بھائیوں کو زمین مل گئی جیسے اوپر بیان ہوچکا ہے۔ ہمارے لوگ بہت محنت کش اور صابر ہیں۔ شب و روز محنت کے عادی ہیں۔ اگر کوئی مشکل آ بنے تو پیٹھ نہ دکھائینگے۔ یہ سب مسیحیت کی خوبیاں ہیں۔ کاشتکاری کا کام نہایت محنت اور امید کے ساتھ کرتے ہیں۔ فصل دوسرے کاشتکاروں سے بہتر ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ ان لوگوں کے پاس بہت تھوڑی زمین ہے۔ اراضی کے ان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے ماحصل پر صرف اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال سکتے ہیں۔ ایک یا آدھے مربع اراضی سے بہت آمدنی کی توقع نہیں ہوسکتی۔ ایسی حالت میں اُن کے لئے اپنے بچوں کو تعلیم دلوانا بڑا مشکل اور دشوار ہے۔ انکی تعلیم دلوانا اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے اگر اُن کے گاؤں کے قریب کوئی سکول ہو۔ وہ اپنے بچوں کو بورڈنگ سکولز میں بھیج نہیں سکتے کیونکہ اُن میں اخراجات تعلیم برداشت کرنے کی طاقت نہیں۔ ایسی حالت میں لازمی ہے کہ ایسے طریق بہم پہونچائے جائیں جنسے اُنکی آمدنی میں اضافہ ہوسکے۔ یا اُنکے گاؤں میں سکول کھولے جائیں تاکہ اُنکے بچوں کی تعلیم ممکن ہوسکے۔

کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم کی جاویں تاکہ قرضہ لینے میں آسانی ہوجائے۔ ساہوکاروں کے زبردست چنگل سے نجات ممکن ہوسکے۔ سپلائی اور مویشی بیمہ سوسائٹی بھی نہایت مفید ثابت ہوگی۔ علاوہ ازیں کوآپریٹو سوسائٹی کے ذریعہ سے چھوٹی چھوٹی کم خرچ زراعتی مشینیں رکھی جائیں اور لوگوں کو آسان شرائط پر فروخت کی جائیں۔ اور سوسائٹی میں اسقدر طاقت ہو کہ وہ بڑی مشینیں خرید کر سکیں تو خرید کر لوگوں کو کرایہ پر دیدیں۔ مثلاً اگر گاؤں میں ایک ٹریکٹر ہو تو وہ تمام کاشتکاروں کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔ قلیل عرصہ میں تمام زمینوں

میں ہل چلایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سے تھریشر بھی خریدا جاوے۔ تھوڑے عرصہ میں تمام گاؤں کی فصل بغیر کسی تکلیف اور خطرے کے تیار ہو کر گھر لائی جا سکتی ہے کاشتکاروں کو تعلیم دیجاوے کہ وہ اپنی فصل کے واسطے چھپر بناویں اور پھر بعد میں اُس میں ڈھیر لگائیں۔ بہت سی فصل ہر سال بارش کے سبب سے خراب ہوتی ہے اور جو جنس خراب ہو جائے اُسکو منڈی قبول نہیں کرتی۔ ایک اور بڑی خدمت جو انجمنیں امداد دہی کر سکتی ہیں وہ یہ ہے کہ تمام زمینداروں کی جنس ایک انبار میں جمع کر لیوے اور خط وکتابت کے ذریعہ سے کوشش کی جاوے کہ آخری خریدار کے ہاتھ تمام اجناس بیچی جاویں۔ اسطرح دلالوں سے نجات ہوگی اور نفع جو فضول انکے پاس جاتا ہے وہ زمیندار کو جاوے گا۔

اگر ہم دور اندیشی کی نظر سے انکی حالت پر غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ چند سال کے بعد ایک اور بڑی بھاری اور اہم دقت پیش آجائیگی۔ وہ جائداد کی تقسیم کا مسئلہ ہوگا۔ بچے باپ کی جائداد غیر منقولہ کے حصے دار ہونگے اور اراضی اسطرح سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاوے گی۔ یاد رہے کہ ہندوستان میں اراضی کے متعلق یہ ایک بڑا اہم مسئلہ ہے کہ کسطرح سے قانون وراثت کو تبدیل کیا جاوے کہ غیر منقولہ جائداد بالخصوص اراضی زیادہ حصوں میں تقسیم نہ ہو۔ فرض کیجئے ایک زمیندار کے پاس آٹھ ایکڑ زمین ہے۔ اگر اُس زمین کو اُسکے وارثوں کے مطابق چار حصوں میں تقسیم کیا جاوے تو ہر ایک کو تین ایکڑ زمین ملیگی۔ اب تین ایکڑ کی کاشت سے وہ اپنے خاندان کا گزارہ نہیں کر سکتے۔ لیکن ایک خاندان اچھی طرح سے گزران کر سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ جن کو تین ایکڑ زمین ورثہ میں آئی ہو بیچ دیویں اور اپنی معاشرت کی کوئی اور صورت نکالیں۔ اسطرح سے جائدادیں تباہ ہو جاوینگی۔ اور غریب مسیحیوں کے ہاتھ سے یہ ذریعۂ معاش بھی جاتا رہیگا اسلئے ضرورت ہے کہ ہماری قوم کے لیڈر ابھی سے اس کوشش میں مصروف ہوں کہ کسی طرح سے اس قانون کی تبدیلی ہو سکے۔ غیر منقولہ بالخصوص اراضی کا حقدار صرف ایک بچہ ہونا چاہیئے۔ اس طریق سے جائدادیں تباہ

ہونے سے بچ جاویں گی۔
(۳) ہم مشنری صاحبان کے تہ دل سے مشکور ہیں کہ اُنکے ذریعہ سے ہمیں بہت سے فیض پہونچے۔ لیکن اُنہوں نے ہمارے مستقبل کی طرف ایک لمحہ کے لیئے بھی اپنی سوچ و فکر نہ لگائی۔ ہماری اقتصادی حالت کو بہتر بنانے پر کافی دھیان نہ دیا۔ اُنہوں نے ہمیں جنا لیکن اسقدر لائق نہ بنایا کہ ہم اپنے قدموں پر کھڑے ہوسکیں۔ اپنے لیئے ماں باپ سے علٰحدہ خوبصورت اور دلکش گھر بناویں ضرورت کے وقت اُنکے سامنے اپنا ہاتھ نہ پھیلائیں۔ مشنری سوسائٹیاں والدین کا درجہ رکھتی ہیں۔ اُنہیں جننے کے دُکھ لگے۔ اُنہوں نے پالا پوسا۔ لیکن صرف گھر کے کام کے لیئے۔ اُنکی یہ خواہش نہ ہوئی کہ ہمارے بچے دنیا میں نکلکر اعلٰی اُن‌تبے اور مرتبے حاصل کریں کہ اقتصاداً والدین سے جُدا ہوکر اپنی زندگی آرام سے بسر کریں اور اپنے بھائیوں کو فیض پہونچائیں۔ وہ آزاد زندگی کے پُتلے تھے ایسی سرزمین سے آئے جہاں آزادی کے خیالات لوگوں کے رگ و ریشہ میں سمائے ہوئے ہیں لیکن اُنہوں نے آزادی کو باز رکھا۔ شاید اس خیال سے کہ آزادی کا بُرا استعمال نہ کریں۔ شاید اسی بات میں اُنہیں مصلحت نظر آئی ہوگی۔ اصل میں حالات کی صورت دیگر ہونی چاہیئے تھی۔ بچوں کو ہی لائق بناتے کہ وہ بڑے ہوکر اُنکی خدمت کرتے۔ تمام اخراجات کا بوجھ خود اُٹھاتے اور والدین آرام کرتے۔ ہندوستان میں ابھی مسیح پردیسی ہے۔ ابھی مسافرت ختم نہیں ہوئی۔ خدا کا گھر خیمہ ہے۔ خدا کا گھر تب بنے گا جب ہندوستانی اپنے روپیہ سے عبادت خانے تعمیر کرینگے۔ مسیح کا حقیقی گھر وہی ہوگا۔ مشنری صاحبان نے مسیحی بچوں کو تعلیم دلوائی۔ لیکن صرف اسقدر کہ وہ مشن کے دائرے سے باہر نہ جاسکیں کنوئیں کے مینڈک کی طرح کنوئیں میں رہیں۔ اگر ایسے طرز عمل پر شکوہ بھی کیا جاوے تو بجا ہے۔ مناووں کو دس پندرہ روپیہ ماہانہ پر رکھا۔ جس میں نہ وہ مریں نہ جیئیں اور نہ پیٹ بھر کھائیں نہ آسودہ ہوکر بیٹھیں اور نہ اپنی کسی واجبی ضرورت کو پورا کرسکیں۔ بیچاروں کی آمدنی اسقدر نہیں کہ اُنہیں تمام لوازمات زلیست میسر ہوسکیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مناووں کے بال بچے

بہت ہوا کرتے ہیں۔ وہ جو والدین ہیں خود سوچ سکتے ہیں کہ اسقدر قلیل آمدنی میں بچوں کی پرورش کیسے ہوسکتی ہے۔ بچپن کی پرورش پر بچوں کی آئیندہ ترقی کا انحصار ہوتا ہے۔ اگر بچپن میں بچوں کی پرورش اچھی طرح سے نہ ہو تو اسکا اثر اُنکی ذہنی اور جسمی قوا پر پڑتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُنکے بچے بہت کم ترقی کرتے ہیں۔ تھوڑی تعلیم سے اُنکی مٹی خراب ہوتی ہے نہ گھر کے کام کے رہتے ہیں نہ باہر کے۔ دستی محنت سے عار ہے کیونکہ ایک تو باپ مناد اور دوسرے خود خواندہ۔ اس سے غریب مارے مارے پھرتے ہیں۔ کم ذہانت کی وجہ سے مشنری سکول سے نکال دیتے ہیں۔ دربدر دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ والدین میں اسقدر مالی استعداد نہیں کہ اُنہیں اپنے خرچ پر موقعہ دیویں۔ اُن بیچاروں میں تو پوشاک کے خرچ اُٹھانے کی طاقت تک نہیں ہوتی۔ والدین کے بس میں کچھ نہیں حالات اُن کے خلاف۔ آخرش جب تنگ آجاتے ہیں تو مشنری کے دروازہ پر دستک دیتے ہیں۔ اندر سے آواز آتی ہے کہ فرصت نہیں۔ دو چار مہینے اس دوڑ دھوپ میں صرف ہوتے ہیں۔ ناظرین خود سوچ سکتے ہیں کہ والدین کو بچوں کو بے روزگار دیکھکر کسقدر قلق اور رنج ہوتا ہے۔ جب وہ لوگ نہایت تنگ آجاتے ہیں اور روزگار کی صورت نظر نہیں آتی مایوسی اور بے کسی میں ہوکر آخری آواز مشنری کے رحم کے لئے بلند ہوتی ہے۔ لڑکا لڑکی نوکر ہوجاتا ہے اور اُنہیں بھی دس روپیہ ماہوار تنخواہ ملنی شروع ہوجاتی ہے۔ جب تک جوان رہے کام لیا بوڑھے ہوئے تو " نا قابلِ کار" کہکر نکالدیا۔

اب ایسے منادوں کے کام کی کیفیت سنئے۔ میں نکتہ چینی کی غرض سے نہیں لکھ رہا میرا مقصد یہ نہیں کہ میں مشنری صاحبان اور منادوں کے خلاف محض کہنے کی غرض سے کہوں یا اُن میں سے کسی کے ساتھ میرا ذاتی عناد ہے۔ ہرگز نہیں۔ لیکن میری خواہش یہ ہے کہ منادوں کی حالت اس سے بہتر ہوسکے اور اُنکے بچے زیادہ ترقی کریں۔ اور اقتصاداً آزاد اور اپنی امانت کو سنبھالنے کے لائق بن سکیں۔ اور نیز یہ بھی غرض ہے کہ حقیقتِ حال مسیحی جماعت کے سامنے پیش کی جائے تاکہ ایسی تجاویز و تدابیر سوچی جائیں جنکے ذریعہ سے موجودہ حالات میں اصلاح ممکن ہوسکے۔

وہ مناد جنکو بالعموم پندرہ روپیہ تنخواہ ملتی ہو۔ اپنا کام سرگرمی اور گرمجوشی سے نہیں کرتے۔ اور نہ اپنی ذمہ واری کو محسوس نہیں کرتے ہیں جب کوئی صورت آمدنی کی دکھائی نہیں دیتی تو ایمان بھی لغزشوں پر آجاتا ہے۔ اور جونہی مایوسی بڑھی ایمان بالکل گرجاتا ہے۔ یہ انسانی کمزوری ہے۔ ہرایک انسان میں جو کہ عورت سے پیدا ہوا ہے پائی جاتی ہے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس کمزوری کو مغلوب کرسکتا ہے۔ اور کامل فتح کا نتیجہ ایمان کی پختگی اور راستی کا کام ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اُن میں ایمان کی کمی ہوتی ہے تو میں ہرگز تسلیم کرنے کو طیار نہیں۔ ایمان تو ہوتا ہے مگر مایوسی اور پیٹ کے سامنے اُسکی بھی بہت نہیں چلتی اسلئے ایسے منادوں کا اعلیٰ ترین مقصد مشنری صاحبان کی خوشنودی ہے جو اس زمانہ میں ایک نہایت آسان طریقہ سے ممکن ہوسکتی۔ کام سے نہیں (یہ تو ایک نہایت دشوار طریقہ ہے) یہ خوشامد اور چاپلوسی ہے۔ اگر مشنری خوش تو روزی قائم۔ اگر خوشی میں کمی ہوگئی تو اُدھر روزی بھی معرض خطر میں پڑگئی۔ کام حکم اور دعا سکھانے پر ختم ہوجاتا ہے۔ اور اگر اسکے علاوہ کوئی اور تعلیم دی جاتی ہے تو وہ منادوں کو چندہ دینے کے بارے میں مناوی کسی مضمون پر کیوں نہ ہو اُسکا اختتام یہی ہوگا۔ وہ جو گاؤں کے کام سے واقف ہیں بخوبی جانتے ہیں کہ مسیحی کارندوں نے لوگوں سے روپیہ نکالنے کی غرض سے ایسے طریقے ایجاد کئے ہیں جو کہ خادموں کے شایاں نہیں۔ جو بھوکا ہو اور جس پر خاندانی ذمہ واری بہت گرانبار اور بوجھل ہو تو وہ قسم قسم کے نیک و بد وسائل نکال لیتا ہے۔ بجائے اسکے کہ لوگوں کو مقدمہ بازی سے روکا جاوے مناد اُنکو ترغیب دیتے اور پشتی کرتے ہیں۔ اسلئے نہیں کہ راستی کو فروغ ہو۔ بلکہ اسلئے کہ اسطرح اُنکی بھی جیب گرم ہو۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر بھی اسی طرح سے ناجائز طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ نکاح روکے جاتے ہیں تاکہ فیس زیادہ ملے۔ اسلئے نہیں کہ لوگ بُری رسمیں اور رسمیں کرتے ہیں۔ بہت سا روپیہ لیکر ناجائز شادیاں کروائی جاتی ہیں۔ یہ سب بُرائیاں ہیں جو کہ کثیر التعداد مشن کے ملازموں میں پائی جاتی ہیں اور جنکا انسداد مسیحی جماعت کی تقویت اور زور کا باعث ہوگا

مناد کہہ سکتے ہیں کہ وہ معذور ہیں۔ اُن پر ایک بڑے خاندان کی ذمہ داری
ہے۔ میرے خیال میں اگر اُنہیں اُنکی حاجات کے مطابق دیا جاوے تو ایسی
بُرائیاں ممکن نہ ہوں گی۔ وہ لوگ زیادہ خودداری و انانیت کے ساتھ اپنا
کام کر سکتے ہیں۔ اُنکی خدمت سے بہتر اور حسب دلخواہ نتائج بھی ظہور پذیر ہو سکتے
ہیں۔ پاسبان اور مناد اپنے آپ کو اپنی کلیسیا کے باپ سمجھیں گے اور تمام وقت
اُن لوگوں کی بہتری اور بہبودی کے وسائل کی غور و فکر میں صرف کرینگے۔ اور نیز
اپنے بچوں کی پرورش اچھی طرح سے کر سکیں گے۔ اُنکے بچے اچھی تعلیم پاکر اقتصاداً
آزاد اور خود مختار ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس گروہ کی موجودہ حالت حقیقتاً قابل رحم ہے
اسکا تدارک جسقدر ممکن ہو سکے جلد ہونا چاہئے۔ ورنہ مرض بڑھتا جاویگا حتی کہ
لاعلاج ہو جاویگا۔ مناووں کے سامنے دو بڑی بھاری مشکلات ہیں۔ اول
بچوں کی پرورش۔ دویم بچوں کی تعلیم۔ اگر ان دونوں کا حل ممکن ہو سکے تو اُن کی
موجودہ اقتصادی اُفتادگی دور ہو سکتی ہے۔

(۴) دعا ہے کہ خدا اس گروہ کے لوگوں کو زیادہ ترقی دیوے تاکہ وہ اپنے
غریب اور امداد طلب مسیحی بھائیوں کی امداد و معاونت کر سکیں۔ اُن میں جماعتی
جذبہ زیادہ جوش زن ہو۔ رتبے اور مرتبے کے رعب کو جماعتی مفاد کے مذبح
پر قربان کر دیویں۔ قومی ترقی میں سرگرمی اور مسیحی زندگی میں پُر زور ہو جاویں۔
جماعتی احساس دن بدن ترقی پذیر ہوں۔ جماعتی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیویں
گو اقتصادی نقطۂ خیال سے بہت سی ایسی تمدنی باتیں ہیں جو کہ اصلاح کے قابل ہیں مثلاً
مغربی طرز معاشرت۔ بہت حد تک یہ ہمارے جماعتی اتحاد اور یکتائی میں بھاری سدِ راہ ہے
جماعتی اتحاد سے مراد کلیسائی اتحاد نہیں اگرچہ میں اُسکا بھی حامی ہوں۔ یہ طرز معاشرت ہمیں غریب مسیحیوں
سے ملنے سے روکتی ہے اُنسے ملنا اُنکی ترقی کا باعث ہے اُنکی تقویت ہوگی۔ آجکل جماعتی
نقطۂ خیال سے ہماری کام شہروں میں نہیں بلکہ گاؤں میں ہے۔ اُن لوگوں میں ہے جو کسی سائنس
یا منطق سے واقف نہیں۔ اُنکی ترقی اُسوقت ممکن ہوگی جب اس گروہ کے اشخاص پوری
پوری دلچسپی ظاہر کرینگے اور اُنکی دستگیری سے ہاتھ باز نہ رکھیں گے۔ خدمت میں عظمت ہے۔

:- خادم۔ ای۔ چارلس بھٹی۔ ایم۔ اے (سیالکوٹ)

ٹیکس اور افلاس

(از قلم جادو رقم جناب جے۔ آر۔ رائے صاحب جرنلسٹ مشہور و معروف)

سوال یہ ہے ٹیکس اور افلاس کا باہم دگر کیا تعلق ہے؟ حالات موجودہ میں یہ سوال بہت اہم ہے اور اس پر ناظرین کی دلچسپی کے لئے بحث کرنا ضروری ہے۔

نیابتی حکومت کا بارِ گراں

بطور کلیہ یہ بیان کر دینا بھی مناسب ہے کہ نیابتی اور قومی حکومت ہمیشہ گراں پڑتی ہے۔ مغربی ملکوں کی حالت سے یہ خوب ظاہر ہے۔ اور مشرق میں جاپان کی حال کی تاریخ پر نگاہ ڈالنے سے یہ امر ثابت ہے۔ ہندوستان میں عرصہ کے مسلسل مطالبہ سیلف گورنمنٹ کے بعد اسکی پہلی قسط عطا کی گئی ہے کہ جسکا آغاز ۱۹۲۱ء سے عملاً ہو چکا ہے۔ مگر اسکے ساتھ اخراجاتِ حکومت بہت بڑھ گئے ہیں کہ جنکی بہم رسانی کے لئے نئے ٹیکس لگائے گئے جنسے چالیس کروڑ روپیہ سالانہ وصول ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ نیابتی حکومت کے ارباب بند وکشادِ عوام کے نمائندے ہوتے ہیں اور وہ اپنے انتخاب کنندوں کی ضروریات اور خواہشات سے آگاہ ہونے کے سبب سے رفاہ عام کی تجاویز وضع کرتے ہیں جن پر روپیہ خرچ ہوتا ہے اور یہ روپیہ نئے ٹیکس لگا کر وصول کیا جاتا ہے۔ ابھی تو پہلا دور شروع ہوا ہے۔ جمہور کے نمائندے قومی فلاح کے کاموں کی تجاویز سوچتے ہیں مگر روپیہ کہاں سے آئے؟ ٹیکس ہی سے بڑھے ہوئے مصارف پورے کئے جا رہے ہیں اور آئندہ بھی اسی وسیلہ سے مزید اخراجات پورے ہوں گے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ عوام میں نئے ٹیکس ادا کرنے کی طاقت کہانتک ہے؟ دردمندانِ ملک یہ حجت پیش کرتے ہیں۔ ملک غریب ہے۔ ٹیکسوں کا بار مزید برداشت نہ ہوگا۔ گورنمنٹ کو مصارفِ حکومت میں معتدبہ تخفیف کرنا لازم ہے مگر یہ مسئلہ محض حجتوں سے حل نہیں ہوسکتا۔ اسوجہ سے ایک کمیٹی مقرر کیگئی ہے کہ جو چند ہفتوں سے تحقیقات کر رہی ہے۔

تحقیقاتی کمیٹی کے زیر غور مسائل

اس کمیٹی کے پرچہ سوالات سے جو ماہ رواں کے پہلے ہفتے میں شائع کیا گیا تھا ظاہر ہوتا ہے کہ اسکے روبرو تین اہم سوالات ہیں۔

(۱) **تموّل اور اوسط آمدنی**۔ بلاشبہ ملک کی مجموعی دولت اور عوام کی اوسط آمدنی کا ٹھیک تخمینہ لگائے بغیر یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ عوام کس حدتک مزید بوجھ کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ کمیٹی نے دولت ملک اور اوسط آمدنی کے اعداد بھی منسلک کردئے ہیں۔ جنکی نسبت اہل الرآے سے خصوصیت سے یہ سوال پوچھا جائیگا۔ آیا یہ اعداد درست ہیں یا ان میں مزید ترمیم کی ضرورت ہے۔ ان اعداد میں ایک خامی یہ ہے کہ متوفی کی جائداد کی تقسیم کے رسوم اور انکم ٹیکس کے مکمل اعداد نہیں بہم پہونچ سکے جیسا کہ برطانیہ میں پائے جاتے ہیں

(۲) **ٹیکس فی کس**۔ کمیٹی کے زیر غور یہ مسئلہ بھی ہے۔ آیا بلاامتیاز سب آمدنیوں پر خاص شرح ٹیکس عائد کی جائے۔ یا انکم ٹیکس ہی ردّو بدل ضروری ہے؟

پول ٹیکس سے مراد فی کس ٹیکس ہے کہ جو مغربی ملکوں میں رائج ہے مگر ہندوستان اس سے ناآشنا ہے۔ انکم ٹیکس جو دو ہزار روپیہ سالانہ آمدنی پر ہے ٹیکس بلاواسطہ ہے۔ باقی جملہ ٹیکس بالواسطہ ہیں۔ نمک کا ٹیکس۔ محصول درآمد۔ ریلوے کا بھاڑہ اور کرایہ وغیرہ اور پوسٹ کارڈ و لفافہ کی قیمت میں ڈبل اضافہ اور قیمت طلب پارسل کی رجسٹری فیس وغیرہ سب کے سب بالواسطہ مواجب ہیں۔ جو ایک آدمی کسی نہ کسی صورت میں ادا کرتا ہے۔ یہاں پر یہ بیان کردینا بھی ضروری ہے کہ برطانیہ فرانس اور امریکہ میں حسب ذیل ٹیکس اَدا کئے جاتے ہیں جنسے ہم یہاں پر محض ناآشنا ہیں۔ کمپنیوں کے سرمایہ۔ مزدوروں سے کام لینے والوں۔ ہوٹلوں۔ لین دین کی رقموں۔ اور متوفی کی جائدادوں کی تقسیم اور انتقال کی رسوم پر بھاری شرح محصول عائد ہے۔ کہ جنکی بدولت خزانہ عامرہ میں کروڑوں روپے داخل ہوتے ہیں۔

زمینداروں پر ٹیکس لگانے کی تجویز

(۳) تیسرا مسئلہ کمیٹی کے سامنے یہ ہے۔ کیا زمینداروں پر ٹیکس لگانا مناسب ہے؟

اگر بالآخر ٹیکس لگایا گیا تو گزارہ چھوڑ کر باقی بچت پر عائد ہوگا۔ کہ جس سے سالانہ پندرہ میں

کروڑ روپیہ وصول ہونے کی توقع ہے۔ اس سے زمیندار۔ جاگیر دار اور تعلقہ دار ہی متاثر ہوں گے۔ جنکی لاکھوں روپیہ سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔ یہاں پر یہ واضح کر دینا مناسب ہے کہ ہمارے ہاں زمین پر ٹیکس نہیں ہے۔ جیسا کہ برطانیہ فرانس وغیرہ میں ہے۔ ہم صرف مالگذاری ادا کرتے ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ قدیم الایام سے راجہ زمین کی پیداوار میں اپنا خاص ایک استحقاق تصور کرتا ہے۔ منوجی نے ⅙ سے لیکر ⅙ حصہ تک زمین کی نوعیت اور پیداوار کے اعتبار سے راجہ کا حق ٹھہرایا ہے۔ علاؤ الدین خلجی نے ½ حصہ سرکاری حق قرار دیا تھا اور ½ حصہ زراعت پیشہ آبادی کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ شیر شاہ سوری نے ⅓ حصہ اور اکبر نے ⅓ حصہ مقرر کیا تھا۔ مگر بے قاعدہ سپاہ کا خرچ اس سے مستثنیٰ تھا جو کہ صوبوں پر ڈالا گیا تھا۔ فیروز شاہ تغلق نے ہندوؤں پر جزیہ لگایا تھا۔ گو اکبر اور اسکے بیٹے اور پوتے نے لینا موقوف کر دیا تھا۔ مگر اورنگ زیب نے اسکی تجدید کر دی تھی سرکار انگریزی نے شرح مالگذاری برائے نام مقرر کی ہے۔ جو کہ دو آنے سے لیکر آٹھ آنے فی ایکڑ بنجر اور غیر مزروعہ زمینوں پر لیا جاتا ہے۔ مگر مزروعہ زمینوں پر حسب حیثیت ایک روپیہ سے تین روپے فی ایکڑ ہے۔ چاہی زمینوں کا معاملہ سب سے زیادہ ہے مگر اسکی پیداوار کا اندازہ فی ایکڑ پچاس ساٹھ روپے کے درمیان ہے۔ اس اعتبار سے پیداوار کا ⅟۱۲ حصہ سرکار لیتی ہے جو بمقابلہ گذشتہ بادشاہتوں کے بالکل برائے نام ہے۔

افلاس ہند کی نسبت دو متضاد خیالات

اب اخیر میں افلاس ہند پر بحث کرنا بھی مناسب ہے۔ ساٹھ ستر سال ہوئے ولیم ڈگ بی نے اوسط آمدنی کی بنا پر ملک ہند کو سب سے غریب قرار دیا تھا۔ دادا بھائی نوروجی نے ساری عمر اسی کے لئے وقف کی تھی۔ رومیش چندر دت نے اپنا سارا زور قلم اسی نظریہ کی حمایت میں صرف کیا تھا اور مالگذاری کو کاشتکاروں اور زمینداروں کے لئے ناقابل برداشت ٹھہرایا تھا۔ مسٹر تلک نائر نے جائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کے روبرو اظہار رائے کرتے ہوئے ہندوستان کے سال بسال بڑھتے ہوئے افلاس کا ذکر نومبر ۱۹۱۹ء میں کیا تھا جسکے ثبوت میں تعلیم گاہوں

کے لڑکوں اور جیلخانوں کے قیدیوں کی جسمانی ناتوانی اور اہل زراعت کے خستگسالی کے مقابلہ نہ کرنے کی مالی حالت پیش کی تھی۔ مہاتما گاندھی نے اگست ۱۹۲۱ء میں ممبئی میں ایک جلسے میں یہ فرمایا تھا کہ تین کروڑ آدمی رات کو خالی پیٹ سوتے ہیں۔ برخلاف اسکے دوسرا گروہ صرف نسبتی افلاس کا قائل ہے کہ جو مغرب کے ملکوں پر بھی عاید ہوتا ہے۔ وہ اسکی بجائے خوشحالی کے قائل ہیں۔ انکی رائے میں ماہران اقتصادیات نے آسودگی کے جو معیار مقرر کئے ہیں وہ ہندوستان پر بخوبی عاید ہوتے ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) تجارت خارجی کا توازن بحق ہند۔ ہر سال اربوں کا مال باہر جاتا ہے اور باہر سے جو مال آتا ہے وہ اس سے کم مالیت کا ہوتا ہے۔ اسکا نام توازن ہے۔ گویا غیر ممالک ہمیشہ ہندوستان کے دین دار رہتے ہیں۔ غریب دوسروں کا مقروض ہوتا ہے اور آسودہ حال قرضخواہ۔

(۲) شرح مزدوری کی حالت بلاشبہ شرح مزدوری میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے جسکی وجہ سے محنت مزدوری کرنے والوں کی حالت اب سے پندرہ سال پہلے سے بدرجہا بہتر ہے۔

۳۔ معاشرت کی خوش اسلوبی۔ راحت کے سامان صرف روپیہ سے بہم پہنچتے ہیں لوگوں کی پوشاک اور رہائش میں معتدبہ تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ جو ان کی خوش حالی پر دال ہے۔ بہرکیف کمیٹی اوسط آمدنی اور کمی تمول ملک کی چھان بین میں مصروف ہے۔ اس کی رپورٹ سب سے پہلا اور معتبر تخمینہ تمول ہند کا ہو گا۔ (جے۔ آر۔ رائے)

گور غریباں

زبان اردو کے شعرا نے اکثر حسن و عشق کے راگ الاپے اور ناممکنات کو اپنے سادہ الفاظ کے ذریعہ سے ممکنات کے دائرہ میں داخل کر دیا۔ مگر اب ہوائے زمانہ کے مطابق اور موجودہ تہذیب کو مدنظر رکھکر ہمارے شعرا نے عاشقانہ

غزلیات سے گزر کر نیچرل فلاسفی کی طرف رُخ کیا ہے۔ ذیل میں ایک اعلیٰ اور مشہور انگریزی نظم کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

یوں تو انگلستان کے تمام شعرار نے اپنے اپنے رنگ میں خوب لکھا مگر گرے کی اس نظم نے انگریزی شاعری کی کایا پلٹ دی۔ گرے انگلستان کا مشہور سادہ نویس شاعر ہے سنہ ۱۷۱۶ء سے سنہ ۱۷۷۱ء تک رہا۔ اسکی اے۔ لے جی نہایت مشہور ہے اُسکا ترجمہ اردو شاعری کی تمام سلاست و پاکیزگی کو لئے ہوئے شاید اس سے بڑھ کر دستیاب نہیں ہوسکتا۔ انگریزی نظم کی کایا پلٹ دینے والی "گریز اے۔ لے جی کو اس شاعر نے جسکا ہمیں نام بھی معلوم نہیں اپنی زبان میں خوب نبھایا ہے۔ یہ ہمیں ایک پُرانی بیاض سے ہاتھ آئی ہے افسوس اسکے آخری بند نہیں ملے۔ جن اصحاب نے یہ نظم انگریزی میں مطالعہ کی ہے وہ اسکا لطف قندِ مکرر سے بڑھ کر حاصل کرینگے۔ مزا یہ کہ طرز بھی وہی یعنے پہلا اور تیسرا مصرع اور دوسرا اور چوتھا مصرع ہم ردیف و قافیہ گویا اردو طریقۂ نظم میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ اور اس ڈھنگ کے سوا یہ ترجمہ بھی ایسا سادہ اور پاکیزہ نظر نہ آتا۔ بلکہ اس ترجمہ میں خوبی یہ ہے کہ انگریزی نظم کو انگریزی طرز میں انگریزی محاورہ اور حسنِ شاعری کو قائم رکھکر اردو زبان میں اسطرح سے قلمبند کیا ہے کہ ایک رنگ میں دو مزے حاصل ہوتے ہیں جسطرح گرے کی سات (۷) سالہ محنت کی داد دیتے ہیں اسی طرح ہم اپنے شاعر شیریں مقال کی عرقریزی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آخر میں ہم اپنے انگریزی خواندہ اصحاب سے درخواست کئے بغیر نہیں سکتے کہ اگر پورا لطف اٹھانا چاہتے ہیں تو اس نظم کو انگریزی ہیں کے ساتھ ساتھ پڑھیں اور وہ طالب علم جو اس سال یا آئندہ سال بی۔ اے کے امتحان کی تیاری کر رہے ہیں ضرور اسکا مطالعہ کریں۔ مگر انگریزی کے ساتھ ساتھ۔ امید ہے کہ شائقین بنظرِ غائر پڑھیں گے اور ہر دو شعرا کی محنت کی داد دیں گے۔ اگر "گرے" نے یہ "اے۔ لے جی" سات سال میں لکھی تو ہمارے شاعر نے اپنی زبان میں خوب نبھایا ہے۔ (پی۔ این۔ بی۔ نادر)

وداعِ روزِ روشن ہے گجر شامِ غریباں کا
چراگاہوں سے پلٹے قافلے وہ بے زبانوں کے

قدم گھر کی طرف کس شوق سے اٹھتا ہے دہقاں کا
یہ ویرانہ ہے، میں ہوں، اور طائر آشیانوں کے

اندھیرا چھا گیا دنیا نظر سے چھپتی جاتی ہے
جدھر دیکھو اٹھا کر آنکھ اُدھر اک ہو کا ہے عالم

مگس لیکن کسی جا بھیرویں بے وقت گاتی ہے
جرس کی دور سے آواز آتی ہے کبھی بیہم

۳
کبھی اک گنبدِ کہنہ پہ بومِ خانماں ویراں
کہ دنیا سے الگ اک گوشۂ عزلت میں ہے پنہاں
فلک کو دیکھ کر شنگوں کا دفتر یاد کرتا ہے
کوئی پھر کیوں قدم اس کنجِ تنہائی میں دھرتا ہے

۴
قطار اک سامنے ہے سولسریوں کے درختوں کی
ہر اک نے مر کے بس دو گز کفن گز بھر زمیں پائی
وہاں قبریں ہیں کچھ مٹی کے جیسے ڈھیر ہوتے ہیں
بسانیوالے جو اس گاؤں کے تھے سب وہ سوتے ہیں

۵
نفسِ بادِ سحر کا۔ نالۂ پر دردِ بلبل کا
رہے بیفائدہ مستوں کی ہو حق شورِ قلقل کا
ہوئے بیکار اب انکو اٹھا سکتا نہیں کوئی
ہیں ایسے نیند کے مارے جگا سکتا نہیں کوئی

۶
نہ چولھے آگ روشن ہے نہ اب انکے گھڑے پانی
نہ بی بی کو سرِ شام انتظار ہے نہ حیرانی
نہ گھر والوں کو اب کچھ کام ہے فکرِ شبستاں سے
نہ بچے دوڑتے ہیں اب کہ لپٹیں باپ کے داماں سے

۷
وہی ہیں یہ جنہیں وقتِ درو مہلت نہ تھی دم بھر
وہی ہیں یہ جنہوں نے ہل چلائے گیت گا گا کر
وہی ہیں ہاتھ چلتے رہتے ہی تھے بیشتر جنکے
بڑے سرکش درختوں کو گراتے تھے تبر جنکے

۸
نہ دیکھیں حال ان لوگوں کا ذلت کی نگاہوں سے
یہ انکا کاسۂ سر کہہ رہا ہے کج کلاہوں سے
بھرا ہے جنکے سر میں غرۂ نوابی و خانی
عجب نادان ہیں وہ جنکو ہے عجبِ تاجِ سلطانی

۹
نہیں شاہانِ فخر و ناز نوبت اور نقارہ
وہ ساعت آنیوالی ہے نہیں جسمیں کوئی چارہ
جو نازاں جاہ و ثروت پر ہیں انپر موت ہنستی ہے
کہ فانی ہے جہاں ہر اوج کا انجام پستی ہے

۱۰
جو خوش آہنگ کوئی قاریِ قرآں نہ ہو تو کیا
چراغاں اور صندل اور گلِ ریحاں نہ ہو تو کیا
نظر آتے نہیں کتنے مزاروں پر تو کیا غم ہے
نہیں نگبرا اور کمخواب کی چادر تو کیا غم ہے

۱۱
بناتے ہو بہو تصویر گر مدفن پہ رکھنے کو
دعا ہو فاتحہ ہو مرثیہ ہو آہ و زاری ہو
پلٹ کر اس سے کچھ نکلی ہوئی سانس آ نہیں سکتی
کوئی آواز اُن کے کان تک اب جا نہیں سکتی

۱۲
خدا جانے تھے ان لوگوں میں کیا کیا جوہرِ کامل
خدا ہی کو خبر ہے ہونگے کیسے کیسے صاحبدل
خدا معلوم رکھتے ہوں گے یہ ذہنِ رسا کیسے
خدا معلوم ہوں گے بازوئے زور آزما کیسے

۱۳
زمانے نے مگر کوئی ورق ایسا نہیں الٹا۔
مصیبت نے طبیعت کی روانی کو کیا پسپا
کہ بارِ فکر سے مہلت یہ پاتے سر اٹھانے کی
کہ بار آنے نہ پائی جوہرِ ذاتی دکھانے کی

۱۴
بہت سے گوہرِ شہوار باقی رہ گئے ہوں تہ گے
ہزاروں پھول دشت و دریں میں ایسے بھی کھلے ہونگے
کہ جنکی خوبیاں سب مٹ گئیں تہ میں سمندر کی
کہ جنکے مسکرانے میں ہے خوشبو مشک و عنبر کی

۱۵
یہ اہلِ عزم ہیں گو عزم کی نوبت نہیں آئی
حکومت اپنے قریہ میں کی لیکن دوست دشمن پر

وہ فردوسی یہ ہیں جنکی زباں کھلنے نہیں پائی
وہ رستم ہیں نہیں سہراب کا خوں جنکی گردن پر

۱۶
مقدر نے انہیں مصروف رکھا قلبہ رانی میں
وگرنہ حکمرانی کا بھی یہ جلوہ دکھا دیتے
عجب کیا شہرہ آفاق ہوتے خوش بیانی میں
اور اپنے کارنامے اہلِ عالم کو سنا دیتے

۱۷
رہے محروم نیکی سے بچے ہر اک برائی سے
نہ زورِ مردم آزاری نہ شوقِ فتنہ انگیزی
نہ دولت کی ہوس میں بیگناہوں کے گلے کاٹے
نہ کی خلقِ خدا کے ساتھ بے رحمی نہ خونریزی

۱۸
نہ صحبت میں امیروں کی کبھی خونِ جگر کھایا
نہ اینٹھا یا لہو اپنا کبھی جھوٹی خوشامد سے
نہ ملکر روغنِ قازِ آتشِ نخوت کو بھڑکایا
کہ جس سے خود پسندوں کا تبختر بڑھ چلے حد سے

۱۹
الگ ہر نیک و بد سے دور دنیا کے مکاید سے
گئے بیگانہ وار اور خلق میں بیگانہ وار آئے
رہے محفوظ ابنائے زمانہ کے مکاسد سے
قدم راہِ توکل سے کبھی ڈگنے نہیں پائے

۲۰
نہ دیکھ اِن استخوانہائے شکستہ کو حقارت سے
یہ ہے گورِ غریباں اک نظر حیرت سے کرتا جا
نکلتا ہے یہ مطلب لوحِ تربت کی عبارت سے
جو اس رستے گذرتا ہے تو ٹھنڈی سانس بھرتا ہے

۲۱
لکھے نام ان مزاروں پر نہیں گو حرفوں میں
مگر بھولے ہوئے کو ٹھیک رستہ یہ بتاتے ہیں
افادہ اس سے بڑھکر اور کیا ہوگا اگر پوچھیں
کہ جو مرنے سے ناواقف ہیں رستہ سیکھ جاتے ہیں

۲۲
جو آیا ہے جہاں میں بالیقیں جانا ہے اُسے اک دن
یہ ہونا ہے کوئی چاہیگا دل سے۔ یا نہ چاہیگا
مگر جاتے ہوئے پھر کر نہ دیکھے یہ نہیں ممکن
دلوں سے یاد بھی مٹ جائے یہ حاشا نہ چاہیگا

نوٹ۔ یہ نظم کوئی پندرہ سال ہوئے سینٹ سٹیفنز کالج دہلی کی لائبریری میں آویزاں ہماری نظر سے گزری۔ افسوس کہ شاعر کا نام یا تخلص ٹھیک یاد نہیں۔ خیال ہے کہ لکھنؤ کے کسی مشہور شاعر نے کالج کو تحفۃً بھیجی تھی۔ کیونکہ اُسکا مشن کالج سے کوئی خاص تعلق تھا۔ یہ انگریزی شاعر گرے کے مرثیے کا ترجمہ ہے جو اُس نے ایک دیہاتی قبرستان میں بیٹھکر لکھا تھا۔ اور انگریزی شاعری کی جان اور شاعر کا ماسٹر پیس تصور کیا جاتا ہے۔ ہم مسٹر جنوت سے بالکل اتفاق کرتے ہیں کہ یہ نظم نہایت مفید ہے نہ فقط بی۔ اے کے طلباء کے لئے بلکہ اردو شعراء کے لئے بھی بے نظیر سمجھتے ہیں۔

نوٹ شاعرانِ لکھنؤ سانس کو مونث باندھتے ہیں۔

(ایڈیٹر)

مذہب و قومیّت

ماہ فروری کے مسیحی میں مسٹر پی۔ این بھنوت لکھتے ہیں کہ مذہب اور قومیت میں بالکل تعلق نہیں ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شاید اُنھوں نے ملکی معاملات کوکسیقدر قومی معاملات سے مخلوط کر دیا ہے۔ یہ تو ہم مانتے ہیں کہ ملکی معاملات بہت سے ایسے ہیں جن میں مذہبی تعصب کو دخل نہ ہونا چاہیئے۔ لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ مذہب کو قومیت سے کچھ تعلق نہیں۔

مسٹر بھنوت خود ہی فرماتے ہیں کہ مذہب نے دنیا کو حیوانی جذبات کے اندھیرے سے نکالکر انسانی جذبات کی اعلیٰ روشنی میں ڈالا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اگر مذہب نہ ہوتا تو انسان حیوانی جذبات کے اندھیرے ہی میں رہتا۔ اُس صورت میں قومیت کہاں ہوتی؟ ظاہر ہے کہ مذہب کی روشنی نہ ہوتی تو قومیّت کا خیال بھی پیدا نہ ہوتا۔

قومیت کے لئے ایک ہی ملک میں پیدا ہونا ہی کافی نہیں۔ بلکہ پیمانۂ اخلاق، اُمنگ، رسومات، طرزِ معاشرت وغیرہ میں بھی کسیقدر مطابقت ہونی چاہیئے۔ اور اِن باتوں کی بنا زیادہ تر مذہب پر ہی ہوتی ہے۔

پھر مسٹر بھنوت فرماتے ہیں کہ مذہب عاقبت کے لئے ہے۔ قومیت دنیاوی بہتری کے لئے۔ مانا کہ مذہب عاقبت کے لئے ہے۔ لیکن ہمکو اپنے مذہب کے اصولوں کی پیروی تو جب تک زندہ ہیں دنیا ہی میں کرنی ہے۔ مذہب کی پیروی اور دنیاوی کاروبار کی پیروی کو اگر الگ کریں تو دو خاوندوں کی خدمت ہو جاتی ہے۔ اور یہ امر محال ہے۔ کلام الٰہی میں تو یہ تعلیم ہے کہ ہمارے ہر ایک کام میں مذہب کا خیال ضرور ہونا چاہیئے۔ "تم کھاؤ یا پیو یا جو کچھ کرو خدا کے جلال کے لئے کرو"۔ (۱۔کرنتھیوں ۱۰۔۳۱)۔ "اور کلام یا کام جو کچھ کرتے ہو وہ سب خداوند یسوع کے نام سے کرو"۔ (کلسیوں ۳۔۱۷)۔ "تاکہ سب باتوں میں یسوع مسیح کے وسیلے خدا کا جلال ظاہر ہو"۔ (۱۔پطرس۔۴۔۱۱)

قیصر کو جزیہ دینے کے بارے میں جو خداوند نے فیصلہ کیا اُس سے سمجھہ میں نہیں آتا کہ مسٹر بھنوت یہ نتیجہ کسطرح نکالتے ہیں کہ خداوند نے قومیت کو مذہب سے علیحدہ کر دیا

ہم تو اس بیان سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہودیوں کو رومیوں کی حکومت ناپسند تھی۔ اور انکے دل مائل بہ سرکشی تھے۔ خداوند کے جواب کے یہ معنے تھے کہ حاکم الوقت کی تابعداری کرنی چاہیئے۔ مذہب کی آڑ میں سرکشی کا خیال کرنا ٹھیک نہیں۔ ہمارے ملک کی موجودہ حالت میں اگر اس کلام سے کوئی نتیجہ نکلتا ہے تو وہ یہ کہ نان کواپریشن Non-Cooperation اور دیگر اس قسم کی باتیں جو لوگ سرکار کے خلاف کر رہے ہیں وہ ناروا ہیں۔ کلام الہٰی میں کئی جگہ آیا ہے کہ حاکم الوقت کی تابعداری کرنی چاہیئے یہ ملکی معاملہ ہے لیکن دیکھئے اس بارے میں مذہبی تعلیم موجود ہے۔

غرضیکہ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ غیر اقوام کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے۔ عداوت نہیں رکھنی چاہیئے۔ ملکی معاملات میں مذہبی تعصب سے کوئی ایسا قول و فعل نہ کرنا چاہیئے جس سے غیر مذاہب والوں کو دکھ یا رنج ہو۔ لیکن ہم اس بات کو قبول نہیں کر سکتے کہ مذہب کو قومیت سے طلاق دینا چاہیئے۔ نہ یہ کہ قومیت کے جوش میں مذہب کو بالائے طاق رکھیں۔

(الراقم۔ ناصری)

شخصی حفظان صحت کے اصول

مذکورہ بالا مضمون کے سلسلہ میں یہ بیان کیا جائیگا کہ انسان کس طرح اپنے تئیں تندرست رکھ سکتا ہے۔ دنیا میں سب سے اچھی چیز صحت ہے۔ انسان خواہ کتنا ہی دانا اور دولتمند کیوں نہ ہو صحت کے بغیر حقیقی خوشی حاصل نہیں کر سکتا۔ ع "تندرستی ہزار نعمت ہے"۔

چند اصول ایسے ہیں جن پر کاربند ہونے سے انسان تندرست رہ سکتا ہے۔ اور اگر ان سے بے پرواہی کرے تو لازمی طور پر کبھی نہ کبھی سزا بھی برداشت کرے گا۔ جو مصیبت دکھ اور بیماری کی صورت میں ہو گی۔ ان اصولوں کو یاد رکھنا اور اُن پر عمل پیرا ہونا نہایت آسان ہے۔ انسانی زندگی کا انحصار انہی پر ہے۔ سب سے پہلا اصول دانتوں کو صاف اور درست رکھنا۔ اور اس دفعہ یہی اصول ہمارے زیر بحث رہیگا۔

دو باتیں دانتوں کے صحیح استعمال پر مبنی ہیں۔ اول گفتار کا بہ آسانی ادا کرنا۔ دوئم خوراک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹنا اور چبانا تاکہ لعاب جو منہ کی غدودوں سے نکلتا ہے

اور دیگر رطوبتیں جو معدے اور انتڑیوں سے خارج ہوتی ہیں خوراک کے ساتھ مخلوط ہوکر جسمانی قوت کے حصول میں معاون ہوں۔

دانتوں کی تعداد اور اقسام۔ چھ سال کے بچے کے بیس عارضی دانت ہوتے ہیں۔ سات سال کی عمر میں یہ دانت ڈھیلے ہوکر گرنے شروع ہوجاتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ مستقل دانت اُنکی جگہ لے لیتے ہیں مستقل دانت تعداد میں بتیس ہوتے ہیں۔ یہ تعداد سترہ سے پچیس سال کے درمیان مکمل ہوجاتی ہے جو چار قسم کے دانتوں پر مشتمل ہے۔ ہر ایک جبڑے میں سامنے کے چار دانت بسولے کی شکل کے ہوتے ہیں جو قدرت نے خوراک کاٹنے کے لئے عطا فرمائے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ دو نوکیلے دانت خوراک چیرنے کے لئے مرحمت کئے گئے ہیں۔ باقی دس ڈاڑھیں پیسنے کے لئے دی گئی ہیں۔ زبان۔ دہن اور ہونٹ ان مختلف کاموں میں مدد دیتے ہیں۔ اب معلوم ہوگیا کہ دانت خوراک ہضم کرنیکا ایک نہایت ضروری ذریعہ ہیں۔ اور جسم کا کوئی دیگر حصہ اس کام کو انجام نہیں دے سکتا۔ اگر دانت بوسیدہ یا شکستہ ہوجائیں یا گر جائیں تو ہضم کرنیکا فعل ادھورا رہ جاتا ہے۔

دردِ دنداں کا سبب۔ کھانے کے بعد خوراک کے چھوٹے چھوٹے ذرے دانتوں کے درمیان اٹک جاتے ہیں اور اگر وہ دور نہ کئے جائیں تو بوسیدگی شروع ہوجاتی ہے اور کئی قسم کے تیزاب پیدا ہوکر دانتوں کے بیرونی حصص کو کمزور کرکے اندرونی اعصاب کو تباہ کرنا شروع کردیتے ہیں۔ اور اسی طرح کی اور غلاظتیں خارج ہوکر معدے میں چلی جاتی ہیں جنسے خوراک زہریلی ہوجاتی ہے جسکا انجام بدہضمی ہے۔ شیکسپیر نے کیا خوب کہا ہے "دنیا میں ایسا کوئی فلاسفر پیدا نہیں ہوا جس نے دردِ دنداں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا ہو"۔

دانتوں کو صاف رکھنا۔ دانتوں کی صفائی شخصی صفائی میں شامل ہے اور بنی نوع کا ایک کثیر طبقہ اپنی غفلت کی وجہ سے دردِ دنداں کی تکلیف برداشت کرتا ہے۔ دانتوں کی صفائی بھی ایسی ہی ضروری ہے جیسی کسی اور عضو کی۔ بڑے آدمی کا تو کیا ذکر ہر ایک بچے کو بھی چاہیئے کہ اپنے عارضی دانتوں کو صاف رکھے۔ کیونکہ اگر وہ بوسیدہ ہوجائینگے تو عارضی دانتوں کی مردہ جڑیں مستقل دانتوں کی نشوونما پر اثر ڈالینگی۔ اگر دانتوں سے چبانے کا کام اچھی طرح سے لیا جائے تو قدرتی طور پر دانت صاف رہ سکتے ہیں۔ بہت نرم غذا اصلی

مضر ہے کہ دانتوں پر چپک جاتی ہے۔ کھانا کھانیکے بعد کوئی سخت چیز چبانی چاہیئے۔ تاکہ غذا کے نرم ذرات دور ہو جائیں۔ کم از کم تھوڑا سا پانی ہی پی لیا جائے تو کافی ہے۔ مٹھائیاں۔ میدے کے پکوان اور وہ تمام اشیا جو چینی کے امتزاج سے بنتی ہیں۔ دانتوں کے لئے مضر ہیں۔ صرف ٹوتھ برش یا ٹوتھ برش اور منجن دانتوں کی صفائی کا مصنوعی ذریعہ ہیں لیکن برش ضرور صاف رکھا جائے۔ اور افتراکی طور پر استعمال نہ کیا جائے اور کبھی کبھی گرم پانی سے صاف کیا جائے یا تازہ ہوا اور دھوپ میں رکھا جائے۔ ورنہ اس میں چھوٹے چھوٹے جراثیم پیدا ہو کر ضرر رساں ثابت ہوں گے۔ ہر دفعہ کھانیکے بعد برش کا استعمال ضروری ہے۔ نہیں تو سونے سے پہلے بالضرور استعمال کیا جائے۔ کیونکہ خوابیدگی میں بیداری کی نسبت بوسیدگی کا زیادہ احتمال ہے۔ دانتوں کو تمام اطراف سے صاف کرنا چاہیئے۔ اور بہت گرم پانی سے احتراز چاہیئے۔ اگر پانی میں تھوڑا سا بورکس (سوہاگا) ملا لیا جائے تو سونے پر سہاگے کا کام دیگا۔ دانت صاف کرنیکے بعد کلی ضرور کرنی چاہیئے۔ اور بالآخر برش کو صاف کرکے ایک خاص جگہ پر رکھدینا چاہیئے۔ اگر برش نہ ملے یا کھو جائے تو سفید چھڑا ہی استعمال کر لینا چاہیئے۔ دانتوں کی احتیاط صرف انکو صاف رکھنے پر ہی منحصر نہیں بلکہ اُن سے کوئی نامناسب کام بھی نہیں لینا چاہیئے۔ قدرت کا یہ منشا نہیں کہ دانتوں سے اخروٹ توڑے۔ مقراض یا چاقو چھری کا کام لیا جائے۔ کیونکہ اگر استعمال میں بے احتیاطی برتی جائے گی تو ممکن ہے کہ دانتوں کی سفید بیرونی سطح کسی نہ کسی حد تک شکستہ ہو جائے۔ اس حالت میں بوسیدگی کا روکنا مشکل ہوگا۔ کیونکہ غلاظت اندرونی زندہ حصے میں جو شرائین اور خون سے مملو ہے۔ اثر پذیر ہو جائے گی۔ اگر ان چند ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے تو دندان ساز کے پاس جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ والسلام۔

فہرست حصص برائے فروخت بذریعہ ٹنڈر

مربعہ جات جو اچھے سمجھے جاتے ہیں

نمبر قطعات سلسلہ وار	گاؤں کا نام اور سب سے نزدیک کا ریلوے سٹیشن	نمبر سلسلہ وار حصص	مربع کا نمبر	رقبہ ایکڑوں میں (ا - ک - م)
۴۳/۲	دھوم کوٹ رجبانہ ۹-ل کا نمبر ۱۳۳ منٹگمری ریلوے سٹیشن	۱	۲۳ جزو	۲ ۵ ۱
			۲۴ "	۱۰ ۲ ۹
			۲۵ "	۱۹ ۴ ۲
			۲۶ "	۲۴ ۶ ۱۰
			۲۷ کل	۲۵ ۰ ۰
			۴۶ "	۲۵ ۰ ۰
			۴۷ "	۲۵ ۰ ۰
			۴۸ "	۲۵ ۰ ۰
			۴۹	۲۵ ۰ ۰
	اچھا ہے		۵۰ جزو	۱۲ ۴ ۰
			۵۱ کل	۲۵ ۰ ۰
			۵۲ "	۲۵ ۰ ۰
			۵۳ جزو	۲۴ ۰ ۱۴
			۵۴ "	۲۲ ۳ ۹
			۶۴ کل	۲۵ ۰ ۰
			۶۵ جزو	۲۱ ۵ ۱۹
			۶۶ "	۲۴ ۵ ۱۷
			۶۷ کل	۲۵ ۰ ۰
			۶۸ "	۲۵ ۰ ۰
			۶۹ جزو	۲۱ ۳ ۱
			۷۰ کل	۲۵ ۰ ۰
			۷۲ کل سوا قبرستان	۲۰ ۴ ۰
			۴۳ جزو	۱۵ ۴ ۵
			۴۴ "	۶ ۲ ۰
			۴۵ "	۱۹ ۳ ۰
			۴۶ "	۰ ۵ ۰
			۴۷ "	۱ ۰ ۱۳
			۴۸ "	۰ ۰ ۱۳
			میزان کل	۵۲۲-۵-۱۳
۸۱/۲	تاج محل رجبانہ ۱۱-ل کا نمبر ۱۲ وادفتیانہ سٹیشن	۱	۶۷ کل	۲۵ ۰ ۰
			۷۳ "	۲۵ ۰ ۰
			۷۴ "	۲۵ ۰ ۰
			۷۵ "	۲۵ ۰ ۰
			۷۶ "	۲۵ ۰ ۰
			۷۷ جزو	۸ ۰ ۰
	اچھا ہے		۷۸ "	۶ ۰ ۰
			۷۹ "	۶ ۲ ۰
			۸۰ کل	۲۵ ۰ ۰
			۸۱ "	۲۵ ۰ ۰
			۸۲ "	۲۵ ۰ ۰
			۸۳ "	۲۵ ۰ ۰
			کل میزان	۳۴۵ ۲ ۲
۵۲/۳	پرم کوٹ رجبانہ ۹-ل کا نمبر ۱۲۴ الف	۱	۳۱ جزو	۱۳ ۵ ۱۴
			۳۲ "	۲۴ ۵ ۱۸
			۳۳ "	۱۸ ۰ ۰
			۳۴ "	۲۰ ۰ ۰

ضمیمہ ج (ب) مارچ ۱۹۲۸ء

[illegible]	گاؤں کا نام اور سب سے نزدیک کا ریلوے سٹیشن	[illegible]	مربع کا نمبر	رقبہ ایکڑوں میں ا	ک	م
۵۱/۳	پیر کوٹ رجباؤل کا بنمبر ۱۴ الف	۱	۳۵ جزو	۱۳	۰	۰
			۳۷ "	۸	۶	۰
			۳۸ کل	۲۵	۰	۰
			۳۹ "	۲۵	۰	۰
			۴۰ جزو	۲۴	۵	۱۸
			۴۱ "	۲۱	۵	۱۴
			۴۲ "	۳	۵	۱۶
			۴۸ "	۱	۲	۰
			۴۹ "	۲۰	۰	۰
			۵۰ "	۹	۱	۱۴
			۵۱ "	۲۴	۵	۱۸
			۵۲ کل	۲۵	۰	۰
			۵۳ جزو	۱۱	۷	۸
			۵۷ "	۱۲	۲	۷
			۵۸ "	۲۴	۵	۱۸
			۵۹ "	۹	۱	۱۴
			۶۵ "	۷	۷	۳
			۶۶ "	۱/۱	۶	۸
			میزان کل	۳۴۶	۳	۱۰
۵۵/۴	رجباؤل کا بنمبر ۱۶ اسٹیشن چیچاوطنی	۱	۱ جزو	۱۲	۴	۰
			۳ کل	۲۵	۰	۰
			۴ "	۲۵	۰	۰
			۷ "	۲۵	۰	۰
			۸ جزو	۱۲	۴	۰
			۹ "	۶	۲	۰
			۱۰ کل	۲۵	۰	۰
			۱۴	۲۵	۰	۰
			۲۵ جزو	۱۸	۵	۷
			۲۶	۰	۰	۱۸
			۲۷	۲۳	۴	۰
			۲۸ کل	۲۵	۰	۰
			۴۵	۲۵	۰	۰
			۴۶ جزو	۲۳	۴	۰
			۴۷	۵	۲	۰
			۴۸	۱۰	۲	۱۶
			۴۹	۵	۲	۱۵
			میزان کل	۲۹۲	۷	۱۸
۵۵/۵	رجباؤل نمبر ۱۶ اسٹیشن چیچاوطنی	۲	۱۹ جزو	۵	۰	۰
			۲۰ کل	۲۵	۰	۰
			۲۱ "	۲۵	۰	۰
			۲۲ "	۲۵	۰	۰
			۲۳ "	۲۵	۰	۰
			۲۹ "	۲۵	۰	۰
			۳۰ "	۲۵	۰	۰
			۳۱ "	۲۵	۰	۰
			۳۲ "	۲۵	۰	۰
			۳۳ "	۲۵	۰	۰
			۴۰ جزو	۷	۴	۰
			۴۱ کل	۲۵	۰	۰
			۴۲ "	۲۵	۰	۰
			۴۳ جزو	۱۲	۴	۰
			۴۴ کل	۲۵	۰	۰
			میزان کل	۳۲۵	۰	۰

[illegible]	گاؤں کا نام اور سب سے نزدیک کا ریلوے سٹیشن	[illegible]	مربع کا نمبر	رقبہ ایکڑوں میں ا	ک	م
[illegible]	ڈوگر پورہ جھا	۲	۴۶ کل	۲۵	۰	۰
	۱۱ ل کا نمبر ۱۰		۴۸ ”	۲۵	۰	۰
	سٹیشن وادنیانہ		۴۹ جزو	۲۱	۷	۱۶
			۵۰ ”	۱۸	۵	۱۸
			۵۱ کل	۲۵	۰	۰
			۵۲ ”	۲۵	۰	۰
			۶۱ جزو	۱۲	۴	۰
	اچھا ہے		۶۲ کل	۲۵	۰	۰
			۶۳ ”	۲۵	۰	۰
			۶۴ ”	۲۵	۰	۰
			۶۷ ”	۲۵	۰	۰
			۶۸ جزو	۱۸	۶	۰
			۶۹ ”	۱۲	۴	۰
			۷۹	۱۲	۴	۰
			کل میزان	۲۹۶	۷	۱۳
۸۹/۸	منظور آباد	۱	۴۱ جزو	۸	۰	۰
	مربع ۷ ل کا نمبر ۲۳		۴۲ ”	۲۲	۴	۰
	چیچا وطنی		۵۱ ”	۲۲	۴	۰
			۵۲ کل	۲۵	۰	۰
			۵۳ جزو	۴	۸	۱۰
			۵۴ ”	۲۳	۷	۱۲
	اچھا ہے		۵۵ کل	۲۵	۰	۰
			۵۶ جزو	۲۲	۴	۰
			۶۵ ”	۲۲	۴	۰
			۶۶ کل	۲۵	۰	۰
			۶۷ جزو	۲۳	۷	۰
			۶۸ ”	۲۳	۰	۱۲
			۶۹ کل	۲۵	۰	۰

[illegible]	گاؤں کا نام اور سب سے نزدیک کا ریلوے سٹیشن	[illegible]	مربع کا نمبر	رقبہ ایکڑوں میں ا	ک	م
			۷۰ جزو	۲۲	۴	۰
			۷۱ ”	۱۲	۴	۰
			۸۰ کل	۲۵	۰	۰
			۸۱ جزو	۱۱	۳	۰
			میزان کل	۳۴۴	۷	۱۴
۹۴/۹	جابر آباد۔ مربع	۱	۴۲ جزو	۱۵	۰	۰
	۱۱ ل کا نمبر ۳۰۔		۴۳ کل	۲۵	۰	۰
	چیچا وطنی		۴۴ ”	۲۵	۰	۰
			۴۵ جزو	۱۰	۰	۱۳
			۴۶ ”	۱	۲	۱۹
			۴۷ ”	۲۲	۵	۲
	اچھا ہے		۴۸ کل	۲۵	۰	۰
			۴۹ ”	۲۵	۰	۰
			۵۰ ”	۲۵	۰	۰
			۶۹ کل	۲۵	۰	۰
			۷۰ ”	۲۵	۰	۰
			۷۱ ”	۲۵	۰	۰
			۷۲ جزو	۱۱	۰	۱۴
			میزان کل	۲۶۰	۱	۵
۹۳/۱۰	مربع ۱۱ ل کا	۲	۲۳ جزو	۲۴	۰	۰
	نمبر ۲۹		۲۴ کل	۲۵	۰	۰
	چیچا وطنی		۴۲ ”	۲۵	۰	۰
			۴۳ جزو	۲۴	۰	۰
	[illegible] پانی کم ہے		۴۴ ”	۱۷	۵	۱۰
			۴۵ کل	۲۵	۰	۰
			۴۶ جزو	۱۲	۴	۰
			۴۷ ”	۱۲	۴	۰

[illegible]	گاؤں کا نام اور سب سے نزدیک کا ریلوے سٹیشن	[illegible]	مربع کا نمبر		رقبہ ایکڑوں میں ا	ک	م
			۵۰	کل	۲۵	۰	۰
			۵۱	جزو	۲۰	۴	۰
			۵۲	کل	۲۵	۰	۰
			۵۳	جزو	۲۳	۶	۱۶
			۵۴	"	۴	۱	۱۱
			۵۵	"	۴	۳	۱۷
			۵۶	"	۲۳	۶	۱۸
			۵۷	کل	۲۵	۰	۰
			۶۰	جزو	۱۳	۵	۷
			۶۱	"	۱۵	۶	۲
			۶۲	"	۳	۱	۱۳
			۶۳	"	۰	۱	۸
			میزان کل		۲۵۹	۲	۱۴
۹۵/۱۱	حسن ابدال۔رچ ۱۱-ال نمبر ۳ پیچا وطنی	۱	۱۰۴	کل	۲۵	۰	۰
			۱۰۵	"	۲۵	۰	۰
			۱۰۶	جزو	۱۴	۰	۰
			۱۱۰	کل	۲۵	۰	۰
			۱۱۱	"	۲۵	۰	۰
			۱۱۲	"	۲۵	۰	۰
			۱۱۳	"	۲۵	۰	۰
			۱۱۴	"	۲۵	۰	۰
	اچھا ہے		۱۱۵	"	۲۵	۰	۰
			۱۱۶	"	۲۵	۰	۰
			۱۱۷	جزو	۱۰	۶	۸
			۱۱۸	"	۷	۶	۱۵
			۱۱۹	"	۲۴	۶	۵
			۱۷۰	کل	۲۵	۰	۰
			۱۷۱	"	۲۵	۰	۰
			۱۷۲	"	۲۵	۰	۰
			۱۷۳	"	۲۵	۰	۰
			میزان کل		۳۸۲	۳	۸
۱۱/۱۵	رچ ۱۲-ال کا نمبر ۸۸ اقبال نگر سٹیشن	۵	۷	جزو	۲۴	۰	۱۴
			۸	"	۲۴	۶	۱۲
			۹	کل	۲۵	۰	۰
			۱۰	الف جزو	۱۰	۷	۵
			۱۱	الف جزو	۲۳	۲	۱۵
			۱۲	جزو	۲۱	۶	۳
			۱۳	الف جزو	۸	۷	۹
			۱۳	جزو	۲	۶	۱۰
			۱۴	"	۰	۶	۴
			۱۵	"	۲۰	۳	۱۱
			۱۶	"	۱۸	۶	۱۴
			۱۷	"	۲۳	۲	۱۵
			۴۱	"	۹	۵	۱۱
			۴۲	"	۲	۵	۳
			میزان کل		۲۱۷	۳	۷
۱۳۰/۱۶	کالونگر۔ رچ ۱۲-ال کا نمبر ۹۰ اقبال نگر سٹیشن	۱	۴۴	کل	۲۵	۰	۰
			۴۵	"	۲۵	۰	۰
			۴۶	جزو	۱۸	۴	۰
			۴۷	کل	۲۵	۰	۰
			۴۸	"	۲۵	۰	۰
			۴۹	"	۲۵	۰	۰

نمبر سلسلہ / نمبر فائل	گاؤں کا نام اور سب سے نزدیک کا ریلوے سٹیشن	نمبر سلسلہ اراضی	مربع کا نمبر	رقبہ ایکڑوں میں (ا)	(ک)	(م)
			۹۰ جزو	۲۳	۱	۱۱
			۹۱ "	۲۳	۱	۶
			۹۲ "	۲۲	۰	۹
			۹۳ "	۱۴	۰	۱
			۹۴ "	۰	۱	۶
			۹۵ "	۱۶	۲	۱۱
			۹۶ "	۲۲	۶	۰
			۷۸ "	۳	۰	۰
			۷۹ "	۳	۱	۱۹
			میزان کل	۲۷۱	۳	۳
۱۲۱/۱۷	سجاول نگر چک ۱۲ ایل کا نمبر ۹۱ اقبال نگر	۱	۱-الف جزو	۱۷	۴	۰
			۱-ب "	۳	۰	۸
			۵ جزو	۲۳	۲	۶
			۵-الف "	۲۳	۶	۵
			۵-ب "	۴	۶	۳
			۶ کل	۲۵	۰	۰
			۷ "	۲۵	۰	۰
			۱۲ "	۲۵	۰	۰
			۱۳ "	۲۵	۰	۰
			۱۴ "	۲۵	۰	۰
			۱۵ جزو	۱۲	۴	۰
			۲۲ کل	۲۵	۰	۰
			۲۳ "	۲۵	۰	۰
			میزان کل	۲۵۹	۷	۳
۱۲۱/۱۸	ایضاً	۲	۲۴ کل	۲۵	۰	۰
			۲۵ "	۲۵	۰	۰

نمبر سلسلہ / نمبر فائل	گاؤں کا نام اور سب سے نزدیک کا ریلوے سٹیشن	نمبر سلسلہ اراضی	مربع نمبر	رقبہ ایکڑوں میں (ا)	(ک)	(م)
			۳۳ جزو	۱۲	۴	۰
			۳۴ کل	۲۵	۰	۰
			۳۵ "	۲۵	۰	۰
			۳۸ "	۲۵	۰	۰
			۳۹ "	۲۵	۰	۰
			۴۰ جزو	۱۶	۶	۰
			۴۹ کل	۲۵	۰	۰
			۵۰ "	۲۵	۰	۰
			۵۱ "	۲۵	۰	۰
			۶۳ "	۲۵	۰	۰
			۶۴ "	۲۵	۰	۰
			میزان کل	۲۰۴	۲	۰
۱۲۹/۲۱	پنڈ سیداں چک ۱۲ ایل نمبر ۹۳ اقبال نگر سٹیشن	۲	۵۲ کل	۲۵	۰	۰
			۶۰ "	۲۵	۰	۰
			۶۱ "	۲۵	۰	۰
			۶۲ "	۲۵	۰	۰
			۸۲ "	۲۵	۰	۰
			۸۳ "	۲۵	۰	۰
			۹۱ جزو	۲۳	۱	۱۱
			۹۲ "	۲۴	۰	۱۵
			۹۳ کل	۲۵	۰	۰
			۱۰۷ جزو	۲۳	۲	۲
			۱۹۰ جزو	۲۴	۳	۳
			۱۰۹ کل	۲۵	۰	۰
			میزان کل	۲۹۴	۷	۱
۱۲۳/۲۲	ایضاً	۳	۴۲-الف جزو	۰	۱	۱۸

[illegible]	گاؤں کا نام اور سب سے نزدیک کا ریلوے سٹیشن	نمبر سلسلہ قطعہ	مربع کا نمبر	رقبہ ایکڑوں میں ا	ک	م
			۵۳ جزو	۲۲	۴	۰
			۵۴ "	۲۰	۶	۱۳
			۵۵ "	۸	۶	۰
			۵۵ الف "	۰	۲	۴
			۵۷ کل	۲۵	۰	۰
			۵۸ "	۲۵	۰	۰
			۵۹ جزو	۲۲	۴	۰
			۸۵ "	۲۳	۲	۴
			۸۶ "	۲۳	۱	۱۰
			۸۸ کل	۲۵	۰	۰
			۸۸ الف جز	۰	۷	۱
			۸۹ جز	۲۴	۶	۱۷
			۱۱۰ "	۲۲	۴	۰
			۱۱۱ کل	۲۵	۰	۰
			میزان کل	۲۶۹	۶	۷
۱۲۹/۲۳	مراد والا [illegible] ریلوے سٹیشن کستووال	۱	۳ جزو	۴	۳	۱۵
			۴ "	۴	۶	۹
			۸ "	۲۳	۲	۳
			۹ "	۶	۶	۷
			۱۰ "	۹	۲	۱۹
			۱۱ "	۲۴	۴	۴
			۱۲ "	۲۰	۰	۰
			۱۵ "	۱۲	۴	
			۱۶ کل	۲۵	۰	۰
			۱۷ جزو	۲۲	۴	۰
			۱۸ کل	۲۵	۰	۰
			۱۹ جزو	۲۴	۷	۹
			۲۰ "	۱۱	۲	۱۳
			۲۱ "	۶	۵	۱۴
			۲۲ "	۲۴	۷	۱
			۲۶ "	۲۴	۰	۰
			۳۷ "	۲۳	۳	۱۶
			۳۸ "	۶	۰	۱۱
			۳۹ "	۲	۱	۰
			میزان کل	۳۰۱	۵	۱۱
۱۲۹/۲۴	ایضاً	۲	۲۷ کل	۲۵	۰	۰
			۳۱ جزو	۲۵	۰	۰
			۳۲ کل	۲۵	۰	۰
			۴۰ جزو	۷	۱	۱۵
			۳۳ کل	۲۵	۰	۰
			۳۴ جزو	۲۲	۵	۱۹
			۳۵ "	۲۴	۵	۱۴
			۳۶ کل	۲۵	۰	۰
			۴۱ جزو	۱۱	۴	۱۵
			۴۲ "	۲۲	۲	۸
			۴۳ "	۲۳	۲	۱۵
			۴۴ "	۱۷	۰	۱۵
			۴۵ "	۱۰	۶	۱۵
			۶۸ "	۱۲	۴	۰
			۶۹ "	۱۴	۶	۳
			۶۹/۱ "	۲	۳	۸
			۷۰			

نمبر بلاک سلسلہ وار	گاؤں کا نام اور سب سے نزدیک کا ریلوے سٹیشن	سلسلہ وار نمبر حصص	مربع کا نمبر	رقبہ ایکڑوں میں (ا - ک - م)
			۷۱ جزو	۱۶ ۰ ۱
			۷۲ "	۶ ۲ ۰
			میزان کل	۳۰۸ ۴ ۱۳
۱۶۶/۷۸	چک بارہ رج ۵ ال کا نمبر ۷۶ ب سٹیشن کچاکھوہ	۳	۶۴ کل	۲۵ ۰ ۰
			۶۵ "	۲۵ ۰ ۰
			۶۶ "	۲۵ ۰ ۰
			۶۷ "	۲۵ ۰ ۰
			۶۸ "	۲۵ ۰ ۰
			۶۹ جزو	۲۱ ۲ ۱۰
			۷۰ "	۳ ۱ ۰
			۷۱ "	۱۲ ۴ ۰
			۷۲ کل	۲۵ ۰ ۰
			۷۳ "	۲۵ ۰ ۰
			۷۴ "	۲۵ ۰ ۰
			۷۵ "	۲۵ ۰ ۰
			۹۷ "	۲۵ ۰ ۰
			۹۸ "	۲۵ ۰ ۰
			۹۹ "	۲۵ ۰ ۰
			۱۰۰ "	۲۵ ۰ ۰
			۱۰۱ "	۲۵ ۰ ۰
			۱۰۲ جزو	۹ ۳ ۰
			میزان کل	۳۹۵ ۲ ۱۰
۲۵۲/۸۴	چک نمبر ۹۷-۱۰ آر کا جہانیاں۔ کھنیوال ریلوے سٹیشن	۲	۷ کل	۲۵ ۰ ۰
			۸ "	۲۵ ۰ ۰
			۹ "	۲۵ ۰ ۰

نمبر بلاک سلسلہ وار	گاؤں کا نام اور سب سے نزدیک کا ریلوے سٹیشن	سلسلہ وار نمبر حصص	مربع کا نمبر	رقبہ ایکڑوں میں (ا - ک - م)
			۱۰ کل	۲۵ ۰ ۰
			۱۱ "	۲۵ ۰ ۰
			۱۶ "	۲۵ ۰ ۰
			۱۷ "	۲۵ ۰ ۰
			۱۸ "	۲۵ ۰ ۰
			۱۹ "	۲۵ ۰ ۰
			۲۰ "	۲۵ ۰ ۰
			۲۱ جزو	۱۲ ۴ ۰
			۳۵ کل	۲۵ ۰ ۰
			۳۶ "	۲۵ ۰ ۰
			۳۷ "	۲۵ ۰ ۰
			۳۸ "	۲۵ ۰ ۰
			۳۹ "	۲۵ ۰ ۰
			۴۶ "	۲۵ ۰ ۰
			۴۷ "	۲۵ ۰ ۰
			۴۸ "	۲۵ ۰ ۰
			۴۹ "	۲۵ ۰ ۰
			۵۰ جزو	۱۲ ۴ ۰
			میزان کل	۵۰۰ ۰ ۰
۲۹۴/۷۰	چک نمبر ۱۵۹ الف ۱۰ آر - رح جہانیاں ریلوے سٹیشن	۳	۱۳ جزو	۲ ۶ ۲
			۲۲ "	۲ ۷ ۸
			۲۱ "	۲۱ ۴ ۳
			۲۳ "	۵ ۰ ۱۶
			۲۴ "	۲۱ ۷ ۵
			۲۵ کل	۲۵ ۰ ۰

[illegible]	گاؤں کا نام اور سب سے نزدیک کا ریلوے سٹیشن	نمبر سلسلہ وار حصص	مربع کا نمبر	رقبہ ایکڑوں میں	[illegible]	گاؤں کا نام اور سب سے نزدیک کا ریلوے سٹیشن	نمبر سلسلہ وار حصص	مربع کا نمبر	رقبہ ایکڑوں میں
				ا - ک - م					ا - ک - م
			۳۱ کل	۲۵ ۰ ۰	۳۰۵/۴۲	چک نمبر ۱۷۰-۱۰ ر کا سج کھنے وال ریلوے سٹیشن	۱	۴۹ کل	۲۵ ۰ ۰
			۳۰ "	۲۵ ۰ ۰				۵۰ "	۲۵ ۰ ۰
			۳۲ جزو	۲۴ ۴ ۱۹				۵۱ جزو	۲۴ ۲ ۱۴
			۳۳ کل	۲۵ ۰ ۰				۵۲ "	۲۱ ۶ ۶
			۳۴ "	۲۵ ۰ ۰				۷۰ "	۲۴ ۲ ۱۶
			۳۵ "	۲۵ ۰ ۰				۷۱ کل	۲۵ ۰ ۰
			۴۰ "	۲۵ ۰ ۰				۷۲ "	۲۵ ۰ ۰
			۴۱ "	۲۵ ۰ ۰				۷۳ "	۲۵ ۰ ۰
			۴۲ "	۲۵ ۰ ۰				۷۴ "	۲۵ ۰ ۰
			۴۳ "	۲۵ ۰ ۰				۷۵ "	۲۵ ۰ ۰
			۴۴ "	۲۵ ۰ ۰				۷۶ "	۲۵ ۰ ۰
			۴۵ "	۲۵ ۰ ۰				میزان کل	۲۷۰ ۳ ۱۶
			۵۱ "	۲۵ ۰ ۰	۳۰۷/۷۹	شارن والا چک نمبر ۱۷۳-۱۰ ب کا سج ماریالا ریلوے سٹیشن	۲	۱۰۲ کل	۲۵ ۰ ۰
			۵۲ "	۲۵ ۰ ۰				۱۰۳ "	۲۵ ۰ ۰
								۱۰۴ "	۲۵ ۰ ۰
			کل میزان	۳-۷-۴۲۸				۱۰۵ "	۲۵ ۰ ۰
								میزان کل	۳۹۱ ۲ ۲

دی پنجاب کرسچن سنٹرل کوآپریٹو بنک

لمیٹڈ لاہور

عرصہ تین سال کا ہوا کہ یہ بنک شہر لاہور میں کھولا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کے دیہاتی مسیحیوں کی مالی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ ماس مُومنٹ کے ذریعہ سے جو لوگ مسیحی مذہب میں شامل ہوتے ہیں انکی مالی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ خواہ زراعت پیشہ ہوں یا صنعتی یا حرفتی کاموں میں لگے ہوئے ہوں۔ ان لوگوں کو قرضی روپیہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ مسیحی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے جو بنئے بقال وغیرہ بے تحاشہ سود لیکر ان غریبوں کو روپیہ اُدھار پر دے بھی دیتے تھے وہ ابھی انکار کر رہے ہیں۔ اگر ہم لوگ اُن کی مدد نہ کریں تو یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے
اس بنک کے ذریعہ سے شہری مسیحیوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ عمدہ سود کی شرح پر روپیہ امانت پر رکھوائیں۔ نیز بنک کے حصص خرید کر عمدہ ڈیویڈنڈس و منافع کما دیں۔ پچھلا ڈیویڈنڈ ۹ فیصدی شرح کے حساب سے دیا گیا تھا۔ پچھلے تین سال کے عرصہ میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ قرض دیا جا چکا ہے جو وقت مقررہ پر واپس آتا رہا ہے اور تقریباً بارہ ہزار روپیہ سود امانت پر روپیہ رکھنے والوں کو پہنچ چکا ہے۔ سو یہ بات وہی ہے کہ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔
حصص کی قیمت مبلغ ۵۰ روپیہ ہے جو سہ ماہی انسٹالمنٹ (قسط) میں واجب الادا ہے جو
علاوہ شرح سود امانتی روپیہ کے واسطے ذیل میں درج ہے۔

تین ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ جو علاوہ (زرجمع مستقل) کے واسطے بشرح ۴½ فی صدی سالانہ
۶ " " " " " " ۵½ " " "
۱۲ " " " " " " ۶½ " " "

پچھلا بالنس شیٹ منگوا کر بنک کی مالی حالت کا ملاحظہ فرماویں۔ بنک چلانیکے اخراجات نہایت کم ہیں۔ سوائے ایک پورے وقت کے اکاونٹنٹ کے باقی سب عہدہ داران بلا اُجرت قومی خدمت کر رہے ہیں۔

الملتمس

بی۔ ایل۔ رلیا رام مینجر و سکرٹری۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے لاہور

کریمی پریس لاہور نزد کوتوالی قدیم میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور ایڈیٹر مسٹر کے ایل رلیا رام نے شائع کیا

بسرپرستی پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس ۔ لاہور
مسیحی
رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۶۸۰
جلد ۱
نمبر ۱۱
ہندوستانی مسیحیوں کا مذہبی اخلاقی علمی و تمدنی ماہواری رسالہ
ایڈیٹرز (۱) مسٹر کے ایل رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن ہائی سکول لاہور۔ ایڈیٹر انچیف۔
(۲) مسٹر آئیون جیکب صاحب عاصی بی اے۔ بی ٹی۔ جائنٹ ایڈیٹر
S. K. Singh.

فہرست مضامین

کل خط و کتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام مسٹر کے۔ ایل رلیا رام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن سکول لاہور ہونی چاہیئے۔

باقی خط و کتابت و ترسیل زرچندہ و عطیہ وغیرہ بنام مسٹر ٹی۔ خان۔ بی۔ اے بی۔ ٹی۔ مینجر۔ رنگ محل مشن سکول لاہور آنی چاہیئیں۔

قیمت سالانہ پیشگی معہ محصول ڈاک دو روپے آٹھ آنے۔ ۵۰ سے کم آمدنی والوں کے لئے فقط دو روپے۔

پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس لاہور

پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس کا سالانہ اجلاس از ۹ لغایت ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۲۵ء نولکھا مشن کمپونڈ میں بصدارت جناب پریذیڈنٹ مسٹر کے۔ ایل رلیارام صاحب منعقد ہوا۔ اس کانفرنس کی تواریخ میں یہ ایک نرالا موقعہ تھا جبکہ اسقدر لوگ اجلاس کے لئے جمع ہوئے۔ حاضرین کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ کیونکہ ایک شام کے کھانیکے وقت اندازہ لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ ۱۶۳۵ اشخاص نے کھانا کھایا۔ علاوہ ازیں کثیر التعداد مقامی اصحاب بھی جلوہ افروزِ جلسہ تھے۔

امسال بلاتخصیص و تفریق ان ایام میں کھانا مفت دیا گیا۔ بڑے بھاری لنگر کا انتظام کیا گیا جو کہ نہایت خوش اسلوبی سے پادری نواب الدین صاحب سکنہ مرالیوالہ ضلع گوجرانوالہ اور مسٹر خیر دین صاحب ٹھیکیدار گرجا گھر گوجرانوالہ نے انجام دیا۔ اتنے بڑے لنگر کا انتظام کرنا کوئی خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ یہ کامیابی اُنکی قوتِ انتظام مستقل مزاجی اور صبر کا نتیجہ تھا۔ لنگر لگانے کی تجویز جناب پریزیڈنٹ صاحب کی اولوالعزمی کا نتیجہ تھا۔ کثیر التعداد اصحاب نے اسکے متعلق آپکا حوصلہ پست کیا لیکن آپ کی قوتِ ارادی اسقدر توانا ہے کہ آپنے ایسے دشوار سے دشوار کام کو کر دکھایا حاضرین کے شمار کو دیکھکر آپ گھبرائے نہیں کیونکہ بالآخر اخراجات کی ذمہ داری اور کفالت آپ ہی کے اُن تھک کندھوں کا بوجھ تھا۔ ہماری قوم کو ایسے لیڈرز درکار ہیں جو کہ ایسی دشواریوں اور ہر قسم کی مشکلات کے درمیان بھی اپنے ارادوں کو نہ چھوڑیں اور پست حوصلہ کرنے والے حالات میں بھی کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھ سکیں۔

جلسہ کے آغاز میں جناب پریذیڈنٹ صاحب نے افتتاحی تقریر کی اور بادی النظر میں جماعت کے تمام حالات پر رائے زنی کی۔ بالخصوص آپ نے غریب مسیحیوں کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی ضرورت کو حاضرین با تمکین کے گوش گذار کیا اور وہ تجاویز پیش کیں جنکے ذریعہ سے زمین حاصل ہو سکتی ہے۔

حاضرین کی تفریح طبع کے لئے جناب پریزیڈنٹ صاحب نے سینما کا انتظام کیا۔ دیہاتی بھائی جنہوں نے کہ سینما نام کو سنا تھا دیکھکر غایت درجہ محظوظ ہوئے۔ ایسے اجلاس کے موقعہ پر تفریح طبع کے ساز و سامان ہونے نہایت لازم و لابدی ہیں۔ یہ سنجیدگی اور متانت کے تو اثر کو توڑ دیتے ہیں۔

جناب بشپ صاحب کی آمد نے جلسہ کی رونق کو اور بڑھا دیا۔ حاضرین جلسہ بشپ صاحب کو دیکھکر نہایت خوش ہوئے۔ آپ کی تقریر نہایت پُر معانی تھی۔

حاضرین قومی فلاح کے اعلیٰ ترین جذبات سے معمور تھے۔ اور ہر خاص و عام ایسی انجمن کی ضرورت کو محسوس کرتا تھا۔ کیونکہ یہاں پر مذہبی اور عقائدی تفرقات کے رخنہ انداز اثر کا زور نہیں چل سکتا۔ اُمید ہے کہ گاؤں کے لیڈر یا سبان اور مناد اپنے ضلعوں میں کانفرنس قائم کرینگے۔ تاکہ تمام جماعت میں یکتائی اور یکجہتی ہو سکے اور نیز تمام جماعتی امور کو ہم بہ حیثیت مجموعی اپنی کانفرنس کے ذریعہ سے سرکار عالیہ کے سامنے پیش کر سکیں۔ اتفاق ایک قوت ہے جسکو کوئی ہرگز پچھاڑ نہیں سکتا۔ جماعت کی حالت تو اظہر من الشمس ہر خاص و عام ہے۔ اسلئے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ وقت کو غنیمت جانکر قومی فلاح اور بہبودی میں لگ جاویں اور اپنے صوبے کی کانفرنس کو زیادہ پُر زور اور مضبوط بناویں۔ یہ ذمہ داری کسی خاص شخص کی نہیں بلکہ ہر ایک شخص کی جو کہ اپنے آپ کو ہندوستانی گردانتا ہے۔ جماعتی اور قومی معاملات میں ذاتی اور شخصی عناد کو ہرگز جگہ نہ دینی چاہئے۔ کیونکہ ایسے معاملات جماعت کو کمزور اور پست حوصلہ بنا دیتے ہیں۔

روئداد کانفرنس

کانفرنس کی باقاعدہ کارروائی بتاریخ ۱۱ مارچ ۱۹۲۵ء ۱۱ بجے صبح بصدارت جناب پریزیڈنٹ مسٹر کے۔ ایل رلیا رام صاحب شروع ہوئی۔ زمین منٹگمری کا معاملہ جناب صدر نے پیش کیا۔ اسکے متعلق بہت بحث ہوتی رہی۔ کثیر التعداد اصحاب نے اصلی حالات پر روشنی ڈالی۔

منظور ہوا کہ زمین کے متعلق تمام معاملات ایک نمائیندہ کمیٹی کے سپرد کئے جاویں جو کہ غور و خوض کے بعد اپنی رپورٹ کو کانفرنس کے سامنے پیش کریں۔ اسکے لئے حسب ذیل کمیٹی مقرر ہوئی:۔

سرگودھا۔ پادری ملوچند صاحب۔ ممبر مجلس کمیٹی۔
گوجرانوالہ۔ پادری جیونمل صاحب۔ پادری نواب الدین صاحب۔ پادری۔ بی ایم اسفار صاحب
شیخوپورہ۔ پادری بوٹا مل صاحب۔ پادری اے۔ اے ڈنا صاحب۔
ینگسن آباد۔ مسٹر دیوان چند صاحب۔
سیالکوٹ۔ پادری غلام مسیح صاحب۔ بابو حاکم شاہ صاحب
جالندھر۔ مسٹر رلارام صاحب۔ پادری وزیر شاہ صاحب۔
منٹگمری۔ صوبیدار الیس ڈیوڈ صاحب۔ پادری آر۔ ایم شاد صاحب۔ مسٹر کنگ صاحب
ملتان۔ ڈاکٹر مہدی شاہ صاحب۔
قصور۔ لالہ دیو بیدتہ مل صاحب۔ پادری پی۔ ڈی۔ پال صاحب۔
گجرات۔ مسٹر جے۔ دانی ایل صاحب۔
لاہور۔ پادری والٹر صاحب۔ مسٹر انگلز صاحب۔ پادری خوشیال صاحب۔
گورداسپور۔ پادری آئزک صاحب۔ مسٹر متھیاس صاحب۔

رپورٹ کمیٹی

منظور ہوا کہ منٹگمری کی زمین جو بذریعہ ٹنڈرز سرکار فروخت کر رہی ہے غریب مسیحیوں کے لئے خریدی جائے۔ اور صرف دو سو مربعہ جات کے لئے ٹنڈر دیا جاوے۔

منظور ہوا کہ تمام ٹنڈرز بذریعہ پریزیڈنٹ کانفرنس دیئے جاویں تاکہ جماعتی مقصد کو تقویت ہو۔

منظور ہوا کہ ہر ایک خریدار جس زمین کو وہ خریدنا چاہے خود دیکھے۔ اور اچھی اور بری کا خود ذمہ دار ہو۔

منظور ہوا کہ ہر ایک خریدار ۲۵۰ روپیہ بطور پیشگی ½ حصہ کل رقم اور پانچ روپیہ برائے اخراجات زمین جمع کروائے۔

منظور ہوا کہ غریب مسیحیوں کے ساتھ لائق اور قابل اعتماد لیڈرز اُن کی امداد کے لئے بھیجے جاویں۔ اور تقسیم اراضی کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔

کمیٹی حسب ذیل مقرر ہوئی:۔ ماسٹر کے۔ ایل رلیارام صاحب پریزیڈنٹ۔ پادری وزیر چند صاحب بی۔ اے لائلپور۔ ماسٹر جے۔ دانی ایل صاحب گجرات۔

مسٹر آئی۔ جے اینگلز صاحب۔ میونسپل کمشنر لاہور۔
منظور ہوا کہ سرکار کے سامنے ایک کوآپریٹو سکیم برائے امداد غریب مسیحیان وبرائے خرید اراضی پیش کی جاوے۔

قواعد سوسائٹی

۱۔ منظور ہوا کہ اس سوسائٹی کا نام پنجاب انڈین کرسچن کوآپریٹو سوسائٹی پنجاب ہو۔
اس سوسائٹی کا مدعا ہوگا کہ مزرعکری کی زمین کے خریدنے اور ملکیت کے حاصل کرنے میں مسیحیوں کی امداد کرے۔ اور ادائگی رقوم کی پوری ذمہ دار ہو۔
۲۔ (الف) اگر کوئی شخص سرکاری میعاد کے بعد دو سال سوسائٹی کی امداد کرنیکے باوجود سرکاری شرائط کے پورا کرنے میں قاصر رہیگا تو اُسکو موقعہ دیا جائیگا کہ وہ اپنا ایک مسیحی عوضی بموجب شرائط سوسائٹی کھڑا کرے۔
(ب) اگر باوجود سوسائٹی کی فہمائش کے سوسائٹی کے حسب شرائط عوضی کا انتظام نہ کرے تو سوسائٹی کو حق ہوگا کہ اُسکے حقوق کسی دوسرے شخص کو دیکر تکمیل شرائط کرے۔
۳۔ منظور ہوا کہ ہر ایک حصہ پچاس روپیہ کا ہوا اور اس رقم پر ۶½ فیصدی سالانہ سود دیا جاوے۔ اور سوسائٹی مسیحیوں سے دس فیصدی سالانہ سود لیا کرے۔
۴۔ منظور ہوا کہ مندرجہ ذیل اصحاب کی کمیٹی سوسائٹی کے قوانین اور ضابطے بنائے اور اُسے رجسٹر بھی کرائے۔ مسٹر کے۔ ایل رلیارام صاحب۔ پروفیسر درگا پرشاد صاحب ایم۔ اے۔ مسٹر بی۔ ایل رلیا رام صاحب بی ایس سی بی ٹی مسٹر وانی ایل صاحب۔ مسٹر ای میا داس صاحب۔ بی۔ اے۔ ایم ایل سی۔ ومسٹر ای چارلس بھٹی صاحب ایم۔ اے۔
۵۔ منظور ہوا کہ پاک پٹن کی زمین کے متعلق ایک کمیٹی بنائی جائے۔ جو کہ اُسکے متعلق تجاویز سوچے۔ کمیٹی حسب ذیل ہو:۔ مسٹر کے ایل رلیارام صاحب۔ مسٹر اینگلس صاحب۔ مسٹر وانی ایل صاحب۔ مسٹر بی ایل رلیارام صاحب۔ پادری ہلیچند صاحب
رپورٹ کانفرنس کے سامنے پیش ہوئی اور بالاتفاق منظور ہوئی۔

دوسرا اجلاس

مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۲۵ء بعد دوپہر

انتخاب عہدیداران کثرت رائے سے حسب ذیل عہدیداران سال رواں کے لئے منتخب ہوئے۔

پریذیڈنٹ۔ سابقہ پریذیڈنٹ مسٹر کے ایل۔ رلیارام صاحب۔ لاہور۔

سکریٹری۔ مسٹر اے۔ چارلس بھٹی صاحب ایم اے۔ سیالکوٹ شہر۔

اسسٹنٹ سکرٹری و خزانچی۔ صوبیدار ایس۔ ڈیوڈ صاحب۔ اے۔ آر۔ پی۔ مشن۔ منٹگمری۔

وائس پریذیڈنٹ۔

۱۔ مسٹر پی۔ ایل رلیارام صاحب۔ بی ایس سی۔ بی۔ ٹی۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے۔ لاہور۔
۲۔ پادری وزیر چند صاحب بی اے۔ امریکن مشن لائلپور۔
۳۔ پادری ملوچند صاحب۔ چک نمبر ۹۷۔ سرگودھا۔
۴۔ ماسٹر جے۔ وائی ایل صاحب ہیڈ ماسٹر مشن سکول گجرات۔
۵۔ مسٹر انیگلس صاحب میونسپل کمشنر نکلسن روڈ لاہور
۶۔ مسٹر ایس۔ ایم دت صاحب ہاریر آباد۔ حیدر آباد سندھ۔
۷۔ کیپٹن ڈی۔ ایس آلٹو صاحب آئی۔ ایم۔ ایس۔ لاہور

منظور ہوا کہ مندرجہ ذیل اصحاب امسال انتظامیہ کمیٹی کے ممبر ہوں:۔

۱۔ مسٹر ایس۔ ڈیوڈ صاحب آنریری مجسٹریٹ لائلپور۔
۲۔ پادری بی۔ ایم رائے صاحب۔ مشن احاطہ گوجرانوالہ۔
۳۔ مسٹر خیر دین صاحب۔ ٹھیکیدار گرجا گھر گوجرانوالہ۔
۴۔ پادری جیون مل صاحب گوجرانوالہ۔
۵۔ پادری نواب الدین صاحب۔ مرالیوالہ۔ ضلع گوجرانوالہ۔
۶۔ پادری بوٹا مل صاحب۔ جنڈیالہ شیر خان۔ شیخوپورہ۔
۷۔ پادری اے۔ لے دتا صاحب۔ خانقاہ ڈوگراں۔ شیخوپورہ

۸۔ نمبردار سندرداس صاحب۔ ینگسن آباد نمبر ۱۷۳۔ شیخوپورہ۔
۹۔ مسٹر ہیرا لعل صاحب۔ مارٹن پور نمبر ۱۷۳۔ شیخوپورہ
۱۰۔ الیف۔ ڈی۔ وارث صاحب۔ وارث روڈ لاہور۔
۱۱۔ پادری اینڈریو ٹھاکرداس صاحب ایم۔ اے۔ نولکھا چرچ۔ لاہور
۱۲۔ پادری دیناناتھ صاحب۔ سی۔ ایم۔ ایس۔ لاہور۔
۱۳۔ پادری والٹر صاحب۔ ایم۔ ای۔ مشن۔ لاہور۔
۱۴۔ میجر یسوع چندرا۔ مکتی فوج فیروزپور روڈ۔ لاہور۔
۱۵۔ پادری پریم چند صاحب۔ این۔ ایم۔ ایس منٹگمری۔
۱۶۔ پادری بی ڈی۔ پال صاحب۔ اے۔ پی مشن۔ قصور۔
۱۷۔ بابو حاکم شاہ صاحب جیٹھی کے۔ سیالکوٹ۔
۱۸۔ پادری مارک صاحب ہنٹرپور۔ سیالکوٹ بارہ پتھر۔
۱۹۔ پادری غلام مسیح صاحب۔ پاسبان۔ سیالکوٹ شہر۔
۲۰۔ پادری وزیر شاہ صاحب۔ اے۔ پی مشن جالندھر۔
۲۱۔ مسٹر ایم۔ این ہوز صاحب وکیل۔ کپورتھلہ۔
۲۲۔ مسٹر سردار خاں صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ اے۔ پی مشن لدھیانہ۔
۲۳۔ مسٹر اے۔ میاداس صاحب بی۔ اے۔ ایم۔ ایل۔ سی۔ فیروزپور۔
۲۴۔ پادری۔ بی رابن صاحب مشنری ہوم مشن میانوالی۔
۲۵۔ ڈاکٹر مہدی شاہ صاحب۔ شانتی نگر ضلع ملتان۔
۲۶۔ پادری قادر بخش صاحب۔ امریکن مشن۔ سانگلہ ہل۔

منظور ہوا کہ انتظامیہ کمیٹی کا اگر کوئی ممبر متواتر تین میٹنگس میں حاضر نہ ہوگا تو وہ ممبر نہ سمجھا جائیگا۔ کمیٹی کو حق ہوگا کہ اسکی جگہ کسی اور کو مقرر کرلے۔

رپورٹ انتظامیہ کمیٹی

کانفرنس کے اجلاس کے بعد انتظامیہ کمیٹی کی میٹنگ نولکھا گرجا گھر میں فراہم ہوئی
منظور ہوا کہ ضمیمہ مجوزہ قوانین کانفرنس کی نظر ثانی کی جاوے اور حالات کے مطابق

جہاں تبدیلی درکار ہو کی جاوے۔ کمیٹی حسب ذیل مقرر ہوئی:-
مسٹر کے۔ ایل رلیا رام صاحب۔
مسٹر بی۔ ایل رلیا رام صاحب۔
مسٹر ای۔ چارلس بھٹی صاحب۔
منظور ہوا کہ ہر ایک ممبر آٹھ آنہ سالانہ ممبرشپ فیس دیا کرے۔ چار آنہ لوکل کانفرنس کے خزانہ میں جاوے۔ اور چار آنہ پراونشل کانفرنس کے خزانہ میں۔
میٹنگ دعا سے برخاست ہوئی۔

ای۔ چارلس بھٹی۔
سکریٹری پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس، لاہور ۔سیالکوٹ۔

نوٹ اور رائیں

(از ع۔ آ۔ ن)

پروٹسٹنٹ مشنوں کے اعداد دنیا کے مسیحی ممالک میں سات سو سے زیادہ مشنری سوسائیٹیاں ہیں جن میں سے خالص بشارتی مشنوں کی ۳۰۰ سوسائٹیاں ایسی ہیں جو دیگر ممالک میں مشنریوں کو بھیجتی ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں ان سب سوسائٹیوں کی مجموعی آمدنی قریب بیس کروڑ روپے تھی۔ جس کا نصف سے زیادہ حصہ امریکہ کے صوبجات متحدہ میں جمع ہوا۔ اور قریب تین کروڑ روپے انگلستان نے دیئے۔ دنیا میں اس وقت ۲۹۱۸۸ پروٹسٹنٹ مشنری ہیں جنمیں سے ۷۷۴۸ لیڈیاں (مشنریوں کی بیویاں یا مس صاحبان) ہیں ۱۶۵۲۴ مشنری ایشیا میں ہیں اور انکے ساتھ ۸۸۶۳۵ دیسی کارندے کام کرتے ہیں۔ افریقہ میں انکی تعداد ۶۲۸۹ اور ۴۳۱۸۱ ہے۔ جنوبی آمریکہ اور غرب الہند اور بر اعظم آسٹریلیا وغیرہ میں بھی انکی اچھی خاصی تعداد ہے۔ میڈیکل مشنوں میں ۱۱۵۷ سند یافتہ ڈاکٹر ہیں منجملہ انکے ۳۰۶ لیڈی ڈاکٹر ہیں۔ ۸۵۸ مشن کے ہسپتالوں میں

۴۶۱۲۶۳ مریضوں کی رہائش کا انتظام ہے۔ ان کے علاوہ مختلف ممالک میں ۹۱۲ دیسی سندیافتہ ڈاکٹر ہیں جن میں سے ننانوے لیڈیاں ہیں۔ تعلیمی پہلو سے گذشتہ صدی کے مقابلے میں ایک سو فیصدی ترقی ہے۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں ایشیا میں ۴۴۲۰۵ مشن کے مدارس اور ۹۳۲۱۴۷ طلبا تھے۔ افریقہ میں جو تعلیمی لحاظ سے بہت پیچھے رہا ہوا ہے قریب ساڑھے سولہ ہزار مدرسے اور قریب نو لاکھ طالب علم ہیں۔ ایک سو ایک مسیحی کالجوں میں ۲۲۸۲۷ طلبا ہیں جنمیں سے ۲۲۳۳ مستورات ہیں۔ قابلِ لحاظ ہے کہ یہ کالج سوائے دس کے سب ایشیا میں واقع ہیں۔ مندرجہ اعداد سے ثابت ہوگا کہ یورپ اور امریکہ کی مشنری سوسائٹیاں دنیا میں کسقدر کام کر رہی ہیں۔ اور کسقدر زرِکثیر خرچ ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے اِن لوگوں کو ایسی برکت دی ہے۔ اور ہم ہیں کہ ایک چھوٹی سی نیشنل مشنری سوسائٹی کو اچھی طرح سے نہیں چلا سکتے۔ اور آئے دن اُس کی جان کے لالے پڑے رہتے ہیں۔

٭٭٭

پنجاب میں بائبل کی اشاعت

برٹش اور فورن بائبل سوسائٹی کی پنجاب شاخ کی سالانہ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ جبکہ سال گذشتہ میں آمدنی میں تھوڑا اضافہ ہوا ہے۔ بائبل کی اشاعت میں نمایاں کمی واقع ہوئی ہے۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں کل ذرائع سے ۶۱۷۸۱ جلدیں مکمل بائبل اور اناجیل اور صحائف کی لاہور بائبل ڈپو سے فروخت یا تقسیم ہوئیں۔ سکرٹری صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کمی زیادہ تر انگریزی بائبل اور اناجیل کی اشاعت میں ہے جسکی خاص وجہ یہ ہے کہ سال زیرِ رپورٹ میں بی۔ اے پاس طلبا میں بائبل کی جلدیں مفت بانٹنے کا سلسلہ موقوف کیا گیا۔ مگر جو کمی انٹرنس پاس طلبا میں اناجیل کی جلدوں کی تقسیم میں واقع ہوئی۔ اسکا کوئی سبب خاص معلوم نہیں ہوا۔ مختلف مشنوں میں کتاب مقدس کی اشاعت میں کمی کے لئے خصوصاً میتھوڈسٹ ایپسکوپل کلیسیا ذمہ وار ہے۔ چار سال گذرے جب اس مشن نے اپنی صدسالہ سالگرہ کی تقریب پر کتاب مقدس کی دس لاکھ جلدیں تقسیم کرنیکا جوش ظاہر کیا تو مزدوت سے

زیادہ جلدیں خریدی گئیں۔ اب تاوقتیکہ یہ پرانا ذخیرہ ختم نہ ہو جاوے نئی جلدوں کے لئے آرڈر نہیں بھیجے جا سکتے۔ یہ اشاعت کی کمی کا رونا کچھ پنجاب کی بائبل ڈپو تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان بھر میں یہی شکایت ہے۔ اسکی نسبت کرسچن پیٹریٹ کے ایک نامہ نگار نے لکھا کہ "برٹش اور فورن بائبل سوسائٹی کے جنرل سکرٹری پادری بوٹن صاحب (جو کچھ عرصہ ہوا لاہور میں تشریف فرما تھے) ہندوستان میں دورہ کر رہے ہیں تاکہ جو کمی بائبل کی اشاعت میں واقع ہوئی ہے اسکا سبب دریافت کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۰ء میں بائبل کی اشاعت قریب پندرہ لاکھ جلدیں ہوئی۔ اور اب یہ تعداد قریب نصف کے رہ گئی ہے۔ یہ نہایت افسوس کا مقام ہے۔ اور سب مسیحی اس کمی کا سبب معلوم کرنے اور اسکا تدارک کرنیکے مشتاق ہوں گے۔"

بعد ازاں راقم موصوف رائے زن ہے کہ "اس کمی کی وجہ زیادہ تر یہ بیان کی گئی ہے کہ بائبل اور اسکے صحائف کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ مگر یہی وجہ اسقدر بھاری کمی کے لئے ذمہ وار نہیں ہو سکتی۔ بعض نے ہندوستان میں قومی تحریک کو اسکی بنیاد قرار دیا ہے۔ مگر یہ بھی درست نہیں۔ چار سال پیشتر جب مہاتما گاندھی کا اثر زوروں پر تھا۔ اور ہندوستان کی آنکھیں مسیح کیطرف لگ رہی تھیں اسوقت بائبل کی اشاعت میں خاطر خواہ ترقی ہوئی۔ مگر اب ہندوستانی مسیحیوں کے دل میں قومی تحریکوں سے موثر ہو کر یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ جب تک یوروپ اور ہندوستان کے مسیحی مشنری ہم سے دست بردار نہ ہو جائیں دینی خدمت کا کام نہیں چلے گا۔"

غرض نامہ نگار صاحب کے خیال مبارک میں جماعت پر قومی تحریکوں کے معاملے میں عدم تعاون کی روح چھا گئی ہے۔ اور یہی روح ملک کی روحانی حالت کے مخالف بھی کام کر رہی ہے۔ آپ کی رائے میں یہی وجہ ہے کہ کتاب مقدس کی اشاعت میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ ہمکو اس رائے کے ساتھ کلی اتفاق نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں بہت کچھ راستی ہو۔ سب مسیحی بڑے شوق سے اسبات کے منتظر رہیں گے کہ لنڈن کے سکرٹری صاحب نے ہندوستان کی سیر و سیاحت کے بعد اس کمی کی نسبت کیا نتیجہ نکالا ہے۔

کھدر اور مسیحی جماعت

مہاتما گاندھی چرخہ کاتنا سوراج کی آمد کیلئے ضروری سمجھتے ہیں۔ اور خواہ تعلیم یافتہ دنیا انکے ساتھ اتفاق نہ ہو اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہ کوئی مجذوب کی بڑ نہیں۔ چونکہ ہماری جماعت کے بیشتر کا زیادہ تر غریب لوگ ہیں اور دیہات میں کاشتکاری سے اپنا گذارہ کرتے ہیں اسلئے مہاتما جی کی نصیحت ہماری مسیحی جماعت کے لئے بھی نہایت مفید اور بامو قع ہے اسکی نسبت ایک صاحب مدراسی ہمعصر میں بزیر عنوان "کھدر اور مسیحی جماعت" چند عملی تجاویز پیش کرتے ہیں جو غور کے لائق ہیں۔ آپ کی رائے ہیں (۱) مناسب ہے کہ سب مسیحی اتوار کے روز کھدر کے کپڑے پہن کر گرجے میں آئیں۔ صاف ستھرے کھدر کے لباس سے ہماری عبادت اور روزمرہ زندگی میں پاکیزگی اور سادگی آجائے گی۔ جہانتک ہمنے دیکھا ہے ہمارے دیہاتی مسیحی اسپر عملدرآمد کرتے ہیں۔ شہری مسیحی جو زیادہ فارغ البال ہیں شاید اسکی تعمیل ضروری نہ سمجھیں گے (۲) شادی کا لباس کھدر کا ہونا چاہئے۔ قرضہ اُٹھا کر قیمتی اور بھڑکیلا لباس پہننے میں کوئی خوبی نہیں کھدر کے استعمال سے شادی کے اخراجات میں کمی واقع ہوگی۔ اگر مسیحی جماعت کے سرگروہ اشخاص اس موقع پر کھدر پہننا شروع کردیں تو بہت لوگ اُنکی پیروی کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ (۳) ہمارے پاسٹروں کو چاہئے کہ اپنا پادریانہ لباس کھدر کا بنائیں۔ آپکے نمونے سے اُنکی جماعتوں میں سادگی اور کفایت شعاری کا مادہ پیدا ہو جائے گا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہمارے جلیل القدر پاسٹر صاحبان اس تجویز کو پسند نہیں کرینگے۔ کیونکہ اول تو کھدر کا استعمال آنکے خیال میں سوراجی فرقے کا نشان ہے اور وہ کھدر کا لبادہ زیب تن کرتے ہوئے ڈرینگے کہ مبادا گورنمنٹ کو شبہ پڑجائے کہ "ایں ہم بچہ شتر است"۔ بعض شاید اسوجہ سے کھدر کے استعمال سے احتراز کرینگے کہ اگر کنٹربری صاحب کے اسقف اعظم یا کسی دیگر اعلیٰ دینی ہادی سے خاص اجازت نہ لی تو لینے کے دینے پڑجائیں گے۔ (۴) گرجے میں چندے اور عطیئے کے طور پر اپنے ہاتھ سے کتا ہوا سوت یا کھدر کا کپڑا بھی دینا چاہئے۔ اپنے ہاتھ کی محنت کا پھل خدا کے نزدیک نہایت مقبول اور معقول چڑھاوا ہوگا۔ (۵) لڑکیوں کے تمام بورڈنگوں اور مشن سکولوں میں چرخہ کاتنے کی تعلیم دی جانی چاہئے

جب لڑکیاں رخصتوں میں اپنے اپنے گھر جاتی ہیں تو اُنکے لئے کوئی خاص کام یا دل لگی کا سامان نہیں ہوتا۔ اپنی فرصت کا وقت چرخہ کاتنے پر صرف کرنے سے "ہم خرما و ہم ثواب" کے مصداق فائدہ ہوگا۔

جبراً مسیحی نو مرید بنانیکے الزام کی تردید

بتاریخ ۱۵ جنوری ریاست میسور کی طرف سے اُس الزام کی تردید میں جو بعض مدراسی اخبارات نے شائع کیا کہ میسور اور منڈیا میں ویسلین مشن نے چند ہندو اشخاص کو زبردستی مسیحی جماعت میں شامل کر لیا ہے ایک اطلاعی اعلان جاری کیا گیا۔ جو مظہر ہے کہ میسور کی نسبت تحقیقات کرنے سے معلوم ہوا کہ جو اتہام ویسلین مشن پر لگایا گیا کہ اُس نے ایک ہندو عورت اور اُسکے گیارہ سالہ لڑکے کو جبراً مسیحی بنا لیا وہ سراسر بے بنیاد اور غلط ہے۔ مقام منڈیا کی بابت یہ تحقیق ہوا ہے کہ مشنریوں نے کوئی حرکت ایسی نہیں کی جس سے حفظ امن میں خلل واقع ہو۔ ویسلین مشن اس جگہ اٹھارہ سال سے کام کر رہی ہے۔ اس عرصے میں اس نے مقام ہولا جن کے دو فریقوں میں سے ایک کی ہمدردی اپنے ساتھ پیدا کر لی۔ اس فریق کے پچیس گھرانے ہیں اور دوسرے کے پینتالیس۔ فریق اول میں سے ۱۰ گھرانوں کے ۶۵ شرکا نے بپتسمہ لے لیا۔ ہندو لیڈروں نے اُن کو مسیحی مذہب اختیار کرنے سے روکا۔ مگر اُنکی کوشش کارگر نہ ہوئی۔ اس معاملے میں بھی مشنریوں پر جبر کا کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ اور نہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ اختیار کیا ہے۔"

مسیحیت مذہب کے جبراً پھیلانے کے سراسر خلاف ہے۔ غیر مسیحی اخبارات کا بلا تفتیش غلط بیانات اور افواہوں کی بنیاد پر مشنریوں کے خلاف واویلا مچانا نہایت قابل افسوس امر ہے۔ مگر مشنری صاحبان کو بھی احتیاط لازم ہے کہ نو مریدوں کو بپتسمہ دینے کے متعلق کوئی فعل ایسا نہ کریں جس سے غلط فہمی پیدا ہو۔ آخر کلیسیا کی تعدادی ترقی ہی مسیحیت کی اشاعت یا مشنری خدمت کی کامیابی کا بہترین معیار نہیں ہے۔

مسیحی اخبار کے ایڈیٹوریل بورڈ میں تبدیلی

ہم مسٹر آئیون جیکب صاحب کے نہایت ہی مشکور ہیں کہ اُنہوں نے قریباً دس مہینے ہمارے مسیحی پرچے کے ایڈیٹ کرنے میں بڑی امداد دی ہے۔ اور اس خدمتِ حسنہ کا ہم دلی اعتراف کرتے ہیں۔ اب وہ بباعثِ مصروفیت اس خدمت سے معذور ہیں۔ اور اُنکی جگہ ڈاکٹر آئی۔ یوناتھر۔ اور ای۔ چارلس بھٹی صاحب ایم۔ اے ہماری کانفرنس کے لائق سکرٹری نے اس خدمت کو اپنے ذمہ لیا ہے۔ ہر دو صاحبان نہایت لئیق۔ سنجیدہ مزاج اور صاحبِ معلومات ہیں۔ امید واثق ہے کہ ان صاحبان کی امداد سے "مسیحی" کو اَور بھی ترقی حاصل ہوگی۔

❖

لاہور کانفرنس کے ایام اجلاس میں جو کھانے پینے کے لئے لنگر لگایا گیا تھا۔ وہ اپنی نظیر آپ رکھتا ہے۔ ہماری نہایت ہی حوصلہ افزائی ہوئی۔ کہ لوگوں نے کمال احساس سے اسکی امداد کی۔ اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ بہت سے چندہ دہندگان نے خواہش ظاہر کی کہ انکے نام نہ بتائے جائیں۔ اسکے متعلق اخراجات کا حساب ابھی تک کمیٹی میں نہیں بھیجا گیا۔ لہذا اگلے اخبار میں درج کیا جائیگا۔ ہم اسکی بابت پادری نواب الدین اور اُنکے دوست مسٹر خیر الدین کی خاص خدمات کا اعتراف کرتے ہیں جنہوں نے نہایت سرگرمی اور محنت سے کام کیا۔ اور بڑی حد تک کامیابی کا سہرا بھی انہیں کے سر پر ہے۔

❖

ہم اپنے بزرگ بابو شان چندر سنگھا کی زندگی کے احوال اس پرچے میں درج کرنا چاہتے تھے۔ مگر جس صاحب نے ان کی زندگی کے متعلق ہمکو نوٹ دینے تھے وہ وقت پر نہیں پہونچا سکے لہذا اُنکو ہم اگلے پرچے میں شائع کرینگے۔

❖

انتقالِ پُر ملال

یہ خبر نہایت رنج و افسوس کے ساتھ درج کی جاتی ہے کہ مسٹر بی۔ ایم سرکار بی۔ اے۔ ہیڈ ماسٹر اے پی ایل او۔ ای مشن ہائی سکول بٹالہ بعارضہ نمونیا انتقال کر گئے۔ آپ مدت تک ہیڈ ماسٹر رہے

عہدہ پر ممتاز رہے۔ اور اس سکول کو جو ترقی اور عروج حاصل ہُوا وہ آپ ہی کی محنت کا ثمرہ ہے۔ یوں تو بفضلِ خدا ہماری جماعت میں اچھے اچھے معلم اور پروفیسر ہیں۔ مگر جس خوبی اور قابلیت سے آپ نے اپنی خدمات کو انجام دیا وہ آپ ہی کا حصہ تھیں۔ آپ بڑے مہمان نواز اور ہر دلعزیز تھے۔ غیر مسیحیوں میں آپ کی وہ عزت اور وقار تھا کہ آپ میونسپل کمیٹی بٹالہ کے اوّل غیر سرکاری پریذیڈنٹ مقرر ہوئے۔ ہم آپ کی اہلیہ اور بچوں کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ خدائے اقدس ان کے مجروح دلوں پر وہ آسمانی اطمینان کا شفابخش مرہم لگائے جو دنیا نہیں دے سکتی۔

ایڈیٹر انچیف۔

تقدس مآب پادری لینڈر یوبھا کرداس صاحب ایم۔ اے کی واپسی

یوسفِ گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور
کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

پادری اینڈریو ٹھاکرداس صاحب پاسٹر اے۔ پی۔ مشن نولکھا لاہور بتاریخ ۱۷ مارچ بخیر و عافیت امریکہ سے واپس تشریف لے آئے۔ پادری صاحب کو مدت سے شوق تھا کہ امریکہ کے صوبجات متحدہ میں جاکر وہاں کے حالات بچشمِ خود دیکھیں۔ اور اُس ملک کے اعلیٰ درجہ کے کالجوں میں اپنی تعلیم کی تکمیل کریں جس ملک نے لوزمن اور نیوٹن جیسے سپوت اور بہادر مشنری پیدا کئے وہ ملک واقعی زیارت کے قابل ہے۔

پادری صاحب ۱۱۔ اگست سنہ ۱۹۲۳ء کو لاہور سے روانہ ہوکر انگلستان سے ہوتے ہوئے بتاریخ ۲۲ ستمبر نیویورک پہنچے۔ اور کولمبیا یونیورسٹی کی یونین تھیالوجیکل

سیمنری میں داخل ہوئے۔ ایک سال تک بڑے بڑے قابل اور جیّد پروفیسروں کے قدموں میں بیٹھکر ایم۔ اے پاس کیا۔ اگر آپ اِس ڈگری کے حاصل کرنے کے قصد سے سیمنری میں داخل نہ بھی ہوتے تو بھی ایسے عالموں کی صحبت ہی بجائے خود انکی تعلیم کی تکمیل اور اُنکے دل و دماغ کو وسیع کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس ڈگری کو حاصل کرنے کے بعد وہ پانچ ماہ تک ملک میں اِدہر اُدہر سیر و سیاحت کرتے رہے اور اُنکی گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ آنکھیں کھولکر پھرتے رہے۔ امریکہ اور اُسکے باشندوں کے معاشرتی۔ تعلیمی اور مذہبی خیالات نے جو تأثرات آپکے دل پر پیدا کئے اُنکا اظہار آپ نے بذریعہ "مسیحی" ہدیۂ ناظرین کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

لاہور کے سٹیشن پر بہت سے احباب اور لواحقین آپکے استقبال کے لئے جمع ہوئے۔ جس روز سے آپ نے لاہور میں قدم رکھا آپ کے خیر مقدم کے جلسے شروع ہوگئے۔ جسکا آغاز مسٹر کے۔ ایل۔ رلیا رام کی پارٹی سے ہوا۔ یہ سلسلہ کچھ عرصے تک قائم رہا جس سے پادری صاحب کی ہر دلعزیزی کا ثبوت ملتا ہے۔ اِن جلسوں میں سے ۲۱ مارچ کا جلسہ خاص طور پر ذکر کے قابل ہے جس میں نولکھا چرچ کی سشن اور جماعت کی طرف سے لاہور کے مسیحیوں کو پادری صاحب سے ملاقات کرنیکا موقع دیا گیا۔ اس مجمع کے پردھان رائے بہادر پی۔ این۔ دت تھے۔ مسٹر کے۔ ایل۔ رلیا رام نے سشن اور کلیسیا کیطرف سے پادری صاحب کا خیر مقدم کرتے ہوئے خاص طور پر ذکر کیا کہ گو آپ نے قریب ڈیڑھ سال تک امریکہ میں قیام کیا تو بھی آپ کی طبیعت میں وہی پُرانی سادگی پائی جاتی ہے۔ یہ ایک غیر معمولی بات ہے کہ انگلستان یا امریکہ کی رہائش سے دماغ میں رعونت اور مغربی تہذیب کی بُو پیدا نہ ہوجائے۔ کم از کم یہ خمار چند ماہ تک سر میں ضرور رہتا ہے۔ مگر پادری ٹھاکر داس صاحب اپنی صورت اور سیرت اور اخلاق میں جیسے پنجابی گئے تھے ویسے ہی واپس تشریف لے آئے ہیں۔ خیالات اور جذبات میں تبدیلی کا پیدا ہوجانا تو ایک ناگزیر امر ہے مگر اسکا اظہار رفتہ رفتہ ہوگا۔ یہاں یہ کہہ دینا بھی بے موقع نہ ہوگا کہ اسی جلسے میں مسٹر اسرائیل لطیف اور مسٹر ولسن پروفیسران کا شکریہ ادا کیا گیا جنہوں نے پادری صاحب موصوف کی غیر حاضری میں نولکھا کلیسیا کی خدمات اور

گرجے کی عبادت کو بڑی خوبی سے انجام دیا۔ آخر میں پادری صاحب نے استقبالیہ تقریر کا جواب دیتے ہوئے مختصراً مگر موزوں الفاظ میں اپنے سفر اور امریکہ میں اپنے مشاہدات کا بیان کیا۔ امید ہے کہ قیمتی خیالات اور معلومات کا جو ذخیرہ آپ نے اپنے دوران سیاحت میں جمع کیا اُس سے اپنی کلیسیا اور مسیحی کے ناظرین کو بہرہ ور فرماوینگے۔

ایڈیٹر انچیف

خیالی پلاؤ

ہندوستان کی فریاد و جواب

رات کا تاریک سماں ہے۔ ہر متنفس لذت نیند سے سرشار ہے۔ چاروں طرف سناٹا ہے شہاب ثاقب جوش خوشی سے دوڑنے کودتے دوسری جگہ جا لگتے ہیں۔ درخت سیاہ وردی میں خاموش کھڑے ہیں۔ گویا کسی شہنشاہ کی انتظار میں دست بستہ حاضر ہیں۔ ہر طرف ہُو کا میدان ہے۔ نہ کوئی انسان ہے نہ حیوان۔

اب رات کا آخری حصہ ہے جنگل کا سین پیش نظر ہے۔ سردی اس شدت کی ہے کہ ہاتھ پاؤں سن ہوئے جاتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے گھنگھور گھٹا چھاگئی ہے۔ دہشتناک صدائیں اونچے اونچے پہاڑوں میں گونج رہی ہیں۔ اسوقت ہر ایک انسان سورہا ہے کوئی کھیت میں کوئی ریت میں۔ کوئی فرش زمیں پر کوئی عرش زریں پر۔ ادھر ہوا خوب تیز چل رہی ہے۔ چاروں طرف اندھیرا ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ حیوانات کی دہشتناک صدائیں رہے سہے ہوش اُڑا رہی ہیں۔ نہ معلوم پھر خیال ایسے وقت میں کیوں یہاں لے آیا۔ قدرت کی نیرنگیوں پر نظر کرکے حیران ہوں اور اسی وجہ سے مخبوط الحواس بنگیا۔ ابھی یہی منظر پیش نظر تھا کہ بادل خوب زور سے گرجا گویا زلزلہ آگیا بجلی چمکنے لگی۔ اسی اثنا میں دفعتہً ایک شعلہ چمکا۔ یہ نہ تو بجلی تھی نہ روشنی۔ یہ ایک شعلہ تما نور تھا۔ تمام عالم میں خاموشی ہوگئی۔ ہاں۔ گاہے گاہے درختوں کے پتے کبھی کبھی آمد پر تالیاں بجاتے رہے۔ ذراسی دیر میں تاریکی کا ڈراپ سین اُڑگیا اور روشنی نمودار ہونے لگی۔

(باقی آئندہ)

بین الجماعتی شادیاں

اِن دنوں ہماری مسیحی جماعت ایک عظیم نتیجہ خیز مہلک خطرہ میں مبتلا ہے اور اگر حالات نے یہی صورت پکڑے رکھی تو مسیحی جماعت کی خیر نہیں لیکن پُر محبت خدا کا شکر ہے کہ وہ کسی جماعت یا فرد کو بلا امداد و معاونت چھوڑ نہیں دیتا۔ جماعت کے درمیان حوصلہ افزا آثار ظہور پذیر ہیں۔ کثیر التعداد اصحاب فکر و محبِ قوم اس نتیجہ خیز بُرائی اور قباحت کی کماحقہٗ بیخکنی میں ہمہ تن و فکر مصروف و کوشاں ہیں۔ اِسسال ڈاکٹر چیتمبر صاحب پریذیڈنٹ آل انڈیا انڈین کرسچن کانفرنس نے اپنی پُر فصاحت و بلاغت صدارتی تقریر میں حاضرین جلسہ کی توجہ کو اس بڑے جماعتی خطرے کی طرف مبذول کیا۔ حالات حیرت انگیز سرعت و تیزی سے یوماً فیوماً ترقی پا رہے ہیں۔ اسلئے اس بدعت کا انسداد جماعتی نکتہ خیال سے جسقدر جلد ممکن ہو سکے کرنا لازمی اور لابدی ہے۔ اگر جماعت نے مجموعاً اور انفراداً اسکی نسبت بے پرواہی اختیار کر رکھی اور اسکو اسکی موجودہ پُر زور حالت میں چھوڑ دیا گیا تو کچھ عرصہ کے بعد یہ جماعت کی تمدنی اور مالی ترقی اور بہبودی کی راہ میں ایک حائل عظیم بنکر رہیگا۔ جماعتی رسوائی اور ذلت اسکا ایک ضروری اور لابدی نتیجہ ہوگا۔ اسلئے حالات مقتضی ہیں کہ قوم کے خیر اندیش بیدار و ہوشیار ہو کر موجودہ پُر خطر صورت کو سنبھال لیویں۔ اور نیز لازم ہے کہ جمہوری رائے بھی اسکے متعلق بیدار ہو۔ تاکہ مسیحی خاتونیں اور بالخصوص عام جماعت اس کے تباہ کن نتائج سے محفوظ رہ سکیں۔

مسیحیوں اور غیر مسیحیوں کے مابین شادیوں کے مسئلہ کو ہم تین مختلف نکتہ ہائے خیال سے دیکھ سکتے ہیں۔ یعنے مذہب۔ قومیت اور جماعت۔

کلام اللہ میں اسکے متعلق صاف صاف تعلیم مندرج ہے۔ یاد رہے کہ یہ بدعت و قباحت ابتدائی مسیحی کلیسا میں بھی رواج پا گئی تھی اسلئے پولوس رسول کرنتھی مسیحیوں کو اسکے پُر خطر نتیجوں سے آگاہ کر دیتا ہے۔ ۲ کرنتھیوں ۶: ۱۴ میں یوں فرماتا ہے

"بے ایمانوں کے ساتھ ناہموار جوئے میں نہ جتو۔ کیونکہ راستبازی اور بے دینی میں کیا میل جول؟ یا روشنی اور تاریکی میں کیا شراکت؟ مسیح کو بلیعال کے ساتھ کیا موافقت؟ یا ایمانداروں کا بے ایمانوں سے کیا واسطہ؟ اور خدا کے مقدس کو بتوں سے کیا مناسبت؟ کیونکہ ہم زندہ خدا کے مقدس ہیں۔ چنانچہ خداوند فرماتا ہے کہ اُن میں سے نکلکر علیحدہ رہو اور ناپاک چیز کو مت چھوؤ۔ تو میں تمکو قبول کرلونگا۔ اور میں تمہارا باپ ہونگا۔ اور تم میرے بیٹے بیٹیاں ہوگے۔ یہ خداوند قادرِ مطلق کا قول ہے"۔ وہ سب جو خداوند مسیح کے منجی اور شافی ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ "ایماندار" کہلاتے ہیں اسلئے رسول کرنتھی کلیسا پر یہ صاف طور پر روشن و عیاں کردیتا ہے۔ کہ وہ بے ایمانوں (جو مسیح کو اپنا نجات دہندہ تسلیم نہیں کرتے) کے ساتھ ناطے اور رشتہ داری کے ذریعے سے مخلوط نہ ہوں کیونکہ ایسی آمیزش اُسکے سامنے کلیسیا کے لئے پُر خطر تھی۔

شادی ایک آرام دہ جوا ہے جس میں کہ آدمی اور عورت اپنی خوشی اور رضا سے خود بخود جتتے ہیں۔ جوڑے کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ جوا ہموار ہو۔ یعنے دونوں کے خیالات اور جذبات میں یکسانیت ہو۔ مذہبی خیالات اور امید و بیم میں قطعاً اختلاف نہ ہو۔ مذہب زندگی کا ایک جزو اعظم ہے۔ اور زندگی کے ہر شعبہ کی روح رواں ہے۔ اگر زندگی کشتی ہے تو مذہب اُسکی پتوار ہے۔ بچپن کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم چال چلن کی ساخت میں حصہ کثیر لیتی ہے۔ اگر مذہب کو سنِ بلوغت کے بعد ترک بھی کردیا جاوے تو اُسکی رنگت اور اثر ضرور باقی رہ جاتے ہیں جب تک مذہب۔ طریق عبادت اور مذہبی تعلیمات میں فرق و اختلاف ہو تو بین الجماعتی شادیاں محض خواب ہی رہینگی۔ جبکہ ہندوستانی مذاہب سراسر جسمانی باتوں سے بھرے پڑے ہیں۔ کامیاب جوڑا وہ قرار دیا جاویگا جنکے مذہبی خیالات ایک۔ اور سوسائٹی میں نشست و برخاست کے طور طریق۔ ادب و آداب میں اختلاف نام کو نہ ہو۔

کرنتھیوں ۷ باب ۳۹ آیت میں یوں لکھا ہوا ہے کہ "جب تک عورت کا شوہر جیتا ہے وہ اُسکی پابند ہے۔ پر جب اُسکا شوہر مرجائے تو جس سے چاہے بیاہ کرسکتی ہے

مگر "صرف خداوند میں" اس آیت میں پولوس رسول بیوہ عورتوں کو پھر بیاہ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ پہلے وہ لفظ "جس سے" استعمال کر کے پسند کے دائرے کو وسیع کر دیتا ہے۔ لیکن آخر میں آکر اُس پر "خداوند میں" کی حد اور قید لگا دیتا ہے بیاہ کرنے کی اجازت تو دیتا ہے۔ لیکن صرف خداوند کی حدود کے اندر یا بہ عبارت دیگر مسیحی جماعت میں۔

احبار ۷/۳ آیت میں خداوند بنی اسرائیل کو یوں فرماتا ہے۔ "نہ اُن سے بیاہ کرنا اُسکے بیٹے کو اپنی بیٹی نہ دینا۔ اور نہ اپنے بیٹے کے لئے اُسکی کوئی بیٹی لینا"۔ یہ حکم بنی اسرائیل کو خداوند نے اُس موقعہ پر دیا جبکہ وہ ملک کنعان کی طرف دشوار اور کٹھن منازل طے کر کے جا رہے تھے۔ خداوند نے نہ چاہا کہ اُسکے لوگ ناپاک اور بُت پرست لوگوں سے رشتہ داریاں اور ناطے وغیرہ کریں۔ اسلئے پیشتر اسکے کہ وہ موعودہ زمین میں دخل پا دیں وہ اُنہیں اس خطرہ سے آگاہ اور واقف کر دیتا ہے تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی نہ رہے احبار ۷/۴ آیت میں وہ اسکا سبب بھی بیان کر دیتا ہے "کیونکہ وہ تیرے بیٹے کو میری پیروی سے پھرا دینگے تاکہ وہ اَور معبودوں کی عبادت کریں"۔ اور پھر آیت کے آخری حصہ میں سزا کا ذکر بھی کر دیتا ہے۔ "اور خداوند کا غصہ تجھ پر بھڑکیگا۔ اور تجھے یکایک ہلاک کر دے گا"۔

خدا اپنے لوگوں کو غایت درجہ پیار کرتا ہے۔ اسلئے وہ بنی اسرائیل کو ایسے طرزِ عمل کے نتیجوں سے بھی آگاہ کر دیتا ہے تاکہ وہ بے عمداً اس پھندے میں پھنسکر اُسکے غضب اور قہر کے مورد نہ ٹھہریں۔ بہت سی ایسی زندہ مثالیں از منۂ حاضرہ میں بھی ملیں گی جن سے یہ صاف روشن و عیاں ہے کہ بہت سی مسیحی خاتونوں کو اسی کمبخت رشتہ کے مذبح پر اپنے عزیز مذہب کو قربان کرنا پڑا۔ اور ناچار ہمیشہ کی زندگی کی وراثت کو مفت میں اپنے ہاتھ سے دینا پڑا۔ لیکن اے بہنو! کیا ہمیشہ کی زندگی چند روزہ اور فانی عیش و عشرت سے کوئی مقابلہ نہیں کھا سکتی؟ کیا وہ دنیاوی چیزوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر نہیں؟ پولوس رسول جیسے صاحب مرتبہ اور عالم شخص نے تو دنیا کی سب اشیاء کو اس بیش قیمت زندگی کے مقابلہ میں کوڑا کرکٹ سمجھکر ترک کر دیا۔ بہتوں نے مسیح کے عشق کی خاطر دنیا کی بہترین اور دلکش چیزوں کو چشم زدن میں چھوڑ کر اُنکی طرف ایسی پیٹھ پھیری

کہ پھر تا دم مرگ انکا خیال تک نہ کیا۔ حقیقی مسیحیوں کو دنیا کی کوئی چیز مسیح کی محبت سے جدا نہیں کر سکتی۔

اے مسیحی بہنو! ایسے مہلک بھنور میں دیدہ و دانستہ نہ کودنا۔ آپ با ادراک اور فاعل مختار ہیں۔ اسی فاعل مختاری نے ایک دفعہ توبنی نوع انسان کی ناؤ کو ڈبو دیا تھا۔ اب آپ اس فاعل مختاری کی آڑ میں روحانی زندگی کی ناؤ کو ڈبو رہی ہیں۔ مفت میں تکلیف نہ سہیڑنا۔ اگر آپ ایسے رشتہ کی جانب راغب ہونگی تو آپ کو اپنا حقیقی عزیز۔ خادم۔ غمگسار اور نجات دہندہ چھوڑنا پڑیگا۔

قومی نکتہ خیال سے بین الجماعتی شادیاں خاص حالات کے زیر جائز اور واجب قرار دیجا سکتی ہیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مختلف مذاہب اپنی انوکھی اور نرالی تعلیمات کے ذریعہ سے ناقابل گذر قیود لگائے ہوئے ہیں۔ عناد اور دشمنی نے مذہبی تفرقات کے باعث گہری اور عمیق جڑھ پکڑ رکھی ہے۔ ہندو مسلم اتحاد محض خواب ہے۔ باوجود لیڈران قوم کی ان تھک کوششوں کے عناد و تفرقات یوماً فیوماً بڑھتے نظر آتے ہیں ایسے حالات کے زیر ایسا طرز عمل اتحاد کا باعث تصور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حالات کی موجودہ صورت میں یہ ناممکن العمل ہوگا۔ اگر ہم مختلف جماعتوں (مثلاً ہندو۔ مسلم اور مسیحی) کی تمدنی۔ معاشرتی اور مذہبی زندگی کو بنظر تعمق دیکھیں تو یہ امر صاف ظاہر ہو جائیگا کہ ہر ایک جماعت کی طرز معاشرت خیالات جذبات اور ذاتی اور مجموعی امنگوں میں بالکل اختلاف ہے۔ جیسے مذکور الصدر ہے کہ تمام مذاہب اپنے مقلدوں اور پیروکاروں کو علیحدہ اور الگ رکھنے کی غرض سے خاص خاص پابندیاں لگائے ہوئے ہیں۔ ایسی پابندیوں کا اثر اس گروہ کی معاشرتی اور تمدنی زندگی پر بہت گہرا ہوتا ہے۔ تفرقات کی بڑی بھاری دیواریں قائم ہو چکی ہیں۔ جنکا گرانا کار آسان نیست۔ ہر ایک مذہبی گروہ دوسرے مذہبی گروہ سے ہر رنگ میں جدا اور نرالا ہے۔ کسی ملک میں جبکہ اسقدر اختلافات اور تفرقات کی لہریں جوش وخروش سے موجزن ہوں۔ اور جبکہ ہر ایک جماعت کے امید و بیم احساس جذبات۔ نکتہ خیالات طریق و اطوار۔ ادب و آداب۔ اخلاقی اور سوشل تعلیمات ایکدوسرے سے بالکل فرق دار اور متضاد ہوں تو وہاں بین الجماعتی شادیاں اس اعلیٰ ترین نصب العین کو

پورا کرنے میں کماحقہٗ قاصر رہیں گی۔ فرض کریں کہ ایک مسیحی خاتون ایک مسلمان کے ساتھ عقد کر لیتی ہے جب اُسکے خاندان میں دخل پاتی ہے تو وہ اُسکے رشتہ داروں اور لواحقین کی طرزِ معاشرت اور سوشل طور وطریق میں بالکل فرق پاتی ہے وہ آزادی میں رہی۔ پلی پوسی۔ آدمیوں کے بالکل ہم پلہ ہونے کی تعلیم بچپن سے حاصل کرتی رہی۔ شریف آدمیوں سے میل وملاپ اُسکے نزدیک قابل اعتراض بات نہیں کھلم کھلا باہر جانا۔ سڑکوں پر ہوا خوری اور چہل قدمی کرنا اُسکے سامنے فیشن اور تہذیب حاضرہ میں شامل ہے۔ لیکن بدست دیگر مسلمان نوجوان نے بالکل متضاد حالات میں پرورش پائی۔ اُسکو بچپن سے پردہ کی تعلیم ملی۔ اُسکے نزدیک عورت جوتی کے برابر وقعت رکھتی ہے۔ عورت کا عام اور نامحرم آدمی سے ملنا ناواجب اور ناجائز قرار دیا جاتا ہے۔ کوئی شخص اسلام کی ایسی تعلیم کا منکر نہیں ہو سکتا۔ اکثر اوقات دیگر مذاہب کے نوجوان خاص سبب کی وجہ سے شادی کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ جنکے مذہب میں ایک بیوی سے زیادہ رکھنے کی اجازت ہو وہ کسی سے بھی حقیقی محبت اور دلی اُنس نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ یہ بالکل خلاف عقل ہے۔ ممکن ہے کہ قلیل عرصہ کے لئے حقیقی محبت کا تصور ہر دو کے درمیان وابستگی کا باعث بنا ہے۔ لیکن چند سالوں کے بعد جبکہ ایسا تصور اور ابتدائی جوش ہر دو معدوم ہو جاوینگے حسن اور جوانی دونوں ڈھلنے شروع ہو جاوینگے تو پھر جوڑے کا قائم رکھنا ممکن نہ ہوگا۔ سوسائٹی کے اثر کی عدم موجودگی رشتہ کے توڑنے میں بڑی مدد ہوگی۔ ایسے رشتہ سے سب خاندانی تعلقات قطع ہو جاتے ہیں۔ اسلئے بیرونی اثر حاضر نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں وہ ایک دوسرے کے حقیقی ساتھی اور ہمراز نہیں ہو سکتے۔

بہت سی باتیں ہیں جوکہ آدمی اور عورت کی وابستگی کا باعث ہوتی ہیں۔ اور اس رشتہ کے استقرار میں حصہ لیتی ہیں۔ خیالات وجذبات کا ایکساں ہونا۔ طریق واطوار اور تمدنی اور معاشرتی زندگی میں یکسانیت نہایت ضروری اور لابدی ہیں ایسے اختلافات کا نتیجہ ایک دوسرے کی رنجش اور ناراضگی کا باعث ہوا کرتا ہے جب ایسی حالت ظہور پذیر ہوتی ہے تو عنفوان جوانی کے ظاہری اور دھوکا دینے والے جلد پرواز جذبات اپنی ہستی کو لے کر ہمیشہ کے لئے پرواز کر جاتے ہیں۔ زندگی

ہر دو کے مابین نیا پہلو اختیار کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی مسیحی لڑکیوں کو اپنی جوانی کی بیوقوفی اور جلد بازی پر ہمیشہ کے لئے کفِ افسوس ملنے پڑتے ہیں۔ جب تک حالات حاضرہ میں حسب دلخواہ تبدیلی واقع نہ ہو ایسا طرز عمل ناممکن العمل اور سراسر نادانی ہوگا۔ ایسی حالت کے واقع ہونے میں بہت سا وقت لگیگا۔ اگر کوئی مسیحی لڑکی ایسے خیالات رکھتی ہے تو وہ قومی نکتۂ خیال سے پیش از وقت ہوں گے۔ جب تک جملہ قیود اور پابندیاں ہر ایک جماعت اور گروہ کے مذہب اور تمدن کی صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لئے معدوم و مفقود نہ ہو جاویں تب تک یہ ممکن نہ ہوگا جو لڑکی موجودہ حالات میں غلطی کرے گی اُسے آنسوؤں کے ساتھ اس غلطی کا نتیجہ برداشت کرنا پڑے گا۔

جماعتی نکتۂ خیال سے ہم مسیحیوں کے غیر مسیحیوں سے رشتے ہرگز جائز اور روا قرار نہیں دے سکتے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ مسیحی جماعت بمقابلہ دیگر ہندوستانی جماعتوں کے شمار میں کم ہے اُسکی اقتصادی اور مالی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ مغربی بدعتوں اور برائیوں نے جماعت کی اور بھی مٹی خراب کر رکھی ہے۔ لڑکے کم تعلیم اور لڑکیاں مقابلتہً زیادہ تعلیم یافتہ۔ تھوڑی سی تعلیم حاصل کرنے کے بعد فوراً مغربی طرز رہائش اختیار کر لیتی ہیں۔ ظاہر داری اور دکھاوے کو باعثِ عزت و فخر تصور کیا جاتا ہے۔ اکثر چادر سے باہر پاؤں نکل جاتے ہیں۔ آمدنی قلیل اخراجات زیادہ۔ جماعتی احساس وجذبات نام کو بھی پائے نہیں جاتے۔ آمدنی قلیل۔ خاندان بڑے۔ ضروریات کثیر۔ جس جماعت کی حالت بہ ایں طور ہو اس میں بہت سی اصلاحوں کی ضرورت ہے۔ وہی مسیحی لڑکیاں غیر مسیحیوں سے شادی کرنے پر آمادہ ہوتی ہیں جنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہو۔ اور نیز جنہیں کافی سوشل آزادی حاصل ہو۔ ایسی لڑکیوں کے خیالات زمانہ کے ہمرکاب نہیں ہوتے انکی تمدنی اُمنگیں اور خواہشیں بہت بلند ہوتی ہیں۔ اپنے ارد گرد غیر مسیحی متمول اشخاص کو موٹروں پر سیر کرنے عیش وعشرت ولہوولعب کی زندگی بسر کرتے دیکھتی ہیں تو انکے دل میں بھی ایسی اعلیٰ پیمانہ پر زندگی بسر کرنے کی خواہش اور تمنا پیدا ہوتی ہے۔ اکثر اوقات دنیاوی رتبے۔ خطاب۔ اور روپیہ پیسہ لڑکیوں کو دلکش اور سہانا

معلوم دیتا ہے۔ بہ سبب کم دور اندیش ہونے کے ایسے رشتہ کے جنجال میں پڑجاتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیحی جماعت مالی حالت اور دنیاوی رُتبوں کے لحاظ سے دیگر غیر مسیحی جماعتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ چونکہ مسیحی لڑکیوں کو اپنی جماعت میں متمول اور اعلےٰ رُتبے والے اشخاص حسب دلخواہ دستیاب نہیں ہو سکتے تو وہ غیر مسیحیوں سے عقد کرکے ہمیشہ کے دُکھ اور تکلیف کو اپنے لئے خرید لیویں اور اپنی جماعت کے لئے رسوائی اور ذلت کا باعث بنجاویں۔ اسطرح نہ تو وہ اپنی جماعت کو اپنی اعلیٰ تعلیم اور بلند خیالی سے فیض پہنچا سکتی ہیں اور نہ ہی اُسکو جس میں وہ دخل پاتی ہیں۔

تجربہ نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ ایسی شادیاں ہرگز خوشی کا انجام نہیں دیکھتیں اسلئے چاہیئے کہ مسیحی لڑکیاں اپنی اعلیٰ تعلیم اور بلند خیالی سے اپنی جماعت کو فائدہ پہنچاویں۔ یہ جماعتی اور قومی خدمت ہوگی جو کہ اُنکی اپنی ذمہ واری اور کفالت ہے۔ اُنہیں چاہیئے کہ وہ اپنی جماعت میں اچھے اور خوبصورت خاندان بنادیں۔ اپنے بچوں کو اچھی اور اعلیٰ تربیت دیویں تاکہ وہ اپنی تعلیم کو ادھورا نہ چھوڑیں۔ مشرقی طور و طریق اختیار کریں۔ اپنے خاوندوں کی حقیقی معاون اور مددگار بنیں۔ لڑکوں کی موجودہ کمیوں اور کمزوریوں کا چارہ کریں۔ یہ جماعتی اور قومی خدمت ہوگی۔ اس خدمت کو حقیر اور ناچیز تصور نہ کریں۔ اکثر اوقات خود انکاری اور قربانی کی بھی ضرورت ہوگی۔ ایسے موقعوں سے گریز مردانگی نہ ہوگی۔ اپنی جماعت کے افتادہ اور غریب نوجوانوں سے شادی کرکے دنیا پر روشن کردیں کہ وہ اپنی جماعت کی نیک اور خود انکار بیٹیاں ہیں۔ جماعت کی افتادہ حالت اس قربانی کی مقتضی ہے۔ لازم ہے کہ اپنی جماعت کی حقیقی خادم بنکر اُسکی بہتری اور بہبودی کا باعث ٹھہریں۔

حضرت ابراہیم قومی اُنس اور محبت کی بے بہا مثال چھوڑ گیا ہے۔ اپنی برادری سے کوسوں دور رہائش رکھتا تھا۔ لیکن جب اُسکا نور عین سن بلوغت کو پہنچا تو اس نے اپنی برادری ہی میں اُسکے لئے جورو کا تلاش کرنا مناسب و واجب تصور کیا۔ اُسکا خادم الیعذر کوسوں کی کٹھن اور پرخطر مسافت طے کرکے منزل مقصود

پہنچا اور اپنے آقا کی دلی مراد کو پورا کیا۔ ممکن ہے اُسکے طبقہ رہائش میں اُسے متمول اور باعزت یا وقار خاندان سے تعلق پیدا کرنیکا موقعہ ملا ہو لیکن اُسکی محبت اور اُنس سب آزمائشوں پر غالب آئی۔

جماعتی اُنس اور محبت کی یہ اعلیٰ ترین مثال ہے۔ کیا ہماری مسیحی مستورات میں حسب اور غیرت کا بلند جذبہ بالکل نہیں رہا؟ کیا چند روزہ اور فانی عیش و عشرت اسقدر طاقتور ہیں کہ اُنکے بہترین جذبات انپر غلبہ نہیں پا سکتے؟ ہمیں قوی امید ہے کہ ہماری مسیحی بہنیں ضرور اس اہمیت آمیز امر کیطرف اپنی توجہ کو مبذول کرینگی۔ خیالات اور تمناؤں کو راہِ مستقیم پر لے آویں گی۔ اُنکی بہتری غیر مسیحیوں سے عقد کرنے میں ہرگز نہیں۔ ایسے رشتے قائم کرنے سے اُنہیں کبھی حقیقی خاندانی خوشنودی حاصل نہ ہوگی۔

والدینوں سے التماس ہے کہ وہ اپنی جوان لڑکیوں کو ایسے طرزِ عمل سے باز رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ غیر مسیحی نوجوان مسیحی لڑکیوں کو لالچ دے کر اُن سے شادی تو کر لیتے ہیں۔ لیکن جب اُنکی جوانی کی شام آجاتی ہے تو اُنہیں ناحق تکلیف دینا شروع کر دیتے ہیں تا کہ اُن سے نجات ہو سکے۔ اسکے بعد وہ پھر دوبارہ شادی کر لیتے ہیں۔ اے مسیحی بہنو! یہ پھندا ہے اس میں ہرگز نہ پھنسنا۔

ہم نے ہر پہلو سے اس مسئلہ پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بین الجماعتی شادیاں جماعتی نکتہ خیال سے قرین مصلحت نہیں۔ کیونکہ مسیحی جماعت کو خود اعلیٰ تعلیم یافتہ بلند خیال خاتونوں کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارا مدعا ہے کہ اس امر پر جمہوری رائے بیدار ہو جاوے۔ اور غفلت کی نیند سے جاگ اُٹھے۔

ای۔ چارلس بھٹی۔ ایم۔ اے
سیالکوٹ

تضمین مضمون بر مضمون مسٹر جے ڈینیل

مارچ کے مسیحی پرچہ میں ایک مضمون بعنوان "مسیحانِ ہند تباہی سے کسطرح بچ سکتے ہیں۔" مسٹر جے۔ ڈینیل کے قلم سے قلمبند شدہ بندہ کی نظروں سے گذرا۔ صاحب موصوف مسیحانِ ہند اور خاصکر دینی کارندوں مثلاً پادریوں اور مناددں کو علاوہ انجیلی کام کے صنعت و حرفت کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ایک پادری یا مناد کو ایک ملاّ کے ساتھ تشبیہہ دیکر مثل کمّی کے تصور فرماتے ہیں۔ مثال دیتے ہیں کہ ہمارے منجی خداوند خود بڑھئی تھے۔ مانا کہ یوسف کا پیشہ ترکھان کا تھا اور ہمارے منجی خداوند نے ایامِ طفولیت سے ۳۰ سال کے سن تک اپنے دنیوی والدین کے تابع فرمان ہوکر اُنکے کام میں اُنکا ہاتھ بٹایا ہوگا۔ لیکن انجیل مقدس اس بات کو ثابت نہیں کرتی۔ انجیل مقدس میں یہ ہرگز پڑھنے میں نہیں آیا کہ ہمارے منجی خداوند بشارتی کام بھی کرتے رہے اور ساتھ ہی بڑھئی کے کام کو بھی سرانجام دیتے رہے برعکس اسکے یہی پڑھنے میں آیا ہے کہ ۳½ سال کے عرصۂ قلیل میں وہ اسقدر خدمتِ الٰہی میں محو و مشغول رہے کہ بعض اوقات انکو سونے اور کھانے کی فرصت بھی نہ ملتی تھی۔

(۲) پولوس رسول کی بابت آپ تحریر فرماتے ہیں کہ وہ خیمہ دوزی کرکے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی حاجت کو پورا کرتے تھے۔ رسولوں کے اعمال میں ایک ہی مرتبہ پڑھنے میں آیا ہے کہ پولوس رسول نے جبکہ اُسکو کلیسیاؤں کی طرف سے کوئی امداد نہ ملی تو خیمہ دوزی کا کام کیا۔ لیکن کئی مرتبہ وہ اپنے تصنیف شدہ خطوط میں کلیسیاؤں کی شکر گذاری کرتا ہے جبکہ اُسکو کسی کلیسیا کی طرف سے مدد ملتی تھی۔ کیا یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ پولوس رسول بوقت سفر پھٹے پرانے خیمہ جات ہمراہ لئے پھرتا تھا۔ یا جہاں کہیں وہ تشریف آور ہوتا تھا اُسکے واسطے دریدہ خیمہ جات بہم پہنچائے جاتے تھے۔ کیونکہ اُسکی بشارتی زندگی کا قریباً تمام حصہ سفر میں ہی گذرا تو پھر وہ کیونکر

خیمہ دوزی کا کام کرسکتا تھا۔ وہ تو خود تحریر کرتا ہے "جو انجیل کی خدمت کرتے ہیں۔ انجیل ہی سے اسباب زندگی پاویں گے"۔

(۳) آنجناب ایک ناخواندہ اور اَن پڑھ مُلّا کی مثال دیتے ہیں۔ ملّا کے واسطے کوئی علم الٰہی کا سکول نہیں۔ ملّا کا کام محض اذان دینا اور عوام کو نماز کے واسطے مطلع کرنا ہوتا ہے اُسکا کام لیکچر یا سرمن دینا نہیں ہوتا۔ اُسکا کام اذان دینا ہوتا ہے جو اُسکو حرف بحرف ذہن نشین ہوتی ہے۔ اور روزمرہ بروقت نماز پکار چھوڑتا ہے۔

ایک پادری صاحب کو بروقت معینہ اپنی بھیڑوں کے واسطے نئی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ وسیع میدانِ چراگاہ (بائبل) میں خوراک ڈھونڈھتا پھرتا ہے یعنے ہر ایک عبادت کے واسطے اُسے نیا وعظ تیار کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں پادری صاحب جو کلیسیا کا پاسبان تصور کیا جاتا ہے وہ کلیسیا کی بھلائی اور بُرائی کا ذمہ وار ہوتا ہے۔ بیمار بھیڑوں کی بیمار پُرسی۔ غریبوں اور بیکسوں کی دیکھ بھال۔ یہ سب کچھ پادری صاحب کی ذمہ داری میں شمار ہے۔ ہم ایک ملّا کی ذمہ داری اور کام کو ایک پادری کی ذمہ داری اور کام سے تشبیہ نہیں دے سکتے۔ بالفرض ایک پادری موچی یا جُلا ہے کا پیشہ اختیار کرتا ہے۔ وہ سارا دن جوتیاں گانٹھیگا یا آپکی پاسبانی کریگا؟ اگر وہ کپڑا بُنے تو خریدار صاحبان کہتے ہیں کہ یہ کپڑا چار آنے گز کا ہے پادری صاحب کہتے ہیں نہیں چھ آنے گز بیچوں گا۔ آپ کہینگے دیکھئے صاحب! پادری صاحب بڑے طامع ہیں۔ زیادہ وصول کرتے ہیں۔ اسطرح سے آپ کے قسم قسم کے طعن وتشنیع کا ہدف ہوں گے۔ پادری صاحب جو ایک ممسوح شخص ہوتا ہے جب اس پیشہ وری کے جنجال میں پھنسکر دروغگو یا طامع کہلایا تو وہ اس الٰہی خدمت کے ناقابل سمجھا جائیگا۔

فرض کیا کہ ایک پادری راج کا کام کرتا ہے جیسا کہ صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں تو وہ پاسٹر صاحب کلیسیا کی بھلائی یا بُرائی کی بابت سوچیگا یا مارے مارے شہر بشہر تلاشِ معاش میں سرگرداں ہوگا۔ کیا عام لوگ پاسٹر صاحب کو پادری کہینگے یا راج کے نام سے منسوب کرینگے؟۔

مُلّا عوام النّاس کے کمّی سمجھے جاتے ہیں۔ اونکو بروز جمعرات یا روزمرہ روٹیاں

اکھٹی کرنے میں عار نہیں ہوتی۔ لیکن ایک پادری صاحب سے جو ایک گریجوایٹ یا انٹرنس پاس شدہ ہو ہم اس کام کی توقع نہیں کر سکتے۔ ہمارے پادری صاحبان ہمارے کمی نہیں تصور کئے جانے چاہئیں۔ بلکہ وہ ہمارے پاسبان اور رہبر ہیں ہیں انکی مدد کے واسطے جہانتک بھی ہو سکے کوشاں ہونا چاہئیے۔ کلام کی تعلیم پانیوالا تعلیم دینے والے کو سب اچھی چیزوں میں شریک کرے" گلیتون ۶ ۔ وہ جو گلہ چراتا ہے کیا وہ دودھ نہیں پیتا ہے۔

میرے خیال میں آنجناب کی آنکھوں میں ایک پادری یا پاسٹر کے واسطے وہ قدر و وقعت نہیں رہی جو زمانہ سلف میں شریعت کے ماتحت لاوی کے گھرانے کی تھی۔

آپ ایک متمول شخص ہیں۔ ایک مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر ہونیکے علاوہ تاجر بھی ہیں۔ آپ کے دو صاحبزادے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ کیا ہی بہتر ہو۔ اگر آپ ایک زندہ مثال قائم کر کے اس مضمون کو زیادہ مؤثر اور قابلِ تقلید بنائیں۔

والسلام

آپکا خادم۔ آئی شمس الدین بھٹی

از ٹینگسن آباد

عام اقتباس

(۱) شیطان نے منکرین کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

(۲) لفظ دنیا اُن تمام اشیاء پر حاوی ہے جو خدا کے مخالف ہیں۔

(۳) محسوسات کا اثر زیادہ تر اس انسان پر ہوتا ہے جس میں روحانیت کم ہو۔

(۴) ناپاک خیالات کا علاج پاک خیالات ہیں۔

(۵) بہترین تعلیم کے لئے تنہائی امر لازمی ہے۔

(۶) محبت اللہ حُبِ آدم ہے۔ حُبِ آدم فروغِ عالم ہے۔

(۷) تحقیق علم نورِ خدا ہے اور گنہگار نورِ خدا کو نہیں پا سکتا۔
(۸) جوانی کو غنیمت جان کیونکہ یہ ہمیشہ نہیں رہتی۔
(۹) اگر تو عزت چاہتا ہے تو رات کو جاگ اور اگر موتیوں کی تلاش میں ہے تو سمندر میں غوطہ مار۔
(۱۰) "نئی پیدائش" باوجود مخفی ہونے کے حقیقی ہے۔ خدا اسکو دیکھتا ہے۔ انسان اسکو حاصل کرکے اسکی حقیقت کو جانتا ہے اور دوسرے لوگ اسکو پہچانتے ہیں۔
(۱۱) خدا کے سچے فرزندوں میں ایک مخفی طاقت ہوتی ہے جو تمام آزمائشوں پر فتح پا سکتی ہے۔
(۱۲) چونکہ مسیح کی سرشت الٰہی ہے لہٰذا اُسکی روح دنیا سے خود مختار ہے۔
(۱۳) دنیا میں دو قسم کی چیزیں ہیں (۱) دیدنی۔ مثلاً موج لہر طوفان (۲) نادیدنی۔ مثلاً قوتِ کشش۔ قوتِ مقناطیس۔ جرِ ثقیل۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ دوسری قسم کی چیزیں نہایت طاقتور ہیں اور پہلی قسم کی چیزوں سے زیادہ اور تیز زور کام کرسکتی ہیں۔ یہی حال روحانی چیزوں کا ہے جو درحقیقت تو نادیدنی ہیں مگر ہیں زود اثر اور تیز زور۔ دیدنی کا اثر بھی دیدنی ہے اور نادیدنی کا اثر بھی نادیدنی۔
(۱۴) دانا آدمی اپنی ذات کے لئے بہترین نوکر اور مددگار ہے۔

حکومتِ ہند کے وسائلِ آمدن

مالیۂ ہند میں اصلاح اور ترمیم

اگست ۱۹۱۷ء کے تاریخی اعلان کی رُو سے ملک ہند میں بتدریج نیابتی حکومت رائج کرنا قرار پا چکا ہے اُسے عملی صورت دینے کے لئے کئی اہم امور میں ردّ و بدل لازم تھا۔ چنانچہ ایک کمیٹی نے انتخاب کنندوں کی صفاتِ انتخاب پر غور کیا۔ دوسری کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ گورنمنٹ کن کن شعبوں پر حکمران رہے۔ اور صوبائی گورنمنٹوں کے محکمہ کے لئے انتظام کون کون قرار دیئے جائیں۔ تیسری کمیٹی نے اوّل الذکر اور موخر الذکر کے وسائل آمدن کی تشریح اور تفریق کی کہ جس کے رُو سے مالگذاری انہار۔ آبکاری۔ جنگلات وغیرہ کی آمدن صوبوں کے حوالہ ہوئی۔ ریلوے محصولات بحری و انکم ٹیکس افیون۔ محصول نمک۔ ٹکسال وغیرہ کی آمدن گورنمنٹ ہند کے لئے مخصوص کی گئی۔ گورنمنٹ ہند کے سالانہ آمدن و خرچ کے تخمینہ کو بجٹ کہتے ہیں کہ جو یکم مارچ کو دہلی میں اسمبلی اور کونسل عالیہ میں ایک ساتھ پیش ہوتا ہے۔ سال رواں کا حساب ترمیم شدہ صورت میں اور اگلے سال تخمینہ مرتب کر کے منظوری کے لئے پیش ہوتا ہے۔ سوا ئے بعض رقوم کے باقی اخراجات کی منظوری اسمبلی سے لینا ضروری ہے۔ نئے ٹیکس بھی اسمبلی کی منظوری کے بغیر نہیں عائد ہو سکتے۔

مالیۂ ہند کی اقبال مندی کا منبع

ہمارے موجودہ وزیر مالیہ سر بیلی بلاکٹ اقتصادیات اور مالیات کے مشہور ماہر ہیں۔ ممدوح نے مالیات ہند میں نئی روح پھونک دی ہے۔ جب سے سیلف گورنمنٹ کا پہلا دور شروع ہوا ہے ہر سال خسارہ رونما ہوتا رہا۔ کہ جسے پورا کرنے کے لئے

دو سال میں چالیس کروڑ روپیہ کے نئے ٹیکس لگائے گئے۔ ریلوے کا محصول اور کرایہ اور محصولات بحر و بر اور ڈاک خانہ کے محصولات بڑہائے گئے۔ مگر مالیۂ ہند کی خوشحالی بارش پر موقوف ہے۔ اگر باقاعدہ اور باموقع بارش ہوتی رہے تو فصلیں خوب ہوتی ہیں۔ اور فصلوں کی خوشحالی اور تہنات پر تجارت خارجی اور نیز صنعت و حرفت موقوف ہوتی ہیں۔ چونکہ دو تین سال سے زراعت عمدہ حالت میں ہے اس وجہ سے تجارت میں ترقی رہی۔ اپریل ۱۹۲۴ء سے لیکر جنوری ۱۹۲۵ء تک دو ارب ساڑہے ۹ کروڑ روپیہ کا مال باہر گیا۔ اور ایک ارب ۴ کروڑ روپیہ کا مال درآمد ہوا۔ تو خیر ایک ارب ساڑہے تین کروڑ روپیہ کا فائدہ رہا ہے۔ ساڑہے ۱۶ کروڑ روپیہ کا سونا چاندی بھی غیر ملکوں سے آیا ہے۔ تجارت کی اقبالِ ہندی سے محصولات بحر و بر اور ریلوے کی آمدن وابستہ ہے۔ اور انکم ٹیکس بھی ایک حد تک تجارتی خوشحالی کا مرہون منت ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ بارش سے زراعت اور زراعت سے تجارت رونق پکڑتی ہیں۔ اور ان سب کی خوش حالی مالیہ میں منعکس ہوتی ہے۔

مالیۂ ہند میں اصلاح

مالیات ہند کے مسائل گوناگون اور بہت پیچیدہ ہیں۔ انکی اصلاح اور ترمیم کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ مگر سر بیلی بلاکٹ نے بہت معاملہ فہمی اور مآل اندیشی اور جسارت سے کام لیکر بعض اہم اصلاحات تجویز کی ہیں (۱) ریلوں کا حساب عام بجٹ سے جدا کر دیا گیا ہے اور اسے خالص بنیاگری اصول پر قایم کیا گیا۔ اسکے رو سے ریلوں کی آمدن اور خرچ برابر کر کے جو بچت ہوتی ہے وہ ان ہی کی ترقی پر خرچ کی جاتی ہے۔ خزانہ عامرہ کا نذرانہ پانچ کروڑ مقرر ہو چکا ہے۔ ریلوں کی آمدن کا تخمینہ پچھلے سال ۹۸ کروڑ روپیہ تھا جو صحیح ثابت ہوا ہے۔ اس میں سے ۶۴ کروڑ انتظامی اخراجات کے لئے۔ ۲۲ کروڑ ریلوں کے سرمایہ کے سود پر۔ سوا ستائیس کروڑ دیگر متفرق مصارف پر خرچ کیا گیا۔ باقی ساڑھے چار کروڑ خالص بچت رہی۔ اگلے سال کی آمدن کا تخمینہ ایک ارب ایک کروڑ روپیہ ہے۔ مارچ ۱۹۲۵ء میں ۳۸ ہزار میل ریلوے جاری ہے اور ۲۱۳۸ میل لائنیں تیار ہو رہی ہیں۔ ابتک چھ ارب کے قریب روپیہ ریلوں پر خرچ ہو چکا ہے (۲) ڈاک خانہ اور تار کا حساب بھی

تجارتی اصول پر قایم کیا گیا ہے۔ کیونکہ ریلوں کیطرح یہ بھی تجارتی محکمہ شمار ہوتا ہے سال رواں میں اس صیغہ سے دس کروڑ روپیہ آمدن ہوئی۔ (۳) صوبوں کے قرضہ کا فنڈ۔ صوبوں کو قرضہ دینے کے لئے ایک جداگانہ فنڈ قائم کرنے کی تجویز قریب قریب مکمل ہو چکی ہے کہ جس میں سے صوبوں کو عند الضرورت روپیہ دیا جائیگا۔ (۴) ملکی قرضہ کی ادائگی کا انتظام کیا گیا ہے۔ گورنمنٹ نے ریلوں اور نہروں کے لئے ولایت سے کئی ارب روپیہ قرض لے رکھا ہے۔ اور ملک ہند سے بھی کئی ارب روپیہ ملکی ضروریات کے لئے قرض لیا گیا ہے۔ کہ جسکی کل مقدار دس ارب کے قریب ہوگی۔ اسکی ادائگی کے لئے ایک محفوظ فنڈ قائم کیا گیا ہے کہ جس میں ہر سال چار کروڑ روپیہ جمع ہوتا رہیگا۔ اب کے چار کروڑ سے زیادہ رقم رکھی گئی ہے۔ ان اصلاحات سے ملک ہند رفتہ رفتہ مستفید ہوگا۔ مگر ابھی کئی اور مالی مسائل باقی ہیں کہ جنکی اصلاح بعد ازاں ہوگی۔

آمدن اور خرچ

گورنمنٹ ہند کی آمدن کے وسائل ریلوے۔ محصولات بحر و بر۔ انکم ٹیکس محصول نمک اور افیون وغیرہ ہیں۔ پچھلے سال کل آمدن کا اندازہ ایک ارب ۳۳ کروڑ تھا۔ اس میں صرف یہ دو بدل ہوا ہے کہ ریلوں سے چار کروڑ کی بجائے پانچ کروڑ سے زیادہ آمدن ہوئی۔ محصولات بحر و بر سے ۴۶ کروڑ کی بجائے ۴۴ کروڑ ۴۷ لاکھ روپیہ آمدن ہوئی۔ اور انکم ٹیکس محصول نمک اور افیون کی مدوں سے اندازہ سے کئی کروڑ روپیہ کم آیا۔ خرچ میں بھی کمی رہی جنگی مصارف سوا چھپن کروڑ ہوئے حالانکہ سوا ۵۹ کروڑ کا تخمینہ تھا۔ شرح تبادلہ کے ہیر پھیر میں بھی دو کروڑ روپیہ بچت رہی۔ اسطرح پر چار کروڑ روپیہ توفیر خالص بچت ہوگئی حالانکہ اندازہ صرف ۱۰ لاکھ کی بچت کا تھا۔ اخراجات میں سب سے بڑی رقم سول مصارف کی ہے۔ اور پھر جنگی خرچ کی رقم ہی بہت بھاری ہے۔ آمدن میں ریلوں کا نمبر اول ہے۔ محصولات بحر و بر کا درجہ اس سے اتر کر ہے۔ بڑھے ہوئے اخراجات میں لارڈ انچ کیپ کی کمیٹی نے تجاویز تخفیف وضع کی تھیں کہ جنہیں عملی صورت دینے کے لئے حکام نے بہت مستعدی ظاہر کی ہے ورنہ اب چار کروڑ کی بچت رونما نہ ہوتی۔ مالی مسائل میں ایک یہ ہے کہ صوبوں کا نذرانہ معاف کر دیا جائے تاکہ وہ صوبائی اصلاحات پر صرف ہو۔ چنانچہ اب کے مدراس یو۔ پی۔ پنجاب اور برہما کے نذرانوں میں متعدد تخفیف کیگئی۔ بنگال کے نذرانہ میں ۶۳ لاکھ کی تخفیف

آئیندہ تین سال تک اور کی گئی ہے۔ ہندوستان کے کپڑے کے کارخانوں کا امتناعی محصول منسوخ کرنے پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ مگر اسکی تنسیخ سے مٹھی بھر کارخانے داروں کو فائدہ پہنچیگا۔ لیکن صوبوں کا نذرانہ معاف کرنے سے کروڑوں آدمیوں کی بہتری کی ترقی ہونیکی توقع ہے۔ علاوہ ازیں اور مسائل بھی ہیں کہ جنکے تذکرہ کی سردست گنجائش نہیں ہے۔

تپ دق کے زنانہ مریضوں کے لئے المورہ کا سینیٹوریم ہو

یہ سینیٹوریم المورہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسکے ذریعہ سینکڑوں عورتیں اور بچے اس خوفناک مرض سے صحت یاب ہوگئے ہیں۔ اسکا انتظام قابل یورپین ہاتھوں میں ہے۔ اس میں ایک لیڈی ڈاکٹر صاحبہ اور ایک نرس یورپین ہیں۔ جو مریضوں کا خاص خیال رکھتی ہیں۔ اور اُن کے ساتھ بہنوں کا سا برتاؤ کرتی ہیں۔ ہر مریضہ مبلغ بائیس روپیہ دیتی ہے۔ اور اُس رقم میں اُسکو دودھ انڈے دوائی وغیرہ ملتی ہے۔ ڈاکٹر اور نرس اور نوکر مفت ملتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ جگہ مریضوں کے لئے ازحد سستی پڑتی ہے۔ ہر سوموار اور جمعرات کو انجکشن کئے جاتے ہیں۔ اور سوموار کو ہر مریضہ کا وزن کیا جاتا ہے۔ مریضوں کے لئے کھیل کے سامان بھی مہیا کئے جاتے ہیں۔ تفریح طبع کے لئے گراموفون وغیرہ بھی مہیا ہیں۔ اِن دنوں تقریباً ۲۰ بیس بیمار وہاں ہیں لیکن روپیہ کی قلت کی وجہ سے اس سینیٹوریم کو سخت ضعف آرہا ہے۔ اور اگر روپیہ نہ ملا تو اُسکو بند کرنا پڑیگا۔ لہٰذا صاحبِ حیثیت اصحاب سے اپیل کیجاتی ہے کہ اسکی مدد کریں۔ ترسیل زر یا میرے پاس یا سیدھا المورہ کردیں۔

پادری۔ این۔ ڈی جائلڈ۔ ڈالی گنج لکھنؤ۔

دی پنجاب کرسچن سنٹرل کواپریٹو بنک

لمیٹڈ لاہور

عرصہ تین سال کا ہوا کہ یہ بنک شہر لاہور میں کھولا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کے دیہاتی مسیحیوں کی مالی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ اس مؤمنٹ کے ذریعہ سے جو لوگ مسیحی مذہب میں شامل ہوتے ہیں اُنکی مالی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ خواہ زراعت پیشہ ہوں یا صنعتی یا حرفتی کاموں میں لگے ہوئے ہوں۔ ان لوگوں کو قرضی روپیہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ مسیحی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے جو بنئے بقال وغیرہ بے تحاشہ سود لے کر ان غریبوں کو روپیہ اُدھار پر دے بھی دیتے تھے وہ ابھی انکار کر رہے ہیں۔ اگر ہم لوگ اُن کی مدد نہ کریں تو یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے اس بنک کے ذریعہ سے شہری مسیحیوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ عمدہ سود کی شرح پر روپیہ امانت پر رکھوائیں۔ نیز بنک کے حصص خرید کر عمدہ ڈیویڈنڈس و منافع کماویں پچھلا ڈیویڈنڈ ۹ فیصدی شرح کے حساب سے دیا گیا تھا۔ پچھلے تین سال کے عرصہ میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ قرض دیا جا چکا ہے جو وقت مقررہ پر واپس آ رہا ہے اور تقریباً بارہ ہزار روپیہ سود امانت پر روپیہ رکھنے والوں کو پہنچ چکا ہے۔ سو یہ بات وہی ہے کہ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔ حصص کی قیمت مبلغ ۔ ۵ روپیہ ہے جو سہ ماہی انسٹالمنٹ (قسط) میں داجب الادا ہے جو علاوہ شرح سود امانتی روپیہ کے واسطے ذیل میں درج ہے۔

تین ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ جو علاوہ (زرجمع مستقل) کے واسطے	بشرح	۴ ½	فی صدی	سالانہ
۶	″	۵ ½	″	″
۱۲	″	۶ ½	″	″

پچھلا بالنس شیٹ منگوا کر بنک کی مالی حالت کا ملاحظہ فرماویں۔ بنک چلانے کے اخراجات نہایت کم ہیں سوائے ایک پورے وقت کے اکاونٹنٹ کے باقی سب عہدہ داران بلا اُجرت قومی خدمت کر رہے ہیں۔

المشتہر

بی ایل رلیارام منیجر و سیکرٹری ۔ وائی ایم سی اے لاہور

ریمی پریس لاہور نزد کوتوالی قدیم میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور بیلیئر مسٹر کے ۔ ایل رلیا رام نے شائع کیا۔

زیر سرپرستی پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس - لاہور
مسیحی
رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۶۸۰
Kashmir
Attock
Jhelum
Shahpur
Jhang
Multan
D.G. Khan
Chamba
Kangra
Hissar
Patiala
United Province
15
Bahawalpore State
Rajputana
ہندوستانی مسیحیوں کا مذہبی اخلاقی علمی و تمدنی ماہواری رسا
ایڈیٹر انچیف مسٹر کے ایل رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن ہائی سکو
ایڈیٹرز۔ ڈاکٹر آئی۔ یوناصر۔ ریٹائرڈ سول سرجن۔ لاہو
مسٹر ای۔ چارلس۔ بھٹی۔ ایم۔ اے۔

اشتہار کتب

مسیح کی زندگی اور تعلیمات پر چند سبق۔ مؤلفہ پادری ای۔ پی نیوٹن صاحب۔ خداوند یسوع مسیح کی سوانح حیات اور تعلیم پر ایک مکمل کتاب۔ ٹائٹل رنگین۔ صفحہ ۱۹۵ قیمت بائنڈ کل برائے نام ۲ ر۔ رومن اردو ۲ ر

مقدس کتاب کا احوال۔ حصہ اول۔ پرانا عہد نامہ یعنی بارتھ صاحب کی بائبل کی کہانیاں معہ تصاویر صفحہ ۱۶۵ ۔ ۴ ر

مقدس کتاب کا احوال۔ حصہ دوم نیا عہد نامہ معہ تصاویر صفحہ ۱۵۸ ۔ ۴ ر۔ رومن اردو ۔ ۴ ر

بائبل کی نقلیں اہل بائبل کی بولی میں۔ از پادری اولمن صاحب معہ تصاویر۔ حصہ اول پرانا عہد نامہ اردو میں۔ یہ حصہ ختم ہو چکا صرف رومن اردو میں موجود ہے صفحہ ۲۴۵ ۔ ۶ ر

بائبل کی نقلیں۔ بائبل کی بولی میں۔ حصہ دوم نیا عہد نامہ از اولمن صاحب اردو صفحہ ۲۰۰ ۔ ۶ ر رومن اردو صفحہ ۱۴۴ ۔ ۶ ر

بائبل کی کہانیاں۔ یہ کتاب بالخصوص ماس موومنٹ کے حلقوں میں استعمال کیلئے لکھی گئی ہے صفحہ ۶۶ ۔ ۲ ر

انجیل کی کہانیاں۔ مبتدی بچوں کے لئے۔ مؤلفہ مسز ایم۔ جے کشمین ہیون صاحبہ و مترجمہ مسز ایل۔ بی چیمبرلین صاحبہ پہلے سال کا کورس۔ صفحہ ۲۴۴ ۔ ۶ ر

انجیل کی کہانیاں۔ مبتدی بچوں کے لئے۔ مؤلفہ مسز ایم۔ جے کشمین ہیون صاحبہ و مترجمہ پادری ڈبلیو۔ جے بیکی صاحب۔ دوسرے سال کا کورس صفحہ ۳۹ ۔ ۸ ر

بائبل کی کہانیاں بچوں کے لئے۔ از مسز کینیڈی صاحبہ و مترجمہ مس سی شاہ صاحبہ معہ تصاویر صفحہ ۱۴۴ ۔ ۸ ر

پرانے عہد نامہ کی کہانیاں۔ مؤلفہ مسز ایل۔ بی چیمبرلین صاحبہ برائے طلبا۔ صفحہ ۱۴۴ ۔ ۳ ر

پرانے عہد نامہ کی کہانیاں۔ برائے مدرسین۔ اسمیں مدرسین کیلئے ہدایات دیگئی ہیں صفحہ ۱۶۴ ۔ ۴ ر

حالات و تعلیمات مسیح۔ انجیلوں کے الفاظ میں واقعات پیدائش و بچپن تعلیمات معجزات۔ دکھ۔ موت۔ قیامت اور صعود۔ صفحہ ۳۰ ۔ ۳ ر

بائبل کی کتابوں کا دیباچہ اور ان کے مضامین۔ پادری جے۔ آر ڈمیلو صاحب کی انگریزی تفسیر بائبل کے دیباچہ سے ترجمہ ہوا۔ صفحہ ۲۵۲ ۔ دو روپیہ۔

المشتہر

سکرٹری۔ پنجاب رلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور

Babu Ishan Chunder Singha
of
Batala

فہرست مضامین

کل خط و کتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام مسٹر کے۔ ایل رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل سکول ہونی چاہیئے۔ باقی خط و کتابت و ترسیل زرچندہ عطیہ وغیرہ بنام مسٹر ٹی۔ خان۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی مینجر رنگ محل مشن سکول لاہور ہونی چاہیئے۔

قیمت سالانہ پیشگی معہ محصول ڈاک دو روپے آٹھ آنے (عہ/)

۵۰ سے کم آمدنی والوں کے لئے فقط دو روپے (عہ)

یادِ رفتگان

پادری ارسد ہو جو خداوند مسیح کے چنے ہوئے سپاہی تھے عرصہ تک بیمار رہ کر ۵ مارچ ۱۹۲۵ء کو بوقتِ شب نو بجے آرامِ جاودانی میں ہمیشہ کے لئے سوگئے مرحوم نے تقریباً ساڑھے تریسٹھ برس کی عمر پائی۔ آپ بڑے متدین اور مسیحی مذہب کے محقق تھے۔ آپکا دماغ لطیف اور فلسفیانہ تھا۔ اور آپ نے سالہاسال کی محنت شاقہ سے غیر مذاہب کا محققانہ مطالعہ کرکے بہت سی کتب تصنیف کیں۔ مرحوم مدت دراز تک اخبار نور افشاں کے مدیر رہے۔ باوجود ان تمام صفاتِ حسنہ کے آخری دم تک "ازلی نور" کی روشنی میں چلتے رہے۔ خدائے قدوس مرحوم کے جملہ لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

مسٹر جے۔سی سنگھا تحصیلدار بٹالہ کی صاحبزادی مس بالاسنگھا کا انتقال جملہ ناظرین مسیحی کے لئے باعث افسوس ہے۔ ہم مسٹر سنگھا سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ خداوند خدا مرحومہ کی روح کو جلالی نور سے منور کرے ✦

بڑی خوشی کا مقام ہے کہ مسٹر ایچ ایل فیلبوس۔ ای۔ اے۔ سی منٹگمری سے لاہور میں سپیشل ڈیوٹی پر تعینات ہوئے ہیں۔ جناب والا کی حسن کارگزاری اور دیانتداری منٹگمری میں شہرۂ آفاق تھی اور لاہور کی خاص خدمت پر تعیناتی مسیحی قوم کے لئے باعث فخر ہے ✦

جملہ مسیحی قوم اس خبر کے پڑھنے سے خوش ہوگی کہ سال گذشتہ میں ریلیجس بک سوسائٹی لاہور کی سوا دو لاکھ کی بکری ہوئی ہے جس سے خاطرخواہ منافع کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ بفضلہ لاہور کی بڑی بڑی دوکانوں اور فرموں کے مقابلہ میں یہ سوسائٹی معیار ترقی کی شاہراہ پر اعلیٰ درجہ حاصل کرچکی ہے۔ یہ تمام ترقی اور کامیابی مسٹر ایف۔ ڈی وارث کی حسنِ تدبیر اور دماغی محنت پر منحصر ہے۔ اور وہی مبارک بادی کے مستحق ہیں ✦

نوٹ اور رائیں

(از ع۔ آ۔ ن)

قدیم سرہند میں مسیحی سیمنری۔ ۱۸۸۱ء میں کپتان الیف ولفورڈ صاحب نے ایک مضمون بعنوان "ہندوستان میں مسیحی مذہب کا آغاز اور زوال" بنگال کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں شائع کیا۔ جو قدیم ہندوستان میں مسیحیت کی تاریخ کے محققوں کے لیئے نہایت دلچسپ تحریر ہے۔ اس مضمون کا پہلا حصہ جس میں صاحب موصوف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہندوستان اور روما میں مسیح کی آمد کی کیا کیا پیشین گوئیاں اور تبدیلیاں پائی جاتی تھیں بہت کچھ قیاسی اور بناوٹی ہے۔ مگر دوسرے حصے میں تواریخی واقعات کے رو سے دکھایا گیا ہے کہ ہندوستان میں ابتدائی مسیحی صدیوں سے نہ فقط غیر ممالک کے مسیحیوں کی آمد و رفت رہی ہے۔ بلکہ جنوبی ہند میں شاداً کلیسائیں بھی قائم ہو گئیں اور گرجے بھی جابجا تعمیر کیئے گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ابی سینیا کے ساحل پر مقام ادولی کا بشپ موسیوس چوتھی صدی کے آخری حصے میں شمالی ہند میں آیا۔ ہمارے لیئے اس سے بھی دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ پانچویں صدی میں سرہند میں مسیحیوں کی ایک سیمنری موجود تھی۔ ۵۳۶ء میں دو راہب سرہند سے اپنے ملک کو واپس گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن ایام میں سرہند ہندوستان خاص کا مشہور سرحدی مقام تھا۔ اور کہ اس جگہ مسیحیوں کی معقول آبادی ہو گی۔ تعجب کی بات ہے کہ اُن ابتدائی صدیوں میں نہ فقط ہندوستان میں کلیسیائیں موجود تھیں بلکہ کئی ایک ہندوستانی مسیحی بشپ کے جلیل القدر عہدے پر ممتاز کیئے گئے۔ ابتدائی ایام میں انطاکیہ کے بزرگ اعظم نے رامجیرس (رام گر؟) ایک ہندوستانی مسیحی کو ہندوستان بھر کا لاٹ پادری مقرر کیا۔ اس قسم کے واقعات کے لحاظ سے یہ مضمون نہایت قیمتی اور دلچسپ ہے۔ امید ہے کہ اسکا خلاصہ کسی آئندہ نمبر میں ہدیۂ ناظرین کیا جائیگا۔

مسیحی درسگاہوں کا کلیسیا کی زندگی میں کیا پایہ ہے۔ ۹۔ کنیارڈ کالج لاہور کی قابل

وائس پرنسپل مس کے سرکار صاحبہ کے قلم سے نکلا ہوا اس عنوان کا ایک مضمون نیشنل کرسچن
کونسل ریویو میں شائع کیا گیا ہے جس میں راقمہ نے اول اس امر پر بحث کی ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے
کہ موجودہ مشنری درسگاہوں میں مسیحی بچوں کی تعلیم کلیسیائی اور ملکی ضروریات کے مناسب حال
نہیں ہے اس میں کہاں تک راستی ہے۔ آپ کے خیال میں جو الزام ہمارے سکولوں کی
تعلیم و تربیت پر لگایا جاتا ہے کہ اُن میں مغربی خیالات اور عادات اور تہذیب کا زور
اس درجے تک ہے کہ ہم اپنی قومیت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ تبدیل مذہب کے ساتھ
ہندوستانی کلیسیا کے ابتدائی زمانے میں ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ جب کوئی شخص مسیحی
مذہب اختیار کر لیتا تھا تو وہ اُن ملکی رسوم و رواجات سے جو مذہبی بنا پر قائم ہیں قطع تعلق
کر لینا اپنا فرض سمجھتا تھا اور اپنے خاندان سے راندہ ہو کر مشنریوں کی کشتی میں پناہ لیتا
تھا۔ جب مسیحی مدارس قائم کئے گئے تو پہلے معلم قدرتی طور پر مغربی اشخاص تھے۔ ان سکولوں
کے ہندوستانی مسیحی بچے اُن کے خیالات سے ایسے متاثر ہو گئے کہ مغربی تہذیب اُن کے
رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی۔ یہی تہذیب وہ اپنے اپنے گھر کو لے گئے جس کا اثر مسیحی جماعت
میں نظر آتا ہے۔ مگر یہ اثر سراسر نقصان دہ ثابت نہیں ہوا۔ اس نے اٹھتی ہوئی کلیسیا
میں تعلیمی اور معاشرتی اور حرفتی اور قومی اور بین الاقوامی معاملات کے متعلق ایک نئی روح
پیدا کر دی ہے۔ اس نے مسیحی جماعت کو مشرقی اور مغربی اقوام کے درمیان اتحاد کا ذریعہ
بنا دیا ہے۔ مگر اس مغربیت کی رَو کو ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ اس وقت
مسیحی مدارس میں دو کمزوریاں نظر آ رہی ہیں۔ اول اُن کی فضا اور شخصیت بہت کچھ مغربی ہے۔
اس کا علاج یہ نہیں کہ سراسر ہندوستانی طور طریقے اختیار کئے جائیں۔ بلکہ یہ کہ مشرق اور مغرب
کے مرد اور عورتیں مل کر مدارس میں ایسی زندگی اور فضا پیدا کریں جو دونوں کے بہترین تجربوں کا
ماحصل ہو۔ دوسری کمزوری ہماری درسگاہوں میں یہ ہے کہ مسیحی مدارس اور کلیسیا میں
باہمی ربط و ضبط نہیں۔ یہ خصوصاً لڑکیوں کے سکولوں میں نمایاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معلم
مسیحی جماعت کی ضروریات سے ناواقف رہتے ہیں اور اُدھر والدین کے دل میں اپنے
بچوں کی تعلیم گاہوں کی نسبت دلچسپی پیدا نہیں ہوتی۔ اسکا علاج یہ تجویز کیا گیا ہے
کہ مسیحی والدین سکولوں کے معلموں کو گاہ بگاہ اپنے گھروں میں بُلا کر دو ایک دن اپنے
ساتھ رکھیں۔ اسکے لئے سوائے پانی کو کھولانے اور کھانے میں مرچوں کی تعداد کو کم کرنیکے

کسی خاص تیاری کی ضرورت نہیں۔ بعض مشنریوں کو اپنی تیس سالہ خدمت میں یہ موقع نصیب نہیں ہوا کہ کسی مسیحی خاندان میں ایک دن بھی بسر کریں۔ اور اُسکے شرکا سے تعارف اور واقفیت پیدا کر کے انکی ضروریات کا علم حاصل کریں۔ اُدھر یہ بھی ضرور ہے کہ درسگاہوں کے منتظم بچوں کے والدین یا دیگر مسیحیوں کو ایک یا زیادہ دن کے لئے اپنے سکولوں میں قیام کرنے کی دعوت دیں تاکہ وہ بچشم خود مدرسے کی اندرونی زندگی اور حالات سے آگاہ ہو جائیں۔ ان تجاویز پر عمل کرنے سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائیگا اور مسیحی بچوں کی تعلیم میں خاطر خواہ ترقی ہو گی۔

...

ہندوستانی کلیسیا کی ضروریات۔ ہماری کلیسیا کے کئی ایک طبقے ہیں اور ہر طبقے کی ضروریات بھی ایک دوسرے سے متفرق ہیں۔ نسبتاً تعلیم یافتہ اور شہری مسیحیوں کی ضرورتیں دیہاتی مسیحیوں سے زیادہ اور مختلف ہیں۔ مثلاً ہمیں ضرورت ہے ایک کوآپریٹو سوسائٹی کی جو کلکتہ کی کرسچن کوآپریٹو سوسائٹی لمیٹڈ کے نمونے پر ہو۔ یہ انجمن باضابطہ رجسٹری شدہ ہے۔ ممبران اس میں زرامانت جمع کرا سکتے ہیں اور منافع میں شریک ہوتے ہیں۔ تین ماہ کی ممبری کے بعد ہر شخص کسی خاص حد تک سوسائٹی سے روپیہ قرض لے سکتا ہے۔ سال گذشتہ میں ہم نے اسکی بابت پڑھا کہ اس سوسائٹی کے ساتھ ایک ایجنسی بھی قایم کی گئی ہے جس سے ہر مسیحی سستے داموں مال خرید سکتا ہے۔ لاہور میں ہر قسم کے مسیحیوں کی تعداد قریب آٹھ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس قسم کی سوسائٹی اس شہر میں کیوں کامیاب ثابت نہ ہو۔ کلیسیا کو سخت ضرورت ہے مسیحی اہل حرفت اور پیشہ وروں کی جو دیانتداری سے اپنی خدمات کو انجام دے سکیں۔ اگر ہمیں اپنی جماعت میں اچھے باورچی۔ دہوبی وغیرہ دستیاب ہوسکیں تو ہم کیوں غیر مسیحی ملازموں کی نازبرداری کریں۔ اسکے ساتھ ایسے مرکزی دفتر ہونے چاہئیں جن میں مسیحی متلاشیان روزگار کی فہرست ایک رجسٹر میں درج کیجائے۔ اور بوقت ضرورت اُنکو نوکری دلائی جائے۔ مدراس میں جہاں انگریزی خواں پاسٹر اور مسیحی کارندے کافی تعداد میں ہیں ایک لائبریری فرقہ تو کر کے شرکا نے قایم کی ہے جسمیں سے وہ لوگ کتابیں عاریتاً لے سکتے ہیں۔ ہمارے صوبے میں اس قسم کی انگریزی کتب کے پڑھنے والے تھوڑے ہیں۔ مگر کیوں اُردو اور ہندی

مسیحی کتابوں کے ساتھ غیر مذاہب کی کتابیں جمع کر کے لاہور جیسے مرکزی مقام میں ایک لائبریری قایم نہ کیجائے جہاں سے مسیحی کارندے کتابیں عاریت لے کر اپنی معلومات کو بڑھا سکیں۔

کشمیر میڈیکل مشن کی سالانہ رپورٹ۔ ڈاکٹر ارنسٹ نیو صاحب اپنی مختصر مگر دلچسپ رپورٹ میں فرماتے ہیں کہ سرینگر مشن ہسپتال میں سنہ ۱۹۲۴ء میں مریضوں کی مجموعی تعداد ۱۵۱،۹۰ تھی اور نئے بیرونی مریضوں میں پچیس فیصدی جراحی کے عمل کے لئے آئے۔ کشمیر کی ریاست میں گو سٹیٹ میڈیکل سروس کے ذریعے نہایت اعلیٰ درجے کا کام ہو رہا ہے مگر میڈیکل مشن کو یہ خاص فائدہ حاصل ہے کہ علاوہ دُکھ اور بیماری کا علاج کرنے کے وہ عوام کے سامنے مسیحی ایمان کو بھی پیش کر سکتے ہیں۔ ہسپتال میں بشارتی اور طبی خدمات کے علاوہ ریاست کے جذام خانے کا کام بھی میڈیکل مشن کی زیر نگرانی کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر نیو صاحب ایک نوٹ میں فرماتے ہیں کہ ۲۷ سال کا عرصہ گزرا جب میں پہلے پہل کشمیر میں آیا تو تپ دق کے مریض سال میں بمشکل دو یا تین نظر آتے تھے۔ اب یہ مرض بہت بڑھ رہا ہے۔ ہم تپ دق کے مریضوں کو اپنے جنرل ہسپتال میں دو ہفتوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ باقی مریضوں کو اس متعدی بیماری کے لگ جانے کا اندیشہ ہے ہم بارہ سال سے متواتر کوشش کر رہے ہیں کہ ریاست کیطرف سے ایسے مریضوں کیلئے ایک علیحدہ ہسپتال بنایا جائے۔ جذامیوں کے لئے تو ہماری سالہا سال کی جدوجہد کامیاب ہو چکی ہے۔ اور ایک علیحدہ جذام خانہ جھیل ڈل کے ایک خوبصورت کونے پر سٹیٹ نے تعمیر کروا دیا ہے۔ اور اب جذامیوں کے تندرست بچوں کے لئے مکان بن رہا ہے۔

جزیرہ فیجی میں تعلیم کا انتظام۔ جزیرہ فیجی کی آبادی کا قریب نصف حصہ وہ لوگ ہیں جو ہندوستان سے بطور مزدوروں کے وہاں جا کر بس گئے ہیں۔ انکے بچوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اب آسٹریلیا کے میتھوڈسٹ مشن کی طرف سے سیالکوٹ کے مسٹر حاکم دین تعلیمی مدارس قایم کرنے کی غرض سے پانچسال کے لئے اُس جزیرہ میں تشریف لے گئے ہیں۔

بمبئی میں اسسٹنٹ بشپ کا تقرر۔ اخبار گارڈین رقمطراز ہے کہ بتاریخ ۲۲ مارچ ۱۹۲۵ء پادری فلپ لائنڈ صاحب کا اسسٹنٹ بشپ کے عہدے پر تقرر ہندوستان میں کلیسیائے انگلستان کے اسقفی انتظام کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ ہے۔ ہندوستان کے بشپ صاحبان شروع سے اسسٹنٹ بشپوں کے تقرر کے خلاف رہے ہیں۔ کیونکہ جب ہندوستانی لوگ ایسے عہدوں پر مقرر ہوں گے۔ اور بشپ صاحبان یورپین ہوں گے تو اس سے قومی امتیاز کا سوال پیدا ہو جانیکا اندیشہ پیدا ہو جائیگا بدقسمتی سے ہندوستان میں اسقفی انتظام کی ترقی کی رفتار نہایت مدہم رہی ہے چنانچہ ۱۸۱۴ء سے جب اس ملک میں اوّل بشپ مقرر ہوا فقط ایک ہندوستانی اس عہدے پر ممتاز کیا گیا ہے۔

ضروری خبریں

دوآبہ کنونشن جالندھر کے موقع پر مسٹر ایم۔ این۔ ہوز کی خدمات قابل اعتراف ہیں آپ کنونشن کی روح رواں تھے۔ آپنے خصوصاً مہماں نوازی میں بڑا حصہ لیا۔ ہم ہوز صاحب کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

خوشخبری۔ جملہ ناظرین یہ فرحت افزا خبر سنکر محظوظ ہوں گے کہ پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس کو منٹگمری میں اراضی حاصل کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے جیساکہ سب کو معلوم ہے گورنمنٹ کی زمین تین حصوں پر منقسم ہے۔ اور پہلی تقسیم میں ہم نے ایک ہی ٹنڈر دیا تھا جسکی رو سے کامیابی حاصل ہوئی۔ چک ۲۹ میں جو چیچاوطنی سے چھ میل کے فاصلے پر ہے ۳۰۶ ایکڑ زمین حاصل ہوئی۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے زمین بہت اچھی ہے۔ اور چک ۳۰ بھی جس میں عیسائیوں کی آبادی ہے نزدیک ہے بستی کی جگہ کانفرنس تجویز کر رہی ہے۔ تھوڑے دنوں تک جب سوسائٹی بن جائیگی تو قبضہ کرلیا جائیگا۔

وفد کی باریابی۔ بتاریخ ۱۰۔ اپریل ۱۹۲۵ء کانفرنس کی طرف سے ایک وفد آنریبل سردار سندر سنگھ مجیٹھہ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں مفصلہ ذیل اشخاص

شامل تھے:- پادری کینن گلفورڈ صاحب پردھان وفد۔ کانگڑہ۔ ڈاکٹر جے۔ اے میکانلے۔
و پادری بی۔ ایم۔ راٹے گجرانوالہ۔ پادری رابرٹ ہکسویل صاحب ٹکسلا۔ مسٹر آئی۔ جے انگلز
لاہور۔ مسٹر الیف ڈی وارث لاہور۔ پادری اے وی ٹھاکر داس لاہور۔ ڈاکٹر آئی یو
تامر لاہور۔ مسٹر کے ایل رلیارام لاہور۔ مسٹر پی این ودھاوا ال کلارک آباد۔ پادری و زیر چند
صاحب بوجہ علالت شامل نہ ہو سکے۔ پادری کینن گلفورڈ صاحب نے وفد کے تمام
ممبروں کا تعارف باقاعدہ طور پر سردار صاحب ممدوح سے کرایا۔ بعد ازاں مسٹر کے ایل
رلیارام نے زمین کے بارے میں کانفرنس کی تجاویز پیش کیں۔ سردار صاحب موصوف
نے تمام باتوں کو بغور سننے کے بعد نہایت خوش خلقی سے جواب دئے جن سے کامیابی
کی پوری توقع ہے۔ اسی ضمن میں جناب معلی القاب بشپ صاحب لاہور کی چٹھی
کا ترجمہ جو انہوں نے کمال مہربانی سے مرحمت فرمائی ناظرین با تمکین کی ظرافتِ
طبع کے لئے مندرج کیا جاتا ہے:-

(ترجمہ) "مسٹر کے ایل رلیارام صدر پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس نے ۱۴ اپریل ۱۹۲۵ء
کو بوقت صبح مجھ سے ملاقات کی۔ اور اثنائے ملاقات میں کانفرنس کی ایک
نہایت اعلیٰ تجویز کا ذکر کیا جسکا مقصد ہندوستانی عیسائی کاشتکاروں کو مالک
اراضی بنانا ہے۔ دیہاتی ہندوستانی عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد بلحاظ تربیت کاشتکار
اور زمین کے خواہشمند ہیں۔ اور زمین کی خود کاشت کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ اکثر درخواست
کنندگان برائے حصول اراضی رغبت ظاہر کرتے ہیں۔ خریداری بامیدِ منافعت نہیں چاہتے
پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس ایک مضبوط جماعت ہے اور صوبہ پنجاب کے تمام ہندوستانی
عیسائیوں کی نمائندہ ہونیکے باعث کثیر کلیسیاؤں کے تابعین پر مشتمل ہے اور جسکی بنیاد
ایک مضبوط اور نمائندہ انتظامیہ کمیٹی پر ہے۔ میرے خیال کے مطابق کانفرنس کی
یہ تجویز ہے کہ یہی ایک جماعت ہو جسکے توسّل سے ٹنڈرز برائے حصولِ اراضی گورنمنٹ
کی خدمت میں پیش کئے جاویں۔ ہر ایک گروہ کے ممبروں کے انتخاب کرنے میں جنہوں نے
ٹنڈرز دئے ہیں کانفرنس بڑی محتاط ہے اور انکی قابلیت ادائے قرضہ و صفات بطور
ماہر کاشتکاران کی بابت اپنے تئیں یقین دلانے کی کوشش کرتی ہے۔
کانفرنس بڑی احتیاط سے ہر ایک زمرہ میں اعلیٰ حیثیت اور مالیت کے

ایسے اشخاص شامل کر رہی ہے جو زمین کے انتظام کرنے میں انکی رہنمائی کر سکیں۔ نیز ہر ایک جماعت کا انتظام اشتراکی بنیاد پر کیا جائے گا۔ میری رائے میں اور کوئی تجویز ایسی متوقع نہیں ہو سکتی جو اغلباً مناسب لوگ زمین پر متمکن کرنے میں اس سے اچھے نتیجے پر پہنچے۔ میں صاحب اختیار اشخاص کی خدمت میں اس تجویز کی تہ دل سے سفارش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔

دستخط جناب لارڈ بشپ لاہور

مسٹر جے۔ سی چیٹرجی پرنسپل سینٹ سٹیفن ہائی سکول دہلی عیسائیوں کیطرف سے میونسپل کمیٹی کے ممبر نامزد کئے گئے ہیں۔ فی الواقع صاحب موصوف ایسی عزت افزائی کے لائق ہیں۔ اور امید کیجاتی ہے کہ آپ کی ذات بابرکت قوم کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرے گی۔

سلسلہ کے لئے صفحہ ۱۶ دیکھو

سلسلۂ مشاہیر قوم

ایڈیٹر انچیف

مرحوم مسٹر اشان چندر سنگھا کی زندگی کے حالات

ہم موجودہ نمبر میں مسٹر اشان چندر سنگھا کی زندگی کے حالات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ آپ کی شخصیت بڑی زبردست اور پنجاب کے مسیحیوں کے لئے نمونہ تھی۔ صاحب ممدوح کی قابل تحسین کلیسیائی اور تعلیمی خدمات ہم کو مجبور کرتی ہیں کہ آپ کے ذکر خیر سے "مسیحی" کے اوراق کو مزین کیا جاوے۔ مسٹر سنگھا مرحوم کے حالات زندگی کو پڑھ کر موجودہ نسل کے نوجوان اپنے مطمح نظر کو ارفع و اعلیٰ بنا سکتے ہیں +

مسٹر سنگھا نے ۱۸۳۴ء میں ایک بنگالی شریف خاندان میں جنم لیا اور ۱۸۵۳ء میں بپتسمہ پایا جبکہ کلکتہ کی آزاد کلیسیائی تعلیم گاہ میں زیر سایہ شہرۂ آفاق ڈاکٹر ڈف تلمیذ تھے۔ ۱۸۵۷ء میں طلائی تمغہ حاصل کیا جو کہ اس زمانہ میں سب سے بڑا

مئی ۱۹۲۵ء

مسیحی

تعلیمی اعزاز تھا جو کلکتہ کا اولین تعلیمی بیت العلم عطا کر سکتا تھا۔ آپ نے کچھ عرصہ تک بانس باریہ میں جو ہگلی کے قریب ہے بطور سکول ماسٹر کام کیا۔ اور ۱۸۷۰ء میں شادی خانہ آبادی کی +

پانچ سال بعد بنگالی عیسائیوں کی امدادی فوج میں شریک ہوئے جس میں پادری گولک ناتھ جالندھری۔ ڈاکٹر کے سی چیٹرجی ہوشیار پوری اور بعض دیگر اصحاب شامل تھے جنہیں کلکتہ کے مشنری صاحبان نہایت فیاضی سے ذرائع مہیا کرتے تھے تاکہ پنجاب کی ابتدائی کلیسیائی نشوونما میں امداد دیں۔ آپ ایک سال تک چرچ مشن سکول نارووال میں جو عرصہ دراز تک چرچ مشنری سوسائٹی کا صدر مقام رہا بعہدہ ہیڈ ماسٹری ممتاز رہے +

۱۸۶۶ء میں آپ کی تعیناتی سی ایم ایس ہائی سکول امرتسر میں ہوئی جہاں آپ نے بارہ سال سے زیادہ بڑی برکت سے کام کیا۔ ۱۸۸۸ء میں مشہور پادری الف ایچ بیرنگ صاحب کی امداد کے لئے بلائے گئے جو بٹالہ کرسچن بوئنیر بورڈنگ سکول کے سابق پرنسپل تھے۔ اور جنکے نام نامی سے سکول مشہور ہے۔ اس اسامی پر مسٹر سنگھا نے تقریباً ایک ربع صدی تک محنت دانائی اور وفاداری کے ساتھ کام کیا جس سے آپ کا نام پنجاب کی کلیسیاؤں اور بٹالہ کے ہر ایک فرقہ کے لوگوں میں زبان زد خلائق ہوگیا +

باوجود سکول میں محنت شاقہ کے آپ میونسپل کمیٹی میں کچھ عرصہ کے لئے بطور وائس پریزیڈنٹ اور میونسپل کمشنری کا کام عمر بھر انجام دیتے رہے۔ آپ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مرتے دم تک نہایت ہر دلعزیز تھے۔ آپ کا گھر بہت سے بے یار و مددگار لڑکے اور لڑکیوں کی پناہ گاہ تھا۔ آپ کی نیک مثال اور اثر کا احساس پنجاب اور صوبہ سرحدی کی مشنوں میں آجتک بڑے زور شور سے کیا جاتا ہے +

اُن کی زندگی اور چال چلن کا خلاصہ صرف دو لفظوں یعنی ہمدردی اور دانائی میں ادا ہوسکتا ہے جنکے ساتھ تیسرے لفظ "مسیحیت" کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ وہ صادق دوست اور دانا مشیر تھے اور ہم اُن کی عدم موجودگی کو نہایت اہم طور سے محسوس کرتے ہیں +

بروزِ عیدِ ظہور یعنی چھ جنوری ۱۹۰۳ء کی صبح کو عزیز بزرگ مسٹر آئی سی سنگھا ہیڈماسٹر بیرنگ ہائی سکول بٹالہ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے اپنے خداوند منجی مسیح کے پاس ابدی آرام میں داخل ہو گئی۔

بباعث کمزوریٔ صحت مسٹر سنگھا نے کچھ عرصہ پہلے اپنے فرائض سے سبکدوشی کے لئے استعفاء دے دیا تھا۔ جبکہ انکی جسمانی طاقتیں ناکارہ ہو رہی تھیں تو وہ آئندہ دنیا کے لئے تیاری کر رہے تھے اور باوجود نکاہت جسمانی کے اولڈ بوائیز ری یونین کے موقعہ پر ۳۱ دسمبر ۱۹۰۳ء کو حاضر تھے اور انکے عزیز بچے گھر پر مہمانوں کی خاطر و مدارات میں بدل و جان مشغول تھے۔ چونکہ دل پہلے ہی کمزور تھا بوجہ سردی پھیپھڑے کی سوجن ہو گئی جس سے جان بر نہ ہو سکے۔ ان کے اپنے قول کے مطابق موت کی تلخی گذر چکی تھی۔ اور صرف اسکا سایہ ہی باقی رہ گیا تھا۔ اور انتقال کرنے کا دن ان کے لئے سچ مچ عیدِ ظہور ہی تھا یعنی خداوند کی حضوری کا اظہار جسکو زمین پر ہی بزورِ ایمان معلوم کر لیا تھا۔

مسٹر سنگھا نے اپنے تمام بچوں سے مطمئن اور پُر از محبت الوداع کہی جو انکے لئے اور بٹالوی محبوں کے لئے باعثِ شکر گزاری تھا کہ وہ اپنے عزیز کی آخری نصیحت کو سن سکے جسکی زندگی مسیح کی صداقت کے لئے مستقل گواہی اور موت خداوند میں خوشگوار نیند تھی۔ ع = وہ جو نیر اعاشق زار تھا تہِ خاک اُسکو سلا دیا۔

بروز جمعرات ۸ جنوری کی راحت بخش شام کو مسیحی بہادر مسٹر سنگھا مرحوم متصف بہمہ صفات بٹالہ کے پرانے قبرستان میں اپنی جان نثار بیوی کے پہلو میں جنکا انتقال ۱۸۹۰ء میں ہوا تھا اور اپنی قدیم دوست اے۔ ایل۔ او۔ ای یعنی مس سی ایم ٹکر کی دائمی آرامگاہ کے قریب ترین جو کہ گذشتہ ایام میں بٹالہ کی سی۔ ای۔ زیڈ ایم ایس کی پہلی آنریری مشنری تھیں مدفون ہوئے۔ صبح کی ریل گاڑیاں لاہور۔ امرتسر اور دیگر مقامات سے تقریباً سو سے زیادہ اشخاص کھینچ لائیں۔ جو اپنے دیرینہ بہی خواہ اور دوست کو اپنی دلی محبت اور عزت کا آخری خراج ادا کرنے کے لئے تشریف آور ہوئے۔

مرحوم بٹالہ کے طلباء کی چند در چند نسلوں کے روحانی باپ اور بیرنگ سکول کی

بنیاد یعنی ۱۸۸۰ء سے لیکر ہر ایک پرنسپل کے معزز اور معتمد ہم منصب تھے۔ نماز جنازہ کے موقع پر سی ایم ایس کے دس پادریوں نے جنہیں ہندوستانی اور یورپی دونوں شامل تھے مرحوم کے دوستوں اور رشتہ داروں کے جلوس کا جو انکی نعش کو اُٹھائے ہوئے تھے سکول کے پھاٹک پر استقبال کیا۔ پادری ووڈ صاحب نے دعا کے ابتدائی کلمات پڑھے۔ بہت سے حاضرین کو گرجے کے اندر جگہ نہ مل سکی۔ گرجے میں پُر تاثیر عبادت کے بعد ایک طویل جلوس جسکے آگے آگے پادری صاحبان تھے قبرستان کی طرف بڑھا۔ پھولوں سے ڈھکے ہوئے تابوت کو طلباء اور دیگر احباب اٹھائے ہوئے تھے نوحہ گروں اور رفقا میں عیسائی اور غیر عیسائی دونو شامل تھے۔ حاضرین نے وہ آخری گیت جو مرحوم نے مرتے وقت سنا تھا گایا "کیا تو تھکا ہوا ہے؟ اطمینان! مکمل اطمینان" بقبر پر مفصلہ ذیل صاحبان نے دعا میں حصہ لیا۔ "پادری احسان اللہ جو لدھیانہ کے قائم مقام تھے" پادری ویڈ جو پنجاب کی سی ایم ایس کے مشنریوں سے بزرگ ترین تھے۔ پادری ڈاکٹر ڈبلیو سٹینٹن صاحب نے مسٹر سنگھا کی بنگال میں ابتدائی زندگی۔ ڈاکٹر ڈف صاحب کے زیر اثر مذہب کی تبدیلی پنجاب میں نارووال امرتسر اور بٹالہ کی حسن خدمات پر ایک مختصر سا ایڈریس دیا اور پادری گورڈیل صاحب نے برکت کے کلمات کہکر جنازہ ختم کیا +

بعد ازاں ہندوؤں مسلمانوں اور عیسائیوں کا مجمع کثیر منتشر ہو کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوا۔ سب لوگ محسوس کرتے تھے کہ مسٹر سنگھا کی ابدی جدائی مشترک نقصان ہے۔ ہر ایک طرف سے اُنکے پُرانے شاگرد جو سرکاری ملازمت اور مشن کی خدمت میں نمایاں جاہ و منصب رکھتے تھے کثیر تعداد میں اکھٹے ہوئے۔ سی ایم ایس اور ایس پی جی کے مشنری صاحبان دیسی اور بدیسی نزدیک و دور کے تمام مقامات سے تشریف آور ہوئے۔ اے پی مشن کے قائم مقام شلاً ڈاکٹر یوئنگ اور کئی ایک اور شریک جنازہ ہوئے +

آجتک سینکڑوں لوگ موجود ہیں جو مسٹر آئی سی سنگھا بٹالوی کے قول و فعل میں مطابقت رکھنے والی مثال۔ صابرانہ محنت خوش آئیند امید۔ بے غرضانہ اور راستبازانہ زندگی کے لئے بارگاہِ ایزدی میں شکر گذار ہیں اور

اُن کے پدرانہ برادرانہ اور معلّمانہ سلوک کے مدّاح ہیں۔ ع "کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے" +

تھوڑا سا تذکرہ مسز سنگھا کا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ آپ نے چوالیس سال کی عمر میں بعارضہ بخار ۱۹۰۸ء میں بمقام بٹالہ انتقال کیا۔ آپ اپنے خاوند کی مونس وغمگسار بیوی اپنے بچوں کی مادرِ مشفقہ۔ عموماً ہر ایک ملاقاتی کی فائدہ رساں دوست سادہ مزاج حلیم الطبع اور بڑی خدمت کنندہ تھیں مصیبت زدوں کے لئے فرشتۂ رحمت وہمدرد تھیں۔ ان کے گھر کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا تھا۔ آپ اپنی قبر میں قیامت کی یقینی امید میں سن ۱۹۰۸ء کو سو گئیں۔ مختلف عمروں اور فرقوں کے سینکڑوں لوگوں نے اپنی حاضری سے جنازہ پر انکی عزت کا ثبوت دیا۔ اب اسکے بچے اُٹھکر اسکو مبارک کہتے ہیں اور مدح سرائی کرتے ہیں +

بوجہ عدم گنجائش آپ کی اولاد کا مفصل ذکر کرنا مشکل ہے۔ آپ کے بیٹے اور بیٹیاں حسنِ مراتب وصفاتِ حمیدہ میں یکتائے روزگار ہیں۔ جو وعدہ خدا نے ابراہیم سے کیا تھا کہ "میں تیری اولاد کو ریت کے ذرّوں کی مانند کثیر اور آسمان کے ستاروں کی مانند نورانی کرونگا .... الخ" وہ مسٹر سنگھا مرحوم کے حق میں بھی پایۂ ثبوت کو پہنچا +

(ایڈیٹر انچیف)

پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس کی سیالکوٹ برانچ کا حال

مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۲۵ء کو سیالکوٹ شہر کے مسیحیوں کی ایک بڑی میٹنگ زیر صدارت جناب ماسٹر حاکم الدین صاحب مرے کالج ہال میں فراہم ہوئی۔ سکرٹری پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس نے اجلاس کے مقصد اور مقامی کانفرنس کے قایم کرنے کی ضرورت کو بیان کیا۔ بعد میں مسٹر جلال الدین مسٹر رفیق اور مسٹر ڈولا صاحبان نے پُرجوش اور پُر معانی تقاریر کیں۔ ان تقاریر کا اثر حاضرین پر اسقدر ہوا کہ بالاتفاق

کانفرنس کی برانچ اُسی وقت قایم کیگئی اور حسب ذیل عہدیدار منتخب ہوئے۔

پریزیڈنٹ ۔ اے۔ ایم۔ دولا صاحب ایم۔ اے۔ بی ٹی۔

وائس پریزیڈنٹ ۔ ماسٹر مولا بخش صاحب۔ بی۔ اے۔

سکریٹری ۔ جی۔ ایم۔ رفیق صاحب۔

خزانچی۔ مسٹر جلال الدین صاحب۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔

ہمیں قوی امید ہے کہ یہ برانچ نہ صرف شہر بلکہ تمام ضلع کے مسیحیوں کے لئے بڑی امداد اور تقویت کا باعث ہوگی۔ حال ہی میں کانفرنس کیطرف سے ایک زبردست وفد میونسپل کمیٹی کے عہدیداران اور اسٹیشن ماسٹر کی خدمت میں بھیجا گیا۔ وفد کو اُنکے مقاصد میں حیرت انگیز کامیابی ہوئی۔ میونسپل کمیٹی کے عہدیداروں اور اسٹیشن ماسٹر صاحب نے فرمایا کہ آئندہ خالی اسامیوں کو پر کرتے وقت مسیحیوں کا خاص خیال رکھا جائیگا۔ بلکہ وہ کوشش کرینگے کہ مسیحی بھی غیر مسیحیوں کے ساتھ مادی حقوق حاصل کرسکیں۔ ہم اسکے لئے مقامی لیڈرز کو مبارکباد دیتے ہیں۔ امید ہے کہ دیگر اضلاع کے لیڈرز بھی سیالکوٹ کی تقلید میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرینگے۔ برانچ کانفرنس قایم کرنے میں مسیحی بہنوں نے نمایاں حصہ لیا۔ اور مردوں سے پیشتر اپنے نام رجسٹر کروائے اور لازمی چندہ بھی ادا کیا۔ امید ہے کہ بہنیں زیادہ دلچسپی لیکر اپنی مقامی برانچ کو زیادہ مضبوطی اور تقویت دیں گی۔

گوجرانوالہ۔ گورداسپور اور راولپنڈی کے لیڈرز سے ملاقات کا موقعہ ملا اور اُنہوں نے ہمیں یقین دلایا کہ وہ اپنے شہروں میں جلدی کانفرنس کی شاخیں قایم کرینگے۔ ہمیں امید ہے کہ مقامی لیڈرز اسی جدوجہد میں مصروف ہونگے۔

ہماری بڑی خواہش ہے کہ لاہور میں بھی ایک مقامی کانفرنس قایم کی جاوے۔ اور ایسے اعلٰی پیمانہ پر چلائی جاوے کہ دیگر شاخوں کے لئے قابلِ تقلید ہو۔ ہم لاہوری مقامی لیڈرز کی توجہ کو اس اہم امر کیطرف مبذول کرتے ہیں۔

خادم۔ ای۔ چارلس بھٹی

خدا کا نام لیکر

زندگی

ایک ہفتہ وار اخبار کی صورت میں جاری کیا جاتا ہے جو انشاءاللہ وسط ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۵ء سے ہر سنیچر کو دارالسلطنت ہند دہلی سے شائع ہوگا۔

ہندوستانی مسیحی جماعت کا واحد ترجمان صداقت وحقانیت کا آزاد داعی اور کلیسیا کا سچا خادم "زندگی" بلاتخصیص تمام مسیحیوں کو مسیحی زندگی بسر کرنے کی دعوت دینا چاہتا ہے ؎

ہست ایں میکدہ و دعوتِ عام است اینجا
قسمتِ بادہ باندازۂ جام است اینجا

مسیحی جماعتوں سے درخواست ہے کہ اس اخبار کو ضرور ملاحظہ فرمائیں اس کے مضامین مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یکساں مفید ہونگے

قیمت سالانہ ۲ روپے　　ششماہی ۱ روپیہ ۴ آنہ

نمونہ کے لئے ۱ر کے ٹکٹ ارسال فرمائیے۔

المشتہر

منیجر اخبار "زندگی"

دہلی

اشتہار

زراعتی انسٹیٹیوٹ اے پی مشن الہ آباد

زراعتی انٹرمیڈی ایٹ ڈپلوما کا کورس ہائی سکول بورڈ اور محکمۂ تعلیم انٹرمیڈی ایٹ نے منظور فرمایا ہے۔ الہ آباد زراعتی انسٹیٹیوٹ عارضی طور پر تسلیم کیا گیا ہے تاکہ ۲۷-۱۹۲۶ء کے امتحانات کے لئے طالب علم تیار کرے۔ جولائی ۱۹۲۵ء میں ایک جماعت کا داخلہ کیا جائے گا۔ ہائی سکول۔ ایس۔ ایل۔ سی۔ اور سینیئر کیمبرج کامیاب طلبا داخل ہو سکتے ہیں۔

تمام درخواستیں بنام:-

پرنسپل صاحب آنی چاہئیں

انتقال پرملال

نہایت افسوس سے لکھا جاتا ہے کہ ۲۹۔ اپریل ۱۹۲۵ء کو پادری جے ڈبلیو پیلپز صاحب کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ آپ بڑی حلیم الطبع اور فرمانبردار بیوی تھیں۔ خداوند غریقِ رحمت کرے۔ ہم پادری صاحب کے ساتھ دل سے اظہارِ ہمدردی کرتے ہیں۔

ایڈیٹر انجمن۔

دعا

مختلف لوگوں کے نزدیک دعا کا مفہوم بھی مختلف ہے۔ مثلاً خدا سے مانگنا۔ مغفرت حاصل کرنا۔ اپنی رضا کو خدا کی طرف بھیجنا۔ اپنی جان کو خدا کی طرف پھیرنا۔ جیسے زبور نویس کہتا ہے "اے خداوند میں اپنی جان کو تیری طرف اُٹھاتا ہوں۔ اپنی جان اور خدا میں مناسبت پیدا کرنا۔ خدا کے ساتھ شراکت رکھنا اور اس سے ہمکلام ہونا۔

بعض دفعہ داعی کی دعا منظور نہیں ہوتی تو مایوس ہو کر دعا مانگنا ہی چھوڑ دیتا ہے خدا کوئی ہمارے ارادے کے تابع نہیں کہ جو کچھ اُس سے کہیں وہی کرتا جائے۔ بلکہ دعا کے ذریعے اُسکی مرضی کو پکڑنا ہے کیونکہ اسکے ارادے نیک ہیں۔ بعض دفعہ اگر کوئی دُکھ درد یا بیماری ہوئی یا کوئی خطرہ یا مشکل درپیش ہوئی تو گھٹنے جھکا دئے اور آگے پیچھے کوئی پروانہ کی تو کیا یہ کوئی صحیح معیار دعا ہے؟ ایسی دعائیں خود غرضی کی دعائیں ہیں جو فقط وقت نکالنے کے لئے کی جاتی ہیں۔ دعا کا مفہوم ان تمام باتوں سے بالاتر ہے۔ دعا سے خدا کو ستانا مطلوب نہیں بلکہ اس سے بات چیت کرنا اُسکو اپنے دل کا راز دینا اور لینا صلاح ومشورہ اور برکت چاہنا۔

جیسے کلام کے ذریعے ہم آپسمیں ملاقات کرتے ہیں۔ میل جول ورفاقت بڑھاتے ہیں اور ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ ویسے ہی ہم خدا کو کلام کے وسیلے سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ دعا فقط ذریعۂ مغفرت یا من مانی شئے کا حصول ہی نہیں بلکہ خدا کا جاننا۔ جب یہ منزل حاصل ہو جائے تو کل حاجات وضروریات رفع ہو جاتی ہیں۔

پولوس رسول اپنی بابت بیان کرتا ہے کہ یروشلم میں دعا کرتے وقت میں بیخود ہو گیا اور اُس بیخودی کی حالت میں اپنے خداوند یسوع سے ملا۔ پس ایک طرح سے دعا دیدار یسوع ہے۔ دعا ہی کے ذریعے خدا کا جلال آنکھا را ہو سکتا ہے۔ موسیٰ کلیم کی دعا خدا کے حضور یہ تھی کہ "اپنا جلال مجھے دکھا۔" یہ جلال فقط مسیح میں ہو کر دکھائی دے سکتا ہے اور اسی جلال سے اسکی عظمت اور فضل عیاں ہو سکتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں دعا سے مراد ستائش کے ذبیحے ہیں۔ "جو کوئی ستائش کے ذبیحے گذرانتا ہے وہ میرا جلال ظاہر کرتا ہے"۔ دعا روحانی زندگی کا نشان ہے۔ اگر کوئی مردِ دعا نہیں تو وہ روحانی طور سے مردہ ہے۔ اس مُصرف بیٹے نے نہ خدا کو جانا ہے نہ پہچانا نہ اسکی خدا کے ساتھ رفاقت ہے وہ بندۂ حرص و ہوس ہے اُسکا خدا کے ساتھ واسطہ نہیں۔

ہم کس طرح دعا کریں؟

شاید کوئی کہے کہ اپنے بستر کے پاس دو زانو ہو کر رات کو سوتے وقت اور صبح اُٹھتے وقت ہی دعا کرنی چاہئے۔ بعض کہینگے کہ صاف ستھرے ہو کر علیحدہ کوٹھڑی میں تلاوتِ کلام اللہ کے بعد دعا کرنی چاہئے۔ بعض کہینگے کہ خدا کے حضور دست بستہ کھڑے ہونا چاہئے۔ بعضوں کے نزدیک بارگاہِ ایزدی میں سربسجود ہونا ہی کافی ہے بعض کہتے ہیں کہ دعا سے مراد مجذوبوں کی ایسی حالت ہے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہے اور ایسی محویت ہو کہ ایک تار سی سر سے اوپر کو جاتی ہوئی محسوس ہو جو انسان کو خدا کے ساتھ وابستہ کرے۔ ایسی حالت میں دعا بے جواب نہیں رہے گی۔ اس صورت میں آپ کی حالت ٹیلیگراف کی طرح ہوگی کہ ہر دو جانب سے تار برقی اپنا کام کر رہی ہے سلسلہ جاری ہے جو کچھ چاہتے ہو مانگو اور پاؤ۔

یہ سب اچھے طریقے ہیں جو جسکو پسند ہو اختیار کرے۔ بشرطیکہ دل اُسکے ساتھ خاص تعلق رکھتا ہو۔ اسکی حضوری کو محسوس کر رہا ہو۔ اور سارا دل ساری جان۔ ساری عقل و مرضی اُسکی حضوری میں اُسکی محبت کی مضبوط و قوی زنجیر سے بستہ و پیوستہ ہو۔ "جو کچھ تم میرے نام سے چاہو گے تو میں وہی کروں گا تاکہ باپ بیٹے میں جلال پائے"... فیصلہ ہمارے ایمان پر چھوڑا گیا ہے۔ وہاں اسقدر کثرت ہے کہ گھاٹے یا کمی کی گنجائش نہیں۔ جلال کے بادشاہ سے لینے میں بادشاہ کا جلال ہوتا ہے نہ کہ لینے والے کا ہاں ضرور ہے کہ لینے والے کے ذریعے سے دینے والے کا جلال ظاہر ہوتا ہے۔ مقدس آگسٹن کی دعا کیسی عجیب ہے۔ "اے خدا بخش دے کہ میں تیری مرضی پر یوں عمل کروں کہ وہ میری مرضی ہے تاکہ تو میری مرضی کو یوں پورا کرے کہ وہ تیری مرضی ہے"۔ کاش کہ ہم میں اور ہمارے خدائے قدوس میں رشتۂ رضا ہو۔ اگر اُسکی مرضی کے موافق ہم کچھ مانگتے ہیں تو وہ ہماری سنتا ہے۔

پنجابی مسیحی جماعت کا افلاس دور کرنیکے طریقے

موجودہ مضمون از منۂ حاضرہ میں مسیحی جماعت کے لئے نہایت اہمیت آمیز ہے اور خفتگانِ جماعت کو چونکانے والا ہے۔ جبکہ ہر سو تمام مختلف جماعتیں اپنے اندرونی حالات کی درستی میں شب و روز ہمہ تن کوشاں اور مصروف ہیں تاکہ موجودہ اصلاح شدہ نظم و نسق کے مطابق اُنکے جملہ جماعتی حقوق واجباً محفوظ ہو سکیں۔ چونکہ اصلاح شدہ سرکاری آئین کے مطابق جماعتی نمائندگی کے اصول پر عملدرآمد ہوتا ہے۔ اس لئے سب جماعتوں میں ایک ہلچل مچی ہوئی ہے۔ ایک دوسرے سے بہتر بننے کا خیال سب کے دماغوں میں موجزن ہے۔ کثیر التعداد اصحاب نے اپنی زندگیوں کو جماعتی خدمت کے اعلیٰ ترین نصب العین پر قربان کر رکھا ہے۔ ایسے حالات کے درمیان مسیحی جماعت کی بیداری حسبِ حال و موقعہ ہوگی۔

بیش ازیں کہ مضمون کی اصلی حقیقت پر رائے زنی کی جائے یہ مناسب اور درست ہوگا کہ حاضرین با تمکین پر افلاس کے اصل مفہوم کو صاف صاف روشن و عیاں کیا جاوے۔ افلاس کسی ملک کی نہایت پُر درد اور خطرناک حالت ہے۔ خدا ایسا دن دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ ہم کسی قوم یا گروہ کو اُس وقت بہ حالتِ افلاس قرار دیں گے جبکہ اُسکے افراد نہایت جفاکشی۔ صبر اور عرق ریزی سے کام کریں لیکن انکو اُسکے مطابق واجب اور مناسب اُجرت حاصل نہ ہو۔ یہ افلاس کی تعریف ہے۔ اکثر افلاس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ا۔ اول وہ حالت ہے جب کہ لوگ عوام یا شخصی رحم اور خیرات پر اپنی معاش اور روزی کا انحصار رکھیں۔ ایسے لوگ وہ ہیں جن کو کام سے عار ہوتی ہے عوام الناس کی رحمانہ اور خیراتی جبلی جذبات سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ سستی اور ناکاری انہیں کا حصہ ہوتا ہے۔ وہ گھر بہ گھر کوچہ بکوچہ بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ اَنانیت اور خودداری کو پیسے کے ہاتھوں فروخت کردیتے ہیں یہ افلاس کی انتہائی حالت ہے

اصطلاحاً اسکو نکبت کہاجاتا ہے۔

لیکن وہ افلاس جسکا ہماری جماعت پر تسلط جما ہوا ہے وہ انتہائی افلاس نہیں ہے۔ خدا کا صد شکر و تعریف ہو کہ اُس نے تا ہنوز اپنی کمال مہربانی و کرم سے اپنے غیبی ہاتھ سے اس نادار جماعت کی امداد و معاونت کو قائم رکھا ہے۔ یہ وہ افلاس ہے جسکے انتشار کی وسعت بے حد بڑھتی جارہی ہے۔ اور جسکے ہاتھوں دنیا کا ایک کثیر طبقہ نالاں و لرزاں ہے۔ ایسا افلاس اُس حالت میں ہوگا جبکہ لوگ کثیر محنت اور عرق ریزی کے بعد بصد دشواری محض لوازمات زندگی کو میسر کرسکیں اور نیز ایسی ضروریات کو دستیاب نہ کرسکیں جو انکی جسمانی ماہریت اور استعداد محنت کو قائم اور برقرار رکھ سکیں۔ غیر ماہر کارندوں پر احتیاج بڑی گرانبار اور بوجھل ہو رہی ہے۔ جونہی کام اُنکے ہاتھ سے جاتا رہا۔ فاقہ کشی اور تکلیف دروازے پر آموجود ہوتیں۔ ہماری جماعت کی حالت بھی بایں طور ہے۔ سب زراعتی مزدور اور محنت کش ہیں اگر حقیقت حال کو زیادہ باریکی اور گہرائی سے ملاحظہ کیا جائے تو ناظرین پر عیاں ہو جائیگا کہ ہمارے لوگ ہی حقیقی اور اصلی پیدا کرنیوالے ہیں۔ زراعتی پیداوار انہی کی عرق ریزی اور استقلال آمیز محنت و مشقت کا نتیجہ ہے۔ اُن کے پاس ایک بالشت بھر زمین یا کسی قسم کی ملکیت نہیں جسے وہ اپنا کہہ سکیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکے پاس کوئی ہتھیار اور اوزار نہیں جسے وہ پیدائیشی نظام میں استعمال کرکے اپنی معاش کو حاصل کرسکیں۔ باوجود سخت محنت اور جفاکشی کے وہ پر تکلیف اور مصائب زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ اسکے نہانی اور مخفی بھید سے واقف ہی نہیں۔ دوسروں کے حکم پر کام کرنا اُنکا وطیرہ بلکہ عادت بنگئی ہوئی ہے۔ اسلئے خود سوچنے اور کام کرنیکے متعلق پروگرام بنانیکا ملکہ اور مادہ ہی اُن سے بالکل زائل ہو چکا ہے وہ عرق ریزی اور جفاکشی سے مشقت کرتے ہیں اسلئے کہ دوسروں کو فائدہ پہونچاویں۔ راتیں کھیتوں میں آبپاشی کرتے بسر ہو جاتی ہیں اسلئے کہ زمینداروں کے انباروں کو بھریں۔ وہ چھوٹے اور تنگ و تاریک جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔ لیکن زمیندار انکی عرق ریزی کی کمائی سے دو منزلہ ہوادار اور کشادہ مکانات میں رہتے ہیں۔ میٹھی اور گہری نیند سوتے ہیں تکلیف سے ناآشنا ہیں۔ ہمارے لوگ پڑوسیوں کی اشد حاجات میں امداد و معاونت

رتے ہیں۔ جبکہ وہ خود حقیقی محتاج ہیں۔ صرف ایک سو روپیہ پر ایک سال کیلئے
غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیتے ہیں۔ محنت سے کام کرتے ہیں لیکن حاصل کچھ
نہیں۔ انکو اسقدر کافی نہیں ملتا کہ وہ اپنی جسمی قابلیت کو برقرار رکھ سکیں۔ جو ہاتھ سے
کام کرنیوالے ہیں انکے لئے لازم اور لابدی ہے کہ وہ ہمیشہ قابل کار رہیں ورنہ وہ اپنے
خاندان کی پرورش نہیں کرسکیں گے۔ ایک دن بھی اگر کما کر نہ لاویں تو فاقہ کشی کے
شکار ہوتے ہیں جو بہترین حالات میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں وہ اچھی خوراک
کافی پوشاک کھلے ہوادار اور صحت افزا مکانات کا اندازہ لگا سکتے ہیں تہیدستی کی
وجہ سے ساہوکاروں اور ظالم بنیوں کے زبردست چنگل میں اسطرح گرفتار ہوجاتے
ہیں کہ ان سے نجات کئی پشتوں تک دشوار ہوجاتی ہے۔ جو کماتے ہیں ساہوکار
لے جاتے ہیں۔ آپ خود آمدنی کے موسم ہی میں پھر قرض پر اپنا گذارہ شروع کردیتے
ہیں۔ یاد رہے کہ انکا بواسطہ انحصار سو روپیہ سالانہ قلیل رقم پر ہوتا ہے عموماً
والدین اپنے بچوں کی جونہی وہ سن بلوغت کو پہنچتے ہیں شادی کر دیتے ہیں۔
اسلئے انکی خاندانی ذمہ واریاں نہایت بوجھل ہوجاتی ہیں۔ سب کو خوراک۔ پوشاک
لحاف وتوشک۔ کھانے پکانے کے برتن دیہاتی معیارِ زندگی کے مطابق ضروری
ہیں۔ علاوہ ازیں انکی اور بھی کثیر التعداد ضروریات ہوتی ہیں۔ جنکی ذمہ وار برادری
رسم ورواج اور طرزِ معاشرت ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا انہیں لوازماتِ ماہرتیت میسر ہوتے ہیں یا
نہیں۔ علم الاقتصاد کے ایک بڑے ماہر یوں تحریر فرماتے ہیں۔ معمولی زراعتی مزدور
کے لئے لوازماتِ ماہرتیت حسب ذیل ہیں:-

(۱) کھلا ہوادار مکان (۲) سردیوں کے واسطے گرم کپڑے (۳) مصفا پانی۔
(۴) آٹا دال وغیرہ بکثرت (۵) گاہے بگاہے دودھ اور گوشت (۶) لسی اور گھی بہتات
سے (۷) تعلیم (۸) تفریحِ طبع کے سامان (۹) اسکی بیوی کو حصولِ معاش کی کارگذاری سے
کافی آزادی تاکہ وہ واجب وقت اپنے بچوں کی پرورش اور تربیت میں صرف کرسکے۔
دنیا کے کسی طبقہ میں اگر مذکور الصدر اشیا میں سے کوئی شئے بھی میسر نہیں ہوتی تو
اسکی قابلیتِ کار میں بالضرور فرق آجائیگا جیسے کسی گھوڑے کی واجب اور ضروری

خوراک میں سے تفریق کرنے سے واقع ہوجاتا ہے۔ یا سٹیم انجن جسکو کوئلہ کی کافی رسد بہم نہ پہونچ سکے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ہمارے پنجابی مسیحیوں کی آبادی کا جزو اعظم زراعتی مزدور ہیں۔

اتنی بحث کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ ہمارے مسیحی زراعتی مزدوروں کو انکی حسب محنت مزدوری نہیں ملتی۔ انکی آزادی اور انانیت بالکل زائل ہو چکی ہیں۔ اب اُجرت کا حال سنئے۔ اوسطاً انہیں صرف سو روپیہ سالانہ بطور اُجرت ملتا ہے۔ تمام خاندان کی محنت و مشقت اسی رقم کی نذر ہوتی ہے۔ انگلستان میں اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۶۴/ روپیہ سالانہ کسی زراعتی مزدور کے لئے کافی ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی معیارِ زندگی کے مطابق لوازماتِ زلیست میسّر کر سکے۔ میری دانست میں ہندوستانی زراعت پیشہ مزدور کیلئے 36/ روپیہ سالانہ کی رقم کافی اور وافی قرار دی جاسکتی ہے تاکہ اسکے لئے لوازماتِ زیست بہم پہونچ سکیں۔

لیکن بحالتِ موجودہ دیہاتوں میں اس ضمن میں ظلم کا ڈنکا بج رہا ہے اسلئے ضروری ہے کہ ہماری جماعت میں اس اہم ذمہ واری اور کفالت کا پرزور احساس پیدا ہو تاکہ جماعت کے جزوِ اعظم کی اقتصادی حالت کا حسب دلخواہ سدھار ممکن ہو سکے۔ موجودہ سوسائیٹی کا انتظام اسلئے خام قرار دیا جاتا ہے کہ اس میں انصاف کی بُو تک نہیں۔ زندگی کے ہر ایک شعبے اور صیغے میں ذاتی مفاد کو مقدم رکھا جاتا ہے۔ اور انصاف کو سفت میں کشتہ کیا جاتا ہے۔ جب کوئی جانور خریدا جاتا ہے تو اُسکی خوراک اور پرورش کا بہترین انتظام و تدارک کیا جاتا ہے تاکہ اُسکی کام کرنے کی قابلیت میں کسیطرح سے کمی واقع نہ ہو۔ لیکن جب بنی نوع انسان کے ایک بشر کو نوکر رکھا جاتا ہے تو یہ خیال مطلقاً نہیں کیا جاتا کہ آیا وہ اُجرت جو اُسکو دی جاتی ہے اُسکے خاندانی اور ذاتی مصارف کے لئے کافی ہوگی یا نہ ؟۔

حضرات! جب غلامی کا زمانہ تھا تو غلاموں کو پیٹ بھر کر خوراک دیجاتی تھی تاکہ وہ اچھی طرح سے کام کر سکیں۔ کیا وہ شخص جس کو اچھی طرح سے خوراک نہ ملے سخت محنت اور مشقت کی برداشت کر سکتا ہے؟ پس حقیقی افلاس اُس گروہ اور سوسائیٹی میں ضرور ہوگا جنہیں کافی خوراک پوشاک اور رہائیش کے لئے جگہ نہ مل سکے۔

آپ کی جماعت کی موجودہ حالت اظہر من الشمس ہے جیسے اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ہمارے لوگ اگرچہ افلاس میں دبے ہوئے اور قرضہ میں سرتاپا مستغرق ہیں لیکن ابتک اُنانیت کو اُنہوں نے ہاتھ سے نہیں دیا۔ وہ صابر، محنت کش اور جفاکش ہیں پڑتی کام کرنے کٹ جاتی ہیں۔ لیکن شکایت کا حرف تک زبان پر نہیں آتا۔ اُنکے حقوق پائمال کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ سوسائٹی نے اُنہیں اپنی نگاہ سے گرا دیا ہوا ہے مسیحیت نے پھر دستگیری کی ہے۔ بہتر تعلیم حاصل کر رہے ہیں اپنے حقوق کی پہچان اُنہیں حاصل ہو رہی ہے۔ جو کچھ وہ خود کر سکتے ہیں کرنے کو طیار ہیں لیکن جو اُنکی استعداد کے دائرے سے بعید ہے وہ اُن سے ہرگز نہ ہوگا۔ اِس لئے اُنہیں بیرونی امداد کی ضرورت ہے۔

(۱) ملک انگلستان میں جب مزدور لوگوں کی حق تلفی ہوتی تو با فہم و فراست اصحاب اُن کے حقوق کی محافظت کا بیڑا اُٹھا لیتے ہیں۔ اُنہوں نے مزدور پیشہ انجمنیں قائم کی ہیں۔ تمام مزدوروں کی پراگندہ طاقت کو جمع کر کے اُسے ایک مرکزی صورت دی جاتی ہے۔ اور پھر اُسی طاقت کے ذریعے سے اُنکے آقاؤں سے اُنکی حالت کی درستی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ آپ کی جماعت میں اقتصادی نکتۂ خیال سے تعدادی اور صنفی طور سے بڑی بھاری قوت موجود ہے جو کہ اب بالکل ضائع ہو رہی ہے۔ اگر آپ تمام زراعتی مزدوروں کی قوت کو جمع کر کے اُنکی حالت کو بہتر بنانے میں صرف کریں تو ہرگز خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ تفصیلاً اسکا بیان اس موقعہ پر نہیں کیا جا سکتا۔ پانچ چھ پڑوس کے گاؤں ملکر انجمنیں بناویں۔ اور ایک معیاری اُجرت قائم کریں جس سے کم اُجرت پر کام ہرگز نہ کیا جاوے۔ اسلئے اسکا حلقہ بہت وسیع ہونا چاہیئے۔ شروع شروع میں تکلیفات تو ضرور پیش آویں گی لیکن بالآخر اسکا نتیجہ حسب دلخواہ ہوگا۔ اس میں منادو اور پاسبان بہت حد تک حصہ لے سکتے ہیں۔

(۲) دیہاتی مسیحیوں کو اراضی برائے کاشت خرید کر دینی چاہیئے تاکہ وہ خود زمیندار بنکر اپنی حالت کو بہتر بنا سکیں۔ خود پیٹ بھر کھائیں اور آسودہ حال رہکر اپنے بچوں کی تربیت و پرورش کر سکیں۔

(۳) یہ امر مسلمہ ہے کہ ہندوستانی لوگوں کو دستی کار سے عار ہے۔ متمول اشخاص نے

لوآباد نہری آبادیوں میں بہت سی زمین خرید کر رکھی ہے جو خود کاشت نہیں کرتے بہت سے ایسے ہیں جو کہ اپنی اراضی پر خود مقیم ہیں۔ ایسے اشخاص سے زمین ٹھیکہ پر لیکر غریب مسیحیوں کو نصف ماحصل کے طریق پر دیویں۔ اُن کو قرضہ لینے کی عادت سے روکیں۔ پیداوار کی فروخت کا اُنکے لئے خود انتظام کریں تاکہ جو منافع درمیانی تجارتی کاربردار کھا جاتے ہیں اُنہیں کے پاس رہے جب اُنکے پاس خود کافی سرمایہ ہو جاوے اور زمین کے انتظام میں بھی کافی مہارت ہو جاوے تو خود زمین ٹھیکہ پر لے کر سب فائدہ اپنی جیب میں ڈالیں۔ موجودہ حالت میں وہ یہ نہیں کر سکتے اُنہیں ٹرینِنگ درکار ہے۔

(۴) ہندوستان میں رسم و رواج لوگوں کی زندگی کے ہر شعبہ کی سعج رواں بنی ہوئی ہے۔ اُسی کے سہارے ہندوستانی تمدن ایستادہ ہے۔ ذات پات کی بندشوں نے مختلف پیشوں پر حد بندی کر دی ہوئی ہے۔ عموماً لوگوں کا خیال ہے کہ جو کام اُنکے آباؤ اجداد کرتے آئے ہیں وہی اُنکا حقیقی پیشہ ہے۔ لیکن یہ بات قدرتی قوانین کے بالکل متضاد ہے۔ پیشہ اختیار کرنے میں قسمت کو ہرگز دخل نہیں۔ خدا نے ہر ایک بشر میں قسم قسم کی لیاقتیں اور قابلیتیں یا جبلی میلان رکھدیا ہوا ہے۔ اسلئے قدرت نے کسیکو لوہار۔ نجار۔ موچی وغیرہ پیدا نہیں کیا۔ وہی انسان اپنی زندگی میں کامیاب ہوگا جس نے اپنے جبلی میلان اور رجحان کے مطابق کام سیکھا ہوگا۔ ورنہ جس کام کو ہاتھ لگائیگا مایوسی اور نااُمیدی کا سامنا کرنا پڑیگا۔ بہت سے لوگ جو دیگر پیشوں میں زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں اکثر رسم و رواج کی وجہ سے زراعتی مزدور بنکر اپنی زندگی اور اپنے بچوں کی زندگی کے مستقبل کو تباہ کر بیٹھتے ہیں۔ ہندوستان میں بہت سی ایسی چھوٹی چھوٹی دستکاریاں ہیں جن پر کثیر اصل کا تصارف درکار نہیں مثلاً دیہات میں بڑھئی اور لوہار وغیرہ کا کام۔ اینٹیں بنانا۔ روئی صاف کرنا وغیرہ وغیرہ جب لوگ دوسرے پیشے اختیار کرلیں گے تو زراعتی مزدوروں کے شمار میں بہت سی کمی واقع ہو جاوے گی۔ لیکن زمینداروں کی مانگ اُسی انداز پر رہے گی۔ اُنکی ضرورت اسقدر پُرزور ہوگی کہ لوگ زیادہ اُجرت بھی دینے پر طیار ہو جاویں گے۔

(۵) ان دنوں عورتوں کی محنت زمینداروں کو مفت ملتی ہے۔ کام صرف آدمی اُٹھاتا ہے۔ لیکن نصف کام عورتیں کرتی ہیں۔ اس طرزِ عمل سے آدمیوں کی مدد ہرگز نہیں ہوتی نہ اُنکا کام کم ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے زمینداروں کو کثیر فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر ہمارے لوگوں کو اسقدر علم ہو کہ اُنکی عورتوں کی محنت بھی قدر و قیمت رکھتی ہے۔ تو اُنکے لئے وہ الگ اُجرت مقرر کر لیا کریں۔ علاوہ ازیں عورتیں اپنے گھر میں چھوٹی چھوٹی خانگی دستکاریوں سے اپنے خاوندوں کی آمدنی میں کافی اضافہ کر سکتی ہیں۔ مثلاً سوت کاتنا۔ ازار بند بنانا۔ نواڑ بننا۔ سوت کات کر خود مضبوط اور سستا کپڑا بنانا۔ اور دوسروں کے لئے اُجرت پر کاتنا۔ اِن دستکاریوں میں بہت اصل اور مہارت کی ضرورت نہیں۔

(۶) صنعتی و حرفتی تعلیم۔ عام تعلیم نہایت ضروری ہے۔ لیکن ازمنۂ حاضرہ میں اُسکے عام ہو جانے کے باعث اسکی قدر و قیمت بالکل گر چکی ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ مارے مارے پھرتے ہیں۔ لیکن حسب دلخواہ روزگار نہیں ملتے۔ بدستِ دیگر صنعتی و حرفتی تعلیم کی ازحد ضرورت ہے۔ اسلئے لازم ہے کہ پنجاب میں مسیحیوں کے لئے صنعتی و حرفتی مدارس جاری کئے جائیں۔ تاکہ وہاں مسیحی جوان کام سیکھ سکیں۔ اِن دِنوں ایک مستری دو تین روپیہ روزانہ کما سکتا ہے۔ وہ اصحاب جنکا مشن میں خاص اثر اور رسوخ ہے ایسے مدارس کے کھولے جانے پر زور دیویں۔ لوگوں کو ترغیب کی جاوے کہ وہ اپنی رغبت اسطرف رجوع کریں۔

(۷) باہمی امدادی انجمنیں ہماری مسیحی جماعت کے افلاس کو دور کرنے میں بہت کارگر ہونگی۔ ساہوکار اور بنئے ان غریبوں پر بہت زیادہ جور و ظلم کرتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ انکے پاس منقولہ یا غیر منقولہ کوئی ملکیت نہیں۔ جسکی ذمہ داری پر قرضہ لیویں۔ انکی تندرستی اور قوت بطور ضمانت ہوا کرتی ہیں۔ جونہی سال کے اختتام پر زمینداروں سے اُجرت لی۔ ساہوکار و بنئے آموجود ہوئے۔ سب آمدنی وہ لے گئے۔ یہ بیچارے اپنا سا منہ لیکر رہ گئے۔ اور قرضہ ویسے کا ویسا قائم۔ زندگی کو برقرار رکھنے کا کوئی ذریعہ تو ہے نہیں اسلئے سال کے آغاز میں پھر قرضہ لینا شروع کر دیتے ہیں۔ جو چالاکیاں اور دھوکا بازیاں ساہوکار کیا کرتے ہیں انکو طشت ازبام کرنیکو

کافی وقت نہیں مگر کسی حد تک ہر خاص و عام اس سے واقف ہے۔
مندرجہ ذیل فوائد ان انجمنوں کے ذریعے سے لوگوں کو پہنچیں گے۔
(۱) منتشرہ قرضہ جات ایک جگہ جمع ہو جاوینگے۔ اور پھر انکی ادائگی میں بسا آسانیاں ہوں گی۔

(۲) قرضہ جات سابقہ سے رہائی۔

(۳) سودی سہولتیں۔

(۴) کفایت شعاری اور انانیت کا مادہ پیدا ہوگا۔

(۵) ایک دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی روح پیدا ہو جائیگی۔ باہمی صلاح و مشورے کی عادت پیدا ہوگی۔ جماعتی یکتائی لازمی نتیجہ ہوگا۔

(۶) لوگوں میں زیادہ اخلاص اور مجالس کے طور وطریق میں وقوف پیدا ہوگا۔ ممبروں سے بُری عادتوں کی بیخکنی ہوگی۔ یہ انجمنیں دوسروں کے لئے نمونہ ہوں گی۔ چونکہ قرضہ ہر ایک کو لینا ہوگا اسلئے وہ اپنی اخلاقی کمزوریوں کا کماحقہ قلع و قمع کرینگے۔

(۷) انکے ساتھ اگر سپلائی سوسائیٹیز بھی قائم کی جائیں تو خالی از نتائج نہ ہونگی کپڑا بہت سستا اور ارزاں ملسکیگا قیمت مقررہ اقساط میں ادا کرنی ہوگی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ زیادہ کپڑے بنوا سکینگے۔ صاف اور اجلے ہونگے لوگ عزت کرینگے اور جماعت کی ترقی ہوگی۔

(۸) انجمنیں برائے فروخت پیداوار قائم کی جاویں تاکہ پیداوار کے لئے بہترین قیمت وصول ہو سکے۔ آڑھتیوں کی دھوکا بازیوں سے رہائی ہو سکیگی۔

خود بہتر بننے کا خیال تمام جماعت میں پیدا ہونا لازمی اور ضروری ہے ایسے احساس کو پیدا کرنا چاہئے۔ پیش ازیں ہم لوگ مشنری صاحبان کی انگلی پکڑ کر چلتے رہے ہیں۔ لیکن وقت آگیا ہے کہ ہم انکا کندھا اب چھوڑ دیں اور خود اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کی کوشش کریں۔ مشنری صاحبان ہمارے قومی معاملات کو ہماری قومی دوربین سے ہمارے مستقبل کی روشنی میں دیکھ نہیں سکتے۔

اب ہم اپنی توجہ کو تعلیم یافتہ طبقہ کیطرف مبذول کرتے ہیں۔ ہم کنایتہً پہلے

تذکرہ کر آئے ہیں کہ ہماری مسیحی جماعت نے اپنے معیارِ زندگی کو بے سوچے سمجھے بڑھا لیا ہوا ہے آمدنی کم ضروریات زیادہ۔ مغربی تہذیب، طور و طریق اور طرز معاشرت کو اختیار کر کے اپنی مالی حالت کو بہت کمزور کر لیا ہوا ہے۔ ازمنہ گذشتہ اور حاضرہ میں بھی ہماری جماعت کے تعلقات زیادہ تر مشنری صاحبان کے ساتھ رہے ہیں انہوں نے تمام مشرقی رسم و رواج کو ترک کر کے لوگوں کو مغربی طرزِ رہائش کی طرف راغب کیا۔ اور اپنے مستقبل کو دور اندیشی کی نظر سے نہ دیکھا۔

بڑی غلطی جو ہمارے تعلیم یافتہ مسیحی اصحاب نے کی وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے معیارِ زندگی کو بڑھا دیا۔ معیار زندگی سے مراد ضروریات میں اضافہ ہے۔ انہوں نے اپنی آمدنی کا خیال نہ کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی جماعت یا گروہ کی ضروریات میں اضافہ اسکی زندگی کے ہر شعبہ کی ترقی پر دلالت کرتا ہے۔ زمانہ حاضرہ میں جس قوم کی ضروریات کثیر ہوں انکو عام طور پر مہذب قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن عام اور درست قاعدہ یہ ہے کہ معیار زندگی کے بڑھانے کی خواہش دل میں ہو۔ مگر اپنی آمدنی کو پہلے بڑھایا جائے۔ اسکے لئے اُن اسباب کا بہم پہنچانا ضروری ہے جو کہ انسان کو قابلِ کار بناتے ہیں۔ اور پھر آمدنی کے مطابق اخراجات کو بڑھانا چاہیئے۔ یہی معیارِ زندگی کو بڑھانے کا درست اور مناسب طریقہ ہے۔

بہت سے اصحاب ولایتی عطر، صابون۔ ٹائی۔ کالر۔ فینسی جراب و چھڑی۔ رومال۔ عینک۔ سیگرٹ اور شراب جیسی فضولیات کی فروخت بڑھتی دیکھکر خوش اور مطمئن ہوتے ہیں۔ ایسے معیار زندگی کے اعلیٰ ہونے کو خوشحالی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ دیکھتے ہیں کہ اس معیار زندگی کے ہاتھوں جماعت تباہ ہو رہی ہے۔ اخلاق مائل بہ پستی ہیں اور ترقی کے سرچشمے اسلئے مسدود ہوتے جاتے ہیں۔ حقیقی خوشحالی کی علامت یہ ہے کہ زندگی کا معیار اعلیٰ رکھنے پر بھی لوگ اپنی آمدنی سے پس انداز کرتے رہیں۔ حاجات حسب حیثیت رفع ہوتی رہیں۔ یہ نہیں کہ چند حاجات تو بدرجۂ اعلیٰ پوری ہوں اور دیگر بدرجہ ادنیٰ جیسا کہ ہندوستانی سفید پوشوں کا حال ہے۔

سب سے بڑی شرط یہ بھی ہے کہ انسان جسقدر خرچ کرے اُس سے زیادہ کمائے بھی۔
افلاس کی ایک اور بڑی بھاری وجہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ مسیحیوں کے خاندان بہت بڑے ہوتے ہیں۔ آمدنی کم اور خرچ کثیر۔ اقتصادی نکتہ خیال سے ہم بچوں کی کثرت کو کسی جماعت اور بالخصوص خاندان کی بہتری کا باعث تصور نہیں کر سکتے۔ کیونکہ نہ تو انکی پرورش اچھی طرح سے ہو سکتی ہے اور نہ تعلیم۔ لہذا جماعتی مفاد کے لحاظ سے لازم ولابدی ہے کہ بچوں کی کثرت کو روکا جائے کیونکہ جتنے تھوڑے بچے ہونگے اسیقدر انکی تربیت و تعلیم اچھی ہو سکیگی۔
اس حالت کا ایک اور ضروری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ والدین اپنے بچوں کی ضروریات کو انکے حسب منشا پورا نہیں کر سکتے۔ دیگر متمول اشخاص کے بچوں سے میل و ملاپ رکھنے کے باعث ان کے دلوں میں اعلیٰ ترین تمنائیں اور خواہشات پیدا ہوتی ہیں۔ اور چونکہ والدین کیطرف سے انکا مطالبہ پورا نہیں ہوتا اسلئے مایوس ہو کر وہ خود دنیا کے وسیع میدان میں قسمت آزمائی کی خاطر قدم رکھتے ہیں تاکہ ان خیالات کو عملی جامہ پہنائیں۔ مگر بوجہ قلیل تعلیم حسب دلخواہ اپنی تمناؤں کو پورا نہیں کر سکتے۔ وقت جدوجہد میں کٹ جاتا ہے ناچار قسمت پر شاکر ہو کر بیٹھ رہتے ہیں اور قابلیت بڑھانے کا زمانہ ضائع ہو جاتا ہے اور تعلیم ادھوری رہ جاتی ہے۔
اگر ہمارے نوجوان اپنا روپیہ فینسی جرابوں۔ رومالوں۔ ٹائیوں۔ خوشبودار صابونوں اور جوتوں پر برباد نہ کریں تو نہ صرف اُنکے بلکہ اُنکے خاندانوں کے بہت سے بگڑے ہوئے کام بنجاویں۔ ہماری طالب علمانہ زندگی ہماری مالی حیثیت سے زیادہ بیش خرچ ہے اور اُس سے تعلیم کی اشد ضروری اشاعت میں بڑا ہرج ہو رہا ہے۔ ہمارے طالب علمانہ مصارف میں کفایت کی ضرور گنجائش موجود ہے اس بحث کے واسطے بہت سے اعلیٰ مصارف منتظر ہیں۔ یہی حال متوسط درجہ والوں کا ہے۔ ہر شخص اپنے مصارف پر غور کرے۔ اکثروں کو محسوس ہو گا کہ بحالت موجودہ حاجات کے مراتب قابل اعتراض ہیں۔ اکثر اعلیٰ ضروریات کو پس پشت ڈالکر اور گردونواح سے متاثر ہو کر ہم ادنیٰ خواہشات کی خدمتگذاری میں

مصروف ہیں۔ تفصیل کی تو گنجائش نہیں لیکن مجملاً اتنا اشارہ ضروری ہے کہ بحالت موجودہ صحت کے بعد تعلیم کا نمبر ہونا چاہئے۔ اور ایسے مصارف جو صحت و اخلاق کو برباد کر رہے ہیں۔ اور بدقسمتی سے روزافزوں تسلط پا رہے ہیں۔ جلد سے جلد ترک کر دیئے جاویں۔ تمباکو اور شراب کے رواج کی روک تھام بہت عجلت طلب اور ضروری ہے۔ اور زیبائش جسمانی اور آرائش مکانات کے واسطے جو ولایتی مصنوعات خریدے جاتے ہیں۔ وہ بھی ہماری مالی حالت کے لحاظ سے قبل از وقت ہیں۔ ابھی ہمکو افلاس سے پیچھا چھڑانا ہے جب مالی حالت مستقل طور پر عمدہ ہو جائے گی تب اِن چیزوں کا موقعہ اور لطف ہوگا بحالت موجودہ تو انکا استعمال گھر پھونک کر تماشا دیکھنا ہے۔

آپ کی جماعت کی ترقی کا انحصار صرف تعلیم پر ہے۔

(۱) آپ کی جماعت میں اصل زر نام کو نہیں کہ تجارتی کاروبار سے اپنی معاش پیدا کر سکیں۔

(۲) زمین آپ کے پاس نہیں کہ اُس میں سے باعزت معاش پیدا کر سکیں۔

یہ دو ہی بڑے شغل ہیں جنکے ذریعے سے لوگوں کو معاش بہم پہونچ سکتی ہے اور لوگ آزادانہ طور پر اپنی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

آپ کی جماعت میں تجارتی میلان کے اشخاص کی نہایت قلت ہے کیونکہ ایسے اشخاص میں انتظام و کارگذاری کا مادہ و ملکہ اسقدر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہوتا ہے کہ انہیں غریبوں سے بھی جمع کرنیکا ڈھنگ آتا ہے وہ اس اصل کو ایسی مدّوں میں لگاتے ہیں جہاں سے بہت حاصل ہو۔ تجارتی کاروبار کے لئے جرأت درکار ہے تاکہ اگر خطرہ آ بھی جاوے تو اُسکی مردانہ وار برداشت کر لیویں۔

اب رہی ملازمت۔ ہر ایک شخص کا نصب العین ہمیشہ ہوا کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو بہترین حالات میں بسر کرے۔ اپنے بچوں کو حسب دلخواہ اعلیٰ تعلیم دلوائے۔ لوگ اُسکو عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھا کریں۔ لیکن اسکو پورا کرنے کے لئے لازم ہے کہ اسکی آمدنی معقول ہو۔ آمدنی اُس حالت میں معقول ہو سکتی ہے

جبکہ علمی قابلیت اس معیار کی ہو کہ وہ معقول تنخواہ پا سکے۔ اگر آپ کی جماعت کے طلبا پانچویں۔ آٹھویں یا انٹرینس جماعتوں کے پیچھے ہی اپنی تعلیم کو خیر باد کہدیویں تو یہ ہرگز توقع نہ ہو سکیگی کہ وہ اپنی زندگی کو بہترین حالات میں بسر کریں گے۔ اگر آپ کی جماعت کے تعلیم یافتہ طبقہ کے کثیر التعداد اشخاص قلیل ماہانہ پاتے رہیں گے تو آپ کی جماعت مجموعاً اور انفرادًا مالی اور اقتصادی لحاظ سے خاطر خواہ قرار نہ دیجائیگی۔ اسلئے ضروری ہے کہ والدین اپنے بچوں کو بچپن میں ایسی تربیت دیں کہ وہ اوائل عمر میں ہی شتر بے مہار نہ بنجائیں۔ انکے سامنے بڑے بڑے نصب العین رکھیں اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت کو اُن پر آشکارا کریں۔

پس عام تعلیم اور صنعتی وحرفتی تعلیم کی اشد ضرورت ہے۔ افلاس اسی طرح سے دور ہو گا۔

جماعتی رائے کی بیداری اسکے متعلق ضروری ہے۔ جب جمہور میں جماعتی افلاس کا علم کافی وسعت کے ساتھ آشکارا ہو گیا تب جماعت کی بہتری کی تمنا ہو سکیگی۔ جماعتی بہبودی کا کام ایک شخص کا کام نہیں۔ اور نہ ہی ایک شخص کرسکتا ہے۔ باہمی اتفاق کی از حد ضرورت ہے۔ اگر آپ دلچسپی لیویں اور ذاتی مفاد اور منفعت کا خیال نہ کریں تو جماعت کی حالت بہتر ہو سکتی ہے۔

اس وقت ہر کسی کو لازم ہے کہ مآل اندیشی سے کام لے کر اپنی حاجات پر غور فرمائے۔ اور اپنے خرچوں کی مدّوں کو جانچے۔ فردِ حساب میں اکثر بیجا اور خلافِ مصلحت اخراجات نظر پڑینگے۔ ضبط سے کام لے کر انکو جلد سے جلد ترک کر دیجئے۔ جو کچھ پس انداز ہو اسکو بہتر حاجات کے رفع کرنے میں صرف کیجئے۔

قابل تشریح سوالات

۱۔ چرائے ہوئے پھل میٹھے کیوں ہوتے ہیں ؟۔ انسانی کمزوری کے باعث جو تمام بنی نوع میں پائی جاتی ہے اگر بچے کو کسی بات سے منع کردیا جائے تو وہ فوراً اُسکو کرنا چاہتا ہے اور اگر کسی نوجوان کو کسی چیز سے روکا جائے تو اس میں دماغی بے قراری شروع ہو جاتی ہے جو بسا اوقات فعل ممنوع کے سرزد کرنے سے ہی دور ہوتی ہے۔ نیز خیالی لذات زیادہ خوش آئیند ہوتی ہیں۔ چونکہ چرائے ہوئے پھل بڑی محنت سے حاصل ہوتے ہیں اور اُن کے حصول میں سعیٔ بلیغ کرنی پڑتی ہے۔ لہذا خیالی حظ بھی کثیر ہوتا ہے ۔

۲۔ ہم جمھائی کیوں لیتے ہیں ؟ پھیپھڑوں میں زیادہ آکسیجن لینے کے لئے۔ جب ہم قدرتاً تھک جاتے ہیں تو بوجہ تکان ہماری حرکات تنفس رفتہ رفتہ سُست ہوجاتی ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے پھیپھڑوں کو آکسیجن کی جو زندگی قایم رکھنے کا اعلیٰ سہارا ہے غیر کافی مقدار پہنچتی ہے۔

جب ایسا ہو تو ہمارے دماغ کے ایک خاص حصے کی طرف نسیں پیغام لے جاتی ہیں اور دماغ اسکے جواب میں زیادہ آکسیجن طلب کرتا ہے اور پھیپھڑے تعمیل حکم کے لئے زیادہ کھُلتے ہیں۔ آکسیجن حاصل کرنے کے لئے پھیپھڑوں کا کھلنا دوسرے الفاظ میں جمھائی لینا ہے۔

بعض صورتوں میں جمھائی لینا وبائی بیماری کی مانند ہے۔ ایک شخص تو آکسیجن کی ضرورت کے لئے جمھائی لیتا ہے۔ اور دوسرے نامعلوم طور سے فوراً اُس کی تقلید کرتے ہیں ۔

۳۔ آنسو نمکین کیوں ہوتے ہیں؟

نمک ہمارے اجسام کا ضروری جزو ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا ہمارے جسم جلدی خراب ہو جاتے۔ اور یہی باعث ہے کہ جرّاح اکثر سخت کمزوری کی حالت میں مریض کے جسم کو تازگی بخشنے کے لئے نمکین پانی کی پچکاری دیتا ہے۔

آنکھ جسم کا نہایت اثر پذیر حصہ ہے اور اسکو گرد کے خطرناک ذروں اور جراثیم وغیرہ سے محفوظ رکھنے کے لئے قدرت نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ بالائی پپوٹا آب نمکین سے ایک منٹ میں کئی بار اسے تر کرتا ہے۔ اسطرح پپوٹے کی حرکت تری کی ہموار تہ آنکھ کی سطح پر پھیلائی رہتی ہے۔ متذکرہ بالا بیان سے ثابت ہوا کہ قدرت کا مقصد آب نمکین سے آنکھ کو محفوظ رکھنا ہے۔ اور جب جذبۂ دل یا درد کے زیر اثر غدوددوں سے "آنسو" بہتے ہیں تو قدرتاً نمکین ہوتے ہیں +

۴۔ انسان بغیر سوئے کتنے عرصہ تک زندہ رہ سکتا ہے؟

مکمل اور لگاتار بیداری کا زیادہ ترین عرصہ جو صحیح طور سے مندرج کیا گیا ہے نو دن ہے۔ اس عرصہ میں مریض سخت تکالیف برداشت کرنے کے بعد راہی ملک عدم ہو جاتا ہے۔ تاہم ایسے حالات شاذ و نادر اور خاص خاص بیماریوں کے باعث واقع ہوتے ہیں۔ معمولی حالات میں مضبوط سے مضبوط آدمی بھی زندگی کو معرض خطر میں ڈالے بغیر نوے گھنٹے سے زیادہ لگاتار اور مکمل بیدار نہیں رکھا جا سکتا۔ اور اس عرصہ میں بھی اہم تبدیلیاں واقع ہوں گی۔ سائنسدان اہل بصیرت نے بعض تجربے کئے ہیں جن کی رُو سے لغزشیں۔ وزن کی بیقاعدہ زیادتی۔ طاقت میں غیر معمولی کمی اور تقریباً عدم حافظہ واقعہ ہوئے ہیں +

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مندرجہ بالا حالات کا تعلق لگاتار بیداری سے ہے۔ معمولی شخص جو کہتا ہے کہ میں تین رات تک نہیں سویا بے پرواہی سے کہہ رہا ہے اگر اتنے عرصے تک بیدار رہتا تو بالکل بول ہی نہ سکتا۔

دی پنجاب کرسچن سنٹرل کوآپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور

عرصہ تین سال کا ہوا کہ یہ بنک شہر لاہور میں کھولا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کے دیہاتی مسیحیوں کی مالی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ اس موومنٹ کے ذریعہ سے جو لوگ مسیحی مذہب میں شامل ہوتے ہیں انکی مالی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ خواہ زراعت پیشہ ہوں یا صنعتی یا حرفتی کاموں میں لگے ہوئے ہوں۔ ان لوگوں کو قرضی روپیہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ مسیحی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے جو بنئے بقال وغیرہ بے تحاشہ سود لیکر ان غریبوں کو روپیہ اُدھار پر دے بھی دیتے تھے وہ بھی انکار کر رہے ہیں۔ اگر ہم لوگ انکی مدد نہ کریں تو یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ اس بنک کے ذریعہ سے شہری مسیحیوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ عمدہ سود کی شرح پر روپیہ امانت پر رکھوائیں۔ نیز بنک کے حصص خرید کر عمدہ ڈیویڈنڈس و منافع کماویں۔ پچھلا ڈیویڈنڈ ۹ فیصدی شرح کے حساب سے دیا گیا تھا۔ پچھلے تین سال کے عرصہ میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ قرض دیا جا چکا ہے جو وقت مقررہ پر واپس آ رہا ہے اور تقریباً بارہ ہزار روپیہ سود امانت پر روپیہ رکھنے والوں کو پہنچ چکا ہے۔ یہ بات وہی ہے کہ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔ حصص کی قیمت مبلغ ۱۰ روپیہ ہے جو ساہی انسٹالمنٹ (قسط) میں حسب الدادات۔ اسکے علاوہ شرح سود امانتی روپیہ کے واسطے ذیل میں درج ہے۔

تین ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ (از جمع مستقل) کے واسطے بشرح ۴½ فی صدی سالانہ

۶ " " " " ۵½ " "

۱۲ " " " " ۶½ " "

پچھلا بیلنس شیٹ منگوا کر بنک کی مالی حالت کا ملاحظہ فرماویں۔ بنک چلانے کے اخراجات نہایت کم ہیں سوائے ایک پورے وقت کے اکاونٹنٹ کے باقی سب عہدیداران بلا اجرت قومی خدمت کر رہے ہیں۔

المشتہر

بی۔ ایل۔ رلیارام مینیجر و سیکرٹری۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے لاہور

کریمی پریس لاہور نزد کوتوالی قدیم میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا۔ اور ایڈیٹر مسٹر کے ایل رلیارام نے شائع کیا۔

بسرپرستی پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس لاہور

فہرست مضامین

کل خط وکتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام مسٹر کے ایل رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل سکول ہونی چاہیئے۔ باقی خط وکتابت وترسیل زرچندہ۔ عطیہ وغیرہ بنام مسٹر ٹی خاں بی اے بی ٹی مینجر رنگ محل مشن سکول لاہور ہونی چاہیئے

قیمت سالانہ پیشگی معہ محصول ڈاک دو روپے آٹھ آنے (عہ۸)
۵۰ سے کم آمدنی والوں کے لئے فقط دو روپے (عہ)

نوٹ اور رائیں

(از ع۔ ا۔ ن)

ہندوستان میں مسیحی جماعت کی ترقی۔ رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ میں مکنیر صاحب ماس مووؔمنٹ کے متعلق مشکلات پر بحث کرتے ہوئے کلیسائی ترقی کے بعض اعداد پیش کرتے ہیں جن سے شاید اکثر ناظرین واقف نہ ہونگے سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے رو سے ہندوستان میں مسیحیوں کی تعداد ۴۷۵۴۰۰۰ ہے اور گزرے چار سال میں یہ تعداد پچاس لاکھ تک پہنچ گئی قدیم سیرین اور رومن کیتھولک مسیحی قریب ساڑھے بارہ لاکھ ہیں جو زیادہ تر ادنےٰ اقوام میں سے ہیں۔ گو رومی کلیسیا میں بہت سے اعلےٰ ذات کے مسیحی بھی ہیں۔ پروٹسٹنٹ آبادی میں سے قریب تیس لاکھ ادنےٰ اقوام میں سے اور قریب پانچ لاکھ ایسی اقوام میں سے ہیں جن کو راندہ یا ادنےٰ نہیں کہہ سکتے۔ پنجاب میں سنہ ۱۹۰۰ء اور سنہ ۱۹۲۳ء کے درمیانی عرصے میں سی۔ ایم۔ ایس مشن کے متعلق مسیحی آبادی چھ ہزار سے تیس ہزار تک ترقی کر گئی مغربی ہند میں تین ہزار سے ۱۰۵۰۰ تک اور علاقہ تیلوگو میں تیرہ ہزار سے ترپن ہزار تک یعنی فقط چرچ مشنری سوسائٹی کے متعلق تیئیس سال میں ایک لاکھ تیس ہزار سے ۲۵۶۰۰۰ تک ترقی ہوئی۔ اگر اس میں اکنا یس ہزار زیر تعلیم اشخاص کو شامل کیا جائے تو مجموعی ترقی تین لاکھ چھ ہزار ہوگی۔ ریاست حیدرآباد میں باوجود خاص مشکلات کے مسیحیوں کی تعداد میں حیرت افزا ترقی ہوئی ہے یعنی سولہ سال میں (سنہ ۱۹۱۶ء تک) سات ہزار سے تینتیس ہزار تک پہنچ گئی ہے مابعد کے آٹھ سال میں یہ تعداد پچاس ہزار تک ترقی کر گئی ہے اس میں زیر تعلیم اشخاص بھی شامل ہیں۔ مگر یہ اعداد نارتھ انڈیا کی کلیسیائی ترقی کے مقابلے میں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اُس علاقے

ہیں میتھوڈسٹ اپسکوپل اور امریکن پریسبی ٹیرین اور دیگر مشنیں کثیر التعداد مسیحوں کے درمیان بڑی تندہی سے کام چلا رہی ہیں ۱۹۱۹ء تک چار سال کے عرصے میں میتھوڈسٹ مشن نے اوسطاً فی سال اکتیس ہزار آدمی کو بپتسمہ دیا۔ گزشتہ مردم شماری کے مطابق پنجاب کی مسیحی آبادی بیس سال کے عرصے میں دس گنا ترقی کر کے ۳۳۲۰۰۰ تک پہنچ گئی ہے بعض دیگر مشنوں مثلاً امریکن بپٹسٹ اور علاقہ تیلگو میں لوتھرن مشن میں اس سے کم عجیب ترقی نہیں ہوئی۔ مردم شماری کی جدولوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ۱۸۸۱ء سے اب تک پچیس لاکھ مسیحی بڑھ گئے ہیں۔ اگر اس چالیس سال کی ترقی کو فی صدی کے حساب سے شمار کیا جاوے تو پنجاب میں ۳،۱۱۳۴ اور بڑودہ میں ۵،۸۶۲ صوبجات وسطی میں ۹،۷۸۹۔ صوبجات متحدہ میں ۲،۳۳۶۔ حیدرآباد (دکن) میں ۲،۳۶۰۔ ٹراونکور میں ۳،۱۳۵ فیصدی ترقی ہوگئی ہے۔ مگر آسام ان سب سے گوئے سبقت لے گیا ہے یعنی اسی عرصے میں مسیحیوں نے سات ہزار سے ایک لاکھ بتیس ہزار تک یا ۵،۱۷۶۲ فی صدی ترقی کی۔ اور گزرے تیس سال میں ترقی کی رفتار بحساب دو ہزار فی ہفتہ رہی ہے +

ماس موومنٹ کے متعلق مشکلات۔ اس تعدادی ترقی کے ساتھ جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں مشنوں اور کلیسیاؤں کی ذمہ داری بھی بڑھ گئی ہے۔ نئی نئی مشکلات پیدا ہوگئی ہیں جن کو حل کرنا ضروری ہے۔ اس کی نسبت مکنیر صاحب اپنے مضمون کے اختتام پر بطور خلاصہ فرماتے ہیں کہ مسیحی تعلیم نے ایک ایسا سلطے تصور ملک میں پھیلا دیا ہے جو ہندوستان میں چاروں طرف ترقی کر رہا ہے اور لاکھوں بے علم اور بیکس لوگ بادشاہت میں بکثرت داخل ہو رہے ہیں۔ ایک بڑی بھاری آنے والی فصل کا پیش خیمہ ہے۔ مگر اس موومنٹ کی وسعت گھبرا دینے والی ہے مشنوں کی طاقتیں اس کو کماحقہ سنبھال نہیں سکتیں ماس موومنٹ میں ایک طرف تو بڑا بھاری خطرہ ہے کہ بلا تعلیم محض

برائے نام مسیحی مسیحیت پھیل نہ جائے اور دوسری طرف اندیشہ ہے کہ سیاسی حالات کے تغیر و تبدل میں یہ بڑا موقع جلد ہاتھ سے جاتا نہ رہے - تجربہ نے سکھا دیا ہے کہ مشنری خدمت کا موجودہ طریق جو زمانہ ماضی میں نہایت کامیاب ثابت ہوا ہے آئندہ اس کارِ عظیم کی وسعت کے لحاظ سے کارآمد نہیں ہوسکتا - اول تو ہند کی کلیسیا ؤں کا فرض ہے کہ پرانے طریقوں پر دوبارہ غور کرکے رضاکاری کی خدمت اختیار کریں - اب وہ وقت نہیں رہا جب کلیسیا کے کارندے اور خادمانِ دین تنخواہ لیکر کام کرتے تھے جب کلیسیا کے ممبر کا برضائے خود بلا معاوضہ خدمت کرنا شروع کرینگے اور جو روپیہ اس وقت اُنکی تنخواہ وغیرہ پر خرچ ہوتا ہے وہ بشارتی کام میں لگایا جاسکیگا - پھر ہوم مشنوں کا فرض ہے کہ جان توڑکر کوشش کریں کہ اس اہم موقع کا پورا فائدہ اُٹھائیں - جس کا دروازہ اب کھلا ہے مگر ممکن ہے کہ جلد بند ہو جائے"۔

دنیا کا خاتمہ آئے دن دنیا میں یہ اعتقاد موجزن ہوجاتا ہے کہ اس کرۂ ارض کا خاتمہ عنقریب ہونے والا ہے - بعض اوقات اس حادثہ کی صیحح تاریخ بھی مقرر کی جاتی ہے - چنانچہ ایک زمانے میں ممالک یورپ میں عام خیال پیدا ہوگیا کہ زمین ۱۰۰۰ء میں فنا ہوجائیگی - دہقان اپنی کھیتی باڑی چھوڑ بیٹھے - کیونکہ اگر زمین فی الحقیقت کچھ عرصے کے بعد نابود ہونے والی ہے تو ہل چلانے اور بیج بونے سے کیا فائدہ ؟ یوں تو ہر انسان یہ دریافت کرنے کی آرزو رکھتا ہے کہ ہماری اس زمین کا کیا حشر ہوگا ؟ وہ کونسے اسباب ہیں جو اس کا خاتمہ کر دینگے اور کب ؟ مگر جو لوگ قدرت کے مشاہدات اور مناظر کا بغور مطالعہ کرتے ہیں یا بائبل کی نبوتوں اور اشارات کے غواص ہیں وہ اس مضمون پر خاص طور پر غور و فکر کرکے ایسی ایسی باتیں نکالتے ہیں - جن سے اس سوال پر نئی روشنی پڑتی ہے - بدقسمتی سے جو نتائج افکار وہ پیش کرتے ہیں وہ بہت کچھ قیاسی ہوتے ہیں - مثلاً بعض ہیئت دان کہتے ہیں کہ کوئی دُمدار ستارہ ہماری زمین سے ٹکرا کر اُس کا خاتمہ کر دیگا - چنانچہ جارج

سال گزرے کہ ایک دُمدار ستارے کی نسبت اندازہ کیا جاتا تھا کہ اس کا سر زمین
کے ساتھ ایسے زور سے ٹکرائیگا کہ زمین فوراً بھسم ہوجائیگی۔ اغلباً زمین
اُس کی لطیف دم میں سے گزرگئی اور کسی کا بال بیکا نہ ہؤا۔ بعض منجم خیال کرتے
ہیں کہ کسی وقت ہمارا سورج دفعتہً بعض دیگر ستاروں کی طرح پھٹ جائیگا اور
زمین اور ما فیہا کو پل بھر میں نابود کردیگا۔ سر کانن ڈائل صاحب کا قیاس ہے کہ
ہماری زمین اپنی مسافت میں ایک ایسی زہریلی ہوا میں سے گزریگی جو تمام
زندہ اشیا کو ایک دم میں فنا کردیگی۔ یہ بھی حساب کیا گیا ہے کہ کرۂ ارض
کی گردش کی رفتار بوجہ سمندر کی مدوجزر کے سُست ہوتی جارہی ہے۔ اور
ایک وقت ایسا آئیگا جب زمین سال بھر میں اپنے محور کے گرد ایک ہی چکر
کھایا کریگی اور اس کا دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ چاند کی طرح اس کا ایک
پہلو ہمیشہ روشن اور دوسرا تاریک ہوجائیگا اور کوئی شے زندہ نہ رہ سکیگی۔
بعض نے سمندر کی تبخیر سے اندازہ کیا ہے کہ رفتہ رفتہ لاکھوں سال میں
سطح زمین سے آبی بخارات اُٹھ کر فضا میں ایسے معدوم ہوجائینگے کہ آخر زمین سنسان و
بیابان ہوجائیگی۔ چنانچہ مریخ ستارے والوں کو بھی یہی مشکل رونما ہورہی ہے
ان سب سے زیادہ قرین قیاس یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہمارا سورج سرد و تاریک
ہوتا جارہا ہے جب اُس کی حرارت اور روشنی ہمیشہ کے لئے جاتی رہیگی۔
تو روئے زمین پر زندگی کا نام ونشان باقی نہ رہیگا۔ ان قیاسات کی رُو
سے زمین کا خاتمہ لاکھوں سال کے بعد ہوگا۔ مگر ہمارے نبوّت کے مفسّرین
وقتاً فوقتاً اِس میعاد کو بہت گھٹا کر بعض لوگوں کو پریشانی میں ڈال دیتے
ہیں ایسی قیاسی تاریخیں قائم کرتے ہیں ہمارا سینچری فرقہ خاص طور پر ید طولے
رکھتا ہے چنانچہ ابھی حال ہی کا ذکر ہے کہ اس چرچ کے ایک ہادی رابرٹ
ریڈٹ صاحب معہ اپنے پینتیس چیلوں کے جزیرہ لونگ پر دنیا کے خاتمے
کے انتظار میں ہفتہ بھر روزے میں مشغول رہے۔ وہ سب اپنا اپنا دنیوی
مال فروخت کرکے ایک ہفتے تک چشم بشوق بڑے یقین کے ساتھ دنیا
کی بربادی کے منتظر تھے اسی فرقے کے بہت سے شرکاء دیگر مقامات پر

بھی اسی غرض سے فراہم ہوئے۔ تعجب ہے باوجودیکہ اس قسم کے حساب بار بار غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ روز آخر کی تاریخیں مقرر کرنے سے باز نہیں آتے۔ معلوم نہیں اب کونسی تاریخ مقرر ہوتی ہے +

مسیحی رسوم۔ کسی قوم کی ہستی میں رسوم کا ہونا لازمی امر ہے مگر جب تک قوم کی ساخت مکمل نہیں ہو چکتی پختہ رسوم بھی قائم نہیں ہو سکتیں ہماری مسیحی جماعت ایسے تغیر کے زمانے میں سے عبور کر رہی ہے جس میں کسی خاص مستقل رسم کا ہونا دشوار ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم کسی رسم کو اختیار ہی نہ کریں اب تک تو ہم نے تھوڑی بہت مغربی اقوام کی تقلید کی ہے۔ اور ابتدائی منزل میں بغیر اس کے چارہ بھی نہ تھا۔ اب جبکہ ہماری تعدادی ترقی کی رفتار تیز ہے اور ہم میں قومی بیداری کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔ مناسب ہے کہ ہم رفتہ رفتہ ایسی رسوم قائم کریں جن میں ہماری مسیحیت بھی ہاتھ سے نہ جائے اور ہم اپنے غیر مسیحی بھائیوں سے بھی غیریت اختیار نہ کریں ہم کیوں اپنے ملک کی بعض رسوم کو بپتسمہ دیکر اپنی قومی ہستی کا جزو نہیں بنا سکتے؟ یہ کوئی طعن کی بات نہیں ہے کہ ابتدائی مسیحیوں نے کرسمس اور ایسٹر کو بت پرستوں سے لیکر اپنا تیوہار بنا لیا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ہمیں شیطان سے بھی اچھی چیزیں لے لینی چاہئیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ اگر ہم نے اپنی رسوم غیر مسیحیوں سے لینی ہیں تو وہ کس فرقے سے لی جائیں۔ اہل ہنود اور محمدیوں اور 'اچھوت جاتی' والوں کی رسوم ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور چونکہ ہماری جماعت ان سب اقوام کے شرکاء کا مجموعہ ہے۔ اس لئے ہمیں اپنی رسوم میں اُن تمام فرقوں کے جذبات کی رعایت رکھنی لازم ہے بطور مثال کے ہم چند رسوم کا ذکر کرینگے جن کے جاری کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہو سکتا۔ ہم عید تولد پر چراغاں کر سکتے ہیں۔ عید ظہور اور ایسٹر ڈے اور فصل کی درآمد کے

وقت میلے قائم کرکے باہمی اتحاد اور رفاقت بڑھا سکتے ہیں۔ پھر کیا
یہ نامناسب ہے کہ ہم کسی خاص دن پر اپنے خادمانِ دین کو پھل
پھول یا دیگر مناسب ہدیئے دیں۔ غریبوں اور بچوں کے لئے سالانہ
جلسوں کا انتظام کریں۔ بھائی اپنی بہنوں کو تحائف دیا کریں۔ کلیسیائے
انگلستان میں یہ ایک نہایت عمدہ قاعدہ ہے کہ خداوند کی زندگی کے
آخری ہفتے کے واقعات کو خاص طور پر ہفتے بھر تک روزانہ یاد کیا جاتا
ہے۔ اس کے متعلق اگر اُس ہفتے میں جابجا روزانہ کتھا کا سلسلہ جاری
کیا جائے تو کس قدر فائدہ ہو سکتا ہے۔ علےٰ ہٰذا القیاس ہم مسیح میں ہو کر
بیاہ شادی اور ماتم کے موقعوں کے لئے ایسی رسوم اختیار کریں جو ہماری
قومیت اور مسیحیت دونوں کے شایاں اور مناسبِ حال ہوں۔ اب
آنکھیں بند کرکے مغربی رسوم کی تقلید کا زمانہ نہیں رہا ٭

ہندوستان میں مسیحیت لندن سے ایک تار خبر مظہر ہے کہ البرٹ ہال
میں ایک بڑے مشنری مظاہرے کے موقع پر چھوٹا ناگپور کے بشپ صاحب
نے دورانِ تقریر میں ہندوستان میں مشنری خدمت کے متعلق اشارہ
کرتے ہوئے فرمایا کہ "جب اس بے سروپا خیال کا اظہار کیا جاتا ہے کہ
ہندوستان مسیح کے قدموں میں آگیا ہے تو میں ہمیشہ غصے سے بھر
جاتا ہوں۔ ہندوستان آج ویسا ہی مسیح کے قدموں میں ہے جیسا بیس
سال بیشتر تھا بلکہ یہ امر واقعی ہے کہ اب وہ مسیح سے زیادہ دور ہو گیا
ہے۔" معلوم ہوتا ہے کہ بشپ صاحب نے ہندوستان کے مذہبی خیالات
اور جذبات کا کما حقہٗ مطالعہ نہیں کیا۔ اور نہ یہ دریافت کرنے کی کوشش
کی ہے کہ موجودہ سیاسی اور سوشل انقلاب کی تہ میں مسیح کی تعلیم کا اثر
کہاں تک پھیل رہا ہے۔ ورنہ ایسی نا امیدی کے کلمات ہرگز زبان
پر نہ لاتے ٭

دوآبہ کنونشن جالندھر

جالندھر اور ہوشیارپور کے اضلاع میں مسیحی کلیسیائیں مدت سے قائم ہیں۔ مگر ان کلیسیاؤں کی زندگی میں یہ اول موقع ہے کہ کنونشن منعقد کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ پنجاب میں سیالکوٹ کنونشن اس قسم کی مجالس کی گویا ماں ہے۔ اس کے نمونے پر مختلف مقامات میں کنونشنیں جاری کی گئی ہیں۔ اس صوبے کے قریب چار لاکھ مسیحی ایسے پھیلے ہوئے ہیں کہ ان کے ایک معتدبہ حصے کو بھی ایک جگہ جمع کرنا ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے جابجا ایسے مرکز قائم کئے گئے ہیں جہاں خصوصاً دیہاتی مسیحی اور مسیحی مدارس کے طلبا آسانی سے جمع ہو سکیں۔ اور دور دراز سفر کی کلفت اور اخراجات سے بچ جائیں۔ دوآبہ کنونشن کے جلسے ۹ تا ۱۲ اپریل مشن احاطہ جالندھر میں فراہم ہوتے رہے۔ حاضرین کی تعداد تین اور چار سو کے درمیان تھی۔

۹ تاریخ شام کے اجلاس میں جالندھر کی کلیسیا کے پاسبان بزرگ پادری رلا رام صاحب نے سامعین کو یاد دلایا کہ آج ہم ہفتے کی اسی شام کے وقت جمع ہوئے ہیں جو ہمارے خداوند کے آخری ہفتے کی وہ شام تھی جس میں اُس نے اپنے شاگردوں کے ساتھ بالاخانے پر فسح کھایا۔ آپ نے خداوند کے دکھ اور تکلیف پر غور کرنے کی نصیحت کی یہ تقریر کنونشن کے آغاز میں سنجیدہ فضا پیدا کرنے کے لحاظ سے نہایت باموقع تھی بعد ازاں پادری ایچ گولکناتھ صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر میں حاضرین کو خوش آمدید کہا۔ اور مسٹر ہوز جنرل سکرٹری نے دوآبہ کنونشن کے مقاصد و اغراض کو پیش کیا۔ باقی دو روز شام کے وقت راؤنڈ ٹیبل کانفرنس یعنی

کلیسیائی امور کے متعلق گفت و شنید کی مجلس ہوئی۔

۱۰ اور ۱۱ تاریخوں پر صبح کے اجلاس میں حمد و ثنا کے بعد سیالکوٹ مشن کے ڈاکٹر براؤن صاحب کلام اللہ کی تلاوت میں ہادی تھے پہلے روز انہوں نے نیقودیموس کی مسیح کے ساتھ ملاقات اور نئی پیدائش کی ضرورت کا بیان کیا دوسرے روز صلیب اٹھانے پر دلچسپ خیالات پیش کئے۔ آپ نے صلیب کے مضمون کو ایک تصویر کے ذریعے نئے طور پر ادا کیا۔ یعنی جب ہم اپنی مرضی کے مطابق ایک خاص رستے پر چلنا چاہتے ہیں اور خدا ہم کو اس سے آڑے رستے پر چلانا چاہتا ہے تو ان رستوں کے ٹکر انے سے صلیب کی صورت بن جاتی ہے۔ اپنا رستہ چھوڑ کر خدا کے رستے پر چلنا ہی حقیقی صلیب برداری ہے۔

خدا	کا رستہ
	ہمارا رستہ

کلام کی تلاوت کے بعد کلیسیائے ہند کا مضمون پیش کیا گیا پادری اے ٹھاکرداس صاحب نے ایک نہایت دلچسپ تقریر میں کہا کہ ہندوستان کی گری ہوئی جسمانی حالت اور افلاس اور جہالت میں یہ مسیحی کلیسیا کا فرض ہے کہ مسیح کو پیش کر کے ہندوستان کی مشکلات کو حل کرے پادری ایس۔ این طالب الدین صاحب نے کلیسیا کی بتدریج ترقی اور زندگی بخش طاقت کو اس ندی سے مشابہ کیا جو حزقی ایل نبی کی رویت میں خدا کے گھر کے آستانے سے یہ نکلی اور رفتہ رفتہ گہرائی میں ترقی کرتی گئی اور جہاں وہ جاتی زندگی پھیلاتی تھی۔ آپ کے خیال میں ہماری ہندوستانی کلیسیا اس مرحلے تک پہنچی ہے جہاں دریا کا پانی کمر تک تھا یعنی نہ تو اس میں آسانی سے چل سکتے ہیں اور نہ تیر سکتے ہیں۔ اسلئے کلیسیا کے لئے یہ خطرے اور سنبھل کر چلنے کا زمانہ ہے۔ مسٹر کے۔ ایل رلیارام صاحب نے بھی کلیسیا کی ترقی کی ضرورت اور وسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور پادری آر۔ ایم واعظ صاحب نے جو بوجہ علالت تشریف نہ لا سکے اپنا مضمون ارسال کر دیا جو ایک اجلاس میں پڑھا گیا آپ کے خیال مبارک میں اب تک ہندوستانی کلیسیا کی ہستی ہی نہیں تو اس کی ترقی

کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ مغربی چرچوں کی پیدا کردہ کلیسیائیں حقیقی ہندوستانی کلیسیا نہیں ہیں ✦

اِن مضامین کے علاوہ بعد دوپہر کے اجلاس میں پادری عبدالحق نے نجات اور کفارہ اور الوہیت مسیح پر تین لیکچر دئے۔ جن میں غیر مسیحی صاحبان بھی مدعو تھے۔ ہر لیکچر کے بعد معترضوں کو اعتراض پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔ اُدھر خواتین کی مجالس ایک علیٰحدہ شامیانے کے نیچے منعقد ہوئیں اُن میں ایک غیر مسیحی خاتون نے سورج کی کرنوں اور مختلف رنگوں کے ذریعے سے امراض کے علاج پر تقریر کی شام کے وقت گولک ناتھ میموریل چرچ میں انگریزی زبان میں عبادت ہوتی رہی جس میں ڈاکٹر براؤن صاحب اور ڈاکٹر خائف صاحب ہادی تھے ✦

مذکورہ بالا مختصر بیان سے ظاہر ہے کہ اگر کنونشن کا مفہوم روحانی بیداری کی مجالس ہو تو دوآبہ کنونشن کے مقاصد اور اغراض اس سے مختلف تھے۔ جن لوگوں کو سیالکوٹ کنونشن میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ اُن کو معلوم ہوگا کہ اُس موقع پر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ایک ایسی فضا پیدا کی جائے جس میں حاضرین کی توجہ سوائے کنونشن کے مقررہ مضمون یعنی روحانی بیداری کے وسائل کے دوسری طرف مائل ہونے نہ پائے۔ اس اصول پر یہاں تک زور دیا جاتا ہے کہ ایک موقع پر جب چند اصحاب جوالا پور کے کرسشٹ آشرم کی نسبت جلسہ کرنا چاہتے تھے تو اُنکو کنونشن کیمپ کی حدود میں اس قسم کے اجلاس کی اجازت نہ دی گئی۔ دوآبہ کنونشن اس قسم کی تمام قیود سے پاک تھی۔ اِسی وجہ سے بعض موقعوں پر بدمزگی پیدا ہو گئی۔ بعض تقریروں میں سنجیدگی کا وہ درجہ بھی نہ تھا جس سے روحانی زندگی میں کسی قسم کی مدد مل سکتی۔ کلیسیائی معاملات میں اختلاف رائے کا اظہار اُس دلی تیاری اور یگانگی کے سدِّ راہ تھا جس کے بغیر کنونشن کا مقصد ہرگز پورا نہیں ہوسکتا۔ شاید اچھا ہو کہ آئندہ ان امور کا لحاظ رکھ کر سیالکوٹ کنونشن کی تقلید کی جائے۔ کم از کم کلیسیائی جھگڑوں کو ایسے موقع پر نہ چھیڑا جائے ۔

دوآبہ کنونشن میں رہائش اور خوراک کا انتظام بالکل مفت تھا یعنی برائے نام فیس داخلہ کے کسی سے ایک پیسہ بھی لیا نہ جاتا تھا۔ خدا نے جالندھر کی کلیسیا کے شرکا کو بڑی برکت دی ہے۔ اُنہوں نے کنونشن کے شرکاء کو اپنا مہمان سمجھ کر مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ معززخواتین دلی

- -

شوق سے خورد و نوش کے انتظام میں ہاتھ بٹاتی رہیں۔ اس محبت کی خدمت کے لئے وہ اور کلیسیا کے دیگر معزز شرکا تعریف اور شکریہ کے مستحق ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ بہترین انتظام ہے۔ کیا بیرونجات کے شرکاء کی خودداری اور حمیت اس بات کو گوارا کر سکتی ہے کہ اُنکو مفت کھانا دیا جائے اور اُٹھتے بیٹھتے اُنکو یاد دلایا جائے کہ آپ بلا قیمت کھانا کھا رہے ہیں۔ اگر خورد و نوش اور رہائش کا سا لکوٹی انتظام پسند نہ کیا جائے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ آئندہ کوئی خاص رقم روزانہ ہر ممبر سے وصول کی جائے اور فقط ناداروں کو برائے نام چند پیسوں میں پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے اگر روپے میں کچھ کمی ہو جائے تو بذریعہ چندہ یا عطیات دوآبہ کی کلیسیا کے متمول اشخاص اُس کمی کو پورا کر دیں۔ اس سے سارا بوجھ چند افراد کے سر پر نہ پڑیگا +

اِس کنونشن میں گانے کے لئے زبور اور بھجنوں اور گیتوں اور غزلوں کا ایک خاص مجموعہ "حمد و ثنا" مرتب کیا گیا تھا۔ جن میں بہت سے ایسے اوزان ہیں جن کو دیہاتی مسیحی بڑے شوق سے دیسی راگوں کے ساتھ گاتے ہیں۔ جو پاکیزہ اُبھارنے والے گیت انگریزی زبان میں موجود ہیں۔ اور جن سے ایک قسم کا روحانی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ہمارے ہندوستانی اور پنجابی گیتوں میں بہت کم پائے جاتے ہیں مگر جب تک ایسے گیت مہیا نہ کئے جائیں "حمد و ثنا" کی طرز کے مجموعے تھوڑا بہت کام دے سکتے ہیں ہمارے دیہاتی بھائیوں میں راگ کا شوق پایا جاتا ہے بلکہ جو گیت

کنونشن یا عبادت میں گائے جاتے ہیں وہ بلحاظ سُر اور راگ کی موزونی کے گائے جاتے ہیں۔ مختلف دیہاتی ٹولیوں میں موسیقی کا مادہ کم وبیش موجود تھا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اُن کی ضرورت کے مطابق اُن کو راگ کے علم میں آگے بڑھایا جائے۔ کیا یہ مناسب ہوگا کہ جالندھر میں سمر سکول کے موقع پر راگ کی درس تدریس پر زور دیا جائے اور جن جوانوں میں موسیقی کا مادہ ہے اُن کو اس فن کی باقاعدہ تعلیم دی جائے۔ مدراس کی کلیسیا میں دیسی راگ کے مدرسے اچھا مفید کام کر رہے ہیں +

کنونشن کے مقرروں کے متعلق ایک بات خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہے۔ ہمارے ہندوستانی بھائیوں میں سے خصوصاً تین نوجوان خادمانِ دین نے اس موقع پر اپنے دلچسپ اور قیمتی خیالات کو حاضرین کے سامنے پیش کیا۔ یہ تینوں پادری صاحبان سہارنپور سیمنیری کے طلبا ہیں۔ ہم اس سیمنیری کو ایسے لائق واعظ اور مبشر پیدا کرنے کے لئے مبارکباد دیتے ہیں۔ پرانے خادمانِ دین اور واعظ گزرتے جا رہے ہیں اُنہوں نے کلیسیا کو بڑی محنت سے اس درجے تک پہنچایا۔ اب کلیسیا کی پرورش اور ترقی جوانوں کے ہاتھ میں ہے اور خدا اُنکے ذریعے سے بڑے بڑے کام کریگا +

اِس نوخیز کنونشن میں دیہاتی مسیحیوں کی ایک معقول تعداد موجود تھی۔ فصل کی کٹائی کے موقع پر اتنے آدمیوں کا جمع ہو جانا بھی غنیمت تھا۔ اگر آئندہ کنونشن کا انعقاد ماہ مارچ میں کیا جائے تو زیادہ رونق کی امید ہو سکتی ہے۔ ایسٹر کی صبح کے وقت عشائے ربانی کی مبارک رسم ادا کی گئی جس میں مختلف کلیسیاؤں کے شرکا بغیر کسی امتیاز کے مسیح کے دُکھ اور موت کی یادگار میں شریک ہوئے۔ دوآبہ کنونشن نے اپنے اس عمل سے باقی کنونشنوں کے لئے ایک عمدہ نمونہ قائم کر کے دکھا دیا ہے۔ خدا اس یگانگت کی روح کو ترقی بخشے +

ناصر

"شنیدہ کے بود مانند دیدہ"

نوٹ۔ جناب پادری اے کھاکرداس صاحب ایم اے کے نام نامی سے تقریباً تمام پنجابی مسیحی قوم واقف ہے۔ آپ بڑے لئیق اور فصیح واعظ ہیں۔ امریکہ کے دور و دراز سفر سے واپس آ کر صاحب موصوف نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے ناظرین مسیحی کو محظوظ کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اپنے مضمون "شنید کے بود مانند دیدہ" کی پہلی قسط بھیجکر ممنون فرمایا ہے۔ امید واثق ہے کہ آپ کا مضمون قدر کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔
(ایڈیٹر انچیف)

مدت سے آرزو تھی کہ مغربی ممالک کی بصیرت افروز حالت کو دیکھ کر اپنے دلی ارمان نکالوں۔ اہل مغرب کی آزادئے خیال اور علوم و فنون کا شہرہ سنکر دل چاہتا تھا کہ پر لگاؤں اور اُڑ جاؤں۔ خدا خدا کر کے یہ تمنا بر آئی۔ میرا امریکہ جانے کا عزم مصمم ہو گیا۔ امریکہ میں جا کر میں نے کیا دیکھا اور کیا سنا ان میں سے مشتے نمونہ از خروارے ہدیۂ ناظرین ہے۔

اپنے وطن کو چھوڑنا اور اعزہ و اقربا و احبا کی جدائی ہمیشہ ناگوار گذرتی ہے بندرگاہ کراچی سے جب جہاز شور مچاتا ہوا اور پانی کی لہروں کو چیرتا ہوا پیارے ہندوستان کے ساحل سے روانہ ہوا تو بے اختیار آنسو نکل پڑے دل یہی چاہتا تھا کہ چھلانگ جاؤں اور جا کر تو لکھا گر جا گھر کے درختوں ہی سے لپٹ جاؤں تختۂ جہاز پر کھڑا ہو کر تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا کہ ساحل ہندوستان کس طرح نظر سے غائب ہوتا ہے؟ جہاز اٹھکیلیاں کرتا ہوا چلتا گیا۔ مکانات اور درخت پہلے دھندلے سے پڑ گئے اور پھر بتدریج نظر سے غائب ہوتے گئے تھوڑے ہی عرصے میں سوائے لاجوردی آسمان اور نیلی چادرِ آب کے کالے کوسوں تک اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ عالم تنہائی میں مایوسی اور حسرت کی گھٹائیں دل پر چھا گئیں۔ دل ہی دل میں یہ خیال آتا تھا کہ کہاں میں اور کہاں یہ بحر ناپیدا کنار۔ آخر دل کے بہلانے کے لئے جہاز کی بناوٹ اور اس کے مختلف حصوں کو دیکھنے کا شغل پیدا کیا۔ کیا کہنے! یہ انگریز اور دیگر اہل یورپ کس قدر الوالعزم اور زیرک ہیں کہ سمندروں کو بھی انہوں نے اپنے تابع فرمان بنا لیا ہے۔ کیسی حکمت سے انہوں نے جہاز کے حصوں کو ترتیب دیا ہے اور کیسی کیسی مصیبتیں جھیل کر اور جان پر

کھیل کر یہ ہزار ہا میل کا سفر طے کر جاتے ہیں۔ خدا ایسی عالی ہمت اور جانباز قوم کو کیوں عروج نہ بخشے اور ہم جیسے پست ہمت ہندوستانیوں کو کیوں محکومی اور غلامی کے جوئے کے نیچے نہ رکھے*

جہاز میں چند ہندوستانی طلبا بھی تھے جو تحصیل علوم کی غرض سے انگلستان جا رہے تھے۔ دوسرے دن یہ سب کے سب بیمار ہو گئے۔ لیکن بندہ بچ رہا۔ تختۂ جہاز پر آکر معلوم کیا کہ انگریز صاحبان مرد اور عورتیں اپنے کھیل کود اور تفریح میں مصروف ہیں۔ اور اُن سے تعارف پیدا کرنا کوئی آسان بات نہیں۔ چند دنوں کے بعد ایک انگریز انجنیر سے گفتگو کا موقع مِلا اور ان کے ساتھ شطرنج کے کھیل میں شرکت کا فخر حاصل ہُوا۔ بیچارے جتنی بازیاں کھیلے سب ہار رہے۔ اِس سے بجائے اِس کے کہ ان کی ہمت پست ہو اُلٹا اثر ہُوا۔ گویا سمندِ ناز پہ ایک تازیانہ ہُوا۔ ہر روز تازہ دم نئے جوش اور شوق کے ساتھ کھیلنے آتے تھے۔ مگر ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا تھا۔ آخر نہ رہ سکے اور کہنے لگے کہ "ہندوستانیوں کا دماغ تو اچھا ہے"۔ جواب میں عرض کیا کہ "بجا ارشاد ہُوا دماغ تو اچھا ہے لیکن پیٹ خالی ہے"*

آپ کی مہربانی سے ایک اور صاحب جو ریلوے افسر تھے اور اُن کی میم صاحبہ سے روشناسی کا موقع مِلا۔ یہ نئے صاحب نہایت دراز قد تھے اور جہاز پر بھی افسرانہ انداز سے پھرا کرتے تھے۔ مَیں نے ہندوستانی تملق سے کام لیا اور کہا کہ آپ کو دیکھ کر مجھے لارڈ کچنر یاد آتے ہیں۔ یہ سُنکر نہایت محظوظ ہوئے اور جنگ یورپ کا ذکر شروع کر دیا۔ ہماری بہادر سکھ قوم کا بھی ذکر آیا۔ مَیں نے عرض کی کہ سِکھ سپاہی بڑے بہادر ہوتے ہیں؟ فرمانے لگے "ہاں اندھوں میں کانا راجہ۔ سکھوں کی بہادری ہم نے خوب دیکھ لی۔ لڑائی کے وقت اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں خود گولی مار لیتے تھے تاکہ پیچھا چھُڑا کر ہسپتال میں داخل ہو جائیں۔ مجھے ان کا یہ فقرہ کسی قدر ناگوار گزرا۔ صاحب بہادر نے شاید چند ایسے واقعات دیکھے ہونگے اور

اس پر عمل سکھوں کی نسبت ایک ناقص اور ناتمام فیصلہ کر دیا۔ صاحب بہادر کے ذہن میں یہ بات آئے یا نہ آئے۔ لیکن یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ اس گزشتہ جنگ میں ہندوستانی سپاہیوں نے اور خاصکر سکھوں نے کس بہادری اور وفاداری کے جوہر دکھائے اور وہ اپنے افسران بالا دست کی طرف سے مورد تحسین و آفرین قرار پائے۔

جہاز رات دن دن دناتا ہوا چلا جاتا تھا۔ نقشے کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان کتنی دُور رہ گیا۔ بندہ اپنے ہندوستانی لباس میں پگڑی باندھے ایک طرف کرسی پر بیٹھ کر اس جہازی دنیا کا تماشا دیکھا کرتا تھا۔ ایک روز ایک انگریز لیڈی میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کیا آپ ہاتھ دیکھ کر قسمت بتا سکتے ہیں۔ مَیں نے بطور دل لگی کہہ دیا۔ ہاں کچھ کر ہی لیتا ہوں۔ اُنہوں نے اپنا ہاتھ دکھایا۔ مَیں نے اُن کی ظاہری پوشاک اور چہرے سے اندازہ لگا کر چند گول مول مُبہم سے فقرے کہنے شروع کئے اور پھر یونہی پوچھا کیا آپ کبھی پانی میں ڈوبتے ڈوبتے بچی ہیں؟ ایک دم گھبرا گئیں اور کہنے لگیں کہ آپ کو یہ کس طرح معلوم ہؤا۔ بس پھر کیا تھا۔ اُس دن سے بندے کے فن نجوم کا سکّہ جم گیا۔ جہاز کے ہر مرد اور عورت نے مجھے آکر اپنے ہاتھ دکھلائے اور بندہ نے بھی اس کے جواب میں خوب گُل کترے اور بہت سی بے سروپا باتیں کہیں۔ معلوم نہیں کہ اہل مغرب کے دل میں یہ خیال کیونکر بیٹھ گیا ہے کہ ہندوستان میں زیادہ تر نجومی نرمتر ٹونے ٹوٹکے جادو ٹونے والے فاقیر اور سپیرے ہی بستے ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ اس خیال کی تردید اُنہیں ناگوار گزرتی ہے۔ اور جب کبھی اس کی تصدیق ہوتی نظر آئے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ امریکہ پہنچ کر بھی جب کبھی پگڑی پہن کر باہر نکلنے کا اتفاق ہوتا تو اکثر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں دور سے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی دکھلاتے اور انگلیوں کے اشارے سے اُجرت کا فیصلہ کرتے تھے۔

ایک روز جہاز میں رات کے وقت جب کھانا کھا کر اُوپر آئے تو

مسیحی

ایک دم سے شور مچا کہ لڑائی! لڑائی!!

تمام مرد اور عورتیں اس طرف بھاگے۔ بندہ بھی گیا اور جاکر دیکھا کہ ایک انگریز گورا سپاہی اور ایک ہندوستانی طالب علم آمنے سامنے کھڑے ہیں اور زور زور سے بول رہے ہیں۔ میں نے سوچا۔ آج خیر نہیں گورا (کوٹ اتار کر) "کم آن۔ کم آن۔ یو کاورڈ"۔

ہندوستانی طالب علم: "میں کپتان سے رپورٹ کرونگا"

گورا۔ یو۔ کم آن"۔

ہندوستانی طالب علم (مجھے دیکھ کر) مسٹر ٹھاکر داس! میری جان خطرے میں ہے۔

میں زور سے ہنس پڑا اور عرض کی کہ "بھائی اگر جان خطرے میں ہے تو اکڑتے کیوں تھے" واہ رے ہندوستان! یہ ہے تیری شجاعت اور یہ ہے تیری غیرت اور یہ ہیں تیرے جوان جن کا کوئی ہاتھ نہ پکڑے تو دِلّی تک مارے جائیں۔ اس انگریز گورے کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا اور دیکھئے قومی غیرت اور ہمدردی کہ دوسرے دن سے ہر ایک انگریز مرد اور عورت اس طالب علم کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگا اور نہ کوئی اس سے بات تک بھی کرتا تھا۔

برسات کا موسم تھا چند دن تو بارش نے ستایا۔ لیکن پورٹ سعید کے پار گزر کر موسم بھی اچھا ہوگیا اور مسافروں میں عجیب جولانی طبع پیدا ہوگئی۔ ہر شب کو باجے کے ساتھ انگریزی ناچ ہونے لگا۔ بچارے ہندوستانی طالب علم تو یہ دیکھ کر گھبرا گئے۔ دوسرے دن دوپہر کو جو گرمی سی معلوم ہوئی تو نوجوان مردوں اور لڑکیوں نے موزہ جوتی اُتار کر کودنا پھاندنا شروع کیا پھر تو ہمارے ہندوستانی پسینہ پسینہ ہوگئے ایک میرے پاس آکر کہنے لگا کہ پادری صاحب یہ کیا خرافات ہے؟ میں نے کہا بھائی ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا　　آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

اہل مغرب ایسی آزادی اور تفریح طبع کو معیوب نہیں سمجھتے بلکہ

اس بارے میں وہ ہماری تنگدلی اور احتیاط کا تمسخر کرتے ہیں۔ اگر ہم ان کو عیاش سمجھیں تو وہ ہم کو احمق گردانتے ہیں۔ دونوں ہی حالتوں میں افراط اور تفریط مضر ہے اور ہم ہندوستانی مسیحیوں کی میانہ روی سب سے بہتر ہے*

خیر اسی طرح ہنستے کھیلتے انگلستان کے بندرگاہ پلیمتھ پر پہنچ گئے کل انگریز مسافر مرد اور عورتیں جواب تک لارڈ اور لیڈیز بنے ہوئے تھے اپنے اپنے بیگ اور سوٹ کیس اٹھا کر چل پڑے۔ بندہ اسی روز پلیمتھ سے ریل گاڑی میں بیٹھ کر سوتھ ایمپٹن میں آیا اور دوسرے دن جہاز مارٹینیا میں سوار ہو کر امریکہ کا رخ کیا۔ مارٹینیا دنیا میں سب سے تیز رفتار جہاز ہے۔ اس کا انتظام نہایت اعلےٰ تھا۔ اس کے کل ملازم اعلےٰ و ادنےٰ سفید رنگ کے تھے۔ دل میں کچھ خوشی سی پیدا ہوئی کہ بیچارے سیاہ فام ہندوستانی خانساموں اور بہروں کا اس سرحد میں خاتمہ ہوا۔ اس جہاز میں یورپ کے قریباً کل ممالک کے لوگ موجود تھے جو امریکہ جارہے تھے کوئی ایک دوسرے کی بولی نہ سمجھتا تھا بات چیت کرنا دشوار تھا۔ مجھے نوح کے زمانے کا بابل کا برج یاد آیا اور ساتھ ہی دل میں حیرت پیدا ہوئی کہ یہ سب مختلف ممالک اور قوموں کے لوگ مختلف زبانیں بولنے والے ایک ہی ملک میں جا کر آباد ہونگے اور امریکن بن جائینگے ایک ہی زبان بولینگے۔ ایک جیسے دستور برتینگے۔ ایک ہی قوم بن جائینگے۔ اے ہندوستان کاشکہ تجھے بھی یہ دن نصیب ہو کہ تیری فرقہ بندیاں۔ مذہبی کشمکش اور ذات پات ٹوٹ کر چکناچور ہوں اور تیرے بیٹے اور بیٹیاں بھی ایک قوم بنیں۔ امریکہ کا نمونہ سامنے موجود ہے*

پانچ دن میں یہ جہاز تین ہزار میل کا سفر طے کر کے نیویارک شہر کی بندرگاہ میں پہنچ گیا*

(باقی آئندہ)

ہماری بھویں کس لئے ہیں؟

ہماری بھویں درحقیقت دو استخوانی محرابوں پر مشتمل ہیں جو ابتدا میں زیادہ اُبھری ہوئی اور لمبے اور سخت بالوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ اس مکمل ساخت کے تین فوائد تھے۔ اوّل انسان بھووں کو آگے کرنے سے اچانک چوٹ سے بچ سکتا تھا۔ دوئم گھنے بال ہمارے آباو اجداد کی آنکھوں کو چندھیانے والی روشنی سے محفوظ رکھ سکتے تھے۔ سوئم پسینے کو جو زہریلا مادہ ہونے کے باعث آنکھوں کے لئے مضر ہے۔ روک سکتے تھے۔ جوں جوں آدمی مہذب ہوتا گیا۔ بھووں کی ضرورت بھی کم ہوتی گئی حتےٰ کہ اُن کی قدوقامت اور قدروقیمت بھی گھٹ گئی۔

شکریہ و التماس

جن نور کے فرزندوں نے گزشتہ سال "مسیحی" کو خریدار دینے یا خود خریدار بننے سے مالی امداد دی ہے۔ اُن سب کا "مسیحی" کی طرف سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور التماس کیا جاتا ہے کہ آئندہ بھی مسیحی کو مالی مشکلات سے محفوظ رکھینگے۔ یہ کام خداوند کا ہے اور وہ خود اس کا انتظام کریگا۔

منیجر

مژدۂ جانفزا

تمام مسیحی قوم اس مسرت آمیز خبر کو پڑھ کر خوش ہوگی کہ ہمارے فخر قوم جناب رائے بہادر پی۔ این دت صاحب بی اے رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی کے دوسرے فرزند ارجمند مسٹر راجکمار دت امسال امتحان مٹرکولیشن میں پنجاب بھر میں دوئم رہے اور 5+61 نمبر حاصل کئے۔ خدا باپ سے استدعا ہے کہ مسٹر راجکمار دت کو اس نمایاں کامیابی کے ساتھ دینی اور دنیوی نعمتوں سے مالامال کرے۔ آمین!

دیہاتی مسیحیوں کی سوشل زندگی

عزیز بھائیو اور بہنو! میرا مضمون دیہاتی مسیحیوں کی سوشل زندگی سے متعلق ہے۔ مجھے سردست یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسیحی سوشل زندگی کی اچھائی یا برائی۔ مالی اور روحانی زندگی کی ترقی یا تنزلی پر موقوف ہے۔ اوّل تو دیہاتی مسیحیوں کی حالت ایسی ابتر ہے کہ ان کی مفلوک الحالی۔ غریبی و ناداری اس امر کی مانع ہے کہ وہ کسی طرح سوشل ترقی کر سکیں۔ اُن میں سے ہر ایک کو تو اپنی پڑی ہے۔ وہ پرائے سے کیا بہتر ہیں۔ غریبی نے اُن کو ایسا نا قابل بنا رکھا ہے کہ وہ اپنے دیگر بھائی بندوں کے ساتھ بہت کم سوشل راہ و رسم پیدا کر سکتے ہیں۔ مقولہ ہے کہ "عوض معاوضہ گلہ ندارد"۔ بس لین دین کا سودا کسی قدر فارغ البالی ہی میں ہو سکتا ہے۔ لیکن جیسا کسی کنبے یا خاندان کی ضروریات کے مہیا کرنے کے لئے اس کے ہر ایک کو مرد و عورت اور بچوں کو کمانے کا فکر ہر لحہ دہر گھڑی دامنگیر رہے اور پس پر بھی تمام محنت کی اُجرت کم ملے تو اس صورت میں اُن کا دوسروں سے ملنا جُلنا بہت ہی کم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے دیہات میں وہ کمینوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ گاؤں میں ان کی کوئی ملکیت نہیں۔ گاؤں کے مالک تو کوئی اور ہی ہوتے ہیں اور وہ مالکوں میں غلام کے طور پر زندگی بسر کرتے ہیں اور محض سیپی پر گزارہ کرتے ہیں اور اپنے آقاؤں کا نیچ کا کام بھی سرانجام دیتے ہیں۔ مالکوں نے تو اپنا ہی نفع دیکھنا ہے اور وہ غریب بیچارے پیٹ پالنے کی خاطر بمصداق "ایک ہاتھ میں لے ڈگڈگی ایک ہاتھ میں بندر + روٹی تو کما کھائے کسی طرح قلندر"۔ ان کو تو مالکوں کی تھوڑی اُجرت بھی منظور ہے مثل مشہور ہے کہ "زور آور کی ستّی وہیں سو" اس لئے وہ اسی پر قناعت کرتے ہیں۔ لہذا یہ ان کی غلامانہ حالت اور مالکوں کا بیجا و ناجائز رُعب و داب جوان غریبوں کی ترقی کے راستے میں روڑا اٹکاتے ہیں۔ ان کو اُٹھنے نہیں دیتے۔ یہ تمام اسباب اُن کی سوشل زندگی کے سدِّ راہ ہیں اور اسی لئے بمصداق "مُلّا کی دَوڑ مسجد تک" اُن کے تعارف اور جان پہچان کا حلقہ بہت تنگ

اور محدود ہوتا ہے۔ اُن کے رشتہ دار ہی اُن کے حلقۂ تعارف کے خاص آدمی ہوتے ہیں۔ اور جہاں بیشتر رشتے اور ناطے ہوتے چلے آئے ہیں وہیں اب تک جاری ہیں۔ مثلاً تو کچھ سستی اور کاہلی کی وجہ سے دور کا سفر نہیں کرتا مگر یہ بیچارے مفلسی کی وجہ سے کہیں بھی آ جا نہیں سکتے۔ کچھ تو اپنی گوت کا لحاظ رکھ کر دور کا رشتہ نہیں کرتے اور کچھ غریبی اور جہالت اور توہم پرستی کی وجہ سے مسیحی آزادی کا وہ گُر ان میں پیدا نہیں ہو سکتا کہ حوصلہ کر کے آگے بڑھیں اور اپنی واقفیت کے دائرے کو وسیع کریں۔ اس وجہ سے گو وہ عیسائی تو کہلاتے ہیں مگر اپنے غیر مسیحی رشتہ داروں سے برابر سابقہ راہ و رسم بدستور قائم رکھتے ہیں اور اپنے لڑکے لڑکیوں کا رشتہ ناطہ ان ہی میں کرتے اور کراتے ہیں یہ تو سچ ہے کہ قوم خاکروب میں سے بہت سے لوگ مسیحی ہو چکے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں اور عیسائیوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی ہے مگر ان کی جہالت اور مالی حالت کے خستہ ہونے کی وجہ سے وہ اب تک رسوم قبیحہ اور دیرینہ کے مقید ہیں اور انکو چھوڑ نہیں سکتے۔ اسلئے ان میں دو دلی پائی جاتی ہے یعنی اُن کی زندگی میں راستی اور بیدینی دونو کا میل قائم ہے۔ عیسائیوں کے ساتھ وہ خدا کی عبادت میں شریک ہوتے ہیں اور ادھر بُت پرستوں کے ساتھ بھی مناسبت رکھتے ہیں وہ پوری طرح سے خدا کی اُمت نہیں بنے اور نہ ہی اپنے غیر مسیحی بھائیوں سے پوری طرح جدا ہوئے ہیں اس لئے ان کی زندگی کی سوشل حالت بدلی نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی سوشل زندگی کی ترقی کا پہلا قدم یہی ہونا چاہئے کہ وہ بت پرستوں سے اپنے آپکو یک قلم علیٰحدہ کر لیں مگر یہ تو تب ہی ہو سکتا ہے۔ جب غیر مسیحیوں کی جُدائی کے عوض میں اُن کو اپنی ایک نئی سوسائٹی یا برادری نظر آنے لگے۔ اس میں شہری کلیساؤں کے شرکاء اور سیوک پارٹیاں اور مشن کے کارندے اُن کے معاون و ممد ہو سکتے ہیں اور جلسوں کنونیشنوں اور میلوں کے ذریعے دور دور کے مسیحیوں کو فراہم کر کے اُن کے آپس کی جان پہچان کے دائرے کو زیادہ وسیع کر سکتے ہیں۔ یہ امر نہایت ہی لازم ہے کہ یہ ذرائع یا اشتہاری کام جا بجا فوراً جاری کیا جاوے تاکہ مسیحی برادری کی بنیاد جلد قائم ہو۔ یہ مشاہدے کی بات ہے کہ جہاں کسی گاؤں میں دیہاتی مسیحیوں

نے اپنے بُت پرست بھائیوں سے علیحدگی کا پختہ بیڑا اٹھایا ہے وہاں ان کی سوشل زندگی میں بھی ترقی نظر آئی ہے کیونکہ غیر مسیحیوں سے جُدا ہونے سے وہ آپس میں ملنے جُلنے کے زیادہ مشتاق ہو جاتے ہیں اور اپنی ایک جُدا مسیحی برادری محسوس کرنے لگ جاتے ہیں چنانچہ ضلع جالندھر میں بھی ایسا ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ شروع میں تو واقعی یہ لوگ دو دلی کی زندگی بسر کرتے نظر آئے یعنی مسیحیوں میں مسیحی اور چوہڑوں میں چوہڑے۔ مگر رفتہ رفتہ ان کی دو قسم کی مسیحی دیہاتی جماعتیں نظر آنے لگیں۔ ایک تو وہ جس میں کسی قسم کی زندگی پائی نہیں جاتی تھی۔ مسیحی جماعت تو کہلاتی تھی اور اس کا ہر ایک فرد اپنا نام مسیحی رجسٹر سے خارج کروانے پر رضامند نہیں تھا۔ مگر ان کی زندگی میں کسی قسم کی حس و حرکت نظر نہیں آتی تھی۔ وہ نہ تو اس بات کے لئے مستعد تھے کہ عُرفا کی طرح اپنی ساس سے جدا ہو کر اپنے کُنبے اور اپنے معبود کے پاس پھر جائیں اور نہ ہی اس بات کے لئے تیار کہ ایسے لوگوں سے جو غیر مسیحی ہیں جرأت کر کے جدا ہو جائیں۔ دوسری قسم کی جماعت وہ ہے جو کم از کم جد و جہد کرنے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ اس میں ایک قسم کی تحریک پیدا ہو گئی ہے کہ ترقی کے راہ پر قدم رکھیں بلکہ کسی کسی خاندان نے یہ محسوس کر کے کہ پھیرے والا دستور ان کو بُت پرستی میں شریک کرواتا ہے اور ایسی شادی خلافِ مسیحی شرع ہے یہ حوصلہ بھی کر کے دکھایا ہے کہ پھیرے کے دستور نکاح کو ناکمل اور ناجائز ٹھیرا کر گھر آ کر دوبارہ مسیحی شرع کے مطابق نکاح پڑھوا لیا۔ مگر اس میں ان کو یہ قباحت نظر آئی کہ پھیرے کے وقت تو کل رسم مل و رتن ادا ہوئی اپنے رشتہ داروں سے ملتی ہوئی دھوم دھام سے شادی رچی مگر گھر آ کر جب مسیحی شرع کے مطابق شادی کروائی تو اس وقت نہ رشتہ دار موجود اور نہ کوئی اور لواحقین۔ بلکہ ایسا معلوم ہوا کہ نکاح کیا بلکہ دُلہا اور دُلھن کا جنازہ پڑھایا گیا ہے۔ اس لئے اس جماعت کو اس طریقِ عمل سے تسلی نہیں ہوئی۔ اب تو اسکے سامنے یہ مہم پیش ہے کہ ذرا زیادہ حوصلہ اور بہادری سے کام لے۔ تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نتھار کر دکھایا جاوے۔ چنانچہ یہ تحریک بھی ضلع جالندھر میں شروع ہو گئی ہے کہ دیہاتی مسیحی اپنے غیر مسیحی بھائیوں سے علیحدگی ظاہر کریں اور یہ سخت آزمائش کا موقع ان کے سامنے آ گیا

ہے، اور جس حال کہ وہ خود اپنی اصلاح کا بیڑا اٹھانے پر آمادہ ہوتے ہیں تو ان کی ہر طرح سے مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ موضع پھولریوال میں حال ہی میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی اور بہت غوض و فکر کے بعد دیہاتی مسیحیان اس قرارداد پر متفق الرائے ہوئے کہ ایک کارکن صد کمیٹی پنچایت مقرر ہو جس میں دیہات کے مسیحی نمایندے شامل ہوں۔ چنانچہ فی الحال تیس اشخاص جو اپنے اپنے گاؤں کے مسلمہ چودہری ہیں۔ اس کارکن کمیٹی میں شامل ہو گئے ہیں۔ پانچ روپے کے سٹیمپ کاغذ پر ایک پنچایت نامہ لکھا گیا ہے جس پر دیہاتی مسیحیوں کے انگوٹھے ثبت ہیں تاکہ وہ اپنے اپنے گاؤں میں مسیحیوں کو جداگانہ برادری قائم کرنے کے لئے اُبھاریں۔ اور پنچایت کے منشا اور اس کی تجاویز کو عملی پیرائے پر لاویں۔ چنانچہ موضع پھولریوال کی مسیحی جماعت نے مندرجہ ذیل تجاویز پر عملدرآمد کر دیا ہے اور ان کے مقابلے میں چوہڑے بھی نیند غفلت سے بیدار ہو گئے ہیں اور مخالفت شروع کر دی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے دو دلے مسیحی بھی کچھ عرصے کے لئے اُن سے جا ملینگے۔ مگر فتح اُن مسیحیوں کی ہوگی جو قائم رہ کر پنچایت نامہ کی تجاویز اور اس کی منشاء کو پورا کریں گے +۔

ذیل کی تجاویز جن پر عملدرآمد شروع ہے۔ وہ اس بنا پر ہے کہ دیہاتی مسیحی پہلے خود اپنی ان باتوں کے دور کرنے میں کوشش کریں۔ جو ان کی مالی اور سوشل ترقی کے سدِ راہ ہیں مثلاً شادی کے موقع پر فضول خرچی کے دستورات کو ترک کریں:۔

(۱) منگنی کے موقع پر فقط ایک روپیہ صرف ہو۔

(۲) شادی کے موقع پر برات میں پندرہ سے زائد آدمی نہ لائے جاویں۔

(۳) شادی کے وقت مختصر زیور دُلھن کو پہنایا جاوے۔

(۴) ظاہری دھوم دھام نہ ہو۔

سوشل ترقی کے متعلق یہ قرار پایا ہے کہ

(۱) ہر ایک نکاح مسیحی طریق سے کیا جاوے۔

(۲) جن دیہاتی مسیحی لڑکے اور لڑکیوں کی منگنیاں چوہڑے لڑکے اور لڑکیوں

سے ہو چکی ہیں۔ اگر وہ مسیحی نہ ہو جائیں تو رفیق سمجھی جائیں اور آئندہ چوہڑوں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھا جاوے۔

(۳) رشتہ داری مسیحی جماعت تک ہی محدود رہے وغیرہ وغیرہ۔

علاوہ ازیں دیہاتی مسیحیوں میں ایک اور نئی تحریک پیدا ہو گئی ہے۔ کہ وہ گاؤں میں غلاموں کی طرح زندگی بسر نہیں کرینگے۔ اس لئے کہ اُن میں سے بہت اپنی قدر و حیثیت بڑھانے کی خاطر باہر نکلکر ملازمت اختیار کرنے لگ پڑے ہیں۔ بعض موقعوں پر نئی آبادیوں میں جاکر محنت کشی سے کچھ زیادہ کما لاتے ہیں۔ بہت ایسے بھی ہیں جو زمینوں کے مالک بننا چاہتے ہیں۔ جس حال کہ یہ ترقی کی خواہشیں ان کے دلوں میں جوش زن ہیں تو جہاں ارادہ ہو وہاں راہ بھی ضرور نکل آئیگی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ موجودہ گاؤں کے گاؤں عیسائیوں سے خالی ہو جاوینگے اور وہ کہیں اور جگہ جاکر اپنی آبادی قائم کرینگے۔ علاوہ اس کے آجکل کی ہندو ملکی تحریک ہندؤں اور سکھوں کو اس بات پر آمادہ کر رہی ہے کہ وہ اچھوتوں کو اپنے ساتھ ملالیں تاکہ وہ ہندو جاتی سے خارج نہ ہو جاویں۔ اور اس طرح ان کی تعداد میں کمی واقع نہ ہو۔ میں اس کے متعلق اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ مسیحیوں کو دیہاتی حالت میں رکھنے سے یہ معنی ہرگز نہیں سمجھنے چاہئیں کہ عیسائی اپنے گاؤں میں موجودہ غلامی کی زندگی جاری رکھیں۔ کیونکہ اس صورت میں ان کی سوشل زندگی میں ترقی نہیں ہو سکتی۔ جب ہند کی دیگر اقوام برسرِ ترقی نظر آرہی ہیں اور غریب دیہاتی عیسائی خود اپنی تمدن اور سوشل حالت بدلنے میں سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں تو ہم کو ان کی مدد کرنی چاہئے۔ مسیحی ہونے سے اُن کو اپنی خودداری کا خیال آگیا ہے اور رذالت کی زندگی گزرانی اب ان کو دوبھر معلوم ہونے لگی ہے۔ بمصداق "ضرورت ایجاد کی ماں ہے"۔ اگر ان کی کسی طرح مدد نہ کی گئی تو وہ خود اپنی ترقی کی کوئی نہ کوئی سبیل نکال لینگے۔ لیکن کیوں نہ ہم اور ہماری شہری مسیحی جماعتیں اور مشنیں اس تحریک کی لہر میں جو دیہاتی مسیحیوں میں فی زمانہ موجزن ہے حصہ لیں اور ان کے اُٹھنے میں ان کی مدد کریں۔ ان کی اولاد کو تعلیم دینا ہمارا فرض ہے۔ مگر

کیسی تعلیم؟ وہ تعلیم جو اُن کو اور زیادہ جلا وطنی کے لئے مجبور کرے۔ ہمارے تعلیم دینے کے مقصد کو بالکل فوت کردیگی۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے گاؤں ہی میں رہ کر اپنی سوشل زندگی کو ترقی دیں تاکہ ان کی نیک عملی اور مسیحی چال چلن فرداً اور جماعتاً دوسروں کے لئے بھی مفید ثابت ہوں۔ لہذا آئندہ ان کی تعلیم کی صورت اقتصادی ہونی چاہئے۔ تاکہ ان کی اقتصادی حالت ترقی کرسکے کیونکہ ان کا ذریعہ معاش ہمیشہ سے دستی محنت رہا ہے۔ اِس لئے اُن کی اقتصادی اور تمدنی حالت کو اور بہتر بنانا ہمارا فرض ہے تاکہ وہ نادار نہ رہیں۔ ناداری میں اصلاح تو درکنار کوئی بھی اچھی بات نہیں سوجھتی پنجابی میں مثل مشہور ہے کہ "جیہدے گھر دانے اوہدے کملے بھی سیانے"۔ (۱) زراعتی محنت اس وقت ان غریب عیسائیوں کا ایک ذریعہ معاش ہے مگر انکی محنت کی بھی اُنکو اُجرت بہت کم ملتی ہے۔ مجبوری اور غلامی کی حالت میں بمصداق "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس"۔ وہ اپنے آقا کو خوش رکھنا فرضِ منصبی خیال کرتے ہیں۔ مگر اب وہ نہ لاٹھی کی ہی برداشت کرتے ہیں اور نہ ہی بھینس رہنا چاہتے ہیں بلکہ خودداری ان کے رگ و ریشے میں گھستی چلی آتی ہے۔ لہذا زراعتی تعلیم کی ایسی صورت ہونی چاہئے کہ جس سے ان کی محنت کی قدر اور اُجرت بڑھے اور وہ بھی ایک مقررہ معیار پر۔ ہمارے خیال میں موگہ میں بعض نوجوانوں کو محض عملی زراعتی تعلیم ہی دی جائے تاکہ ان کی زراعتی محنت میں ہنر اور حکمت کا اضافہ ہو۔ تب تو وہ ایک معیاری اُجرت پر اپنی محنت اور ہنر کی وجہ سے اپنے ہی گاؤں میں مالکوں کی نظروں میں قدر حاصل کرینگے اور اس قابل بھی ہو جائینگے کہ زمینداروں سے زمین ٹھیکے پر لیکر خود بخود کاشت کرنے لگیں اور ان کو باہر جانے کی ضرورت نہ پڑے (۲) آئندہ دیہاتی بورڈنگ سکولوں میں عملی صنعت اور حرفت کی تعلیم بھی ضرور ہونی چاہئے۔ تاکہ ان کی اقتصادی حالت گاؤں میں جاکر بہتر بنے اور مسیحی نوجوان مختلف دستکاریاں اپنی طبعی میلان کے مطابق سیکھیں۔ یہ بھی ایک ذریعہ ہے۔ جس سے درزی۔ ترکھان لوہار اور موچی کا کام سیکھنے سے وہ اپنے اپنے گاؤں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے

جاوینگے اور پھر ان کو باہر چلنے کی ضرورت محسوس نہ ہوگی اور اپنے گاؤں میں رہنے سے ان کی شخصی اور سوشل زندگی کا اثر اچھا پڑیگا (۳) دیہات میں لڑکے لڑکیوں کے نکاح کا انتظام صغرسنی ہی میں ہوجاتا ہے لیکن اب تو لڑکے اور لڑکیاں خاص تعداد میں سکولوں میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ اب اُن کے بیاہ کا کیا انتظام ہوگا؟

چنانچہ جب کبھی کسی سکول کی لڑکی پرنسپل کی معرفت نکاح کے واسطے مانگی جاتی ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ لڑکیوں کے نکاح کا انتظام والدین کے ذمے ہے نہ کہ سکول کے اب یہ امر غور طلب ہے کہ آیا ہم صغرسنی میں بیاہ کا شرقی طریقہ بالکل چھڑا دیں یا نہیں۔ صغرسنی میں نکاح بہر حالت شرعاً اور قانوناً ناجائز قرار دیا گیا ہے مگر منگنی کم سنی میں ہوجانے سے کوئی قباحت پیش نہیں آتی۔ لہٰذا وہ لڑکے اور لڑکیاں جو مدرسوں میں تعلیم پاتی ہیں۔ اُن کے والدین اپنی گری ہوئی اور اُن پڑھ حالت میں اُن کی منگنی اور بیاہ کا انتظام خاطر خواہ نہیں کروا سکتے۔ کیونکہ اُن کی جان پہچان کا حلقہ وہی ڈھاک کے تین پات ہیں۔ اُن کا خاطر خواہ انتظام سکولوں ہی کی معرفت ہوسکتا ہے اور وہ بھی برضامندی والدین سکولوں میں زیر تعلیم لڑکے اور لڑکیوں کی منگنیاں تعلیم ہی کے ایام میں ہونی چاہئیں تاکہ ایک طرف وہ لڑکا جس کی منگنی کا انتظام ہوگیا ہو ایسی اقتصادی تعلیم حاصل کرے کہ سکول سے نکلتے ہی وہ کمانے کے لائق بن جاوے اور اسی طرح اس کی منگیتر بھی ایسی علمی تعلیم حاصل کرے کہ واقعی وہ اپنے جوڑے کی لائق ساتھی اور مددگار بنے اور اپنے خاوند کی آمدنی بڑھانے میں مدد کرسکے۔ لہٰذا اُن کو ایسے کام جن کو وہ جلد سیکھ سکیں۔ مثلاً سوت کاتنا۔ ازاربند اور نوار بُننا سکھایا جاوے۔ تاکہ اپنے مالک کے گھر کر محض کوڑا کرکٹ ہی جمع کرنے پر مجبور نہ ہو بلکہ گھر بیٹھے کمائی کرسکے۔

پھر دیہاتی مسیحیوں کی مالی اور سوشل زندگی کو ترقی دینے کے لئے یہ بھی لازمی امر ہے کہ ایک قسم کا اشتہاری کام ان میں شروع کیا جاوے کہ جس سے اُن کا زاویۂ نظر کسی قدر وسیع بلکہ قومی پیمانے پر آجاوے نہ صرف یہی ضروری ہے کہ اُن کی سوشل بُرائیوں کا قلع قمع ہو بلکہ ان کی سوشل زندگی کا رنگ بھی مسیحی ہو جاوے۔

(۱) اُن باتوں کو دیکھیں جو عام اَن پڑھ دیہاتی مسیحیوں میں بالطبع موجود ہیں مثلاً اُن کو باہم ملنے جلنے کا بڑا شوق ہوتا ہے مگر غریبی کی وجہ سے وہ اپنے گھروں میں برادری کو اُتار نہیں سکتے۔ اور نہ ہی اُن کی خاطر و مدارات کے خرچ کے متحمل ہو سکتے ہیں لیکن جماعت ملکر ملنے کی مراد کو کسی قدر پورا کر سکتی ہے۔ چنانچہ اُن کے جلسوں میں شہریوں اور مسیحی کارندوں کو حاضر ہو کر ان کی رونق اور منشا کو پورا کرنا چاہیئے۔ ان جلسوں میں تبادلۂ خیالات اور دوسرے دیہات کے مسیحیوں کی ملاقات کے ذریعے ان کی معلومات بڑھتی ہیں۔ دوآبہ کنونیشن کی خاص غرض یہی ہے کہ دیہاتی مسیحیوں کی آپس میں ملاقات کروائی جاوے تاکہ اُن کو اپنی برادری کا میدان وسیع نظر آوے اور کنونیشن مذکور کی غرض نہ صرف دینی جلسہ ہی ہو بلکہ اس میں وہ تمام باتیں شامل ہوں کہ جن سے قوم کی فلاح اور بہبودی متصور ہو۔ یہ لوگ مٹی کے ڈھیلے کی طرح ہیں۔ اُن کو جس سانچے میں رکھو ویسے ہی بنینگے۔ اب ملنا جلنا بالطبع ان میں موجود ہے۔ اور یہ مرادان کی اکثر میلوں میں پوری ہو جاتی ہے۔ میلے کی تقریب پر دونو باتیں ہم خرما و ہم ثواب آجاتی ہیں۔ یعنی نگر کا سودا اور دیوی دادرشن بھی، سب نے اپنا اپنا کھا پی بھی لیا۔ باہر کی ہوا بھی کھائی اور دوست یاروں سے ملاقات بھی کرلی۔ یہ تو سچ ہے کہ موجودہ میلوں میں تجہلانہ اور غیر مہذب حرکات عموماً نظر آتی ہیں اور ان کا اثر مخرب اخلاق ہوتا ہے جو کچھ میلوں میں وہ دیکھیں اور سنینگے وہی گاؤں میں ظاہر کرینگے ۔ ہرچہ درکان نمک رفت نمک شد والا حال ان کا ہو جاتا ہے جو بڑوں سے سنا وہ بھلا چھوٹے کب کہنے سے چوکینگے اگر بڑے میاں کا مذاق جاہلانہ اور ناشائستہ ہؤا تو چھوٹے میاں سُبحان اللہ نہ ہوں تو کیا ہوں۔ مگر ان حرکات سے میلہ فی نفسہٖ زیر ملامت نہیں آتا۔ کیونکہ میلوں کا شوق اس ملک میں بالطبع ہے۔ اگر قصور ہے تو لوگوں کے مذاق کا نہ کہ میلے کا۔ اسلئے ٹھوییلے کی بلا بندر کے سر نہیں ٹھونپنی چاہیئے، مثلاً میلۂ بسنت جو سال بہ سال کیور تھلہ میں منایا جاتا ہے ایک شائستہ میلہ ہوتا ہے۔ اس میں اہل فوج اپنا اپنا کھیل اور کرتب دکھلاتے ہیں اور دیگر علوم و فنون کے تماشے دیکھنے میں آتے ہیں۔

اور مذہبی لیکچر ارشامیانوں کے نیچے اپنی معرکہ انگیز تقاریر سے سامعین کو محظوظ کرتے ہیں۔ اگلی دفعہ مسیحیوں نے جن میں شہری و دیہاتی ہر دو شامل تھے نہ صرف اپنے شامیانے کے نیچے سامعین کو مسیحی راگ اور درس سُنائے بلکہ نگر کیرتن کرتے ہوئے سارے میلے میں اور نیز شہر کو اپنے مسیحی راگوں سے گونجا دیا۔ اسی طرح آریہ سماج ہولی اور دیگر موسمی میلوں کو پاکیزہ صورت میں لاتی جاتی ہے۔

ہمارے دیہاتی مسیحیوں میں بھی ایک عظیم انقلاب پیدا ہؤا ہے وہ اپنی قوم کو خود مسیحی قوم بنانے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ اس لئے جلسے کرتے ہیں اور مذموم دستورات چھوڑتے جاتے ہیں اُن میں مسیحی شعرا بھی پیدا ہو گئے ہیں اور دیہات میں بھجن منڈلیاں قائم ہوتی جاتی ہیں۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ راگ رنگ میلوں کی روحِ رواں ہے۔ اوائل میں تو گندے اور فحش گانے سُننے میں آتے تھے۔ مگر دیہاتی مسیحیوں نے اُن کو مسیحی رنگ میں ملبس کر دیا ہے یعنی ان کی جگہ پاکیزہ خیالات اور حقیقی مسیحی عرفان کا اظہار کیا ہے۔ مسلمانوں کی نمازوں اور مسجدوں میں اس طرح گانے بجانے کا رواج نہیں ہے مگر اُن ہی کے فرقۂ صوفی و مشائخ اپنی اپنی مجالس میں قوالی راگ سنتے ہیں اور جن کے گانے سے سامعین میں ایک ایسی وجد کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ کہ کوئی نہ کوئی مست الست ہو کر جھومنے اور ہُو۔حق کے نعرے بلند کرنے لگ جاتا ہے میں نے ان باتوں کا اس واسطے ذکر کیا ہے تاکہ یہ ثابت کروں کہ میلے کو اگر ہم چاہیں تو تعلیمی منزلت اور حیثیت تک پہنچا سکتے ہیں۔

ہماری مسیحی جماعتیں شہری و دیہاتی ہیں اُن میں کوئی حدِ فاصل قرار دینی سراسر نقصان کا باعث ہے۔ ان دونوں کے اتحاد ہی سے ہماری طاقت ثابت ہوگی۔ میلہ ایک ایسا ذریعہ ہے جو ہر خاص و عام کو ایک ہی پلیٹ فارم پر لے آتا ہے اور مسیحی میلے کا مقصد بھی یہی ہونا چاہئے۔ کہ وہ ہر ایک خاص و عام کو وہ قالب و یک جان بنا دے۔ تاکہ جیسے غیر مسیحی جہلا کسی قبر یا مزار کو اپنا آماجگاہ بنا کر وہاں مجاور کے مقرر کردہ وقت پر فراہم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مسیحی قومی اتحاد کو پیدا کرنے اور ایک

دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی خاطر مسیحی میلے کی تقریب پر حاضر ہو جاویں۔ اور اپنے مسیحانہ اور شائستہ مذاق کا اظہار کریں۔ میرے خیال میں مسیحی میلہ اس طریقے پر تنظیم دیا جائے کہ اس میں عوام کے مشاغل کے لئے ایسی نمائشوں اور تماشوں کا انتظام کیا جاوے جن کے دیکھنے سے تعلیمی اثر پیدا ہو ایسی گانے والی ٹولیوں کا انتظام ہو جو مسیح کی زندگی۔ کام اور تعلیم کو ظاہر کریں۔ اور ایسی تقاریر کا انتظام ہو جو تعلیمی اور مذاقیہ رنگ میں لکھی ہوں۔ مسیحی سکاؤٹس بھی اپنا جوہر دکھاویں۔ بورڈنگ سکولوں کے لڑکے اور لڑکیاں بھی اپنا تعلیمی جوہر دکھاویں۔ کالج کے مسیحی نوجوان اور مسیحی پروفیسران سائنس کے تجربات۔ ایکسریز کے تماشے۔ بجلی کی کراماتیں دکھلائیں تاکہ عوام کی عام معلومات پر علمی جلا ہو۔ عورتوں اور بچوں کے لئے جھولوں کا انتظام ہو۔ اور ایسی سیوک پارٹیاں اور انتظامی کمیٹیاں مقرر ہوں جو مستورات اور بچوں کی حفاظت کے ذمہ وار ہوں۔ اس طور سے میلہ نہ صرف تہذیبی و اخلاقی ہی ثابت ہوگا بلکہ تمام منتظمانِ میلہ اپنا کام چلانے میں جس میں علم۔ ہنر و ہمت درکار ہے خود بھی مستفیض ہونگے*

یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ دیہاتی مسیحیوں کے اُٹھنے پر زمیندار لوگ اُن پر بیجا دباؤ ڈالتے ہیں اور ڈالینگے مگر ہمارا یہ فرضِ اتم ہے کہ اُن کے اُٹھنے میں ہم اُنکو اُٹھائیں۔ دیہاتی مسیحیوں کے لئے اب سخت مقابلے کا زمانہ آگیا ہے اور اب وہ تکلیفوں اور مصیبتوں کی آگ میں تپائے جائینگے اور تصدیعہ اُٹھانے ہی سے وہ کچھ بنینگے۔ اسی طرح شہریوں میں مسیحی کانڈلن و مشنریوں میں ایثار اور قربانی کی روح پیدا ہونی چاہئیے۔ تاکہ میلوں کی مالی مشکل ہمارے ایثار اور قربانی کی روح حل کردے۔ اب چونکہ مضمون طویل ہوگیا ہے لہذا میں اِسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اور نتیجہ آپ صاحبان کے ہاتھ میں چھوڑ دیتا ہوں*

ہمارے ہاں جو لفظ پرستش کے واسطے عموماً آیا ہے وہ ΠPOCKYNE ہے
(یوحنا ۴ - ۲۰ سے ۲۴) ؛ اس کے معنی ہیں تعظیم کرنا۔ مثلاً ہاتھ کو چومنے
کے ذریعے یا گھٹنے ٹیکنے کے ذریعے یا جو طریقہ کسی قوم یا ملک میں تعظیم کرنے
کا ہو۔ پس خدا کی پرستش۔ خدا کی بزرگی اور خدا کی تعظیم کرنا ہے اور یہ دو طرح
سے ہوتی ہے (۱) تعریف و شکرگزاری کے ذریعے (۲) اپنی حاجتوں کو اُس
کے سامنے پیش کرنے کے ذریعے ؛

(۲) دوسرا لفظ ΠPOΣEYXOMAI ہے جس کا ترجمہ دعا مانگنا
کیا گیا ہے۔ لفظی ترجمہ یہ ہے کسی کی طرف رُخ کرنا۔ مڑنا۔ دیگر اطراف سے
توجہ ہٹا کر خدا کی طرف لگانا ؛

پس خدا کی پرستش یہ ہوئی کہ دنیا و مافیہا سے توجہ ہٹا کر خدا کی طرف
لگانا تاکہ اُس کی حمد و تعریف و شکرگزاری کریں اُس کی ذات و صفات اس
کے کام و کلام پر دھیان کریں اور اپنی حاجتوں کو اُس کے سامنے پیش کریں ؛

یہ پرستش دو طرح کی بیان ہوئی ہے ایک تو شخصی خلوتی پرستش
جس کا ذکر ہمارے خداوند نے کیا۔ پڑھو (متی ۶-۵ سے ۱۵) اور دوسری
جماعتی پرستش جس کا ذکر ۱ کرنتھی ۱۴ - ۲۰ سے ۳۳ میں آیا ہے (پڑھو) اس
میں اِن باتوں کا ذکر ہے۔ ہر ایک کے دل میں یا ہر ایک کے ساتھ مزمور ہو۔
تعلیم ہو۔ مکاشفہ یا ترجمہ ہو جس سے ایک دوسرے کی روحانی ترقی ہو ؛

پرستش کے لئے نہ صرف یہ ہدایات آئی ہیں نہ صرف یہ الفاظ لکھے ہیں
بلکہ آسمانی عبادت کی روایتیں مذکور ہیں کہ خود آسمان میں یہ عبادت کس طرح
سے ہوتی ہے۔ چنانچہ یسعیاہ ۶ باب میں سرافیم کی عبادت کا ذکر ہے کہ وہ خدا
کی حمد گاتے اپنے آپ کو اپنے پروں سے چھپاتے اور خدا کے احکام سُننے اور
اُن پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اسی طرح سے مکاشفہ کی کتاب میں

آسمانی عبادت کا ذکر آیا ہے پڑھو مکاشفہ ۱۹-۱ سے +
علاوہ ازیں ہمارے خداوند نے نمونے کے طور پر پرستش کے لئے۔ جو دعا
سکھائی وہ اب تک ہمارے پاس موجود ہے۔ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پہ
ہے تیرا نام پاک مانا جائے تیری بادشاہی آئے تیری مرضی جیسی آسمان پر
پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو ہمارے روز کی روٹی آج ہمیں دے۔ ہمارے
قصوروں کو معاف کر کیونکہ ہم بھی اپنے قصورداروں کو معاف کرتے ہیں۔
ہمیں آزمائش میں نہ پڑنے دے بلکہ برائی سے بچا +

اس دعا کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں خدا کی بزرگی اور اس کی حمد
واطاعت کے لئے دل پاکیزگی کا ذکر ہے۔ دوسرے حصے میں اپنی روزانہ حاجتوں
باہمی سلوک اور گناہوں سے بچنے کے لئے دعا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں یہ بتایا گیا کہ
جب ہم خدا کی پرستش کے لئے جمع ہوں تو ہمارا attitude کیا ہونا
چاہیئے۔ ہم بیٹے ہیں وہ باپ ہے ہم رعیت ہیں وہ بادشاہ ہے ہم محتاج
ہیں وہ غنی ہے۔ ہم کمزور ہیں وہ زورآور ہے۔ ہم گنہگار ہیں وہ غفورالرحیم ہے۔

پھر انجیل شریف میں یہ بھی ذکر ہے کہ جو لوگ دل سے خدا کی پرستش
کرتے ہیں خدا کا نور اُن کو حاصل ہوتا ہے حتےٰ کہ اُن کے چہرے بھی اُس
کے نور سے ٹمٹمانے لگ جاتے ہیں ساکی مُنی بُدھ نے جب ایک برہمن فقیر
کو دیکھا جس کے چہرے سے نور ٹپکتا تھا اور جب اپنے رتھ بان سے پوچھا
کہ یہ کون ہے کہ جس کا چہرہ ایسا روحانی نورانی ہشاش بشاش ہے تو یہی جواب
ملا کہ یہ پرمیشر کا بھگت ہے یہاں سے بدھ کو شوق ہوا کہ وہ راج تیاگ کر
خدا کا بھگت بن جائے۔ اسی طرح جب ہمارے خداوند کو شاگردوں نے دعا
مانگتے دیکھا تو اس سے درخواست کی کہ ہمیں دعا مانگنا سکھا۔ جب ایک
موقع پر مسیح دعا مانگ رہا تھا اُس کا چہرہ سورج کی طرح چمکنے لگا۔ بلکہ
اس کے کپڑوں تک منوّر ہو گئے + اور شاگرد یہ کہنے لگے کہ اے خداوند
ہم یہاں ہی رہیں (لوقا ۹-۲۸ سے ۳۶) +

ہمارے خداوند نے یہ تعلیم بھی دی کہ پرستش کے لئے کسی خاص جگہ

یا کسی خاص جانب رُخ کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ ہر جگہ ہر سمت منہ کرکے ہر وقت (لوقا ۱۸-۱) بلاناغہ پرستش ہو سکتی ہے اور ہونی چاہیئے۔ کسی مورت یا صورت کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ خدا رُوح ہے۔ پس اُس کے پرستاروں کو چاہیئے کہ روح اور راستی سے اس کی پرستش کریں چند دیگر شرائط بھی پرستش کے لئے ٹھیرائیں۔ ایک تو یہ کہ گھمنڈ اور شیخی اور سیلف رائچیس نس (متی ۱۸-۹ سے ۱۴) کی طبیعت سے خدا کے پاس نہ جائیں بلکہ نہایت فروتن ہو کر جیسا کہ فریسی محصول لینے والے کی تمثیل سے ظاہر ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جب پرستش کے لئے آؤ تو ایمان سے آؤ رسمی طور پر یادگاری کے طور پر چند رسمیات کو پورا کرنے کے لئے نہ آؤ جو کچھ دعا میں مانگتے ہو یقین کرو کہ تم کو مل گیا۔ اور تمہارے لئے ہو جائیگا (مرقس ۱۱-۲۴)۔ تیسری شرط یہ ہے کہ ایک دوسرے سے میل کرکے پرستش کے لئے آؤ نہ کسی سے ضد رکھ کے نہ حسد و دشمنی رکھتے ہوئے نہ ظلم و ستم کرکے۔ چنانچہ یہ لکھا ہے کہ جب کبھی تم کھڑے ہوئے دعا مانگتے ہو اگر تمہیں کسی سے کچھ شکایت ہو تو اُسے معاف کرو تاکہ تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے تمہارے قصور معاف کرے (مرقس ۱۱-۲۵) اسی طرح متی کی انجیل میں آیا ہے "اگر قربانگاہ پر نذر گزرانتا ہو وہاں تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے کچھ شکایت ہے تو وہیں قربانگاہ کے آگے اپنی نذر چھوڑ دے اور جا کر پہلے اپنے بھائی سے ملاپ کر تب آکر اپنی نذر گزران۔ (متی ۵-۲۳ و ۲۴)"

یہاں تک تو پرستش کا ذکر ہؤا اور انجیل کے حوالوں سے ثابت کر دیا گیا کہ وہاں کیا تعلیم ہے۔ ہر شخص اپنے لئے انجیل کو لے کر جو ہر جگہ سستی قیمت پر مل سکتی ہے۔ اُن حوالوں کو دیکھ سکتا ہے۔ اور ان کی صحت کو معلوم کر سکتا ہے لیکن کسی وید چونکہ عملاً نامعلوم کتاب ہے۔ عوام اُن سے واقف نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا کہ جو شلوک سنسکرت میں سُنایا جاتا ہے وہ وید سے ہے یا سنسکرت کی کسی دوسری کتاب سے۔ اس لئے ان کی صحت کو معلوم کرنا موجودہ صورت

میں ناممکن ہے۔ پس اُن کی روشنی گو دنیا کے کناروں تک پہنچ گئی ہو۔ لیکن وہ شاید کناروں میں ہو رہی لیکن جو کناروں کے مابین لوگ ہیں۔ وہ محروم ہیں۔ جیسا کہ آج ہم محروم ہیں کہ ان منتروں کی صحت کو معلوم کریں ؛

چونکہ خدا روح ہے اور روح سے اس کی پرستش ہوتی ہے بیشک بدن جو روح کا مسکن ہے یا مرکب ہے وہ بھی روح کے ساتھ پرستش میں حصہ لیتا ہے۔ لیکن روح کو روح کی پرستش کرنے کے لئے کسی غیر شے کی شکل کی ضرورت نہیں ؛

پرستش کے لئے کسی مورت یا کسی شے کی صورت بنانے کی ہمارے ہاں سخت ممانعت ہے۔ چنانچہ دس احکام میں سے جو دوسرا حکم ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ بلکہ ایسی بت پرستی سے جو بُرے نتیجے نکلتے ہیں۔ اُن سے ہم کو آگاہ کیا گیا ہے (رومیوں ۱-۲۳) میں لکھا ہے کہ "انہوں نے غیر فانی خدا کے جلال کو فانی انسان اور پرندوں اور چوپایوں اور کیڑوں مکوڑوں کی صورت میں بدل ڈالا۔ زبور کی کتاب اور یسعیاہ کی کتاب میں پرستش کے لئے مورتوں کے استعمال کرنے کی بُرائی کا مفصل ذکر ہے ؛

کسی خاص چیز کو متبرک جان کر پرستش میں شامل کر لینا ناجائز و نادرست ہے۔ یردن کے پانی میں کوئی خاص تقدس و عظمت نہیں نہ پرستش میں اس کا پانی داخل ہے۔ جو مسیحی ایسا کرتے ہیں وہ بائبل کے خلاف کرتے ہیں اہل ہند کے ساتھ تعلق ہونے سے انہوں نے یہ رسم لے لی ہو گی جیسے گزشتہ سال میں بعض مسیحیوں نے کرسمس کے موقعہ پر دیوالی کرنی شروع کی۔ ورنہ پہلی تین صدیوں میں اس رواج کا خیال بھی نہ تھا ؛

چونکہ اس کا تعلق ہمارے ساتھ نہیں۔ اس لئے میں اس کی نسبت کچھ نہیں کہتا ؛

(ر۔ ج۔ علی بخش)

پروگرام موگا کنونشن

جون ۲۶ ، ۲۷ و ۲۸ ۱۹۲۵ء

کرسی نشین .... پادری ایف - جے نیوٹن صاحب لدھیانہ
کنونشن کا مضمون ...... خدا کی بادشاہت -

جمعہ ۲۶ جون ۱۹۲۵ء

۳ بجے سے ۳ ½ بجے دوپہر تک - افتتاحی ایڈرس - میر مجلس پادری ایف - جے نیوٹن صاحب لدھیانہ -

۳ ½ بجے سے ۵ بجے شام تک جزوی اجلاس -

بچوں کے لئے ...... بولنے والے ماسٹر بھورا م صاحب
لڑکیوں کے لئے - بولنے والے مس سی - آر کلارک صاحبہ
لڑکیوں کے لئے .... بولنے والے پادری - ڈی - ای کوپ مین صاحب
استادوں اور منادوں کے لئے - بولنے والے پادری ایف - بی ٹکسکی صاحب
عورتوں کے لئے ..... بولنے والے مسز ٹکسکی صاحبہ -
دہاتیوں کے لئے .... بولنے والے پادری پی - ڈی - پال صاحب

۷ بجے شام سے ۹ بجے شام تک شروع کریں - کرسی نشین - بولنے والے پادری ڈی - آر گارڈن صاحب ڈی - ڈی

سنیچر جون ۲۷ ۱۹۲۵ء

۸ بجے سے ۹ ½ بجے صبح - دعا کا جلسہ - بولنے والے پادری ٹھاکر داس صاحب ایم - اے

۹ ½ بجے سے ۱۰ بجے تک میر مجلس پادری ڈیوڈ نمانوایل صاحب
ایڈرس پادری ایس - این طالب الدین صاحب بی اے

۲ بجے سے ۴ بجے دوپہر تک - جزوی اجلاس جیسا کہ جمعہ کے دن ہوا

۷ بجے سے ۹ بجے شام تک ایڈرس پادری ڈی۔ آر گارڈن صاحب ڈی۔ ڈی

اتوار جون ۲۸ سنہ ۱۹۲۵ء

۸ بجے سے ½ ۸ بجے صبح تک ...... دعا کا جلسہ۔ بولنے والے پادری ٹھاکرداس صاحب ایم۔ اے

½ ۸ سے ۱۰ بجے صبح تک۔ عشاء ربانی کی عبادت ہادی پادری سموئیل جیوا و پادری ہری سنگھ صاحب

۲ بجے سے ۴ بجے شام تک۔ جزوی اجلاس۔ جیسے جمعہ و سنیچر کو ہوئے

۷ بجے سے ۹ بجے شام تک ایڈرس پادری ڈی۔ آر گارڈن صاحب ڈی۔ ڈی۔

گانے والی کمیٹی

پادری۔ ایس۔ این طالب الدین صاحب بی۔ اے
مسٹر بالا سنگھ
مسٹر عمردین
مسٹر ارجن داس

انتقال پُر ملال

نہایت افسوس سے تحریر کیا جاتا ہے کہ مسٹر جو فن کا فرزند ارجمند بعمر ۲۰ سال اس دارِ فانی سے گزر کر خدا وند مسیح کی حضوری میں مسکن گزین ہو گیا۔ خدا باپ مرحوم کی والدہ کے زخمی دل کو اطمینان بخشے۔

دی پنجاب کرسچن سنٹرل کواپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور

عرصہ تین سال کا ہوا کہ یہ بنک شہر لاہور میں کھولا گیا تھا - اس کا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کے دیہاتی مسیحیوں کی مالی حالت کو بہتر بنایا جائے ماس موومنٹ کے ذریعہ سے جو لوگ مسیحی مذہب میں شامل ہوتے ہیں ان کی مالی حالت ناگفتہ بہ ہے خواہ زراعت پیشہ ہوں یا صنعتی یا حرفتی کاموں میں لگے ہوئے ہوں - ان لوگوں کو قرضی روپیہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے مسیحی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے جو بنئے بقال وغیرہ بے تحاشہ سود لے کر ان غریبوں کو روپیہ ادھار پر دے بھی دیتے تھے وہ بھی انکار کر رہے ہیں اگر ہم لوگ ان کی مدد نہ کریں تو یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے اس بنک کے ذریعہ سے شہری مسیحیوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ عمدہ سود کی شرح پر روپیہ امانت پر رکھوائیں نیز بنک کے حصص خرید کر عمدہ ڈیویڈنڈس و منافع کما دیں پچھلا ڈیویڈنڈ ۹ فیصدی شرح کے حساب سے دیا گیا تھا - پچھلے تین سال کے عرصہ میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ قرض دیا جا چکا ہے جو وقت مقررہ پر واپس آتا رہا ہے اور تقریباً بارہ ہزار روپیہ سود امانت پر روپیہ رکھنے والوں کو پہنچ چکا ہے سو یہ بات وہی ہے کہ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام - حصص کی قیمت مبلغ ۵۰ روپیہ ہے جو سہ ماہی انسٹالمنٹ (قسط) میں واجب الادا ہے اس کے علاوہ شرح سود امانتی روپیہ کے واسطے ذیل میں درج ہے -

تین ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ (زر جمع مستقل) کے واسطے بشرح ۴½ فی صدی سالانہ
۶ " " " " " " ۵½ " " "
۱۲ " " " " " " ۶½ " " "

پچھلا بیلنس شیٹ منگوا کر بنک کی مالی حالت کا ملاحظہ فرماویں - بنک چلانے کے اخراجات نہایت کم ہیں سوائے ایک پورے وقت کے اکاؤنٹنٹ کے باقی سب عہدیداران بلا اجرت قومی خدمت کر رہے ہیں -

المشتہر

بی - ایل - رلیارام منیجر و سیکرٹری - وائی - ایم - سی - اے لاہور

کرسچن پریس نزد نولکھا لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور ایڈیٹر مسٹر ایل - رلیارام نے شائع کیا

[illegible] پنجاب [illegible] پریس لاہور

مسیحی

رجسٹرڈ ایل
نمبر ۱۶۸۰

ہندوستانی مسیحیوں کا مذہبی۔ اخلاقی۔ علمی و تمدنی ماہواری رسالہ

ایڈیٹر انچیف۔ مسٹر کے ایل لیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن ہائی سکول لاہور
ایڈیٹرز۔ ڈاکٹر آئی۔ یو ناصر۔ ریٹائرڈ سول سرجن۔ لاہور
مسٹر ای۔ چارلس۔ بھٹی۔ ایم۔ اے

S. Sohan Singh.

مسیحی کا حوالہ دیکر فرمائش بھیجئے

اشتہار کتب

مسیح کی زندگی اور تعلیمات پر چند سبق } مصنفہ پادری ای۔ پی نیوٹن صاحب۔ مسیح کی زندگی اور تعلیم پر مکمل کتاب۔ زبان سادہ وسلیس۔ سرورق رنگین۔ صفحہ ۱۹۵۔ قیمت برائے نام یعنی ۲ آنے

ستیارتھ پرکاش درپن } اس میں پنڈت دیانند صاحب کے اُن اعتراضوں کے دندان شکن جواب دئے ہیں جو ستیارتھ پرکاش میں پنڈت موصوف نے مسیحی مذہب۔ مسیح۔ بائبل اور مسیحیوں کے خدا پر لگائے ہیں۔ آج تک آریہ سماج اس کا جواب نہیں لکھ سکی۔ تقطیع کلاں صفحہ ۱۹۹ اصل قیمت ۱۲ اب رعایتی ۸/

مسیحی مذہب کے ابتدائی حالات } فلسطین کے باشندے۔ مسیح کے ابتدائی اصول وکام۔ مسیح کی تعلیم اور معجزے۔ مسیح کی زندگی کے آخری واقعات۔ یہودیوں میں مسیحی دین کا پھیلنا۔ مسیحی دین کی ترقی غیر قوموں میں اور مسیحیت کے اہم عقائد وفرائض صفحہ ۱۳۱ قیمت ۳/

ہندو۔ محمدی اور مسیحی مذہب کا مقابلہ } تینوں مذہبوں کا خدا تجسم خدا گناہ طریق نجات اور الہام کی نسبت تعلیمات کا بہت ہی عمدہ مقابلہ ہے۔ مسیحیت کی عظمت وفوقیت ظاہر کی گئی ہے صفحہ ۳۰ قیمت ۱/

مسیحی کا عقیدہ } مصنفہ رائٹ ریورنڈ چارلس گور صاحب۔ لارڈ بشپ برمنگھم۔ دین مسیحی کے بڑے بڑے مسائل کی تشریح زمانہ موجودہ کے مطابق علم الٰہی کے طلبا اور شائقین کے لئے بالخصوص ضروری کتاب ہے صفحہ ۱۹۱ مجلد قیمت ۹/

تناسخ کا کھنڈن و مسیحیت کا منڈن } پردو لیکچر اہل ہنود کے عقیدہ آواگون کی نہایت ہی عمدگی سے تردید کرکے مسیحی دین کی صداقت کو اس کے مقابل ثابت کیا گیا ہے صفحہ ۳۰۔ قیمت ۲/ ۶ پائی

ذات وچار } از پادری پی۔ پی بلے صاحب۔ اس کتاب میں قابل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ ویدوں کے زمانے سے لیکر کس طرح ہندوؤں میں برہمن۔ چھتری۔ ویش اور شودر مختلف ذاتیں بن گئیں۔ ہر ذات کی خصوصیات اور حقوق وفرائض۔ کھانا پینا میل ملاپ وغیرہ ذات سے خارج ذوات میں دوبارہ بحالی کی کیفیت وشرائط اور محمدی اور بدھ مذاہب کی تعلیمات کا اثر۔ آج جبکہ اچھوتوں کو ملانے کا سوال چھڑا ہوا ہے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ہی مفید ہے۔ صفحہ ۔ قیمت ۲/

ملنے کا پتہ

المشتہر

سکرٹری پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور

فہرست مضامین

مرحوم مسٹر سی - آر - داس

مسٹر سی آر داس کی موت ہندوستان کے لئے ایسا صدمۂ جانکاہ وسانحہ ہوش ربا ہے جس نے ہر کہ ومہ کی دل شگافی کردی ہے۔ اور تمام ہندوستان کو بلاتفریق فرقہ وملت ماتم کدہ بنادیا ہے۔ آپ بلبلِ شیریں نوا۔ فصیح مقرر۔ فدائے حریت۔ شہرۂ آفاق مدبر لاثانی محسن اور قربانی کی زندہ مثال تھے۔ علاوہ ازیں مسیحی قوم کے صادق شفیق اور مسیحی تعلیم کے مداح عظیم تھے۔ چنانچہ اپنے صدارتی خطبے میں مرحوم نے انجیل مقدس سے بیسیوں آیتیں بطور حوالہ دیکر اپنی شیریں گفتاری کو چار چاند لگادیئے تھے۔

پیشتر ازیں پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس کی طرف سے مسٹر بی ایل رلیا رام سکرٹری وائی ایم سی اے تعزیت کا تار بھیج چکے ہیں اور اب مسٹر داس کے پیوندِ خاک ہونے پر "مسیحی" اپنے تمام برادرانِ وطن کے ساتھ شریکِ رنج ومحن ہو کر نوحہ خوانی کو اپنا فرض اولین اور فخر لاانتہا ہی سمجھتا ہے ؎

مردنی رُخ پر ہے چھائی سر پہ اُڑتی خاک ہے
مادرِ ہندوستان کا غم سے سینہ چاک ہے

ایڈیٹر انچیف۔

ہماری کنونشنیں

مسیحی کنونشنیں روحانی بیداری کی مجالس ہیں جنکی ہستی موجودہ زمانے میں ہماری کلیسیائی زندگی کی ترقی کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ بعض لوگ ان مجالس سے حد سے زیادہ توقع رکھتے ہیں۔ اور پھر بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اِن کو نہ فقط غیر ضروری بلکہ نقصان کا باعث سمجھتے ہیں۔ راقم سطور کے خیال میں یہ افراط تفریط غلط فہمی پر مبنی ہے۔ ذیل میں چند خیالات پریشاں پیش کئے جاتے ہیں جنسے کنونشن کے حقیقی مقصد اور مفہوم اور اُن شرائط کے سمجھنے میں مدد ملسکتی ہے۔ جن سے کنونشن مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

۱۔ ہماری کنونشنیں موسم برسات کی طرح ہیں۔ موسم گرما کی شدید حرارت کے بعد برکھا رُت زمین کی کایا پلٹ دیتی ہے۔ جھلسانے والی لو کی جگہ اب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا مردہ نیچر میں گویا نئی زندگی پھونک دیتی ہے مگر زمین کی سیرابی اور شادابی کے لئے ضرور ہے کہ زمین تیار ہو۔ ورنہ بارش کا پانی ڈھلوان کی طرف بہ جائے گا۔ اسی طرح کنونشنوں میں محض کلام کی منادی اور فصیح تقریروں سے کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا جبتک کہ سننے والوں کے دل کی بنجر شگافی نہ ہوئی ہو۔ نرم اور حلیم دل میں کلام کی بارش اپنا گہرا اثر کرتی ہے۔ اور کثرت سے پھل پھول پیدا ہوتے ہیں۔ جو شخص شکستہ اور خستہ دل سے کنونشن میں نہیں آتا اُسکی زندگی پھلدار نہیں ہوسکتی۔

۲۔ جن لوگوں کو کشمیر جانے کا اتفاق ہوا ہے یا جو لوگ کم از کم اُس ریاست کے جغرافیہ سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں اُنکو معلوم ہوگا کہ دریائے جہلم وادیٔ کشمیر میں اسّی میل تک دھیمی رفتار سے اپنی مسافت طے کرتا ہوا کبھی تو بل کھا کر پہاڑوں کے دامن سے ٹکراتا ہے اور کبھی میدانی ندیوں کی طرح ہموار زمین میں اِدھر اُدھر خم کھاتا ہوا بڑے ناز سے خراماں چلا جاتا ہے۔ اِس سفر میں اُسے جھیل وُلر میں سے عبور کرنا پڑتا ہے۔ یہ جھیل وسعت میں قریب ڈیڑھ سو میل مربع ہے۔ دریائے جہلم

اِس قطعہ آب میں ملکر اُسی کا ایک حصّہ بن جاتا ہے۔ کچھ فاصلے تک تو اُسکی رفتار کم و بیش نظر آتی ہے مگر رفتہ رفتہ اُسکی ہستی اُس جھیل میں قریباً معدوم ہو جاتی ہے۔ جو غلاظت یا مردار اُسکی سطح آب پر بہتے آرہے تھے وہ جھیل کے گھاس پھوس میں رُک کر وہیں رہ جاتے ہیں اور دوسری طرف جھیل میں سے گویا ایک نیا دریا نکلکر بہنے لگتا ہے۔ ہماری کنونشنیں ہماری زندگی میں جھیل وُلر کا کام دیتی ہیں۔ یہاں ہمیں اپنی تمام ناپاکیوں کو چھوڑنے اور نئے سر سے زندگی بسر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اگر جہلم دریا اُس جھیل میں سے تیز رفتاری کے ساتھ نکل جانے کی کوشش کرے تو اُسکی ساری غلاظت اُسکے ساتھ بہتی چلی جائیگی۔ اگر ہم نے کنونشن سے فائدہ حاصل کرنا ہے تو لازم ہے کہ ہم اپنے گدلے رَو کو اُسکے میٹھے پانی کے ساتھ ایسا ملادیں کہ ہماری ساری تیزی جاتی رہے اور ہم نئے اور تازہ خیالات اور جذبات کو لیکر اپنی مسافت طے کریں۔

۳۔ ملک کنعان کے کوہستان میں یروشلیم کی شمال کی جانب کچھ فاصلے پر رامہ نامی ایک مقام سموئیل نبی کا مولد و مسکن تھا۔ ذکر ہے کہ ایک موقع پر داؤد ساؤل بادشاہ سے ڈر کر بھاگا اور سموئیل کے پاس رامہ کے نیوت میں پناہ گزیں ہوا۔ ساؤل نے تین بار ہرکارے اُسے پکڑنے کو بھیجے مگر وہ وہاں پہنچتے ہی نبوت کرنے لگے پھر ساؤل خود گیا اور رامہ میں پہنچنے سے پیشتر ہی وہ بھی نبوت کرنے لگا۔ یعنی اُس جگہ کی فضا میں کوئی ایسی تاثیر تھی کہ جو وہاں جاتا نبوت کرنے لگتا تھا۔ چاہیئے کہ ہماری کنونشنیں بھی رامہ کا نیوت ہوں جنکے کرہ ہوائی میں کوئی ایسی بات ہو جو حاضرین کو ایک نیا انسان بنادے اور جہاں سے ہر ایک سچی نبوت کی روح حاصل کر کے اپنے اپنے کام کو جائے۔

۴۔ جب بنی اسرائیل ملک مصر سے نکلے تو منجملہ دیگر تکالیف کے اُنکو اپنے سفر کے آغاز ہی میں پانی نصیب نہ ہوا۔ وہ شور کے بیابان میں تین دن تک چلے گئے اور اُنکو پانی نہ ملا۔ پھر اگلی منزل پر جب وہ مارہ میں آئے تو اُسکا کڑوا پانی پی نہ سکے۔ موسیٰ کو معجزانہ طور پر اُس پانی کو پینے کے قابل بنانا پڑا۔ اگلے پڑاؤ پر ایلیم میں پانی کے بارہ چشمے اور ستر کھجور کے درخت تھے۔ ہماری کنونشنیں وہ ایلیم ہیں جہاں ہم خوشحالی

سے سفر کرتے ہوئے میٹھے پانی سے اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ جن لوگوں کو کلام مقدس کے پڑھنے یا سننے کا موقع نہیں ملتا یا جو دنیا کے تلخ پانی سے بیزار ہو کر کڑکڑاتے یا آہیں بھرتے ہیں اُنکے لئے کنونشنیں زندہ پانی کے چشمے ہیں جو خدا نے بیابان میں اُنکے لئے مہیا کئے ہیں۔

۵۔ ہماری کنونشنیں ہلٹ کی طرح ہیں جنکے ذریعے سے کلام مقدس کے گہرے مضامین کو کنوئیں میں سے نکالکر پیاسوں کو سیر کیا جاتا ہے۔ یسعیاہ نبی فرماتا ہے کہ "تم خوش ہو کر نجات کے چشموں سے پانی بھرو گے" (۱۲ : ۳) یہی وہ نجات کے چشمے (یا کوئیں) ہیں جنمیں سے ایمان کے اندازے کے مطابق تازہ پانی بھرا جاتا ہے۔ اس مثال میں ہمارے تقریر کرنے والوں اور واعظوں کے فرائض کیطرف اشارہ ہے۔ اُنکو خالی برتن کی طرح کوئیں کے پانی تک اُترنا اور پھر لبریز ہو کر اوپر آنا چاہیئے۔ جب تک وہ خود پانی سے سیر نہ ہوں اُنکے اندر سے زندگی کے پانی کی ندیاں کیونکر جاری ہو سکتی ہیں؟ پھر اگر برتن میں چھوٹا سا بھی سوراخ ہو تو پانی بہ جاتا ہے اور پیاسے پانی کو ترستے رہ جاتے ہیں۔

۶۔ ہماری کنونشنیں ہماری زندگی کی مسافرت میں ریلوے اسٹیشنوں کی طرح ہیں جہاں مختلف اقسام کی خورد و نوش کی چیزیں مسافروں کے لئے مہیا کیجاتی ہیں۔ مگر کنونشن میں سب کچھ بلا قیمت مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور سب بلا امتیاز ایک ہی چشمے سے پانی پیتے ہیں۔ ذات پات کی کوئی تفریق نہیں۔

۷۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ کنونشن کوئی ہسپتال یا بیت صدا کا حوض نہیں ہے جہاں ہر قسم کے مریضوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ بلا ریب یہاں گناہ کے مریضوں کو شفا حاصل کرنیکا موقع ملتا ہے مگر اسکا خاص مدعا روحانی زندگی کی ترقی ہے۔ چاہیئے کہ ہماری کنونشنیں ایسی صحت گاہ ہوں جنکی تازہ ہوا سے تھکے ماندوں کو تازگی حاصل ہو۔ جہاں ہم دنیا کے شور و شر سے علیحدہ ہو کر مسیحی رفاقت میں چند روز بسر کریں اور اپنی آئندہ خدمت کے لئے تیار ہو جائیں۔

۸۔ آخر میں ہم اپنی کنونشنوں کو اُس پہاڑ کی چوٹی کیطرح سمجھکر وہاں جائیں جہاں چند شاگردوں کو مسیح کے نورانی چہرے کی جھلک نظر آئی تھی۔ اگر اُس پہاڑ پر فقط موسیٰ اور ایلیاہ ہوتے پر مسیح نہ ہوتا تو کیا فائدہ تھا۔ اگر کنونشن میں کسیکو مسیح کا دیدار ہو گیا تو بس کافی ہے۔ مسیح کی رفاقت کے بغیر بڑے سے بڑا مبلغ اور کلام مقدس کے ماہر کی موجودگی سے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ۔ ناصر۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

سفر بحری تمام ہؤا۔ فرط طرب سے دل باغ باغ تھا کہ اب آزاد ملک امریکہ میں قدم دھرینگے۔ دور سے سٹیچو آو لبرٹی یعنی آزادی کا بُت نظر آرہا تھا جو اہل فرانس کی طرف سے امریکہ والوں کو ملکی آزادی حاصل کرنے کی تقریب پر تحفتہً دیا گیا تھا۔ سامنے شہر نیو یارک جو بلحاظ شان عظمت اور مرتبت دنیا بھر کا دار السلطنت کہلانے کا مستحق ہے مصافحہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ میلوں تک سوائے رفیع و عالیشان محلوں کے کچھ اور نظر نہ آتا تھا۔ کارخانوں اور فیکٹریوں کے دود کش آسمان تک کو پہنچ رہے تھے۔ یہ نظارہ ہوش ربا دیکھ کر خیال پیدا ہوتا تھا کہ خدایا یہ انسانوں کی بستی ہے یا جنات اور پریوں کی سرزمین ہے۔ مسافرانِ جہاز خندان و فرحان آپس میں گفتگو کر رہے تھے اور ایک دوسرے کا پتہ پوچھ رہے تھے۔ بہت سے یتیم بیکار اور افلاس زدہ اس "پناہ کے شہر" میں پناہ گزیں ہونے آئے تھے امیدیں اُنکے پژمردہ دلوں کی کلیوں کو کھلا رہی تھیں جس سے اُنکے چہرے چمکتے دمکتے نظر آتے تھے۔ لیکن

وائے واں بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا
لیگیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

افسر جہاز نے آکر حکم سنایا کہ تیسرے درجہ کے کل مسافران کو اپنے کاغذات اور صحت کے معائنہ کے لئے ایلس آئلنڈ میں جانا ہوگا۔ یہ الفاظ سنکر اہل جہاز محو حیرت ہو گئے۔ دوسرے روز خبر ملی کہ ان غریب مسافروں کو چار پانچ روز تک اسی جہاز میں محبوس رہنا پڑیگا کیونکہ ایلس آئلنڈ میں ہزارہا مسافر پہلے پہنچ چکے ہیں اور اس سبب سے زیادہ مسافروں کی گنجائش نہیں ہے۔

دل میں خیال آیا یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے کونسی خطا سرزد ہوئی جو یہ جہاز ہی قید خانہ بن گیا۔ ہزاروں مصیبتیں جھیل کر یہاں تک آنا ہؤا۔ لیکن آتے ہی خرمن آزادی پر دفعتہً بجلی گر پڑی۔ بہارِ عشرت خزانِ الم سے مبدّل ہوئی۔ بجائے

مسافر عالم بدحواسی میں جہاز پر اِدھر اُدھر جھانکتے پھرتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کے چہرے زرد پڑ گئے تھے۔ قید کے ہر در و دیوار سے ناامیدی کی شکل مجسم نظر آتی تھی۔

شام سے تا صبح مضطر صبح سے تا شام ہم
ایک عالم میں ہیں کیوں اے گردش ایام ہم

آخر خدا خدا کر کے اس آہ و نالے کا کچھ اثر ہوا۔ اور مسافران چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے ذریعے ایلس آئلینڈ میں پہنچا دئے گئے۔ مدت سے اِس جزیرۂ منحوس کا ذکر سنا کرتے تھے۔ لیکن آج قسمت نے یہ دن بھی دکھلا دیا۔ وہاں جو کچھ گذرا وہ ناگفتہ بہ ہے۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ اگر دوزخ کا نمونہ اس زمین پر دیکھنا ہو تو وہاں جا کر دیکھ لیجئے۔ وہاں کے اہلکاروں اور ملازموں کی کج ادائی، کج خلقی اور درشت کلامی بھلانے سے بھولتی نہیں۔ بیشک ہر قوم کو یہ حق حاصل ہونا چاہیئے کہ اپنی حفاظت بہتری اور بہبودی کے لئے اجنبیوں اور پردیسیوں کی نسبت پوری واقفیت حاصل کرے لیکن اخلاق اور شرافت کے رشتہ کو ہاتھ سے دینا تو کسی ملک کا بھی آئین نہیں ہونا چاہیئے۔ طرفہ یہ ہے کہ اس دنیا کی زبردست قومیں اپنی حفاظت اور بچاؤ کے لئے تو ایسے پکے انتظام کرتی ہیں لیکن چھوٹی چھوٹی سلطنتوں اور کمزور قوموں کے اس حق حفاظت تک کا خیال بھی انکے دل میں کبھی نہیں آتا۔ اور انکے ملک مال و دولت اور تجارت کو شیر مادر سمجھتی ہیں۔

خیر کچھ بھی ہو ہم تو ملک امریکہ کی اس امر میں بھی تعریف ہی کرینگے۔ کم از کم اُن میں اتنی قوت تو ہے کہ جسکو چاہیں اپنے ملک میں آنے دیں اور جسے چاہیں نہ آنے دیں۔ یہ شرف تو ہندوستان ہی کو حاصل ہے کہ جسکا جی چاہے بے دھڑک ملک میں چلا آئے۔ اپنا اُلو سیدھا کرے اور پھر بھی اہل ملک سے ہر صورت میں اعلےٰ و بالا سمجھا جائے۔

قصہ کوتاہ ایک دور دراز میں ضروری کاغذات و صحت کے معائنہ کے بعد شہر نیو یارک میں داخل ہونے کی اجازت ملی۔ چند الفاظ میں اس عالیشان شہر کی عظمت اور دلفریبیوں کی کیفیت کو کہنا دریا کو کوزہ میں بند کرنا ہے۔ صاف

سنگین عمارتیں اور اسقدر بلند کہ انسان دیکھتا دیکھتا پشت پر گر پڑے۔ بازار ایسے فراخ اور کشادہ کہ چھ چھ گاڑیاں اکٹھی چل سکیں لیکن باوجود اس وسعت کے بھی گاڑیوں اور موٹر کاروں کی وہ بھرمار کہ وہاں سے سلامتی سے گذرنا کارے دارد۔ لوگوں کی وہ ریل پیل اور دھکا پیل کہ شانے سے شانہ چھلے۔ آمدورفت کے لئے تین قسم کی ریل گاڑیاں۔ ایک تو بازار میں۔ دوسری بازار کے اوپر پلوں پر۔ تیسری بازار کے نیچے زمین دوز۔

اِن دلچسپ نظاروں کو دیکھتے ہوئے حیران اور ششدر آخرکار یونین تھیولاجیکل سیمنری میں پہنچے۔ یہ ایک ہفت منزل عالیشان سنگین عمارت ہے، جو برلب دریا سر بفلک کھڑی ہے۔ ساتھ ہی کولمبیا یونیورسٹی اور ٹیچرز کالج کی شاندار عمارتیں موجود ہیں۔ یہ سب ایک ہی یونیورسٹی میں شامل ہیں۔ چند روز سیمنری میں رہ کر خاموشی میں خدا کا شکر ادا کیا اور آرام کیا۔ خدا کی مہربانی سے سیمنری ٹیچرز کالج اور کولمبیا یونیورسٹی تینوں جگہوں میں تعلیم حاصل کرنیکا موقع ملگیا۔

امریکہ اور ہندوستان کے طریقۂ تعلیم میں بہت فرق ہے۔ ہندوستان میں تو سوائے ایک دو یونیورسٹیوں کے کل یونیورسٹیاں ملکی حکومت کے زیر اثر ہیں۔ ملکی حکومت تعلیم کے مضامین مقرر کرتی انہیں میں طلبا کا امتحان لیتی اور ڈگریاں تقسیم کرتی ہے لیکن امریکہ میں سرکاری یونیورسٹیوں کے علاوہ متمول لوگ خود روپیہ جمع کر کے یونیورسٹیاں اور تعلیمی محکمے کھولتے ہیں اور اُن میں جو مضامین مناسب سمجھے جائیں پڑہائے جاتے ہیں۔ یہی ایک خاص وجہ ہے جسکے سبب سے اہل امریکہ میں تعلیم اور حریت کی ایک لہر دوڑ رہی ہے۔ فرانس میں نپولین بونا پارٹ نے اور جرمنی میں برشنیر نے وہی اصول تعلیم برتا جو کہ آجکل ہندوستان میں برتا جاتا ہے۔ جسکے وسیلے سے ملکی حکومت اپنے خیال کے مطابق اور اپنی بہتری دبہبودی اور پائداری کو مدنظر رکھکر آئندہ نسل پشت کو تعلیم دیتی ہے۔ اس انتظام سے سلطنت کو فائدہ پہنچنا تو یقینی ہے لیکن ممکن ہے کہ رعایا کی مصلحتوں اور ملکی مفاد کے برہم زن ہو۔

ہمارے ملک میں تو لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام جداگانہ ہے۔ لیکن امریکہ میں اکثر انکو ایک ہی جگہ تعلیم دی جاتی ہے۔ اس انتظام کی ہستی اس ملک کے مجلسی اور خانگی دستوروں پر موقوف ہے جنکا بیان آگے چلکر کیا جائیگا۔ مغربی ممالک نے اس انتظام کی پیروی کرنے سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ قدرت نے لڑکے اور لڑکیوں کی خصلتوں میں ایسا فرق رکھا ہے کہ ایک دوسرے کی کمیوں کو باہمی طور پر پورا کریں۔ انکا ایک ہی جگہ تعلیم پانا بذات خود تعلیم ہے اور اس باہمی رفاقت سے دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس غیرت جنسی کے باعث جو فطرت نے انسان کو عطا کی ہے انمیں مطالعہ اور تجسس کا شوق بڑھتا ہے۔ جماعت میں ایک عجیب تازگی اور رونق نظر آتی ہے۔ انہیں لڑکوں اور لڑکیوں نے آگے چلکر خاندان بنانے ہیں۔ انہیں نے ملکر قومی ذمہ واریوں کا بوجھ اٹھانا ہے کیا وجہ ہے کہ انکی تعلیم بھی ایک ہی جگہ نہ ہو؟ شاید کوئی بہ دہ پرست جواب میں کہیں کہ اس انتظام میں بڑی خرابیوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ صاحب من۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ہندوستان کے مدرسوں اور کالجوں میں جہاں جداگانہ تعلیم کا بندوبست ہے کن کن قبیح صورتوں میں بدی پیدا ہوتی ہے؟ اور ان کا ان طلبا کی اپنی زندگی پر اور قومی زندگی اور ترقی پر کیا اثر پڑتا ہے؟ البتہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جب تک ہندوستان کی سوشیل اور مجلسی زندگی میں ایک انقلاب عظیم واقع نہ ہو اجتماعی تعلیم کا جواز ممکن نہیں۔

طریقہ تعلیم میں اس امر کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے کہ طلبا میں خود بخود سوچنے اور رائے قائم کرنے کا مادہ پیدا ہو جائے۔ ہر ایک جماعت گروپس میں تقسیم کی جاتی ہے۔ اور ہر ایک گروپ میں ایک لیڈر مقرر کیا جاتا ہے۔ جو اپنے گروپ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ شخصی مطالعہ کے بعد یہ گروپس تبادلہ خیالات اور مباحثہ کی غرض سے علیحدہ علیحدہ جمع ہو کر مضامین زیر مطالعہ کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ اسطرح سے نہ نیند خراب ہوتی ہے اور نہ ہی سر میں درد ہوتا ہے۔ خود بخود ہی سبق سمجھ میں آجاتا ہے۔ اور ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

ہماری یونیورسٹیوں میں امتحانات کا طریق بہت ناقص ہے۔ امتحان کیا ہے

روزِ عدالت ہے بیچارے طالب علم مہینوں پہلے دن رات جاگ جاگ کر محنت کرتے ہیں اور اپنی صحت کو برباد کر دیتے ہیں۔ امتحان کے بعد کئی دنوں تک انہیں ہوش نہیں آتی۔ اور پھر بھی نوّے فیصدی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کامیاب ہوں گے یا نہیں۔ نتیجہ نکلنے پر اگر ایک آدھ مضمون میں "فیل" ہو گئے تو اگلے سال پھر کل مضامین کا امتحان دینا پڑتا ہے۔ کیپارٹمنٹ کے انتظام سے کچھ تو سہولیت ہو گئی لیکن یہ بھی کافی نہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ معاملہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص تین یا چار گٹھڑیاں ریل کے سٹیشن پر سے کسی مزدور سے اٹھوا کر اپنے گھر لائے اور گھر پہنچکر اگر معلوم ہوا کہ مزدور ایک گٹھڑی سٹیشن پر بھول سے چھوڑ آیا ہے تو اُسے کہے کہ اچھا یہ باقی تینوں گٹھڑیاں پھر سٹیشن پر لیجاؤ اور چاروں اکٹھی اٹھا کر لاؤ۔ امریکہ کی یونیورسٹیوں کے امتحانات میں کامیابی روزانہ کام پر موقوف ہے۔ امتحان کے وقت نہ تو سر میں درد ہوتا ہے اور نہ کوئی فکر و اندیشہ ہوتی ہے جس مضمون میں کمی رہ جائے صرف اُسی کا دوبارہ امتحان دینا پڑتا ہے۔ طالب علم کی زندگی اور بیش قیمت وقت کا خیال رکھکر اُسکی سہولیت کے لئے کل انتظام کیا جاتا ہے

(باقی دارند)

ضروری خبریں

خوشخبری۔ نہایت خوشی کی خبر ہے کہ رائے صاحب منگت رام صاحب اسسٹنٹ کمشنر انکم ٹیکس شمال مغربی سرحدی صوبہ کو لگاتار حسن خدمات کے صلہ میں شہنشاہ ہند جارج پنجم دام اقبالہٗ کے جنم دن کی تقریب پر گورنمنٹ عالیہ ہند نے رائے بہادر کا خطاب مرحمت فرمایا جو مسیحی قوم کے لئے باعث صد عزت و فخر ہے۔ آپنے متذکرہ بالا عہدہ جلیلہ محض اپنی محنت جانفشانی حسن کارگذاری دیانت داری اور علی مسیحی چال چلن کے باعث حاصل کیا ہے۔

آپ بلحاظ پیدائش ملتان کے ایک نہایت شریف ہندو خاندان سے تعلق

رکھتے ہیں اور بیس سال پیشتر آپ نے مسیحی مذہب اختیار کیا اور فورمن کرسچین کالج سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد محکمہ بندوبست میں بعہدہ قانونگوئی کام شروع کیا۔ عرصۂ قلیل میں نائب تحصیلدار ہوگئے اور ترقی کرتے کرتے اس عہدہ پر پہنچ گئے جو آپ کی لیاقت اور ہمت کا نمایاں ثبوت ہے۔ ہم آپ کو اور آپ کی اہلیہ کو تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ جہاں جائیں خوش و خرم وبااقبال رہیں

الٰہی بخت تو بیدار بادا   ترا دولت ہمیشہ یار یادا

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ امسال مسٹر ایس۔ پی سنگھا نے پرائیویٹ طور پر دہلی یونیورسٹی سے فلسفہ میں اور مسٹر قربان احسان اللہ نے انگریزی میں اور مس ڈارتھی طالب الدین نے گورنمنٹ کالج سے فلسفہ میں ایم۔ اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ہم مسٹر سنگھا اور مسٹر قربان احسان اللہ کی عالی ہمتی کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ باوجود دنیوی مصروفیتوں اور فرائض منصبی کے آپ نے اپنی ذاتی محنت شاقہ سے ایم۔ اے میں کامیابی حاصل کی۔ مس ڈارتھی طالب الدین کی کامیابی تو ہماری تمام قوم کے لئے باعث فخر ہے۔ ہمارے بزرگ پادری طالب الدین صاحب مرحوم کی روح تو اپنی دختر فرخندہ اختر کی ایسی نمایاں کامیابی پر نہایت ہی خوش ہوتی ہوگی۔

استعفا۔ پروفیسر محمد اسماعیل ایم۔ اے نے گذشتہ دسمبر سے اخبار نورافشاں کی ادارت ترک کردی ہوئی ہے۔ اگرچہ آپ کا نام اخبار پر بطور مدیر اب تک لکھا جاتا ہے۔ پروفیسر صاحب انجیل جلیل کے ترجمے کے اہم کام میں مصروف ہیں اور قوم کی بڑی بھاری خدمت کر رہے ہیں۔ امید واثق ہے کہ نورافشاں کی انتظامیہ کمیٹی کسی لائق صاحب کو کرسی ادارت پر متمکن کریگی جو اپنے فرائض کو خوش اسلوبی سے نباہ سکے۔ تاکہ جس غرض کے لئے مشن کا روپیہ خرچ کرکے اخبار چلایا جاتا ہے پوری ہوسکے

افسوس ہے کہ پنجاب انڈین کرسچین کانفرنس علاقہ منٹگمری میں پندرہ مربع سے زیادہ زمین حاصل نہ کرسکی جسکی وجہ سب کو معلوم ہے یعنی لوگوں نے زمین کی قیمت بہت بڑھا دی۔ کہاں اڑھائی تین ہزار فی مربع کی امید اور کہاں بیس ہزار فی مربع۔ نیلامی میں بعض لوگوں نے 36 ہزار فی مربع تک پہنچا دی۔ ایک مسیحی گروہ نے تقریباً 74 مربع چار مختلف لاٹس میں بذریعہ ٹنڈر حاصل کیے ہیں گرچہ انہوں نے ابھی تک پورا روپیہ داخل نہیں کیا مگر چونکہ یہ صاحبان صاحب حیثیت و توفیق ہیں اس لئے اگر اس نرخ پر زمین کو ارزاں خیال کریں تو کرسکتے ہیں اور مبارکباد کے مستحق ہیں مگر اگر اپنے غریب دیہاتی مسیحی بھائیوں کو اس میں شامل کرنا چاہیں تو براہِ مہربانی تحمل بردباری اور سوچ بچار سے کام لیں۔ اسلئے کہ بہت سے دیہاتی ایسے ہیں جو اس قیمت کی تاب نہیں لاسکتے۔ اور بجائے فائدے کے بادی النظر میں ان کی تباہی ہے کیونکہ جہانتک ہمیں معلوم ہے زمین ناقص ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ سالوں کے بعد محنت شاقہ کے بعد اچھی ہوجائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اتنے روپے پر وہ قابلِ برداشت کیسے ہوسکتی ہے۔

تشریح کے طور پر یہ ذکر کردینا خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ پہلی لاٹ میں ۲۰ ہزار دوسری میں ۱۲½ ہزار تیسری میں ۱۰ ہزار روپے فی مربع ٹنڈر منظور ہوئے ہیں۔ کم از کم پہلے پہل دو ہزار ساڑھے بارہ سو اور ایک ہزار روپے فی مربع دینے پڑینگے۔ علاوہ دیگر اخراجات کے دو سال بعد آبیانہ اور مالکانہ بھی شروع ہوجائیگا اگر جملہ اخراجات ادا کرنیکے بعد سات آٹھ سو روپے بچت ہو بھی جائیں تو وہاں کے اخراجات پورے کرنے کے بعد بہت کم رقم انکے پاس بچیگی اور پانچ سال کے بعد یکمشت ان کو ۱۰ ہزار ۱۱۲۵۰ اور نو ہزار روپے چھ ششماہی قسطوں میں ادا کرنے پڑینگے جو تقریباً ناممکن نظر آتا ہے۔

ممکن ہے بعض لوگ یہ خیال کریں کہ پانچ سال تو معافی ہے اور بعد میں زمین چھوڑ دینگے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اتنے عرصے تک محنت کرنا۔ گھر بسانا اور پھر دربدر ہوکر نکل آنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ چونکہ ابھی انہوں نے روپیہ داخل نہیں کیا اور مزید براں ان کو کچھ مہلت بھی مل گئی ہے اسلئے اگر وہ خیر خواہِ قوم ہیں

تو ایک کمیٹی کر کے زمینی معاملات سمجھنے والوں کو بلائیں اور تمام اسباب بیان کرنے کے بعد اگر وہ لوگوں کو قائل کر سکیں کہ اس قیمت پر زمین حاصل کرنے سے قوم کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو لوگوں کو چاہیئے کہ متحدہ کوشش سے زمین ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس قیمت پر زمین گراں و نقصان دہ ہے تو چاہیئے کہ جو نقصان ہو چکا ہے اسی پر قناعت کر کے زیادہ نقصان نہ کیا جائے۔

واضح ہو کہ جس قطعہ کا اُنہوں نے دس ہزار روپیہ فی مربع پیش کیا اگر وہ باز رہیں تو وہی قطعہ دوسرے مسیحیوں کو چار ہزار فی مربع پر مل جائیگا۔ یعنی چھ ہزار فی مربع اور مجموعاً ڈیڑھ لاکھ زیادہ دے رہے ہیں۔ یہ روپیہ کیوں برباد کیا جاتا ہے جبکہ دوسرے لوگ مقابلۃً کم روپیہ پر حاصل کر سکتے ہیں۔ امید ہے کہ ذمہ دار صاحبان اس معاملہ پر غور و خوض فرمائینگے۔

⁂

جو زمین کانفرنس نے تقریباً پندرہ مربع چک نمبر ۲ میں چیچاوطنی کے قریب حاصل کئے ہیں اسمیں ۷ آدمی منٹگمری کے۔ ۲ شیخوپورہ کے ۱۴ گوجرانوالہ کے اور ایک لاہور کا قبضہ دئے گئے ہیں۔ ایک کو ڈیڑھ مربع اور باقی سب کو ایک ایک مربع دیا گیا ہے۔ کانفرنس کی ذمہ واری تب ہی تک ہے جب تک یہ لوگ سرکار کو پورا روپیہ نہیں دیتے۔ جب یہ لوگ سب حساب بے باق کر دینگے تو کُلّی مالک ہو جائیں گے۔ کانفرنس کی غرض صرف ان لوگوں کی مدد کرنا ہے۔

⁂

مبارکباد۔ ہم بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ امسال امتحان میٹریکولیشن میں یونائٹڈ کرسچن ہائی سکول لدھیانہ نے نمایاں کامیابی دکھائی یعنی ۱۲/۱۵ طلبار کامیاب ہوئے۔ کئی سال کے بعد سکول ہذا نے ایسے شاندار نتائج دکھائے جسکے لئے ہم ڈاکٹر ای۔ ای۔ فائف پرنسپل اور مسٹر سردار خان ہیڈ ماسٹر کو تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں جنکے عہد میں سکول دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ امید کیجاتی ہے کہ تھوڑے عرصہ میں سکول کی بڑی عالیشان عمارت بنجائے گی جسکے نقشے تجاویز در پیش ہیں اور یہ سکول مسیحی جماعت کی طاقت اور تعلیم کا مرکز بنجائیگا۔

گوشوارہ آمدنی و خرچ کانفرنس منعقدہ برائے حصول اراضی

آمدنی

نمبر شمار		رقوم اخراجات روپیہ	آنہ	پائی
۱	ٹکٹ ڈاک بہمانہ	19	1	–
2	کرایہ ٹانگا	22	9	–
3	سفر خرچ پریذیڈنٹ اور دیگر ممبران لاہور سے منٹگمری اور واپس چار دفعہ	161	6	–
4	چھپائی	106	4	–
5	متفرقات	5	–	–
6	تاریں	14	1	–
7	شرح تبادلہ اور منی آرڈر کمیشن	9	8	–
8	اخراجات کلرک	20	–	–
۹	سٹیشنری	7	14	–
۱۰	اخراجات لنگر: سردار تارا سنگھ 360-0-0؛ سبزی مصالحہ وغیرہ 99-1-0	459	1	–
11	باورچی = 36-0-0؛ دیگر 1-5-0	37	5	–
12	پلیٹیں اور برتن و شکستگی	7	14	–
13	کرایہ خیمہ	40	–	–
14	روشنی	28	8	–
15	کرایہ چارپائی	25	11	
16	متفرق اور چھوٹے اخراجات	14	4	–
	میزان	978	5	

آمدنی

نمبر شمار	نام	روپیہ وصول شدہ پائی	آنہ	روپیہ	روپیہ جو واپس دیا گیا پائی	آنہ	روپیہ
1	پادری ملوچند	-	-	305	-	-	140
2	پادری غلام مسیح	-	-	115	-	-	46
3	پادری مہدی خان	-	-	50	-	-	20
4	مسٹر لبھو	-	-	15	-	-	-
5	پادری وزیر چند	-	-	325	-	-	130
6	پادری نواب دین	-	-	4[illegible]	-	-	152
7	مسٹر جے۔ ڈینیل	-	-	25	-	-	10
8	مسٹر بھگوتل	-	-	35	-	-	-
9	مسٹر کے۔ لے دتہ	-	-	275	-	-	100
10	پادری جیون مل	-	-	20	-	-	8
11	مسٹر دبیرو و لبھو	-	-	10	-	-	-
12	مسٹر دیرو	-	-	136	-	-	-
	میزان	-	-	1711	-	-	606

میزان اخراجات = 978—5—0
میزان ریفنڈ 606—0—0
1584—5—0

کل آمدنی = 1711—0—0
اخراجات بعد ریفنڈ = 1584—5—0
موجودہ بیلنس 126—11—0

نوٹ۔ چونکہ کانفرنس کا مدعا حصولِ اراضی تھا اور اسی ضمن میں لنگر وغیرہ کا انتظام کیا گیا تھا لہٰذا جو کچھ اخراجات ہوئے وہ اسی سے وضع کر لئے گئے۔

ایڈیٹر انچیف۔

روئیداد انتظامیہ کمیٹی پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس

پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس کی انتظامیہ کمیٹی کا اجلاس بتاریخ ۳۰ مئی ۱۹۲۵ء بوقت گیارہ بجے صبح بمقام گوجرانوالہ بصدارت مسٹر کے ایل رلیارام صاحب پریزیڈنٹ کانفرنس منعقد ہوا۔ پروفیسر بھوگل صاحب نے افتتاحی عبادت کی بعدازاں باقاعدہ کارروائی بمطابق پروگرام ہی پادری غلام مسیح صاحب سیالکوٹ کی دعا سے شروع ہوئی۔ حاضری پکاری گئی۔ مندرجہ ذیل اصحاب حاضر تھے مسٹر کے ایل رلیارام۔ مسٹر بی ایل رلیارام۔ کیپٹن ڈی۔ ایس آلو۔ مسٹر ایف ڈی وارث رائے صاحب میا داس۔ پادری ٹی ٹھاکر داس۔ مسٹر ایم این ہیوز۔ پادری غلام مسیح مسٹر اے۔ ایم دولا۔ مسٹر جی ایم رفیق۔ مسٹر مولا بخش۔ پادری بی ایم رائے۔ پادری [illegible] الدین پادری جیون مل۔ پادری بوٹا مل۔ پادری اے اے دتہ۔ مسٹر خیرالدین۔ مسٹر بھٹی۔ گذشتہ اجلاس کی روئیداد پڑھی گئی اور منظور ہوئی۔

منظور ہوا کہ منسٹری صاحبان و دیگر اصحاب بطور صلاحکار ممبر اجلاس میں بیٹھیں۔
ماسٹر مولا بخش صاحب ہیڈ ماسٹر مشن ہائی سکول کثرت رائے سے کانفرنس کے خزانچی منتخب ہوئے۔
مسیحیوں کی نمائندگی میونسپل و ڈسٹرکٹ بورڈز کا سوال برائے غور پیش ہوا۔ طویل بحث کے بعد منظور ہوا کہ چونکہ جماعتی نمائندگی کا مسئلہ نہایت اہم اور قومی نکتہ خیال سے نتیجہ خیز ہے۔ اسلئے ایک کمیٹی کے سپرد کیا جائے جو اس سوال پر مزید غور کرے۔ کمیٹی حسب ذیل مقرر ہوئی۔ رائے صاحب ای۔ میا داس۔ بی۔ اے۔ ایم۔ ایل سی۔ میر مجلس کمیٹی۔ مسٹر ایف ڈی وارث۔ مسٹر بی۔ ایل رلیارام بی ایس سی۔ ایل ٹی۔ پادری بی۔ ایم رائے۔ مسٹر ای۔ چارلس بھٹی۔ ایم۔ اے سکرٹری کمیٹی

مسٹر اے۔ ایم دولا صاحب نے رائے پیش کی کہ وہ روپیہ جو سرکار نے ہندوستانی افتادہ جماعتوں کی تعلیم و تربیت کے لئے علٰحدہ کیا تھا کیوں مذکورہ بالا جماعتوں کی بہتری کے لئے صرف نہیں کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ روپیہ بھی مسلمانوں کی تعلیمی بہتری کے لئے صرف کیا گیا ہے۔ منظور ہو کہ یہ معاملہ رائے صاحب میا داس کے سپرد کیا جاوے تاکہ کونسل میں بطور سوال پوچھا جاوے۔

ڈاکٹر نام صاحب کا ریزولیوشن جو ذیل میں درج ہے پیش ہوا۔

"ہماری مسیحی جماعت کے ممبر کا ملک میں ایسے منتشر ہیں کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ انکی ضروریات کہاں پوری ہو سکتی ہیں۔ اُدھر کئی ایک مختلف پیشیوں کے مسیحی ایسے گمنام کونوں میں پڑے ہیں کہ کوئی اُنکو نہیں جانتا اور نہ اُنکو کام دیا جاتا ہے اسلئے میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ پنجاب کے بعض مرکزی مقاموں میں جہاں مسیحیوں کی خاطر خواہ تعداد ہے ایسے رجسٹر رکھے جائیں جنہیں مسیحی متلاشیان روزگار اور پیشہ وروں کا نام درج کیا جاوے تاکہ بوقت ضرورت نوکری کے متلاشیوں کو نوکری اور پیشہ وروں کو کام دلایا جاسکے اور مسیحیوں کو توجہ دلائی جائے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے بھائیوں کو ملازمت اور کام دیویں"۔

منظور ہوا کہ یہ ریزولیوشن برائے تعمیل ڈسٹرکٹ کانفرنسوں کے سپرد کیا جاوے۔

کرال کی زمین کی خرید کا معاملہ حسب ذیل کمیٹی کے سپرد ہوا۔ رائے صاحب میاداس پراہیار بی سی چیٹرجی۔ مسٹر ایم این بوز۔ مسٹر الیف ڈی وورنٹ۔ پادری لے۔ ٹھاکرداس۔ مسٹر کے ایل رلیارام۔

منٹگمری کی زمین تعدادی پندرہ مربعے جو کانفرنس کو ملی ہے اُسکے متعلق جو معاملات ہوں اُنکا تصفیہ حسب ذیل کمیٹی کیا کرے۔ مسٹر کے ایل رلیارام۔ مسٹر آئی۔ جے اینگلز۔ پادری وزیر چند۔

مسیحیوں میں شادی کا سوال نہایت مشکل ہو رہا ہے۔ والدین کو حسب دلخواہ لڑکے نہیں ملتے جن سے وہ اپنی لڑکیوں کی شادیاں کرائیں۔ ایسے معاملات میں آسانی اور سہولت پیدا کرنیکی غرض سے پادری لے ٹھاکرداس صاحب پاسٹر نولکھا لاہور سکرٹری مقرر ہوئے تاکہ ایسے معاملات میں حاجتمند مسیحیوں کی امداد کریں۔

پریذیڈنٹ صاحب نے اخراجات متعلقہ خریداری زمین منٹگمری کا مفصل حساب پیش کیا جو منظور ہوا۔ نیز یہ بھی منظور ہوا کہ باقی ماندہ روپے فی کس واپس کر دیئے جاویں۔ اگر اور ۲۴ مربعے زمین کانفرنس کو ملجاوے تو اس کے متعلق کل اخراجات اُن لوگوں سے لئے جاویں جنہیں یہ مربعے دیئے جاویں۔

انتظامیہ کمیٹی کے ممبر کار سے درخواست کی جاوے کہ وہ کانفرنس کی شراکت کو بڑھا دیں۔ بیگار وغیرہ کا سوال رائے صاحب میاداس کے سپرد کیا گیا۔ تاکہ کونسل میں اسکی نسبت دریافت کریں۔

اجلاس پادری بوٹا مل صاحب کی دعا سے برخواست ہوا۔

ای۔ چارلس بھٹی۔ سکرٹری۔

نوشتے یا صحیفے

"پر تو اُن باتوں پر جو تو نے سیکھیں اور جنکا یقین تجھے دلایا گیا۔ قائم رہ۔ کہ تو یہ جانتا ہے کہ کس سے سیکھا ہے؟ اور کہ تو لڑکپن سے مقدس کتابوں سے واقف ہے۔ جو کہ تجھے مسیح یسوع پر ایمان لانے سے نجات کی دانائی بخش سکتی ہیں۔ ہر ایک کتاب یا صحیفہ جو الہام سے ہے۔ تعلیم کے اور الزام کے اور سدھارنے کے اور راستبازی میں تربیت کرنے کے لئے فائدہ مند بھی ہے تاکہ مردِ خدا کامل اور ہر ایک نیک کام کے لئے تیار ہو۔"

(۲ تمطا ۳: ۱۴-۱۷)

کتاب مقدس اور دیگر مسیحی تصانیف میں تین باتیں لازم و ملزوم پائی جاتی ہیں۔ اور ان میں جدائی ناممکنات میں سے ہے۔

(۱) خدا کی روح۔ جو قوت ہے۔

(۲) خدا کا کلام۔ جو پیغام خدا کا ہے انسان کی ہدایت اور عبرت کے لئے۔

(۳) خدا کا بندہ۔ یا مردِ خدا۔ جو اوزار یا وسیلہ و ذریعہ ہے۔

اگر پیدائش کی کتاب کے پہلے باب کو دیکھیں تو وہاں لکھا ہے کہ خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی۔ یہی وہ قوت ہے جو کُن فَیَکُوْن یعنے "ہو جا" اور "ہو گیا" اور ہر سہ باتیں اس کتاب میں بلکہ توریت میں دیکھتے ہیں۔

اگر اسکے ساتھ اعمال کی کتاب کا مطالعہ بغور کریں تو انہی تین باتوں کا ذکر بڑی توضیح و تشریح کے ساتھ نظر آتا ہے۔ یعنے پہلے خدا کی روح کا ذکر ہے۔ دوسرے حصہ میں خدا کے کلام کا ذکر زیادہ اور روح کا کم۔ تیسرے حصہ میں زیادہ تر مردِ خدا کا ذکر ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے روح دوسرے کلام تیسرے انسان یا مردِ خدا۔ تخلیقِ عالم میں بھی یہی

ترتیب پائی جاتی ہے۔ پہلے خدا کی روح۔ دوسرے کلمہ یا کلام۔ سب سے
آخر آدم ذی عقل وذی روح۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ ان تین باتوں کا رشتہ
یا تعلق نہایت ہی عمیق ہے۔ یہاں تک کہ ایک طرح سے جدائی از
ناممکنات ہے۔

اب اس رشتہ پر غور کرنا امر لازمی ہے۔ اور یہ بھی کہ نوشتے کیا ہیں
ہمیں ان سے کیا فائدہ ہے۔ اور ہماری زندگی سے انکا کیا تعلق ہے؟

I نوشتے کیا ہیں۔

(۱) نوشتے الٰہی الہام سے ہیں کیونکہ لکھا ہے کہ "ہر صحیفہ الہام سے ہے"۔
لفظ الہام کی ماہیت کو پہنچنا کچھ آسان نہیں۔ اس لفظ کے لغوی معنے ہیں نگلنا۔
جسکا مطلب یہ ہے دل میں ڈالنا یا خدا کی طرف سے کسی بات کا دل میں اترنا۔
خدا کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کیطرف سے دل میں اترنیکے
مختلف طریق ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) بحالت خواب۔ یوسف کو بحالت خواب آگاہی ہوئی۔
(۲) بحالت بیداری۔ موسےٰ سے بحالت بیداری تکلم ہوا۔
(۳) بحالت نیم خواب۔ سموائیل بحالت نیم خواب تھا جب اسے حکم ہوا۔
(۴) آسمانی آواز۔ بنی اسرائیل نے کوہ حورب پر آواز سنی اور ڈر گئے۔
(۵) اوریم تمیم سے۔ ہارون و سردار کاہنوں نے بحکم خدا۔ اسکا استعمال کیا۔
(۶) وحی یا فرشتے کے وسیلے سے۔ مریم و ذکریا کے پاس فرشتے نے آکر خبر دی۔
(۷) وجد یا بیخودی کی حالت میں۔ پولوس و پطرس و یوحنا کی زندگیاں اسکا
ثبوت موجود ہیں۔
(۸) کان میں الٰہی تقریر کے القا سے۔ مثلاً بزرگ پولیکارپ کو جسوقت وہ اپنے
خداوند کے نام پر تاج شہادت لینے کو تھا تو آواز ہوئی تھی کہ "مضبوط
ہو اور دلاور بن"۔ و دیگر پولوس بھی آواز سنتا تھا۔
(۹) روح کی اندرونی ہدایت سے۔ مثلاً فلپس روح کی اندرونی ہدایت سے
حبشی خوجے کے پاس بھیجا گیا۔ خداوند مسیح خود روح کی ...

لیجایا گیا۔

کتابوں کے بارے میں بھی علیٰ ہذا القیاس بعض کی بابت صاف حکم الٰہی موجود ہے کہ اسکو لکھدے۔ اور بعض کی بابت صریح حکم تو موجود نہیں مگر نفس مضمون ایک شخص کو جسکے دل میں الٰہی خوف موجود ہو اور جسکے دل میں خدا کی محبت بھری ہو۔ تجربہ اور طبیعت کے لحاظ سے قائل کر دیتا ہے کہ الٰہی الہام سے ہے۔ البتہ عقل و حکمت کے پتلے اس سے محروم رہتے ہیں۔ کلام کا ثمر یا اثر دل میں خفیۃً ایسا شیریں لگتا ہے اور حزب لگا کر قائلیت کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے کہ فی الحقیقت یہ صحیفہ الٰہی الہام سے ہے کیونکہ انسانی زندگی کے ساتھ کلام خدا کا تعلق کچھ اس قسم کا ہوتا ہے جسکو الفاظ ادا کرنے میں قاصر ہیں اور اسی بنا پر انسان شہادت کی طرف رجوع کرتا ہے اور کسی مرد خدا سے تعلیم پانے کیطرف ہمارے خداوند مسیح نجی عالمیان نے بھی انسان کی اس کمی میں اکثر اوقات مدد کی مثلاً اماؤس کی راہ پر جاتے ہوئے وہ نوشتوں کے بھیدوں کو انکے لئے کھولتا تھا۔ جس سے صاف عیاں ہے کہ انسان کا دل مثل قفل ہے اور بائیبل یعنے کلام خدا اسکی چابی یا کنجی ہے۔ اور جب تک صحائف الٰہی الہام سے نہ ہوں وہ ان مشکلات کو جو خدا اور انسان کے درمیان حائل ہوتے ہیں رفع کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے اور نہیں ہوتے۔ اور جب نوشتے ہمارے متکفل ہوتے ہیں تو اسبات کا بدیہی ثبوت ہے کہ وہ خدا کے الہام سے ہیں۔

(ب) نوشتوں میں الٰہی یا غیبی قوت ہوتی ہے۔ یعنے ان نوشتوں میں کچھ ایسی الٰہی طاقت ہوتی ہے جسکی رو لگاتار جاری رہتی ہے۔ یہ دل پر کچھ ایسا اثر و احساس پیدا کر دیتی ہے کہ ہر نوع اپنا جوہر دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ اور جو اسبات کا بین ثبوت ہے کہ ہر زمانے۔ ہر قومیت و ہر ملت پر حاوی ہے۔

(ج) نوشتے الٰہی یا ربانی طریق سے فائدہ مند ہیں۔ اسکا ایک ثبوت یہ بھی ہے باوجودیکہ انہیں لکھے ہوئے صدیاں گذر گئی ہیں مگر ویسے ہی فائدہ مند آج بھی ہیں جیسے اس زمانہ میں تھے۔ ہر دم نئے و تازہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور انسانی ضروریات و مشکلات کو اسی نوع سے رفع کرتی ہیں۔ کئی مفسرین نے ضخیم تفسیریں لکھی ہیں اور کئی

واعظین نے وعظ کئے مگر بلحاظ خوبی و نرالاپن اور بلحاظ مضمون انسان کے اندر عجیب قسم کی کشش اور اثر پیدا کرتے ہیں فقط اسلئے کہ خدا کے کلام کے ساتھ جو الہام سے ہوتا ہے اسکا خاص تعلق یا لگاؤ ہوتا ہے۔ اگر ایک کتاب کو ہم ایک بار پڑھ لیتے ہیں تو دوسری مرتبہ اسے چھونے کو دل نہیں چاہتا۔ مگر ان نوشتوں میں بے نظیر و لاثانی خوبی یہ ہے کہ باوجود بار بار پڑھنے کے ہمیشہ نئے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ مطابق ضروریات انسان و زمانہ ہیں اور اسی لئے فائدہ مند ہیں۔
پس نوشتے الٰہی الہام سے لکھے گئے۔ ان میں الٰہی یا غیبی طاقت و کشش ہے اور الٰہی یا ربانی طریق سے فائدہ مند ہیں۔

بشارت انجیل

ایڈیٹر صاحب مسیحی۔
مجھے خیال تھا۔ کہ این۔ ایم۔ ایس کے سالانہ جلسہ کے متعلق آپ ضرور کچھ تحریر فرماوینگے۔ مگر آپ نے تو ایسی چپ سادھ لی گویا پتہ ہی نہیں۔ درانحالیکہ آپ ہر میٹنگ میں موجود تھے۔ اس معاملہ میں تو آپنے نور افشاں کو بھی مات کر دیا۔ زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ این ایم ایس کے قاصد صاحب بھی گنگی بن گئے۔ اگر ہمارے مسیحی پرچوں کی یہ حالت ہو۔ تو ہم کیا امید ترقی رکھ سکتے ہیں۔ کم سے کم مسیحی پبلک کو تو آگاہ کرنا تھا کہ لاہور میں کیا ہوا۔ اور آئندہ این۔ ایم۔ ایس کی بہتری کے واسطے کیا کیا تجاویز سوچی گئیں۔ میں نے قصداً سوچی گئیں کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ ایسے جلسوں اور زمانہ موجودہ کی کمیٹیوں کے رزولیوشن صرف تا اختتام اجلاس ہی ہوا کرتے ہیں یا کاغذوں میں پنساری کی پڑیوں کے کام آتے ہیں۔
میں جلسہ کی کارروائی پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میرا کیا منصب ہے، یا میرا کیا حق ہے کہ دوسروں کے کام میں دخل دوں،،

نہ محتسب نہ مدرس نہ قاضیم نہ فقیہم
مرا چہ سود کہ منع شرابخوارہ کنم

البتہ جو میرا منصب ہے اُسکی نسبت دو چار سطریں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مانتا نہ مانتا این۔ ایم۔ ایس کا کام ہے۔ ہم نے جلسہ میں وعظ سنا تھا۔ کہ انجیل کی خدمت جان جوکھوں کا کام ہے۔ جان کی بازی لگانا ہے۔ اس پر سامعین میں سے ایک نے کہا۔ کہ بیشک انجیل کی خدمت میں جو مصائب آئیں سہنے چاہئیں مگر خود انجیل کے خدمتگذار کے واسطے مصیبتوں کو مہیا نہیں کرنا چاہیئے۔ بجا فرمایا۔ آپ اسکا مطلب بھی سمجھے۔ یہ کہ بیت اللحم ایک مصیبت کی جگہ ہے۔ وہاں زبردستی کسی مناد کو نہ بھیجنا چاہیئے۔ میرا یہ جواب ہے کہ جو مناد نسیجی بستی میں جاکر خدمت نہیں کر سکتا۔ وہ انجیل کی خدمت کے لائق ہی نہیں۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ این۔ ایم۔ ایس نے کچھ کام نہ کیا۔ ایک گاؤں کو جس میں اُس نے ہزاروں روپے بے سوچے سمجھے خرچ کر دیئے۔ سنبھال نہ سکے۔ بہتر ہے کہ یہ گاؤں چرچ مشنری سوسائٹی کو واپس دیا جائے۔ کیونکہ این۔ ایم۔ ایس کے کارندے وہاں نہ جائیں گے۔ وہاں نہ ریل ہے نہ تار ہے نہ ڈاک خانہ۔ نہ برف خانہ۔ آہ! وہاں تو پکی سڑک بھی نہیں۔ انہی وجوہات سے جلسے میں کوشش ہو رہی تھی کہ ہیڈ کوارٹر او کاڑہ بنایا جاوے۔ یہ کیوں۔ تن آسانی اور آرام جان کے واسطے۔ یہ انجیل کی خدمت نہیں۔ میں ایک دفعہ ایک مشنری کے ساتھ منادی کرتا ہوا برفستان میں چلا گیا۔ اس سے پہلے میں نے کبھی برفانی پہاڑ نہیں دیکھے تھے۔ بہت دشوار گذار راستہ تھا۔ ہر ایک قدم پر پھسلنا اور خطرۂ جان تھا۔ مگر ایک جگہ تو ایسی آئی کہ خطرہ اور مصیبت دیکھکر میرے آنسو نکل آئے۔ مشنری صاحب ہمیشہ اس راستہ سے گذرتے تھے۔ وہ بآسانی گذر گئے۔ میں نے کہا کہ بس صاحب میں نہیں گذر سکتا۔ میں واپس جاتا ہوں۔ اسکا جواب اُنہوں نے ایسا دیا کہ میں نے اپنی جان کو ناچیز سمجھا۔ فرمانے لگے۔ کہ بہتر ہے کہ واعظ نام چھوڑ دو۔ میں سخت نادم ہوا۔ اور اُس چٹان کی نوک پر جو برف سے ڈھکی تھی جسکے نیچے دریائے چناب بہ رہا تھا۔ لیٹ گیا۔ اور خداوند کا نام لے کر گذر گیا۔ واپسی کے وقت میں

دلیری سے گذر آیا انجیل کا خدمتگذار پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کے کارندوں سے بھی گیا گذرا۔ شرم کی بات ہے۔ میری عرض ہے کہ بیت اللحم کو سنبھالا جائے وہیں لڑکیوں کا سکول ہو۔ اور وہیں مشنری رہے۔ مور یوین مشنری کہاں کہاں پہنچتے ہیں۔ رومی کلیسیا والوں نے ڈلوال میں مشن سکول قائم کرکے اعلیٰ مشن اسٹیشن بنا لیا۔ آہ۔ این۔ ایم۔ ایس کے ناتجربہ کار کارپردازوں کی بدولت بہت نقصان ہو چکا ہے۔ صبح کا بھولا شام کو لوٹا۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہمت کرو۔ خداوند فرماتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ (واعظ)

معاملات حاضرہ اور انکی ترکت

جو لوگ باقاعدہ اخبار نہیں پڑھ سکتے بلکہ گاہے بگاہے کسی دوست کے ہاں اخبار دیکھنے یا عوام سے اخباری باتیں سنکر پریشان خاطر ہوتے ہیں۔ ان کے لئے معاملات حاضرہ کا تذکرہ خالی از لطف نہیں ہوگا۔

پالیٹکس کا فرحت انگیز مشغلہ معاملات حاضرہ سے مراد وہ مسائل ہیں جو سال رواں سے وقوع پذیر ہو کر حکام اور لیڈران جمہور ہند کی تشویش اور تردد کے موجب ہو رہے ہیں۔ بالفاظ دیگر اس مرکب محاورہ کا مفہوم پولیٹیکل مباحث ہیں۔ تمام مہذب ملکوں میں شاید ہندوستان ہی ایک ایسا بدنصیب ملک ہے کہ جسکے تعلیم یافتہ اور روشن خیال حضرات تمام دیگر باتوں کو فراموش کرکے پالیٹکس میں مشغول اور اس سے خاص راحت حاصل کرتے ہیں۔ اس امر کے ثبوت میں انڈین نیشنل کانگرس۔ مسلم لیگ اور دیگر سبھاؤں اور کانفرنسوں کی کارروائیوں کی طرف اشارہ کرنا ہی کافی ہے کہ جو سال میں ایک مرتبہ فرصت کے وقت کسی خاص مقام پر جمع ہو کر تمام ہندوستان کے پولیٹیکل معاملات پر دھواں دھار تقریریں اور معرکۃ الآرا ریزولیوشن پاس کرکے اسی جماعت کے ساتھ منتشر ہو جاتے ہیں

سے جس سے ہدایت پذیر ہو کر مقام اجلاس پر فراہم ہوا کرتے ہیں۔ کانگرس اپنے یوم ولادت سے حکومت کے ذمہ واری کے عہدوں پر ہندوستانیوں کے تقرر اور حکومتی نقائص کی اصلاح پر زور دیتی چلی آتی ہے۔ جب ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں نے اپنا جداگانہ لیگ قایم کیا تو اسکے دستور العمل میں کانگرس کی پوری تقلید کیگئی۔ کچھ عرصہ بعد پروانشل کانفرنسوں کا آغاز ہوا۔ تو وہاں بھی کانگرس کے دستور کی ہوبہو نقل کی گئی۔ اور اب تک ہو رہی ہے۔ نان کواپریشن کے ہنگامہ کے زمانہ میں ہر کس و ناکس کی زبان پر مہاتما گاندھی کا نام تھا جو سوراج کے اصول اور عدم تعاون کے وسیلہ سے اسکے حصول کے مخترع اور سارے شور و غل کے محرک تھے۔ آج سوراج صرف اخباری تحریروں اور سوراجی گروہ کی تقریروں ہی تک محدود ہے، عدم تعاون کا وہی حسرتناک حشر ہوا کہ جو اکثر ہماری ملکی تحریکوں کے لئے مخصوص ہے کانگرسی لیڈروں کو انگریز اکثر یہ اتہام دیا کرتے ہیں کہ وہ اقتصادی اور تمدنی ترقی کے وسائل سے قابل الزام تغافل برتتے ہیں۔ کانگرس کے سالانہ اجلاس کے پریسیڈنٹ کا فرض منصبی اس الزام کی تردید کرنا تھا۔ اور یہ بیان کیا جاتا کہ اگر حکومتی اختیارات ہمیں حاصل ہونگے تو ہم جملہ قباحتوں کا فوری واقعی انسداد کر سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات تاریخ کی ہدایات کے سراسر متبائن ہے کہ تمدنی اور اقتصادی ترقیاں حکام کے ضوابط اور قوانین سے کم زیادہ تر منحصر ہیں

سوراجی لیڈروں کا انقلاب خیال

سال رواں میں بھی وہی کیفیت ہے کہ جو ۱۸۸۶ء میں یا اسکے بعد حادی تھی جو حضرات لیڈری کے اجارہ دار ہیں۔ انکا سب سے بڑا مشغلہ اب بھی پالیٹکس ہے۔ اور ان اصحاب کا ایک گروہ سوراجی کہلاتا ہے کہ جس نے اپنی ٹیڑھی چالوں سے ملک ہند ہی کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر رکھا ہے۔ بلکہ انگلستان کے بیدار مغز اور ذی فہم لوگوں کو مائل کرنے میں کچھ کامیابی حاصل کر رکھی ہے۔ اس پارٹی کے سب سے مختار لیڈر مسٹر سی۔ آر۔ داس بیرسٹر ہیں کہ جو وکالت سے بہت بھاری آمدنی پیدا کرنیکے لئے خاص شہرت رکھتے تھے۔ آپنے مئی ۱۹۲۰ء میں کہ جب مہاتماجی نے نان کواپریشن کا جھنڈا کھڑا کیا تھا تو جھٹ پٹ اسے قبول نہ کیا تھا بلکہ لالہ لاجپت رائے اور پنڈت موتی لال نہرو کی طرح کھڑے منہ دیکھتے رہے۔

کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ آخر کار دسمبر میں جب اجلاس کانگرس ناگپور
میں ہوئے تو آپ نے مع ہر دو رفقا کے نان کواپریشن پر بیعت کی اور
۱۹۲۱ء کے شروع سے وکالت کو خیرباد کہا۔ آخر کار ۱۹۲۲ء کے شروع میں
داس صاحب مع اپنے مقلدوں کے زندان نشین ہوگئے۔ آپ کا ساتھ
لالہ جی اور پنڈت جی نے بھی دیا۔ چند ماہ کے بعد جب رہا ہوئے۔ تو نان
کواپریشن سے تائب ہوئے۔ اور کونسلوں کے اندر مزاحمت کرنے کا
پختہ ارادہ کر کے اسکے لئے تگ و دو کرنے لگے۔ جنوری ۱۹۲۴ء سے اسمبلی
اور بنگال و ممالک متوسط کی کونسلوں میں مسٹر داس کے شاگردوں کی کثرت
ہے۔ آخرالذکر دونوں صوبوں میں سواراجیوں کی ناعاقبت اندیشانہ کرتوت سے
سیلف گورنمنٹ کا تجربہ معطل ہوچکا ہے۔ محکمہ ہائے منتقلہ کو از سرِ نو گورنران
بنگال و ممالک متوسط نے براہِ راست اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ جون ۱۹۲۴ء
میں سراج گنج میں بنگال پراونشل کانفرنس کے جلسہ میں مسٹر ڈے کے قاتل
گوپی ناتھ سہائے کے ایثار اور وطن پرستی کی تعریف میں ایک ریزولیوشن
پاس کیا گیا کہ جسکی تائید میں داس صاحب نے تقریر کی تھی۔ اس سے
یہ شبہ پیدا ہوگیا کہ سواراجی گروہ کے اکثر اراکین انارکسٹوں سے دربردہ
ساز باز رکھتے ہیں اسکی رفع دادکے حق میں مسٹر داس نے تاریخ گذشتہ
کے اخیر میں ایک اعلان نافذ کر کے اپنی اور اپنی پارٹی کی بے تعلقی انقلاب
پسندانِ بنگال سے ظاہر کی۔ بلکہ اس سنگدل جماعت کے جرائم سے
سواراج کے حصول میں سخت رخنہ واقع ہونیکا احتمال ہے۔ مئی ۱۹۲۲ء کے
بعد یہ پہلا موقع ہے کہ داس صاحب نے اپنے انقلاب خیال کا ثبوت
دیا ہے۔ ۲ مئی کو فریدپور میں جو جلسہ بنگال کانفرنس کا منعقد ہوا اس
میں آپنے سوراج کی تشریح کی۔ اور گورنمنٹ سے اشتراکِ عمل کی شرائط
بیان کیں جو ہندوستان کے مشہور ترین پیرانہ سال لیڈر سر سریندر ناتھ بینرجی
کی رائے میں اعتدال پسند گروہ کے خیال اور طریقۂ عمل کے مشابہ ہے۔ اگر
داس صاحب کے خیال کا تغیر درست اور خالص ہے تو فریدپور فی الواقع

تاریخ بنگال اور اصلاحات کے دورِ اولین میں بہت ممتاز ثابت ہوگا۔ کیونکہ
اگر مسٹر داس اپنے خیال کو جامۂ عمل پہنائیں گے تو آئندہ سواراجی گروہ مزاحمت
ترک کر کے اصلاحات کو کامیاب بنانے میں لبرل فریق سے مصالحہ کرے گا۔

اصلاحات کا اہم اور پیچیدہ مسئلہ پچھلے سال اصلاحات کی چھان بین کے لئے ایک خاص کمیٹی مقرر ہوئی تھی کہ جسکی رپورٹ
۹ مارچ کو شائع ہوئی۔ کمیٹی کے پانچ ممبر ایک طرف اور چار غیر سرکاری اراکین دوسری
طرف ہیں۔ آخر الذکر اصلاحات کی تحقیقات کے لئے رائل کمیشن کے تقرر کے خواہاں
ہیں۔ لارڈ ریڈنگ بہادر ۱۰ اپریل گذشتہ کو ولایت تشریف لیگئے تاکہ وزیر ہند بہادر
اور دیگر وزرائے برطانیہ سے معاملات ہند کی نسبت دوبدو گفتگو کریں۔
اصلاحات کی تحقیقاتی کمیٹی کی تجاویز کی نسبت بھی بحث ضروری ہے۔ گویا معاملات
حاضرہ کا سب سے بڑا مرجع سواراجی گروہ کے لیڈروں کا انقلاب خیال اور طریقہ کار ہے
کہ جس سے ملک کی آئندہ کی بہبودی وابستہ ہے۔ اگر فضا صاف اور سب
گروہوں میں باہم اتحاد ہو تو بلاشبہ ملک اپنی ترقی کے آخری مرحلہ کی طرف
سرعت سے پیشقدمی کریگا۔ اور سب گروہوں کے متحدہ مطالبہ کے سامنے اہل برطانیہ
سر نوائے بغیر نہ رہینگے۔ مسز اینی بیسنٹ ایک سال سے اس فکر میں ہیں کہ سب
گروہوں کے لیڈروں کے صلاح و مشورہ سے ایک مسودہ مرتب کر کے پارلیمنٹ میں
پیش کرائیں۔ چنانچہ "کامن ویلتھ آف انڈیا" کے عنوان سے مسودہ تیار ہو چکا ہے۔
مگر اس کی طرف ملک کے تعلیم یافتہ گروہ کی توجہ بہت کم مبذول ہوئی ہے۔ اخبارات
میں اس کا کوئی چرچا نہیں ہے۔ سب سے گرم بحث مسٹر داس کا صدارتی ایڈریس
اور پالیسی ہے۔ اگر عمل میں اس کی صداقت ظاہر ہو تو اس سے نئے دور
کی ابتدا ہو گی۔

خوشخبری۔ یہ خبر تمام مسیحی قوم کیلئے باعثِ فخر ہے کہ گورنمنٹ عالیہ نے علاقہ منٹگمری میں پنجاب انڈین کرسچن
کانفرنس کو ۲۴ مربعے اور مرحمت فرمائے ہیں۔ یہ وہی زمین ہے۔ جس کے لئے دوسرے صاحبان نے
دس ہزار روپے فی مربعہ پیش کئے تھے۔ مزید حالات آئندہ نمبر میں ملاحظہ کیجئے +

نہایت افسوس ہے کہ مسٹر ایس۔ کے۔ رُدرا سابق پرنسپل سینٹ سٹیفن کالج دہلی خداوند مسیح
میں ابدی نیند سو گئے۔ آپکا نام نامی آسمانِ شہرت میں چمکتا ہوا ستارہ تھا۔ مرحوم کے حالات بھی آئندہ
نمبر میں ہدیہ ناظرین کرام کئے جائینگے +
(ایڈیٹر انچیف)

صنعتی وحرفتی تعلیم

ہندوستان کی حالت نہایت قابل رحم ہے۔ اس کی آبادی کا کثیر حصہ زراعت سے اپنی معاش حاصل کرتا ہے۔ عنقریب ۷۰ فیصدی بلاواسطہ یا بالواسطہ زراعت سے متعلق ہیں۔ باقی ماندہ کچھ تو ملازمت پیشہ ہیں اور کچھ صنعت وحرفت میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر مغربی ممالک کی معاشی حالت پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ اُنکی آبادی کا انحصار بلاواسطہ یا بالواسطہ صنعت وحرفت پر ہے۔ تجارت کا انحصار بھی زیادہ تر صنعت وحرفت پر ہوا کرتا ہے۔ لیکن ہندوستان کی حالت بالکل اسکے برعکس ہے۔ اس مضمون میں ہم عام ہندوستانی صنعتی وحرفتی حالت پر عدیم الفرصتی کے باعث بحث نہیں کرسکتے۔ اسلئے صرف مسیحی جماعت کی حالت پر ہی فکر کرنے پر قناعت کریں گے۔

پیشتر ازیں ہم مسیحی کے اوراق میں اپنی مسیحی جماعت کی اقتصادی حالت کو بالتفصیل ناظرین کے نظر گذار کرچکے ہیں اور اُس کا دوہرانا اب غیرضروری ہوگا۔ ہماری جماعت کے درپیش بھی وہی مسائل اور دشواریاں ہیں جو تمام ملک کے۔ ہماری جماعت کے کثیر حصہ کا معاشی انحصار بھی بالواسطہ زراعت پر ہے۔ ان کے پاس اراضی تو ہے نہیں کہ خود کاشت کرکے اپنی معاش پیدا کرسکیں۔ سب زراعتی مزدور ہیں۔ اُجرت کے لئے دوسروں کے ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ دستکاری کی طرح زراعت میں سے بہت حاصل نہیں ہوتا۔ زمین کی قوت پر خدا نے حد لگادی ہوئی ہے جس حد کو اصطلاحاً قانون تقلیل حاصل کہتے ہیں صنعتی وحرفتی میدان میں بھی اس کا عمل بدستور جاری ہے لیکن اس شدت سے نہیں جیسا کہ زراعت میں۔ اگر صنعتی وحرفتی تواریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ فی زمانہ دستکاروں کی اُجرت میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ امریکہ کے اہل حرفت کی حالت پر غور فرمایئے کسقدر بڑی اُجرت حاصل کر رہے ہیں۔ اگر اسکے مقابلہ میں زراعتی مزدوروں کی تواریخ

پر بھی غور کریں تو آپ کو حیرت انگیز فرق دکھائی دیگا۔ تجربہ نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ باوجود تجارتی مزدوروں کی بے ماہریت کے وہ مقابلۃً اُس قدر اجرت حاصل نہیں کرتے۔ ہمارے ملک کے زراعتی مزدور ایک زندہ مثال ہیں۔ وہ نہایت جفاکش۔ صابر اور محنتی ہیں۔ ۲۴ گھنٹے لگاتار کام کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی انکی ماہواری اُجرت اوسطاً صرف آٹھ روپیہ ہوگی۔ جس حال کہ دیگر مزدور جو دوسرے پیشوں میں کام کر رہے ہیں اُن سے تین چار گنا زیادہ اُجرت لیتے ہیں۔

آجکل بہت سے اصحاب میں بہترین جذبات موجزن ہیں۔ جماعت کی بہتری اور بہبودی اُن کا اعلیٰ ترین نصب العین ہے۔ اکثروں کا خیال ہے کہ ہماری جماعت کی اقتصادی حالت صرف صنعتی و حرفتی تعلیم سے ہی بہتر ہو سکتی ہے۔ اس میں ہرگز کوئی کلام نہیں کہ صنعتی و حرفتی تعلیم ایک اعلیٰ ترین علاج ہے۔

اگر اس پر بہ نظرِ تعمق غور کیا جاوے تو اس کے ساتھ بہت سے مسائل ملحق دکھائی دینگے۔ عموماً دو بڑی صورتیں نظر آتی ہیں۔ اول یہ کہ آیا چند طلبار کو وظائف دے کر اعلیٰ صنعتی و حرفتی تعلیم دلوائی جائے۔ یا کثیر با فہم لوگوں کو آسان دستکاری سکھا کر مقابلۃً اُن کی حالت کو بہتر کیا جائے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ ترقی رفتہ رفتہ ہو۔ لیکن جتنی ہو اعلیٰ پیمانہ پر۔ اگر اسی طرزِ عمل کو اختیار کیا جائے تو جماعت کی حالت کو تبدیل کرنے میں ایک صدی کا مصارف ضروری ہوگا۔ میری دانست میں اسقدر وظیفوں کا حاصل کرنا نہایت دشوار بلکہ محال ہوگا۔ اس سے صرف صاحبِ جائداد اور متموّل اشخاص فائدہ اُٹھا سکتے ہیں تبدیلی اس طبقہ میں بہت ضروری نہیں۔ بہتری تو اس طبقہ میں لازمی ہے جو اقتصادی اور مالی لحاظ سے نہایت قابلِ رحم حالت میں مبتلا ہیں۔ یہ راستہ نہایت قیمتی ہوگا اور دراز عرصہ کے مصارف کا مقتضی ہوگا۔ اس کے نتائج مقدار کے لحاظ سے حسبِ دلخواہ حاصل نہ ہوں گے۔ پس ایسے طرزِ عمل کا اختیار کرنا مجملاً جماعت کی بہتری اور بہبودی کا باعث نہ ہوگا۔ اس سے وہی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو کہ بیشتر ہی سے بہترین حالات کے زیرِ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ایسے اشخاص ہی بھاری اخراجات کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ غریب اور مفلس مسیحی تو پھر اُسی

حالت میں رہجاویں گے۔

اب رہی دوسری صورت۔ ہم لوگوں کی اقتصادی حالت کو درست اسی صورت میں کہہ سکتے ہیں جبکہ کسی خاص طبقے کے کثیر حصے کی حالت میں حسب دلخواہ بلحاظ مقدار ترقی اور تبدیلی واقع ہو۔ یہ اُس صورت میں ممکن ہوسکتا ہے جبکہ کسی طرزِ عمل سے بہت سے اہل حرفت اور دستکار پیدا کئے جاویں۔ جماعت کے کثیر حصہ کو اعلیٰ صنعتی و حرفتی تعلیم دلوانا ناممکن ہے۔ لیکن اگر لوگوں کے میلان کو رفتہ رفتہ تربیت کریں تو بہت آسان ہوگا۔ اب یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ ہمارا اپنا خیال ہے کہ چھوٹی چھوٹی دستکاریوں کے سکھانے سے جماعت کو بہت فائدہ ہوگا۔ لوگ بالخصوص بیش از بیش کما سکیں گے۔ جب اُنکی آمدنی مقابلۃً بڑھ جاویگی تو وہ خود بخود اپنے بچوں کو اعلیٰ صنعتی و حرفتی تعلیم دلوائیں گے۔ کسی غلامی اور منت سماجت کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ گویا اُنہیں دستکاری کا چسکا لگ جاویگا۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے پیشے ایسے ہیں جن کو لوگ بآسانی سیکھ سکتے ہیں۔ اُن کے ذریعہ سے وہ باعزت معاش پیدا کر سکتے ہیں۔ ہم اپنی مسیحی آبادیوں اور بالخصوص مشن احاطوں میں عیسائی دھوبی۔ بہشتی۔ حجام اور موچی وغیرہ رکھ سکتے ہیں۔ اسطرح سے سینکڑوں آدمیوں کی حالت کو درست بنایا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں بہت سی ایسی گھریلو دستکاریاں ہیں جنکے ذریعے اچھی طرح سے اپنی معاش پیدا کی جاسکتی ہے اور پہلو بہ پہلو حسب توفیق اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم بھی دلوائی جاسکتی ہے۔ میری دانست میں ایسے طرزِ عمل کو اختیار کرنا قرین مصلحت ہوگا۔ اس میں بہت کم وقت اور روپیہ خرچ ہوگا اور بہتر نتائج دستیاب ہوں گے۔

شکریہ۔ ہم آنریبل چیف جسٹس سر شادی لال صاحب اور آنریبل جسٹس عبدالرؤف صاحب کے نہایت مشکور ہیں کہ آپنے کمال مہربانی سے ایک مسیحی مسمی منشی گنگا بشن رازدان پنشنر محکمہ انہار کو عرائض نویسی کا لائسنس عنایت فرماکر مسیحی قوم کی عزت افزائی کی ہے۔ منشی صاحب مذکور گوجرانوالہ میں کام کرتے ہیں۔ پیشتر ازیں منشی بشیر الدین صاحب گوجرانوالہ میں۔ منشی حمید الدین شیخوپورہ میں اور ایک اور مسیحی بھائی سرگودہ میں عرائض نویسی کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں۔

(ایڈیٹر انچیف)

کلام الٰہی کے مطالعہ کے فوائد

ہمارا تو فرض کلّی یہی ہے کہ بھولوں کو سیدھا رستہ بتا دیں ۔

کلامِ الٰہی کا نام بائبل ہے۔ اور بائبل کے معنے کتاب ہے۔ دراصل لفظ کتاب اسی کتاب پر نامزد کیا جاسکتا ہے۔ اور صادق آتا ہے۔ یعنی کتاب ہے تو یہی ہے۔ اور دیگر کتب مجازی طور پر اس نام سے نامزد کی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ یہ کتاب الہامی۔ کامل۔ بےنقص۔ دوجہاں میں مفید۔ خدا سے رشتۂ قربت پیدا کرنیوالی اور ملانیوالی ہے۔ اور خدا اور انسان کے درمیان صحیح نسبت یا مناسبت یا علاقہ پیدا کرنے کی راہ دکھلاتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا اصلی دیدار اور صحیح معرفت اور انسان کی گذشتہ و موجودہ و آئیندہ حالت کا انکشاف بخشتی ہے۔ یہی کتاب انسان کے اخلاق و عقائد اور اطوارِ عبادت و معاملات خدا کی مرضی اور فطرت انسانی کے مطابق درست کرتی ہے۔ سو اِسکی ساری باتوں پر یقین اور عمل کرنا ہر فرد بشر پر فرض عین ہے۔ اس کتاب کا مصنف خدائے تعالےٰ ہے۔ جو ساری دانائی اور حکمت کا سرچشمہ ہے۔

ایک مشہور صاحب اسکے فوائد یوں رقم کرتے ہیں

۱۔ ہماری روحوں کو خوراک کی ضرورت ہے۔ اور بائبل خاص روحانی خوراک ہے۔

۲۔ بائبل کے مطالعہ سے اچھے اچھے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور روح میں حلیمی ستنعدی اور سنجیدگی پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ اِس سے بُری خواہشیں اور بُرے خیالات دل سے دُور کئے جاتے ہیں۔ اور دل نیکی کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔ اور مرضی نیکی پر عمل کرنے کے لئے تیار اور مضبوط کی جاتی ہے۔

۴۔ بائبل کی تلاوت سے چال چلن سدھر جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں مسیح کا نمونہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ اور اِس میں خدا کی مرضی ظاہر ہوتی ہے۔

۵۔ وہ اصول جو ہماری قومی زندگی کے لئے لازمی ہیں بائبل کی تلاوت سے معلوم ہو جائیں گے۔

۶۔ بائبل میں خدا کی ہستی اور صفتوں کے بیان درج ہیں۔ اگر ہم خدا کو سمجھنا چاہتے ہیں تو بائبل میں اسکا بیان پڑھیں۔

۷۔ یہ بیان نہایت دلکش ہے۔

۸۔ اگر ہم مسیحی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ یعنے اور لوگوں سے مسیح کی محبت کا بیان کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس پاک کلام کو پڑھتے رہیں۔

۹۔ دُعا ہماری آواز ہے جو خدا کے پاس پہنچتی ہے۔ پاک کلام خدا کی آواز ہے۔ جو ہمارے لئے بخشی گئی ہے۔

پس جس آدمی کے پاس یہ کتاب ہے اُسکے پاس حقیقی کتاب ہے۔ لیکن جس آدمی کے پاس یہ کتاب نہیں ہے وہ سب علموں سے خالی ہے۔ کیونکہ یہ کتاب تسلی وتشفی اور علمِ الٰہی وزندگی کا سرچشمہ ہے۔ سو عزیز برادرانِ ہند! اس کتاب کو نہایت ہی عزت اور محبت وادب سے لینا اور اپنے قلوب میں جگہ دینا، ور بلاناغہ مطالعہ کرنا اپنا فرضِ اوّلین تصور فرمانا۔

ضروری اطلاعیں

۱۔ قوی امید ہے کہ مسیحی پبلک پادری۔ اے۔ ٹھاکرداس صاحب سے بوقتِ ضرورت امداد ہوگی۔

۲۔ خزانچی صاحب ماسٹر مولا بخش صاحب بی۔ اے ہیڈ ماسٹر امریکن مشن ہائی سکول سیالکوٹ کو اپنی ممبرشپ فیس ارسال کردیویں۔ جو انتظامیہ کمیٹی کے ممبر ہیں وہ مبلغ تین روپیہ ارسال کریں۔

۳۔ استدعا ہے کہ کانفرنس کی ممبرشپ کو بڑھاویں۔ لاہوری مسیحیوں سے درخواست ہے کہ وہاں پر مقامی کانفرنس قائم کریں تاکہ مسیحی جماعت کے اغراض وحقوق کے حصول میں تقویت ہو۔

۴۔ جن جگہوں میں ڈسٹرکٹ کانفرنسیں ہیں وہ براہ نوازش معاذی چار آنہ فی کس روانہ کریں نہایت مہربانی ہوگی۔ انتظامیہ کمیٹی کی آئندہ میٹنگ لاہور میں منعقد ہوگی۔

ای۔ چارلس بھٹی ایم۔ اے

کرسچن ٹریننگ انسٹیٹیوٹ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

کثیر التعداد اصحاب نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ کرسچن ٹریننگ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن قایم کی جاوے۔ ہر کس و ناکس اس سکول کی خدمت سے واقفیت رکھتا ہے۔ ہزاروں نوجوانوں نے اس سکول سے تعلیم حاصل کی ہے۔ آج سی۔ ٹی۔ آئی کے طلبا ہر ایک مشن میں سینکڑوں کی تعداد میں خداوند کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ کثیر التعداد اعلیٰ مناصب پر ممتاز ہیں۔ بہت سے مشن اور دیگر محکموں میں نہایت ذمہ داری کے کاموں پر مامور ہیں لیکن افسوس ہے کہ تمام ملک میں وہ اسطرح منتشر ہیں کہ کوئی ایک دوسرے کی بابت نہیں جانتا۔ ایک دوسرے کی ضروریات سے کسیکو واقفیت نہیں۔ کسی کی عزت افزائی اور خوشحالی میں سب شراکت حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لئے ضروری معلوم دیتا ہے کہ کوئی ایسی انجمن قایم کی جاوے جس کے ذریعہ سے پرانے طالبعلموں میں ربط و ضبط و رشتہ پیدا کیا جا سکے تاکہ سب سلک واحد میں منسلک کئے جا سکیں۔

مذکورہ بالا سکول دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ اب عنقریب تین سو سے زیادہ طلبا تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ضرور ہے کہ انکی مشکلات میں انکی امداد اور پست ہمت کرنے والے موقعوں پر انکی حوصلہ افزائی کی جاوے۔ سکول کی بہتری اور بہبودی کیلئے بہت سی تدابیر و تجاویز سوچی جا سکتی ہیں جو کہ منتظموں کے سامنے پیش کی جا سکتی ہیں اس لئے استدعا ہے کہ سی۔ ٹی۔ آئی کے تمام پرانے متعلمین اپنا پتہ بنام پادری ای۔ ای کیمبل صاحب پرنسپل سکول ہذا یا بندہ کو سی۔ ٹی۔ آئی کے پتہ پر ارسال کر دیویں۔ امید ہے وہ جو اپنے سکول کے ساتھ حقیقی محبّت رکھتے ہیں جلد اپنے نام ارسال کر دینگے۔

ای۔ چارلس۔ بی۔ ٹی۔ ایم۔ اے۔

آدمی کب تکمیل پر ہوتا ہے؟ گذشتہ زمانہ میں خیال کیا جاتا تھا کہ بیس اور تیس سال کے درمیان آدمی مکمل طور سے خوبصورت اور طاقتور ہوتا ہے۔ اور تیس اور چالیس کے درمیان بطور رہنما یا منتظم چالیس اور پچاس کے درمیان بطور تجربہ کار اور کاروباری آدمی اور پچاس اور ساٹھ کے درمیان بطور مشیر یا منصف بحیثیت مجموعی معتدبہ صفات کا مظہر ہوتا ہے

زمانۂ حال کی زندگی نے بعہ اپنی تعلیم اور سفر کے کثیر مواقع کے حالات کو ایسا تیز رفتار کر دیا ہے کہ کاروباری اور سیاسی نوجوان بیس سال کی عمر میں کافی تجربہ حاصل کر لیتے ہیں تاکہ عنفوانِ شباب ہی میں پایۂ تکمیل کو پہنچ جاویں۔

نوٹ تعلیم کی تاریخ میں معلمین دو حصوں میں منقسم ہو سکتے ہیں۔ اصول دان اور عملی۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہر ایک پہلو سے ایک دوسرے کے برابر نہ ہو۔ لیکن یہ تقریباً ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص میں دونوں صفات کماحقہ پائی جائیں۔ یہ بات تاریخ سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ بڑے بڑے عملی سکول ماسٹروں نے اپنے اپنے کام کے اصول بذاتِ خود ایجاد نہیں کئے۔ اور نہ ہی بڑے بڑے اصول دان عملی میدان میں نامور ہوئے ہیں۔ جب کبھی کسی اصول دان نے اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ نتیجہ پر پہنچنے میں ناکام رہا۔ تعلیم کے میدان میں اعلیٰ خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے لمبے وقت کی ضرورت ہے تاکہ وہ پُر اثر ثابت ہو سکیں۔ اعلیٰ خیالات کا بہاؤ بعض صورتوں میں دریا کے بہاؤ کی مانند ہے جو منبع کے قریب بڑا دلکش اور خوبصورت ہوتا ہے۔ مگر مفید نہیں ہوتا۔ زندگی کے روزانہ کاروبار میں مفید ثابت ہونے سے پہلے دریا کے لئے ضروری ہے کہ پہاڑوں سے نکلکر میدان میں عوام النّاس کے مکانات کے پاس سے آہستگی سے بہتا ہوا گذرے۔

سیالکوٹ کنونشن

از۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۲۵ء بوقت ۸ بجے شام تا ۲۹ ستمبر ۱۹۲۵ء شام۔

مضمون۔ کلیسیا خدا کا مقدس

مطالعۂ بائبل۔ پولوس رسول کا خط افسیوں کو۔

کثرت کی زندگی ایمان اور صرف ایمان ہی کے ساتھ مانگنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

سب صاحبان جو روح سے معمور شدہ کلیسیا کی خواہش رکھتے ہیں۔ تشریف لائیے۔

اگر کوئی خاص بات دریافت کرنی ہو تو مندرجہ ذیل پتہ سے دریافت فرماویں

پتہ سکرٹری سیالکوٹ کنونشن
امریکین مشن گوجرانوالہ۔ پنجاب۔

دی پنجاب کرسچن سنٹرل کواپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور

عرصہ تین سال کا ہوا کہ یہ بنک شہر لاہور میں کھولا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کے دیہاتی مسیحیوں کی مالی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ اس موومنٹ کے ذریعہ سے جو لوگ مسیحی مذہب میں شامل ہوتے ہیں ان کی مالی حالت ناگفتہ بہ ہے خواہ زراعت پیشہ ہوں یا صنعتی یا حرفتی کاموں میں لگے ہوئے ہوں۔ ان لوگوں کو قرضی روپیہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے مسیحی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے جو بنئے بقال وغیرہ بے تحاشہ سود لے کر ان غریبوں کو روپیہ ادھار پر دے بھی دیتے تھے وہ بھی انکار کر رہے ہیں اگر ہم لوگ ان کی مدد نہ کریں تو یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ اس بنک کے ذریعہ سے شہری مسیحیوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ عمدہ سود کی شرح پر روپیہ امانت پر رکھائیں نیز بنک کے حصص خرید کر عمدہ ڈیویڈنڈس و منافع کمائیں۔ پچھلا ڈیویڈنڈ ۹ فیصدی شرح کے حساب سے دیا گیا تھا۔ پچھلے تین سال کے عرصہ میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ قرض دیا جا چکا ہے جو وقت مقررہ پر واپس آ رہا ہے اور تقریباً بارہ ہزار روپیہ سود امانت پر روپیہ رکھنے والوں کو پہنچ چکا ہے سو یہ بات وہی ہے کہ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔ حصص کی قیمت مبلغ ۵ روپیہ ہے جو سہ ماہی انسٹالمنٹ (قسط) میں واجب الادا ہے اس کے علاوہ شرح سود امانتی روپیہ کے واسطے ذیل میں درج ہے۔

تین ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ (زر جمع مستقل) کے واسطے بشرح ۴½ فی صدی سالانہ
۶ 〃 〃 〃 〃 ۵½ 〃 〃
۱۲ 〃 〃 〃 〃 ۶½ 〃 〃

پچھلا بیلنس شیٹ منگوا کر بنک کی مالی حالت کا ملاحظہ فرماویں۔ بنک چلانے کے اخراجات نہایت کم ہیں سوائے ایک پورے وقت کے اکاونٹنٹ کے باقی سب عہدیداران بلا اجرت قومی خدمت کر رہے ہیں۔

المشتہر

بی۔ ایل۔ رلیارام منیجر و سیکرٹری۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے لاہور

کریمی پریس [illegible] لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور ایڈیٹر و پبلشر ایل۔ لیارام نے شائع کیا

بسرپرستی پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس لاہور

چیدہ کتابوں کا اشتہار

سب چیزیں ہم سے طلب کیجئے ۔ کتابوں کا ادھیکار آرڈر بھیجئے

کتاب انتساب العماد۔ اس میں پادری ڈاکٹر عماد الدین صاحب لاہز۔ ڈی۔ ڈی نے اپنے قلم سے اپنے نسب نامہ اور اپنے آباؤ اجداد و دیگر رشتہ داروں کا ذکر کیا ہے۔ پادری صاحب کے خاندانی حالات و شجرۂ نسب سے واقفیت حاصل کرنے والوں کے لئے نہایت مفید کتاب ہے۔ صفحہ ۶۰۔ ۳ر

ہبوط نسل انسانی۔ پادری مولوی سلطان محمد خان صاحب کا وہ تقریری مباحثہ جو خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری لاہور میں ہوا اور وہ تحریری مباحثہ جو لاہوری احمدیوں کے سردار مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے سے اخبارات میں ہوتا رہا۔ قرآن و احادیث کے رو سے انسان کے موروثی طور پر گنہگار ہونے کا زبردست اور لاجواب ثبوت۔ صفحہ ۸۵۔ ۴ر

منار الحق (حصہ اول)۔ محمد نشانیوں اور معجزوں کے ساتھ نہیں بھیجا گیا (حصہ دوم) محمد جبر کے لئے نہیں بھیجا گیا (حصہ سوم) قرآن کی ناسخ و منسوخ آیات (حصہ چہارم) قرآن کی آیتیں کہ توریت و انجیل بدلی نہیں گئیں (حصہ پنجم) نبوت صرف بنی اسرائیل کو دی گئی (حصہ ششم) قرآن کی آیات مسیح کی الوہیت کی تائید میں (حصہ ہفتم) مسیحی دین کی دعوت۔ یہ سات حصے الگ الگ ہیں۔ قیمت فی حصہ ۶ پائی۔ تمام حصے ایک جگہ مجلد۔ ۶ر

اسلام میں مسیح۔ از پادری ڈبلیو گولڈ سیک صاحب۔ یعنی مسیح کے حق میں قرآن کی شہادت صفحہ ۴۴۔ ار ۶ پائی

آریہ سماج کی خدمت اور آنکے مسلمات کی درگت سوامی درشنانند آریہ نے مسیحیت پر ۱۲۶ اعتراض کئے تھے ان کا جواب اس رسالہ میں مسٹر رام لعل صاحب ہیڈ ماسٹر مشن سکول رڑکی نے نہایت دندان شکن دیا ہے۔ صفحہ ۶۲۔ ار

اصول و فروع مصنفہ پادری جوزف ایل۔ پارٹر صاحب یعنی مسیحیوں کے انجیلی عقائد اور فرائض کے اصول جنکو مسیحی دین سے پوری واقفیت حاصل کرنیکی خواہش ہو اس کتاب کو ضرور مطالعہ فرمائیں صفحہ ۱۰۰۔ ۸ر مجلد ۱۲ر

مسیح کے ایلچی۔ وعظ تیار کرنے۔ گرجا میں بولنے۔ مناسب آیت اور ورد پڑھنے اور کلیسیا پر نتیجہ خیز اثر پیدا کرنیکے لئے نہایت عمدہ نئی تصنیف ہے۔ واعظوں پاسٹروں اور منادوں کے لئے بالخصوص مفید اور معاون ہے صفحہ ۹۳۔ ۵ر

شہادت قرآنی بر کتب ربانی۔ مولفہ سر ولیم میور صاحب سابق لفٹنٹ گورنر آگرہ و اودھ۔ قرآن کی وہ تمام آیتیں جنمیں کسی طرح کا ذکر یہودی اور مسیحی کتب ربانی جیسے کہ وہ محمد صاحب کے زمانہ میں موجود تھیں ایک جگہ درج کی گئی ہیں۔ ایک سرے سے شروع کر کے آخر تک سلسلہ وار پہلے عربی آیات بعد میں اردو ترجمہ پھر تمام مناسب مقامات پر حاشیہ آرائی سے کتاب کی خوبی کو دوبالا کیا گیا ہے صفحہ ۱۶۸ اصل ۸ر رعایتی ۴ر

تفسیر کتاب رسولوں کے اعمال۔ مؤلفہ پادری ٹی۔ ادا کر صاحب ایم۔ اے۔ رسولوں کے اعمال کی یہ نئی تفسیر تفسیر کلیسیائے ہند کے سلسلہ میں شائع ہوئی ہے۔ جو پہلی تمام تفسیروں پر سبقت لیگئی ہے صفحہ ۴۲۰ قیمت دو روپیہ۔

میزان الدین یا دھرم تلا۔ ہندو دھرم کی تردید میں۔ یہ وہ زبردست اور شہرۂ آفاق و مقبول عام رسالہ ہے جو اب گیارھویں بار چھپکر فروخت ہو رہا ہے۔ صفحہ ۸۴ [illegible] پائی۔

عبدالمسیح ولد اسحاق کندی مسلمانوں کے مشہور بادشاہ خلیفہ مامون رشید کے عہد میں عبداللہ ہاشمی ایک مسلمان نے
عبدالمسیح ولد اسحاق کندی کو اسلام کی دعوت دی جسکے جواب میں عبدالمسیح نے مسیحی دین کی اسلام پر برتری ثابت کی۔
دونو مذہب کا نہایت عالمانہ و محققانہ مقابلہ ہے جس سے مسیحی اور محمدی دونو فیضیاب ہو سکتے ہیں صفحے ۲۲۰ ۔۔۔ ۱۰/
موازنہ انجیل و قرآن مصنفہ خواجہ صاحب۔ فاضل مصنف نے نہایت عرقریزی و محنت سے قریبًا تمام مذہبی
اخلاقی وانفرادی تعلیمات کے لحاظ سے بائبل اور قرآن کا مقابلہ کیا ہے۔ عنوان قائم کر کے دونوں کی اصل
آیات مع حوالجات بالمقابل درج کر دی ہیں جس سے کہ ہر سلیم الطبع شخص خود ہی بہتر فیصلہ کر سکتا ہے۔ آپکے حاشیہ
نوٹ دے کر کتاب کی خوبی کو دوبالا کر دیا ہے۔ منادوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ بڑا سائز صفحے ۱۱۱ ایک روپیہ
یسوع پھر آتا ہے مصنفہ پادری ڈبلیو ای بلیکسٹون صاحب۔ مضمون نام سے ظاہر ہے جسے نہایت واضح اور
مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے صفحے ۲۹۵ قیمت بالکل برائے نام یعنی ۔ ۲/
رسالہ اظہار الحق مؤلفہ ایک مسلمان۔ اسمیں اسلامی تعلیم و مسلمان علما کے فتووں کی بنا پر ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کو
مسیحیوں کا کھانا حلال ہے۔ صفحے ۳۱ . . . . ۱/
روح القدس از روئے قرآن و بائبل از پادری سی۔ جی۔ مارے و شیخ سکندر عبدالمسیح صاحبان۔ مصنفین نے قرآن کے
مفسروں کے بہت سے اقوال اقتباس کئے ہیں اور روح القدس کے بارہ میں قرآن اور بائبل کی تعلیم کا فرق دکھایا ہے
کیفیت مباحثہ سیالکوٹ مشہور و معروف قادیانی مولوی ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب کا پادری عبدالحق
سلطان محمد پال صاحبان سے عزت مرزا پر بحث سے کترانا اور مسیح ناصری کے سامنے مسیح قادیانی کو لانے سے ڈرنا
اور مباحثہ میں طرفین کی مزیدار و مفید خط و کتابت۔ آخر میں مرزا صاحب کے عجیب و غریب دعووں کا خلاصہ بالخصوص پڑھنے کے قابل ہے صفحے ۳۲ ۔۔۔/
انسان کیا ہے (۱) انسان کی اصل (۲) انسان کی فطرت اور (۳) انسانی زندگی کے مقصد کے بارہ میں
قرآن و بائبل کی تعلیموں کا تقابل و تقارن صفحے ۶۰ . . . ۳/
ازالہ مادہ مصنفہ پادری سلطان محمد خاں صاحب۔ اسمیں آپنے آریوں کے بنیادی عقیدہ کی کہ "مادہ ازلی ہے"
اس خوبی و خوش اسلوبی سے تردید کی ہے کہ قریبًا تمام مسلمان اخبارات نے اس رسالہ کی تعریف میں ریویو
لکھے ہیں اور آریہ سماج کو اسکے جواب میں آج تک قلم اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ دیانند جی کے قول سے دیانندی
عقیدہ کی بطالت ثابت کی ہے . . . . . ۱/۶ پائی
الطریقت مصنفہ پادری جے ٹیکل صاحب۔ یہ اسی نام کے انگریزی رسالہ کا اردو ترجمہ ہے۔ اسمیں صوفی ازم کے
متعلق واقفیت بہم پہنچا کر مسیح کی طرف رہنمائی کی ہے۔ مصنف نے جا بجا مشہور و مستند عربی اور فارسی اقتباسات دیکر زیادہ پر زور بنا دیا ہے صفحے ۹۹ ۔۔۔/

ملنے کا پتہ:۔ سکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی۔ لاہور

فہرست مضامین

تمام مضامین برائے اندراج "مسیحی" ایڈیٹر انچیف مسٹر کے ایل رلیا رام ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن ہائی سکول لاہور آنے چاہئیں ؎

؎

مرحوم مسٹر ایس۔ کے رودرا کے مختصر حالات زندگی

ع "وہ اک شعاعِ نور تھی آئی چلی گئی۔"

مسٹر رودرا اڑتیس سال تک سینٹ سٹیفن کالج دہلی کے پروفیسر اور مابعد کچھ سال تک بعہدہ پرنسپل فائز رہے۔ آپکا انتقال طویل اور دردناک بیماری کے بعد جسے اُنہوں نے نہایت صبر اور دلیری سے برداشت کیا بمقام سولن واقع ہوا۔

آپ کی پیدائش ۷ جنوری ۱۸۶۱ء کو ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار پادری پیارے موہن رودرا بنگال کے ہندوستانی مسیحیوں میں چوٹی کے ممبر تھے۔ آپنے آکسفورڈ مشن میں رہکر پریزیڈنسی کالج کلکتہ میں تعلیم حاصل کی اور ۱۸۸۶ء میں دہلی میں پروفیسر مقرر ہوئے اور مسٹر رائٹ اور مسٹر ہبرٹ کے ماتحت بعہدہ وائس پرنسپل کام کیا۔ مسٹر ہبرٹ کے مستعفی ہونے پر ۱۹۰۶ء میں پرنسپل مقرر ہوئے۔ آپ کی رہنمائی میں کالج نے دن دونی اور رات چوگنی ترقی دکھائی اور اعلیٰ درجے کے آدمی پیدا کرنے میں خاص شہرت حاصل کی۔ پرنسپل رودرا کیمبرج یونیورسٹی جسکے ساتھ کالج مذکور ملحق ہے کی فیاضانہ روایات کے نہایت وفادار تھے۔ ہندو اور مسلمان کالج کے انتظام میں عیسائیوں کے پہلو بہ پہلو رکھے گئے۔ اور پہلا وائس پرنسپل جو مسٹر رودرا نے منتخب کیا ہندو تھا۔ آپ کے سٹاف میں آٹھ یورپین اصحاب تھے جو مسٹر رودرا کے ماتحت کام کرنے کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ ان باتوں نے سینٹ سٹیفن کالج کو خاص شہرت اور زینت بخشی اور مشن کی درسگاہوں میں نئے دور کا آغاز کیا۔ مسٹر اینڈریوز عرصہ دراز تک مسٹر رودرا کے سٹاف کے ممبر رہے اور انکے بڑے گہرے دوست بنگئے۔ جب مسٹر انڈریوز مسٹر رودرا کی مرضی اور منظوری سے دہلی کو خیرباد کہکر شہرۂ آفاق شاعر رابندرناتھ ٹیگور کے پاس شانتی نکیتن تشریف لے گئے تو ہر دو اصحاب میں دوستی برقرار و قائم رہی۔

جوں جوں مسٹر اینڈریوز کا رشتۂ اتحاد و یگانگت شاعر ٹیگور کے ساتھ مستحکم ہوتا گیا۔ نیز اثنائے مسٹر رودرا ان ہر دو اصحاب کے یہاں معزز اور متواتر مہمان ہوتے رہے اور اسی اثنا میں آپ کی دوستی مہاتما گاندھی کے ساتھ بھی مضبوط ہوتی گئی۔ اور جب کبھی مہاتما جی دہلی تشریف لے جاتے مسٹر رودرا کے یہاں مہمان ہوتے۔

پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور سنڈیکیٹ ممبر ہونے کے لحاظ سے مرحوم نے پنجاب کی اعلیٰ تعلیمی اغراض کی تکمیل میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ جب دہلی یونیورسٹی ظہور پذیر ہوئی تو اغلباً مسٹر رودرا بشرطیکہ اُنکی صحت ٹھیک ہوتی اسکی خدمات نہایت جانثاری سے انجام دیتے۔ مگر جو بیماری انکو لاحق ہوئی اسکی وجہ سے یہ ضروری تھا کہ وہ بطور کمزور بیمار زندگی بسر کریں۔

آپ کے آخری سال یا تو اپنے فرزند ارجمند کے پاس جو الہ آباد یونیورسٹی میں علم سیاست المدن کے ریڈر ہیں۔ یا اپنے داماد مسٹر جی۔ سی۔ چیٹر جی۔ ایم۔ اے۔ آئی۔ ای۔ ایس۔ کے پاس لاہور میں باطمینان تمام گذرے۔ آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے نے باثنائے جنگ عظیم فرانس میں خدمت کی اور وزیرستان سے واپسی کے وقت شاہی کمشن عطا ہوا مرحوم نے انبالہ میں انکے پاس بھی رہائش رکھی۔ دہلی آپ کے خیالات کا مرکز تھا اور دہلی کے معزز اور بزرگ شہریوں میں نہایت عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ دہلی کے لوگوں نے درخواست بھیجی کہ آپ کی نعش دہلی میں دفن ہو۔ مگر مرحوم نے خواہش ظاہر کی کہ سولن میں ہی بالقا سپرد خاک کیا جائے۔

اشعار

ہمیشہ مسکرایا اور سوز سے جیب ہو — زمین فرش فلک ہم کو شامیانہ ہوا
تہ ہے زخم عیسٰی سے آج دل میرا — زہے نصیب کسی کا نگار خانہ ہوا
کبھی شباب کبھی بچپنا کبھی پیری — مسافرت ہی میں اپنا بسر زمانہ ہوا

مزا ہے سوئیں گے آرام سے قیامت تک
زہے نصیب پس مرگ تو ٹھکانہ ہوا

بلحاظ چال چلن آپ نہایت ناخود غرض اور عزلت نشین انسانوں میں سے تھے۔ جب تک زندہ رہے عیسائی جنٹلمین کے سچے مطلح نظر کو پیش کیا اور عیسائی اعتقاد نے مرحوم کو مرتے دم تک تقویت بخشی۔

مدیر ٹریبیون آپ کے حق میں فرماتے ہیں:۔ "آپ شمالی ہند کے مانے ہوئے ماہر تعلیم تھے اور دہلی اور نیز تمام پنجاب میں آپ نے تعلیم کے پھیلانے میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ فضائے تعلیم کے باہر ڈاکٹر رودرا اعلیٰ پایہ کے مخلص اور پرہیزگار آدمی تھے۔ آپ اپنے ملک اور تمام ملکی تحریکوں کی بہبودی میں۔ خواہ وہ مجلسی۔ سیاسی یا اقتصادی ہوں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ مسٹر اینڈریوز نے ایک دفعہ ذکر کیا کہ میں کسی حالت میں مطمئن نہیں ہوتا جب تک مسٹر رودرا سے مشورہ نہ کرلوں۔ اور یہ میرے تین عزیز اور صادق رفقا میں سے ہیں جو میں ہندوستان میں رکھتا ہوں"

مسٹر جے۔ ٹی گوین مشہور و معروف ماہر سیاست ہند اپنی مشہور کتاب انڈین پالیٹکس میں جو ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی مسٹر رودرا کی بابت یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مسٹر رودرا ہندوستانی عیسائی جمہور کے نہایت معزز رکن اور پرانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ پہلے ہندوستانی تھے جو ایک مستند کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ نیز وہ پہلے ہندوستانی عیسائی تھے جنہوں نے علانیہ طور پر ہندوستانی قوم پرستوں کی تمناؤں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی۔ عرصہ دراز تک مسٹر گاندھی اور مسٹر اینڈریوز کے مستحکم و گہرے دوست اور مؤخر الذکر کے ہم منصب رہے ہیں۔ پرنسپل رودرا ہر ایک ہندوستانی سے جسکو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنا چاہتا ہوں زیادہ لائق اور مستعد ہیں اور گورنمنٹ کی ضروریات اور اجنبی افسروں کی مشکلات میں ممد و صادق ثابت ہو سکتے ہیں۔ فی الحقیقت جو صفات ایک اعلیٰ تعلیم گاہ کے رکن اعظم میں ہونی چاہئیں وہ سب مسٹر رودرا میں پائی جاتی ہیں۔ آپ نہایت محتاط انتظام کی ضرورت کو محسوس کرنے والے اور اسکی دقعت کے معلم بدرجہ اولیٰ ہیں۔

مسٹر گاندھی کے خیالات میں آپ کو اخلاقی عظمت دکھائی دیتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ان خطرات سے چشم پوشی بھی نہیں جو مہاتما گاندھی کی عملی تجاویز سے وابستہ ہیں۔ جب مہاتما گاندھی عدم تعاون کی رَو سکول اور کالج کے طلبا تک پھیلانا چاہتے تھے تو آپ نے اپنے طلبا کو تنبیہ کر دیا کہ وہ اس معاملہ میں اپنے ضمیر کے احکام کی پیروی کریں۔ اور ان دلائل کا جو عدم تعاون کے حق میں یا برخلاف ہو سکتے ہیں ٹھیک موازنہ کر لیں۔

پرنسپل رودرا میرے خیال میں نہایت محتاط شخص ہیں اور غیر ضروری تبدیلیوں اور تجربوں کے خلاف ہیں تاہم انہوں نے قصد اظاہر کیا کہ اصلاحات غیر کافی ہیں آپ مسٹر لائڈ جارج کی رائے کے سخت برخلاف تھے کہ ہندوستان اجنبی سہارے کے بغیر سیدھا کھڑا ہونا نہیں سیکھ سکتا۔ آپ نے ظاہر کیا کہ آجکل کے نوجوان انگریز صاحبان کو دیکھنے کے بھی روا دار نہیں۔ مگر اُس عظیم عزت کو یاد کر کے جو بچپن میں ہم انگریزوں کے لئے رکھتے تھے میرے دل کو اور نیز مہاتما گاندھی کے دل کو بھی چوٹ لگتی ہے۔ ایک انگریز کے لئے مسٹر رودرا سے بڑھ کر زیادہ مداح اور رفیق شفیق نہیں ہو سکتا۔ مسٹر رودرا کے خیال میں اب بھی ممکن ہے کہ نوجوانوں کو راہِ راست پر لایا جائے۔ اور انگریزی انصاف اور رحم میں سابقہ ایمان از سرِ نو قائم کیا جائے۔"

آپ کی ایک دختر نیک اختر بی۔ اے کنٹب کی شادی مسٹر جی۔ سی چیٹرجی ایم۔ اے۔ آئی۔ ای۔ ایس پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور سے ہوئی ہوئی ہے اور دو بیٹوں کا ذکر مضمون کے پہلے حصے میں آ چکا ہے۔ خدائے عزوجل سے دعا ہے کہ اس خاندان کو اپنی برکتوں سے مالا مال کرے۔ اور آخر میں ہم مرحوم کے خاندان سے مخلصانہ ماتم پرسی کا اظہار کرتے ہیں اور مرحوم کی روح کو خداوند مسیح کے حوالے کرتے ہوئے اپنا مضمون ختم کرتے ہیں۔

ع "گر قبول افتد زہے عز و شرف"

ضروری خبریں

مژدہ - تمام ناظرین مسیحی اس فرحت افزا خبر کو پڑھ کر محظوظ ہونگے کہ امسال امتحان بی۔ اے پنجاب یونیورسٹی میں کینرڈ کالج لاہور سے گیارہ لڑکیاں ہی کامیاب ہوئیں جن میں سے چھ عیسائی اور پانچ ہندو ہیں۔ عیسائی کامیاب طلبا رکے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں (۱) میری ایولن ٹامس (۲) پیاری شادی خان (۳) وِدیا ٹھاکر داس (۴) ڈیبو فضل مسیح (۵) مارجوری ایولن جان (۶) وِدیاوتی ڈورین مایاداس۔ ایک حد تک ہندوستان کی مادی، اخلاقی اور روحانی ترقی کا انحصار تعلیم نسواں پر ہی موقوف ہے اور ہی خواہانِ ہند اُس زمانے کے بدل وجان خواہشمند ہیں جبکہ بھارت ورش کے کونے کونے میں مائیں بہنیں اور بیٹیاں تعلیم یافتہ ہونگی اور اسی طبقۂ ارض کو بہشت بریں کی صورت میں منتقل کردینگی۔ شعر

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است وہمین است وہمین است

بالآخر مس ای۔ ایم ایڈورڈز ایم۔ اے کی ذات بابرکت ہی میں ایسی شاندار کامیابی کا راز پنہاں ہے کہ ڈگری کے امتحان میں سو فیصدی نتیجہ نکال کر دکھا دیا۔ ایسا کہنا آسان ہے مگر کرنا محال ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ یکتائے روزگار ماہر تعلیم ہیں۔ خدائے قدوس آپ کی تعلیم گاہ کو عرصہ دراز تک سرسبز اور رُو بہ ترقی رکھے۔

مس ایڈورڈز زندہ باد !

زمین - پنجاب انڈین کرسچین کانفرنس کو حصولِ اراضی میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ پچھلے نمبر میں ذکر ہو چکا ہے کہ ایک قطعہ اراضی اُور مل گیا ہے جسکی وسعت تقریباً ۴۲ مربعے ہے۔ نرخ چار ہزار روپیہ فی مربع ہے۔ اسکی تقسیم ضلع وار

کر دی گئی ہے جسکی تفصیل حسب ذیل ہے :-
لائل پور ۶ ۱/۲ مربعے - گوجرانوالہ ۴ مربعے - شیخوپورہ ۴ مربعے - سرگودہا ۲ مربعے
سیالکوٹ ۲ ۱/۲ مربعے - گورداسپور ایک مربع -
یہ قطعہ زمین مریالہ ریلوے سٹیشن سے تین میل کے فاصلہ پر ہے - جہانتک دریافت ہوا ہے نہایت عمدہ زمین ہے - لوگوں نے خود دیکھکر انتخاب کیا ہے امید واثق ہے کہ چند سالوں تک اسکی قیمت بیس ہزار روپیہ فی مربع تک پہنچ جائے گی - بارگاہ ایزدی سے التجا ہے کہ کانفرنس کے ذریعے مسیحی جماعت کو طاقت و قوت عطا فرمائے - عنقریب بکو اور مربعہ جات ملنے کی پوری توقع ہے لوگوں کو چاہیئے کہ صبر اور استقامت سیکھیں - ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جو کام نیک نیتی اور صبر سے کیا جائے خدا اسپر اپنی برکت نازل کرتا ہے اور ہمیشہ کامیابی حاصل ہوتی ہے -

❖

خوشخبری - محکمہ نمک کے امتحان مقابلہ میں امسال ۹۲ امیدوار شامل ہوئے جن میں سے مسٹر سیبل فلپ تیسرے رہے - اسامی بھی صرف پہلے چار کامیاب طلبا کو ہی ملنی تھی - تنخواہ کا گریڈ ۲۵۰ روپے سے ۱۲۵۰ تک ہے - ہم اس خاص کامیابی پر مسٹر فلپ کو مبارکباد کہتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ مسٹر فلپ اپنے والدین کے نقش قدم پر چلکر خداوند کے لئے باعث جلال اور قوم کے لئے باعث فخز ٹھہرینگے -

❖

بڑی خوشی کا مقام ہے کہ مسٹر ای چارلس بھٹی ایم - اے ہمارے لئیق و فیئق ایڈیٹر "مسیحی" نے مشن کالج الہ آباد میں پروفیسری کی کرسی کو زینت بخشی ہے امید ہے کہ آپ "مسیحی" کی خدمت کو اپنا فرض منصبی سمجھتے رہینگے -

❖

ترجمہ چٹھی جناب تقدس مآب لارڈ بشپ لاہور مورخہ ۶ جولائی ۱۹۲۵ء از ۲۵ - کارسٹارفن ہوٹل شملہ -

"میرے عزیز کندن لال - آپ کی چٹھی مرسلہ ۲ جولائی ۱۹۲۵ء کے لئے بڑا مشکور ہوں۔ میں یہ بات سنکر نہایت خوش ہوں کہ عیسائیوں کے لئے زمین حاصل کرنے میں آپ کی کوششیں بارآور ہو رہی ہیں - بہبودی کی توقع رکھتے ہوئے آپکا مخلص

دستخط

...

سادھو سندر سنگھ کی ذات بابرکت سے تقریباً ہر کوئی واقف ہے اس لئے طول طویل تعارف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی - ماہ جولائی ۱۹۲۵ء کے "نائی ہیگزن مطبوعہ لنڈن" میں مسٹر آرتھر می نے بعنوان "چار دانا آدمی" ایک آرٹیکل لکھا ہے جنمیں سے ایک سادھو صاحب ہیں۔ ناظرین کے فائدے کے لئے اقتباس ہدیۂ قرطاس ہے -

اگر ہندوستانی جمہور کو اختیار دیا جائے تو وہ پہلے پہل مہاتما گاندھی کا نام ہی چنینگے - لیکن ہم اپنی توجہ کو ایک دوسرے نام کیطرف مبذول کرینگے جو سادھو انہ زعفرانی لباس میں ہندوستان کے راستوں میں چلتا ہے۔ سادھو کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی - بلکہ سادہ اور پُر محبت خدمت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ سندر سنگھ ایک عیسائی سادھو ہے زعفرانی لباس پہنتا ہے اور خدا کے مقدسوں کے غیر دنیوی راستوں کی پیروی کرتا ہے -

آپ نے ہندوستان اور تبت کی سیاحت کی ہے جہاں اکثر نہایت عجیب طریقوں سے رہائی پائی ہے - ایک دفعہ عیسائی اصولوں کی تعلیم دینے کے جرم میں لاما گروکے پیش ہو کر مجرم ثابت ہوئے اور ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیئے گئے جسکا منہ بند کر کے مقفل کیا گیا - کئی دنوں تک سادھو جی نے اس جانکاہ تکلیف کو برداشت کیا تیسری رات کو جب آپ دعا میں مشغول تھے ایک کرخت آواز سنی گویا کہ کوئی شخص کنوئیں کا بند منہ کھول رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سادھو صاحب نے آواز سنی کہ رسی پکڑو - آپ نے ایسا ہی کیا اور باہر نکالے گئے - مگر جب اپنے مخلصی دینے والے کو ادھر ادھر دیکھا تو کسیکو نہ پایا - کچھ دیر آرام کرنیکے بعد شہر کو واپس آئے لاما کو خبر ملی کہ جو آدمی مردہ خیال کیا گیا تھا زندہ ہے اور منادی کر رہا ہے تو غصے ہو کر کہا کہ کسی نے کنجی چرا کر اسکو آزاد کر دیا ہے لیکن جب کنجی تلاش کی گئی تو معلوم ہوا

کہ آنصاحب کی میٹنگ میں موجود ہے۔ سادھو صاحب اپنی رہائی کی اور بھی بہت سی کہانیاں سناتے ہیں۔

سادھو صاحب ایک دلیر اور نڈر انسان ہیں اور ہندوستان میں بڑی شہرت حاصل کرلی ہے کیونکہ تمام چیزوں کو ترک کر کے بنی نوع کے لئے کمینے کا اظہار کیا ہے جب آپ انگلستان تشریف لائے تو بہت سے لوگ آپ کے دوست بن گئے کسی شخص نے آپ کے بارے میں کہا کہ آپ ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا کہ بلا واسطہ انجیل کے صفحات سے ظاہر ہوئے ہیں۔

معذرت

چونکہ سکول بتقریب تعطیلات موسم گرما اگست و ستمبر کے مہینوں میں بند رہیگا۔ لہذا اب کے ڈبل نمبر نکالا گیا ہے امید ہے کہ ناظرین کرام ہماری اس عذر خواہی کو مقبولیت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

تقریظ

ہمارے پاس رسالہ مسیحا ماہ اپریل ۱۹۲۵ء جسکے مدیر ڈاکٹر سوہن لال رائن ہیں برائے تقریظ پہنچا۔ وہی رسالہ ہم بامسمّٰی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف انار کلی لاہور میں ہومیوپیتھک میڈیکل کالج بھی کھولا ہوا ہے جس سے بیشمار طلبا مختلف امتحانات پاس کر کے نکلے ہیں۔ ہم اپنے ناظرین سے گذارش کرتے ہیں کہ حتی المقدور ڈاکٹر صاحب کی لیاقت اور کالج کی ہستی سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں

ملّا سے خبر کی خبر؟

جناب واعظ کی بداد اور این۔ ایم۔ ایس کی فریاد بحضور ارباب حل و کشاد

ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ

مکرم بندہ جناب مدیر صاحب مسیحی۔ تسلیم۔

آپ کے رسالہ مطبوعہ ماہ جولائی میں ایک مضمون بعنوان اپنا منہ اپنی ازقلم جناب واعظ

صفحہ ۲ پر درج ہوا ہے۔ عنوان سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بشارت انجیل کے طریقے اُسکی مشکلات۔ اُسکا حل وغیرہ تحریر فرمائے ہونگے۔ لیکن نہیں حقیقت بر عکس ازیں ہے۔ جیسے بقول شخصے لنکا سے کسی خیر کی خبر کا آنا ناممکنات سے ہے۔ بعینہ حضرت واعظ سے کسی بھی موضوع پر خوشتریں خیالات کے اظہار کی توقع رکھنا اگر ناممکن نہیں تو کم از کم محالات سے ضرور ہے۔ اور سچ پوچھئے تو کچھ ضرور نہ تھا کہ انکے مضمون کا نوٹس لیا جاتا۔ کیونکہ اُن کی اس انوکھی طرز اصلاح (بزعم خود) سے ہم تو کیا ایک عالم مدت سے آشنا ہو چکا ہے۔ لیکن چونکہ آپ کے اس مضمون سے اور اسپر ہماری خاموشی سے احتمال غلط فہمی ہونیکا ہے۔ لہذا سے

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است   و گر خاموش بنشینم گناہ است

کو مدِ نظر رکھکر بحیثیت پراونشل سیکرٹری این۔ ایم۔ ایس میں بلا غرض سمجھتا ہوں کہ چند ایک سطور اُنکے بعض خیالات کے جواب میں لکھوں۔ افسوس ہے کہ جناب موصوف نے "مسیحی" کے اوراق کو اپنی جولانی طبع کے اظہار کے لئے تختۂ مشق بنانا چاہا ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ آپ اس قضیہ کو یہیں ختم کر دینگے اور مضمون ہذا کے جواب در جواب الجواب کی نوبت نہ آنے دینگے۔ والسلام علی من اتبع الہدےٰ۔

۱۔ جناب واعظ استعجاب ظاہر فرماتے ہیں کہ "مدیر مسیحی" نے ایم۔ این۔ ایس کے سالانہ جلسہ کے متعلق ابتک کچھ نہ لکھا اور ایسی چپ سادھ لی گویا پتہ ہی نہیں اس سکوت کا جواب تو لائق "مدیر مسیحی" خود دینگے۔ ہاں آگے چلکر جو اتہام قاصد پر باندھا ہے کہ "زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ این۔ ایم۔ ایس کے قاصد صاحب بھی سُنی بنگئے۔" سو بزرگوارا! یہ تو بقول انگریزی Eyes or no eyes آنکھیں رکھتے ہوئے نہ دیکھنے والا معاملہ ہے۔ ذرا تکلیف فرمایئے اور قاصد بابت ماہ مئی الموسومہ "کانفرنس نمبر" ملاحظہ فرمایئے۔ تمام کارروائی صفحہ ۳ تا ۵ میں درج ہے۔ حیرت ہے کہ آپ کی نظر جہاں پڑنا چاہیے تھی نہیں پڑی اور آپنے جھٹ "سُنی بننے کا الزام" غریب "قاصد" پر جڑ دیا۔ لیجئے حضرت۔ بسم اللہ ہی غلط!

۲۔ آگے چلکر آپ بمجبوری عادت طنزاً فرماتے ہیں "بیت اللحم ایک مصیبت کی جگہ ہے وہاں زبردستی کسی منّاد کو نہ بھیجنا چاہیئے ..... وہاں نہ ریل ہے

اُن سے اصرار کر کے ناحق کی لڑائی مول لینی ہے ؟ لیکن مقام شکر ہے کہ آنجناب کی بہ نسبت ایک اور بدرجہا صادق اور اعلیٰ مفتی و منصف بھی موجود ہے جو کام کرنیوالوں کی خامیوں ۔ کوتاہیوں حتیٰ کہ کم ایمانیوں تک سے کماحقہٗ واقف ہے تسپر بھی اُنکی نیت کے مطابق اُنکے کام پر برکت نازل فرماتا اور اُنکی محنتوں کو بارور کرتا ہے ۔ ہمیں امید ہے کہ اگر این ۔ ایم ۔ ایس کے کارندوں کے پائے استقلال لغزش نہ کھائینگے اور وہ بدستور ایمانداری سے کام کئے جائینگے تو ایک روز ہی حاکم اعلیٰ "شاباش ! اے اچھے نوکر" کا فیصلہ اُنکے حق میں دیگا ۔ انسانی فتاویٰ کی اُنہیں چنداں پرواہ نہ کرنا چاہیئے ۔

۴ ۔ جناب واعظ خود فرماتے ہیں کہ "میں اب ستر یا بہتر یا ہو گیا ہوں اور میری عقل کام نہیں کرتی" (دیکھو رسالہ "مسیحی" بابت ماہ جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۱ سطر ۲۲) جبھی تو ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ "بہتر ہے کہ یہ گاؤں چرچ مشنری سوسائٹی کو واپس دیا جائے" اور آخر میں لکھتے ہیں کہ "میری عرض ہے کہ بیت اللحم کو سنبھالا جائے ۔ وہیں لڑکیوں کا سکول ہو اور وہیں مشنری رہے ۔ . . . . . صبح کا بھولا شام کو لوٹا ۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا ۔ ہمت کرو ۔ خداوند فرماتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں" ۔ اسے اجتماع ضدین کہتے ہیں ۔ اور چشم بد دور یہ تقاضائے عمر ہے !

بزرگوار من ! ماضی میں جتنا نقصان آپ کی تحریروں سے نیشنل مشنری سوسائٹی کو پہونچا ہے شاید اتنا اُسکے مخالفین کے ہاتھوں اُسے نہ پہونچا ہوگا ۔

۵ ۔ من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

آپ فرماتے ہیں کہ آپ کی نیت نیک ہے ۔ ہوگی ۔ لیکن مضمون زیر بحث تو سراسر مخالفت کی روح میں لکھا گیا ہے جس نے آپ کی موہومہ نیک نیتی کی اتنی پردہ پوشی کی ہے کہ اسکے ہلکے سے ہلکے آثار تک بھی مستتر ہو گئے ۔ قبلہ و کعبۂ من ! ہم مان لیتے ہیں کہ این ۔ ایم ۔ ایس کے خادم گنہگار ہیں ۔ خطاوار ہیں ۔ اسکے کارپردازان ناقابل ہیں ناتجربہ کار ہیں لیکن تاہم اس بات کا اُنہیں بجا ناز ہے کہ مسیح خداوند کے ادنیٰ اور حقیر خدمتگار ہیں ۔ جناب صفدر حرم

کیا خوب فرما گئے ہے

گفت عیسیٰ من بجان ودل خریدار تو ام
نیست مثلم جنس ناکارہ بہ بازار جہاں۔

میں نے جو کہنا تھا سو کہہ ڈالا۔ ہاں آخر میں اتنی عرض ضرور کرنا ہے کہ اگرچہ ایسی تحریریں پبلک میں بدظنی پھیلانے کا موجب ہوتی اور مخالفین سوسائٹی کے ہاتھ میں ایک اوزار مبنی ہیں تاہم کاربرداز ان سوسائٹی کو غلط فہمی کی تردید اور اظہار حقیقت کا موقعہ بھی دیتی ہیں۔ اور ہم ایسی تمام نکتہ چینیوں کو جو محض بغرض اصلاح کیجائیں سوسائٹی کے حق میں مفید سمجھتے اور صادق دل سے انہیں خوش آمدید کہتے ہیں ؎

کریں وہ شوق سے چرچا جہاں تہاں میرا   بگڑتا کیا ہے میرا مفت نام ہوتا ہے

ہم نے یہ چند سطور حتی المقدور نہایت متانت اور ادب سے لکھی ہیں۔ پھر بھی اگر ہمارا قلم کہیں بہک گیا ہو اور آپ کی شان میں نادانستہ گستاخی سرزد ہوئی ہو تو ہم بصد عجز خواستگار معافی کے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ این۔ ایم۔ ایس کو آپ اپنی دعاؤں میں خاص جگہ دینگے اور اُسکے کاربردازوں کے لئے کہ خدا انہیں کام کو بدرجہ احسن چلانے کی اہلیت اور قابلیت عطا فرمائے ہمیشہ خواہشمند رہینگے۔ ع

پھر نہ کہنا ہم نے کچھ تدبیر بتلائی نہیں

نیز ناظرین انصاف آگین کی خدمت میں بھی التماس ہے کہ آپ خود جناب واعظ کے اعتراضوں کی حقیقت اور مضمون ہذا کا مقابلہ کرکے فیصلہ صادر فرمائیں۔ یہ چند موٹی موٹی باتیں تھیں جنکا جواب ضروری سمجھا گیا کہ غلط فہمی کا امکان نہ رہے۔ فیصلہ آپ کی چشم حقیقت بیں پر چھوڑتے ہیں ؎

تمہیں کرتے ہیں قائل یا خطا میری بتاتے ہیں
مجھے بھی دیکھنی ہے منصفی انصاف والوں کی

احقر

ڈی۔ زیڈ۔ نجم الدین۔ پراونشل سیکرٹری
نیشنل مشنری سوسائٹی پنجاب برانچ۔ لاہور

اِدھر اُدھر کی

کیڑے پھولوں پر کیوں جمع ہوتے ہیں؟ بعض کیڑے پھولوں پر شہد جمع کرنے کے لئے اکھٹے ہوتے ہیں۔ اور بعض پھول کیڑوں کو خوش رنگی یا بو باس کی وجہ سے اپنی طرف راغب کرتے ہیں۔

اُسترہ آرام سے کیوں ٹھیک ہو جاتا ہے؟ اگر خوردبین سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ استرے کی دھار میں آری کے دندانوں کی مانند بیشمار دندانے پائے جاتے ہیں جنسے اسکی تیزی پائی جاتی ہے۔ ازروئے سائنس ان دندانوں کی دھات میں کثیر ذرات اکمل ترتیب میں پائے جاتے ہیں جو زیادہ استعمال سے بے ترتیب ہو جاتے ہیں اور اصطلاحاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ دھات تھک گئی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ دندانوں کے بالائی ذرات بے ترتیب ہونے کی وجہ سے نہیں کاٹتے۔
سٹراپ کرنے سے ذرات کی ترتیب کو بحال کرنیکی کوشش کیجاتی ہے مگر جب یہ بھی ناکامیاب ثابت ہو تو ہفتے عشرے کے آرام سے حیرت افزا اصلاح ہو جاتی ہے خصوصاً جبکہ استرے کو شمالاً جنوباً رکھا جائے کیونکہ مقناطیسی کشش سے ذرات کی حسن ترتیب ہو جاتی ہے اور استرہ اپنے دندانوں کے درست ہو جانیکے باعث ٹھیک کاٹتا ہے

سیالکوٹ کنونشن

از۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۵ء بوقت ۸ بجے شام تا ۲۹ ستمبر ۱۹۲۵ء شام

مضمون۔ کلیسیا خدا کا مقدس

مطالعۂ بائبل۔ پولوس رسول کا خط افسیوں کو

کثرت کی زندگی ایمان اور صرف ایمان ہی کے ساتھ مانگنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔
سب صاحبان جو روح سے معمور شدہ کلیسیا کی خواہش رکھتے ہیں تشریف لائیے۔
اگر کوئی خاص بات دریافت کرنی ہو تو مندرجہ ذیل پتہ سے دریافت فرماویں۔

پتہ:۔ سکرٹری سیالکوٹ کنونشن۔ امریکن مشن گوجرانوالہ۔ پنجاب

معراجِ زیست

"اس دارِ فنا سے میرا ایک ہی بار گذر نا ہوگا۔ اسلئے اگر مجھسے کوئی نیکی ہو سکے۔ یا اپنے ہمجنسوں کی خدمت کرنے کا کوئی موقعہ ملے تو مَیں اس میں آج ہی مصروف ہو جاؤں گا۔ مَیں اسمیں ہرگز تغافل یا لیت و لعل نہیں کرنیکا۔ کیونکہ پھر دوبارہ میرا اس طرف سے کبھی گذر نہ ہوگا"۔

دنیا میں ہزارہا نوع کے مشاغل اور مصارف ہیں۔ ہر ایک انسان کوئی نہ کوئی کام کرکے اپنی معاش پیدا کرتا ہے۔ کام کرنے کی استعداد بھی خداوند کریم کیطرف سے ایک بڑا بھاری عطیہ ہے۔ لیکن حالانکہ کام کرنا بھی فطرتِ انسانی کا ایک جزو ہے دنیا میں شاذ و نادر ہی ایسے افراد ملیں گے جنھوں نے اس زندگی اور اُس کے مختلف مصارف کا اصلی مدعا خوب سمجھ لیا ہو۔ ہمارے مبارک خداوند نے فرمایا کہ "انسان نہ فقط روٹی ہی سے جیتا ہے بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے مُنہ سے نکلتی ہے"۔ مشہور مصنف ایمرسن کا قول ہے کہ تعلیم اور تہذیب کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ ان کے طفیل انسان اپنی زیست کا اصل مدعا سمجھ جاتا ہے۔ اور جس انسان نے اس کو نہ سمجھا وہ یا تو بالکل مجہول ہے یا اُس کا سارا علم مٹی برابر"۔ یورپ امریکہ میں رہکر میں اس نتیجہ کو پہنچا کہ اُن کی روز افزوں ترقی کا سب سے بڑا بھید یہ ہے کہ اُن کی تمام جدّ و جہد ایک درجہ تک بلند خیالی پر مبنی ہے۔ ہمارے ملک میں یہ بات نہیں۔ گو کھلے اور گاندھی جیسے ہیرے شاذ و نادر ہی مشاہدہ ہونگے۔ علم حاصل کرو۔ کوئی موٹی نوکری لیکر آرام سے بیٹھو اور آسائش اور حکومت کی زندگی بسر کرو۔ ولایت امریکہ سے پڑھ کر آؤ تو وہ بھی اِسی غرض سے جتنی اعلیٰ

تعلیم ہو اتنی بڑی نوکری اور اتنی ہی بڑی تنخواہ اور اختیار بھی ہو۔ ورنہ آپ کی تمام محنت اور صرف زر رائیگاں اور بیکار۔ انگریزی حکومت کے دور میں ابتک جتنے ہندوستانی مغربی تعلیم سے مزین ہوئے اگر وہ سب کے سب بجائے اسکے کہ سرکاری نوکریوں کی جستجو کرتے۔ آزادانہ طور پر اور اپنی اپنی حیثیت اور استعداد کے بموجب اپنے اپنے پیشے میں ملک کی خدمت کرتے تو اس میں شک نہیں کہ آج اس ملک کی کچھ اور ہی حالت ہوتی۔ لیکن یہاں خود انکاری کی روح کہاں۔ ولایت سے واپس آکر اول تو صاحب بہادر کا دل ہی نہیں لگتا۔ ہندوستان اسقدر گندا اور جاہل اور افلاس زدہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ خدا کے نام پر دشنام کہتے ہیں جس نے آپ کو ہندوستانی پیدا کیا۔ بھلا یہ خیال کسکو کہ بھائی گندا ہو یا کنگال۔ گرم ہو یا بنجر آخر ہے میرا ہی وطن اور میں اسکی خدمت اور بہبودگی کے لئے اپنی لیاقت اور روپیہ کیا اپنی جان تک قربان کر دوں گا۔ ہاں اینڈروز اور سٹوکس جیسے بہت سے انگریز اور امریکن تو ہند کی خاطر یہاں تک کرنیکو تیار ہیں۔ لیکن خود ہندوستان میں راما بائی اور اندر سنگھ جیسے بیٹے بیٹیاں کہیں ڈھونڈے نہیں ملتے۔ مجھے مغرب سے واپس آئے ابھی بمشکل تین ماہ گذرے ہونگے کہ ہر طرف سے یہی پوچھا جاتا ہے کہ اتنا علم حاصل کرکے آئے اب کیا کروگے۔ کتنی بڑی تنخواہ کی نوکری ملیگی۔ کیا تنخواہ اور کتنا رسوخ ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ملکی خدمت کا ذکر کرو تو تمسخر کیا جائے۔ قومی بہبودگی کا خیال ظاہر کرو تو مکار اور گمراہ نامزد ہوتے ہیں۔ اگر انسے کہا جائے کہ بھائی ستر اسی برس کی عمر میں اگر سرگرداں ہو کر دولت اور دبدبہ کما کر اپنی ہی جان کو آرام پہنچایا اور عیش و آسائش سے بسر کی تو کیا کیا۔ ہاں اگر انکے ذریعے اپنے ہمسائے کے لئے بھی کچھ کرتے تو خیر آدمیت ہوتی۔ لیکن ایسی باتیں کون سُنے اور کون سمجھے۔ کسی نے جنونی کہہ دیا کسی نے نالائق مشہور کیا۔ تو پھر دنیا کو بتلانے یا سمجھانے سے کیا حاصل۔ جسے خداوند کریم معرفت اور موقعے عطا فرمائے وہ بقول سادھو سندر سنگھ کان اور آنکھیں بند کرکے اللہ بتائے راستے سیدھا چلا جائے۔ تجارت کرے یا کاشت، نوکری کرے یا فقیری۔ خدا اور ہمسائے کی خدمت کو اپنا معراج سمجھکر اپنا کام کئے جائے اگر خدا کی نظر میں اسکا دل بجانب حق مائل ہے تو اسکی دولت بھی اور افلاس بھی اسکا علم بھی

اور گمنامیت بھی۔ اُسکی لیاقت بھی اور اُسکی جہالت بھی سب خدا کی نذر ہوں گی۔ اور چاہے وہ اپنی زندگی کے اختتام تک دُنیا والوں کی نظر میں ناکام ہی کیوں نہ سمجھا جائے۔ لیکن کردگار کے حضور اُسکا نام آسمان کے ملائکہ میں لکھا جائیگا اور اُسکی زیست کا ہر ایک لمحہ اُس خوشی سے بھرپور ہوگا۔ جسے دنیا نہ تو سمجھ سکتی اور نہ ہی اُس سے چھین سکتی ہے۔ فقط

خاکسار اے۔ زبیر۔ از بمبئی

بنی نوع انسان کا ارتقا

تعلیم بائبل اور مسئلہ ڈارون

انسان کی ابتدا کی نسبت دو متضاد خیالات

انسان کی ابتدا کسطرح ہوئی ہے؟ اس اہم سوال کے دو مشہور جواب ہیں۔ ایک تو صدہا سال کا پرانا بیان ہے۔ اور وہ مذہب اور روایات سے ہم پہنچا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بائبل کے شروع میں جو بیان آدم کی ابتدا کا ہے وہ صدیوں سے مسلّم ہے۔ اور قوموں کے روایتی خیالات بھی اسی سے مشابہت رکھتے ہیں۔ دوسرا جواب سائینس نے بہم پہنچایا ہے۔ اور یہ سوال سے بھی اس طرف کا ہے۔ جیسے سائینس میں ترقی ہوتی رہی۔ اسکے نظریہ میں بھی ترمیم و ازدیاد ہوتا رہا۔ مگر انسان کی ابتدا کا سب سے بڑا اور انقلاب خیز خیال ڈارون نے پیش کیا تھا کہ جسے مسئلہ ارتقا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ کئی برس کی گرما گرم ردّ و کد کے بعد کہ جس میں مسیحی عالموں نے بھی بڑی مستعدی سے کام کیا تھا ڈارون کا مسئلہ اہل سائینس کا عقیدہ قرار پا گیا۔ ہربرٹ اسپنسر فلسفہ والوں میں۔ پروفیسر ہکسلے۔ ارنسٹ ہیگل اور دیگر سائینس دانوں نے اس مسئلہ کی تائید اور تشریح کے لئے اپنی زندگی وقف کردی۔ انگریزی۔

فرانسیسی۔جرمن۔اٹالین اور دیگر مشہور زبانوں میں آئے سال سینکڑوں کتابیں تصنیف اور طبع ہوتی رہیں۔ اور اب تک عام سائنس دان اور مغرب کے روشن خیال لوگ ڈارون اور دیگر نامی سائنس دانوں کی تقلید اپنا فرض اہم سمجھتے ہیں۔ ان میں پادری اور بشپ بھی شامل ہیں۔ صوبجات متحدہ امریکہ کے بشپ براؤن جو میتھوڈسٹ کے ممتاز بشپ تھے اس بنا پر کلیسیا اور اپنے عہدہ سے علیحدہ کئے گئے کہ وہ بائبل کی تعلیم پر بائیالوجی (علم الحیوٰۃ) اور سائنس کی تعلیم کو ترجیح دیتے اور بدعت پھیلاتے تھے۔ کینن بارنز جو تھوڑا عرصہ ہوا برمنگھم (انگلستان) کے بشپ مقرر ہوئے سائنس کی تعلیمات کا پرچار اور عوام کو ان پر ایمان لانے کی تلقین کرتے ہیں۔ بالخصوص وہ مسئلہ ارتقا کی صحت پر زور دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ بائبل میں آدم کی ولادت اور ابتدا کا جو ذکر ملتا ہے وہ بشپ بارنز کے نزدیک خلافِ عقل و سائنس ہے۔

جدید تحقیقات سائنس کی ہدایت اور مسئلہ ڈارون:

جب بشپ بارنز یا ان کے ہمخیال پادری جو "ماڈرنسٹ" یعنے جدید خیالات کے پیرو بائبل کے مسائل کو خلاف عقل اور سائنس کے نقیض قرار دیتے ہیں تو عوام کے دل میں ضرور ہیجان اور عقلی کاوش پیدا ہوتی ہے۔ اس وجہ سے مناسب ہے کہ اس مسئلہ پر زمانہ ترین سائنسی تحقیقات کی روشنی میں بحث کر کے اصلیت کو واضح کیا جائے۔

بطور کلیہ یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ بیسویں صدی میں بائیالوجی اور انتھراپالوجی میں جو حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے اسکی بنا پر ڈارون کا مسئلہ بے کار اور ناقابل تسلیم قرار دیا گیا ہے۔ حال میں لنڈن کے نہایت مشہور میگزین "ٹسن ٹمپ لیریری ریویو" میں رائن ہیرنے اور "نائنٹینتھ سنچری" میں جیمز کاربٹ نے اور بعض اور ممتاز عالموں نے ڈارون کے مسئلہ کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ اخبار "اسٹیٹسمین" کلکتہ میں کسی ممتاز انگریز سائنس دان نے بھی ایک معرکۃ الآرا مضمون میں مسئلہ ارتقا کے لتے لئے۔ اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ گذشتہ تیس سال کی تحقیقات بائیالوجی سے مسئلہ ارتقا کی تائید نہیں ہوتی۔ ان مضامین میں سائنس

کی بنا پر بائبل کی تعلیمات کی تائید کی گئی ہے۔ اور یہ قرار دیا کہ انسان ارتقا کے عمل سے
جیسا کہ ڈارون اور اُسکے مقلدین دعویٰ کرتے ہیں۔ بندر سے انسان نہیں بنا ہے بلکہ
خدا نے اسے ایک جداگانہ ہستی پیدا کیا ہے۔ نامی مسیحی عالم ڈاکٹر اسکاٹ لڈگیٹ
نے ایک فلسفیانہ مضمون میں خدا کی ہستی اور ہدیت سے بحث کر کے اسے عالم کا
منبع ازلی ٹھہرایا ہے۔ آپ نے بالواسطہ زمانہ حال کے بدعتی خیالات اور سائنس
کے نتائج سے بھی بحث کی ہے۔ غرض مشہور اخباروں اور رسالوں کو ایک
سال تک بغور پڑھنے کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ سائنس
کے پُرانے خیالات متروک ہو رہے ہیں۔ ان کی بجائے نئے خیالات مروج ہوتے
جاتے ہیں۔ ان حالات میں کوئی صاحب خرد سائنس کے نتائج کو قطعی اور
یقینی تصور نہیں کرسکتا۔

انسان کی قدامت اور ابتدا کا سوال۔

سب سے بڑا معرکہ انسان کی قدامت اور ابتدا کی
بابت چلا آتا ہے۔ اور اسکی بحث کے لیے جیالوجی
(ارضیات) بائیالوجی اور انتھراپالوجی (علم نوع
انسان) سے کام لینا پڑتا ہے۔ اول الذکر بہت پرانی ہے۔ بائیالوجی کا سب سے
بڑا بانی ڈارون ہے۔ گو اس سے پہلے فرانس۔ جرمنی اور انگلستان کے ماہر
اسکی تحقیقات میں مصروف تھے۔ انتھراپالوجی جدید علوم میں شامل ہوئی ہے
اسے گذشتہ تیس چالیس سال کے عرصہ میں بہت فروغ اور وسعت حاصل
ہوئی ہے۔ دن بدن اسکی تحقیقات کا میدان کشادہ ہوتا جاتا ہے۔ انسان کی
ابتدا کے بارہ میں تازہ ترین تحقیقات کی روشنی میں بحث کرنا ضروری ہے۔

انسان کا جدِ امجد بندر تھا یا انسان؟

اب ہم اس معرکۃ الآرا مسئلہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں
کہ جو مضمون ہذا کا عنوان اور مضمون خاص ہے۔
"انسان کا جدِ امجد بندر تھا یا انسان"؟ ڈارون نے
"ابتدا الانواع" میں واقعات سے بحث کرنے کے بعد یہ استخراج کیا ہے کہ
انسان عملِ ارتقا سے صورت بدلکر انسان کے رتبہ پر پہونچا ہے گو اسکی
خامیوں پر اُس زمانہ میں بھی زور دیا گیا تھا۔ مگر اب اسکی بودگی خوب عیاں

ہو گئی ہے۔ ڈارون کی انقلاب خیز کتاب ۱۸۵۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ لیکن سائنس کے دائرۂ تحقیقات میں سال بسال وسعت ہوتی رہتی ہے۔ ہمارے معلومات اس سلسلۂ مضامین سے ماخوذ ہیں کہ جو کلکتہ کے ایک مشہور اخبار میں حال ہی میں طبع ہوا ہے۔ اسکا دعویٰ یہ ہے:۔

اب محقق اس عقیدہ سے کہ انسان گوریلا کی نسل سے ہے دست بردار ہو گئے ہیں۔ اور اب یہ خیال مسلم ہے کہ جانداروں کے اجداد ابتدائی ایک نامعلوم جد سے کہ جو ای اوسین (Eocene) کے پہلے حصہ میں وجود پذیر ہوا تھا منسوب کئے جاتے ہیں۔ سر آرتھر کیتھ انتھراپالوجی کے مشہور ترین ماہر ہیں آپ نے "قدامت انسان" کے نام سے ایک معرکۃ الآرا کتاب لکھی ہے کہ جس میں جانداروں اور انسانوں کا نسب نامہ ہے۔ اسکی رُو سے ثابت ہے کہ ابتدائی جانداروں کا جدِ امجد نہ تو بندر تھا اور نہ ایپ (بن مانس یعنی انسان نما بندر) تھا۔ محققوں کا اس امر پر اتفاق کلی ہے کہ بنی نوع انسان کا مورث اولیٰ بن مانس نہ تھا۔ مگر یقین کے ساتھ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ انسان تھا۔ بلکہ وہ بجائے خود ایک جداگانہ نوع سے تھا کہ جس میں بندروں۔ بن مانسوں اور انسانوں کے خواص ایک جا موجود تھے۔ اس گمنام عالم کا یہ دعویٰ ہے:۔ "انتھراپالوجی کی تحقیقات سے ہم یہ ماننے کو مجبور ہیں کہ ہمارا مورث ابتدائی انسانیت سے آراستہ تھا۔ وہ بن مانس اور بندر کے قبیلہ سے ہرگز نہ تھا۔ اگر یہ ثابت کر دیا جائے تو دنیا ایک سائنسی بطلان سے جلد نجات حاصل کر لے۔" آگے جا کر اس ممتاز محقق نے اپنے انقلاب خیز دعوے کے ثبوت میں اسباب و دلائل پیش کئے ہیں جنکا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

یہ امر بخوبی ظاہر ہے کہ انسان کا جدِ امجد دیگر دودھ دینے والے جانوروں سے تین باتوں میں ممتاز اور برتر تھا۔ اول ذہانت۔ دوم تنومندی۔ سوم حالات کے مطابق اپنے کو ترتیب دینے کی صلاحیت۔ ذہانت کی وجہ سے انسان تمام مخلوقات سے برتر اور افضل شمار ہوتا ہے۔ اور یہ وصف ابتدا ہی سے اسے

ودیعت کیا گیا تھا۔ روئے زمین پر جو دودھ پلانے والے جانور ہیں۔ ان میں صرف انسان ہی ایسا ہے کہ جسکی اولاد کا شمار سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ ہمارے مورث اعلیٰ کو ذہانت کے علاوہ قوت حیاتی اور تنومندی بھی استمراری عطا کیگئی تھی۔ علاوہ ازیں ابوالبشر کو حالات کے مطابق حالی اختیار کرنے کی طاقت بھی غیر معمولی قسم کی دی گئی تھی کہ جسکی بدولت اسکی اولاد کرۂ ارض کے ہر گوشہ میں آباد اور شاداب بستی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابوالبشر کو سب جانداروں سے بڑھ چڑھ کر قوتِ حیات عطا ہوئی تھی۔

ڈاروِن کے مقلدوں کی غلطی

ڈاروِن نے سلسلۂ انواع کی تمام کڑیوں کو ایک دوسرے سے منسلک کرنے کی بڑی کوشش کی تھی۔ مگر ایک کڑی دستیاب نہ ہوئی۔ اور اس سے مراد ایک طرف نوادنیٰ ترین درجہ کے وحشی اور دوسری طرف اعلیٰ درجہ کے بن مانس تھے۔ ان دونوں کے درمیان ایک شگاف تھا کہ جسے پُر کرنے کی کوشش ناکام رہی۔ مگر جاوا نینڈرٹل۔ پلٹ ڈاؤن اور اوڈیشیا سے جو سو منتجے کھوپڑیاں ہاتھ آئی ہیں انہیں "کھوئی ہوئی کڑی" قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے مگر فضول اور بے سود۔ کیونکہ ان میں سے ایک بھی زندہ نسلوں کا بزرگ اولین قرار نہیں دیا جاسکتا۔

پروفیسر وڈ جونز جو پاتھالوجی کے ممتاز ماہر ہیں اپنی ایک تازہ تصنیف میں لکھتے ہیں "ڈاروِن کے شاگردوں نے یہ نادانی کی کہ انسان اور بندروں کے پنجروں کی مشابہت پر تو زور دیا۔ مگر ان میں جو اختلاف طبعی تھا اسے بالکل فراموش کردیا۔ چاہئے یہ تھا کہ مشابہت اور عدم مشابہت کے امور کا ایک دوسرے سے بڑی احتیاط سے مقابلہ کیا جاتا۔ انسان بندروں سے تین بڑی باتوں میں ممتاز ہے۔ اوّل بندروں کے مخصوص خصائل سے انسان ناآشنا ہے۔ اسکے اوصاف اور خصوصیات سب سے الوکھے اور جداگانہ انسانی خصوصیت سے آراستہ ہیں انسان میں کئی مخصوص ابتدائی خصوصیات پائی جاتی ہیں کہ جن سے بن مانس محض

بیگانہ ہے۔ انسان کی زبان اور ناک کی ہڈیاں اور گردے اپنی ساخت میں ابتدائی ہیں۔ حالانکہ بندروں کے یہ اعضا زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ بعض عضلات اور شرایین ادنیٰ درجہ کے دودھ پلانے والے جانوروں کی مانند ہیں۔ ڈاکٹر ٹامس ہیپری کی رائے یہ ہے کہ انسان کے دانتوں کی نمو اس خیال کے متبائن ہے کہ انسان بن مانس سے پیدا ہوا ہے۔ انسان کے جسم کی نمو اور قوائے حیاتی کا عمل بن مانسوں کے جسم سے بالکل مختلف ہے۔ اس خیال کے حامی پروفیسر صاحبان وُڈ جونز۔ الیٹ اسمتھ۔ لینگڈن براؤن اور دیگر محقق ہیں۔ اگر زندہ جانوروں میں کسی کو انسان سے کچھ مشابہت ہوسکتی ہے تو وہ ٹارسیس Tarsius ہے۔ کہ جو ننھے بندروں کے طبقہ سے ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور ثبوت بھی ہے۔

انسان کی سیدھی چال موروثی ہے

ڈارون کے مسئلہ کی تردید میں ایک اور زبردست ثبوت بھی دیا جاتا ہے۔ اور وہ امبریالوجی Embryology یعنے علم الجنین یا مضغہ کی نمو سے بہم پہنچایا گیا ہے۔ پانوں کی نمو سے یہ صاف ظاہر ہے کہ انسان نے عملی ارتقا سے سیدھا چلنا کبھی نہیں سیکھا جس ڈھنگ سے انسان کا مضغہ ابتدا میں نمو حاصل کرتا ہے اس سے ثابت ہے کہ ہمارے اجداد شروع ہی سے دونوں ٹانگوں کے بل سیدھے چلتے تھے۔ یہ خیال پروفیسر وُڈ جونز کا ہے۔ ڈاکٹر ایچ۔ ڈبلیو۔ ڈک ورتھ کا خیال یہ ہے کہ انسان کی ابتدا بندروں سے نہیں ہے۔ جیسا کہ انسان کے مضغہ کی نمو کی تاریخ سے ظاہر ہے۔ دماغ کی نمو اسکی سب سے بڑی نمایاں خصوصیت ہے۔ شہادت سے یہ امر واضح ہے کہ بڑا اور کام کرنے والا دماغ شروع ہی میں ودیعت ہوا تھا۔" بنی آدم کو دماغ کسی حیوانی مورث اعلیٰ سے حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس مختصر بحث کا لب لباب یہ ہے کہ سیدھا چلنا اور دماغ انسان کو اپنے ابتدائی بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے۔ بن مانسوں کو بھی ایک وصف حاصل تھا۔ مگر وہ اسے کھو بیٹھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان نما بندروں کے اجداد بھی وہی تھے کہ جنکی نسل سے انسان ہے۔ مگر وہ جبلۃ

ہیں ناکام رہ گئے۔ اس وجہ سے ابتدائی خصوصیات سے محروم ہو گئے۔ دُنیا کی قوموں کے درمیان انسان کی آفرینش کی روایت مروج ہے کہ جسکی صحت انتھراپالوجی سے ہوتی ہے۔

بائبل کی صداقت کی تصدیق

حاسۂ مذہب اخلاق کی ابتدا

ڈارون کے مسئلہ کی تردید میں مسیحی عالموں نے ایک بڑی حجت احساس اخلاقی اور حاسۂ مذہب کی بنا پر پیش کی تھی کہ جسکا جواب شافی اہل سائینس نے کبھی نہ دیا۔ حاسہ اخلاقی سے ترقی اور امید وغیرہ کو کوئی تحریک نہیں ملتی۔ اگر مذہب کی عظیم قوت انسان کو محرک نہ کرے تو انسان انسانیت سے بیگانہ ہے۔ پروفیسر صاحبان آرتھر ٹامسن۔ پیٹرک۔ گیڈس۔ مارسلن بوک۔ اور ڈبلیو جے سالس کی رائے یہ ہے کہ انسان نے انسان نما بندروں کے طبقہ سے باہر نکلنے کا جو کمال حاصل کیا ہے وہ مذہب سے پیدا شدہ تحریک اخلاقی کی بدولت نصیب ہوا تھا۔ سوائے اس باطنی قوت کے کسی اور وسیلہ سے اسقدر تغیر تبدل ممکن نہ تھا۔ مسائل مابعد الطبعیات کی غور و فکر۔ پاک دامنی اور راست پرستی اور ایثار علے النفس ارتقا کے عمل سے حاصل نہیں ہوتا۔ سائینس والوں کا یہ عام خیال ہے کہ ابتدا میں انسان حاسۂ اخلاق سے بے بہرہ تھا۔ مگر تلخ تجربہ سے اس نے اپنی طرز عمل سوشل قواعد کے تابع کر دی۔ گمنام عالم لکھتا ہے:-

انتھراپالوجی سے پیدائیش کی داستان واضح ہوتی ہے۔ سائینس کی تحقیقات کے رو سے ابوالبشر عہد ای اوسین میں نمودار ہوا تھا۔ کہ جب زمین نمونہ بہشت تھی۔ بائبل کے بیان کے مطابق آدم باغ عدن میں تھا۔ سائینس کے نتایج کے رو سے انسان نے خطا کی اور اسکی سزا بھگتی۔ مگر بائبل کے رو سے آدم نے علم کے درخت کا پھل کھایا اور باغ عدن سے نکالا گیا۔ اسکے بعد عہد مایوسین Miocene کے انقلابات طبعی واقع ہوئے۔

کہ جو بائبل میں طوفان نوح سے منسوب ہیں۔ اس وقت جانداروں نے بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ لی۔ اور بعد ازاں شکار سے بسر اوقات کرنے لگے۔ مگر سائنس کے بیان میں وہ منطقی ربط عنقا ہے کہ جو بائبل کے بیان کی ممتاز خوبی ہے" آگے چلکر وہی عالم کہتا ہے:۔

یہ تو صاف ظاہر ہے کہ بائبل کی روایت واقفیت اور مشاہدہ کی وسیع بنیاد پر قائم ہے۔ ..... انتھراپالوجی سے یہ خوب ثابت ہے کہ انسان کا جدا ابتدائی بندر نہ تھا۔ تشریحات Anatomy سے ظاہر ہے کہ کئی باتوں میں انسان کے پنجر کی ساخت بندروں کی نسبت کہیں ابتدائی ہے۔ اسبریالوجی سے یہ ثابت ہے کہ ابوالبشر کا دماغ اور جانوروں سے بہت بڑا تھا اور وہ سیدھا اکڑ کر چلتا تھا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ بندر وغیرہ اسی بزرگ کی اولاد سے ہیں۔ مگر بعد ازاں انکی جدی خصوصیات بدل گئیں اور وہ آگے بڑھنے کی بجائے پستی میں گر کر پیچھے رہ گئے۔ ابوالبشر جبلی ذات اور زبردست قوت حیات و تنومندی اور حالات کے مطابق اپنی چال اختیار کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور تھا۔ اسکی اولاد نے تمدن میں انقلاب خیز ترقی حاصل کی ہے۔ حالانکہ وحشی قومیں اور بندر شمار میں گھٹتے چلے جاتے ہیں۔ انسان ہی کو بائبل کے بیان کی رو سے الٰہی روشنی اور قوت ودیعت ہوئی ہے۔ کہ جس سے وہ ترقی کرتا جاتا ہے۔

تازہ ترین واقعات سے بیان بائبل کی تائید

اب اخیر میں انگلستان کے ایک مشہور عالم پروفیسر میک ایلڈی پرائیس کے ایک لیکچر کا ماحصل درج کرنا غیر موزون نہ ہوگا:۔

آج دنیا کے سب سے زیادہ دل شکستہ اور امید سے بیگانہ وہ بزرگ ہیں کہ جو ارتقا کے زبردست حامی چلے آتے ہیں۔ اور یہ تعلیم مسیحی بائبل کے مطابق ہے۔ اب وہ وقت سر پر آپہونچا ہے کہ جو لوگ بجائے خود سوچنے اور استخراج نتائج پہ اتراتے ہیں وہ اس خیال سے ہمیشہ کے لئے دست بردار

ہو جائیں کہ انسان نے لاکھوں برسوں کی دہیمی رفتار سے حیوانی اجداد سے وجود حاصل کرکے یہ انسانی رتبہ حاصل کیا ہے۔ سال رواں میں اقلیم سائنس سے اسقدر واقعات بہم پہنچ سکتے ہیں کہ جنکی بنا پر باسانی تمام یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جس سے بائبل کے ابتدائی بیانات حرف بحرف صحیح ماننے والوں کو کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ آج ڈارون کا مذہب بالکل مردہ اور نیست و نابود ہو گیا ہے۔ اسکا انتخاب طبعی کا مسئلہ ناکارہ اور سراسر فضول ثابت ہو چکا ہے۔"

اس بحث سے اب ظاہر ہو گیا ہے کہ سائنس کی تحقیقات تازہ سے بائبل کے ابتدائی بیانات درست اور معقول ثابت ہو رہے ہیں کہ جس ایمانداروں کو خاص خوشی ہوتی ہے کہ بائبل قصے کہانیوں کی بجائے صحیفۂ الٰہی ثابت ہو رہی ہے۔

جے۔ آر۔ رائے۔ ہرولی۔ ہوشیارپور

دیہاتی علم الاقتصاد

مسائل مویشیان

دنیا بھر میں ہندوستان سینگوں والے گھریلو مویشیوں کے شمار میں سرگروہ ہے۔ ہالینڈ اور ڈنمارک میں مویشی کہیں بڑھکر ہیں لیکن وہاں پر خصوصیت کے ساتھ پالے جاتے ہیں۔ ہر دو ممالک بڑے بھاری تجارتی ملک ہیں۔ اُن کی تجارت بالعموم پنیر۔ دودھ۔ گوشت۔ مکھن میں بہت مشہور ہے۔ لاکھوں کا مال ہر سال وساور کو بھیجتے ہیں اور ہزاروں کا نفع کماتے ہیں۔ امیر و غریب اِسی پیشہ سے اپنی معاش پیدا کرتے ہیں لیکن ہندوستان کا حال بایں صورت نہیں۔

ہندوستان کی آبادی ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق اکتیس کروڑ نوے لاکھ ہے۔ اسکے مقابلہ میں مویشیوں کا شمار چھبیس کروڑ پچاس لاکھ ہے۔ اس شمار میں بھیڑ بکریاں اور انکی جنکے سینگ نہیں ہوتے شامل نہیں۔

مذکورالصدر شمار کے مطابق انسانوں اور مویشیوں کے درمیان دس اور آٹھ کی نسبت ہے۔ یعنی اس صورت میں ہندوستان کے مویشی زمینی پیداوار کے لحاظ سے انسانوں کے ساتھ مقابلہ میں آجاتے ہیں۔ یہ مقابلہ نہایت حقیقی اور نتیجہ خیز ہے۔ کیونکہ بموجب اصول تقلیل حاصل زمین کی قوت پیدائش میں کچھ عرصہ کے بعد قلت ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ یعنی حاصل زمین کی مقدار میں رفتہ رفتہ کمی ہوتی جاتی ہے۔ اگر زمین کی قوت کو برقرار رکھنے کیلئے کھادیں وغیرہ استعمال نہ کی جادیں تو زمین کی قوت پیدائش بالکل جاتی رہتی ہے۔ غذائی اجزا جو زمین میں موجود ہوتے ہیں وہ پودوں کے بڑھنے میں صرف ہو جاتے ہیں۔ اسلئے زمین بالکل دیوالیہ ہو جاتی ہے۔ ہندوستان میں مویشیوں کا شمار ترقی پر ہے۔ مذہبی تعلیم مویشیوں کی محافظت کی معاون ہے۔ اسلئے بہت سے عالم لوگ مویشیوں کے بڑھنے کو ملک کے نقصان کا باعث تصور کرتے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ کہیں خوراک میں کمی واقع نہ ہو جائے۔ کیونکہ انسانوں کی آبادی بھی بڑھ رہی ہے۔ مسٹر مالتھس کے مسئلہ آبادی کے مطابق ہر پچیس سال کے بعد کسی ملک کی آبادی دوگنا ہو جاتی ہے۔ اگر اسکا یہ مسئلہ کلیتہً درست نہ بھی ہو تو بھی اس میں ہرگز کوئی کلام نہیں کہ دنیا کی آبادی بڑھ رہی ہے۔ تواریخ اسکی شاہد ہے۔

اقتصادی نکتہ خیال سے ۵۰ فیصدی مویشی ہندوستان کے لئے نقصان کا باعث ہیں۔ یا بالفاظ دیگر گائیں اور بھینسیں اپنی پرورش کے اخراجات بذریعہ دودھ ادا کر دیتی ہیں۔ اور بیل اور بھینسے اپنی پرورش کے اخراجات بذریعہ بھی کار جو کہ وہ کرتے ہیں ادا نہیں کرتے۔ ہندوستان میں آدمی گائے کی پرورش کرتا ہے لیکن مغربی ممالک میں گائے آدمی کی پرورش کرتی ہے۔ وہ گائے کا دودھ فروخت کر کے اپنی معاش پیدا کرتا ہے۔ اسی آمدنی سے مغربی گوالے نہایت آسودہ حالی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ اپنا حساب آمدنی و خرچ باقاعدہ رکھتے ہیں۔ سو وہ کسی وقت بتا سکتے ہیں کہ آیا انکا جانور انکے لئے آمدنی کا باعث ہے یا نقصان کا۔

ہندوستان میں اوسطاً تین سالہ بیل کی قیمت صرف پچاس یا ساٹھ روپیہ ہوگی

اگرچہ پنجاب میں کبھی کبھی بیلوں کی قیمت چھ سو فی راس تک چڑھ جاتی ہے لیکن ایسی صورتیں مستثنٰے ہیں۔ مگر بعض اوقات بیل پچاس روپیہ سے بھی کم قیمت پر بکتے ہیں۔ لیکن ہم اس وقت اوسط لیکر ایک ہموار نرخ مقرر کرینگے۔

فرض کرو کہ ایک تین سالہ بیل کی قیمت اسی روپیہ ہے۔ اسکے ساتھ یہ بھی معلوم کرنا نہائیت ضروری ہے کہ اس عرصہ میں اسکی پرورش اور محافظت پر کیا خرچ آیا؟ ہندوستان میں عام طور پر بچے کو دودھ پلایا جاتا ہے۔ اسلئے اسکی ابتدائی پرورش کے اخراجات کو معلوم کرنا دشوار ہے۔ لیکن چونکہ ماں اپنے بچھڑے کو بہت پیار کرتی ہے اسلئے گمان اغلب ہے کہ گائے بھینس دودھ چرا لیتی ہیں۔ اسطرح سے انکے بچھڑوں کو زیادہ دودھ ملجاتا ہے۔

تین سالہ بیل کا تفصیل خرچ (فرضی اخراجات)

	پائی	آنہ	روپیہ
دو سو دن تک اگر دو سیر دودھ روزانہ پیتا ہو تو دو آنہ فی سیر نرخ کے حساب سے	۰	۰	۵۰
۱۵۰ دن اس کو گھاس دیا جاتا ہے۔ اگر فرض کریں کہ وہ ایک آنہ فی روز کا گھاس کھاتا ہے۔ اس نرخ سے کل قیمت	۰	۰	۱۰
باقی دو سال اسے گھاس کھل چنے اور نمک وغیرہ دیا جاتا ہے جو کہ ۲ر فی روز فرض کر لیویں۔	۰	۴	۹۱
کل میزان اخراجات پرورش	۰	۴	۱۵۱

اسکا گوبر اور پیشاب اس کے رسّے اور چرائی وغیرہ کے اخراجات کے لئے کافی سمجھ لیجئے۔ کیونکہ ہندوستان میں گوبر جلایا جاتا ہے۔ اور جو مٹی اور فضلہ وغیرہ جانوروں کے باندھنے کی جگہ میں جمع ہوجاتا ہے وہ اکثر کھاد کے کام آتا ہے۔

اب خیال کیجئے کہ اسقدر محنت حفاظت اور روپیہ کے مصارف کے بعد بھی اسکی قیمت فروخت صرف اسی روپیہ ہوتی ہے۔ اسکا اپنا میزان خرچ ۔۔ ۴۔ ۱۵۱ ہے۔ اگر وہ مذکورہ بالا قیمت پر فروخت کر دیوے تو اسکو ۔۔ ۴۔ ۷۱ کا نقصان ہوگا۔

اب ایک اور مثال کسی زراعتی مقام کی لیجئے جو کہ باقاعدہ حساب اخراجات

اور آمدنی رکھتے ہیں۔ اُنکا خرچ حسب ذیل ہوگا۔

نوّے دن تک تین سیر دودھ روزانہ
نرخ۔ پانچ سیر فی روپیہ کے حساب۔ ۵۴ - ۰ - ۰
۵۰ دن تک تین سیر دودھ روزانہ
نرخ پانچ سیر فی روپیہ .. .. .. ۳۰ - ۰ - ۰
۵۰ دن تک بھوسہ اور کھلی .. .. ۳ - ۰ - ۰
۱۰ ماہ تک۔ بھوسہ ½ ۵ سیر ۳ - ۰ - ۰
کھلی ½ سیر ۲۰ - ۰ - ۰
گھاس ۱۰ سیر ۱۸ - ۱۲ - ۰

کل میزان اخراجات پرورش ۱۲۸ - ۱۲ - ۰

اب اس گوال استھان کے اُس پر ۱۲۸ روپیہ خرچ آئے۔ جب اٹھارہ سال کے بعد اسکو فروخت کرنے لگے تو صرف ۲۰ روپیہ بطور قیمت حاصل ہوئے لیکن اکثر اوقات جس بچھڑے سے انہیں نقصان معلوم ہو اُسے دودھ نہیں دیا جاتا۔ اور اپنا خرچ بچا لیتے ہیں۔

امریکہ میں پرورش کے اخراجات۔

ایک سال تک ایک بچھڑے کی پرورش میں حسب ذیل خرچ آتا ہے۔

۱۵ دن۔ ۵ سیر دودھ روزانہ۔ ۵ سیر فی روپیہ کے نرخ سے۔ ۔ ۔ ۱۵
۹۰ دن۔ ۲ سیر دودھ روزانہ۔ دودھ جسمیں سے مکھن نکال لیا جاتا ہے۔
۲۰ سیر فی روپیہ کے حساب سے ۱۸

علاوہ ازیں انہی نوّے دنوں میں اُسے حسب ذیل خوراک دیجاتی ہے۔

دانہ۔ ایک سیر فی ماہ
(رائی وغیرہ) . . . . ۱۰ - ۰ - ۰
گھاس۔ چار من فی ماہ . . . . ۵ - ۰ - ۰
بھوسہ۔ ۱۵ سیر فی ماہ . . . . ۴ - ۱۲ - ۰
کھلی۔ ۱۵ سیر فی ماہ . . . . ۶ - ۰ - ۰

بعد ازاں ۲۶۰ دن تک بچھڑا اسی نسبت سے کھلایا جاتا ہے ۔ ۔ ۲ ۔ ۴۹

میزان اخراجات ۔ ۔ ۱۴ ۔ ۱۰۷

مذکور الصدر مثالوں سے صاف صاف ظاہر ہو گا کہ ایک بچھڑے کی پرورش پر کیا خرچ آتا ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیا ہندوستان میں بچھڑوں کو زندہ رکھنا فائدہ مند ہے یا نہیں ؟ یاد رہے کہ انگلستان اور امریکہ میں ان کو پالنا فائدہ مند ہوتا ہے لیکن ان ممالک میں تمام بچھڑے زندہ نہیں رکھے جاتے ۔ صرف انکی پرورش کی جاتی ہے جو اعلیٰ نسل کے ہوں ۔ ادنیٰ نسل کے بچھڑوں کو مار دیا جاتا بعض اوقات وہ کسی کو مفت دے دیتے ہیں جو کہ چند ماہ کی پرورش کے بعد ذبح کر لیا جاتا ہے ۔ ایسے مویشیوں کو بیف کیٹل یا گوشت والے مویشی کہا جاتا ہے ۔ یہ بہت جلدی جسم اور قد میں بڑھ جاتے ہیں ۔ مذکورہ بالا مثالوں سے ہمنے دیکھا ہے کہ تین سالہ بیل کی پرورش میں ہندوستان میں ۔ ۔ ۴ ۔ ۱۷ کا نقصان ہوتا ہے ۔ اب ہم اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تین سالہ بیلوں میں تمام ملک کو کتنا نقصان ہوتا ہے ۔

اگر مویشیوں کی کل آبادی چھبیس کروڑ پچاس لاکھ تصور کر لی جائے تو فرض کر لیجئے کہ اس میں مذکر اور مؤنث کی نسبت نصف کی ہے ۔ فرض کریں کہ نصف مذکر شمار میں سے بارھواں حصہ تین سالہ بچھڑوں کا ہے ۔ ہم نے معلوم کیا ہے کہ پرورش میں ۷۰ روپیہ فی راس نقصان آتا ہے ۔ اب بارھویں حصہ پر میزان نقصان اسی کروڑ بیس لاکھ کا ہو گا ۔ یہ نقصان حقیقتاً حیرت انگیز ہے ۔ اس تمام نقصان کا تحمل ہندوستان کو ہونا پڑتا ہے ۔

(باقی آئندہ)

شکریہ ۔ مسٹر نتھا سنگھ لائل نے مبلغ پانچ روپے "مسیحی" کے لئے عطیہ ارسال فرمایا ۔ آپ "مسیحی" کے دیرینہ مربیوں میں سے ہیں ۔ خداوند آپ کے جاہ و اقبال کو زیادہ کرے ۔

خدا کی بادشاہی

دُنیا میں سینکڑوں نہیں ہزاروں بادشاہوں۔ بہادروں اور نامور اشخاص نے سلطنتیں قایم کیں مگر وہ کہاں ہیں سب ملیا میٹ ہوگئیں کہاں ہے اسور اور بابل۔ کہاں روما کی سلطنت۔ کہاں ہے نپولین۔ کدھر ہے سکندر۔ کدھر گئے مغل۔ کوئی بھی سلطنت دنیا میں قایم نہیں رہی۔ اور نہ رہیگی۔ کیونکہ ان سلطنتوں کی بنیاد ملک گیری اور ظلم پر تھی۔ ان تمام سلطنتوں کے قوانین قاعدے اپنے اپنے خیال کے مطابق تھے۔ اور غلط اصول پر قائم تھے۔ مگر خداوند مسیح جس بادشاہی کو قائم کرنیکے واسطے آیا اُسکا اصول ان تمام دنیوی سلطنتوں سے بالکل جدا تھا۔ یہ ایک ایسی سلطنت کی بنیاد تھی کہ جسکا خیال انسان کر ہی نہیں سکتا۔ یہ سلطنت مساوات کی تھی۔ جسکی ترقی بتدریج ہوتی گئی۔ خدا کی بادشاہی کا اصول یہ ہے کہ

خدا باپ ہے۔ ہر فرد بشر بلا لحاظ قوم و رتبہ۔ علم و دولت خدا کی ملکیت ہیں اس بادشاہی میں کوئی رذیل نیچ۔ حقیر۔ یا اچھوت نہیں سب آپس میں بھائی ہیں۔ ایک باپ کے بیٹے ہیں۔ اس حقیقی اصول سے مسیح خداوند نے تمام مخاصمت کی بیخکنی کردی۔ اعلیٰ و ادنیٰ کی کوئی تفریق نہیں جس طرح دنیا میں دیکھا جاتا ہے۔ مثلاً (الف)۔ افریقہ کے ہٹن ٹاٹس اپنے آپ کو تمام بنی آدم سے اعلیٰ تصور کرتے ہیں (ب) اکسماس اپنے کو کامل افراد کہتے ہیں۔ (ج) چینی اپنے کو مرکز عالم گردانتے ہیں باقی تمام کو وہ اس سے باہر سمجھتے ہیں۔ یہانتک کہ باقی تمام اجنبیوں کو شیاطین کا نام دیتے ہیں (د) جاپانی اپنے کو آسمانی اولاد کہتے ہیں (ہ) ایرانی اپنے ملک کو خدا کا ملک کہتے ہیں (و) یونانی سوائے اپنے باقی سب کو وحشی سمجھتے تھے (ز) امریکن اور انگلش باوجودیکہ ان کے آبا و اجداد وحشی اور نیم وحشی تھے۔ محض گورا چمڑا ہونے کے باعث اپنے آپ کو دوسروں سے اعلیٰ تصور کرتے ہیں۔ (ح) ہندوستانی آریہ دوسروں کو ملیچھ اور اپنے کو اعلیٰ ذات سمجھتے ہیں۔

مگر جو بادشاہی خداوند یسوع قائم کرنے آیا۔ اس میں ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں۔
اس بادشاہت کے وارث غریب دل اور حلیم ہوں گے۔ اس بادشاہی کا قانون
یہ ہے کہ شریر کا مقابلہ نہ کرو۔ بدلہ مت لو۔ دشمنوں سے محبت کرو۔ ایسی طبیعت والے
اس سلطنت کے وارث ہوں گے۔ اس بادشاہی کی بنیاد جبر و ظلم پر نہیں حکم ہے
کہ اپنی تلوار میان میں کر کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں۔ تلوار ہی سے مارے جائیں گے۔
ظلم و جبر کی تمام سلطنتیں ملیامیٹ ہوگئیں۔ کہاں ہیں قیاصرانِ روم۔ کدھر ہیں
نپولین اور سکندر کدھر گئے مغل۔ سب کے سب زمانہ کے ساتھ ہی جاتے رہے
مگر یہ بادشاہی جسکی بنیاد خداوند یسوع نے رکھی۔ یہ نہ صرف دو ہزار برس سے قائم
ہی ہے۔ بلکہ بڑھتی رہتی ہے۔ کیونکہ یہ دلوں میں حقیقی قومیت اور برادری کا حقیقی
رشتہ قائم کرتی جاتی ہے۔ اس سلطنت کا اصول خدمت پر ہے نہ خدمت
لینے پر۔ جو سب سے چھوٹا ہے۔ وہ بڑا ہے۔ خداوند یسوع نے اپنے نمونہ سے
اس اصول کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ فرمایا کہ میں خدمت کرنے آیا ہوں۔
خدمت لینے نہیں آیا۔ میں اس خدمت میں اپنی جان قربان کرنے آیا ہوں۔
اس سلطنت کا اصول دنیوی قانون اور شرعی اصولوں سے بالا ہے۔ اس
اصول پر یہ سلطنت قائم ہے۔ کہ جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں
ویسا ہی تم بھی اُنکے ساتھ کرو۔ حاکم کو چاہئے کہ وہ اپنی رعایا سے وہ سلوک
کرے کہ اگر وہ خود رعیت کی جگہ ہوتا تو کیسا سلوک پسند کرتا۔ آہ۔ اگر یہ اصول
دنیا میں قائم ہو جاوے تو تمام بے چینی جو آج اقوام عالم اور ہندوستان میں
ہے۔ ہرگز نہ ہو۔

دنیا کا اصول ہے۔ "ہر چہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند"۔ یہی اصول
تمام جھگڑوں اور فسادوں کی بنیاد ہے۔ مسیح خداوند کے اصول کے مطابق آپ
جس سلطنت جس ملک میں جاویں۔ با آرام رہ سکتے ہیں۔ مگر دنیا کے مذکورہ
اصول پر چلکر آپ نہ خود آرام سے رہ سکتے ہیں نہ اوروں کو رہنے دے سکتے
ہیں۔ اس اصول کے مطابق میں گائے کھانا پسند نہیں کرتا۔ اوروں کو
کیوں کھانے دوں۔ میں بُت پوجنا پسند نہیں کرتا۔ اسلئے تمام بتوں کو توڑ دینا چاہئے

کیا ایسے اصول سے دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔آج ہندوستان میں یہی اصول چل رہا ہے۔اسی اصول پر چلکر ہندوستان میں فساد ہیں۔اگر مسیح کا اصول جو خدا کی بادشاہی کا اصول ہے مانا جاوے تو تمام جھگڑے یکدم موقوف ہو سکتے ہیں۔

خدا کی بادشاہی کی بنیاد افعال پر نہیں نیت پر ہے۔ظاہری فعل کی نسبت پاکیزگی اول ہے۔سوائے خدا کے (جو اپنا سورج نیکوں اور بدوں پر چمکاتا ہے) اس سلطنت کا کوئی حاکم نہیں۔جنکو اس نے حکومتیں دی ہیں وہ صرف امین ہیں۔چاہیئے کہ امانتداری سے اس خدمت کو بجا لاویں نہ کہ خود مالک بن بیٹھیں۔جیسا ہم دنیا میں دیکھ رہے ہیں۔خدا کی امانت میں بددیانتی ہو رہی ہے۔ اس سلطنت کے شرکا اور رعیت کو خورد و نوش کی فکر سے آزاد رہنا چاہیئے۔ کیونکہ تمہارا آسمانی باپ تمہاری مایحتاج کا ذمہ وار ہے۔

خدا کی سلطنت کا قیام قربانی پر ہے۔جان نثاری پر ہے۔چنانچہ خداوند نے اپنے آپکو قربان کرکے اس سلطنت کو قائم کیا۔فروتنی اور خدمت اصل خدا کی بادشاہی ہے۔خودی اور غرور کی زندگی درحقیقت مردہ زندگی ہے۔خواہ اُسکا جنازہ کیسی ہی شان کا ہو۔مگر ہے مردہ جو اپنی جان بچاتا ہے وہ اُسے فناہ کرتا ہے لیکن جو جان گنواتا ہے وہی اُسے پاتا ہے۔یہی اصول ہے جسے مہاتما گاندھی اور مرحوم داس نے سوراج حاصل کرنیکے واسطے پیش کیا اور مسیح کو اپنا نمونہ بنا لیا۔ایک موقعہ پر کلکتہ کے طلبا کے سامنے مہاتما انڈ رونے اپنے لکچر میں فرمایا کہ :۔

ہندوستان کو سوراجیہ دلانا میرا مذہبی فرض ہے۔میں چونکہ عیسائی ہوں۔ اسلئے میرا مذہبی اصول ہے کہ ہندوستان کو مکمل آزادی ملے۔میرا اعتقاد ہے کہ بنی نوع انسان کے لئے سب سے بڑی لعنت یہ ہے کہ گورے رنگ کو فضیلت دیجاوے۔میں اس سے سخت متنفر ہوں۔مسیح نے جو تعلیم دی ہے کہ سب انسان ایک باپ کی اولاد اور آپسمیں بھائی ہیں اس لحاظ سے بھی گورے رنگ کو فضیلت دینا ناجائز ہے۔میرے آقا (خداوند) یسوع مسیح کا پیغام ابھی تک ہندوستانیوں کے کانوں میں گونج رہا ہے۔آپ لوگ روح کو آزاد

رکھیں۔ اسکی بدولت دنیا میں ایسا امن ہوگا جو انجمن اقوام ہرگز قائم نہیں کرسکتی"۔
خدا کی بادشاہی عالمگیر بادشاہی ہے۔ تمام جہان تمام سلطنتوں کے قوانین ممکن ہے کہ انکی کتابیں اسقدر رہوں کہ کئی ٹرینیں بھرجاویں۔ مگر اس عالم سمندر دنیا میں امن قائم کرنے کو کوزے میں بھر دیا ہے کہ:-
جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں۔ تم بھی انکے ساتھ ویسا ہی کرو۔
یہ ہے عالمگیر خدا کی بادشاہی ۔ باقی صرف وعظ بن اور بانیں ہیں۔
(راقم۔ واعظ)

حُبّ القومی

آج اس لفظ کا بڑا چرچا اور اس خیال کا زور ہو رہا ہے۔ اور اسے ہندوستان کی نئی روح اور بیداری کہا جاتا ہے۔ انگلستان۔ فرانس اور جاپان وغیرہ ملکوں کے باشندگان کی حب القومی کو قابل تعریف و تقلید کہا جاتا ہے۔ اور ہمارے نوجوان تعلیم یافتہ لوگ اس جادو سے مسحور ہو کر یہی راگ الاپتے پھرتے ہیں لیکن اس خیال کی تہ تک نظر نہیں مارتے کہ آیا یہ خیال صحیح و راست بھی ہے یا نہیں۔ اسلئے میں اس وقت اس خیال کے دوسرے پہلو کو پیش کر کے امید رکھتا ہوں کہ صاحب فکر لوگ اس خیال کی موجودہ سیلاب سے بہ نہ جائیں گے بلکہ ٹھنڈے دل سے اس مضمون پر غور کرینگے۔ اگرچہ عام رائے کے خلاف بولنا نقارخانہ میں طوطی کی آواز کی مثل ہے لیکن پھر بھی جس امر کو انسان راست سمجھتا ہوا اسکا بیان کرنا فرض ہے گو عوام الناس اس کے شنوا ہوں یا نہ ہوں۔
میری رائے میں وہ وقت جلد آرہا ہے جب کسیکو محب قوم یا محب وطن کہنا اسکے لئے سخت ہتک عزت کا باعث ہوگا۔ آج کل حب القومی سے یہ مراد ہے کہ جس ریاست۔ ملک اور نظام حکومت میں ہم پیدا ہوئے اسی کے

اُمرا و وزرا کی خاطر لوٹ مار کی تائید کریں۔
میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ فی زمانہ حب القومی کا احساس غیر طبعی نامعقول اور مضر احساس ہے۔ اور جن فسادات سے نوع انسان دُکھ اٹھا رہے ہیں اُن میں سے اکثروں کا سرچشمہ یہی احساس ہے۔ اسی وجہ سے ایسے احساس کو اپنے دل میں جگہ دینی نہیں چاہیئے جیسا کہ آجکل دیجاتی ہے بلکہ بر عکس اسکے ہر ممکن ذریعہ سے اسکو دبانا اور اسکا استیصال کرنا چاہیئے۔ اسکا کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ عالمگیر اسلحہ وا وزار سکہ و بارود اور تباہ کن جنگ و جدل جو خلق خدا کا ستیاناس کر رہے ہیں اسی احساس کا نتیجہ ہیں۔ ہندو مسلم نا اتفاقی۔ میونسپل کمیٹیوں۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں اور سرکاری کونسلوں میں جو جھگڑے ہیں وہ اسی احساس کے کرشمے ہیں۔ وہ خاص احساس یہ ہے کہ میری قوم۔ میرا ملک۔ میرا ملکی انتظام و حکومت دوسری ساری قوموں اور حکومتوں پر فوق حاصل کرے۔ یعنی اس خواہش کی غایت یہ ہے کہ میری قوم۔ میری کلیسیا۔ میری حکومت کو سب سے زیادہ حقوق اور قوت حاصل ہو۔ اور یہ دونوں امور دوسری قوموں اور حکومتوں کے مفاد اور قوت کو نقصان پہنچائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے اسلئے یہ عیاں ہے کہ حب القومی کا احساس خراب اور مضر ہے۔ کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر ہر قوم۔ ہر کلیسیا اور ہر حکومت اپنے تئیں سب سے اعلیٰ و افضل سمجھتی ہے تو وہ ایک سخت اور ضرر رساں دھوکے میں مبتلا ہے۔
توقع تو یہ تھی کہ حب القومی کی ضرر رسانی اور نا معقولیت ہر فرد بشر پر روشن ہوگی۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ مہذب اور عالم اشخاص بھی (چند مستثنیات کو سوا) نہ صرف حب القومی کے ضرر اور نا معقولیت کو خود محسوس نہیں کرتے بلکہ جو لوگ اُسے طشت ازبام کیا چاہتے ہیں اُنکی سخت مخالفت اور مزاحمت کرتے رہتے اور اسکی تعریف و مفاد کے گیت گاتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی انتظام یا عقیدہ یا دستور کسی خاص زمانے میں مفید ثابت ہو۔ تو ضروری نہیں کہ آئندہ نسلیں اور قومیں بھی اُسکی پابندی لازمی سمجھیں۔ بلکہ وہ شاید قوموں کی نئی

حالت و ترقی کی راہ میں سدِّ راہ ثابت ہوں۔ قدیم مذاہب پر نظر ڈالکر دیکھ لو۔ جب کبھی کوئی نیا مذہب پیدا ہوا اور پہلے مذہب سے اعلیٰ و افضل تعلیم دینے لگا تو پرانے مذہب کے پادری پروہت اور مولوی فوراً جنگ و جدل کے لئے ڈٹ گئے۔ یہی حال حکومتوں کا رہا ہے۔ موجودہ طرزِ حکومت جو مختلف ممالک میں آج مروّج ہے وہ پرانی طرزِ حکومت کے حامیوں سے جنگ کرنے اور انکو شکست دینے کے بغیر رائج نہ ہو سکا بعض حکومتوں کی مطلق العنان قدرت کا حصر حب القومی کے احساس پر ہے اور انکے لئے یہ فائدہ مند ہے کہ وہ مصنوعی وسائل سے اس تصور کو قائم رکھیں۔

جن دنوں میں ہر قوم یہ سمجھتی تھی کہ اُسکے اپنے مفاد کی خاطر دوسری قوموں کے لوگوں کو قتل و غارت کرنا عین انصاف و راست تھا اُن دِنوں میں یہ اعلیٰ تصوّرِ نیکی سمجھا جاتا تھا کہ اپنی قوم کو سب سے زیادہ پیار کریں اور اپنا اطمینانِ خاطر۔ اپنی جائداد بلکہ اپنی جان بھی اپنی قوم کو قتل اور ظلم کے پنجے سے چھڑانے میں قربان کریں۔ لیکن دو ہزار سال کا عرصہ گزرا کہ بشریت کی اعلیٰ دانائی کا نمائیندہ انسانی صورت میں ظاہر ہوا اور اخوت انسانی اور برادری کے اعلیٰ تصوّر کی تلقین کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ تصور انسان کے ادراک میں زیادہ زیادہ سرایت کرتا چلا گیا۔ حتّٰی کہ زمانہ حال میں یہ تہذیب کی مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے لگا۔ آمد و رفت کے وسائل میں جو ترقی ہوئی اور مزدوروں۔ تاجروں اور سائینس والوں میں جو رشتہ اتحاد قائم ہو گیا اسکی وجہ سے زمانہ حال کے آدمی ایسے وابستہ ہو گئے کہ قرب جوار کی قوموں کی طرف سے فتح۔ قتل و غارت کا خطرہ جاتا رہا۔ اور ساری قومیں (نہ کہ گورنمنٹیں) صلح سے رہتی۔ ایک دوسرے کو فائدہ پہنچاتی اور تجارت مزدوری اور علوم و فنون میں دوستانہ رشتہ رکھتی ہیں۔ اس میں خلل ڈالنے کی نہ اُن کو ضرورت ہے اور نہ خواہش۔ اسلئے یہ خیال گزرتا تھا کہ حب القومی کا بوسیدہ احساس جو فضول ہو گیا اور مختلف قوموں میں برادری ہونے کے احساس کے خلاف ہے زوال پکڑتے پکڑتے بالکل معدوم ہو جائیگا مگر مشاہدہ میں

اسکے خلاف نظر آرہا ہے۔ یہ محقر اور بوسیدہ احساس نہ صرف موجود ہے بلکہ زیادہ شدت سے مشتعل ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے کلیسیائی اتحاد برادرانہ اتفاق معرضِ التوا میں جا پڑا ہے۔ کیونکہ چند صاحب غرض اشخاص کے مفاد اسی اصول و احساس کے زندہ رہنے پر مبنی ہیں اور وہ جان توڑ کر طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے اسکے قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً اخباری تجارت کی آمدنی اسی احساس کی ترقی کی وجہ سے چند در چند ہو جاتی ہے۔ اور بعض دیگر تجارتوں کو اس سے نفع کثیر حاصل ہوتا ہے۔ ہندوستانی تجارت کا تنزل اور ولایتی تجارت کی ترقی کا باعث یہی احساس ہے۔ ہر مصنف۔ ہر معلم اور پروفیسر جسقدر زیادہ حب القومی کی اشاعت کرتا ہے اُسی قدر زیادہ وہ اپنے منصب میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ جو بادشاہ اور قیصر جسقدر زیادہ حب القومی دکھاتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ مشہور ہوتا ہے۔ حکمران جماعتوں کے ہاتھ میں فوج۔ روپیہ۔ سکول گرجا اور چھاپہ خانہ ہیں۔ سکولوں میں وہ بچوں کو حب القومی ایسی تاریخوں کے ذریعہ سکھاتے ہیں جن میں یہ بیان ہوتا ہے کہ انکی قوم سب سے زیادہ افضل اور ہمیشہ راستی پر ہے۔ نوجوانوں میں وہ یہ احساس تماشاؤں۔ سالگرہوں اور یادگاروں کے ذریعہ مشتعل کرتے ہیں اور محب قوم چھاپہ خانوں کے ذریعے طرح طرح کے جھوٹے بیان شائع کراتے رہتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر وہ حب القومی کو اسطرح فروغ دیتے ہیں کہ وہ دوسری قوموں سے ہر قسم کا تشدد اور بے انصافی عمل میں لاتے رہیں۔ وہ اپنے ہی لوگوں کے درمیان عداوت کی آگ بھڑکا دیتے ہیں اور پھر اس عداوت سے یوں فائدہ اُٹھاتے ہیں کہ اپنے لوگوں کو غیر ملکی لوگوں سے متنفر کرادیں۔ حب القومی کا یہ ہولناک احساس یورپین قوموں میں اس شدت سے زور پکڑ گیا ہے اور ایسی جلد جلد ترقی کر رہا ہے کہ ہمارے خود انکار اور خود ایثار مشنری صاحبان بھی اس سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چونکہ یہ احساس اخوت انسانی کی مسیحی تعلیم کے خلاف ہے اسلئے ہم مسیحیوں کو متحد ہو کر اس کی مخالفت میں ڈٹے جانا چاہیے۔

(جے۔ علی بخش)

غزل

(خاص مسیحی کے لئے)

عیسےٰ کا حکم یہ ہے کہ "دل کے غریب ہو"
ایسا جو تم کرو تمہیں برکت نصیب ہو

دشمن کی دشمنی سے ہمیں خوف کچھ نہیں
ابن خدا مسیح جب اپنا حبیب ہو

مثل مسیح اور بھی ہوگا کوئی انیس
تا عاصیوں کے واسطے وہ بر صلیب ہو

عیسےٰ کو کیوں نہ مالک ارض و سما کہیں
جسکے طفیل سے ہمیں جنت نصیب ہو

مطلوب گر شفا ہے گناہوں کے مرض سے
جلدی سے آؤ تاکہ مسیحا طبیب ہو

منجی مسیح سا نہیں کوئی جہان میں
کتنا ہی کوئی کیوں نہ خدا کے قریب ہو

کانپیں گے تھر تھرائینگے عاصی بروز حشر
تیرا نہ دوستو وہ دن ایسا مہیب ہو

ممکن نہیں جو سامنے عیسےٰ کے ہو سکے
جسکے نہ دل میں اُسکا نشانِ صلیب ہو

ہر دم خدائے پاک سے قاصی کی ہے دعا
عیسےٰ کے فضل سے مجھے جنت نصیب ہو

نوشتے کیا ہیں

(گذشتہ سے پیوستہ)

(ب) نوشتے یعنے مقدس کلام کا کام کیا ہے؟

اولاً ان سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

کیونکہ پولوس رسول مقبول تمطاؤس کو کہتا ہے۔ "تو بچپن سے پاک نوشتوں سے واقف ہے۔ جو تجھے یسوع مسیح پر ایمان لانے سے نجات حاصل کرنے کے لئے دانائی بخش سکتے ہیں" (۲ تمطا $\frac{3}{15}$)

اب غور طلب بات یہ ہے کہ کیوں نجات حاصل کرنے کے لئے دانائی بخش سکتے

ہیں؛ اسلئے کہ نوشتے ہمارے خیالات و تصورات میں جنپر گناہ کی تاریکی چھائی ہوتی ہے خدا کی صداقت و روشنی ظاہر کر دیتے ہیں۔ کیونکہ "تیرا کلام میرے پاؤں کے لئے چراغ اور میری راہ کی روشنی ہے (زبور ۱۱۹: ۱۰۵)

ایک مرتبہ کسی سائنس دان کی کسی سادھو سے بحث چھڑ گئی۔ دوران بحث میں سائنسدان نے استفسار کیا۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ حسیں کتنی ہیں۔ سادھو نے جواب دیا چھ ہیں۔ اسپر مسٹر سائنسدان بگڑے کہ سائنس جسکو دنیا مانتی ہے وہ تو پانچ بتلاتی ہے۔ یعنے سامعہ۔ شامہ۔ لامسہ۔ باصرہ۔ ذائقہ تم کہاں کے ایسے ودمنی آگئے کہ چھ بتلاتے ہو۔ بھلا یہ حس ششم کونسی ہے ہم بھی سنیں تو سہی؛ سادھو نے کہا کہ یہ حس ششم فقط مسیحیوں میں ہوتی ہے۔ اور کسی شخص میں نہیں۔ آپ کی سائنس اس سے بے بہرہ ہے۔ اور وہ ہے "روحانی" یہ حس کسی سائنس کی کتاب سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ کلام خدا سے جو روح کے اندر جذب ہوکر اثر کرتا ہے۔ دیکھئے حضرت پولوس رسول مقبول کردہ دعا مانگتے وقت عالم بیخودی میں چلا گیا اور اس نے وہ وہ کرشمے اور رویت دیکھیں جو کسی اعلیٰ درجے کے فلاسفر یا سائنسدان کو اپنی عالمانہ زندگی میں نصیب نہیں ہوئیں۔ وہ فقط انکی تحقیق میں ہی سرگرداں ہے۔ بس مسیحی وہ شخص ہے جو دوزانو ہوکر اور دعا میں مگن ہوکر خدا کے کلام کو اپنے اندر ہضم کرتا ہوا حس ششم یعنے روحانی عروج حاصل کرتا ہے جو نجات کی دانائی بخشنے کے لئے کافی ووافی ہے۔

ثانیاً۔ نوشتے نہ فقط نجات بخشتے بلکہ رہبری کرتے ہیں کیونکہ نوشتے خدا کی مصلحتیں اور مشورے ہیں جو انسان کی رہبری اور ہدایت کے لئے ہیں اسی لئے زبور نویس اسے "پاؤں کا چراغ" کہتا ہے۔ مسیحیت کے مخالف بھی اسکے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ کیونکہ مونس و مخالف ہر دو کے لئے مسلمہ امر ہے کہ یہ خدا کی طرف سے ہدایت اور نور ہے۔ اب سوال لازم آتا ہے کہ یہ ہدایت کس امر یا کن امور میں ہے۔ اسکا جواب حضرت پولوس رسول مقدس یوں دیتا ہے (۱) تعلیم۔ (۲) ملامت۔ (۳) اصلاح (۴) اور راستبازی میں تربیت کرنے کیلئے۔

لفظ رہبری یا ہدایت میں یہ چاروں کام ہونے لازمی ہیں۔ زبور نویس فرماتا ہے " اپنے نور اور اپنی سچائی کو ظاہر کر وہی میری رہبری کریں" (زبور ۴۳:۳) نوشتے نہ فقط سید ہے دلوں ہی کی رہبری کرنے میں امداد کرتے ہیں بلکہ ٹیڑھے اور ناراست دلوں کی زیادہ تر۔ کیونکہ بھلے چنگوں کو حکیم ضرورت نہیں مگر بیماروں کو۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص منکر خدا تو نہ تھا مگر بدمست ہو کر کسیکی پرواہ نہ کیا کرتا تھا۔ ہر روز گھر میں ہوائے شور و شر و غوغا و مار پیٹ کی کبھی کمی نہ تھی۔ ایک روز حسن اتفاق سے وہ صبح کے وقت بازار گیا ایک کباڑی کی دوکان پر روی میں پڑی ایک کتاب دیکھی۔ بیکار بیاش کچھ کیا کر کے طور پر اٹھالی اور ورق گردانی شروع کر دی۔ ورق گردانی سے محویت کے درجہ میں پہونچگیا کیونکہ الفاظ اسکے دل پر اثر کرتے چلے گئے۔ تھوڑے سے پیسے دیکر کتاب خریدلی۔ پڑھتا چلا گیا۔ جب کہیں گھر واپس جانیکا خیال گدگدایا تو وہ کتاب دست و چشم سے نہ چھوٹی۔ راہ میں بھی محو مطالعہ کتاب تھا۔ شراب خانے پاس سے گذر گئے۔ یاران پیالہ بھی رفت گذشت ہوگئے۔ انکی صدا سے اثر سے نشہ گھر میں جا براجے تو خلاف عادت خاموشی طاری تھی۔ کسی قسم کا شور و غوغا نہ تھا اہل محلہ کمال حیرت میں تھے۔ چند دنوں کے بعد وہ شخص ایک گرجا کے پاس سے جسکا گھنٹہ ٹن ٹن بج رہا تھا گذرا۔ خیال گذرا کہ کوئی تماشاگاہ ہوگا۔ ذرا دل بہلا لیں۔ بایں خیال دیگر حاضرین کے ہمراہ اندر جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا تو ایک شخص نے کچھ باوازِ بلند پڑھنا شروع کیا اور وہی کچھ پڑھا جو یہ پڑھ چکا تھا اپنے دل میں حیران کہ یہ شخص ضرور میری کتاب چرا لایا ہے۔ جب سب رخصت ہو کر اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو یہ پڑھنے والے کیطرف بھاگا گیا اور کہا کہ مجھے کتاب دکھاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم میری کتاب چرا لائے ہو۔ اس پڑھنے والے نے بڑی متانت اور سنجیدگی سے جواب دیا کہ میں نے تمہاری کتاب میں سے تو نہیں پڑھا۔ میں نے تو خدا کی کتاب میں سے پڑھا ہے۔ بہت حیران ہوا اور بعد عین الیقین رہبری و اصلاح حاصل کر کے نجات کی دانائی کو پالیا کیونکہ

اصلاح بغیر قائلیت و دلی ملامت کے نہیں ہوتی مگر تعلیم و تربیت حقیقی شاگرد کی اصلی علامت ہے۔ پہلے خود سیکھے پھر اوروں کو سکھا دے۔ سیکھنے کے یہ معنے نہیں کہ فقط اسکا علم ہو بلکہ یہ کہ زندگی کا دستور العمل ہو تب ہی وہ رہبر ہو سکتا ہے۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب نوشتوں کو اس طور ہضم کیا ہو کہ وہ دل و جگر و بدن میں مثل خون سرایت کرے اور دورہ لگائے۔ اور ایسا صحیح و سالم خون ہو کہ اگر اسکا خون لیکر کسی مریض کے جسم میں داخل کیا جاوے تو اسکو بھی صحیح و سالم کر دے۔

ثلاثہ نوشتوں کا فعل ہے تیار کرنا۔ ملاحظہ ہو۔

"کہ مرد خدا کامل بنے اور ہر ایک نیک کام کے لئے تیار ہو جائے" (۲ تمطا ۳/۱۷)

مذکورہ بالا آیت میں دو لفظ قابل غور ہیں (۱) کامل (۲) تیار۔ جسطرح جب ہم ایک گھڑی یا کل کے پرزوں کو انکی اصلی جگہ پر رکھکر جوڑ لیتے ہیں تو وہ ٹھیک ٹھاک اور کامل یا مکمل ہو گئی اور چلنے کے لئے تیار۔ یہی حال بعینہ ہمارے بدن کے ساتھ ہے۔ کہ ہر ایک پرزہ درست اپنی اپنی جگہ ٹھیک بیٹھا ہوا ہو۔ دل و دماغ صحیح و سالم۔ قوائے روحانی درست صاف و ستھرے مجلّا و منوّر۔ تو پھر وہ کام کیلئے تیار ہے۔ اور یہ مرد خدا کی صفت کہ ایلیاہ و پولوس کی طرح کامل بنکر ہر ایک نیک کام کے لئے تیار ہو جائے۔ اگر ہم مرد خدا ہیں تو ہم میں اس صفت کا ہونا لازمی ہے۔ اگر بننا چاہتے ہیں تو دلوں میں تیاری پیدا کریں۔ اور یہ خدا کے کلام کے مطالعہ اور اُسکی متابعت سے ہوگا۔ اسی بنا پر حضرت پولوس رسول مقبول فرماتے ہیں۔

"مسیح کے کلام کو اپنے دلوں میں کثرت سے بسنے دو۔" (کلسی ۳/۱۶)

پس نتیجہ یہ نکلا کہ نوشتے (۱) نجات کی دانائی بخش سکتے ہیں۔ (۲) رہبری کرتے ہیں (۳) ہر نیک کام کے لئے تیاری بخشتے ہیں۔

رنج و آزردگی غیر سبب را چہ علاج

اخبار نور افشاں مطبوعہ ۲۰ جولائی کے آٹھویں صفحے پر جناب پروفیسر محمد اسمٰعیل صاحب ایڈیٹر انچیف اخبار ہذا نے ہمارے اُس نوٹ پر جو کہ ہمنے رسالہ مسیحی بابت ماہ جون کے دسویں صفحے پر لکھا تھا بہت کچھ نور افشانی نو خیز گوہر افشانی فرمائی ہے۔ ناظرین کے ضمیر منیر پر واضح ہو کہ ہمنے اس نوٹ کا پچھلا حصہ حضرت ایڈیٹر انچیف مذکور ہی کی دستند عا پر لکھا تھا۔ بڑے شکر کا مقام ہے کہ ہمارے مکرم نے یہ درخواست دوگواہوں کے سامنے کی تھی۔ ورنہ اسپر بھی غلط فہمی ہو جاتی۔ دوسرے حصے میں ہم نے نیک نیتی سے صرف یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ نور افشاں کی انتظامیہ کمیٹی مستوفی ایڈیٹر انچیف کی بجائے ایک ذمہ دار ایڈیٹر انچیف مقرر کرے جو آپکا نعم البدل ہو تاکہ اخبار کی حالت بہتر بنے اور جس غرض کے لئے دو مشنیں اسپر زر کثیر اور رقم خطیر صرف کرتی ہیں وہ بوجہ احسن پوری ہو۔ اسپر خدا جانے کیوں پروفیسر صاحب قبلہ نہایت چیں بجبیں ہوئے ہیں اور ہمپر بغض اور کدورت کا ناحق ناروا اتہام دھرتے ہیں اور زفانونی پہلو کو چھوڑ کر احاطہ تہذیب سے بھی تجاوز کر گئے ہیں جو آنکی ذات شریف سے ہم کو ہرگز امید نہ ہو سکتی تھی اور نہ انکی شان کے شایان معلوم ہوتی ہے ؏

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

ہم ہرگز انکے جواب میں اس زبان کی تقلید کرنا نہیں چاہتے جو انہوں نے بے جا افروختگی کے عالم میں استعمال فرمائی ہے بلکہ نہایت تحمل اور بردباری کو کام میں لاکر سنجیدہ اور قاطع دلائل سے انکے دعوے لاطائل کو رد کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اسبات کی بڑے شد و مد سے تردید و تکذیب کرتے ہیں کہ ہمیں ان کے اسسٹنٹ ایڈیٹر پادری غلام مسیح صاحب کے ساتھ کسی قسم کا بغض و عناد۔ عداوت و کدورت ہے۔ اور نہ ہم کبھی انکے نکالنے کے درپے ہوئے ہیں۔ نہ کبھی پادری صاحب موصوف نے ہمارا کوئی نقصان کیا ہے اگر کوئی نقصان ہوا ہے تو انکے گمان کے مطابق ہمنے انکا نقصان کیا ہے جسکا کما حقہ ذکر ہم اپنے دوسرے نوٹ میں کرینگے تاکہ ناظرین اصلی معاملات اور حقیقی واقعات کا پورا پورا اندازہ لگا سکیں۔

آپ بسم اللہ ہی غلط کر کے سب سے پہلے یہ فرماتے ہیں کہ ہمکو اخبار نور افشاں سے کچھ دلچسپی نہیں۔ اور آجتک ہمسے اور ہمارے احباب و اقارب سے اخبار ہذا کی خریداری اور نامہ نگاری کا گناہ سرزد نہیں ہوا یہ آپکی لاعلمی پر مبنی ہے۔ آپ کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ ہمارا خاندان ہمیشہ اس اخبار کا خریدار رہا ہے۔ بندہ عاجز ایام طالب العلمی میں اپنی پاکٹ منی بچا بچا کر اس اخبار کو چندہ دیتا رہا ہے۔ کیونکہ ایک

اب ہمارے سکولوں کی لائبریری میں آتا ہے اسکے علیحدہ لینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ بلکہ ہم تنگ محل سکول کے لئے ہر نمبر کی نو نو دس دس کاپیاں بغرض مسیحی اُستاد بیچھے ایک کاپی لیتے رہے ہیں مگر اُسکی حالت کو خاطر خواہ نہ پاکر اور اسکے چند در چند نقائص کی وجہ سے اُستاد صاحبان کی توجہ اور دلچسپی اسکی طرف نہ دیکھکر مجبوراً ایک کاپی کی خریداری پر اکتفا کرنی پڑی۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ ہیڈ ماسٹر زبردستی بگوید باقی رہی نامہ نگاری۔ تو بے شک ہمنے آجتک اس اخبار کے لئے کچھ لکھنے کی اسلئے جرات نہ کی۔ کہ جہاں پروفیسر اور پادری صاحب وغیرہ کے صیغے کے اہل قلم جادو رقم ہوں وہاں ہمیں کون گردانتا ہے اور نہ اپنے کاروبار سے ہمیں ایسی فرصت ہے۔ دوسرے خود ہمارا رسالہ مسیحی جاری ہے جسکی پرداخت ہمارا فرض اولین ہے۔ اسپر طرہ یہ کہ اخبار نور افشان کی پالیسی سے ہمیں اصلاً اتفاق نہیں ہمنے کئی بار اسبات کا اظہار آپ کے لائق و فائق اسسٹنٹ ایڈیٹر صاحب سے کیا ہے۔ مگر خطا معاف۔ یہ تو فرمایئے کہ حضور انور جو اسکے ایڈیٹر انچیف ہیں۔ اور جناب کا نام نامی ہمیشہ اخبار کے دہنے گوشے کی زینت ہوتا ہے ذرا سوچکر بتایئے کہ جب سے آپ ایڈیٹر انچیف بنے ہیں آپنے کتنے مضامین اس اخبار کے لئے اپنے قلم سحر رقم سے تحریر فرمائے ہیں۔ جہانتک ہم دیکھتے ہیں یہ پہلا مضمون ہے جو آپکے نام سے شائع ہونیکا فخر رکھتا ہے اور ماشاء اللہ چشم بد دور لکھا بھی تو بقول شاعر خوب لکھا ہے

بجائے مہر اُس بت نے جفا کی
تلافی کی بھی اُس ظالم نے کیا کی

باقی آپ جو فرماتے ہیں کہ ہمیں اسکی بہبودی و خسارت سے چنداں واسطہ نہیں۔ بندہ نواز اگر ہمکو نہیں تو کیا حضور پُر نور کو ہے۔ جناب کو یاد رہے کہ اے۔ پی مشن جسکے ہم ممبر ہی نہیں بلکہ رکن ہیں۔ دو ہزار روپیہ سالانہ اس اخبار کے لئے دیتی ہے۔ اور اتنی ہی رقم یو۔ پی مشن سے آتی ہے۔ اول تو چاہیئے تھا کہ حضور جیسے بے نظیر ایڈیٹر انچیف کے ہوتے ساتے اگر اخبار سلف سپورٹنگ نہ بنتا تو کم از کم عطیۂ مشن ہی میں کچھ تخفیف کرکے دکھاتا۔ موجودہ صورت میں یہ اخبار قوم کا اخبار ہے اور ہم کیا۔ قوم کے ادنے سے اعلٰے ہر ایک ممبر کو پورا حق حاصل ہے کہ جو روپیہ مشن بموجب اپنے مجوزہ قوانین کے بموجب عطا فرماتی ہے اسکے متعلق دریافت کرے کہ اس روپے کا تصرف کیسے ہوتا ہے۔ آپکے کہنے کہلانے آنکھیں دکھلانے سے ہم اپنا حق بیّن و مسلّم ہرگز ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر حضور جیسے نکتہ دان ایڈیٹر انچیف اس اخبار کی بہبودی و خسارت اور اُسکی حالت کو بہتر بنانے میں دلچسپی لیں تو اور کیا چاہیئے۔ "چشم ما روشن دلِ ما شاد" ۔ ورنہ ہم اپنی آواز بلند کئے بغیر نہ رہینگے۔ اور آپ کی جگہ

کسی لائق اور معقول آدمی کو مقرر کرائینگے۔ کیونکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپکے اسسٹنٹ ایڈیٹر صاحب اسکو اکیلا چلانیکی قابلیت نہیں رکھتے۔

سوئم جو آپنے ہمپر کینہ یا عداوت رکھنے کا الزام لگایا۔ اسکا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اتنی بات پھر کہتے ہیں کہ اگر آپکے پاس اس دعوے کا ثبوت ہو تو شوق سے پیش کریں۔ ورنہ امید ہے کہ آپ کی شرافت ضرور اس بات کی مقتضی ہوگی کہ آپ اپنے نامناسب الفاظ کو واپس لیں۔

ہم نے اوپر بیان کیا تھا کہ اخبار نور افشاں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اسلئے ہم اپنا فرض تصوّر کرتے ہیں کہ اپنے دعوے کا ثبوت پیش کریں۔ اول اخبار کے متعلق یہ شکایت ہے کہ بہت مدت تک مضامین ایک ہی مضمون پہ چھپتے رہتے ہیں جس سے دلچسپی کی بجائے ناظرین کو بدمزگی حاصل ہوتی ہے۔ اور اکثر اصحاب ایسے بھی دیکھے جو اکتا کر یہ اخبار کو دور پھینک دیتے ہیں۔ مثلاً تحقیق الاسلام اور اسکے نفس مضمون کے متعلق اسقدر چرچا رہا کہ لوگ پڑھتے پڑھتے تھک گئے یہانتک کہ اس اخبار کے ایک محترم دوست اور حامی جنکی رائے کو مسیحی دنیا میں سب سر ماتھے چڑھاتے ہیں اور اخبار میں اسقدر دلچسپی لیتے ہیں کہ امریکا میں بھی رہکر اسکے مطالعہ کے لئے ضرور وقت نکالتے ہیں۔ بڑی مایوسی کے ساتھ ۱۰ فروری کو اپنے ایک دوست کے نام خط تحریر کرتے ہوئے اس اخبار کی ابتر حالت پر سخت اظہار افسوس کرتے ہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو ہم وہ خط بھی حضور کو ملاحظہ کرا سکتے ہیں۔ کہ سے کم اسے پڑھکر آپ کی آنکھیں ضرور کھل جائینگی۔ دوم اس اخبار میں کوئی معتبر خبر مسیحیان پنجاب کے متعلق نہیں دیجاتی۔ ایک آدھ تراشہ بھی کرجاتی ہے تو نہایت ناکمل اور ادھوری ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سن لیجئے کہ ابھی ہمارے بزرگ پروفیسر رودرا صاحب کی وفات حسرت آیات کے موقعے پر لاہور میں دو جلسے ہوئے جن میں انکی زندگی کے حالات واضح طور پر بتائے گئے۔ بلکہ اخبار ٹریبیون مورخہ ۱۲ جولائی میں پادری سی۔ ایف۔ اینڈروز صاحب نے نہایت مفصل و مکمل حالات اپنے قلم صداقت رقم سے قلمبند کرکے ہدیۂ عوام کئے۔ پر اخبار نور افشاں کے کان پر جوں نہ چلی۔ اگر آپکے اسسٹنٹ ایڈیٹر صاحب تکلیف گوارا فرما کر اسی آرٹیکل کا ترجمہ کر دیتے تو بدرجہا بہتر ہوتا۔ نوٹ بھی لکھا تو کیا لکھا کہ جو دیکھتا ہے لاحول پڑھتا ہے۔ ایسا ناکمل کہ خدا کی پناہ۔ اسی قسم کی سینکڑوں مثالیں ملسکتی ہیں مگر ہمیں زیادہ ہنسدی کی چنندی کرنی نہیں آتی۔ مشتے نمونہ از خروارے اور عاقل را اشارہ کافی ہے۔ ہاں لنڈن کی تاربرقیوں کی خبر کی ظاہرداری دھوم دھام نظر آتی ہے مگر وہ سب چھچوڑی ہوئی ہڈیاں ہیں۔ نئی نئی بیسیوں اخباروں میں چھپ جاتی ہیں باسی ہو جاتی ہیں تو نور افشانی دسترخوان پر جا سجتی ہیں۔

میں ربط بےمطلب خبط محض خانہ پوری کرنے کو چھاپے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایڈیٹران نکتہ سنج انہی کو شکر کرکے

تحقیق الاسلام کی رام کہانی

ہمیں مجبور ہو کر بڑے افسوس کے ساتھ تحقیق الاسلام کے متعلق چند امور
اپنے ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو شاید اب تک
پبلک پر عیاں نہیں ہیں۔ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ غلط فہمی جو اس بات
کے بارے میں پھیلائی گئی ہے دور ہو جائے۔ اور سب کو سچے اور اصلی واقعات کا
پتہ لگ جائے۔ عام طور پر یہ مشہور کیا گیا ہے کہ ایل رلیا رام اور مسیحی جماعت
نے تحقیق الاسلام کو جلوایا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ پورا حال اپنے پیارے ناظرین
کے گوش گزار کر دیں۔ اور آپکے انصاف پر اس معاملے کو چھوڑ دیں۔

سب سے اول ماہ مارچ میں جن دنوں میں کانفرنس کے اجلاس ہو رہے
تھے۔ ہمارے فخر قوم گورنر بہادر کی کونسل میں مسیحیوں کے نمائندے میرے
عزیز دوست مسٹر میاداس صاحب فیروز پور نے شام کو آکر خبر دی اور پادری
غلام مسیح صاحب سے فرمایا کہ کونسل میں آج آپکی کتاب کی نسبت ایک صاحب
نے سوال اُٹھایا ہے۔ اور ڈر ہے کہ کہیں گورنمنٹ اسپر کوئی نوٹس نہ لے۔ اسکے
دو تین روز بعد پھر شام کو وہ تشریف لائے اور کہا۔ میں سر جان مینارڈ صاحب
کی ملاقات کو گیا تھا۔ انکی زبانی معلوم ہوا کہ گورنمنٹ نے پادری صاحب پر
مقدمہ چلانے کا حکم دے دیا ہے۔ مسٹر میاداس نے بہت سفارش کی۔ مگر
صاحب بہادر نے ایک نہ مانی۔ اور کہا اس کتاب سے ہمارا دل جل گیا ہے۔
مسلمانوں کا دل کیوں نہ جلا ہوگا۔ بچارے اپنا سا منہ لے کر چلے آئے۔ یہ
نیک اور شریف مسیحیوں میں سے اپنے بھائیوں کی محبت اور اپنے خداوند کی غیرت
کہاں جائے۔ سیدھے میرے مکان پر قدم رنجہ فرما ہوئے اور مجھے از سر نو
کوشش کرنے کے لئے ابھارا اور فرمایا کہ آؤ دونوں پادری صاحب کو اپنے
ساتھ لیکر افسران بالا دست کی خدمت میں چلتے ہیں اور ان کے لئے ایک دفعہ اور
سر توڑ سینہ پھوڑ کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ اگلے روز ہم تینوں سر جان سے ملنے کو لاٹ صاحب کے
دفتر میں گئے۔ بہت دیر انتظار کرنا پڑا۔

کیونکہ آپ حضور گورنر بہادر کے پاس گئے ہوئے تھے۔ اسکے بعد ہی انہیں دوپہر کا ناشتا کرنے
جانا تھا۔ تھوڑی دیر بعد تشریف لائے اور ہمیں کھڑا دیکھکر مسکرائے اور مجھکو میرے نام سے
پکار کر کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے کہنے لگے مجھے امید ہے کہ آپ اُس شخص غلام مسیح کی
خاطر نہیں آئے ہیں۔ میں نے ہنسکر کہا۔ کہ آیا تو اُنہی کی خاطر ہوں۔ یہ سنکر وہ موٹر میں سوار
ہوکر چلنے لگے۔ جاتے جاتے میں نے کہا۔ کوئی صورت راضی نامے یا صلح صفائی کی بھی ہے؟
بولے ہم تو حکم دے چکے ہیں۔ کچھ کرنا ہے تو آپ ڈپٹی کمشنر لاہور سے ملیں۔ یہ معاملہ اب اُنکے
ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ میں اکیلا سیدھا صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے مکان پر گیا کیونکہ مسٹر
میاداس کو کونسل کے اجلاس میں حاضر ہونا ضرور تھا۔ جب میں در دولت پر پہونچا تو معلوم
ہوا آپ دورے پر ہیں۔ ایک دو روز میں آئینگے تیسرے روز میں پھر گیا اور اپنے ساتھ
چند معزز اور مستند اشخاص کو بھی لیتا گیا۔ مثلاً مسٹر ایف۔ ڈبی واٹ مسٹر آئی۔ سی
انگلز میونسپل کمشنر اور مسٹر محمد اسمٰعیل صاحب۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب نے جو خط گورنمنٹ کی
طرف سے آیا تھا دکھایا جس میں لکھا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اطلاع دیگئی ہے کہ مقدمہ چلائے۔
ساتھ ہی اس میں یہ بھی درج تھا کہ اگر پادری غلام مسیح معافی مانگے اور آئندہ ایسی کتاب
نہ لکھنے کا وعدہ کرے تو ڈپٹی کمشنر کو اختیار ہے کہ اُسے معاف کردیں۔ صاحب ڈپٹی کمشنر
سے میری ملاقات ہوئی میں حفظ ماتقدم کے طور پر پادری صاحب کی طرف سے ایک معافی نامہ
گھر سے لکھوا کر لے گیا تھا جسے مسٹر این۔ ایم ہوز صاحب وکیل نے تحریر اور میرے برادر مسٹر
ایم۔ ایل رلیارام نے تصحیح کیا تھا۔ میں نے دست بستہ معافی نامہ پیش کیا۔ ڈپٹی کمشنر بہادر
بولے۔ مقدمہ ضرور چلیگا۔ آپ اگر چاہیں تو اس معافی نامے کو عدالت میں پیش کرسکتے ہیں۔
میں نے کہا بجا فرمایا مگر اتنی عرض آپ سے اور ہے کہ اگر خدانخواستہ مقدمہ چلایا جائے تو پادری
صاحب کے نام کوئی سمن یا وارنٹ نہ نکالا جائے۔ میں عدالت میں اُنکی حاضری کا ذاتی طور
پر ذمہ وار بنتا ہوں۔ صاحب بہادر نے یہ درخواست منظور کی اور سپرنٹنڈنٹ صاحب کو حکم
دیا کہ صرف رلیارام کو تاریخ مقدمہ کی اطلاع دی جائے۔ اُنکو مہربان دیکھکر پھر عرض کی
کہ حضور اگر معافی منظور فرمالینی ہے۔ تو گورنمنٹ عالیہ کو مقدمہ چلانیکی تکلیف فرمانیکی کیا ضرورت ہے؟
صاحب نے اُسی دم ٹیلیفون کے وسیلے حاکمان بالا سے باتیں کر کے فرمایا۔ بات تو بہت معقول ہے
مگر معافی نامے میں یہ تبدیلی کردو۔ میں نے تین دن کی مہلت مانگی وہ بھی منظور ہوئی۔ اسی

اثنا میں یہ خبر لاہور میں مشہور ہو گئی۔ مسٹر الف۔ نجم الدین صاحب کی تحریک پر نولکھا مشن کمپاؤنڈ میں ایک میٹنگ ہوئی جس میں قوم کے بارسوخ دیسی و انگریزی اصحاب مسٹر محمد اسمٰعیل۔ پروفیسر سراج الدین پادری طالب الدین۔ مسٹر موسیٰ خان۔ این۔ مشیاداس۔ پادری ٹھاکر داس۔ پادری گرس ولڈ۔ اور پادری کلارک وغیرہ صاحبان موجود تھے۔ پادری کلارک صاحب اس جلسے کے چیئرمین مقرر ہوئے۔ اور تحقیق الاسلام اور اُسکے مقدمے کے بارے میں دو گھنٹے تک بحث ہوتی رہی کہ کیا کرنا چاہیئے۔ بعضوں کی رائے تھی کہ معافی نہ مانگی جائے مقدمہ چلنے دو۔ جماعت کو چاہیئے کہ یکدل ہو کر اس کام میں مدد دے لیکن آخر کار کثرت رائے سے یہ قرار پایا کہ حالات اس بات کے مقتضی ہیں کہ فی الحال معافی مانگ لی جائے۔ پھر اُن واقعات کو جنسے مسلمان بھائیوں کی فی الحقیقت دل آزاری ہوتی ہے نکالکر دوبارہ اس کتاب کو چھپوایا جائے۔ رائے لینے سے پیشتر ہم نے تجویز کی کہ سب سے پہلے پادری غلام مسیح صاحب سے پوچھنا چاہیئے کہ انکی کیا مرضی ہے۔ اور وہ کیا محسوس کرتے ہیں کیا انکی ضمیر گواہی دیتی ہے کہ انہیں معافی مانگنی چاہیئے۔ اُنہوں نے فرمایا مقدمہ چلانے کی مجھے توفیق نہیں چنانچہ اس میٹنگ کی رائے پر ہمنے دوسرے دن جاکر کتاب تحقیق الاسلام کے تمام نسخے صاحب ڈپٹی کمشنر کے حوالے کر دیئے اور دستاویز معافی پادری صاحب کو لاکر دے دی۔ غالباً کتابیں جلادی گئیں اور ہم سمجھے کہ معاملے کا خاتمہ بالخیر ہوا۔ پھر بھی ہم اسبات کا اظہار کئے بغیر رہ نہیں سکتے کہ ہمیں پادری صاحب کے جذبات و احساس سے پوری پوری ہمدردی تھی اور ہے۔ اور اگر انکو اس کتاب کے متعلق کوئی مالی نقصان اُٹھانا پڑا ہو۔ تو ہماری رائے میں مسیحی جماعت کو انکی مدد کرنی چاہیئے۔ ہم نے خاص طور پر اس امر کے متعلق تحریک بھی کی جسکے تحریری ثبوت ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہماری یہ تجویز تکمیل کو نہ پہنچی۔ اس تمام کوشش کے صلے میں ہمنے پادری صاحب کا عجیب انداز دیکھا۔ خواہ مخواہ ہم سے بگڑ بیٹھے اور سلام تک کے بھی روادار نہیں رہے۔ ہمنے سوچا زخم تازہ ہے۔ کچھ عرصے کے بعد معاملہ ٹھیک ہو جائیگا۔ مگر انہوں نے ہم پر کئی بار ناجائز حملے کئے۔ مگر ہم اپنے خداوند کے نام کی خاطر سینہ سپر نہ ہوئے۔ اب جناب ایڈیٹر انچیف نور افشاں کی نامناسب تحریر سے مجبور ہو کر ہم نہایت افسوس اور تامل کے ساتھ سچے حالات حوالۂ قلم کرتے ہیں۔ اور اپنے ناظرین سے داد چاہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی کے بُرا کہنے سے کوئی بُرا نہیں ہو سکتا۔ جو کوئی کچھ کہتا ہے وہ اُسکے اپنے دل کا عکس ہوتا ہے ؎

تو بھلا ہے تو بُرا ہو نہیں سکتا اے ذوقؔ ۔۔۔ کیوں بُرا کہنے سے تو اُسکے بُرا مانتا ہے۔

المظہر — کے۔ ایل۔ رلیارام۔

ریویو

موازنۂ انجیل و قرآن

ہمارے پاس ایک کتاب بنام "موازنۂ انجیل و قرآن" تقریظ کے لئے موصول ہوئی ہے
یہ ہمارے دوست خواجہ صاحب کی تصنیف ہے۔ جن اصحاب نے خواجہ صاحب کے مضامین نور افشاں میں دیکھے ہیں وہ ہماری اس بات
کی تصدیق کرینگے کہ وہ اپنے مخصوص و دلربا انداز میں اس ورک کے لکھنے والے ہیں کہ بامید و شاید یہ کتاب اپنے اس منصفانہ اور غیر جانبدارانہ
پیرایہ میں لکھی ہے کہ آپ اپنی نظیر ہے۔ اسلام اور عیسائیت پر یہ ایک فیصلہ کن تصنیف ہے اور اسلامی علم الاخلاق کی مجسم انسائیکلوپیڈیا۔
مقابلہ ایسا لطیف و دلچسپ اپنے صاف و صریح ہے کہ مخالف سے بھی خراج تحسین وصول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہماری نظر میں اس مضمون پر
یہ بہترین کتاب ہے۔ عیسائیوں کے لئے بیش بہا معلومات کا ذخیرہ اور انکے ہاتھ میں تبلیغ کیلئے مفید حربہ ثابت ہوگی۔ بڑی تقطیع کی تقریباً
سوا سو صفحوں کی کتاب ہے۔ جو گویا ایک کوزہ ہے جسمیں دریا بند کر دیا گیا ہے۔ کتابت اور طباعت دلپسند نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر ایک ہزار کی تعداد میں
چھپی تھی اور پانچسو سے زیادہ فروخت بھی ہو چکی ہے یقینا یقین ہے کہ ایڈیشن کے طبع ثانی کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ قیمت ایک روپیہ فی جلد
سیکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور یا اے ڈی میتھیوز۔ ایڈ برن لینڈ د منصور سے طلب فرمائیں۔

ای۔ چارلس بھٹی ایڈیٹر۔

دی پنجاب کرسچن سنٹرل کوآپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور

عرصہ چار سال کا ہوا کہ یہ بنک شہر لاہور میں کھولا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کے دیہاتی مسیحیوں کی مالی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ اس موومنٹ کے ذریعہ سے جو لوگ مسیحی مذہب میں شامل ہوتے ہیں ان کی مالی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ خواہ زراعت پیشہ ہوں یا صنعتی یا حرفتی کاموں میں لگے ہوئے ہوں۔ ان لوگوں کو قرضی روپیہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ مسیحی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے جو بنئے بقال وغیرہ بے تحاشا سود لے کر ان غریبوں کو روپیہ اُدھار پر دے بھی دیتے تھے وہ بھی انکار کر رہے ہیں۔ اگر ہم لوگ ان کی مدد نہ کریں تو یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ اس بنک کے ذریعہ سے شہری مسیحیوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ عمدہ سود کی شرح پر روپیہ امانت پر رکھوائیں۔ نیز بنک کے حصص خرید کر عمدہ ڈیویڈنڈس و منافع کماویں۔ پچھلا ڈیویڈنڈ ۹ فیصدی شرح کے حساب سے دیا گیا تھا۔ پچھلے تین سال کے عرصہ میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ قرض دیا جا چکا ہے جو وقت مقررہ پر واپس آ رہا ہے اور تقریباً بارہ ہزار روپیہ سود امانت پر روپیہ رکھنے والوں کو پہنچ چکا ہے۔ سو یہ بات وہی ہے کہ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔ حصص کی قیمت مبلغ ۵۰ روپیہ ہے جو سہ ماہی انسٹالمنٹ (قسط) میں واجب الادا ہے۔ اس کے علاوہ شرح سود امانتی روپیہ کے واسطے ذیل میں درج ہے۔

تین ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ (زر جمع مستقل) کے واسطے بشرح ۴½ فیصدی سالانہ

۶	"	"	"	۵½	" "
۱۲	"	"	"	۶½	" "

پچھلا بیلنس شیٹ منگوا کر بنک کی مالی حالت کا ملاحظہ فرماویں۔ بنک چلانے کے اخراجات نہایت کم ہیں سوائے ایک پورے وقت کے اکاؤنٹنٹ کے باقی سب عہدیداران بلا اُجرت قومی خدمت کر رہے ہیں۔

المشتہر

بی۔ ایل۔ رلیا رام مینجر و سیکرٹری۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے لاہور

کریکل پریس لاہور کوتوالی قدیم باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور ایڈیٹر مسٹر کے ایل رلیا رام نے شائع کیا

بسرپرستی پنجاب انڈین کرسچین کانفرنس لاہور

S. Kahan Singh.

[illegible] ریلیجس بک سوسائٹی — # چیدہ کتابوں کا اشتہار — کا حوالہ دیکر آرڈر بھیجئے

کتاب انتساب العماد۔ اس میں پادری ڈاکٹر عماد الدین صاحب لاہز ڈی۔ڈی نے اپنے قلم سے اپنے نسب نامہ اور اپنے آباؤ اجداد و دیگر رشتہ داروں کا ذکر کیا ہے۔ پادری صاحب کے خاندانی حالات و شجرہ نسب سے واقفیت حاصل کرنے والوں کے لئے نہایت مفید کتاب ہے۔ صفحہ ۹۶ ۔ ۳ر

ہبوط نسل انسانی۔ پادری مولوی سلطان محمد خان صاحب کا وہ تقریری مباحثہ جو خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری لاہور میں ہوا۔ اور وہ تحریری مباحثہ جو لاہوری احمدیوں کے سردار مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے سے اخبارات میں ہوتا رہا۔ قرآن و احادیث کے رو سے انسان کے موروثی طور پر گنہگار ہونے کا زبردست اور لاجواب ثبوت۔ صفحہ ۵۴ ۔ ۴ر

منار الحق (حصہ اول)۔ محمد نشانیوں اور معجزوں کے ساتھ نہیں بھیجا گیا (حصہ دوم) محمد جبر کے لئے نہیں بھیجا گیا (حصہ سوم) قرآن کی ناسخ و منسوخ آیات (حصہ چہارم) قرآن کی آیتیں کہ توریت و انجیل بدلی نہیں گئیں (حصہ پنجم) نبوت صرف بنی اسرائیل کو دی گئی (حصہ ششم) قرآن کی آیات مسیح کی الوہیت کی تائید میں (حصہ ہفتم) مسیحی دین کی دعوت۔ یہ سات حصے الگ الگ ہیں۔ قیمت فی حصہ ۶ پائی ۔ تمام حصے ایک جگہ مجلد ۔ ۶ر

اسلام میں مسیح۔ از پادری ڈبلیو گولڈ سیک صاحب۔ یعنی مسیح کے حق میں قرآن کی شہادت صفحہ ۴۴ ۔ ار ۶ پائی

آریہ سماج کی خدمت اور انکے مسلمات کی درگت۔ سوامی درشنانند آریہ نے مسیحیت پر ۱۲۱ اعتراض کئے تھے ان کا جواب اس رسالہ میں مسٹر رام لعل صاحب ہیڈ ماسٹر مشن سکول رُڑکی نے نہایت دندان شکن دیا ہے۔ صفحہ ۶۲ ۔ ار

اصول و فروع مصنفہ پادری جوزف ایل۔ پار صاحب یعنی مسیحیوں کے انجیلی عقائد اور فرائض کے اصول جنکو مسیحی دین سے پوری واقفیت حاصل کرنیکی خواہش ہو اس کتاب کو ضرور مطالعہ فرمائیں صفحہ ۱۰۲ ۔ ۸ر مجلد ۱۲ر

مسیح کے ایلچی۔ وعظ تیار کرنے۔ گرجا میں بولنے۔ مناسب آیت اور ورد پڑھنے اور کلیسیا پر نتیجہ خیز اثر پیدا کرنیکے لئے نہایت عمدہ نئی تصنیف ہے۔ واعظوں پاسٹروں اور منادوں کے لئے بالخصوص مفید اور معاون ہے صفحہ ۴۳ ۔ ۵ر

شہادت قرآنی بر کتب ربانی۔ مولفہ سر ولیم میور صاحب سابق لفٹنٹ گورنر آگرہ و اودھ۔ قرآن کی وہ تمام آیتیں جنمیں کسی طرح کا ذکر یہودی اور مسیحی کتب ربانی جیسے کہ وہ محمد صاحب کے زمانہ میں موجود تھیں ایک جگہ درج کی گئی ہیں۔ ایک سرے سے شروع کرکے آخر تک سلسلہ وار پہلے عربی آیات بعد میں اردو ترجمہ بجز تمام مناسب مقامات پر حاشیہ آرائی سے کتاب کی خوبی کو دوبالا کیا گیا ہے صفحہ ۱۱۸ اصل ۸ر رعایتی ۴ر

تفسیر کتاب رسولوں کے اعمال۔ مؤلفہ پادری ٹی۔ او اکر صاحب ایم۔اے۔ رسولوں کے اعمال کی یہ نئی تفسیر تفسیر کلیسیائے ہند کے سلسلہ میں شائع ہوئی ہے۔ جو پہلی تمام تفسیروں پر سبقت لیگئی ہے صفحہ ۲۶۰ قیمت دو روپیہ۔

میزان الدین یا دھرم تلا۔ ہند دھرم کی تردید میں یہ وہ زبردست اور شہرۂ آفاق و مقبول عام رسالہ ہے جو گیارھویں بار چھپکر فروخت ہو رہا ہے۔ صفحہ ۸۴ ۔ ۶ پائی۔

فہرست مضامین

کل خط و کتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام مسٹر کے ایل رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن ہائی سکول ہونی چاہیے۔

باقی خط و کتابت و ترسیل زر چندہ و عطیہ بنام مسٹر ڈی۔ خان۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی "مینیجر مسیحی" رنگ محل ہائی سکول لاہور آنی چاہئیں۔

مکہ سے خیبر کی خبر؟

ہم واعظ صاحب کا نوٹ اور اسکے بعد ایک خیرخواہ قوم کا مضمون جو کہ ہردو صاحبان
نے مسٹر نجم الدین صاحب کے اُس مضمون کے جواب میں لکھے ہیں جو باعنوان
"مکہ سے خیبر کی خبر؟" اور پچھلے ماہ اگست اور ستمبر میں رسالہ مسیحی میں شائع کیا گیا
تھا اسکے نمبر میں چھاپ کر اس بحث کو بند کرتے ہیں۔ ہم افسوس کرتے ہیں کہ وہ
مضمون ہمارے اخبار میں اس پیرایہ میں چھاپا گیا۔ اگرچہ مسٹر نجم الدین کا پورا
حق تھا کہ مسٹر واعظ کی نقطہ چینی کا جواب دیتے۔ اور ہم اسکو خوشی سے
چھاپتے مگر جو ذاتی حملے انہوں نے مسٹر واعظ صاحب پر کئے ہیں ان کو
ہم گوارا نہیں کرسکتے مسٹر واعظ ایک ہمارے پرانے بزرگوں میں سے ہیں
اور جو خدمت انہوں نے مسیح کی پچاس سال تک کی ہے اظہر من الشمس ہے
آپ ہر طرح سے توقیر اور عزت کے لائق ہیں۔ یہ مضمون ہماری لاعلمی میں چھاپا گیا
اول تو مسٹر نجم الدین صاحب کو چاہیئے تھا کہ بموجب قواعد رسالہ مسیحی مضمون
ہمارے پاس بھیجتے نہ کہ ہمارے مینجر کے پاس جن کو ہم نے ماہ جولائی
کی مصروفیت کے باعث اخبار کی ترتیب و تالیف کا کام سپرد کر دیا تھا۔ ان کے
سادہ پن اور شرافت طبع سے فائدہ اُٹھا کر یہ مضمون چھپوا دیا گیا۔ مگر چونکہ ذمہ واری
ہماری ہے اسلئے ہم اپنے بزرگ پادری واعظ صاحب سے معافی کے
خواستگار ہیں۔ اسکے ساتھ ہی ہم امید کرتے ہیں کہ طرفین اپنے دلوں سے
غصہ و کدورت وغیرہ دور کرکے جائز نکتہ چینی کی طرف رجوع
کرینگے اور فائدہ اُٹھائینگے۔

(ایڈیٹر انچیف)

مکہ سے خیر کی خبر؟

عنوان مذکورہ کے تحت این۔ایم۔ایس لاہور کے سکرٹری بابو نجم الدین نے اگست دسمبر کے پرچہ مسیحی میں ایک آرٹیکل تحریر کیا ہے۔ جو میرے اُس نوٹ کے جواب میں ہے جس میں بجنے این۔ایم۔ایس کے کام پر اعتراض کیا تھا۔ اعتراض تو نہ تھا نیک صلاح تھی جسکو انہوں نے منظور نہ کرکے جواب تحریر فرمادیا۔ ممکن ہے کہ ہمارے بعض ناظرین عنوان کی حقیقت کو نہ سمجھے ہوں۔ کیونکہ بعض فقرات ضرب المثل ہوجاتے ہیں۔ انکو اہل زبان ہی سمجھتے ہیں۔ یہ بھی ایک ضرب المثل ہے۔ جسکا شان نزول یوں بیان کیا جاتا ہے۔

آوردہ اند۔ یعنے کہتے ہیں کہ ماہ صیام میں کوئی مولوی صاحب مسجد میں وعظ کررہے تھے۔ مسجد سامعین سے بھری تھی۔ اتفاق سے ایک میرزادہ یعنے مراسی اُدہر سے گذرا مولوی صاحب کو چلاتے سنکر پوچھنے لگا کہ آج مسجد میں کیا ہے جو ملا اسقدر گلا پھاڑ رہا ہے۔ کسی نے جواب دیا کہ مکہ شریف سے خبر آئی ہے کہ نمازیں پڑہو۔ روزے رکھو۔ سنتے ہی میرزادہ کہنے لگا کہ

"مکہ سے بھی خیر کی خبر کبھی نہ آئی"۔

کیونکہ مراسی تو نماز روزہ سے مستغنی ہوتے ہیں۔ اُنکے واسطے تو خیر کی خبر تب ہی ہوتی ہے کہ نماز روزے بند۔ بابو نجم الدین نے اپنے حسب حال عنوان قائم کرلیا۔ خوب کیا۔ مَیں تو آپ کی جولانیٔ طبع کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ آپ کے دماغ کا یہ الہام نہیں۔ یہ کسی اَور ہی دماغ کی سُر ہے مگر چونکہ مضمون آپ کے نام سے شائع ہوا ہے لہذا آپ ہی تعریف کے مستحق ہیں۔ آپ نے عنوان اور مضمون سے ثابت کردیا ہے کہ آپ کو روزہ نماز یعنے اصلاح سوسائٹی منظور نہیں۔ آپ اپنی من مانی موج کرنا چاہتے ہیں۔ سو کیا کریں۔ کسیکا حق نہیں کہ نکتہ چینی کرے۔ میں نے تو یہ سمجھا ہُوا تھا کہ نیشنل مشنری سوسائٹی کل کلیسیا کی سوسائٹی ہے۔ مگر آپنے جو میری نکتہ چینی کا جواب دیا ہے

اور اُس میں شخصی حملے کئے ہیں اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ نیشنل نہیں۔ مگر نجم الدین مشنری سوسائٹی ہے جیسا کہ عام طور پر لاہور میں مشہور ہے۔ اس صورت میں میں تو کیا کسیکا بھی حق نہیں کہ کسی خانگی سوسائٹی پر نکتہ چینی کرے اسلئے آپ کے مضمون کا جواب دینا مجھ پر فرض نہیں۔ البتہ ایک بات کا آپ سے جواب طلب کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ اور جواب دینا آپکا اخلاقی فرض ہے۔ آپ نے مجھ پر ایک نہایت ہی کمینہ اور جھوٹا حملہ کیا ہے۔ ضرور ہے کہ آپ یا تو اس کو ثابت کریں یا اپنی غلطی کا اقرار کریں۔ کیونکہ اگر یہ آپ ثابت نہ کریں تو کلیسیا کو معلوم ہوگا کہ ایسے بہتان باندھنے والا جوان کسی مشنری سوسائٹی کا سکرٹری کیونکر ہو سکتا ہے۔ وہ بہتان آپ کے ہی الفاظ میں یہ ہے۔

"ایک موقعہ پر برفستان میں نہیں بلکہ ریگستان میں یعنے علاقہ بار میں گرمی اور پیدل چلنے کے خوف سے گھبرا کر غالباً ۲۴ گھنٹہ کے اندر ہی اندر میدان بشارت مشنری کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے"۔ ۔ ۔ الخ۔ میں نے ہزار سر مارا اپنی لائف کھنگال ماری مگر کوئی ایسا واقعہ نہیں ملا۔ اسواسطے میں کہتا ہوں کہ مجھے بدنام کرنیکے واسطے یہ بہتان ہے۔ بُری نیت سے یہ کیا گیا ہے بالفرض اگر ہو وے بھی۔ تو اس سے کہاں ثابت ہوا کہ مشنری سوسائٹی کے کارندوں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ اچھا منطق نکالا ہے۔ یا تو مہربانی سے اسکو ثابت کریں یا اپنے قصور کا اقرار کریں۔ میں معاف کردوں گا یہ سمجھکر کہ "از خورداں خطا و از بزرگاں عطا"

راقم

آپکا قبلہ و کعبہ۔ واعظ

کارکنانِ۔ این۔ ایم ۔ ایس کی سحر طرازیاں

رسالہ مسیحی کے مضامین "بشارت انجیل" اور "مکہ سے خیر کی خبر" پر ایک چھپلتی ہوئی نظر

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا — دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام؟ — کہ با دوستانت خلاف است جنگ

رسالہ مسیحی کے ماہ اگست و ستمبر نمبر میں جو یکجا شائع ہوا ہے نیشنل مشنری سوسائٹی کے پراونشل سیکرٹری صاحب نے "مکہ سے خیر کی خبر؟" کے عنوان کے تحت میں بزرگِ قوم جناب واعظ کے ایک مختصر نوٹ "بشارتِ انجیل" کے خلاف ایک طویل اور مبسوط مقالہ سپردِ قلم فرمایا ہے۔ اور جنابِ واعظ کو ہدف بنا کر اپنے طعن و تشنیع کے ترکش سے ایسے بلا مان تہذیب سوز تیر چلائے ہیں کہ الہی توبہ۔ مضمون کو دیکھکر بے اختیارانہ یہ داد دینے کو جی چاہتا ہے کہ ؎

تیر پہ تیر چلاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے؟
سینہ کس کا ہے میری جان جگر کس کا ہے؟

مضمون مذکور اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔ اُس کی نا ملائم روش اور بے باکانہ طرزِ تحریر نے ہمیں پھر بشارتِ انجیل کے مضمون کو مطالعہ کرنیکے لئے مجبور کیا۔ کیونکہ سیکرٹری صاحب کے مضمون کو دیکھنے کے بعد قدرتی طور پر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اس تحریر کو بھی دیکھنا چاہئے جس کی تردید کے لئے سیکرٹری صاحب کو چوٹی سے لے کر ایڑی تک کا زور لگا کر ذاتیات پر حملہ کرنا پڑا۔ اور اس قدر کاوش و محنت سے اپنا دامن پاک کرنا چاہا۔ پس ذیل کی سطور کو

ان ہر دو مضامین زیر بحث پر ایک تبصرہ یا محاکمہ سمجھنا چاہیئے۔

سب سے پہلے ہم تو اسے جنابِ واعظ کی کرامت خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے
چپ کے دیوتا کو بھی گویائی کی طاقت بخش دی۔ ورنہ ہم تو آجتک یہی سمجھے ہوئے
تھے کہ جناب سکرٹری صاحب بخلافِ معشوقِ غالب: ۔"دہن رکھتے ہیں زباں
نہیں رکھتے"۔ شکر ہے کہ جنابِ ممدوح نے کچھ تو ارشاد فرمایا۔ اور مسیحی پبلک
کی معروضات صدا بصحرا ثابت نہ ہوئے۔ خواہ یہ جواب اب "جوابِ تلخ"
ہی کیوں نہ ہو۔ بہر کیف ع

جوابِ تلخ مے زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

مضمون "مکہ سے خیر کی خبر" از سر تا پا ذاتی حملوں سے مملو ہے۔ اور ہم حیران ہیں
کہ صاحبِ تحریر کی مسیحی طینت مضمون کو سپردِ قلم کرتے وقت کیوں صامت
وساکت ہوگئی۔ مضمون مذکور کا عنوان ہی بفحوائے ؎

آشفتگیٔ خاطرم از بشرہ ہویداست
تحریرِ پراگندہ زِ عنوان گلہ دارد

مضمون نگار صاحب کی "آشفتگیٔ خاطر" اور "روشنیٔ طبع" کو ظاہر کر رہا ہے۔
پہلے تو ہمیں خیال ہوا کہ جس طرح عنوانِ مضمون میں "خیر" اور "خبر" سے صنعتِ
تجنیسِ خطی کے جوہر آشکارا ہیں اسی طرح سارا مضمون صنائع و بدائع نگاری کا
ایک محیر العقول مجموعہ ہوگا۔ مگر ع

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

افسوس کہ صاحبِ مضمون نے بغض انگیز اور گستاخانہ اندازِ تحریر کو طرۂ
امتیاز بنا کر سارے مضمون کو ذاتی حملوں سے زینت دینا چاہی ہے۔ اور
ایک غیر متعین شخص کے لئے بہت کچھ سامانِ دلبستگی فراہم کرنے کی کوشش
کی ہے۔ عجب نہیں کہ تہذیب سے عاری اور تلمیس سے مملو طبائع اُس
مضمون کو حرزِ جاں بنائیں اور پکار اُٹھیں کہ ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا اینجاست

مطالعہ مضمون کے بعد کون شخص یہ رائے قائم کرسکتا ہے کہ یہ تحریر مسیحی خدمت کے دلدادگان کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ یا خداوند کے لئے کام کرنے والوں کی سرگذشت اور اُن کی کارگذاری کی روئداد ہے۔ ہر دو مضامین پر محققانہ نظر ڈالنے کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے کہ جناب واعظ کا نوٹ مخلصانہ اور خیر اندیشانہ نصیحت پر مبنی ہے اور اُسے بجا طور پر پندِ پیردانا کہا جا سکتا ہے۔ بخلاف اسکے نزدیک مضمون جوانانِ "سعادتمند" کے پُرغرور تعصبانہ جوش کی ایک ہنگامہ خیز نمائش ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ جناب واعظ نے دلسوزی سے نوجوان اور نوخیز کارکنان این۔ ایم۔ ایس کو اُنکی سہل انگاری اور تن آسانی پر مشفقانہ فہمائش کی۔ مگر اسے زمانہ کی بے راہ روی اور مادر پدر آزادی کہنا چاہئے کہ بزرگوں کی نصیحت پر تو ہم لوگوں کو کاربند اور عمل پیرا ہونے کی توفیق نہیں ملتی۔ ہاں اُن کی باتوں کو ٹھکرا دینے کی جرات از خود ہمارے نفس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اسی بے باکانہ روش کو ہم آزاد خیالی اور خودداری پر محمول کرتے ہوئے بڑوں کے مقابلہ پر اُٹھنا اپنی لیاقت اور ہمہ دانی کی دلیل سمجھتے ہیں۔ یہ فطرت دورِ حاضرہ نے ہر نوجوان کے دل میں ودیعت کردی ہوئی ہے۔ اور ہمارے پراونشل سکرٹری صاحب بھی اس سے غالباً مستثنےٰ نہیں ہیں کیونکہ اُنہوں نے اپنے مضمون میں گستاخانہ اور معاندانہ روش کو شروع سے لیکر آخر تک بہت وفاداری سے نباہا ہے۔

مسیحی پبلک کے وہ خیالات جن کو واعظ صاحب سپردِ قلم فرما کر موردِ طعن وتشنیع بن گئے یا جنکے مطالعہ سے سیکرٹری صاحب موصوف الصدر آتش زیر پا ہوگئے وہ صرف دو ہیں:-

(۱) چونکہ بیت اللحم میں زمانہ حاضرہ کی تن آسانیاں میسر نہیں ہیں اس لئے این۔ ایم۔ ایس کے کارکن وہاں جاکر مسیحی خدمت کے لئے تیار نہیں۔

(۲) ممبرانِ این۔ ایم۔ ایس کی ناتجربہ کاری کے باعث کام کا بہت نقصان ہو چکا ہے۔

انصاف کی نظر سے اگر دیکھا جاوے تو ان باتوں کے برملا کہنے سے جناب واعظ نے

مسیحی

کسی ایک کارکن پر ذاتی حملہ یا اعتراض نہیں کیا لیکن یہ کسقدر تأسف کا مقام ہے کہ اصل اعتراضات کا شافی جواب تو نہیں دیا جاتا۔ مگر معترض پر ذاتی حملوں سے اپنا دامن پاک کرنے کی لاطائل کوشش کی جاتی ہے۔

یہ کیا اندھیر ہے اے دشمنِ اہلِ وفا تجھ سے
ہوس نے کامِ جاں پایا محبت شرمسار آئی

اگر صاحب مضمون کو مسیحی طینت اور بردباری بالائے طاق ہی رکھنا تھی تو لازماً اُن کو چاہئیے تھا کہ یہ ثابت کرتے کہ کارکنانِ این۔ایم۔ایس عیش پسند نہیں جفاکش ہیں۔ تجربہ میں اگر افلاطون کے ہم پلہ نہیں تو کم بھی نہیں ہیں۔ مگر بخلاف اسکے صاحبِ تحریر نے بمصداق کل شیٔ یرجع الی اصلہ ایک ایسے بزرگ قوم کے منہ آنے کی مذموم حرکت کی ہے جس کی شاگردی میں زانوئے ادب تہ کرنا بڑے فضلا و علما اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ اگر جناب واعظ کوئی تلخ بات بھی کہہ گذرتے تو بھی نوجوان کارکنان کو اپنی سعادتمندی سے اُسے قبول کرنا چاہئیے تھا۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادتمند پندِ پیرِ دانا را

جناب سیکرٹری نے اپنے زیر بحث مضمون میں یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ تمام مسیحی پبلک اُن کے کام اور حسن انتظام کی تعریف میں رطب اللسان اور ہم آہنگ ہو کر مدحیہ قصائد کہے اور خلافِ واقعہ یہ اعلان کرے کہ کارکنانِ این۔ایم۔ایس اپنے سینوں میں ایک تڑپتا ہوا دل رکھتے ہیں۔ خداوند کے کام کی خاطر اپنی جان پیشکش کرتے ہیں اور مشنری تجربہ میں ولیم کیری کو سبق دیتے ہیں۔ ایسے پُرستائش کلمات سے این۔ایم۔ایس کا نقصان نہیں ہوتا ہاں اگر کوئی بزرگ ناصحانہ طور پر اظہار رائے کرے تو پھر ان کی شانِ کج کلاہی میں فرق آ جاتا ہے۔ یہ طریقہ مدح و ستائش صحیح سہی۔ لیکن جناب سکرٹری صاحب نے کبھی یہ بھی غور فرمایا کہ ؎

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجکو خلقِ خدا غائبانہ کیا؟

جناب واعظ کے خلاف آپ نے اپنے سارے علم کے خزانہ کو خالی کر دیئے ہیں قارون کی گور پر تولات ماردی لیکن کیا اِن سحر طرازیوں سے یا اِن لفظی ہنگامہ آرائیوں سے باطل سربلند ہو سکتا ہے؟ ؎

حق کو سدا پسند ہیں مردانِ حق پسند
ممکن نہیں کہ رایتِ باطل ہو سربلند

سیکرٹری صاحب موصوف جس بات پر زیادہ لعل در آتش ہوئے ہیں وہ واعظ صاحب کا حسب ذیل جملہ ہے جسے خود سیکرٹری صاحب اسطرح ارقام فرماتے ہیں:۔ "واعظ صاحب طنزاً فرماتے ہیں کہ بیت اللحم ایک مصیبت کی جگہ ہے . . . . وہاں نہ ڈاک خانہ ہے نہ برف خانہ" اور اصلیت یہ ہے کہ طنز کا لفظ استعمال کر کے آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ واقعی واعظ صاحب کا اعتراض نہایت اہم ہے۔ آپ پر اگر آج یہ الزام ہے کہ آپ کام کرنے کے نااہل ہیں یا سہل انگاری اور عیش پرستی کے باعث کام کرنا نہیں چاہتے تو اس کا جواب یہ تو نہ ہونا چاہیئے کہ معترض خود عیش پسند اور کاہل ہے۔ واعظ صاحب کے خلاف سارے مضمون میں آپکا یہی رویہ رہا ہے اور ذاتیات پر حملہ کرنیکا سلسلہ اُسوقت تک نہیں ٹوٹا جب تک کہ آپ کے لفظی سرمایہ اور مبلغ علم کا گنجینہ ختم نہیں ہوا۔ جناب واعظ کی بردبار طبیعت تو یقیناً اِس دور از متانت تحریر کو دیکھکر زبانِ حال سے یہ کہہ رہی ہو گی کہ ؎

ہاں تاثیلِ دمِ ناوک فگنی خوب نہیں۔
میری چھاتی تیرے تیروں سے چھنی خوب نہیں

لیکن ایک انصاف پسند اور مہذب طبیعت ایسے معاندانہ رویہ کو جو سراسر اخلاق سوز اور درد کش سفاہت ہے قابل نفرین تصور کرتی ہے نیشنل مشنری سوسائٹی کسی خاص خاندان یا شخص کی ذاتی ملکیت نہیں یہ قوم کی مشترک سوسائٹی ہے اور اس لئے قوم کے ہر فرد بشر کو حق پہنچتا ہے کہ وہ انجمن کی بہبودی اور ترقی کے لئے تجاویز سوچے۔ اُن کارکنوں کو جن کا دعویٰ ہے کہ وہ مسیحی خدمت کے لئے آگے بڑھے ہیں۔ اور پُر خلوص اور فدا کارانہ جوش

کام کرنا چاہتے ہیں بلا شبہ لازم ہے کہ جگرداری اور تحمل سے کام لیں۔ ہر معترض کے اعتراض کو سر پائے استحقار سے نہ ٹھکرائیں بلکہ دیکھیں کہ کیا کہا جا رہا ہے۔ اور یہ نہ دیکھیں کہ کہنے والا کون ہے۔ ؎

عاقل است آنکہ گیرد اندر گوش
گر نوشت است پند بر دیوار

آخر یہ سارا نشر نکتہ چینی کا ہی تو ہے کہ کار پرداز ان این۔ ایم۔ ایس ایک نئے کارندے پادری سمسون خان صاحب کو بیت اللحم میں پھنسانے میں کامیاب ہو گئے۔ کیا ان اعتراضات ونکتہ چینیوں سے پہلے محترم کارکنان کو یہ ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی کہ بیت اللحم میں باقاعدہ مناد یا پادری کا تقرر ہونا چاہیئے مگر

آنچہ دانا کند۔ کند ناداں
لیک بعد از خرابیٔ بسیار

جناب واعظ کو غالباً یہ صحیح اطلاع نہ ملی ہو گی کہ این۔ ایم۔ ایس نے اپنے جلسہ میں یہ کوشش کی کہ بیت اللحم کی بجائے اکاڑہ ہیڈ کوارٹر بنایا جائے بلکہ جیسا کہ جناب سیکرٹری نے فرمایا ہے۔ بیت اللحم کو تبدیل کرنے کا خیال نہیں بلکہ منٹگمری کی بجائے اکاڑہ ہیڈ کوارٹر بنائے جانے کی تجویز درپیش تھی۔ غالباً اس نزدیک کے ہیڈ کوارٹر سے ایک یہ فائدہ ہو گا کہ برف اور ریل کے شائق جو بیت اللحم میں رہنا مصیبت کبریٰ خیال کرتے ہیں وہ اکاڑہ میں اقامت پذیر ہو سکیں گے۔ اور اگر بیت اللحم کے لئے کوئی دل گردے والا آدمی مہیا نہ ہو سکا تو اکاڑہ ہی سے گاہے گاہے مشنری معائنہ ہو سکے گا۔ یہ تجویز تو پالیٹکس کے عین مطابق ہے۔ لیکن ان مصلحان قوم سے کوئی یہ بھی پوچھے کہ منٹگمری صدر مقام ضلع کو کیوں چھوڑ کر اکاڑہ کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ سچ ہے ؎

ہوتے آفت کے ہیں یہ پرکالے
تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے

تاڑنے والوں کی قیامت کی نظر دور سے یہ دیکھ رہی ہے کہ یہ ساری چالیں بیت اللحم سے رہائی کے لئے تجویز ہو رہی ہیں۔ اسی ضمن میں ہم بھی ایک تجویز پیش کر دیتے

ہیں۔ "گر قبول افتد زہے عز و شرف"۔ وہ یہ ہے کہ اکاڑہ یا کسی ریل کے اسٹیشن کے پاس ۴۰ مربعہ اراضی ملکیتِ سرکار تلاش کر کے بیت اللحم کی اراضی کا تبادلہ سرکار سے منظور کرا لیں۔ اس طریقہ سے رہائی یقینی ہے اور سب مرادیں بھی پوری ہو جائیں گی۔

اپنے مضمون میں جناب واعظ نے ایک جگہ ضمناً اپنا ایک ذاتی واقعہ ارقام فرمایا جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ خدمتِ مسیح کے لئے انسان کو جان تک لڑا دینی پڑتی ہے کیونکہ ؎

دررہِ منزلِ لیلےٰ کہ خطرہاست بجاں
شرطِ اوّل قدم آن است کہ مجنوں باشی

اور انہوں نے نہایت صاف گوئی اور دیانتداری سے یہ اقرار کیا کہ اس تبلیغ کی کٹھن منزل میں ایک بار وہ بھی ہمت ہار کر رہ گئے تھے۔ سیکرٹری صاحب کا اخلاق ملاحظہ ہو کہ آپ نے اُسی واقعہ کو لیکر خذ ما صفا و دع ما کدر کی مثال پیش کر دی۔ اور جناب واعظ کی مذمت کرنی شروع کر دی۔ واعظ صاحب کو تو آبلہ پائی نصیب ہوئی اور پھر کہیں جا کر دم مارا۔ لیکن خدا کے لئے آپ اپنے گریبان میں مُنہ ڈالکر تو سوچیں کہ کبھی آپ نے بھی ایسا قدم دینِ مسیح کے لئے اُٹھایا۔ جس کا انجام آبلہ پائی ہُوا ہو ؎

سودا قمارِ عشق میں خسرو سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس مُنہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشقباز
اے روسیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

جناب واعظ نے ایک اور چبھتی ہوئی بات کہی تھی کہ "این۔ ایم۔ ایس نے کچھ کام نہ کیا اور ایک گاؤں کو جس میں اُس نے ہزاروں روپے بے سوچے سمجھے خرچ کر دئے سنبھال نہ سکے"۔ اس کی تردید کی جرأت جناب سیکرٹری کو نہیں ہو سکی۔ آخر کہاں تک حق کو چھپایا جاتا۔

ان سب باتوں کے باوجود اگر جناب سیکرٹری صاحب ممدوح کا یہی منشا ہے کہ این۔ ایم۔ ایس کے کام پر کوئی نکتہ چینی نہ ہو۔ یا کوئی شخص مخلصانہ مشورہ نہ پیش کرے تو آپ صاف فرما دیں۔ مگر ہم یہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ

مسیحی پبلک این۔ایم۔ایس اور اُس کے کام کو قوم کا مشترکہ کام جانتے ہوئے ہر قسم کے حسن و قبح پر اظہارِ رائے کا حق رکھتی ہے۔ اگر آپ کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے تو کارکنانِ انجمن استعفے داخل کر دیں اور علیحدہ ہو جاویں۔ این۔ایم۔ایس کے واحد اجارہ دار کوئی آپ ہی تو نہیں رہ گئے۔ خدا کو اگر اپنا کام چلانا منظور رہو گا تو وہ آپ کی جگہ آپ سے بہتر کارکن مہیا کر دیگا کارکنانِ این۔ایم۔ایس اگر اسی طرح بدلگامی اور بے راہ روی سے مسیحی پبلک کی مستند رائے کی تردید کرتے رہے تو ہمیں مسیح کے نام اور کام کی خاطر قوم سے یہ اپیل کرنا ہوگی کہ ایسے خود مختارانہ اور مغرورانہ طریقہ کا جلد از جلد خاتمہ ہو جائے کیونکہ ان اعمال کے ہوتے ہوئے نیک انجام کی امید رکھنا ناممکن ہے۔

نتیجہ کیونکر اچھا ہو نہ ہو جبتک عمل اچھا۔
نہیں بویا ہے تخم اچھا تو کب پاؤ گے پھل اچھا

یہ سطور محض نیک نیتی سے حوالۂ قلم کی گئی ہیں اور کسی کی دل آزاری مقصود نہیں۔ ہاں یہ دیکھکر دل کڑھتا ہے کہ ہمارے نوجوان اپنے بڑوں کا ادب کرنا اپنے لئے باعثِ ننگ و عار خیال کر رہے ہیں۔ اور جس قوم کے افراد اور رہبر نوجوان افراد کا یہ حال ہو۔ اُس کے پنپنے کی امید رکھنا خامکاری کی دلیل ہے۔ ہمیں دنیا کے سامنے مسیحی اخلاق کا نمونہ پیش کرنا ہے پاکیزگی صدق اور دیانتداری کی مثال قائم کرنا ہے۔ پھر کس قدر اندھیر ہے کہ ہمارے ذمہ دار افراد اپنے غیر مؤدب اور بدتہذیب ہونے کی نظیر قائم کر رہے ہیں اس امتحان گاہِ ہستی میں جب تک ہمارا عمل صحیح نہ ہوگا۔ کوئی کام صحیح نہیں ہو سکتا ہے

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

ایک خیر خواہِ قوم

٭٭٭

تنقید بر "نکتہ سے خبر کی خبر"

اے میرے بیٹے اپنے باپ کی تربیت کا شنوا ہو اور اپنی ماں کی تاکید کو مت ترک کر کہ یہ تیرے سر کے لئے رونق کا تاج اور تیری گردن کے لئے طوق ہیں۔ (امثال ۱ : ۹)

رسالہ مسیحی مطبوعہ ماہ اگست و ستمبر سنہ ۱۹۲۵ء میں ایک مضمون بعنوان "نکتہ سے خبر کی خبر" از قلم جناب مسٹر ڈی پڑیڈ بخم الدین نظر سے گذرا۔ واقعی جناب نے واعظ صاحب کی نکتہ چینی کا جواب دینے میں کمال جلدی کی ہے اندیشہ غالباً یہ تھا کہ کہیں واعظ صاحب کی تحریر کا اثر سوسائٹی کے چندہ میں رخنہ نہ ڈالے کیونکہ آجکل سوسائٹی کا خرچ بھی ڈبل ہے نیشنل مشنری سوسائٹی کوئی خاندانی انجمن تو ہے نہیں کہ اسکے متعلق رائے زنی کرنا مداخلت بیجا ہے اور نہ ہی آبائی جائداد اور وراثت کہ نکتہ چینی ہتک عزت سمجھی جائے۔ البتہ اگر پنجاب برانچ نے یہ حق خرید لیا ہے تو اسکا اعلان کر دینا واجب تھا کہ کسی کو بولنے کی گنجائیش نہ رہتی۔ مان لیا کہ نیشنل مشنری سوسائٹی اچھا کام کر رہی ہے اور اس کے کارندے دیانتداری سے خداوند کی خدمت کرتے ہیں اور غیر اقوام کو مسیح کے پاس لانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں اور بفضل خدا آئندہ بھی اسی طرح کرتے رہینگے۔ مگر یہ خیال کر لینا کہ سوسائٹی کا کام اور کارندے ایسے کامل ہیں کہ نہ تو انکو کسی مشورے کی ضرورت ہے اور نہ کسی نکتہ چینی کی حاجت سخت غلطی ہے۔ کوئی ہندوستانی مسیحی جس میں تھوڑا سا بھی قومی اور ملکی احساس ہو اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کو نقصان پہونچانے کی خواہش کر سکتا ہے چہ جائیکہ مسٹر واعظ جنکی دلی خواہش اور عملی کوشش ہے کہ ہندوستان کے مسیحی آزاد۔ خود انکار اور یسوع ناصری کے قولاً و فعلاً پیرو کار ہوں۔ بلکہ ہمیشہ علانیہ اظہار کیا کرتے ہیں کہ مسیح کے قدموں میں ہندوستان تب ہی آئیگا جبکہ ہندوستانی نوجوان اپنی زندگیاں اس خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ وہ ایک حق پسند صاف گو اور تجربہ کار خادم الدین ہیں۔ اسلئے ایسے بزرگ اور خالی از مکر شخص کی محض نکتہ چینی کو ناچیز اور تباہ کن خیال کرنا اور اس کا ایسے ناشائستہ الفاظ میں

جواب دینا واجب نہ تھا۔ ایک مشنری سوسائٹی کے اعلیٰ عہدہ دار کی ایسی طبیعت کا اظہار نہ صرف خلاف امید ہے بلکہ ممکن ہے کہ سوسائٹی کیلئے نقصان دہ ثابت ہو۔

امید ہے کہ آپ اپنے الفاظ واپس لیکر اور بزرگ واعظ صاحب کی خدمت میں معذرت پیش کر کے اپنی نیک طبیعت اور مسیحی خصلت کا ثبوت دینگے تاکہ خداوند کی خدمت میں بزرگوں کی برکت اور خدا کا فضل آپ کے شاملِ حال رہے۔ زیادہ سلام۔

آپ کا خادم۔ ای۔ چارلس۔ از گوجرانوالہ

وادئ نیل میں اشاعتِ انجیل

قدیم یہودی تواریخ میں ملک مصر نے جو نمایاں حصہ لیا وہ کتاب مقدس کے پڑھنے والوں سے مخفی نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کا چار سو تیس سال تک مصر میں رہنا اور خدا کا اپنے قوی بازو سے اُنکو اس ملک سے نکالکر کنعان میں لے جانا ایسے حالات ہیں جنھوں نے یہودی خیالات اور زندگی پر بڑا گہرا اثر کیا۔ "مصر کی غلامی"۔ "مصر کے عجائبات"۔ "مصر سے رہائی"۔ ایسے واقعات تھے جن سے یہودی بچہ بچہ واقف تھا۔ آج کے دن بھی مسیحی دنیا میں یہ استعارات گناہ کی غلامی سے چھوٹ کر ملک موعود میں پہنچنے کے لئے مستعمل ہیں۔

جب بنی اسرائیل ملک کنعان میں آباد ہو گئے تو شاہانِ مصر اُن کو وقتاً فوقتاً ستاتے رہے۔ اسپر خدا نے مصریوں کو تنبیہ کی اور اُن کی شرارت اور بت پرستی کے لئے اپنے انبیا کی معرفت اُن کے خلاف پیشین گوئیاں کرائیں یسعیاہ اور یرمیاہ اور حزقی ایل اور یوایل نے خدا کی طرف سے مصر اور مصریوں کے خلاف فتوے نازل کئے۔ باوجود اس کے خدا نے جو رحم میں غنی ہے اُن پر رحم کا وعدہ کیا۔ چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتا ہے کہ "خداوند تو مصریوں کو بہت دُکھ

تک مارا کریگا لیکن وہ اُنہیں چنگا بھی کریگا۔ اور وہ خدا کی طرف رجوع ہونگے
اور وہ اُنکی دعا سنیگا اور اُنہیں صحت بخشے گا۔" (۱۹: ۲۲) اور پھر اس سے
آگے نبی اُس روز کا ذکر کرتا ہے جب خدا اسوریوں اور مصریوں اور اسرائیل
کے اتحاد ثلاثہ پر برکت بخشیگا اور فرمائیگا "مبارک ہو مصر میری امت اور
میرے ہاتھ کی صنعت اور اسرائیل میری میراث" (۱۹: ۲۵) آج خدا کا یہ
وعدہ مصریوں کے حق میں پورا ہو رہا ہے۔ وادئی نیل میں مسیحی مذہب
کا جھنڈا باوجود مشکلات اور مخالفت کے جابجا لہرا رہا ہے۔ اسکا دلچسپ
بیان پادری جے۔ آر الگزینڈر صاحب ڈی۔ ڈی۔ رسالہ ببلیکل ریویو
میں تحریر فرماتے ہیں جس میں سے چند مختصر حالات اخذ کئے جاتے ہیں:۔

ملکِ مصر درحقیقت وادئے نیل کے حصۂ زیرین کا دوسرا نام ہے۔
رودِ نیل ہی اِس ملک کی شادابی اور رونق کا باعث ہے۔ اس وادی کی
لمبائی سکندریہ سے اسوان تک قریب ساڑھے سات سو میل ہے۔
چوڑائی نیل کی دہانے پر قریب ایک سو میل ہے اور باقی ملک میں اوسطاً
آٹھ سے دس میل ہوگی۔ اس تنگ وادی میں جس کا رقبہ تیرہ ہزار میل سے کچھ
کم ہے۔ ایک کروڑ چالیس لاکھ کی آبادی ہے۔ ملک میں جابجا مندر اور مقبرے
اور آثارِ قدیمہ پائے جاتے ہیں۔ جن سے قدیم مصری مذہب اور حکمت کا
پتہ چلتا ہے۔

دریائے نیل کے کناروں کے بسنے والوں نے اول چار مسیحی صدیوں
میں مسیحی مذہب اختیار کیا۔ بعض نے دلی اعتقاد سے مگر اکثروں نے جبر سے
ساتویں صدی میں خلفا کی افواج نے مصر کو سر کیا اور مفتوح رعایا نے رفتہ
رفتہ اپنے فاتحان کا مذہب قبول کر لیا۔ چنانچہ اس وقت ایک کروڑ تیس لاکھ
باشندے نبی عرب کے پیرو ہیں۔ اور گرجوں اور صلیبی نشان کی بجائے
مساجد اور مینار دکھائی دیتے ہیں۔ مگر قدیم قبطی کلیسیا کے قریب آٹھ لاکھ نفر کا
ابتک موجود ہیں۔ ۴۵۱ء میں یہ کلیسیا پاک کلیسیائے جامع سے اپنی بدعتی تعلیم
کے باعث علیحدہ ہوگئی۔ مابعد کی صدیوں میں کچھ تو ارتداد اور کچھ ایذا رسانیوں کی وجہ

سے اُنکی تعداد کم ہوتی گئی۔ زرومال جاتا رہا۔ مدرسے بند ہوگئے۔ گرجوں کی جگہ مسجدوں نے لے لی۔ خادمان دین اور عام مسیحیوں کو شہری اور ملکی حقوق سے محروم کیا گیا۔ کلیسیا کی اندرونی حالت اور بھی ابتر ہوگئی۔ خادمان دین ناخواندہ اور جاہل ہوگئے۔ گرجوں میں انجیل کی منادی اور تلاوت بند ہوگئی۔ تعصب بڑھ گیا۔ کنواری مریم اور مقدسوں اور شہیدوں بلکہ اُنکی ہڈیوں کی پرستش شروع ہوگئی۔ تہواروں اور روزوں کی بھرمار ہونے لگی۔ انجیل اور ایمان کی زندگی اور یسوع مسیح کی اطاعت کی بجائے عبادت کے دستور العمل۔ رسوم اور رواج کی پابندی کا اقرار۔ پادریانہ لباس اور عہدوں اور کونسلوں کے فیصلوں کا عملدرآمد ہوگیا۔ اسی طرح تیرہ صدیاں گزر گئیں اور کلیسیا کی حالت روز بروز خستہ ہوتی گئی۔ بےجان ظاہر پرستی رسم پرستی اور رہبانیت کا دور دورہ ہوگیا۔ پھر بھلا ایسی مردہ کلیسیا سے کیا امید ہوسکتی تھی کہ اپنا تن من دھن انجیل کی اشاعت میں صرف کرے گی اسلام ابتک اسکے شرکا کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور اُس کے خادمان دین کلیسیا کی اصلاح کے سخت مخالف ہیں۔

۱۸۵۶ء تک محمدیوں میں انجیل کی اشاعت کی کوئی راہ نظر نہ آتی تھی۔ وہ بائبل کو تبدیل شدہ اور باطل سمجھتے تھے۔ اور اکثر اُسکو پھاڑکر نہایت نفرت سے زمین پر پھینک دیتے تھے۔ گدھے کو براہ نفرت نامری کہکر پکارتے تھے قانون الحاد بڑے زوروں پر تھا۔ اور اسلام سے برگشتگی کی سزا موت تھی۔ ۱۸۵۶ء سے پیشتر ایک عورت کو مسیحی مذہب اختیار کرنے پر دریائے نیل میں پھینکدیا گیا۔

سب سے اول مصر میں انجیل کی اشاعت کے لئے موریے دین برادران نے اٹھارہویں صدی میں قدم زنی کی اور قریب تیس سال تک قاہرہ اور دیگر مقامات میں ہر قسم کی تکالیف کے مقابل نہایت جانفشانی سے کام کیا۔ ہنوز کوئی بائبل سوسائٹی نہ تھی اور نہ ابتک کلیسیا نے بادشاہت کے پھیلانے کے فرض کو محسوس کیا تھا۔ چالیس سال کے

بعد چرچ مشنری سوسائٹی نے قبطی کلیسیا کی اندرونی اصلاح کرنے اور اُس کو بشارتی خدمت کے قابل بنانے کا بیڑا اُٹھایا۔ تیس سال کی سرگرم محنت کے بعد اُنیسویں صدی کے وسط میں اُن کو بھی کام بند کرنا پڑا۔ آخر وہ اپنا پختہ یقین قلمبند کر گئے کہ اُنکا مشنری طریقہ ناکامیاب ثابت ہوا ہے اور آئندہ بھی ناکامیاب ہوگا۔

۱۸۵۴ء میں امریکہ کی یونائیٹڈ پریسبی ٹیرین کلیسیا نے مصر میں انجیلی خدمت کے لئے کمر ہمت باندھی۔ اس وقت قبطی کلیسیا کی اصلاح اور مغرور اور متکبر محمدیوں میں انجیل کی اشاعت کی کوئی صورت نہ تھی۔ براہِ راست بشارتی خدمت کا دروازہ بند تھا۔ ایسے نامسعود حالات کے درمیان اس مشن نے اپنا کام شروع کیا

شخصی ملاقاتوں اور مجمعوں میں منادی۔ کلام مقدس کی تعلیم اور تقسیم کے ذریعے سے اول قدم بڑھایا گیا۔ محمدیوں نے کلام سننے سے انکار کیا۔ مگر بہت سے قبطی لوگ خوشی سے سنتے رہے اور باوجود سخت مخالفت اور کلیسیائی حقوق سے خارج کئے جانے کے وہ پاک نوشتوں کو پڑھنے لگے اور ایمان لے آئے۔ جب وہ اپنے خادمانِ دین سے دھکے کھا کر مشنریوں سے امداد کے ملتجی ہوئے تو مشنریوں نے اُن کو جمع کر کے انجیل کی تعلیم شروع کر دی۔ اِس طرح پانچ سال کی شبانہ روز محنت اور تعلیم کے بعد قاہرہ میں ایک چھوٹی سی مسیحی جماعت قائم ہوگئی۔ چار سال کے عرصے میں چار ممبروں کا ایک سشن مقرر کیا گیا۔ یعنے دو مصری ایک سریانی اور ایک آرمنی۔ یہی مصر میں انجیلی کلیسیا کا آغاز تھا۔

ملکی طور پر مصر چودہ صوبوں میں منقسم ہے

اس وقت ان میں سے تیرہ صوبوں میں انجیلی کلیسیا کی جماعتیں اور کارندے موجود ہیں اور چودھویں میں ایک اور کلیسیا کام کرتی ہے۔ دس ہزار کی آبادی سے زیادہ کے شہروں میں بہت تھوڑے شہر ایسے ہوں گے جہاں کوئی انجیلی جماعت یا کارندہ نہ ہو۔ کلیسیا کا کام سوا تین سو (۳۲۵) مقامات میں جاری ہے۔ ان مرکزی مقاموں سے کتاب مقدس اور صحائف کی تقسیم منادی اور تعلیم کے ذریعے کام سال بسال چاروں طرف دیہات میں پھیلتا جاتا ہے۔

۱۸۶۳ء میں مصر میں تقریباً فتہ مشنریوں کی ایک پریسبیٹری قائم کی گئی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد نیل کی سنڈ قائم ہوئی۔ اِس وقت اس سنڈ میں پانچ پریسبیٹریاں ہیں۔ ہر ایک مجلس میں علاوہ مشنریوں کے مصری خادمان دین اور ایلڈر بھی شامل ہیں جنکے حقوق کلیسیائی قانون کے مطابق کامل طور پر مشنریوں کے برابر ہیں تین پریسبیٹریوں میں مشنریوں کی تعداد تین یا چار سے زیادہ نہیں مگر مصری نثرکا ان سے چھ سے بیس گنا ہیں۔ سنڈ میں مصری نثرکا مشنریوں سے چھ گنا تعداد میں ہیں۔ مشنری کا کام زیادہ تر صلاح مشورہ اور مسیحی خدمت میں امداد دینا ہے۔

یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ انجیلی خدمت بلا روک ٹوک اور بغیر کسی مزاحمت کے ہو رہی ہے۔ ایک جانب تو پرانی مردہ کلیسیا کی ظاہر پرستی اور روحانی خستہ حالت خادمانِ انجیل اور اُن کے نثرکا پر اپنا مہلک اثر ڈال رہی ہے۔ دوسری جانب محمدیوں کی دینی حکومت اور انتظام کے مادی روحانیت سے ایسے بے بہرہ اور متکبر ہیں کہ اُن کو دیکھ کر مسیحیوں اور مسیحی خادمان کا جوش بھی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر رکاوٹ یہ ہے کہ مصر کی انجیلی کلیسیا ایک تنگ وادی میں بند ہے دنیا کے دیگر مسیحیوں کے ساتھ ربط و ضبط نہ ہونے کی وجہ سے وہ دیگر اقوام کی مسیحی زندگی اور خدمت اور تجربے سے سراسر ناواقف ہے۔ باوجود ان مشکلات کے مصری کلیسیا میں مسیح کی روح سرایت اور اپنا ظہور کر رہی ہے۔ اور مصری اپنے ہی ملک میں خود انجیل پھیلانے کا وسیلہ ہو رہے ہیں۔ شروع ہی سے مشن کا یہ اصول رہا ہے کہ ابتدا میں انجیلی کلیسیا کو مالی امداد دی جائے اور پھر وہ رفتہ رفتہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے اور خود مختار ہو کر اپنا انتظام خود کرے۔ اول اول یہ کوشش کی گئی کہ بعض خاص مقامات کی کلیساؤں کو سیلف سپورٹ کے اصول پر قائم کیا جائے یعنے وہ اپنی ہی اراضی پر اپنے گرجے بنائے۔ پاسٹروں کی تنخواہ اور دیگر اخراجات کی متحمل ہو۔ پھر ایسی چند کلیسیائیں ملکر کمزور جماعتوں اور مشن کے حاجتمند مقامات کو مدد دیں۔ یہ دستور العمل نہایت احسن طور پر کامیاب ثابت ہوا ہے۔

اس وقت محمدیوں کے درمیان خاص طور پر بشارتی خدمت ہو رہی ہے۔

۵۴۲ سبت سکولوں میں دنیا کے سنڈے سکول ایسوسی ایشن کے متعلق کام ہو رہا ہے۔ جن میں قریب ۲۱ ہزار طلبا اور ۹۲۸ معلم ہیں۔ ایک اشاعتی کمیٹی بھی بزیر سرپرستی سنڈ مقرر ہے۔ ۷۰ ایسی جماعتیں ہیں جو قریب ساڑھے تین لاکھ روپے سالانہ جمع کرتی ہیں۔ پچپن ۵۵ کلیسیائیں اور پاسٹریٹ کمیٹیاں اپنے پاؤں پر کھڑی ہیں۔ اور سنڈ کو بہت تھوڑا روپیہ امریکہ سے لینا پڑتا ہے

علاوہ مندرجہ بالا خدمت کے بائبل سوسائٹی کا کام بھی ذکر کرنے کے قابل ہے۔ بائبل کا ترجمہ اعلیٰ عربی زبان میں مروج ہے۔ مدارس اور کالجوں کے ذریعے بڑی بھاری انجیلی خدمت کی جا رہی ہے جس کا مدعا ماسوا مسیحی تعلیم اور انجیل کی اشاعت کے یہ بھی ہے کہ مسیحی کارندوں کو کلیسیا کی تعمیر کے لئے تیار کیا جائے۔ کلیسیا کی روحانی بیداری کی خاطر ہر سال ایک کنونشن منعقد کی جاتی ہے جو بیس سال سے جاری ہے اور نہایت مفید ثابت ہوئی ہے۔ اس میں ایک خاص دن مستورات کے لئے وقف کیا جاتا ہے۔ پریسبیٹریوں اور خاص خاص مقامات میں بھی اس قسم کے اجلاس ہوا کرتے ہیں۔ خانگی دعا پر زور دیا جاتا ہے۔ ہر جماعت میں ہفتہ وار دعائیہ جلسے ہوتے ہیں مستورات اور لڑکیوں کے خاص اجلاس ہوتے ہیں۔ جوانوں اور بڈھوں کے لئے کرسچن اینڈیور سوسائٹیاں قائم کی گئی ہیں۔

مسیحی جماعت میں ہر درجے اور ہر پیشے کے لوگ پائے جاتے ہیں تعلیمی پہلو سے مسیحی اور فرقوں سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ تقرریافتہ خادمانِ دین کی تعداد اٹھانوے اور دیگر کارندوں کی ۱۷۰ ہے جو مشن کے مدارس اور کالج اور سیمینری کے تعلیم یافتہ ہیں۔

جس مشن کا آغاز ۱۸۵۴ء میں حوصلہ شکن حالات کے درمیان ہوا۔ آج اسکی محنت اور ہمت سے مصر میں ایک نہایت شاداب کلیسیا موجود ہے جسکے ممبروں کی تعداد سترہ ہزار ہے۔ اور کل پروٹسٹنٹ کلیسیا کی مجموعی آبادی قریب پچاس ہزار کے مسیحی مذہب کی جو رسوائی قبطی کلیسیا کے باعث ہو رہی تھی وہ اب انجیلی کلیسیا کی مسیحی زندگی سے دھوئی جا رہی ہے۔ اور خود قبطی کلیسیا اور قوم نہ فقط مسیحی تعلیم

اور تلقین کے ذریعے ترقی کر رہی ہے۔ بلکہ اُسکے اندر بڑی بھاری اصلاح شروع ہو گئی ہے۔ محمدیوں کو مشن کے مدارس میں تعلیم سے اور مشن کے شفاخانوں میں انجیل کی منادی کے ذریعے سے کھینچا جا رہا ہے۔ اسلامی مخالفت کی جگہ محبت اور راہ و رسم کا رشتہ قایم ہو رہا ہے۔ اور باوجود مسیحیوں اور مسیحی کارکنوں کی کمزوریوں کے مسیح کے مذہب کا اثر ملک میں ہر طرف روبہ ترقی ہے۔

ہمارے صوبہ پنجاب میں بھی یو۔پی مشن کا طریق خدمت مصر کے نمونے پر ہے یعنے انجیل کی اشاعت کے وہی ذرائع۔ وہی مسیحی کارندوں کی تعلیم اور تیاری کا سلسلہ۔ مسیحی جماعتوں میں وہی سیلف سپورٹ کا اصول۔ وہی روحانی بیداری کی کنونشن۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا آخر کار اِس ملک میں بھی اس مشن کی عمارت چرچ مشنری سوسایٹی کے کھنڈرات پر قایم ہو گی؟

ناصر

ایک اَور مسیحی بزرگ خداوند میں ملحق ہوا

مبارک ہیں وہ جو مسیح میں سوتے ہیں۔

ناظرین یہ خبر بڑے افسوس اور رنج سے پڑھینگے کہ ہمارے بزرگ پادری رلا رام صاحب جو قریباً ۲۵ برس کے عرصے سے جالندھر شہر کی کلیسا کے پاسبان تھے مورخہ ۵ اگست بوقت ۱/۲ ۹ بجے شام اِس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔

آپ کچھ عرصے سے بیمار ہو کر منصوری پہاڑ پر تبدیلی آب و ہوا کیلئے اپنے چھوٹے بیٹے مسٹر فلپ رلا رام کے ہمراہ آئے ہوئے تھے۔ یہاں کی آب و ہوا آپکے خوب موافق آئی اور آپ کی صحت دن بدن بہتر ہوتی جاتی تھی۔ چنانچہ آپ اکثر ہفتے میں دو یا ایک دفعہ لنڈھور بازار میں ضرور منادی کے لئے جاتے۔ اور ہر ایک ہندوستانی کو جو اُن کو ملتا مسیح خداوند کا ذکر کئے بغیر نہ رہتے۔ آپکا بدن بیماری کے سبب سے بہت کمزور اور لاغر ہو گیا تھا۔ لیکن ہمت کے پکے اور

ارادے اور کام کے دھنی تھے پہاڑ پر آنکر کچھ دنوں کے بعد پیچش کا عارضہ اُنپر طاری ہوا جسکی وجہ سے وہ اسقدر کمزور ہو گئے کہ اُٹھنا بیٹھنا محال ہو گیا اُنکی خدمت کے لئے اُنکے برخوردار مسٹر فلپ بہ تن مشغول رہے اور ۲۲ جون سے ۵ جولائی تک دل و جان سے خدمت کی۔ آخر مجبور ہو کر مجبور ہوئے کہ اپنی ہمشیرہ مس رلارام کو بلوائیں۔ وہ اپنے عزیز اور پیارے والد کی بیماری کی خبر سنکر بجلی کی طرح آن موجود ہوئیں۔ اور والد ماجد کی خدمت میں دن رات ایک کر دیا۔ کیوں نہ ہو بیمار کی خدمت کا حقہ مستورات ہی پر ختم ہے۔ علاج و معالجہ کے لئے حاذق سے حاذق ڈاکٹر رابنسن صاحب جیسے تجربہ کار اور ہوشیار شخص کو جو علم طب میں یکتا سمجھے جاتے ہیں بلوایا۔ اُنہوں نے دوا اور خوراک اور معالجہ میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ پر قضائے ایزدی کے سامنے کب پیش جاتی ہے۔

جس دن کہ آپکا انتقال ہونے کو تھا صبح ہی سے اپنے وفادار اور پرانے نوکر ابراہیم سے گفتگو کرتے رہے۔ پاس بلا کر اُسکو گلے سے لگایا اور کہنے لگے کہ میرے بیٹے اور بیٹی کا خیال رکھنا۔ میں ان کو تیرے سپرد کئے دیتا ہوں۔ یہ سنتے ہی ابراہیم چشم پُر آب ہوا۔ اور اپنے نیک اور مہربان آقا کے ہاتھ تھامے بیٹھا رہا۔ ایک خاص بات جس نے میرے دل پر اثر کیا یہ تھی کہ اپنی بیماری اور تکلیف کے ایام میں بھی پادری صاحب ہمیشہ خدا کی حمد و تعریف کرتے رہتے اور اپنی خود تصنیف غزلوں کو گاتے رہتے تھے۔ اُن میں سے دو ایک درج کئے دیتا ہوں۔

(۱) صد شکر مسیح ہو تیرا — تو نے صبر کیا ہے میرا
میں نے گناہ کئے تھے بھاری — تو نے فتوے نہ کیا جاری
اسمیں فضل ہے دیکھا تیرا — صد شکر مسیح ہو تیرا

(۲) اب بخش خطائیں میری — میں منت کرتا تیری
جلدی پا مسیحا پھیرا — صد شکر مسیح ہو تیرا

مجھکو لے لے۔ مجھکو لے لے — اے مسیح تو مجھکو لے لے

مجھ سے لے لے مجھ سے لے لے — اپنی عزت مسیح مجھ سے لے لے
مجھ کو دے دے مجھ کو دے دے — اے مسیح اپنی برکت مجھ کو دے دے
مجھ کو دے دے۔ مجھ کو دے دے — اپنی برکت اے مسیح مجھ کو دے

بدھ کی شام کو قریباً چھ بجے جب نزع کی حالت شروع ہوئی تو آپ کی صاحبزادی ہوا کی طرح اڑی ہوئیں ڈاکٹر کے پاس گئیں اور انکو اپنے ہمراہ لیکر پہنچیں۔ ڈاکٹر نے آنکر پچکاری سے دوا داخل کی اور تسلی دی کہ آرام ہو جائیگا پر اجل کا وقت تو آن پہنچا تھا۔ دم اکھڑتے ہوئے آپ کے آخری الفاظ یہ تھے "زندگی میرے لئے مسیح اور موت نفع ہے"۔

آپ کی زندگی اور پیغام جنہوں نے سُنے ہیں لبِ تحسین کے کلمے نکالے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آپ کی زندگی کا اصول راستی اور سچائی تھا خواہ کوئی ناراض ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ہمیشہ سچائی کو مدنظر رکھکر بات کرتے۔ یقین انکے من میں اتنا بسا ہوا تھا کہ تکرار کی کبھی بھی گنجائش نہ تھی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ایسے شخص ہماری کلیساؤں میں بہت کم ہیں جو بے دھڑک سچائی پر قائم رہیں۔

جنازہ دوسرے دن کے لئے ملتوی کیا گیا تاکہ مرحوم کے بڑے صاحبزادے پادری اگسٹین رلارام صاحب بی۔ اے جوالہ آباد میں کام کرتے ہیں آنکر شامل ہوں۔ جنازے پر بہت سے امریکن مشنری صاحبان پنجاب اور یوپی کے اور ادنیٰ اور اعلیٰ خاندان کے ہندوستانی مسیحی پھول کے گلدستے لیکر مرحوم کو اپنا اپنا ہدیہ نذر کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ کیلاگ میموریل گرجا گھر میں ڈاکٹر ڈی این پی دتا صاحب نے مرحوم کی سوانح عمری مختصر طور پر بیان کی۔ بعد ان کے ڈاکٹر گرسولڈ صاحب ڈاکٹر فائف صاحب اور ڈاکٹر کوکس صاحب نے مغفور کی زندگی اور خدمت کے متعلق پراثر تقریریں کیں جن سے حاضرین اور مرحوم کے رشتہ داروں کے دل میں بڑی تسکین و تسلی پیدا ہوئی۔ پادری صاحب نے گو کوئی خزانہ یا مال اپنے خاندان کے لئے جمع نہیں کیا۔ پر تین جوان پسر اور ایک دختر تعلیم یافتہ اور ذی رتبہ کلیسیا اور ہندوستانی جماعت کی خدمت کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ ہم سب خدا سے

دست بدعا ہیں کہ وہ مرحوم کے پسماندگاں کو ایسی تسکین اور تسلی عطا فرمائے جو انسانی وسائل سے کبھی مل ہی نہیں سکتی۔ آمین۔

دعا گو

اے۔ ایم دولا۔ نمبر ۳ بریڈ ویلو لنڈھور۔ منصوری

"ہائے بہادر کیوں گر گئے"

مسیحی کے گذشتہ نمبر کی اشاعت کے بعد ماہ اگست میں ہماری کلیسیا کے دو محترم بزرگ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے اُن میں سے ایک لاہور کے مشہور مشنری ڈاکٹر سر جے۔ سی۔ آر۔ ایونگ صاحب ہیں جنکے نام نامی سے ہندوستانی مسیحی کلیسیا اور پنجاب کا تعلیم یافتہ طبقہ بخوبی واقف ہے۔ صاحب موصوف ۱۸۷۹ء میں امریکہ سے ہندوستان میں وارد ہوئے اور اول الہ آباد میں اور بعد ازاں سہارنپور کی تھیولاجیکل سیمینری میں بطور پرنسپل مقرر ہوئے۔ علاوہ علمی لیاقت کے آپ میں انتظامی مادہ اس درجے کا تھا کہ آپکا حلقۂ خدمت مدت تک محدود نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ آپنے ۱۸۸۸ء میں پنجاب کے تعلیمی مرکز لاہور میں فورمن کرسچن کالج کا چارج لیا۔ پادری ڈاکٹر فورمن صاحب اُن ابتدائی بہادروں میں سے تھے جنہوں نے پنجاب میں انگریزی تعلیم کی بنیاد رکھی۔ اُنکے جانشین کا انتخاب کوئی آسان بات نہ تھی۔ ایونگ صاحب نے کالج کو تیس سال تک جس خوش اسلوبی سے چلایا اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے انتخاب میں غلطی نہ کی گئی۔ آپ نہ فقط اپنے طلبا کی تعلیم میں حد درجے کی دلچسپی رکھتے تھے بلکہ اُنکی اخلاقی اور جسمانی صحت کے بھی ہر وقت نگران تھے۔ آپ کے طلبا پنجاب کے ہر صیغے میں ممتاز عہدوں پر متمکن ہیں۔ آپ پنجاب کی امریکن پریسبیٹرین کلیسیا کے اعلیٰ رکن تھے اور ہر قسم کی انجیلی اور پرہیزگاری کی خدمت میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔ سن ۱۹۰۵ء وادیٔ کانگڑہ کے خوفناک زلزلے کے مصیبت زدوں میں آپکی اعلیٰ خدمات کے

اعتراف میں سرکار عالیہ نے آپ کو قیصر ہند طلائی تمغہ عطا کیا۔ پنجاب یونیورسٹی کے جلیل القدر عہدہ وائس چانسلر کے فرائض کو آپ نے ایسی قابلیت سے انجام دیا کہ سرکار کیطرف سے آپ کو سی۔ آئی۔ ای اور سنہ ۱۹۲۲ء میں سر کا خطاب دیا گیا۔ اپنی زندگی کا بڑا بھاری حصہ آپنے پنجاب کی خدمت میں صرف کیا۔ اور آخر آب و ہوا کی ناموافقت کے باعث آپکی طبیعت ناساز ہو گئی اور آپکو واپس امریکہ کو لوٹ جانا پڑا۔ باوجود ضعف اور تقاضائے عمر کے آپ اپنی مشنری سوسائٹی اور خصوصاً پنجابی کلیسیا کے متعلق معاملات میں آخر تک دلچسپی کا اظہار کرتے رہے امریکن مشن کے ہوم بورڈ نے آپکو اپنا پریذیڈنٹ مقرر کرنے سے آپکے وسیع تجربہ اور لیاقت خداداد کی قدر شناسی کا عملی ثبوت دیا۔ آپ ہنوز خدمت کے لئے کمربستہ تھے کہ اجل کا پیام آپہنچا۔ دوسرے بزرگ جنکے انتقال کا صدمہ پنجاب کی کلیسیا کو اٹھانا پڑا جالندھر کی مسیحی جماعت کے خدارسیدہ پاسٹر پادری رلا رام صاحب ہیں۔ گو آپنے عام کلیسیائی معاملات اور انتظام میں نمایاں حصہ نہ لیا مگر آپ کی مسیحی طبیعت کا خاموش اثر اس درجے کا تھا کہ جس شخص کو آپکے ساتھ سابقہ پڑا وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ آپ کی صورت اور سیرت قدیم مسیحی بزرگوں کی یاد تازہ کرتی تھی۔ آپ کلام مقدس کے دقیق اور پاکیزہ مضامین ایسی صفائی اور دلی جوش سے پیش کرتے تھے کہ سامعین پر ایک قسم کا وجد طاری ہو جاتا تھا۔ ایسے بزرگ کا کلیسیا کے سر سے اٹھ جانا انسانی لحاظ سے سخت بدقسمتی ہے۔ مگر خدا بہتر سمجھتا ہے اور وہی خود اپنی کلیسیا کا انتظام کرنیوالا ہے۔ اگر پادری صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند پادری آگسٹین رلا رام صاحب جو بفضل خدا اہل قلم بھی ہیں اپنے والد کی زندگی کے مختصر حالات مسیحی کے ناظرین کی خاطر تحریر فرمائینگے تو یقین ہے کہ وہ نہایت شکرگذاری کے ساتھ درج کئے جائینگے۔

(ناظر)

دعوت عمل

مندرجہ بالا مضمون مسٹر ای چارلس بھٹی ایم اے کی معرفت ہمیں پہنچا ہے جسے ہم ناظرین مسیحی کی ظرافت طبع کے لئے ہدیہ کرتے ہیں۔ امید واثق ہے کہ ناظرین اس سے کماینبغی فائدہ اٹھائینگے +

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے — عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

میں نے اس مضمون پر بہت غور و فکر کیا کہ آخر کیا باعث ہے جو مسیح کے مشعل بردار اب زیادہ روشنی پھیلانے سے عاجز و قاصر ہیں۔ انکی روشنی دھیمی اور چراغ سحری کی طرح ٹمٹماتی نظر آتی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ وہ لوگوں کے قلوب کو تبدیل کرنے اور انہیں خدا کی راہ پر لانے میں ناکام و نامراد ثابت ہو رہے ہیں۔ آسمانی بادشاہت کے اس عظیم الشان درخت میں جسکا ذکر مسیح نے رائی کے دانے کی تمثیل میں کیا پت جھڑ شروع نہیں ہوئی۔ تو کم از کم اسکی نشو کم ہو چکی ہے۔ آخر اسکا سبب کیا ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں مشنری ولایت سے آتے ہیں اور تبلیغ کے سامان اور سہولتیں بھی انہیں مہیا ہیں۔ ہر جائز طریق پر سونے اور چاندی کی گنگا بہائی جا رہی ہے۔ مگر نتیجہ یہ ہے کہ بجز معدودے چند افراد کے کوئی قائل نہیں ہوتا۔ کیا اسکا یہ باعث ہے کہ مسیح کی تعلیم اپنی ذات میں ناقص ہے۔ یا اُسکے پہنچانے والے نا قابل اور نا اہل ہیں۔ کہ وہ تبلیغ کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اسکے برعکس یہ ایک حقیقت ہے کہ مسیحی تعلیم اور مسیحی اخلاق اس عمدگی اور خلوص کے ساتھ دنیا کے ہر گوشہ میں لوگوں کے سامنے پیش کیا جا چکا ہے کہ آج سخت سے سخت مخالف بھی سرِ تسلیم خم کرتا اور اگر اعتقادی امور پر یقین نہیں رکھتا تو کم از کم مسیح کی اخلاقی تعلیم کے آگے چون و چرا کرنیکا یارا نہیں رکھتا۔ لیکن پھر مرض ہے تو کیا ہے اور نقص ہے تو کہاں ہے۔ آؤ ذرا اس بات پر تو تدبر کرو کہ غیر مسیحی اور مخالفین اگر مسیح کا کچھ احترام کرتے ہیں تو کیوں کرتے ہیں۔ کیا اسلئے کہ اُس نے ہمارے گناہوں کے لئے صلیبی موت برداشت کی یا اسلئے کہ وہ خدا کا بیٹا تھا۔ یا اسلئے کہ وہ ہمارا نجات دہندہ تھا جسکی شفاعت سے ہم جہنم کے دائمی عذاب سے مخلصی پائینگے۔ نہیں بلکہ جو شے اُنکے دلوں کو مسخر کر لیتی ہے اور محبت اور عزت کا جذبہ پیدا کرتی ہے وہ مسیح کی بے لوث پاک اور اعلیٰ زندگی اور اسکی اخلاقی تعلیم ہی تو ہے۔ جس حد تک مسیح کے پیرو اس سے غیر متأثر رہینگے اسی حد تک وہ دوسروں کو قائل کرنے میں ناکامیاب ثابت ہوں گے۔ مسیحیت چند معتقدات کا نام نہیں بلکہ مسیح کی روح اور مسیح کی زندگی کا جسقدر کوئی مسیح کے رنگ میں رنگا جائے

اور اُسکے ساتھ پیوستہ ہو جائے۔ اسی قدر وہ اسکا شاگرد کہلوانے کا حقدار ہے۔
مسیح نے رسوم اور اعتقادات پر کبھی زور نہیں دیا۔ مسیحیت تمام کی تمام اسکی اخلاقی تعلیم میں ہے۔ اور مسیح کی اخلاقی تعلیم کا نچوڑ اسکا پہاڑی وعظ ہے۔ روح کی غریبی سادگی محبت۔ خود انکاری۔ صلح جوئی۔ دولت سے بے پرواہی اور اس قبیل کی اور باتیں مسیحیت کی جان ہیں۔ یہی باتیں ہیں جنہوں نے مسیحیت کو باقی ادیان سے اعلیٰ اور بالا ثابت کیا اور اُسکو وہ شان دی کہ مذہبی دنیا میں موجب رشک ہے۔ یہی باتیں ہیں جو اس سے پہلے لوگوں کے دلوں میں اُتر جاتی تھیں اور وہ جوق در جوق غلامانِ مسیح کے زمرہ میں داخل ہوتے تھے۔ اور یہی وہ باتیں ہیں جنہیں مسیحیوں نے چھوڑ دیا ہے اور نہایت عالمانہ بحثوں اور تاویلات سے انکے مفہوم کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے تو بہت ہیں جو اسے خداوند کہتے ہیں پر ایسے کم ہیں جو اسکی باتوں پر عمل کرتے ہیں۔ اور ان نام نہاد مسیحیوں کی مثال وہ ہے جو مسیح نے خود بیان فرمائی۔ یعنے اُنہوں نے ریت پر نیو ڈالی۔ اور طوفان آیا۔ آندھی چلی۔ بارش ہوئی اور اُنکا مکان گر گیا اور بالکل برباد ہو گیا۔ مسیحی اگر حضرت مسیح کی تعلیم پر عمل پیرا ہوتے تو گویا وہ اپنی بنیاد اس چٹان پر رکھتے جسے باد و باراں نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ پس اگر نقص ہے تو مسیحیوں کی عملی حالت کی خرابی کا ہے اور اسی کے خلاف مجھے آواز اُٹھانی ہے۔ میں یہ الزام ہر اُس شخص پر عائد کرتا ہوں جو دینی اعتبار سے مسیح کا پیرو کہلواتا ہے۔ مگر میرا روئے سخن بیشتر مشنری صاحبان کی طرف ہے۔ کیونکہ انہوں نے مسیح کی تعلیم دوسروں تک پہنچانے کا بوجھ اپنی گردنوں پر اُٹھایا ہے۔ انہیں کی نسبت کہا گیا تھا کہ تم جہان کے نمک ہو۔ لیکن اگر تم اپنی ملاحت کھو دو تو کس چیز سے نمکین کئے جاؤ گے۔ اور انہیں کہا گیا تھا کہ تم جہان کے نور ہو۔ یہی ہیں جنہیں تلقین تھی کہ تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وہ تمہارے نیک کاموں کو دیکھکر تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے بڑائی کریں۔ یہی ہیں جنکی نسبت حضرت مسیح نے فرمایا کہ لوگ تمہیں تمہارے پھلوں سے پہچانیں گے کیونکہ اچھا درخت بُرا پھل نہیں لا سکتا۔ لیکن بایں ہمہ جن امور کی طرف میں توجہ دلانی چاہتا ہوں۔ وہ مشنریوں سے ہی مخصوص نہیں وہ لیسی بھی بعض باتوں میں ویسے ہی

قابل الزام ہیں جیسے یہ پردیسی ۔ اور بعض باتوں میں اُن سے زیادہ ۔

سیدنا و مولانا حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں کو جب اشاعتِ دین کی خدمت پر مامور فرمایا تو انہیں کیا تلقین فرمائی ۔ وہی پیغام جو اُن گیارہ رسولوں کو دیا گیا درحقیقت اس جماعت کے نام پیغام عمل ہے ۔ جو آج دینِ حق کی تبلیغ کا جُوا اپنی گردنوں پر اُٹھائے ہوئے ہے ۔ " نہ سونا کمر سے باندھنا ۔ نہ چاندی نہ پیسے ۔ نہ راستے کے لئے جھولی لینا نہ دو دو کرتے نہ جوتیاں نہ لاٹھی " ۔ کیا یہ ایسے الفاظ ہیں کہ یونہی بے خبری میں مسیح کے منہ سے نکل گئے ۔ اور وہ خود نہ سمجھا کہ وہ کیا کہہ گیا ۔ کیا (معاذ اللہ) یہ ایک شاعرانہ مبالغہ تھا یا مجذوب کی بڑ جو کسی حقیقت پر مبنی نہ تھی ۔ مسیح کے شاگردوں نے جو ایک مدت تک اسکی صحبت میں رہنے کی وجہ سے اسکے زبان ۔ اسکے مطالب اور اسکے مافی الضمیر کو کچھ ہم سے زیادہ ہی سمجھتے تھے ۔ کیا سمجھا ۔ کیا انہوں نے خیال کیا کہ مسیح نے جو کچھ کہا اسکا مقصد وہ نہ تھا بلکہ اسکے برعکس ۔ آج اسکی تفسیر خواہ کسقدر ہی ضرورت زمانہ اور خود غرضی کی بنا پر موڑ توڑ کر کی جائے ۔ لیکن ایک بات کا انکار نہیں ہوسکتا کہ مسیح نے اس بات پر زور دیا کہ تمہارا طریق زندگی سادہ اور بے تکلف ہو ۔ تم خانہ بدوشوں کی سی مسافرانہ زندگی بسر کرنا ۔ ایسا نہ ہو کہ تم دُنیا اور اُسکے ساز و سامان میں اسقدر دل لگا لو کہ تمہیں دس کوس پر جانا ہو تو دو ہفتے تمہارے رختِ سفر کے باندھنے اور دیگر تیاریوں میں صرف ہوں ۔

مسیح کے شاگردوں کی ضروریات کا تصور کرو اور اُنکے سامانِ سفر کو تو دیکھو کہ کیا ہوگا ۔ اور ان سب سے بڑھکر مسیح کی حالت کا تو اندازہ لگاؤ جو کہتا ہے کہ " لومڑیوں کے لئے بھٹ ہیں مگر ابن آدم کے لئے تو سر دھرنے کی جگہ بھی نہیں " ۔ اوروں کی خاطر اپنی جان انڈیل دینے والے سید الشہدا پر تفکر کرو جس کے خادم ہونے کا تمہیں شرف حاصل ہے ۔ کہ تپتی ہوئی ریت پر دل میں درد والفت ہے کہ پا برہنہ کشاں کشاں لئے جاتا ہے ۔ نرم و نازک پاؤں جل اُٹھتے ہیں خورد و نوش کی فکر ہے نہ پوشش کا خیال ۔ رسولوں کے اعمال میں اُن مامورین کی کارگذاریاں تو دیکھو دنیا کے سامان میں سے انہیں کیا مہیا تھا ۔ اپنی ضروریات

زندگی کو اُنہوں نے کہاں تک محدود کر رکھا تھا۔ اسی روشنی میں جب ہم زمانۂ حال کے مسیحیوں پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں نام کو بھی کوئی مسیحی نظر نہیں آتا۔ ہندوستانی ہو یا ولایتی سب خواہش کے پتلے۔ دُنیا کے بندے۔ زر کے غلام۔ آسائش پر مرنے والے۔ فراغت اور آرام پر جان دینے والے۔ اور یہ کچھ مشنریوں پر ہی موقوف نہیں۔ ہم میں ہماری قلیل ضروریات کے لحاظ سے کسقدر تکلفات سرایت کر گئے ہیں۔ مگر انپر بدرجۂ اولیٰ یہ اعتراضات عائد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ دور دراز ممالک سے ہند میں مسیح کا پیغام لیکر آئے۔ لوگ اُنکی پیشانیوں میں نورِ صداقت چمکتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور وہ اُنکے طرزِ عمل کے نگراں ہیں۔

ہاں ہندوؤں میں بعض مسیح کے پیرو مجھے نظر آتے ہیں۔ سادھوؤں نے دُنیا اور اُسکی لذتوں پر لات مار کر خدا کی تلاش اور جستجو میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ نفسانی خواہشات۔ دُنیا پرستی۔ جاہ طلبی۔ نفس پروری ہر شے کو اپنے لئے حرام سمجھ لیا۔ پھر پوچھوں کو دیکھو کہ وہ لوگ جو سودخور اور تجارت پیشہ ہوتے ہیں۔ دنیا کی دولت جنکا ایمان اور اُنکی زندگی کا جزوِ لاینفک ہوتی ہے وہ اس سے اسطرح علیحدگی اختیار کرتے ہیں کہ گویا سانپ ہے یا بچھو۔ چھوتے بھی تو نہیں پاتے۔ مسیح کی اس تعلیم کو کچھ انہوں نے سمجھا ہے کہ بجز اُس کپڑے کے جس سے انہوں نے اپنی عریانی کو ڈھانپ رکھا ہے اُنکے پاس قسم کھانے کو کچھ نہیں۔ اور باوجود اسکے وہ اپنے تئیں شہنشاہِ ہفت اقلیم سے زیادہ غنی اور بے نیاز سمجھتے ہیں۔ کیونکہ بادشاہ اپنی وسیع مملکت اور اسبابِ تنعم و تعیش کے ہوتے ہوئے بھی کئی ایسی خواہشات رکھتا ہے جنہیں تا زیست وہ پوری نہیں کر سکتا۔ اور اُنکے پورا نہ ہونے سے اُسے قلق و اندوہ اور رنج و کلفت ہوتی ہے۔ لیکن جنہوں نے اپنی خواہشات پر ہی قابو پا لیا ہے یا کم کر رکھا ہے حقیقی مسرت اور سچی خوشی انہیں کا حصہ ہے ؎

حرص کے پھیلتے ہیں پاؤں بقدرِ وسعت
تنگ ہی رہتے ہیں دُنیا میں فراغت والے

میری یہ مراد نہیں کہ مسیحی ہر حال میں پوچ اور سادھو ہی ہو جائیں۔ گو اُنکے ایسا کرنے کی صورت میں اُنکا سچا اور بے غرض ہونا ثابت ہوگا۔ مگر ایک ادنیٰ درجے کے

مسیحی سے کم سے کم یہ توقع تو کیجا سکتی ہے کہ طلب دنیا کی بجائے ترکِ دنیا کی طرف اسکی طبیعت راغب ہو۔ ہر شخص خود اپنے حق میں یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ اُسکی ضروریات زندگی کیا ہیں۔ اور کہانتک اس نے از خود انہیں بڑھا لیا ہے۔ آجکل عام طور پر یہ عذر کیا جاتا ہے کہ ضروریات اب پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ اور اسپر بہت زور دیا جاتا ہے۔ لیکن میں اسکو تسلیم نہیں کرتا۔ ضروریات انسان خود بڑھاتا اور خود گھٹاتا ہے۔ ضروریات زندگی سے اگر سامانِ زیست مراد ہے تو وہی آدھ سیر اناج جو پیٹ بھرنے کے لئے آج سے دو ہزار برس قبل درکار تھا آج بھی درکار ہے۔ اور وہی دو کپڑے جو جسم ڈھانپنے کو تب ضروری تھے اب بھی ہیں۔ ہاں اگر شکم پُری کے لئے مرغن و ملون کھانے اور پہننے کے لئے انواع و اقسام کے کپڑے۔ قیمتی بھی اور غیر ضروری بھی۔ یہ سب ضروریات زندگی میں داخل ہیں۔ تو مجھے کچھ کہنا زیبا نہیں اور خاموشی بہتر ہے۔ لیکن اگر حقیقتِ حال اسکے برعکس ہو۔ اور یقیناً ہے۔ تو پھر ہماری حالت قابلِ اصلاح ہے۔

لوگ کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں کہ مسیح کی تعلیم پر مسیحیوں کا عمل ہرگز نہیں۔ میرے پاس اسکا کوئی صحیح جواب نہیں۔ کیونکہ واقعات سے آنکھیں بند کر لوں تو انکار کروں۔ ذرا دیکھو تو گاندھی جیسے تمام اسبابِ تنعم میسر ہیں ہر طرح کے آرام و آسایش کے سامان مہیا ہیں کس درجہ اپنے ہموطنوں کی خاطر نعل در آتش مضطرب اور بیقرار ہے۔ ایک سیاسی مقصد کے لئے اس نے رات کی نیند اور دن کا آرام اپنے آپ پر حرام کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرے اہلِ وطن مفلس ہیں۔ نادار ہیں۔ انہیں فراغت سے کھانا نہیں ملتا اور کپڑا میسر نہیں آتا۔ میں ایک لنگوٹی پہنوں گا اور نہایت سادہ خوراک کھاؤں گا جس سے فقط اپنا سلسلۂ حیات قائم رکھ سکوں۔ اے کاش کہ مسیحی اس سے بلند مقصد کے لئے اس سے نصف ایثار اور نصف قربانی ہی کرتے۔ اور مسیح کے فرمان کی حسب مطلب تاویل کر کے اسکی خلاف ورزی کے الزام سے بچنے کی کوشش نہ کرتے۔ مسیح کا کیا مقصد تھا جب اس نے ایک متلاشیِ حق سے کہا کہ "اپنا سب کچھ غریبوں کو دیکر میرے پیچھے ہو لے"۔ کیا سب کچھ سے اسکی مراد ایک قلیل مقدار تھی۔ مسیح نے کیوں کہا کہ "دولتمند کا آسمان کی

بادشاہت میں داخل ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرجانا۔" کیا یہ معاذ اللہ مہمل اور لایعنی باتیں تھیں۔ پھر یہ قول کسقدر چکیلا نہ ہے کہ "جہاں تمہارا مال ہوگا وہیں تمہارا دل بھی ہوگا۔" کیا یہ سچ نہیں کہ شب و روز ہمیں پیٹ کے دھندوں۔ خوراک کے اہتمام پوشاک کے انتظام زیب و زینت اور ساز و سامان کے خیال سے فرصت نہیں ملتی اور ہمارا بیشتر بلکہ تمام وقت انہیں باتوں میں صرف ہوتا ہے۔ مسیح نے اس خطرے کو دیکھا اور اسکے خلاف تنبیہ کی اور حیف کہ ہم نے اسکی تنبیہ کو حقیر سمجھا۔ مسیح کہتا ہے کہ "کل کی فکر نہ کرو آج کے لئے آج ہی کا دکھ کافی ہے"۔ اور ہمیں کل کی چھوڑ سالوں کی فکر لگی رہتی ہے۔ گرمیوں میں سردیوں کا انتظام کرتے ہیں اور سردیوں میں گرمیوں کا۔ اور ہماری زندگی کا پروگرام اسکے سوا کیا ہے کہ خود غرضانہ خواہشات کی تکمیل میں شب و روز لگے رہتے ہیں۔ ایک سن رسیدہ ہوشیار مخالف نے ایک بار کہا اور اسکے یہ الفاظ اپنی تمام صداقت آمیز تلخی کے ساتھ میرے دل کو چھیدتے ہوئے جگر تک اتر گئے

مسیح نے کہا کہ "کل کی فکر نہ کرو"۔ لیکن مشنریوں کے گودام سالوں کے سامان سے بھرے رہتے ہیں۔ مسیح نے کہا ہے کہ زمین پر خزانہ جمع نہ کرو۔ لیکن بینک کن لوگوں نے ایجاد کئے۔ اور فنانشل کمیٹیاں اور بجٹ تیار کرنے کنہوں نے سکھلائے۔ مسیح نے کہا ہے کہ بدلہ نہ لو لیکن انتقام کے لئے عدالتیں اسی کے ماننے والوں نے قائم کیں۔ اور مذہب کے لئے صلیبی جنگیں بھی انہوں نے کرائیں۔ ایک مسلم مشنری نے جو انگلستان اور امریکہ میں اشاعت اسلام کے لئے گیا ایک لیکچر میں کہا کہ " پادریوں کا مسیح کی تعلیم پر ہرگز عمل نہیں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ اوروں کو معاف کرنے کی تعلیم تو دیتے ہیں لیکن مشن احاطوں میں جاکر دیکھو وہ خود معاف نہیں کرتے۔ نوکروں کو ادنیٰ خطاوں پر جرمانہ کرتے ہیں۔ سزائیں دیتے ہیں اور ملازمت سے برخاست کر دیتے ہیں"۔ کیا یہ محض الزام ہے اور حقیقت حال اسکے برعکس نہیں۔ یہ سچ ہے کہ مسیح تو کہتا ہے کہ سات کی ستر بار معاف کرو اور یہ ایک بار بھی معاف نہیں کرتے۔ کیا جو کچھ مسیح نے فریسیوں کو کہا تھا کہ تم دوسروں کو تو نیک کام کی تلقین کرتے ہو لیکن خود ظاہرداری کے سوا کوئی حقیقی پاکیزگی تم میں نہیں۔

اِن پر صادق نہیں آتا۔ ذرا ان گاؤں اور علاقوں میں نکل جاؤ جہاں مسیحی خاندان بستے ہیں۔ اور دیکھو کہ نا اتفاقی اور خود غرضی نے گھروں کے گھر برباد کر دیئے ہیں اور جس دین کی بنیاد محبت پر رکھی گئی اس دین کے پیروؤں میں محبت عنقا ہو چکی ہے باہمی الفت۔ ملنساری اور خود انکاری نام کو کہیں نہ ملیگی۔ اب یہ لوگ الگ پڑے ہیں اور مشنری الگ۔ یہ ذلت میں ہیں اور وہ عزت میں۔ اور انمیں باہمی کوئی گہرا رشتہ و اتحاد نہیں۔ میرے جی میں رہ رہ کر یہ سوال اُٹھتا ہے کہ حضرت مسیح اگر اس زمانہ میں بلادِ مغربیہ میں تشریف لاتے تو مادہ پرست اہلِ مغرب کے ؟ تھوں جانے کیا انکا حشر ہوتا۔ مغربی ممالک میں تو شاید اُنکا داخلہ ہی بند کیا جاتا لیکن اگر وہ اس تیرہ خاکِ ہند میں نزول فرماتے تو کیا وہ ان مشنریوں کی طرح شہر سے باہر کوٹھیوں میں رہتے یا کہ ان غریب لوگوں کی جھونپڑیوں میں جو نفرت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ لوگوں سے ملکر رہتے یا کہ ایک شانِ رئیسی اور تزک و احتشام کے ساتھ لوگوں سے علیحدہ۔ سب سے بڑا باعث جو خدا کی بادشاہت کے آنے میں حارج رہا ہے وہ مشنریوں کا ہندوستانیوں سے غیر مانوس ہونا اور بیگانہ وار رہنا ہے۔ مسلمان ہند میں آئے انکی تلوار نے اسلام پھیلایا۔ یا صوفیائے کرام کی قوت قدسیہ نے یکر وہ یہاں رہے۔ ہندوستان کو اُنہوں نے اپنا گھر بنا لیا یہیں شادیاں بھی کیں اور رشتہ داریاں بنائیں۔ مگر یہ ولایتی جو پردیسیوں کی طرح آتے ہیں۔ غریب ہندوستانیو کے افلاس اور تنگدستی میں شریک ہونا تو درکنار انکے ساتھ رہنا بھی تو پسند نہیں کرتے کچھ برس یہاں ٹھاٹھ کے ساتھ گزارے اور گھر چلتے بنے۔ جتنا عرصہ رہے اپنے تئیں "صاحب" سمجھتے رہے۔ لوگوں کے ساتھ تعلقات پیدا نہیں کئے۔ رشتے ناطے کا تو کیا مذکور وہ تو بھلا قومیت پر دھبہ ہے۔ ملکی عزت پر داغ ہے اور وقار کو کھو دیتا ہے۔ لوگوں کو ملنے کے مواقع بھی نہایت ہی کم دئے۔ ہندوستانی دستورات کو اختیار کرنا عار جانا۔ صاف دل اور ملنسار ہندوستانی انسے ملنے گئے تو معلوم ہوا کہ صاحب سوتے ہیں دو گھنٹے تک بیدار ہوں گے یا ابھی اُنہیں فرصت نہیں۔ کام میں مشغول ہیں کل ملینگے۔ غرض اپنا سا منہ لیکر واپس آنا پڑا۔ دوسرے دن گئے تو سُنا کہ کھانے پر بیٹھے ہیں۔ اسے کیا معلوم کہ یہاں نہ بن بلائے مہمان کو کھانا دیا جاتا ہے

اور نہ پوچھا ہی جاتا ہے کہ بھیا کون ہو۔ یہ انکی تہذیب کے خلاف ہے۔ انہیں اپنی تہذیب ہندوستان میں آکر اور ہندوستانیوں سے سابقہ پڑنے پر بھی قایم رکھنی ہے لیکن مشنریوں کا تقاضا ہے کہ ہندوستانی اپنی تہذیب چھوڑدیں اور انکی اختیار کریں اور انکا یہ طریق ہندی مسیحیوں میں اپنا زہریلا اثر سرعت کے ساتھ پھیلا رہا ہے۔ حتّٰی کہ بہتوں نے مسیحیت آداب و تمدن فرنگ اور عیش و عشرت کی کورانہ تقلید میں سمجھ رکھی ہے۔ اور عیسائیت کو انانیت اور صاحبیت کا مترادف بنادیا ہے یہاں تک کہ پرانی وضع کے سیدھے سادے آدمی کو تو عیسائی سمجھا ہی نہیں جاتا۔ اور لے دے کے عیسائیت رہگئی ہے تو بنگلے کے فرنیچر یا کوٹ اور پتلون یا جائے اور توس میں۔ آہ۔ وہ جو خود حاجتمندوں کے پاس جاکر انکی حاجت روائیاں کرتا تھا۔ انکے دکھ درد اور مصیبت میں شریک ہوتا تھا۔ جو غریبوں اور گنہگاروں کا یار تھا اسکے شاگردوں کو ملنے کے لئے یہ دقتیں ہوں کہ کوٹھی پر جاکر پہروں انتظار کرنا پڑے کہ کوئی نوکر نظر آئے تو پیغام بھیجیں کہ ایک غریب گھنٹوں سے منت کش انتظار ہے اسکی سن لیجئے۔ ایک صاحب نے مجھسے ذکر کیا کہ وہ ایک دفعہ ایک مشنری کو ملنے گئے۔ اور انہیں جو بوٹ پہنے ہوئے دیکھا تو وہ بھی اپنی دیسی جوتی سمیت کمرے میں داخل ہو گئے۔ لیکن مشنری صاحب بہت بہنائے۔ اور جوتی اترواکے چھوڑی اور اس بات کا اس شخص کے دل پر اثر ہوا۔ اسکا اظہار اس نے ان الفاظ میں کیا کہ "یہ مشنری لوگ بہت مغرور ہوتے ہیں" (باقی دارد)

خوشخبری

نہایت مسرت کا مقام ہے کہ مس پیاری ڈارتھی طالب الدین ایم۔ اے کی نسبت مسٹر سیسل فلپ سے قرار پائی ہے۔ خدا اس جوڑے کو پروان چڑھائے مبارک۔

ایڈیٹر انچیف

ریویو

موازنۂ انجیل و قرآن

ہمارے پاس ایک کتاب بنام "موازنۂ انجیل و قرآن" تقریظ کے لئے موصول ہوئی ہے
یہ ہمارے دوست خواجہ صاحب کی تصنیف ہے۔ جن اصحاب نے خواجہ صاحب کے مضامین نور افشاں میں دیکھے ہیں وہ ہماری اس رائے
کی تصدیق کریں گے کہ وہ اپنے مخصوص دلربایانہ انداز میں مضمون کے لکھنے والے ہیں کہ بلا ید و شاید یہ کتاب اپنے اس منصفانہ اور غیر جانبدارانہ
پیرایہ میں لکھی ہے کہ آپ اپنی نظیر ہے۔ اسلام اور عیسائیت پر ایک فیصلہ کن تصنیف ہے اور اسلامی علم الاخلاق کی مجسم انسائیکلوپیڈیا۔
مقابلہ ایسا لطیف و دلچسپ صاف و صریح ہے کہ مخالف سے بھی خراج تحسین وصول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہماری نظر میں اس مضمون پر
یہ بہترین کتاب ہے۔ عیسائیوں کے لئے بیش بہا معلومات کا ذخیرہ اور ان کے ہاتھ میں تبلیغ کیلئے مفید حربہ ثابت ہوگی۔ بڑی تقطیع کی تقریباً
سو صفحوں کی کتاب ہے۔ جو گویا ایک کوزہ ہے جس میں دریا بند کر دیا ہے۔ کتابت اور طباعت دلپسند نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر اکیس سو کی تعداد میں
چھپی ہے اور پانچسو سے زیادہ فروخت بھی ہو چکی ہے یقیناً آرڈر بھیجیں تا کہ طبع ثانی کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ قیمت ایک روپیہ فی جلد
سیکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور یا اے ڈی میتھیوز۔ ایڈبرن لینڈ منصوری سے طلب فرمائیں۔

ای۔ چارلس بھٹی ایڈیٹر۔

دی پنجاب کرسچن سنٹرل کوآپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور

۹۴۰

عرصہ چار سال کا ہوا کہ یہ بنک شہر لاہور میں کھولا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کے دیہاتی مسیحیوں کی مالی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ اس موومنٹ کے ذریعہ سے جو لوگ مسیحی مذہب میں شامل ہوتے ہیں ان کی مالی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ خواہ زراعت پیشہ ہوں یا صنعتی یا حرفتی کاموں میں لگے ہوئے ہوں۔ ان لوگوں کو قرضی روپیہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ مسیحی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے جو بنئے بقال وغیرہ بے تحاشا سود لے کر ان غریبوں کو روپیہ اُدھار پر دے بھی دیتے تھے وہ بھی انکار کر رہے ہیں۔ اگر ہم لوگ ان کی مدد نہ کریں تو یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ اس بنک کے ذریعہ سے شہری مسیحیوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ عمدہ سود کی شرح پر روپیہ امانت پر رکھوائیں۔ نیز بنک کے حصص خرید کر عمدہ ڈیویڈنڈس (منافع) کماویں۔ پچھلا ڈیویڈنڈ ۹ فیصدی شرح کے حساب سے دیا گیا تھا۔ پچھلے تین سال کے عرصہ میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ قرض دیا جا چکا ہے جو وقت مقررہ پر واپس آ رہا ہے اور تقریباً بارہ ہزار روپیہ سود امانت پر روپیہ رکھنے والوں کو پہنچ چکا ہے۔ سو یہ بات وہی ہے کہ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔ حصص کی قیمت مبلغ ۵۰ روپیہ ہے جو سہ ماہی انسٹالمنٹ (قسط) میں واجب الادا ہے۔ اس کے علاوہ شرح سود امانتی روپیہ کے واسطے ذیل میں درج ہے۔

تین ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ (زر جمع منتقل) کے واسطے بشرح ۴½ فیصدی سالانہ

۶ " " " " ۵½ " "

۱۲ " " " " ۶½ " "

پچھلا بیلنس شیٹ منگوا کر بنک کی مالی حالت کا ملاحظہ فرماویں۔ بنک چلانے کے اخراجات نہایت کم ہیں سوائے ایک پورے وقت کے اکاؤنٹنٹ کے باقی سب عہدیداران بلا اُجرت قومی خدمت کر رہے ہیں۔

المشتہر

بی ایل رلیا رام منیجر و سیکرٹری۔ وائی ایم سی اے لاہور

گریمی پریس لاہور نزد کوتوالی قدیم باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور ایڈیٹر مسٹر کے ایل رلیا رام نے شائع کیا

جلد ۲　　نمبر ۱۸

فہرست مضامین

کل خط و کتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام مسٹر کے ایل لیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن ہائی سکول ہونی چاہیئے -

باقی خط و کتابت و ترسیل زر چندہ و عطیہ بنام مسٹر ٹی - خان بی - اے - بی - ٹی - مینجر "مسیحی" رنگ محل مشن ہائی سکول لاہور آنی چاہیئے -

ہائی کورٹ بنچ پر پہلے مسیحی جج کی زینت افروزی

ہمارے ناظرین اس خبر مسرت اثر کو سنکر ضرور پھولے نہ سمائینگے کہ ہمارے فخر قوم جناب کنور دلیپ سنگھ صاحب خلف الرشید سر ہرنام سنگھ صاحب اہلو والیہ جنکے نام نامی اور اسم گرامی سے تمام پنجاب واقف ہے۔ آنریبل جسٹس عبدالرؤف صاحب کے ریٹائر ہونے کے سلسلے میں ہائیکورٹ پنجاب کے جج مقرر ہوئے ہیں۔ آپ پہلے دیسی مسیحی ہیں جنکو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے۔ اسپر طرہ یہ ہے کہ آپ کی یہ قدر دانی تعلقات خاندانی یا سعی سفارش کے طفیل نہیں بلکہ صرف آپ کی ذاتی لیاقت اور ذہانت کے بل پر ہوئی ہے۔ آپ کی قانونی واقفیت اور قابلیت کا سکہ چھوٹے سے بڑے تک پر جما ہوا ہے اور افسران و قانون دان صاحبان تک آپ کا لوہا مانتے ہیں اور آپ کی رائے صائب کو تسلیم کرتے ہیں۔

آپ نے سنہ ۱۹۰۳ء میں فورمن کرسچین کالج سے بی۔اے پاس کیا اور تمام صوبے میں اول نمبر پر نکل کر انگلستان تشریف لے گئے اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں مزید تعلیم حاصل کی۔ آپ نے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور آئی۔سی۔ایس کے مقابلے کے امتحان میں بیٹھے۔ اس میں بھی آپ کامیاب رہے۔ مگر اتفاق سے جتنے طلبا کے تقرر کی اس سال گنجائش تھی آپکا ایک نمبر کم رہا۔

سنہ ۱۹۰۹ء کے قریب آپ واپس ہندوستان آئے۔ آپ کے والد بزرگوار سر ہرنام سنگھ صاحب نے جو دانائی اور دور اندیشی میں ضرب المثل اور شہرہ آفاق ہیں مناسب خیال کیا کہ آپ کسی اچھے وکیل کے ساتھ تجربہ حاصل کریں اور قانون کی عملی صورت پر حاوی ہو جاویں۔ چنانچہ آنریبل مسٹر ایس۔پی سنہا جو پہلے دیسی گورنر ہوئے اور لارڈ سنہا کہلائے جب گورنمنٹ آف انڈیا کی قانونی ممبری سے

مستعفی ہوئے اور دوبارہ کلکتے میں پریکٹیس کرنے لگے تو ہمارے کنور صاحب ایک سال تک اُنکے پاس رہے۔ پھر لاہور میں آکر پریکٹیس شروع کی۔ مسٹر چارلس گولک ناتھ صاحب مرحوم کے انتقال پُر ملال کے بعد آپ اُنہی کی کوٹھی میں آن کر رہے اور اپنے کام کی بسم اللہ کی۔

ہمارے ناظرین خوب جانتے ہیں کہ ایک مسیحی وکالت پیشہ کے لئے شروع شروع میں کتنی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ نیا کام مسیحی اور اخلاقی اصولوں کا پاس۔ حیلے حوالوں سے نفرت۔ دلالوں کا نام سننے سے وحشت۔ قوم و خاندان کی بغیرت۔ غرض ایک جان اور سو طرح کی مصیبت۔ مگر چاند کہیں چھپائے چھپتا ہے۔ آپ کا جوہر نمایاں ہو کر ہی رہا۔ چند ہی سال میں تمام وکیلوں اور ججوں پر آپ کا رعب اور سکہ بیٹھ گیا۔ آپ کی بحث اور جرح کو سنکر سب انگشت بدنداں ہو کر عش عش کرتے تھے۔ کئی سال سے آپ کے ہائیکورٹ کے جج ہوجانے کی افواہ تھی۔ اور آپکی لیاقت کا ستارہ اسقدر جلد جلد اوج سپہر برتری پر چڑھ رہا تھا کہ سب لوگوں کی آنکھیں انہی کی طرف تھیں ؎

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آمد آخر ز پس پردۂ تقدیر پدید

سنہ ۱۹۲۲ء میں آپ اسسٹنٹ لیگل ریممبرنسر یعنے نائب قانونی منشر گورنمنٹ پنجاب مقرر ہوئے۔ اور چھ ہی مہینے میں آپ گورنمنٹ ایڈووکیٹ بن گئے۔ اس کام کو آپ نے بڑے حسن و خوبی سے سرانجام دیا اور ایسا نباہا جیسا کہ حق ہے۔ اس حیثیت میں آپ کو ابھی ایک سال نہیں ہوا ہے کہ ؎

دوش از جناب آصف پیک بشارت آمد
کز حضرت سلیماں عشرت اشارت آمد

اور آپ ہائی کورٹ کی ججی پر ممتاز ہوتے ہیں۔

آپ کے اس عہدۂ جلیلہ پر سرفراز ہونے کی خوشی میں وہ تمام صاحبان جو صرف لیاقت اور جوہر قابلیت کی داد دینے والے ہیں از بس خوش ہیں۔ چنانچہ اخبار ٹریبیون مطبوعہ ۱۵۔ اکتوبر ان اصحاب کی ترجمانی میں یوں رقمطراز ہے

"ہائی کورٹ کے نئے جج صاحب"

ہائیکورٹ بنچ کی تین تقرریوں میں سے جنکی خبر ہمارے کل کے پرچے میں دی جا چکی ہے صرف ایک نئی تقرری کنور دلیپ سنگھ صاحب کی ہے ہم اُن حاکمانِ بالادست کو جنکا ہاتھ اس تقرری میں ہے اور خود کنور صاحب کو مبارک باد کہتے ہیں۔ اگرچہ کنور صاحب مقابلۃً نوعمر ہیں تو بھی آپ نے اتنی جلدی وکلا میں عزت و امتیاز حاصل کر لیا کہ کچھ عرصے تک آپ صوبے کے سب سے اعلیٰ قانونی عہدے پر سرفراز رہے۔ ہر شخص کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آپ اپنی لیاقت اور قانونی قابلیت اور بے رورعایت طبیعت کے باعث اس بڑے اعزاز کے عین مناسب ہیں جبر ان کا تقرر ہوا ہے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ سب لوگ آپ کے اس رتبے پر ممتاز ہونے پر نہایت خوش ہوں گے۔

پنجاب کے مسیحیوں کی طرف سے آپ کی شان میں ۱۴ نومبر کو لاہور میں ایک جلسہ مبارکبادی ہونیوالا ہے جس میں گورنمنٹ عالیہ کا شکریہ ادا کیا جائیگا ہم کنور صاحب کو دلی مبارکباد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ اس عہدے کے فرائض ایسی خوش اسلوبی سے ادا کرینگے جس سے آپ کے خاندان کا نام روشن اور ہماری قوم کی عزت دوبالا ہوگی۔ اور صوبۂ پنجاب کے لوگوں کی امیدیں بر آئینگی۔

(۲) اکثر اصحاب کو معلوم ہے کہ صاحب ڈپٹی کمشنر منٹگمری نے پنجاب کرسچن کانفرنس کے لئے چک نمبر ۴۲ ۔ R ۔ ۱۵ میں ۴۰ مربعوں کی دوسو روپے فی ایکڑ پر گورنمنٹ کے پاس سفارش کرنیکا وعدہ فرمایا ہے۔ اس زمین کے متعلق صاحب موصوف کی چٹھی ہمیں ڈلہوزی میں ملی۔ ہم نے اسیوقت ایک سب کمیٹی مقرر کی تاکہ موقعے پر بھیجکر بعد ملاحظہ کانفرنس میں رپورٹ پیش کریں۔ اس سب کمیٹی اور دیگر اشخاص کی رائے میں جنہوں نے اپنے طور پر جا کر اس اراضی کو دیکھا۔ اس چک میں تقریباً ۲۰ مربعے اچھے باقی ناقص ہیں۔ اسلئے بالاتفاق قرار پایا کہ صاحب ڈپٹی کمشنر کا شکریہ ادا کیا جائے اور کانفرنس اس اہم ذمہ واری کو اپنے اوپر نہ لے۔ ہم پنجاب گورنمنٹ اور

ڈپٹی کمشنر بہادر کے نہایت شکرگزار ہیں کہ انہوں نے کانفرنس کے ساتھ اسقدر مروّت اور تلطف کا اظہار فرمایا ہے جو انکی ذاتی شرافت اور قوم کی باہمی رفاقت کا نتیجہ ہے۔ اس بات کی کوشش کیجارہی ہے کہ مزید اراضی لوگوں کے لئے لی جائے۔ امید ہے کہ اس باب میں کانفرنس کو کامیابی حاصل ہوگی اور یہ کوششیں جلد عملی جامہ پہن لینگی۔ قوم کو ایک دل اور ایک زبان ہوکر دعا کرنی چاہیئے۔ اور اپنی بہتری کے لئے تجاویز سوچنی چاہئیں۔

ہم بڑے افسوس سے اس بات کی خبر دیتے ہیں کہ مسٹر دانیل جو ہمارے گورنر صاحب کے ہیڈ جمعدار تھے چند ہی روز کی علالت کے بعد جاں بحق ہوئے۔ اس سے ایک ماہ پہلے آپ کی اہلیہ مرحوم ہوئی تھیں اور آپ انکے غم میں سخت پریشان رہتے تھے۔ آخر اس رنج سے جان بر نہ ہوئے۔ گورنر صاحب کی کوٹھی کا کل انتظام آپ کے سپرد تھا۔ جو آپ کی دیانتداری کا شاہد ہے۔ آپ بڑے سرگرم ایماندار مسیحی تھے اور مسیحیوں سے نہایت محبت اور تپاک سے پیش آیا کرتے تھے۔ دعا ہے کہ خداوند کریم انکے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

مسٹر ولیم جو بہت عرصے تک لاہور ریلوے ورکشاپ میں ایک اچھے عہدے پر کام کرتے تھے بعارضہ نمونیہ وفات پا گئے ہیں۔ آپ نولکھا چرچ میں کچھ عرصہ ہوا ڈیکن تھے۔

۱۱۔ اکتوبر کو نولکھا چرچ میں میموریل سروس ڈاکٹر یوئینگ صاحب کی وفات حسرت آیات کی یادگاری میں ہوئی۔ تمام مشنوں کے نمائندے گرجے میں موجود تھے۔ بہت سے اصحاب باہر سے بھی تشریف لائے تھے۔ رائے بہادر مسٹر بی۔ این۔ دت مسٹر کے۔ ایل رلیارام۔ پادری رائیس صاحب پرنسپل فورمن کالج اور پادری ٹھاکرداس صاحب نے سر یوئینگ کے اوصاف حمیدہ کے متعلق نہایت پر اثر تقریریں کیں۔

۱۹۔ اکتوبر کو ڈاکٹر آر۔ اے ہیوم صاحب احمدنگر سے یو۔ پی اور پنجاب میں دورہ کرتے ہوئے لاہور تشریف لائے۔ آپ کا دورہ پریسبیٹیرین کلیساؤں میں ایک نئی تحریک پیدا کرنیکی غرض سے ہے۔ تاکہ متحدہ چرچ ہندوستان میں قائم کیا جائے۔ آپ اور آپ کے رفیق اس ارادے میں بہت کچھ کامیاب بھی ہوچکے ہیں

آپ نے نولکھا چرچ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے لاہور اور کئی اور مقام پر نہایت پُراثر وعظ فرمائے ہیں۔ آپ کی عمر ۹۰ سال کی ہے۔ مگر روح ابتک جوان ہے آپ امریکہ کے لوگوں میں اس تحریک میں دلچسپی اور بیداری پیدا کرنیکو جارہے ہیں۔

مس بھٹا چارجی اور مس سنگھا ولایت سے واپس آکر کالج اور سکول کے سٹاف کی دوبارہ زینت افزا ہوئی ہیں۔ امید ہے کہ ان نئے نئے خیالات سے اور آپ کی ذات سے آپ کی مسیحی بہنوں کو بہت فائدہ حاصل ہوگا۔ مس سنگھا نے ڈومیسٹک سائنس میں کمال حاصل کیا ہے اور سکول میں میٹرن کا کام سنبھالینگی۔ گرل سکولوں میں کھانے کی جو شکایت رہتی ہے وہ بھی رفع ہو جائیگی۔ ہم مس نیقمن کا اس عمدہ انتظام پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

مسٹر گوڈون سموایل جیکب صاحب جالندھر کی کلیسیا کے پاسبان مقرر ہوئے ہیں۔ تقرری کی رسم ایک کمیٹی نے ادا کی جو اس کام کے لئے مقرر ہوئی تھی۔ جسکے ممبر پادری نکسکی صاحب۔ پادری نظام الدین صاحب۔ پادری ٹھاکر داس صاحب اور مسٹر کے۔ ایل رلیارام صاحب تھے۔ پادری ٹھاکر داس صاحب نے موڈریٹر ہونے کی حیثیت سے اس تقریب سعید پر سامعین کو بہت پُراثر و پُرزور وعظ سُنایا۔ سب نے بہت پسند کیا۔ امید ہے کہ مسٹر جیکب جالندھر کی کلیسیا کے پاسبان ہوکر اپنے خداوند کے لئے مردانہ وار جنگ کرکے بہتوں کو خداوند مسیح کے جھنڈے تلے لائینگے۔

تصحیح

گذشتہ نمبر میں تنقید بر "مکہ سے خیر کی خبر" ڈاکٹر ای چارلس گجرانوالہ کی بجائے مسٹر ای۔ چارلس بھٹی ایم۔ اے کے نام سہواً منسوب کیا گیا تھا۔ غلطی کا باعث ہر دو صاحبان کے ناموں کی مشابہت تھا۔

مینجر

خیالاتِ پریشاں

(از ع-ا-ن)

**

عالمگیر مسیحی کانفرنس سٹاک ہالم سولہ سو(۱۶۰۰) برس کا عرصہ گزرتا ہے کہ نیکایا میں ایک عالمگیر مسیحی کونسل بزیر سرپرستی شہنشاہ قسطنطین منعقد ہوئی تھی۔ اُس مجلس کا ماحصل وہ عقیدہ ہے جو کلیسا میں ابتک مروج چلا آتا ہے۔ اُسی منزلت اور پایہ کی کانفرنس جس میں مختلف کلیساؤں کے اعلیٰ رکن کثیر تعداد میں جمع ہوں اس عرصۂ دراز میں فراہم نہیں ہوئی۔ اب گویا یہ دوسری عالمگیر کانفرنس ہے جسکے اجلاس گزرے اگست کی ۱۹ سے ۳۰ تاریخ تک ملک سویڈن کے دارالخلافہ سٹاک ہالم میں شاہ سویڈن کی زیر سرپرستی ہوتے رہے۔ اس میں دنیا بھر کی سینتیس(۳۷) اقوام میں سے چھ سو نمائندے جمع ہوئے۔ سوائے رومی کلیسا کے جسکے اصول اس قسم کے اتحاد کے مانع ہیں قریب سب بڑی کلیساؤں کے وکلا موجود تھے۔ جبکہ نیکایا میں عقیدہ بابت مسیح کی پختہ بنیاد ڈالی گئی۔ موجودہ کانفرنس کا انعقاد زمانۂ حال کے پیچیدہ معاملات پر مسیحی اصولوں کے اطلاق کی غرض سے تھا۔ خصوصاً پانچ مضامین زیر بحث تھے یعنی (۱) کلیسا اور تمدنی معاملات (۲) کلیسا اور معاشرتی اور اخلاقی معاملات۔ (۳) کلیسا اور بین الاقوام معاملات (۴) کلیسا اور تعلیم کا سوال (۵) کلیساؤں کا باہمی تعاون۔ کانفرنس کا افتتاح شاہ معظم نے بنفس نفیس فرمایا۔ اور اُسی روز جناب ممدوح نے تمام حاضرین کو ایک پارٹی میں مدعو کیا۔ جن مضامین پر مختلف ممالک کے علما اور ہادیان دین نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا وہ نہایت دقیق اور عملی مشکلات سے پُر تھے۔ کانفرنس کے اختتام پر کلیسا اور اُسکے احاطہ سے باہر والوں کے لئے ایک پیغام تجویز کیا گیا جس میں سب سے پہلے مختلف کلیساؤں نے اپنے گناہوں اور خطاؤں کا اقرار کیا۔ اجلاس بھر میں ہر قوم کے نمائندوں نے بار بار نہایت عجز سے اپنی اپنی کمزوریوں کا ذکر کیا۔ پھر یہ اعتراف کیا گیا کہ جو جو مشکل سوالات

پیش ہوئے ہیں فقط اُن پر غور کی گئی ہے۔ نہ تو اُنکو حل کیا گیا اور نہ کوئی قرار داد منظور کی گئی ہے۔ کانفرنس کا مدعا زیادہ تر تبادلہ خیالات تھا۔ اس میں گویا بین الاقوام مسیحی تعاون کی طرف پہلا قدم اُٹھایا گیا۔ چونکہ مختلف اقوام کے نمائندوں میں سوالات زیر بحث کی نسبت خیالات کا ایک ہی پایہ نہ تھا۔ اسلئے کسی ناطق فیصلہ کی امید نہ ہوسکتی تھی۔ درخواست مسیحیوں اور غیر مسیحیوں خصوصاً نوجوانوں حق کے متلاشیوں اور کارندوں کی طرف مخاطب ہوکر کی گئی کہ خدا کی مرضی کو زمین پر پورا کرنے میں امداد دیں۔ یہ ضروری سمجھا گیا کہ ہر شخص اور ہر کلیسیا کو دنیا کے معاملات میں مسیح کے منشا کا علم ذہن نشین کرایا جائے اور کلیسیاؤں کے درمیان عملی خدمت کی غرض سے سنگت کا رشتہ زیادہ مضبوطی سے قائم کیا جائے۔ اس مدعا کو پورا کرنیکی غرض سے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جسکا فرض ہوگا کہ وہ اس معاملہ پر غور و پرداخت کرکے کلیسیاؤں میں اتحاد کو ترقی دے۔

⁂

بنگال کرسچن کانفرنس

اس کانفرنس کا اڑتالیسواں سالانہ اجلاس حال ہی میں منعقد ہوا ہے۔ اس انجمن کو نہ فقط بنگال کے بلکہ ہندوستان بھر کے مسیحی پیشواؤں مثلاً ڈاکٹر کے۔ ایم۔ بنرجی۔ اور مسٹر کالی چرن بنرجی اور مسٹر جے گوبند شوم وغیرہم اصحاب نے ۱۸۶۸ء میں قائم کیا تھا۔ کلکتہ کے مسیحی اخبار گارڈین کا ایک نامہ نگار رقمطراز ہے کہ میں کالی چرن بنرجی کی عین حیات میں بلاناغہ اس کانفرنس کے اجلاس میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ اب پندرہ سال کے بعد مجھے پھر اسکے سالانہ اجلاس میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس موقع پر مجھے چند ایک تبدیلیاں نظر آئی ہیں۔ مثلاً سب چھوٹی بڑی تقریریں بمقابلہ پیشتر پُر مغز اور مفید مطلب تھیں۔ ایک اور تبدیلی بھی قابل تعریف ہے یعنے بعض پیشواؤں کی زیر ہدایت عشائے ربانی کی متحدہ شراکت عمل میں آئی جس میں کلیسیائے انگلستان اور پریسبی ٹیرین اور میتھوڈسٹ اور بپٹسٹ کلیسیاؤں کے ممبر کا قریب پکستونیں کی تعداد میں شامل ہوئے۔ پھر دو ہزار مسیحیوں کا کلکتہ کے کوچوں میں مسیح کے گیت گاتا اور گشت کرنا بھی ایک عجیب نظارہ تھا۔ بعض قابل افسوس باتیں بھی دیکھنے میں

گزرے ایام میں یورپین مشنری (مرد اور عورتیں) ان مجالس میں کثرت سے آیا کرتے تھے ان میں سے بعض بحثوں میں بھی حصہ لیتے تھے بلکہ بعض اوقات صدر مجلس بھی ہوا کرتے تھے۔ مگر آج کوئی یورپین صاحب اُن میں نہیں آتا۔ اسکا سبب دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ نہ تو مشنری صاحبان شریک ہونے کی اور نہ کانفرنس کے نوجوان شرکا انکی شراکت کی پروا کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ کچھ عرصہ سے مشنریوں کے خلاف ہوا کا رُخ پلٹا ہوا ہے۔ میرے دل میں مسیحی جماعت کے نوخیز نوجوانوں کی جہالت پر رنج پیدا ہوا۔ اس سے بڑھکر مجھے مشنری صاحبان کی بے پروائی پر افسوس ہوا۔ اگر مشنری اہل الرائے اور آزاد مسیحیوں کے حقیقی خیالات معلوم کرنا چاہیں تو ان کو ان مجالس میں ضرور آنا چاہئے۔ پریتی بھوج کے موقع پر قریب ڈھائی ہزار لوگ جمع تھے جن میں سے ڈیڑھ ہزار جوان مرد اور یا نسو جوان مستورات تھیں۔ مگر خلاف توقع نہ تو وائی۔ ایم۔ سی۔ اے اور نہ وائی۔ ڈبلیو۔ سی۔ اے کا کوئی کارندہ موجود تھا دوسرے روز بنگال کی ہندوستانی کلیساؤں میں جدید علم الٰہیات کے مضمون پر بحث ہوئی۔ سیرام پور کالج کے ایک پروفیسر نے مسیح کے کنواری مریم سے پیدا ہونے کو غیر ضروری اعتقاد قرار دیا اور صدر انجمن کے ایک سوال پر جواب دیا کہ ہمارا خداوند یسوع مسیح ہر بات میں بے خطا نہ تھا۔ یہی جدید تھیالوجی سیرام پور کالج کا عقائد نامہ ہے۔

***

جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کی دُرگت

کچھ عرصہ سے ہندوستان کی سیاسی دنیا میں ہندوستانیوں کے خلاف جنوبی افریقہ کی گورنمنٹ کے نئے قانون کے متعلق جوش پھیلا ہوا ہے، اُس گورنمنٹ نے (سوائے علاقہ کیپ کالونی کے) ایک ایسا مسودہ تجویز کیا ہے جس سے ہندوستانیوں کا ناک میں دم ہو جائے اور وہ خود بخود اپنے ملک کو واپس چلے جائیں۔ اسکی چند شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔ شہروں اور قصبات میں ایسے رقبے علیحدہ کئے جائیں جنکی حدود کے اندر بھی ہندوستانی لوگ زمین کی خرید و فروخت کرسکیں گے۔ انہی رقبات میں وہ تجارت کرسکتے ہیں

اُن سے باہر ہرگز نہیں کر سکتے۔ ہندوستانی لوگ اِس وقت تو جہاں چاہیں جائداد پیدا کر سکتے یا ٹھیکے پر دے سکتے ہیں مگر آئندہ وہ اس حق سے محروم کیئے جائینگے وہ سمندر کے ساحل سے تیس میل کے اندر اندر کسی ہندوستانی سے جو اُسی علاقہ میں رہتا ہو زمین حاصل کر سکتے ہیں۔ گورنر جنرل کو اختیار ہے کہ وہ ان محدود رقبات کو بھی بذریعہ اعلان واپس لے لے۔ اگر کوئی مستقل سکونت پذیر ہندوستانی تین سال تک یونین سے باہر رہے تو وہ واپس آنے پر ممنوع باشندہ کہلائیگا۔ اور اُسکو اپنا حق سکونت ثابت کرنے کے لئے سو پونڈ ضمانت داخل کرنی پڑے گی۔ اس تاریخ سے دس سال کے اندر کسی ہندوستانی کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ ہندوستان میں جاکر شادی کرلے اور اپنی جورو کو ہمراہ لے کر جنوبی افریقہ میں واپس آئے۔ یہ اور دیگر اسی قسم کے وحشیانہ قوانین صریحًا ہندوستانیوں کی تذلیل کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ اب بیچارے ہندوستانی اور تو کچھ کر نہیں سکتے۔ اُنہوں نے ہندوستان ہی میں ۱۱۔ اکتوبر کا دن جنوبی افریقہ کا دن قرار دیکر جا بجا اس سخت گیر بل کے خلاف بڑے زور سے صدائے احتجاج بلند کی۔ اب فقط ایک آخری مرحلہ باقی ہے۔ سرکار عالیہ کو اختیار ہے کہ اس بل کو نامنظور کرے۔ مگر وہ عمومًا اپنی حکومت کے زیرنگین با اختیار علاقوں کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دیتی۔ اگر گورنمنٹ ہند کے ہاتھ میں کوئی ایسا ہتھیار ہے جس سے جنوبی افریقہ کو ترکی بترکی جواب دیا جا سکتا ہے تو اب اُسکے استعمال کا موقع ہے۔ اگر انگلستان میں بھی ہندوستانیوں کی نہ سنی گئی تو اس سے ہندوستان میں انگریزی حکومت کو جو عدل پر قائم بیان کی جاتی ہے سخت ضعف پہونچیگا۔ اور ثابت ہوگا کہ ہندوستان برطانیہ کی عملداری میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

⁂

امریکہ میں قانون شادی اور طلاق

امریکہ کے ایک مشہور اخبار کی مندرجہ ذیل سطور مدت تک مختلف اخبارات میں گشت لگاتی رہی ہیں۔

"تازہ ترین سرکاری اعداد کے مطابق ۱۹۲۳ء میں ایک لاکھ پینسٹھ ہزار سے زیادہ

طلاق کی وارداتیں صوبجات متحدہ میں وقوع میں آئی ہیں۔ یعنے قریب تیرہ فیصدی شادیوں کا خاتمہ طلاق میں ہوا۔ نہ تو مسیحی کلیسیا اور نہ پبلک مدت تک اپنی معاشرتی اور اخلاقی زندگی کی ایسی پامالی کی برداشت کرسکتی ہے۔ کوئی قومی قانون اس قسم کا ہونا چاہیئے جس سے اس مزدری معاملے میں ملک میں یکرنگی کی ترقی ہو مختلف صوبجات کے موجودہ قوانین کے رو سے ممکن ہے کہ کوئی آدمی ایک ہی وقت میں جائز طور سے دو یا تین عورتوں سے شادی کرے۔ بلکہ کسی معتبر آدمی نے دعوٰی سے کہا ہے کہ حیلہ سازی اور ہیر پھیر سے قانون کو ایسا مروڑا جاسکتا ہے کہ کوئی آدمی ایک ہی وقت میں مختلف صوبجات میں سات عورتوں کا شوہر ہوسکتا ہے۔ یہ کثیر الازدواجی نہیں تو اور کیا ہے"؟ قانون نکاح اور طلاق کا یہ طوفانِ بےتمیزی امریکہ کے دامن پر ایک نہایت بدنما دھبہ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جس قوم نے بالاتفاق کمربستہ ہوکر شراب خوری کو ملک سے خارج کردیا ہے یا کم از کم اُسکو خارج کرنے کے درپے ہے اُسکے لئے اس کلنک کے ٹیکے کو بھی اپنے ماتھے پر سے دھو ڈالنا ناممکن نہیں ہے۔ ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسیحی اقوام کی ہر ایک بدعملی مسیح اور اُسکے پاک مذہب کے لئے بدنامی کا باعث ہوتی ہے خصوصًا ہندوستان جیسے ملک پر اسکا اثر نہایت مہلک ہوتا ہے۔ اس سے سالہا سال کی مشنری خدمت کا بنا بنایا کام ملیا میٹ ہوجاتا ہے۔

⁂

انتقال کی خبریں مسیحی اخبارات میں وقتاً فوقتاً مسیحیوں کے انتقال کی خبریں شائع ہوا کرتی ہیں۔ یادرفتگان میں کوئی عیب نہیں۔ اُنکی جدائی کا غم ایک قدرتی احساس ہے۔ انکے رشتہ دار اور احباب کو جو صدمہ اُنکے گزر جانے سے ہوا ہے اُسکے لئے دل میں رنج اور افسوس پیدا ہوتا ہے مگر ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ ہمیں کسی بھائی یا بہن کے "ابدی نیند میں سو جانے" یا "مسیح کی حضوری میں سکونت گزیں ہونے" یا خدا باپ کی گود میں آرام کرنے کا افسوس کیوں ہونا چاہیئے۔ شاید اس قسم کے افسوس کا اظہار کرنیوالے

نہیں جانتے کہ کسی مسیحی کا آرام میں داخل ہونا رنج کا باعث نہیں ہوا کرتا۔ مناسب ہے
کہ ہم اپنے محاورات کا سمجھ سوچکر استعمال کریں۔

محبت مثل روشنی ایک مرکب چیز ہے۔ جسطرح سائینس دان روشنی کی کرنوں کو
بلور میں سے گذار کر اُسکے مجموعہ رنگوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیتا ہے۔ اُسی طرح پولوس
رسول نے الہٰی ہدایت سے مرکبات محبت کی تفصیل بیان کی ہے۔ معلوم ہو کہ
ان مفردات کے معمولی نام ہیں کہ وہ نیک خصائل ہیں جنکی نسبت ہم روز سنتے
ہیں ایسی باتیں ہیں جن پر ہر شخص ہر جگہ روزانہ عمل کر سکتا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے
کہ ان ہی چھوٹی چھوٹی باتوں اور معمولی اوصاف حمیدہ و پسندیدہ سے یہ عرفانی
اعلیٰ و اولیٰ صفت یعنی محبت بنی ہوئی ہے۔ مندرجہ ذیل اوصاف کا مجموعہ
ہی محبت ہے۔

(۱) صبر۔ محبت صابر ہے (۲) مہربانی اور مہربان (۳) سخاوت۔ محبت حسد
نہیں کرتی (۴) فروتنی۔ شیخی نہیں مارتی اور پھولتی نہیں (۵) خوش اخلاقی۔
نازیبا کام نہیں کرتی (۶) بے غرضی۔ اپنی بہتری نہیں چاہتی (۷) نرم مزاجی۔
جھنجلاتی نہیں (۸) اخلاص۔ بدگمانی نہیں کرتی (۹) بے ریا۔ بدکاری سے
خوش نہیں ہوتی۔ بلکہ راستی سے خوش ہوتی ہے۔

صبر۔ مہربانی۔ سخاوت۔ فروتنی۔ خوش اخلاقی۔ بے غرضی۔ نرم مزاجی۔
اخلاص اور بے ریائی۔ یہی اعلیٰ بخششیں ہیں۔ یہی ایک کامل انسان کے
اوصافِ حمیدہ ہیں۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ اِن تمام اوصاف و عادات
کا تعلق انسانوں سے ہے اور اسی زندگی میں ان پر عامل ہونا ہے۔ یہ باتیں
کسی نامعلوم زمانۂ آئیندہ کے لئے نہیں۔ بلکہ زمانۂ حال کے لئے ہیں۔

خدا کو پیار کرنیکے متعلق اکثروں نے ذکر کیا ہے مگر انسان سے محبت کرنیکی تعلیم مسیح نے دی ہے۔ ہم آسمان کے ساتھ صلح کرنا چاہتے ہیں۔ مگر مسیح زمین پر لوگوں کے درمیان صلح اور سلامتی لایا۔ مذہب کوئی خارجی چیز نہیں۔ بلکہ غیر فانی خدا کی مرضی کا انکشاف ہے۔ جو اس دنیا میں مخلوق کی روح وجسم کو مؤثر کرتا ہے۔ اِن اوصاف کی نسبت تھوڑا تھوڑا بیان خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

(۱) صبر۔ صبر ہی محبت ہے۔ یہ محبت کا باقاعدہ انداز ہے۔ بُردبار محبت۔ ایسی محبت جو انتظارِ موقع میں رہتی ہے۔ جلد باز نہیں بلکہ ساکن ہے، مگر بلاہٹ پر فوراً کام کرنے والی مدتوں تکلیفیں سہنی سب کچھ برداشت کرتی۔ سب باتوں کا یقین کرتی اور سب باتوں کے لئے امید رکھتی ہے۔ کیونکہ محبت سب کچھ سمجھتی ہے۔

(۲) مہربانی۔ چست محبت۔ کیا کبھی ہم نے اس امر پر غور کیا ہے کہ مسیح کی زندگی کا کسقدر حصہ رحم کرنے میں صرف ہوا۔ اسبات کو مدِنظر رکھتے ہوئے۔ مسیح کی زندگی کے احوال کو دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اسکی زندگی کا بہت بڑا حصہ لوگوں کو خوش کرنے اور اُن سے نیک سلوک کرنے میں خرچ ہوا۔ صرف پاکیزگی ہی ہے جو دنیا میں خوشی کی نسبت اعلیٰ درجہ رکھتی ہے۔ مگر پاکیزگی ہماری اختیاری بات نہیں۔ خدا نے جو چیز ہمارے دائرۂ اختیار میں رکھی ہے وہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کو خوش کریں۔ دوسروں کی خوشی صرف اِسی طرح ہوسکتی ہے کہ ہم اُن سے مہربانی کا برتاؤ اور سلوک کریں۔ کیا ہی عمدہ قول ہے اگر ہم اپنے آسمانی باپ کی خاطر اپنے چھوٹے بھائیوں سے مہربانی کا سلوک کریں تو یہ سب سے بڑی بات ہے۔ تعجب ہے کہ ہم مہربان کیوں نہیں جبکہ دنیا کو مہربانی کی سخت ضرورت ہے کیسی آسانی سے ہم مہربان ہوسکتے ہیں۔ اور اُس مہربانی کا کتنا جلد اثر نمودار ہوتا ہے۔ کیونکہ مہربانی کبھی بھولی نہیں جاسکتی۔ محبت ایک ایسا قرض ہے جسکا مقروض اس قرض کی ادائگی میں نہایت وفادار ہے۔ محبت کبھی ناکامیاب نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ کامران رہتی ہے۔ محبت ہی خوشی ہے محبت ہی زندگی۔ بلکہ زندگی کی جان ہے۔ جہاں محبت ہے،

وہاں خدا ہے۔ وہ جو محبت میں قائم ہے خدا میں قائم ہے۔ خدا محبت ہے اسلئے ضروری ہے کہ ہم میں بھی محبت ہو۔ غریبوں پر مہربانی کرنا آسان ہے۔ امیروں کو مہربانی کی سخت ضرورت ہے۔ اور اپنے ہم درجہ لوگوں پر مہربانی کرنا انتہا مشکل ہے۔ اسی وجہ سے ہم ایسوں پر بہت کم مہربانی کرتے ہیں "خوش کرنے کی کوشش کرنے" اور "خوشی بخشنے" میں بہت فرق ہے۔ چاہیئے کہ ہم خوشی بخشنے والے ہوں۔ خوشی بخشنے کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ کیونکہ یہی کامیابی کا بھید ہے۔ دنیا میں ہمیں صرف ایک ہی بار جینا ہے۔ اسلئے صرف اب ہی موقع ہے کہ ہم کسی سے اچھا سلوک کریں۔ اور کسی کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں۔ اس میں غفلت اور التوا نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ دوبارہ کبھی موقع نہ ملیگا۔

(۳) سخاوت۔ محبت حسد نہیں کرتی۔ رقابت میں محبت نہیں۔ جب کبھی آپ کوئی نیک کام کرتے ہیں تو معلوم ہو جائیگا کہ دوسرا شخص بھی اسی طریق عمل پر نیکی کر رہا ہے۔ اور شاید آپ کی نسبت بہتر درجہ اور طریقہ سے ایسے لوگوں سے کبھی حسد نہ کرو۔ لالچ اور عیب جوئی کی بد روح کے اثر سے حسد پیدا ہوتا ہے۔ خدا کی خدمت میں بھی ہمارے ادیان دین ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں۔ ہمیں صرف یہ حسد ہونی چاہیئے۔ کہ ہم میں حسد نہ کرنے کی روح کثرت کے ساتھ بلکہ پوری معموری کے ساتھ موجود ہو۔

(۴) فروتنی۔ مندرجہ بالا اوصاف کو رکھتے ہوئے ضرور ہے کہ ہم فروتن بھی ہوں۔ اپنے کیئے ہوتے نیک سلوک بالکل بھول جائیں اور کبھی زبان پر بھی نہ لاویں کہ ہم نے فلاں مہربانی کی ہے۔ جب آپ کوئی نیک کام کر چکے ہیں اور جب آپ کی محبت کے دریا نے پیاسوں کو آسودہ اور سیر کر دیا ہے۔ آپ اپنی جگہ پر واپس چلے جائیں۔ اور اپنے کارناموں کے متعلق کوئی ذکر نہ کریں۔ کیونکہ محبت سے خدمت کرنے والوں کو خود پوری تسلی نہیں ہوتی۔ محبت شیخی نہیں مارتی اور پھولتی نہیں۔

(۵) خوش اخلاقی۔ معزوات محبت کے عین مرکز میں صفت خوش اخلاقی کا ہونا تعجب خیز ہے۔ اخلاق محبت کا وہ شخصی حصہ ہے جسکا اظہار جماعت پر ہوتا ہے

محبت کوئی نازیبا کام نہیں کرتی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں شائستگی اور چھوٹے چھوٹے کاموں میں خوش اخلاقی ہی محبت کا اظہار ہیں۔ شائستگی اور خوش اخلاقی کا بھید محبت ہی ہے۔ محبت کبھی کوئی نازیبا کام نہیں کرتی خواہ کیسے ہی غیر مہذب اُجڈ شخص کو اعلیٰ سے اعلیٰ طبقہ میں بٹھا دو۔ اگر اُنکے دلوں میں محبت ہے تو کوئی نازیبا بات نہ ہوگی۔ کشش محبت اُنکو نازیبا کام کرنے ہی نہ دے گی۔ شریف انسان ہی صرف وہ ہے جو اپنے ہر ایک کام کو شرافت اور اُلفت کے ساتھ کرے۔ ورنہ وہ شریف نہیں ہو سکتا۔ شریف ہونے کی کنجی محبت ہے۔ بے لحاظ بد اخلاق اور درومندی سے خالی شخص میں محبت ہو ہی نہیں سکتی۔ ہم خوب یاد رکھیں کہ محبت کبھی بھی کوئی نازیبا کام نہیں کرتی۔

(۶) بے غرضی۔ محبت اپنی بہتری نہیں چاہتی۔ یہانتک کہ اُس چیز کی بھی خواہش نہیں کرتی جو اسکی اپنی ہی ہو۔ ہر شخص کے حقوق ہوتے ہیں جنکی محافظت اُس کا فرض عین ہے۔ پولوس رسول بھی نہیں کہتا کہ ہم اپنے حقوق چھوڑ دیویں۔ مگر ضرب محبت ایسی گہری ہے کہ ہم سے ہمارے حقوق بھی چھوٹ جاتے ہیں حقوق ہم ڈہونڈہنے ہی نہیں اور نہ اُنکی پرواہ کرتے ہیں۔ بلکہ ذاتی فائدونکو خواب وخیال میں بھی نہیں لاتے۔ اپنے حقوق کو چھوڑ دینا کچھ مشکل نہیں۔ البتہ اپنے آپ ہی کو کھو دینا اور بھول جانا قدرے مشکل ہے۔ اپنے حقوق ڈہونڈ کر خرید کر حاصل کر کے حقدار بنکر چھوڑ دینا کوئی بڑی خود انکاری نہیں۔ ہم نے اُنکا عرق تو چوس لیا۔ تمام چکنائی اور طاقت کو ہضم کر لیا۔ اور پھر چھوڑ دینا کوئی صلیب اُٹھانا نہیں۔ البتہ ایسی چیزوں کی تلاش ہی نہ کرنا اور خاطر ہی میں نہ لانا بہادری ہے کیسا عمدہ قول ہے "کیا تو بڑی چیزوں کی تلاش میں ہے اُنکی تلاش نہ کر کیوں؟ اسلئے کہ چیزیں بڑی ہو ہی نہیں سکتیں اُن میں کوئی بھی بڑائی نہیں۔ اگر کوئی بڑی چیز ہے تو وہ بے غرضانہ محبت ہے۔ کوئی بات نہیں جس میں محبت کامیاب نہ ہوتی ہو۔ سخت سے سخت مشکلات بھی حل ہو جاتی ہیں۔ بلکہ مصیبتیں ہی راحت جان بن جاتی ہیں۔ اگر ہم مسیح کی تعلیم پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ لینے اور حاصل کرنے میں کوئی خوشی نہیں۔ بلکہ صرف دینے ہی میں حقیقی اور اصلی خوشی ہے۔

نصف سے زیادہ دنیا خوشی حاصل کرنے کے غلط طریقہ کی پیروی کر رہی ہے۔ وہ دنیا کو حاصل کرنا اور دوسروں سے خدمت لینا ہی خوشی سمجھتے ہیں۔ مگر مسیح فرماتا ہے" وہ جو تم میں بڑا ہونا چاہتا ہے خدمت کرے"۔ وہ جو خوش ہونا اور خوش رہنا چاہتا ہے ہمیشہ یاد رکھے کہ اسکا صرف ایک ہی راستہ ہے "دینا لینے سے مبارک ہے"۔

(۷) نرم مزاجی۔ جھنجلاتی نہیں۔ یہ بھی بڑی نادر اور عجیب صفت ہے۔ اس صفت کی شمولیت نہایت عجیب ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جلدی ناراض ہو جانا ایک بڑی معمولی اور بے ضرر کمزوری ہے۔ ہم اسکو ضعفِ مزاج خاندانی عادت یا جوشیلی طبیعت ہی خیال کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ یہ انسان کی بڑی بھاری کمزوری ہے۔ تفصیلِ محبت میں اس عادت کے ذکر کے علاوہ بائبل اس عادت کو بار بار قصوروار ٹھہراتی ہے۔ کیونکہ یہ انسانی فضیلت کو تباہ و برباد کرنے والا عنصر ہے۔ حیرت اس میں ہے کہ یہ صالح اور نیک افراد ہی کی بُرائی ہے اور تمام باقی شریف خصلتوں کی موجودگی میں یہ ایک بدنما دھبہ ہے۔ کئی ایک اشخاص کو آپ خود جانتے ہوں گے جو نہایت اچھے بلکہ کامل کہے جا سکتے ہیں۔ مگر جنکے مزاج تیز ہوتے ہیں علم اخلاق میں شرافت کے ساتھ ساتھ تیز مزاجی ایک نہایت غمناک اور عجیب موافقت ہے حقیقت یہ ہے کہ گناہ دو بڑی قسموں کے ہیں۔ جسم کے گناہ اور طبیعت کے گناہ۔ مصرف بیٹے کو ہم جسم کے گناہ کی مثال لیویں اور اُسکے بڑے بھائی کو طبیعت کے گناہ کی۔ کون نہیں جانتا کہ ان میں سے بڑا اور بُرا گناہ کونسا ہے۔ بلا شک و شبہ اسکا بدا ثر مصرف بیٹے پر پڑتا ہے۔ ہمارے پاس گناہ تولنے کے لئے کوئی ترازو تو نہیں مگر ایک بات ضرور ہے کہ وہ گناہ جو محبت کے خلاف کیا جاتا ہے دوسرے گناہوں کی نسبت کئی درجے زیادہ بُرا اور قابلِ ملامت ہے۔ مسیحیت کو بدنام کرنے میں بدی دنیاداری۔ لالچ شرابخوری سے زیادہ بدمزاجی اعلیٰ درجہ رکھتی ہے۔ زندگیوں کو تلخ بنانا خلقت کو تباہ کرنا۔ نہایت پاک رشتوں کو توڑنا۔ آدمیوں اور عورتوں کو سکھا سکھا کر مارنا۔ بچپنے کی معصومیت اور رنگ روپ کو چاٹ جانا۔ گویا کہ جتنی بھی خرابیاں اس دنیا میں

نظر آرہی ہیں اسی ایک بد عادت کا نتیجہ ہیں۔ اس بڑے بھائی کی حالت پر غور کریں وہ کیسا نیک جفاکش صابر اور تابعدار ہے۔ ان سب باتوں میں وہ قابلِ تعریف ہے، مگر دیکھیں وہ اپنے باپ کے دروازہ کے باہر کھڑا ہے۔ ہم پڑھتے ہیں کہ وہ ناراض ہے اور گھر کے اندر داخل ہونا نہیں چاہتا۔ اس بدمزاجی کے اثر کو جو باپ پر۔ نوکروں پر اور مہمانوں کی خوشی پر ہے ملاحظہ کریں۔ علاوہ ازیں اسکا جو اثر اس مصرف بیٹے پر ہے اسکا اندازہ لگائیں ایسے لوگوں کی وجہ سے جو اپنے آپ کو خدا کی بادشاہت کا وارث جانتے مگر جن میں محبت نہیں کتنے مصرف بیٹے خدا کی بادشاہت کے باہر رہتے ہونگے۔ آؤ ذرا بڑے بیٹے کی بدمزاجی کا امتحان کریں۔ حسد۔ غصہ۔ غرور۔ نامہربانی۔ بے رحمی۔ خودستائی۔ ذلت اور کشیدگی۔ یہی خصلتیں ہیں جنسے یہ تاریک اور بے مہر رُوح بنی ہوئی ہے۔ ہر بدمزاج شخص میں یہی خصلتیں مختلف اندازمیں پائی جاتی ہیں۔ اب آپ خود ہی انصاف کریں کہ آیا بدمزاجی یعنی طبیعت کا گناہ بڑا ہے یا جسم کا گناہ۔ کیا مسیح نے خود ایسے ہی اشخاص کے لئے نہیں فرمایا۔ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ گنہگار خدا کی بادشاہت میں تم سے پہلے داخل ہوں گے"۔ حقیقت میں آسمان میں بدمزاجوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ وہ تو اپنی بدمزاجی سے وہاں کے رہنے والوں کو بھی تنگ کر دینگے۔ بشرطیکہ ایسے اشخاص "دوبارہ پیدا نہ ہوں کبھی بھی خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتے"۔ آپ اس بات میں غلطی نہ کھائیں۔ بہشت میں داخل ہونا ناممکن ہے جبتک کہ ہم بہشت کو اپنے ساتھ نہ لیجائیں۔ اب ہمیں معلوم ہوگیا کہ مزاج کسقدر ضروری ہے۔ مزاج آزمائش محبت ہے۔ اسی سے ہم جان سکتے ہیں کہ کسی شخص کے باطن میں محبت ہے کہ نہیں۔ بدمزاجی ایک ایسا بخار ہے جو اندرونی لاعلاج اور مہلک امراض کی علامت ہے۔ اسکا وقتاً فوقتاً اظہار ایسے آبی بلبلے ہیں جنکے نیچے بدبو اور سڑانڈ ہوتی ہے۔ روح کی پوشیدہ گندگی اس سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ صبر مہربانی۔ سخاوت۔ فروتنی۔ خوش اخلاقی۔ بے غرضی۔ ان ساری اوصاف کی کمی صرف ایک بدمزاجی سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ مزاج کے متعلق تو جسقدر کہا جائے وہ کم ہے۔ ہمیں اسکی تہ تک جانا چاہیئے اور

اندرونی طبیعت کو بدلنا چاہیئے کسی دوائی یا علاج سے فائدہ نہیں ہو سکتا۔ جبتک کہ محبت کی وہ نئی روح یعنے مسیح کی روح ہم میں داخل نہ ہو۔ محبت کی روح ملجانے پر ہر ایک عادت بدل جائے گی۔ ہر ایک برائی کو صرف محبت ہی نکال سکتی ہے۔ تقلیب القلب صرف اسی طرح ہو سکتی ہے۔ ہماری قوت ارادہ ہمیں نہیں بدل سکتی اور نہ ہی زمانہ بلکہ صرف محبت۔ مسیح کی محبت۔ "اسلئے اپنے میں وہ مزاج رکھو جو مسیح کا تھا"۔ یاد رکھیں کہ یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ "جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان رکھتے ہیں کسی ایک کو بھی ٹھوکر کھلائے۔ اُسکے لئے بہتر ہے کہ اُسکے گلے میں چکی کا پاٹ لٹکا کر سمندر میں ڈبو دیا جائے"۔ یعنی مسیح نے خود یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جو شخص محبت نہیں رکھتا اُسکا زندہ رہنا ہی مناسب نہیں۔ محبت نہ رکھنے کی نسبت مرجانا بہتر ہے۔

(۸) اخلاص۔ محبت بدگمانی نہیں کرتی ۔ انسانوں کے لئے وصفِ اخلاص خدائے کریم کا فضلِ عظیم ہے اور شخصی تاثیر کی جابی یہی ہے۔ اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ پر ایسے ہی اشخاص کی تاثیر ہوتی ہے جو آپ پر یقین کرتے ہیں۔ بدگمانی ہی کے سبب آدمی مرجھا جاتے ہیں۔ مگر اس ظالم دنیا میں چند ایک وجود ایسے بھی ہیں جو کبھی برائی کا خیال نہیں کرتے۔ یہ سب سے بڑی خوبی ہے۔ محبت بدگمان نہیں۔ کسی باعث سے تہمت نہیں لگاتی۔ ہر ایک کام کے اچھے پہلو کو مدنظر رکھتی ہے۔ اور ہر فعل کے لئے نیک نتیجہ نکالتی ہے۔ یہ کیسی مبارک زندگی ہے۔ اگر ہم دوسروں پر اپنا اثر ڈالنا چاہتے یا اُنکو گری ہوئی حالت سے اُٹھانا چاہتے ہیں تو اسکا نتیجہ اتنا ہی ہوگا جتنا کہ ہمکو اُنکی نسبت یقین ہے۔ یاد رکھیں کہ دوسروں کی عزت کرنے سے ہماری اپنی عزت بڑھتی ہے۔

(۹) بے ریا۔ محبت بدکاری سے خوش نہیں ہوتی بلکہ راستی سے خوش ہوتی ہے۔ وہ جسمیں محبت ہے سچائی کو انساں سے کم پیار نہ کرے گا۔ بلکہ راستی میں خوش و خرم رہیگا۔ کلیسیائی دستورات مروجہ رسومات اور دینی تعلیموں میں اُسکی خوشی نہیں۔ بلکہ صرف راستی میں خوشی ہوگی۔ وہ صرف حقیقت کا یقین کریگا۔

اور اصلیت کو معلوم کرنے کی کوشش کریگا۔ وہ حلیمی اور صاف دلی سے سچائی کی تلاش کرے گا اور سچائی ملجانے پر اپنی جان سے زیادہ اُسکی حفاظت کرے گا اس آیت میں پولوس رسول کا مدعا اس قسم کی فیاضی سے ہے جس سے کہ ہمیں کمزوروں کی کمزوریوں کو مشتہر کرنے کی بجائے پردہ پوشی بالنظر اندازی کرنی چاہیئے۔

تفصیل محبت کی نسبت اسقدر بیان کرنے کے بعد ہمیں اسبات پر غور کرنا چاہیئے کہ یہ صفات ہم میں کسطرح مناسب مناسبت میں پیدا ہوسکتی ہیں۔ ہم دنیا میں اسی اعلیٰ کام کے لئے آئے ہیں کہ لوگوں کو محبت کرنا سکھائیں۔ محبت کرنی سیکھنے کے لئے کیا زندگی میں ہزارہا موقعے نہیں ملتے۔ دنیا کھیل گاہ نہیں بلکہ ایک مدرسہ ہے۔ زندگی ایامِ رخصت نہیں بلکہ زمانۂ تعلیم ہے اس میں ہمیں صرف ایک ہی اصلی اور ابدی سبق سیکھنا ہے یعنی یہ کہ ہم کس طرح بہتر طریق پر محبت کر سکتے ہیں۔ اچھی طرح کرکٹ کھیلنا کیونکر آسکتا ہے۔ مشق کرنے سے مصوری۔ سنگ تراشی اور علمِ موسیقی میں کسطرح قابل ہوسکتا۔ مشق کرنے سے۔ زباندانی اور حکمت میں قابلیت کیسے ہوسکتی ہے مشق کرنے سے۔ ایک انسان کسطرح اچھا انسان بن سکتا ہے۔ صرف مشق کرنے سے۔ محبت محض ایک ولولہ نہیں بلکہ مسیحی خصلت کا سمورشدہ (؟) مردانہ اور زبردست اظہار ہے۔ اس بڑی خصلت کو حاصل کرنیکے لئے لگاتار مشق کرنی چاہیئے۔ مسیح بڑھئی کی دوکان میں کیا کیا کرتا تھا۔ مشق۔ اگرچہ وہ کامل تھا تاہم کتابِ مقدس بتاتی ہے کہ وہ تابعداری سیکھتا تھا۔ اور یہ کہ وہ دانائی میں اور خدا اور انسان کی منظوری میں بڑھتا گیا۔ اسلئے اپنی بے شمار فکروں مصیبتوں اور اُنکی ناقابلِ برداشت اثرات اور نتائج کی شکایت نہ کرو۔ بلکہ مردانہ وار مقابلہ کرو۔ آزمائشوں کو بُرا نہ مانو۔ اور جب تکلیفوں کے بادل نہایت گہرے اور تاریک ہوں تو مایوس نہ ہوجاؤ بلکہ دعا اور محنت میں لگے رہو۔ یہی مشق ہے جو خدا نے ہمارے لئے رکھی ہے۔ اور اسی کے وسیلے ہم صابر مہربان۔ سخی۔ فروتن۔ خوش اخلاق بے غرض اور نرم مزاج بنتے جاتے ہیں۔ آزمائشوں۔ تکلیفوں۔ اور مصیبتوں میں سے ہی

گذر کر ہماری سیرت اعلیٰ سے اعلیٰ بنتی جاتی ہے۔ دنیا سے اپنے آپ کو علیحدہ نہ کرو کیونکہ مشکلات اور رکاوٹوں پر حاوی ہونے سے ہی ہم کامل ہو سکتے ہیں۔ ایک شخص کا قول ہے کہ "عقل تنہائی میں بڑھتی ہے مگر خصلت دنیا میں رہنے سے"۔ دنیا ہی میں ہمیں محبت کرنا سیکھنا اور مشق کرنا ہے۔ مفرداتِ محبت کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ تو بھی محبت کا پورا بیان نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اسکی اصلی تعریف ہو سکتی ہے۔

مفرداتِ روشنی میں اور روشنی میں جسطرح فرق ہے اسیطرح محبت اور مفرداتِ محبت میں بھی بڑا فرق ہے جسطرح روشنی کے تمام اجزا کو ملا کر سائینسدان صرف سفید رنگ پیدا کر سکتے ہیں نہ کہ اصل روشنی۔ اسیطرح محبت کے تمام اجزا کو ملا کر صرف خصلتیں ہی پیدا ہو سکتی ہیں نہ کہ محبت۔ جب حالت یہ ہے تو کیونکر یہ غیر فانی وصف ہم میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر ہم اپنی قوتِ ارادہ کو اسکے حاصل کرنیکے لئے مضبوط کریں اور ان اشخاص کے نقشِ قدم پر چلیں جن میں یہ وصف موجود تھا اور جاگتے اور دعا مانگتے رہیں تو بھی ہم میں محبت پیدا تو نہیں ہو جائیگی محبت تو ایک اثر ہے یا نتیجہ۔ اور یہ اثر یا نتیجہ تب ہی پیدا ہو سکتا ہے اگر ہم اسکے موجب کی شرائط کو منظور کریں۔ یوحنا کے پہلے خط میں لکھا ہے۔ "ہم محبت کرتے ہیں کیونکہ اس نے پہلے ہم سے محبت کی" "ہم محبت کرتے ہیں" نہ کہ ہم اس سے محبت کرتے ہیں"۔ اب موجب کا پتہ ملگیا ہے "کیونکہ اس نے (خدا) پہلے ہم سب سے محبت کی"۔ جب یہ معلوم ہو جاوے تو فوراً اثر شروع ہو جاتا ہے۔ "ہم محبت کرتے ہیں" کس سے؟ خدا اور انسان سے۔ ہم محبت کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔ چونکہ خدا نے ہم سے محبت کی اس لئے ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اسی سے ہمارے دلوں میں تبدیلی شروع ہو جاتی ہے۔ یعنے مسیح کی محبت کو اپنے دلوں میں جگہ دینے سے۔ اسکے سوا کوئی اور طریقہ نہیں۔ کیسا اعلیٰ نمونہ۔ کیسی اعلیٰ زندگی۔ کیسی خود انکاری کی موت۔ صلیبی موت۔ اگر ان باتوں کو ہم اپنے آئینۂ دل پر نقش کرلیں تو محبت خود بخود پیدا ہو جائے گی جس طرح فولاد کے ٹکڑے کو مقناطیس کے پاس تھوڑی دیر رکھا جائے تو اس میں بھی عارضی طور پر قوتِ مقناطیس پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ہم مسیح کے پاس اور

اسکی صحبت میں اپنی زندگی گذاریں تو ہم میں بھی یہ وصف پیدا ہو جاوے گا۔ ایک دفعہ ایک شخص ایک قریب المرگ لڑکے کے پاس گیا اور اسکو کہا "بیٹا خدا تجھے پیار کرتا ہے"۔ اس لڑکے کی حالت اس وقت سے بدل گئی اور وہ ایک نیا انسان بنگیا۔ کیونکہ اسکو یقین ہو گیا کہ خدا اسکو پیار کرتا ہے۔ ہم اپنوں کو۔ غیروں کو بلکہ دشمنوں کو بھی پیار کرتے ہیں۔ صرف اسلئے کہ "اس نے پہلے ہم سے محبت کی"۔

"محبت صابر ہے اور مہربان۔ محبت حسد نہیں کرتی۔ محبت شیخی نہیں مارتی اور پھولتی نہیں۔ نازیبا کام نہیں کرتی۔ اپنی بہتری نہیں چاہتی جھنجلاتی نہیں بدگمانی نہیں کرتی۔ بدکاری سے خوش نہیں ہوتی۔ بلکہ راستی سے خوش ہوتی ہے۔ سب کچھ سہ لیتی ہے۔ سب کچھ یقین کرتی ہے۔ سب باتوں کی امید رکھتی ہے۔ سب باتوں کو برداشت کرتی ہے"۔

ڈاکٹر۔ ای۔ چارلس۔ از گوجرانوالہ۔

نوشتوں کے لئے کیا درکار ہے

جب ہم نوشتوں کے لئے کن باتوں کی ضرورت ہے کے مسئلہ پر غور کرنے لگتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ یہ ذرا عملی حصہ ہے یہاں فقط تخیل ہی تخیل نہیں ہے بلکہ عمل درکار ہے۔ چنانچہ۔

پہلی بات ہے علم با واقفیت۔ جسکا صریح ثبوت حضرت پولوس رسول مقبول کے کلام میں جب وہ تمطاؤس کو تحریر فرماتے ہیں ملتا ہے۔

دیکھو ذرا۔

"تو اُن باتوں پر جو تو نے سیکھی تھیں اور جنکا یقین تجھے دلایا گیا تھا یہ جانکر قائم رہ کہ تو نے انہیں کن لوگوں سے سیکھا تھا اور تو بچپن سے اُن پاک نوشتوں سے واقف ہے"۔ (۲ تمطا ۳/۱۴)

تمطاؤس کو اسکی والدہ اور اسکی نانی نے بچپن سے تعلیم دی۔ اُنہوں نے نہ فقط

زبانی تعلیم دی تھی جو باعث فروغ تخیل ہوتی بلکہ زندگی کے اعلیٰ ترین نمونے سے تعلیم دی۔ تمطاؤس کا سکول اور کالج کس علی درجہ کا مستند تھا جسکو حضرت پولیس ایسا رسول مقبول بطور سند پیش کرتا ہے کہ تو نے یہ تعلیم کن لوگوں سے پائی۔ تو تو بچپن سے واقف ہے اور علم رکھتا ہے۔ نہ فقط علم بلکہ تجھے یقین دلایا گیا۔

آج اسی بات کی اشد ضرورت ہمکو کیا محسوس نہیں ہوتی ؟ کیا ہمنے کبھی ایک لمحہ کے لئے غور کیا کہ بندگان خدا کتنی مدت سے ہمکو تعلیم دیتے رہے ہیں اور اسکا ثمرہ کیا ہے۔ کیا وہ تعلیم ہمارے دل و دماغ میں اسقدر بیٹھ گئی ہے کہ خدا کی کلام کی صحیح تعلیم کے مطابق ہماری زندگی سے نمایاں ہے جسکی تعلیم ہم بچپن سے پاتے آئے۔ یا ہماری زندگی فقط سرسری نمائش اور ظاہری فیشن کی بنے۔ مگر باطنی اور روحانی فیشن میں کہاں تک پاک نوشتوں کے مطابق ہے ؟ کیا ہم کبھی سوچتے ہیں کہ ہمنے کن سے تعلیم پائی۔ اسپر قایم و ثابت ہیں ؟ لازم ہے کہ ہم اپنے آپ سے تین سوال پوچھیں۔

(۱) کیا ہم پاک نوشتوں کے مضامین سے واقفیت رکھتے ہیں۔

(۲) کیا پاک نوشتوں کے مضامین کے معانی و مطلب کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں یا پیک۔ ڈملو وغیرہ تک ہی محدود ہے۔

(۳) ہم کلام اللہ سے واقفیت اور اُسکے مضامین کے معانی و مطلب کا علم رکھتے ہیں تو ہماری زندگی میں اور زندگی سے کہانتک عملاً نمایاں ہیں۔

پاک نوشتوں کی بے علمی اور کج فہمی کے باعث ہی بدعتیں پیدا ہوتی رہی ہیں جو مختلف زمانوں میں مختلف صورتوں میں ہویدا ہوتی رہی ہیں پس ہم خدا کے نوشتوں کی صحیح و اصلی تعلیم کو حاصل کریں اور انکا علم نہ فقط علم ہی ہو بلکہ علمِ باعمل ہو جو علم کا ثبوت یا ظہور ہے۔ اسلئے سب سے بڑھکر جو شے درکار ہے وہ علم ہے۔ تو اسے ذہنی و دماغی کا اسلئے کہ نوشتے کیا کہتے ہیں۔ عبادت۔ دعا اور اسکی حمد کا اسلئے کہ میری زندگی سے انکا کیا تعلق ہے اور دوسروں کی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔

دوسری چیز جو درکار ہے وہ یقین یا توکل یا اعتقاد ہے۔

"یعنے یسوع مسیح پر ایمان لانیکے وسیلے سے کیونکہ ہر صحیفہ خدا کے الہام سے ہے" اور ہر صحیفہ خداوند مسیح کی بابت تعلیم دیتا ہے۔ یہ ہے حضرت پولوس رسول کا خیال عہد عتیق کے بارے میں۔ فی زمانہ بہت سے ایسے اشخاص ہیں جو عہد عتیق کو کسی شمار میں نہیں لاتے۔ مگر حضرت پولوس رسول مقبول عہد عتیق کے بارے میں کیسی پختہ صائب اور اعلےٰ رائے رکھتے ہیں جبکہ وہ فرماتے ہیں کہ "یہی نجات حاصل کرنیکے لئے دانائی بخش سکتے ہیں"۔ مگر اب جو ضرورت رہی وہ یقین یا ایمان کی رہی۔ نیا اور پرانا عہدنامہ ایک دوسرے سے ایسا پیوستہ ہے کہ انکو جدا کرنا ہمارے امکان سے باہر ہے۔ کیونکہ پرانے عہدنامہ کی تکمیل نئے عہدنامہ میں ہے اور نئے عہدنامہ کی سمجھ بغیر پرانے عہدنامہ کے مشکل ہے۔ پس اگر ایک پر ایمان رکھیں اور دوسرے پر نہ رکھیں تو ہمارا ایمان ادھورا ایمان ہوگا۔ اور کامل نہ ہوگا۔ ہمارے خداوند کا نمونہ ہمارے سامنے ہے وہ خود پرانے عہدنامہ کا صحیح علم رکھتا تھا جو اسکی زندگی کا دستور العمل تھا۔ وہ خود یوں فرماتا ہے "میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ پوری کرنے آیا ہوں"۔ تو بھلا مقام غور ہے کہ ہم کون ہیں کہ ایک عہدنامہ کو تو مانیں اور دوسرے عہدنامہ کو نہ مانیں۔ کیا لازم نہیں ہے کہ ہم یسوع مسیح پر ایمان لانیکے وسیلے ہر دو پر یقین رکھیں؟ کیونکہ یہ دونوں ہمارے خداوند کے باپ سے پہنچے ہیں۔ تمام کلام۔ تمام وعدے ایک ہی جگہ سے نکلے ہیں انکا مخزن ایک ہی ہے۔ اگر ہم ایک پر ایمان لائیں اور دوسرے پر نہ لائیں تو اسکے یہ معنے ہوں گے کہ ہم اس کے یعنے قادر مطلق کے کلام اور وعدوں کی بیعزتی کرتے ہیں اور اسکی بیعزتی ہی گناہ ہے۔ پس ہمارے اس ایمان میں لغزش نہ ہو۔ ہمارا ایمان ہر دو عہدناموں پر پختہ و کامل ہونا چاہئے۔ اور ہر دو کا علم بھی۔ ورنہ ہم گنہگار ٹھہرینگے۔

تیسری بات قیام یعنے قائم و ثابت رہنا۔

"تو ان باتوں پر قائم رہ جنکی تو نے تعلیم پائی ہے"۔

نہ فقط حضرت پولوس رسول مقبول ہی تمطاؤس کو قائم رہنے کی تعلیم دیتا ہے

مسٹر ڈی۔ زیڈ۔ نجم الدین کا خط اور اُسکا جواب :-

ذیل کا خط ہمکو مسٹر ضیغم نجم الدین صاحب کی طرف سے موصول ہوا ہے جس سے پچھلی غلط فہمیوں پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ اگر ہمارے گزشتہ نوٹ سے یہ بات مفہوم ہوتی ہو کہ مسٹر نجم الدین صاحب نے ہماری عدم موجودگی کا نامناسب فائدہ اُٹھایا تو ہم اپنے الفاظ کو واپس لیتے ہیں۔ مسٹر اور مسز نجم الدین کے لئے ہمارے دل میں بڑی عزت ہے۔ جو اِیثار اُنہوں نے این۔ ایم۔ ایس کی خاطر کئے ہیں ہم اُنسے بخوبی واقف ہیں۔ اور اگر ہمارا کوئی اختلاف اُنسے ہوا تو این۔ ایم۔ ایس کے کونسٹی ٹیوشن و قواعد کی نسبت - ہم جانتے ہیں کہ انہیں تبدیل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور مسٹر نجم الدین اُن کمزوریوں کو دور کرنے میں خود بھی کوشش بلیغ کر رہے ہیں۔ کسی مسیحی کو این۔ ایم۔ ایس کے اغراض و مقاصد کے ساتھ کسی قسم کی خلش اور خصومت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ کام قوم کے فرد فرد کا ہے نہ کہ معدودے چند کا۔ ہر شخص کا فرضِ اولین ہے کہ اس کام میں ہمہ تن امداد دے۔

ایڈیٹر انچیف

بخدمت جناب ایڈیٹر انچیف صاحب رسالہ مسیحی

مکرم بندہ

تسلیم۔ جناب کی خدمت میں اُس ایڈیٹوریل نوٹ کی نسبت جو رسالہ مسیحی کے اکتوبر نمبر میں زیر عنوان "گھر سے خیر کی خبر" شائع ہوا ہے اتنا عرض کیا چاہتا ہوں کہ جیسا جناب نے تحریر فرمایا ہے واقعات اس سے منفرق ہیں۔ پادری واعظ صاحب کی نکتہ چینی کا جواب میں نے آپ کی خدمت میں بعد ایک خط کے لفافہ میں بند کر کے بھیج دیا تھا اور امید تھی کہ جلد آپ تک پہنچ جائیگا۔ لیکن آپ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی رسائی آپ تک نہ ہوئی۔ میرا ہرگز آپ کی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھانیکا مطلب نہ تھا۔ بلکہ مجھے تو اتنا بھی علم نہ تھا کہ آپ ایڈیٹر انچیف کی خدمات ماہ اکتوبر کے لئے کسی اور کے سپرد کر گئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ جناب اپنے رسالہ کے آئندہ نمبر میں اپنے مذکورہ بالا نوٹ کی تصحیح کر کے ممنون فرمائینگے۔ اور ایک نقل مجھے بھیج دینگے۔

نیازکیش

ڈی۔ زیڈ۔ نجم الدین۔ پراونشل سکرٹری۔ این۔ ایم۔ ایس۔ پنجاب۔ لاہور۔

نوٹ: چونکہ ہم ان دونوں خطوط کے چھاپنے کا پہلے وعدہ کر چکے تھے اسلئے درج رسالہ کرتے ہیں۔ یہ ہر دو خطوط واقعی بھی حاشیہ چڑھا کر چھاپے گئے ہیں۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ اسقدر کا حاشیہ چڑھایا جائیگا تو شاید ہم انہیں نہ چھاپتے کیونکہ اس قسم کے طرّے لگانے سے اور غلط فہمی پھیلنے کا احتمال ہے جسے ہم ناپسند کرتے ہیں۔ امید ہے کہ فریقین اس معاملہ کو آئندہ کے لئے نظرانداز کر دینگے۔

جلالِ مسیح

(از قلم میر کریم الدین برقؔ ۔ منشی فاضل ۔ گوجرہ ضلع لائلپور)

مسیحا سے اُلفت لگانا شفا ہے
یہی لاکھ مرضوں کی بہتر دوا ہے

چلا جو پیچھے ہے جو گنہ سے بچا ہے
نہ بھولے سے گمراہ کبھی وہ ہوا ہے

مقدس تو نبیوں میں ہے ابنِ آدم
مگر روح اقدس سے سارا بنا ہے

کسا ای ۔ جلالی ۔ بڑی شان والا
وہ زندہ ہے جو آسماں پر گیا ہے

پھر آئے گا اے برقؔ روزِ قیامت
ہے نزدیک وہ وقت ایسا لکھا ہے

ہندوستان میں پہلا مسیحی شہر

چونکہ یہ مضمون بڑا دلچسپ اور مفید ہے لہذا ناظرین کرام کے فائدے کے لئے "شباب اردو" ماہ جون ۱۹۲۵ء سے نقل کیا گیا ہے۔ (ایڈیٹر انچیف)

یوں تو اس وقت تمام ہند میں سرکار انگریزی کا راج ہے۔ مگر ایک وقت تھا جبکہ حضرت عیسیٰ کا نام کتاب میں تو دیکھا جاتا تھا مگر ایک عیسائی کو سرزمین ہند پر کسی نے دیکھا نہ تھا۔ یہ پندرہ سو عیسوی کا ذکر ہے جبکہ یورپین طاقتوں نے کسی نہ کسی راستہ سے اور کسی نہ کسی طرح ہند میں پہنچنے کا مصمم ارادہ کیا۔ تو یہ شرف سب سے اول افریقہ کے گرد ہو کر ہند کے غربی کنارے پر ایک عیسائی کے آنے اور قابض ہو کر رہنے کا ڈالنسو البوکرک ساکن پرتگال کو حاصل ہوا۔ کیونکہ اس زمانہ میں اہل پرتگال فن جہاز رانی میں سب قوموں سے بڑھے ہوئے تھے۔ البوکرک اعظم ۱۵۱۰ء میں ۲۴ جہاز اور صرف بارہ سو سپاہی لیکر نہایت دلیری سے ساحل مالابار پر اترا۔ اور بلا خوف و تردد سمندر کے کنارے شہر گوا پر جو اس وقت میں شاہان بیجاپور کے قبضہ میں

تھا۔ اپنا جھنڈا لہرایا۔ یہی شہر گوا ہے جہاں پر سب سے اول مسیحی قبضہ ہوا اور ہندوستان بھر میں سب سے اول گرجے کی بنیاد رکھی گئی۔ جہاں کا گرجا اسوقت تک اپنی قدامت اور عظمت کے باعث مشہور ہے۔

جس وقت البوکرک اعظم نے شہر گوا پر قبضہ کرلیا۔ تو شاہان دکن بھی اس سے غافل نہ ہوئے۔ چنانچہ ایک سال کے اندر اندر البوکرک اور اسکی مختصر فوج کو گوا کے علاقے سے نکال دیا۔ مگر پھر پرتگال سے اور کمک آنے پر البوکرک پھر قابض ہوا۔ اور ایک مستحکم قلعہ بھی سمندر کے کنارے بنایا۔ اور ایسا مسلط ہوا کہ چار سو سال کے مختلف انقلابات کے باوجود یہ شہر اتبک پرتگال کے قبضے میں ہے۔ اور اسی کا حال ہدیہ ناظرین شتاب ہے۔

احاطہ بمبئی کے مشہور شہر پونا سے مدراس اور سدرن مرہٹہ ریلوے کی چھوٹی لائن سے سوار ہو کر ستارا۔ میرآج۔ بلگام سے گذرتے ہوئے لونڈا جنکشن پہنچتے ہیں۔ یہاں سے اگلا سٹیشن کیسل راک ہے۔ یہیں سے انگریزی ریل کا ٹرمنس (خاتمہ) اور پورچگیز ریلوے کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ پرتگالی ریل مغربی گھاٹ کو جسے برگنزا گھاٹ بھی کہتے ہیں یہیں سے عبور کرنا شروع کرتی ہے۔ اور بسبب چڑھائی کے ڈبل طاقت کا انجن ریل میں لگایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ سفر بہت مختصر ہے۔ مگر اپنے نظارے کے لحاظ سے دنیا کے بہترین حصہ میں شمار ہوتا ہے۔ اور دارجیلنگ کی ریل میں پایا جاتا ہے۔ یہاں کے سرسبز پہاڑوں کا منظر۔ قدرتی آبشار ریل کے متوازی پانی کی دوڑ۔ ایکطرف سر بفلک پہاڑ دوسری طرف خطرناک اور گہرے غار۔ خوف اور انبساط کا مجموعہ۔ جنگلی جانوروں کا ریل کی سیٹی اور شور سے بے تحاشا بھاگنا۔ اور شکاریوں کا جی للچا کر انکی زد سے بے خوف ہو جانا۔ یہ مناظر تو بکثرت ہیں مگر کیسل راک اور کالم کے درمیان دودھ ساگر کا آبشار ایک ایسا دلچسپ نظارہ ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ آبشار سب سے بڑا ہے۔ ایک موٹی دھار کا پہاڑ کی چوٹی سے جابجا ٹکراتے ہوئے نیچے کو زور سے اور مختلف شاخوں میں گرنا صاف پانی کا پتھروں سے ٹکرانا اور سفید جھاگ کا پیدا ہونا۔ پھر ریل کے نیچے سے اس دودھ جیسے پانی کا گذرنا ایک نہایت ہی دلکش منظر پیدا کرتا ہے۔ پہاڑ سے گذر کر

اب ہم ہندوستان کے پرتگالی علاقہ میں پہنچ گئے۔ سٹیشن کی عمارات بالکل جداگانہ۔ سٹیشن ماسٹر بلکہ تمام سٹیشن سٹاف۔ قلی۔ مسافران۔ ساکنین سب پرتگالی بولتے ہیں یا صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اب برٹش انڈیا سے دور ہیں۔ اور ملک پرتگال میں سفر کر رہے ہیں۔ کیا رہنے کا مکان۔ کیا گرجے۔ کیا لباس۔ کیا سکہ سب پرتگالی۔

غرضکہ سولھویں صدی اور سترھویں کے آغاز میں جبکہ برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی ابھی مہد میں تھی۔ شہر گوا پرتگیزوں کے ماتحت اپنے شباب پر تھا۔ اور ایسا عمدہ تجارتی بندرگاہ تھا جسکا مقابلہ موجودہ زمانہ کے کلکتہ اور بمبئی جیسے شہر نہیں کر سکتے۔ مگر ہر کمالے را زوالے۔ جب اہل ہالینڈ نے اپنا تجارتی جال پھیلایا تو یہ بھی باوجود نہایت مستقل رہنے کے معرض زوال میں آیا۔ اور دو سو سال میں گھٹتے گھٹتے ایسا گھٹا کہ اب بجز چند پرانے گرجاؤں کے (جنکے سبب یہ پہلا مسیحی شہر سرزمین ہند کا کہلاتا ہے) اب بالکل ویران ہوگیا۔ اور اسکی جگہ اس سے پانچ میل کے فاصلہ پر پنجم نے لے لی۔ اور مارما گاؤ پرتگالی ہند کا بندرگاہ بنگیا۔ اور اس گوا کا جسپر البوکرک نے آکر قبضہ کیا تھا اب پتہ بھی نہیں کہ کہاں بستا تھا۔ گوا میں سب سے پرانا گرجا فرنسس کیویر کا ہے۔ جو پہلا گرجا ہے۔ اور بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ اسکا اندرونی محراب نہایت خوبصورت اور شاندار اور بہت بلند ہے جسے چار سو برس سے بھی زیادہ عرصہ ہوگیا۔ باقی ملحقہ عمارت گرجے کی ۱۵۱۲ء کی بنی ہوئی ہے یہ البوکرک کے وقت میں مکمل بن چکا تھا۔ اور یہی اس پہلے مسیحی کی یادگار ہے پھر ۱۶۲۳ء میں عمارت کو اور بھی وسعت دیگئی جیساکہ اسوقت ہم دیکھتے ہیں۔ یعنے ۲۵۰ فٹ لمبا۔ ۸۰ فٹ چوڑا اور ۱۱۶ فٹ بلند اندر سے فرنسس آلٹر وغیرہ قابل دید۔

ایک اور گرجا سینٹ کیتھرائن کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ۱۵۵۱ء کی عمارت ہے اور قابل دید ہے۔

تیسرا گرجا بنام بام جیزز ہے۔ جو اپنے تقدس کے لحاظ سے تمام رومن کیتھلک میں بہت عزت سے دیکھا جاتا ہے۔ اسی میں فرنسس کیویر مشہور اور پہلے رومن

کیتھولک مشنری کی نہایت عمدہ سنگ مرمر کی قبر بنی ہے۔ جس پر سنگ لیشب کے بیل بوٹے بنے ہیں۔ جسے امریکہ و یورپ کے سیاح دیکھنے آتے ہیں خواہ وہ پروٹسٹنٹ ہی کیوں نہ ہوں۔ دراصل یہ گرجا اور قبر ہر دو قابل دید ہیں۔ یہ لوزیس میں بنکر ۱۶۰۳ء میں تیار ہوا تھا۔ ایک اور گرجا سینٹ ماٹنے کا۔ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ۱۶۰۶ء کی عمارت ہے۔ دوسرا اسکے متصل سینٹ کیٹ جان جو ۱۶۶۵ء کی عمارت ہے۔ اور بالکل ملک اٹلی کے شہر روم کے بڑے گرجے سینٹ پیٹر کی نقل ہے۔

اگرچہ پرانے گوا کی آبادی بالکل ہی گھٹ گئی۔ بڑے بڑے عالیشان مکان ویران ہوگئے۔ جہاں محلات اور بڑے بڑے پرتگالی امرا کے مکانات میں عمدہ پردے لٹکتے تھے۔ اب ان کہنہ دیواروں پر خودرو بیلیں چڑھی ہیں۔ جہاں لالٹینوں کے کھمبے کھڑے تھے اب ناریل کے درخت لگے ہیں۔ جن گلیوں میں پختہ فرش تھا وہاں اب گھاس کا قدرتی فرش لگا ہے۔ گو یہ سب کچھ ہوا۔ مگر اولڈ گوا اب بھی اپنی شہرت قدیم گرجوں کی عظمت اور چار سو سال سے زائد کے زمانے کے رومن کیتھولک مشنری کی یادگاروں۔ مزاروں۔ اور نشانیوں کے باعث ہر سال ہزاروں کوس سے اپنے معتقدین کو اپنی طرف بلاتا رہتا ہے۔ اور ہندوستان میں تو شائد ہی کوئی رومن کیتھولک عیسائی ہوگا جس نے گوا کو بہ سبب مقدس شہر ہونے کے نہ دیکھا۔ یا دیکھنے کی آرزو نہ ہو۔ یہی شہر تمام ہند میں ایسا ہے کہ جسکی نصف سے زیادہ آبادی رومن کیتھولک عیسائیوں کی ہے۔ اور باقی نصف سے کم ہندو۔ یہ بھی اسی شہر کی خصوصیت ہے کہ دیسی عیسائی عورتیں یورپین لباس پر ساڑھی بھی پہنتی ہیں جو نہایت عجیب اور خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ بندرگاہ مارموگوا پرتگالی ریلوے کا (جو اپنے اس پرتگالی علاقہ میں ۴۹ میل لمبی ہے) ٹرمینس اور تجارتی بندر ہے۔ یہاں سے بمبئی اور دیگر بندرگاہوں کو جہاز آتے جاتے رہتے ہیں اور روز بروز ترقی پر ہے۔

مارموگاؤ سے ۵ میل اُتر کیطرف پنجم کا بندرگاہ اور شہر ہے۔ یہی اب پرتگالی انڈیا کا دارالخلافہ اور وائسرائے کے رہنے کی جگہ ہے۔ یہ نئی آبادی ہے اور ۱۸۴۳ء

سے دار الخلافہ قرار پایا ہے۔ یہ بالکل یورپین طرز پر بنایا گیا ہے۔ اسے دیکھنے سے نہیں معلوم ہوتا کہ ہم انڈیا کے شہر میں ہیں یا یورپین شہر میں۔ خوبصورت شہر۔ مصفا بازار۔ مربع اور باقاعدہ باغات۔ چوڑی سڑکیں۔ جنکے دو طرفہ خوشنما عمارتیں۔ عمارات بیں قابل دید ابوابات۔ عدالت پبلک کتب خانہ اور گورنمنٹ پریس ہیں۔ مربع باغ کے وسط میں البوکرک اعظم کا مجسمہ ایک چتر کے نیچے بنا ہے۔ علاوہ ازیں گورنر کے محل اور گرجا بھی قابل دید ہیں۔

پنجم کے گرد نواح میں سیر کرنے سے خواہ چھوٹے دریا کو دیکھئے خواہ زراعت۔ پہاڑ اور درختوں پر نگاہ کیجئے بالکل یہ معلوم ہوگا کہ ہم انگلینڈ کے کسی دریا کے کنارے گاؤں اور جنگل کا لطف اُٹھا رہے ہیں۔ سبز پہاڑیوں میں سے گرجاؤں کی چوٹیاں جنپر خوشنما پھولوں کی بیلیں چڑھی ہوئی جابجا یورپین طرز کے بنگلے۔ سچ ہے ہندوستان تو کسی ملک سے مشابہ نہیں؟ کونسی آب وہوا ہے جو تجھ میں نہیں۔ کونسا میوہ یا اناج ہے جو تجھ میں نہیں ہوتا۔

جتنی زبانیں تمام یورپ میں بولی جاتی ہیں۔ اس سے زیادہ کی تعداد میں تو اکیلا بولتا ہے۔ مختلف رنگ اور خط وخال کے آدمی جو تمام دنیا میں رہتے ہیں وہ تجھ اکیلے میں رہتے ہیں۔ جو دنیا بھر کے مذاہب کی تعداد ہے۔ اس سے زیادہ تجھ اکیلے میں موجود ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ تجھپر ہمیشہ ہر قوم اور ناتج کا دانت رہا ہے۔ کتنے زبردست بادشاہ تجھ پر حکمرانی کر کے ملک عدم کو چلدیئے۔

(سید انور علی نقوی)

دعوت عمل

(گذشتہ سے پیوستہ)

علاقہ منٹگمری کے ایک مشنری کا ذکر ہے کہ کوئی دہاتی بیس میل کی مسافت طے کر کے کسی ضرورت کے لئے انہیں ملنے آیا۔ اور جب کر یکے سامنے کھڑا ہو کر تین گھنٹہ تک انتظار کر چکا تو صاحب بہادر کمرے سے باہر نکلے۔ دہاتی مسیحی زمین بوس ہو کر کورنش بجالایا۔ اور کہا کہ حضور ذرا ٹھیکر میری عرض سن لیجئے مگر مشنری صاحب نے ذرا بھی التفات نہ کی اور گودام کیطرف نکل گئے۔ گودام سے لوٹے تو استراحت فرمانے کے لئے اپنی خوابگاہ نازمیں جا نکلے۔ دو گھنٹے کے بعد وہاں سے برآمد ہوئے تو موٹر پر سوار ہو کر چشم زدن میں نظر سے غائب ہو گئے۔ اور غریب دہاتی حسرت آمیز نگاہوں سے موٹر کی گرد کو تاکتا رہگیا۔ گھڑی دو گھڑی

اور انتظار کیا اور آخر ناکام و نامراد بادلِ ناخواستہ گاؤں کو لوٹ گیا۔ اب بجز غرور کے اور کیا بات تھی۔ جس نے اُس دیندار مشنری کو ایک غریب کی بات سننے نہ دی۔ ایک اور مشنری لیڈی کو میں جانتا ہوں جو ہر اُس شخص کو جو اُسکے احاطہ سے گزرے پھاڑنے دوڑتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ایک خاتون کی نسبت ایسے الفاظ کا استعمال داخل گستاخی ہے۔ مگر اسکا کیا علاج ہو کہ فی الواقع اسکے تحکمانہ لہجہ۔ طرزِ گفتگو اور تُرش کلامی سے بیسیوں دل مجروح ہو چکے ہیں۔

لازم ہے کہ مشنری ہندوستانی رسوم و آداب اور ہندوستانی طرزِ تمدّن اور طریق معاشرت کو ایک جائز حدّ تک قبول کریں۔ اگر انہیں یہاں کام کرنا ہے اور لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرنا ہے تو ایسا کرنا پڑے گا۔ میں اس مقام پر زیادہ فاش گوئی سے کام لینا چاہتا ہوں۔ ہندوستان میں جو آجکل مسیحیت دیکھی جاتی ہے وہ مغربی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ اہل مغرب نے روحانیت کو مادیت کا جامہ پہنا دیا۔ اور وہ بیچارے معذور بھی ہیں۔ ہمیشہ سے مشرق روحانیت کی جولانگاہ اور مغرب مادہ پرستی کا گہوارہ بنا رہا ہے۔ وہاں کی رسوم بھی ایسی ہیں جنمیں خود نمائی اور بڑائی اور احتشام و افتخار پایا جاتا ہے۔ انکی نظر دنیوی فوائد سے زیادہ نہیں دیکھ سکتی۔ اور انکے تخیل کے پرواز کی حد بھی مادی دنیا ہے۔ میں مغربی تہذیب پر باقاعدہ اور مفصل تبصرہ کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن ایک دو باتوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ مسیحیت کے ساتھ مگر درحقیقت اس سے بالکل جدا۔ جو چیزیں ہمیں اہل مغرب سے ملیں ان میں ایک انانیت اور بڑائی کا خیال ہے جو یوں تو ہر قوم میں پایا جاتا ہے۔ لیکن مغرب میں دو وجوہ سے اور بھی زیادہ مستحکم ہو چکا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ ترقی کے میدان میں مغرب تمام عالم سے گوئے سبقت لیگیا۔ اسلئے وہ تمام دیگر اقوام کو ہیچ اور ادنیٰ خیال کرتا ہے۔ پھر مالی حالت بھی مغرب کی مشرق سے نہایت بہتر۔ اہل مغرب اگر شاہنشاہان با تمکین ہیں تو اہل مشرق گدایان بوریہ نشین۔ اسلئے قومی اعزاز کا خیال پیدا ہو گیا اور اب یہ اہل مغرب کے دماغ میں ایسا ٹھنک سما گیا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں گویا قدرت نے ہی انہیں معزز پیدا کیا ہے اور باقی دنیا کے باشندوں کو ذلیل۔ اسکے علاوہ حکومت و محکومیت کے

سوال اور کالے گورے کی حد فاصل نے انکو بالکل علیحدہ کر رکھا ہے۔ مشنری لوگ جو ہندوستان میں آتے ہیں وہ بھی انہی خیالات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور میں نے کسی اچھے سے اچھے مشنری کو بھی ایسا نہیں پایا کہ وہ قومی اور ملکی وقار کے نشہ میں چور نہ ہو۔ بہت کم ایسے ہیں جو انسان کی قدر بحیثیت انسان کے کرنیوالے ہوں۔ ایک دفعہ ایک مشنری لیڈی نے ہندوستانی دستورات پر کسی انگریز کی ایک تصنیف پڑھی اور اُسے معلوم ہوا کہ کسی ہندی کا ننگے سر دوسرے کے پاس جانا اسکی تحقیر کرنا ہے۔ تو ایک منشی جو اُسے زبان سکھانے کے لئے شامت اعمال سے مغربی دستورات کی تقلید میں ایک دن بغیر پگڑی کے چلا گیا تو مس صاحبہ نے اُسے نکال دیا اور کہا کہ تم ہماری عزت نہیں کرتے۔ سنا گیا ہے کہ وہ عزت کی بھوکی مس ولایت واپس چلی گئی ہیں۔ ایک دفعہ ایک دیرینہ سال زمانہ شناس مشنری نے ایک پرائیویٹ جلسہ میں اس موضوع پر تقریر کی کہ ہندوستانیوں سے زیادہ میل ملاپ اور محبت رکھنا ناجائز ہے۔ خصوصاً مشنری لیڈیوں کو خاص ہدایت کی کہ ان کالے آدمیوں سے متعدی بیماری کی طرح پرہیز واجب ہے۔ اس جلسہ کی خبر جب مسیحیوں میں پھیلی تو بہت جوش اور غصہ پیدا ہوا مگر بیکار۔

مغربی تہذیب میں بدترین چیز جو ہندوستانیوں کے لئے بالخصوص زہر ہلاہل کا حکم رکھتی ہے۔ اور وہ اسے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے کورٹ شپ کا طریق ہے۔ جو ہمارے نکتہ نظر میں انتہا درجہ کا مذموم اور مکروہ فعل ہے۔ اور افسوس ہے کہ خود مشنری صاحبان اس باحیا ملک میں غیر متمدن ہندوستانیوں کے سامنے بھی اسکی مثالیں پیش کرکے نہ صرف اپنے اثر کو کم کرتے ہیں۔ بلکہ بعض ہندی مسیحیوں کو جنہوں نے فرنگیوں کی ریس کو اپنا دین وایمان سمجھ رکھا ہے اس رسم بد کی رغبت دلاتے ہیں اور میرے کمزور بدن پر رعشہ آجاتا ہے۔ اس بدقسمت دن کے تصور سے جبکہ ہندوستان میں بھی یہ سراب مغرب اپنا جادو پھونک دیگا۔ اس میں کلام نہیں کہ مرد کے لئے عورت کا انتخاب اور عورت کے لئے مرد کا انتخاب انکا قدرتی حق ہے اور وہ عورت جس سے ایک مرد اپنے شباب کے زمانہ میں محبت نہیں کرسکتا بڑی عمر میں کب اپنی رفیق زندگی تصور کرسکتا ہے۔

مسیحی جلد ۲	نمبر ۱۹

فہرست مضامین

کل خط و کتابت متعلق مضامین وغیرہ بنام مسٹر کے ایل رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن ہائی سکول ہونی چاہیئے۔

باقی خط و کتابت و ترسیل زر چندہ و عطیہ بنام مسٹر ٹی۔خان۔بی۔اے۔بی۔ٹی "مینجر مسیحی" رنگ محل ہائی سکول لاہور آنی چاہیئیں۔

خبریں

(۱) سب سے پہلے ہم اپنے جملہ ناظرین کو بڑی خوشی اور شادمانی سے بڑے دن کی مبارکبادی دیتے ہیں۔ مسیحی رسالے کا کرسمس نمبر بجائے ماہ دسمبر کے نئے سال کو نکلیگا۔

ہمیں امید ہے کہ تمام شہروں اور دیہات میں ۲۴ تاریخ کی شام کو گزشتہ برسوں کی طرح اسسال بھی خوب روشنی کیجائے گی۔ تاکہ ہماری خوشی اور شکرگزاری کا اظہار محدود مسیحی احاطے ہی میں نہ رہے بلکہ ہمارے ہمسایوں اور غیرمسیحیوں کو بھی معلوم ہوجائے کہ یہ عید کیسی سعید ہے۔ یہ خوشی منانے کا طریقہ خاص مشرقی رسوم کے مطابق ہے۔ اور اس طرح سے خوشی منانے سے ہمارے ہندو مسلمان بھائیوں پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ امید ہے کہ سب صاحب خوشی خوشی اپنے مکانوں پر چراغاں کرینگے۔

(۲) رائے بہادر مسٹر اے۔سی۔مکرجی صاحب بنارس میونسپلٹی کی ایگزیکٹو افیسری کے عہدے سے مستعفی ہونے کے بعد تمام ہندوستان کے لئے این۔ایم۔ایس کے جنرل سکرٹری مقرر ہوئے ہیں۔ آپ نے ماہ نومبر میں پنجاب کے تمام بڑے بڑے شہروں میں دورہ کیا تاکہ لوگوں کو ابھاریں۔ اور این ایم ایس کے کام میں دلچسپی دلائیں۔ چنانچہ اُنکے تشریف لانے پر ۸ نومبر بروز اتوار کو فورمن کرسچن کالج ہال میں متحدہ عبادت ہوئی۔ جس میں بشپ صاحب نے حصہ لیا۔ رائے صاحب نے اپنی درسیہ تقریر میں فرمایا کہ این۔ایم۔ایس کے ہندوستان کے مختلف صوبجات میں تیس ۳۰ مرکز ہیں۔ اور ستر ہزار روپے سالانہ کی آمدنی چندے سے ہوتی ہے۔ اگرچہ ہمارے ہندوستان کے پچاس ۵۰ لاکھ مسیحیوں کو دیکھئے اور اس آمدنی کو دیکھئے تو یہ رقم بہت قلیل معلوم ہوتی ہے۔ تاہم اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہ اسوقت ۱۵۰ کے قریب متفرق سوسائٹیاں

یہاں کام کر رہی ہیں۔ یہ رقم نہایت حوصلہ افزا ہے۔ امید ہے کہ این۔ ایم۔ ایس اُن تمام مشکلات کو بخوبی حل کر کے جنکا ذکر ہم گاہے گاہے کرتے رہتے ہیں ہندوستان میں ایک نئی اور بہتر کلیسیا قائم کرنیکا موجب ہوگی۔ نیز یہ کہ رائے صاحب موصوف پنجاب کی خوب واقفیت حاصل کر کے بہت جلد ضروری اصلاحوں کو عمل میں لائینگے جنکی نسبت اکثر لوگوں نے اُن سے گفتگو کی ہے۔ اسی غرض سے آپ نے ۲۰ نومبر کو وائی۔ ایم۔ سی۔ اے میں ایک جلسہ بھی منعقد کیا اور بہت سے اصحاب نے اپنے خیالات ظاہر کئے اور صلاح مشورے دئے۔ ہمیں کامل توقع ہے کہ ان باتوں سے ضرور عمدہ عملی نتیجہ برآمد ہوگا۔

⁂

اُنکے تمام دوست واحباب یہ خبر فرحت اثر سنکر بہت خوش ہونگے کہ مسٹر ضیغم نجم الدین صاحب جنرل سکریٹری این۔ ایم۔ ایس جو پچھلے دنوں بیمار تھے اب خدا کے فضل سے بالکل تندرست ہیں۔ آپ کے گلے میں ایک پھوڑا نکل آیا تھا۔ شکر ہے کہ میجر بوٹ صاحب نے بڑی صفائی سے اسکا اپریشن کیا۔ ہم انکو اور انکی میم صاحبہ اور رشتہ داران کو اس صحت یابی پر مبارکباد کہتے ہیں۔

⁂

(۳) یہ خبر بھی خالی از خوشی نہ ہوگی کہ مسٹر پی۔ ڈی۔ بھنوت صاحب بی۔ اے بی ٹی گورنمنٹ سکول گوجرانوالہ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے ہیں۔ آپ بڑے لائق اور سرگرم ہیڈ ماسٹروں کے زمرے میں شمار کئے جاتے ہیں اور ہمیں انکی محنت وذہانت سے امید ہے کہ آپ چند سال ہی میں درجۂ عروج مزید کو پہنچینگے۔

⁂

(۴) ڈاکٹر لیموایل صادق صاحب ایم۔ اے سینٹ سٹیفنز کالج دہلی میں فلاسفی کے پروفیسر مقرر ہوئے ہیں۔ آپ جرمنی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرکے آئے ہیں۔ فلسفہ اور علم النفس میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ کی ذات سے قوم کو بہت فائدے پہنچیں گے +

(۵) کنور دلیپ سنگھ صاحب کے ہائی کورٹ لاہور کے جج مقرر ہونے کی خوشی میں مسیحیان پنجاب کی طرف سے فورمن کرسچن کالج کے احاطے کی ہری گھاس کے قطعے میں جلسۂ تہنیت نہایت عمدگی سے منعقد ہوا۔ چائے پانی اور مہمانی کا انتظام مسز پی۔ این دت صاحبہ کے قابل ہاتھوں میں تھا۔ بہت سے اصحاب تشریف لائے جنکے نام نامی سوائے مندرجہ ذیل اصحاب کے بخوف طوالت مجبوراً درج نہ کئے جا سکے۔ آنریبل جسٹس شادی لال جسٹس ہیریسن جسٹس ظفر علی جسٹس جے لال بخشی ٹیک چند صاحب۔ آنریبل رائے بہادر لالہ موتی ساگر۔ آنریبل لالہ رام سرن داس۔ راجہ نرندرو ناتھ صاحب۔ رائے بہادر ڈاکٹر مہاراج کشن کپور۔ رائے بہادر مسٹر جے۔ ایس چولا۔ رائے بہادر مسٹر پی۔ این دت۔ مسٹر ایس ڈیوڈ انزلائل پور۔ ڈاکٹر ای۔ چارنس۔ مسٹر ایف۔ ڈی واٹ۔ جلسے کے اختتام سے پہلے مسٹر کے۔ ایل رلیارام صاحب نے مسیحی قوم کی طرف سے کنور صاحب کو مبارکباد دیتے ہوئے قوم کی مسرت کا اظہار آپ کے اس منصب جلیلہ پر سرافراز ہونے پر کیا۔ آنریبل شادی لعل صاحب چیف جسٹس اور سر ملکم ہیلی صاحب گورنر بہادر کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا گیا جنہوں نے کنور صاحب کی لیاقت کی قدر شناسی فرما کر ہماری قوم کا اس تقرر سے پایۂ افتخار بڑھایا۔ اور کہا کہ اگر جسٹس شادی لال صاحب کو پنجاب کا نوشیرواں کہا جائے تو بالکل بجا ہے۔ کنور صاحب نے بڑے موزون الفاظ میں مسٹر کے ایل رلیارام صاحب کی تقریر کا جواب دیا اور قوم کا اس اظہار مسرت پر شکریہ ادا کیا۔

(۶) بڑی خوشی کی خبر ہے کہ مسٹر ای۔ فیلیوس صاحب ای۔ اے۔ سی ۱۶ نومبر سے لاہور کے سٹی مجسٹریٹ مقرر ہوئے ہیں۔ یہ معزز عہدہ بڑی ذمہ داری عزت اور نام کا ہے۔ جہاں جہاں مسٹر فیلیوس رہے ہیں آپ کی لیاقت اور دیانت داری کا شہرہ رہا ہے۔ آپ نے عیسائی قوم کا خوب نام روشن کیا ہے۔ خدا آپ کی مدد کرے کہ اس کام کو پہلے سے بھی زیادہ نیک نامی اور سرخروئی سے سرانجام دیں۔

⁘

(۷) حضور ملکۂ معظمہ کوین الگزانڈرا کے انتقال پر ملال کی خبر انگلستان سے موصل ہوئی ہے۔ یکم دسمبر کو آپ کی عمر ۸۱ سال کی ہونے والی تھی۔ آپ بڑی نیک خاتون تھیں۔ آپ نے تمام دنیا کی عورتوں کے سامنے اعلیٰ درجے کی مسیحی شرافت اور خودانکاری کا نمونہ رکھا۔ شاہنشاہ ایڈورڈ مرحوم کے حین حیات میں آپ نے انکا ہر طرح سے ساتھ دیا اور اُنکی وفات حسرت آیات کے بعد آپ تادم مرگ غریبوں۔ زخمیوں اور بیماروں کی خدمت میں مصروف رہیں۔ مسیحیان پنجاب کی طرف سے مسٹر کے ایل رلیارام پریزیڈنٹ پنجاب انڈین کرسچن کانفرنس نے گورنر بہادر کی خدمت میں تعزیت نامہ بھیجا۔ جسکے جواب میں آپ نے قوم کا شکریہ ادا کیا ہے۔

⁂

(۸) ۲۴ ماہ حال کو وائی۔ ڈبلیو۔ سی۔ اے کی ۵۰ سالہ جوبلی ہوئی جسمیں عبادت کے وقت ہندوستان کے میٹروپولیٹین بشپ صاحب نے ایک نہایت پُراثر درس دیا جسکا لب لباب یہ ہے کہ ہمیں مسیحیوں کی جسمانی ضروریات کو کبھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ جب ہمارے خداوند یسوع مسیح نے اپنے دست مبارک سے پانچ ہزار آدمیوں کو دو روٹیوں اور پانچ مچھلیوں سے سیر کیا۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی خلقت میں سب لوگ روحانی فائدے ہی کے لئے نہ آئے ہونگے کہ خداوند مسیح کی تعلیم اور معجزوں سے فیضیاب ہوں۔ بلکہ بہت سے یقیناً اوروں کی دیکھا دیکھی تماشا دیکھنے کو ساتھ ہو لئے ہوں گے۔ مسیحی اکثر اس بات کو نظرانداز کر دیتے ہیں خداوند مسیح کی پوری پیروی اسی بات میں ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کی دینی اور دنیوی ضروریات دونوں کا پورا پورا خیال رکھیں۔

⁂

(۹) پچھلے سال پنجاب رلیجس بک سوسائٹی کی بکری ۲½ لاکھ کی ہوئی تھی اسسال مسٹر ایف۔ ڈی وارث صاحب مہتمم سوسائٹی ہذا کی جانفشانی اور حسن انتظام سے نئی عمارت نہایت عالیشان بنائی گئی ہے۔ بڑے دن کی آمد آمد ہے۔ امید ہے کہ پچھلے سال سے کہیں زیادہ اب کے اس سوسائٹی کی بکری رہیگی۔

ڈائیڈیٹر انچیف

⁂

(۱۰) ہمارے پاس جنرل سکرٹری آل انڈیا کرسچن کانفرنس کی طرف سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ کانفرنس کا بارہواں جلسہ بمقام کلکتہ بشپس کالج میں ۲۸ دسمبر لغایت ۳۱ دسمبر ہوگا۔ بشپ ڈارن کل کے جنہیں اس جلسے کا پریزیڈنٹ بنانیکی تجویز ہوئی تھی کثرت مشغلہ کے باعث شامل نہ ہوسکنے کی وجہ سے تمام صوبجات کی متحدہ ایسوسی ایشنز نے مسٹر کے۔ ایل۔ رلیا رام صاحب کو اس معزز عہدے کے لئے انتخاب کیا ہے۔ یہ دوسرا موقعہ ہے کہ پنجاب کو یہ فخر حاصل ہوا ہے۔ اس سے پہلے آنریبل سر راجہ ہرنام سنگھ صاحب اس عہدے کو زینت بخش چکے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ پنجاب سے بہت سے ڈیلی گیٹس (نمائندے) تشریف لیجاکر کانفرنس کی رونق دوبالا کرینگے۔

جائینٹ ایڈیٹر

حضور پرنور گورنر پنجاب کی طرف سے مرحوم ڈاکٹر سر جیمز یوینگ کے حقیں

خراج تحسین ۔ جو جلسہ مرحوم ڈاکٹر صاحب کی یادگار میں مورخہ ۷ نومبر ۱۹۲۵ء کو لاہور میں منعقد ہوا۔ اس میں جناب گورنر پنجاب نے جو تقریر فرمائی اسکا خلاصہ ناظرین مسیحی کی خاطر درج کیا جاتا ہے۔

"میرے لئے یہ مشکل ہوگا کہ ان نذرانوں پر جو آج شام کو ڈاکٹر ممدوح کی یادگار میں پیش کئے گئے ہیں کچھ اضافہ کرسکوں۔ کیونکہ وہ اخلاص قلبی اور فصاحت لفظی میں یکساں ہیں۔ ایسا کرنا اور بھی مشکل ہے کیونکہ وہ خراج تحسین جو میں ادا کرنے کو ہوں اُس واقفیت پر جو مجھے انکے کام اور چال چلن سے ہے منحصر ہے اور جو درحقیقت بہت ہی مختصر اور قلیل ہے۔

انکے ساتھ میرے ذاتی تعلقات بہت ہی مختصر تھے لیکن باوجود اختصار اُن تعلقات نے مجھ پر ان کے اعلیٰ چال چلن اور دماغ کا جو مشہور و معروف توازن کے تھے روشن اور نمایاں اثر چھوڑا۔

جب سے میں پنجاب آیا ہوں میں نے ان کے کام کی بابت بہت کچھ پڑھا اور سنا اور انکے بیشمار شاگردوں سے جو تمام صوبہ میں پھیلے ہوئے ہیں محبت اور عزت

کے بے نظیر فقرات سُنے ہیں۔ ایک ایسی اعلیٰ ہستی کی جدائی پر جو ہماری خاص و عام زندگی کے ہر ایک حلقے میں ممتاز رہی ہو۔ ہمارے لئے یہ آسان کام نہیں ہے کہ اسکے چال چلن کی اصلی قیمت کا موازنہ کر سکیں۔ یا اس نقصان کی حقیقی وسعت کا اندازہ لگا سکیں جو دنیا کو انکی موت سے اُٹھانا پڑا ہے۔ خصوصاً جبکہ ہم تاسف کے احساسات کے ماتحت ہوں لیکن اس موقع پر ہمیں یقین ہے کہ انکی قیمت کا غلط اندازہ نہیں لگا سکتے۔ کیونکہ ہمارے پاس انکی محنت کے نمایاں اثمار اور ان لوگوں کے پُر اثر چال چلن موجود ہیں جن سے انکا میل ملاپ رہا۔ یا جنہیں انہوں نے تربیت دی۔ آنصاحب نے ہندوستان میں بنی نوع کے لئے اختصاص خدمت کے بیالیس سال گذارے اور اپنی ہستی کا عکس بیشمار ہستیوں میں جلوہ نما کر کے دکھا دیا۔

"آپ نے ایک عظیم الشان تعلیم گاہ کو بافروغ نشو و نما دینے میں کمالیت کا درجہ حاصل کیا۔ باوجود اسکے بیت العلوم پنجاب آپ کی نصائح اور رہنمائی کی تادم زیست مقروض احسان ہے۔

اس بارے میں جو مغربی خیالات اور تعلیم نے مشرقی زندگی اور تہذیب میں اضافہ کیا ہے رائیں مختلف ہو سکتی ہیں اور فی الواقع ہوتی رہی ہیں لیکن مشرق اور مغرب اس شخص کی رہنمائی کی قدردانی میں متفق ہیں۔ جسکی روزانہ زندگی اسکے اعلیٰ نصب العین کا عکس تھی۔ جسکی تحریکِ طبعی بنی نوع کے لطیف خیالاتِ قلبی کے ساتھ وابستہ اور جسکی تمام زندگی انسانی ترقی کے لئے مخصوص تھی۔ اور یہ ڈاکٹر یوئنگ تھا جسکا نام نامی تمام صوبہ کے ممنون احسان دماغ میں جسکی ذہنی اور اخلاقی زندگی کو مرحوم نے اسقدر ربنایا اور سدھارا ہمیشہ تک زندہ رہیگا۔"

ایڈیٹر انچیف

کلیسیائے ہند

اس لفظ کا اطلاق ایک تو ان ایماندار مسیحیوں کی جماعت پر آتا ہے جو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور ایک ان چھوٹی جماعتوں پر جو مختلف ممالک۔ شہروں۔ دیہاتوں محلوں یا گھروں میں پائی جاتی ہوں جنکا ایمان خداوند یسوع مسیح پر ہو۔ بلحاظ عقائد رسوم و دستور کے۔ کلیسیائی اتحاد توسیع و خود مختاری کا بھی ایک بڑا راز تھا کہ کتاب مقدس میں کسی جماعت کو کلیسیا کے نام سے موسوم نہیں کیا گیا۔ اب معاملہ دگرگوں ہے۔ ہم نے انگلستان کی شکل تک نہ دیکھی ہو۔ ہم کو انگریزی کا لفظ تک نہ آتا ہو ہندوستان کی زمین میں پیدا ہوئے۔ یہاں کی دال روٹی کھا کر ہم نے پرورش پائی۔ لیکن ہم کہلاتے ہیں انگلستان کی کلیسیا کے ممبر! امریکہ سے ناآشنا ہوں۔ امریکہ کی زبان سے ناواقف۔ لیکن امریکہ کی کلیسیا کے ممبر کہلائیں۔ یہ ہنسی نہیں تو کیا ہے۔ جو دیسی ہو کر یوریشین و یوروپین کہلاتے ہیں وہ اسی رواج کا ثمرہ ہے اگر ہم انڈین ہو کر انگلستان اور امریکہ کی کلیسیا کے ممبر کہلا سکتے ہیں تو ہم کو یوریشین یا یوروپین کہلانے سے کیا دریغ۔ آجکل انڈین چرچ تجویز measure کا بڑا چرچا ہے۔ کلیسیائے ہندوستانی جبر کو خواہ مخواہ disestablished ساتھ گھسیٹا جاتا ہے۔ اگر انگریزی کلیسیا کے غیر سرکاری ہو جانے سے کچھ اندیشہ ہو تو انگریزوں کو ہوگا۔ دیسی خواہ مخواہ کیوں تلملا رہے ہیں۔ اگر سرکاری امداد کلیسیائے انگلستان کے لئے بند ہو جائے تو انگریزی بشپوں کو نقصان ہو تو ہو۔ بیچارے دیسی خادمان دین کو کیا خسارہ۔ شاید کوئی کان میں آکر پھونک مارے۔ اب فلاں فلاں کو دیسی بشپ بننے کا موقعہ ہے پہلے پارلیمنٹ کی منظوری درکار تھی اب وہ درکار نہ ہوگی۔ بھلا بالفرض یہی اگر دو تین دیسی بشپ بن بھی گئے تو کیا کلیسیا خود مختار ہو جائیگی۔ یہ تو محض صاحب اغراض کی چالیں ہیں کلیسیا زندہ شے ہے زندہ پودے کیطرح خود رو ترقی کرتی ہے۔ ان مصنوعی طریقوں سے ترقی کی بجائے تنزل ہی ہوتا۔

پادری جے۔ علی بخش۔

سونا اور اقتصادی خوش حالی

سوال پیدا ہوتا ہے کہ سونے ایسی بیش قیمت دھات کا ملک ہند کی اقتصادی اقبال مندی اور تمول سے کیا واسطہ ہے؟ ہم اس مسئلہ پر سردست بحث اٹھانے کے خواہاں نہیں ہیں کہ اقتصادیات میں سونے کی کیا قدر و قیمت ہے۔ بلکہ صرف ہندوستان کے حالات کو ملحوظ رکھکر اجمالی بحث کرنے کے خواہاں ہیں۔ یہاں پر ضمناً یہ بیان کردینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پلاٹی نم سے دوسرے درجہ پر سونا سب سے بڑھکر بیش قیمت دھات ہے۔ مہذب قوموں کے نزدیک مال و دولت کا تخمینہ سونے یعنے طلائی سکہ سے کیا جاتا ہے۔ ضروریات زندگی کی قدر و قیمت کا تخمینہ سکہ سے کیا جاتا ہے جو عام لین دین کا وسیلہ ہے اور جو تانبہ۔ اور نکل اور چاندی کا ہے۔ مگر مغربی ممالک نے بین الاقوام خرید و فروخت اور باہم دیگر لین دین کا معیار طلائی سکہ مستند مقرر کر رکھا ہے کہ جسے پونڈ اسٹرلنگ کہتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سونے کی قیمت قریباً یکساں رہتی ہے۔ مگر چاندی کے نرخ میں اس کی مانگ اور بہم رسانی کے مطابق اُتار چڑھاؤ رہتا ہے۔ اول درجہ کے ترقی یافتہ اور نیز ترقی سے قدرے دور ملکوں میں چاندی کا سکہ روزانہ لین دین کا وسیلہ ہے چین اور ہندوستان آخرالذکر ذیل میں شمار ہوتے ہیں۔ اور ان کے ہاں چاندی کا عام سکہ رائج ہے۔ ایران افغانستان اور مصر میں بھی چاندی کے سکے عام وسیلہ خرید و فروخت ہیں۔

ملک ہند میں بھی پچیس تیس سال سے سونے کا سکہ غیر ملکی لین دین کے لئے رائج ہے اور اس کی قیمت بھی متعین ہو چکی ہے۔ مگر جنگ اعظم کے دوران میں اور نیز اس کی ہولناک عالمگیر تباہی سے سالوں کے معیار اور وسائل تمول و خوش حالی تہ و بالا ہو گئے۔ مگر اب ایسے اسباب بہم پہونچ گئے ہیں کہ جن سے یہ توقع پیدا ہوتی ہے کہ بہت جلد زمانہ قبل از جنگ کی سی اقتصادی حالت پھر سے رونما ہو جائے گی۔ بطور کلیہ یہ بیان کردینا مناسب ہے کہ ملک ہند کی خوش حالی کا ایک بین ثبوت سونے کی درآمد ہے جو نہ صرف سکہ وغیرہ ہی میں کام آتا ہے بلکہ عوام

اپنی گاڑھے پسینہ کی کمائی کا وافر حصہ سونے کے زیورات بنانے میں صرف کر ڈالتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اندوختہ کا اس سے بہتر مفید مصرف ناممکن ہے۔

ماہران اقتصادیات نے ملکی اقبال مندی کے اندازہ کے چند مخصوص معیار مقرر کر رکھے ہیں۔ اور ان میں سے ایک توفیر تجارت ہے۔ جس سے یہ مراد ہے کہ اگر اشیائے درآمد کی مجموعی مالیت برآمد کی چیزوں کی مجموعی قیمت پر سبقت لیجائے۔ تو سمجھ لو کہ تجارت خارجی سے ملک کو خسارہ ہے۔ اگر برعکس اسکے آخرالذکر اوّل الذکر سے بڑھ جائے تو ظاہر ہے کہ ملک غیر ملکی لین دین سے مستفید ہو رہا ہے۔ اس لحاظ سے ملک ہند برابر ترقی کر رہا ہے۔ عرصہ سے توفیر تجارت بحق ہند چلا آتا ہے ۱۹۱۳-۱۴ء میں کہ جو جنگ سے پہلے اقبال مندی کا سال سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان کی اشیا برآمد کا اوسط دو ارب ساڑھے اننیس کروڑ روپیہ سالانہ تھا۔ دس سال کے عرصہ میں جو تجارتی ترقی واقع ہوئی ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ ۲۳-۱۹۲۴ء میں برآمد تین ارب باسٹھ کروڑ روپیہ اور ۲۴-۱۹۲۵ء میں تازہ ترین اعداد کی مدد سے تین ارب ۸۰ کروڑ روپیہ رہی۔ ان دونوں سالوں کی درآمد کی مالیت دو ارب ۴۰ کروڑ اور دو ارب ۴۹ کروڑ روپیہ علی الترتیب ہے۔ گویا ۲۳-۱۹۲۴ء کی توفیر تجارت ایک ارب ۵۳ کروڑ اور ۲۴-۱۹۲۵ء کی ایک ارب ۱۵ کروڑ روپیہ مرتب ہوتی ہے۔ جو سراسر لاثانی ہے۔ مگر تجارت ہند خام زرعی پیداوار اور صنعت یافتہ چیزوں کی درآمد اور برآمد پر مشتمل نہیں ہے۔ بلکہ کونسل بل۔ کرنسی نوٹ اور سونا چاندی بھی تجارتی لین دین میں شمار ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ہمارا نفع تجارت سونے چاندی کی نذر ہو جاتا ہے ۲۳-۱۹۲۴ء میں غیر ملکوں سے (۹۴) کروڑ روپیہ کا سونا اور چاندی درآمد ہوئی تھی۔ مگر گئے سال سب سے زیادہ سونا چاندی آئی تھی۔ جو پچھلے سالوں سے کہیں زیادہ ہے یعنے ۷۴ کروڑ کا سونا اور ۲۰ کروڑ کی چاندی آئی۔ اس میں سے تھوڑی مقدار سرحد پار کے ملکوں کو بھیجی جاتی ہے مگر جزو اعظم اسی ملک میں کھپ جاتی ہے۔ ۲۳-۱۹۲۴ء کا منافع خالص (۵۰) کروڑ اور ۲۴-۱۹۲۵ء کا ساٹھ کروڑ روپیہ سے زائد مرتب ہوتا ہے۔ اور یہ بدیہی ہے کہ جس ملک کو سونے چاندی کی بھاری مقدار خریدنے کے بعد بھی اتنی

رقم نفع حاصل ہوتی ہے۔ وہ کسی صورت میں خسارہ میں نہیں رہ سکتا۔

سنہ ۱۱-۱۲-۱۹۱۳ء میں جتنا سونا مقدار میں آیا تھا۔ اُتنا ہی پچھلے تین سال یعنے سنہ ۲۲-۲۳-۱۹۲۴ء میں آیا تھا۔ مگر نرخ کی گرانی کی وجہ سے مالیت متفرق ہے۔ بالفاظِ دیگر اول الذکر تین سال میں ایک ارب چار کروڑ روپیہ کا سونا درآمد ہوا تھا۔ اور موخر الذکر تین سالوں کی درآمد ایک ارب چودہ کروڑ ہوئی۔ مگر چاندی کی مالیت میں فرق عظیم واقع ہوا ہے جنگ سے پہلے کے تین سالوں میں گیارہ کروڑ کی۔ مگر پچھلے تین سال میں ۵۵ کروڑ کی منگائی گئی تھی۔

سونے چاندی کی درآمد ہماری توفیر تجارت پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ اگر یہ دونوں قیمتی دھاتیں نہ منگائی جاتیں تو سنہ ۲۴-۱۹۲۵ء میں ہمارا خالص منافع سوا اور ڈیڑھ ارب روپیہ کے قریب ہوتا۔ سیدھی بات یہ ہے کہ جس کے پاس پیسہ نہ ہو وہ چاندی اور سونا تو درکنار معمولی چیز بھی نہیں خرید سکتا۔ اسوجہ سے ان دونوں دھاتوں کی درآمد ملک کی خوش حالی پر دال ہے۔

(از قلم میر کریم الدین برق۔ منشی فاضل۔ گوجرہ۔ ضلع لائل پور۔)

شفیع المذنبیں پیدا ہوا ہے　　بڑا اِک نور۔ بر ارض و سما ہے
ہوا داؤد کا ہے۔ گھر منوّر　　کہیں دانا کہ فیض کبریا ہے
کنواری سے نے جنا ہے۔ ایک بیٹا　　نئی صورت۔ نیا جوبن بنا ہے
کسی کی ایسی پیدائش کہاں تھی　　خدائی معجزہ یہ بر ملا ہے
فریسی اور مجوسی اِسپہ حیران　　خدا نے جو لکھا تھا سو ہوا ہے
ملاکی نے کہا ہے اس سے پہلے　　کتاب پاک میں ایسا لکھا ہے
ہوا جنگل میں منگل اس سے اُسوقت　　گڈریوں نے جو صحرا میں سنا ہے

چلو اب چل کے دیکھیں کیسا مولود　　مبارک خوش سخن اور راہ لقا ہے
مہد میں وہ تو ہوئے نیک لڑکا　　خدا کا ایک یہ بھیجا ہوا ہے
گنہ گاروں کا منجی اُس کو پایا　　صلیبی راز کا وہ راہنما ہے
میں جانوں برق اُس کو برگزیدہ
کہاں انساں کو یہ درجہ ملا ہے

مرحوم پادری رلیا رام صاحب
کے
حالاتِ زندگی

مہربان ایڈیٹر صاحب کی کرم فرمائی کے لئے تہ دل سے مشکور ہوں کہ اُنہوں نے براہِ نوازش کمترین کو دعوت دی کہ وہ اپنے والد بزرگوار مرحوم کے متعلق فخرِ قوم اخبار مسیحی میں اُن کی زندگی کے مختصر حالات ہدیہ ناظرین کرے۔

میرے والد بزرگوار ضلع ہوشیار پور کے ایک گاؤں گھوڑا واہا میں غدر کے ایام میں پیدا ہوئے تھے۔ میرے دادا بزرگوار کا نام منگل سین تھا جو ضلع بھر میں ایک بڑے ساہوکار سمجھے جاتے تھے۔ اور باسدیو برہمنوں میں سے تھے وہ حد درجے کے رحمدل تھے۔ یہاں تک کہ جب تک روزمرّہ گاؤں بھر کے کتوں اور گرد نواح کے کتوں کو گھر کی چھت پر کھانا نہ کھلا لیتے تب تک خود آپ شکم پوری سے پرہیز کرتے تھے۔

میرے والد کی ولادت سے پیشتر اُن کے کئی ایک بھائی مر چکے تھے اور اُن کے والدین پر یکے بعد دیگرے ان بیٹوں کی وفات کے سبب بڑا رنج چھایا ہوا تھا۔ کہ انجام کار میرے والد اس کہنہ سال جہان میں وارد ہوئے دادا بزرگوار نے ان کا نام رلیا رام رکھا۔ یہ نام گویا ایک دعا تھی جو اُنہوں نے درگاہِ الٰہی میں پیش کی۔ اور ایک جملہ میں اُنکی دعا یہ تھی "اے رام یہ میرا

چھیڑا) بیٹا رلا ملا لڑکا ہے کوئی خاص لڑکا نہیں عام لڑکوں میں سے ہے اسے آپ
مہربانی سے نہ لیجائے لفظ رلارام کے یہی معنے ہیں۔ خدا نے یہ دعا سُنی اور ایک بڑی
عمر تک طرح طرح کی برکتوں سے مالا مال کر کے اُنہیں اس جہان میں رکھا۔ ابھی وہ بچے
ہی تھے کہ ایک دن کھیل کھیل میں ایک مکھی نے اُنہیں ایک آنکھ پر کاٹ لیا اُنہوں نے
اس مکھی کو اُڑانے کے لئے جھٹ ایک تنکا آنکھ کی طرف بڑھایا جو آنکھ کی پتلی
میں گھس گیا۔ اور انکی آنکھ جاتی رہی۔ اس نقصان کی وجہ سے سارے گھر میں
ماتم پڑ گیا۔ اور عمر بھر وہ صرف ایک ہی آنکھ سے کام لیتے رہے۔ پر خدا نے انکی
ساری کمیاں پوری کردیں۔ اور آخر تک اُنہوں نے ایک ہی آنکھ کے ذریعے
اپنی خدمت کے متعلق سارے فرائض ادا کئے۔

جوانی کے عالم میں مے خواری کے دام میں وہ ایک عرصہ کے لئے پھنس گئے
اور جب کبھی وہ ہم سے اس وقت کا ذکر کیا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ افسوس کہ اس
حالت کی طرف راغب کرنے والے میرے پڑوس کے عیسائی تھے۔ پھر عجیب بات
یہ کہ جب وہ ان کے گھر میں شراب کی حالت میں ہوتے تھے تو ان مسیحیوں کی کتابوں
کو طاق پر سے اُتار کر پڑھتے رہتے تھے۔ خاص کر دھرم تُلا اور اناجیل اربعہ کو وہ
پڑھا کرتے تھے۔ پر یہ حالت ہمیشہ طاری نہ رہتی تھی۔ اور اپنے اور کاروبار میں
بھی وہ مسیحی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے۔ انہی ایام میں بزرگ پادری کے۔ سی
چیٹرجی صاحب مرحوم ضلع بھر کا دورہ کرتے ہوئے اس گاؤں کے قرب وجوار
میں خیمہ گزیں ہوا کرتے تھے۔ میرے والد کو ہمیشہ ڈاکٹر صاحب بزرگوار سے (یادش بخیر)
ملنے کا شوق ہوتا تھا۔ اور جب کبھی وہ اپنا خیمہ تانتے نوجوان رلارام انکے پاس آ بیٹھتا
اور انکی باتیں سُنا کرتا تھا۔ آخر وہ ڈاکٹر چیٹرجی سے انجیلیں لے کر گھر میں ایک مدت
تک پڑھتے رہے۔ ان کا شوق اسقدر بڑھ گیا کہ جب رات ہو جاتی اور سب
نیند غفلت میں پڑ جاتے تو وہ چراغ جلا کر چپ چاپ انجیل پڑھا کرتے تھے۔

آخر ایک دن اُنہوں نے اپنے والد سے کہدیا کہ میں اب کھلم کھلا مسیح کا اقرار
کرونگا۔ اُنکے والد میرے دادا بزرگوار نے اُنہیں بہت سمجھایا اور ایسے ارادے سے
باز رکھنے کی جان توڑ کر کوشش کی۔ آخر میرے والد نے میرے دادا کا دل رکھنے کیلئے

کہہ بیٹھے کہ حالانکہ میں تخلیہ میں مسیح کا شاگرد بنا ہوں گا۔ پر علانیہ بپتسمہ سے دست بردار رہوں گا۔ میرے دادا نے اتنے ہی پر اکتفا کیا۔ پر چند ہی دنوں بعد میرے والد نے رات کے پہروں میں یہ الفاظ پڑھے۔ "اگر کوئی آدمیوں کے سامنے میرے نام سے شرمائیگا تو میں بھی اپنے باپ کے آگے اُسکے نام سے شرماؤں گا"۔ یہ پڑھتے ہی سخت بے قراری اور بے چینی نے میرے والد کو گھیر لیا اور وہ بڑی پس و پیش کی حالت میں آ گئے۔ اسی اثنا میں میرے دادا بزرگوار کی اجل کی گھڑی آپہنچی اور وہ اس فانی عالم سے رخصت ہوئے۔ اُنکی وفات کے بعد میرے والد اپنی ماں کے لحاظ کے مارے دینی باتوں کو کچھ عرصہ کے لئے بالائے طاق رکھتے رہے۔ پر وہ یہ بہت دیر تک نہ کر سکے۔ ایک بڑی غیرت اور جوش اُن کے دل میں آسمایا۔ ہمیں بتلایا کرتے تھے کہ انہی دنوں میں جب ایک شام کو اُنہوں نے ایک مُلا کو اذان دیتے ہوئے سُنا تو اذان کے بعد اُس پاس جاکر کہنے لگے "کہا کرو عیسٰے روح اللہ"۔ جب ایک دن بڑی پنچایت ہوئی۔ اور اُنکا حقہ پانی بند کر دیا گیا۔ تو جھٹ ایک مسیحی کے حقہ کو پینے لگے۔ اور کہنے لگے "اب سے میری برادری کے لوگ یہ ہوں گے"۔

تب آناً فاناً اُنہوں نے ڈاکٹر چیٹر جی صاحب کو خط لکھا کہ میں اب اور تامل نہ کرونگا میرے صبر کا پیالہ لبریز ہے آپ آکر مجھے بپتسمہ دیں۔ ڈاکٹر چیٹر جی صاحب خط پاتے ہی گاؤں میں آئے اور وہاں کے چھوٹے گرجا گھر میں میرے والد نے بپتسمہ پایا۔ کہتے ہیں کہ اُس شام گاؤں کا گاؤں گرجے کے اِرد گرد آ کھڑا ہوا۔ میری دادی بزرگوار نے کہرام مچادیا اور پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔ میرے والد نے اُنہیں تسلی دینے کی بڑی کوشش کی پر کچھ بن نہ آیا۔ اگلے دن میرے والد کا کریاکرم کیا گیا اور وہ بالکل خارج کر دیئے گئے۔

چند ہی دنوں بعد وہ شہر ہوشیارپور میں انجیل کی منادی کرنے لگے۔ اور اُنکے جوش و خروش کو دیکھکر ڈاکٹر چیٹر جی صاحب نے اُنہیں سہارنپور علم الہٰی کے مدرسے میں بھیجدیا۔ یہ علم الہٰی کا مدرسہ اُسی سال شروع ہوا تھا۔ سو میرے والد سب سے پہلی جماعت میں جا شریک ہوئے اور تین سال

کے بعد اپنی جماعت میں سب سے اول درجہ حاصل کرکے کامیاب نکلے۔ اور تب اُنہوں نے اپنی خدمت ہوشیارپور ضلع میں شروع کی۔ اُنہی دنوں میں انکی خانہ آبادی ہوئی۔ اور سال ۱۸۸۱ء میں میں پیدا ہوا۔ میرا نام اُنہوں نے کلیسیا کے ایک قدیم بزرگ کی یادگار میں اگستن رکھا۔ اور بچپن ہی سے مجھے انجیلی خدمت کے لئے مخصوص کیا اور ڈاکٹر چیٹرجی صاحب کی گود میں مجھے دیا کہ مجھے اصطباغ دیں۔ میں جوانی کے عالم میں اکثر اپنے والد سے کہا کرتا تھا کہ مسیحی خدمت کے بارے میں میری کوئی ذمہ واری نہیں جس حال کہ میرے صلاح و مشورے کے بغیر یہ نذر و نیاز کا کام کیا گیا۔ پر میرے والد یہی کہا کرتے تھے " خیر میں یہ کر بیٹھا ہوں اور میں اب اپنی بات واپس نہیں لے سکتا "۔

چند ہی عرصے کے بعد اُنہیں راولپنڈی سے کلیسیائی خدمت کے لئے دعوت ملی۔ چنانچہ لاہور پریسبیٹری نے اُنہیں تقرر دے کر راولپنڈی کی کلیسیائی خدمت پر ممتاز کر دیا۔ تین برس وہ اپنی خدمت کرتے رہے کہ اتنے میں پنجاب مشن نے راولپنڈی سٹیشن کو یونائیٹڈ پریسبیٹرین کلیسیا کے سپرد کر دیا۔ میرے والد کو اُسی وقت ڈھیرہ دون کلیسیا سے پاسبانی خدمت کے لئے ہدایت ملی اس جگہ اُنہوں نے ۱۲ برس بڑی جانفشانی سے خدمت کی۔ اُس زمانے کے کلیسیا کے بزرگ مسیحی آجکل جب مجھے ملتے ہیں اُن کے وعظوں کو اور انکی پاسبانی میل ملاقات اور بشارتی خدمت کو یاد کرتے ہیں۔ میں اُس زمانے میں جب لڑکا تھا اکثر پیر کے دن شام کو کھانے کے بعد ایک ساہوکار لالہ بلدیو سنگھ کے گھر اُنہیں جاتے دیکھا کرتا تھا۔ جہاں سے وہ بڑی رات گئے واپس آیا کرتے تھے۔ اس بزرگ ساہوکار کے گھر میں ایک مجلس فراہم ہوا کرتی تھی۔ جہاں پر ہر ایک کو اجازت تھی کہ اپنے دین کی تعلیم دے۔ بغیر دوسرے مذاہب کو بُرا بھلا کہے۔

اس زمانے میں میری والدہ بزرگوار ۱۰ جنوری ۱۸۹۳ء کو اس جہانِ فانی سے رحلت فرما ہوئیں۔ انکی وفات کے قریب میرے والد کی ایک منادی مجھے کچھ کچھ یاد ہے۔ انکی سند میں آیت یہ تھی " ساری چیزیں انکی بھلائی کے لئے

جو خدا سے محبت رکھتے ہیں بلکہ فائدہ بخشتی ہیں"۔ اُنہوں نے ایک ڈالی کی مثال دی اور فرمایا کہ جس طرح ایک ڈالی جب تک ایک درخت میں قائم ہے۔ اُسکے لئے ہوا پانی مادر دھوپ سب برکت ہیں۔ پر جونہی اُس ڈالی کا یہ تعلق منقطع ہو جاتا ہے یہی سب چیزیں اُسکو برباد کرنے میں لگ جاتی ہیں۔ اسی طرح جبتک ہم مسیح میں قائم ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں ہمارے سارے تجربات اور حالات ہمارے لئے موجب راحت و برکت ہیں۔ پر جونہی ہم مسیح سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ہماری دنیاوی برکتیں بھی ہماری بربادی میں لگ جاتی ہیں۔

کچھ عرصے کے بعد میری دادی بزرگوار بڑی دعاؤں اور محنتوں کے بعد سب کچھ چھوڑ کر میرے والد کے پاس آ گئیں۔ آخر اُنہوں نے مسیح کا اقرار کر کے بپتسمہ لیا وہ اسوقت قریب ۹۰ برس کی تھیں۔ اور میرے والد کو بڑی خوشی ہوئی جب اپنے ہاتھ سے اُنہوں نے بپتسمہ دیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد وہ اس جہانِ ناپائدار سے پرواز کر گئیں۔

۱۹۰۳ء میں چند دقتوں اور مشکلوں کی وجہ سے جنکا ذکر کرنا چنداں ضرور نہیں اُنہوں نے ڈیرہ دون کی کلیسیا کی خدمت سے استعفیٰ دیا اور شہر انبالہ اور چھاؤنی اور نزدیک کے پہاڑی علاقوں میں بشارتی اور پاسبانی خدمت پر مامور کر دیئے گئے۔

ابھی اس خدمت میں دو سال گذرنے نہ پائے تھے کہ اُنہوں نے شہر جالندھر کی کلیسیا کی پاسبانی بلا طلب منظور کی اور پورے ۲۰ برس تک وہ وہاں خدمت کرتے رہے۔ انکی ایام خدمت میں کلیسیا اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی۔ انکی موت کے وقت بارہ ہزار روپیہ کلیسیا کے خزانہ میں جمع تھا۔ کلیسیا نے ایک بڑا خوبصورت پاسبانی مکان بنایا۔ اور اپنی کلیسیا کے متعلق پاس کے گاؤں اور بستیوں میں ہوم مشن کی خدمت شروع کر دی۔

شہر میں ہر کس و ناکس اُنکا واقف کار تھا۔ اور وہ آخر تک روزمرہ شہر میں جا کر انجیل کی منادی کرتے رہے۔ شہر کے رؤسا اُنہیں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور بڑے ادب سے اُنکی نصیحت کی باتیں سنا کرتے تھے۔

انہوں نے ہم تین بھائیوں اور ایک بہن کے لئے اپنے آپ کو کھو دیا قلیل تنخواہ پر اپنی عمر کا ایک بڑا عرصہ بہادری کے ساتھ گذار دیا۔ اور اکثر یہی کہا کرتے تھے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ مرتے وقت کوئی جائداد تمہارے لئے چھوڑ جاؤں پر یہ کہ تم صاحب جوہر اور ایماندار بنکر اس دنیا کے لئے برکت بن جاؤ۔

اپنی وفات سے ڈیڑھ برس پیشتر وہ دماغی طور پر کچھ عرصے کے لئے کمزور ہو گئے پر پھر بحالی حاصل کر کے اخیر سال بڑی محنت سے اپنی خدمت کرتے رہے۔ ماہ جون میں وہ تبدیلئ ہوا کے لئے لنڈھور پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ انکی دماغی کمزوری اُن پر پھر قدرے غالب آئی۔ پر ایک شکم کی بیماری نے بری طرح پکڑا اور آخر بروز بدھ ۵ اگست وہ موت پر فتح پاکر اپنے منجی کی خاص حضوری میں جا پہنچے اپنے مرنے سے دو گھنٹہ پیشتر اپنے وفادار نوکر کو بلاکر اُس سے بغلگیر ہوکر رخصت ہوئے۔

نزع کے وقت اُن کی زبان سے یہ الفاظ نکلے "میرے لئے جینا مسیح تھا اور اب مرنا نفع ہے" چہرے پر اُن کے تبسم نظر آیا۔ اور طائر روح اس خاکی خیمہ سے پرواز کر گیا۔

اُنکی وفات کی خبر سنتے ہی ڈاک گاڑی سے میں لنڈھور روانہ ہوا۔ سفر میں میں نے ایسا خوبصورت قوس و قزح دیکھا جو میں نے آج تک کبھی نہ دیکھا تھا اور امید کی آنکھ کو جلالی تخت کی طرف اُٹھائے ہوئے میں آخر پہاڑ پر جا پہنچا۔ اپنی ہمشیرہ سے ملا جو پچھلے دس سال تک دن رات اُنکی خدمت میں لگی رہتی تھیں۔ شام کو آس پاس کے ٹیلوں کے طرح طرح کے خوبصورت پھولوں سے لدے ہوئے انکا جنازہ کلاک میموریل گرجا کی طرف اُٹھا۔ میرے پنجابی بھادر بھائیوں نے انہیں گرجا گھر پہنچایا۔ مسٹر ایلفرڈ دولہ جیسے غمگساروں نے بڑی مدد کی۔ یادگاری کی عبادت گرجا میں ہوئی۔ جس میں ڈاکٹر گرسولڈ۔ ڈاکٹر دتا۔ ڈاکٹر فائف اور ڈاکٹر لوکس صاحبان جیسے پیارے بزرگوں نے اُنکی یادگاری میں پیاری باتیں کہیں۔ تب پاس ہی کے قبرستان میں اُن کو ڈاکٹر لوکس صاحب نے جنازے کی نماز ادا کر کے قبر کے سپرد کر دیا۔ اسوقت سورج تھوڑی دیر کے لئے بادلوں کا پردہ اُٹھا کر روشن ہو گیا اور ہم نے یہ فتح کی للکار سنی۔

"مبارک ہیں وہ مُردے جو خداوند میں مرتے ہیں۔ وہ اپنی محنتوں سے چھوٹ کر آرام پاتے ہیں اور اُنکے کام اُنکے پیچھے پیچھے چلے آتے ہیں"۔

ا ے۔ رلارام۔

دو مسافر

چلے بہشت کو جاتے ہیں گو تمہارے پاس
قضا لے آئی ہے اہلِ قبور ہم کو بھی۔

اکیلے سفر کا مزا کیا ہے۔ پنجابی میں ایک کہانی مرحوم پادری طالب الدین صاحب سنایا کرتے تھے جسکا شروع یوں کیا کرتے تھے "ترٹے اِک نہ ترٹے دو" ہندوستانی میں اسکا ترجمہ یوں ہو سکتا ہے۔ ایک سے دو بھلے۔ لاکھوں روز دنیا سے عاقبت کا سفر کرتے ہیں۔ خاموش اپنی اپنی راہ پہ چلے جاتے ہیں۔ کون کسی سے بات کرتا ہے۔ آجکل کا یہی فیشن ہے۔ یا یوں کہو کہ یہی انگریزی تہذیب ہے کہ جبتک دو اجنبیوں کے درمیان تعارف کنندہ نہ ہو۔ ایک دوسرے سے ہمکلام نہ ہونگے۔ خواہ مہینوں ایک ہی جگہ رہتے گذر جاویں۔ گویا قبروں میں پڑے ہیں مگر زندہ دل مردہ زندگی بسر نہیں کرتے۔ وہ ہر ایک سے ملتے ہیں۔ قبروں میں ہیں۔ مگر زندوں کی زمین پر چلتے چلتے راہ میں آرام کرتے ہیں خوشی خوشی ہنستے کھیلتے چلے جاتے ہیں کسی وقت سو بھی جاتے ہیں۔ جیسے مسیحی محاورہ ہے "فلاں خداوند میں سو گیا"۔ سفر کا مزا بھی تب ہی ہے۔ جبکہ دو ایک طبیعت۔ ایک مزاج۔ ایک شان اور ایک ایمان کے ہوں۔ اب ہمارے دو مسافر ہم سے آگے نکل گئے۔ ایک ساتھ چلتے بنے۔ یکساں طبیعت کا خاصہ ہے۔ آہ ہمارے عزیز۔ برادران۔ عزیز الدین اور رلارام ایسے ایک دوسرے کو عزیز ہوئے کہ رل ملکر چلتے بنے۔ پادری رلارام۔ پادری عزیز الدین۔ اگرچہ دونوں کی رہائش میں بعد المشرقین کا فرق تھا۔ مگر روانگی کے وقت ملگئے۔ پتہ نہیں کہ کس طرح وائرلس ٹیلیگرافی سے ایک دوسرے کو خبر دیدی۔ (توں چل تے مَیں آؤناں)۔

یکے بعد دیگرے روانہ ہوگئے۔

یہ تو مناسب اور راست ہے کہ مسافروں کو نیکی سے یاد کرنا چاہئے۔ اُن کے ناموں کو زندہ رکھنا چاہئے۔ لیکن ہمارے مرحوم پادری صاحبان اپنی یادگاری ہمارے اعتبار پر نہیں چھوڑ گئے۔ اُنکی زندگی کے کارنامے ایسے ہیں۔ کہ اگرچہ وہ مر گئے تاہم کلام کرتے ہیں (عبرانی ۱۱/۴) دونوں پادری صاحبان مرحوم زندہ دل اور کلام کے عالم۔ حقانی مفسر" اگرچہ ایک پریسبٹیرین۔ دوسرا ایپسکوپلین۔ مگر آخری وقت ایک ہی مسیحی نام سے روانہ ہوئے۔ دونوں زندہ دل تھے۔ میرا تعلق ان سے بہت تو نہیں رہا۔ مگر دونوں میرے عزیز بزرگ تھے۔ دونوں سے اکثر ملنے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔ ہر دو سنجیدہ مزاج کے تھے۔ مگر اُنکی سنجیدگی میں زندگی تھی ایسے نہ تھے "روتے کیوں ہو؛ شکل ہی ایسی ہے"۔ پادری رلارام صاحب بے لاگ کلام سنانے والے۔ کسیکے چہرے سے نہیں ڈرتے تھے۔ مرحوم پادری ٹامس ہاول کی طرح بے دھڑک بولنے والے تھے۔ اور خدا نے اُنکو ایک قوت دے رکھی تھی کہ اُنکا رعب سب کو دبائے رکھتا تھا۔ بڑی بڑی کمیٹیوں اور سنڈوں میں وہ اس طرح بولتے تھے کہ گویا صاحب اختیار ہیں۔ اُنکی راست روی اور بے عیب زندگی اور نیک روشنی کے سبب کوئی مقابلہ کی جراءت نہیں کرتا تھا۔ میری اُن سے اُسوقت کی ملاقات ہے۔ کہ ابھی وہ پادری بھی نہیں ہوئے تھے۔ آخر چل دیئے۔ چلتے چلتے پادری عزیز الدین صاحب کو بھی ساتھ لیگئے پنجابی میں مثل ہے کہ "آپ تے چلی نال پنڈ دیاں کڑیاں نوں بھی لے چلی"۔ شاید اُنہوں نے یہ سمجھا کہ اکیلے کیا جانا ہے سفر میں ساتھی ضرور ہونا چاہئے۔ سو آگے پادری یونگ صاحب کو پیشوا کر کے عزیز کو ساتھ لیتے ہوئے روانہ ہوگئے۔

پادری عزیز الدین صاحب سچ مچ عزیز تھے۔ ذات کے افغان۔ مگر مسیح نے اُنکو انسان بنا دیا تھا۔ پرانی انسانیت کا بقیہ اُن میں غصہ کسیقدر رہتا۔ مگر کلام کے مطابق غصہ تو ہو پر گناہ نہ کرو۔ اسپر عامل تھے۔ ایمان کے بڑے پکے۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ کٹر عیسائی۔ مسلمانوں سے ماریں کھائی۔ مگر مجال ہے جو اُن سے

کبھی بدلہ کی خواہش کی ہو۔ بلکہ دعائے خیر ہی زبان پر رہتی تھی۔ میرے ساتھ آنکا بہت پیار تھا۔ اگرچہ وہ سنجیدہ اور خاموش طبیعت کے تھے اور مَیں ذرا کھُلی طبیعت کا۔ مگر ہماری محبت مسیح میں کبھی کم نہیں ہوئی۔ اکثر کبھی کسی موقعہ پر جب میں آپنر کسی بات کے منوانے میں جبر کرتا تو مان لیتے تھے۔ اپنی بات پر ہٹ نہیں کرتے تھے بشرطیکہ بات اُنکی سمجھ میں آجائے۔ وہ اردو پڑھے ہوئے عام پادری نہ تھے۔ بڑے قابل عالم متبحر تھے۔ سوائے پنجابی کے (کیونکہ پنجابی زبان عبرانی یونانی تو ہے نہیں کہ ہر ایک سیکھ سکے۔ خصوصاً یو۔پی۔ اور فرانٹیر کے لوگ پنجاب میں عمریں گذار دیتے ہیں مگر اجنبی کے اجنبی ہی رہتے ہیں) کئی زبانوں پر حاوی تھے عربی۔ فارسی۔ پشتو۔ عبرانی۔ یونانی۔ میں پوری دسترس رکھتے تھے۔ جہانتک ہمارا خیال ہے ہمارے بھائیوں میں اُنکی لیاقت کا ایک بھی پادری نہیں۔ البتہ مرحوم پادری پال کیول سنگھ صاحب اہل زبان کی طرح یونانی کے فاضل تھے مگر دونوں ہی چلتے بنے۔ اُنکی زندگی کے کارنامے ایسے نہیں کہ انکو بھول جائیں۔ وہ نہ صرف قدر کے قابل ہیں۔ بلکہ خادمِ دین کے واسطے خصوصاً اور تمام مسیحیوں کے واسطے عموماً نمونے کے لائق ہیں۔ کاش کہ کوئی صاحب ہمت کرے کہ اُنکی لائف تحریر کرکے چھپوا دیں۔ مغربی کلیسیا میں اگر ایسے خادم دین ہوں تو جھٹ اُنکی سوانح چھپ جاتی ہیں۔

پادری عزیز الدین صاحب کے عزیز رشتہ دار پادری خیر اللہ صاحب جو اُنکے حالات سے بخوبی واقف ہیں اس کام کو اپنے ذمے لیں تو بہتر ہے۔ اور پادری رلیارام صاحب کی لائف لکھنے کے واسطے کسیکو کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اُنکے فرزند ارجمند مرحوم والد کے لائق جانشین پادری آگسٹن ضرور ہی اس کام کو پورا کرینگے۔ - فاتحہ۔

مبارک ہیں وہ مردے جو اب سے خداوند میں مرتے ہیں۔ روح کہتا ہے کہ بے شک۔ کیونکہ وہ اپنی محنتوں سے آرام پائینگے اور اُنکے اعمال اُنکے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں (مکاشفہ ۱۴:۱۳) (واعظ)

سیالکوٹ کنونشن

تاریخ۔ امسال سیالکوٹ کنونشن ۲۳ ستمبر سے ۲۹ تک رہی۔ اس دفعہ اسکا مضمون "کلیسیا خدا کا گھر ہے" تھا۔ اس کنونشن کا آغاز سنہ ۱۹۰۴ء میں ہمارے بزرگ کپتان احسان اللہ صاحب کی ہمتوں کے ذریعے سے ہوا جس کی رو سے چند ہندوستانی پادریوں کے دل میں مسیح کے نام کی غیرت نے جوش مارا اور انہوں نے اُسکے نام کی بزرگی کی خاطر ایک دعائیہ جلسہ قائم کیا۔ اور وہ دعائیہ جلسہ آج بڑھتے بڑھتے کنونشن میں تبدیل ہوگیا۔

اس دفعہ خدا کے فضل سے کنونشن کچھ ایسے دنوں میں ہوئی کہ دسہرہ کی تعطیلات تھیں اور لوگ بھی راستبازی کے بھوکے اور پیاسے کنونشن پر ٹوٹ پڑے۔ خدا کا شکر ہے کہ بہت سے اسکی برکات سے معمور ہو کر واپس پھرے۔

انتظام۔ جس پہلو سے بھی دیکھا جائے انتظام خاطر خواہ تھا۔ یاد رہے کہ یہ سب کنونشن کی انتظامیہ کمیٹی اور سیکرٹری ڈاکٹر مکالوی صاحب ڈی ڈی کی ہمتوں کا نتیجہ تھا۔ نہایت ہی اعلیٰ درجے کا انتظام ہونے سے کنونشن کی رونق دوبالا ہوگئی۔

پروگرام۔ صبح سات بجے چار ساڑھے آٹھ بجے تلاوتِ کلام بڑے ڈیرے میں ہوتی تھی اور عام طور پر ہمارے دو بزرگ ڈاکٹر براؤن و پادری ببھول صاحبان رہنما ہوا کرتے تھے۔

کھانے کا وقت گیارہ بجے جسطرح کا کھانا چاہتے مل جاتا تھا صرف بات پیسوں کی تھی۔ ڈیڑھ بجے متفرق میٹنگیں ہوا کرتی تھیں۔ یعنے بچوں، عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں کی الگ الگ۔ بڑے ڈیرے میں پنجابی زبان میں یا تو پادری ہیریسن یا پادری ملوچند صاحب میٹنگ کرایا کرتے تھے۔ عام طور پر جٹ زمیندار جو اردو سے آشنا نہیں شوق سے حاضر ہوتے تھے۔ تین بجے پھر چاء کی گھنٹی کی آواز کان میں سنائی دیتی تھی۔ اور چاء کے شائق کھانے ہال کیطرف

جاتے ہوئے نظر آتے تھے۔ ساڑھے چار بجے انگریزی میں میٹنگ ہوا کرتی تھی۔ اسکے چیرمین بزرگ پادری پیٹرسن صاحب اور عام طور پر بولنے والے ہمارے بزرگ اور مہربان ڈاکٹر پی جونس صاحب تھے جنکے وعظ کا یہ اثر تھا کہ جو اسے سنتا اُسکا دل موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ پھر شام کو میٹنگ کے بعد لوگ کھانا کھانیکے لئے کھانیکے خیمہ کیطرف جلدی جلدی قدم اُٹھاتے ہوئے نظر آتے تھے۔ کھانے سے فارغ ہونے پر ساڑھے آٹھ بجے رات کے میٹنگ شروع ہوتی۔ اسوقت اور صبح کی میٹنگ کے چیرمین بزرگ اور نامی گرامی ڈاکٹر میکنزی صاحب از متھرا تھے۔ یاد رہے کہ یہ کنونشن صرف دعا کے زور پر ہی قایم ہے۔ رات دن ہنٹر میموریل چرچ میں دعا ہوتی رہتی تھی۔

جیسے اوپر ذکر کیا گیا کنونشن کا مضمون "کلیسیا خدا کا گھر ہے" تھا۔ پادری پی جونس صاحب نے اس مضمون کی خوب تشریح کی۔ یہ پادری صاحب آسام سے خاص کنونشن کے لئے تشریف لائے تھے۔ انکی موجودگی نے کنونشن کو چار چاند لگا دیئے۔ یہ صاحب خدا کے ایسے پیارے ہیں کہ یتیموں کی پرورش اپنا فرض منصبی بنا رکھا ہے۔ چنانچہ دوران گفتگو میں آپ نے فرمایا کہ کئی سالوں سے میں نے ایک یتیم خانہ کھول رکھا ہے جس میں دیسی اور بدیسی یتیم بچے پرورش پا رہے ہیں۔ اور وہ نہایت ہی فخر سے کہتے تھے کہ انکی پرورش کے لئے میں نے آجتک کسی سے پیسہ نہیں مانگا۔ بلکہ خداوند کریم خود ہی کوئی نہ کوئی انتظام کر دیتا ہے۔ صاحب ممدوح کی عمر کوئی ستر سال کی ہوگی۔ پر تعجب کی بات ہے کہ اس قدر زور سے بولتے ہیں کہ شاید نوجوان بھی ایسا نہیں بول سکتے۔ ایک دن آپ نے کہا کہ ایک دفعہ میں ایک بڑے گرجے میں عبادت کرا رہا تھا۔ جب عبادت ختم ہوئی تو ایک مس صاحبہ میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ بہت افسوس ہے کہ مجھکو کچھ سنائی نہیں دیا۔ دوسرے اتوار اتفاقاً حسب کو ایک چھوٹے گرجے میں بولنے کا اتفاق ہوا۔ اور وہ ایسے زور سے بولے کہ عبادت کے بعد چھ لیڈیز آئیں اور کہنے لگیں کہ آپ اسقدر زور سے بولے کہ ہمارے

میں درد شروع ہو گئی۔ ہم مضمون سے بہت دور چلے گئے۔ آپ نے دوسرے
سلاطین کے دوسرے باب پر درس دیا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کا گھر انسان کا دل ہے
اور اس گھر یعنے انسان کے دل میں خدا کے روح نے آکر بسیرا لینا ہے۔ اسلئے انہوں
نے خدا کے روح پانے کے لئے چند ایک طریقے بتائے وہ مندرجہ ذیل ہیں :-
پہلے ہم کو روح کی ضرورت محسوس کرنی چاہیئے۔ اور جب تک ہم روح کو نہ
پالیں اسکا پیچھا نہ چھوڑیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ الیشاہ اور ایلیاہ دونوں جاتے
تھے۔ ایلیاہ نے الیشاہ سے کہا کہ مانگ جو تو چاہتا ہے الیشاہ نے
اُسکی روح کا دگنا حصہ اُس سے مانگا۔ ایلیاہ نے جواب دیا کہ تو نے بہت
زیادہ مانگا ہے پر اگر تو مجھے آسمان پر جاتے دیکھ لیگا تو روح کو ضرور حاصل کریگا
پر ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے وہ جلجال میں اکٹھے تھے۔ جلجال کا مطلب اپنے گناہوں
سے خلاصی پاتا ہے۔ پہلے ہمکو اپنے گناہوں سے خلاصی پانا ہے جب تک
خلاصی نہ پائینگے روح ہمکو نہ ملسکیگا۔ پر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ دونوں بیت ایل
کی طرف بڑھے۔ بیت ایل کا مطلب "خدا کا گھر" ہے۔ آپکو یاد ہوگا کہ
جب یعقوب اپنے گھر سے بھاگا تھا تو راستے میں ایک رات اُسکو پہاڑ پر
کاٹنی پڑی اور اُس رات خدا اُس پر نازل ہوا۔ تب اُس نے اُس جگہ کا نام
بیت ایل رکھا۔ کئی لوگ ایسے ہیں جو خدا کے گھر میں جاتے ہیں کنونشن میں
حصہ لیتے ہیں پر اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتے۔ ہمکو بیت ایل میں کھڑا نہیں
رہنا چاہیئے پر آگے قدم بڑھانا چاہیئے۔ اسکے بعد دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ
دونوں یریحو تک گئے۔ یریحو کا مطلب فتحمندی ہے۔ صاحب نے فرمایا
کہ بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں پر فتح پائی ہے اور بہت سے
ایسے ہیں جنہوں نے ابھی تک فتح نہیں پائی۔ ہم سب کو فتح حاصل کرنا ہے۔
جب ہم فتح پا لیتے ہیں تو ہمکو ایک قدم اور آگے لینا چاہیئے۔ پر وہ دونوں
آخری بار کے لئے یردن کے کنارے بات چیت کرتے ہیں۔ یردن کا مطلب
موت ہے۔ ہمکو اپنے گناہوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد صلیب اُٹھانی
چاہیئے۔ جب تک ہم مسیح کی صلیبی موت پر ایمان نہ لائینگے اور اُسکے ساتھ موت کا

بجی

مزہ نہ چکھیں گے روح کو حاصل نہیں کرسکتے۔ آنصاحب نے ذکر کیا کہ ایک دفعہ
وہ کوئی مشنری کونسل کر رہے تھے۔ ایک مشنری پر انکی وعظ کا اسقدر اثر ہوا
کہ اس نے اپنے گناہوں کے لئے معافی مانگی اور پکا ارادہ کر لیا کہ میں روح کو
حاصل کر کے ہی رہوں گا۔ اتفاق سے یہ مشنری اور صاحب ممدوح دونوں
اکٹھے گھر واپس جا رہے تھے۔ جب کچھ راستہ طے کر چکے تو یکایک اس مشنری
نے چلا کر کہا کہ میں نے پالیا میں نے پالیا۔ صاحب ڈر گئے اور پوچھا کیا پالیا؟
بولے روح کو پالیا۔ اسی طرح اگر ہم بھی اپنے گناہوں سے مخلصی پا کر پکا ارادہ
کر لیں کہ روح کو حاصل کر کے ہی رہینگے تو ضرور ہم اسکو حاصل کر لیں گے۔

دوسرے بولنے والے ہمارے بزرگ پادری پروفیسر لیتھول صاحب
تھے۔ پادری صاحب نے متواتر تین دن تلاوت کلام میں ہماری رہنمائی کی۔
یہ اُن صاحبان میں سے ہیں جنہوں نے سیالکوٹ کنونشن کی بنیاد رکھی انکے
مضمون کا مختصر طور پر حال دیا جاتا ہے کیونکہ اگر سب کچھ لکھا جائے جب فصاحت سے
اُنہوں نے ہر ایک آیت کی تشریح کی تو معلوم نہیں کتنے صفحے درکار ہوں۔
صاحب نے افسیوں کے پہلے تین باب کی تفسیر کی۔ اور بتایا کہ خدا نے ہمکو
اپنی ہیکل بنانے کے لئے شروع ہی سے علیحدہ کیا ہوا ہے۔ ہم میں سے
ہر ایک اُسکی ہیکل کا حصہ ہے جس طرح سے بہت سی اینٹوں کو ترتیب وار رکھنے
سے گھر بنجاتا ہے۔ اسیطرح بہت سے مسیحیوں کے ملنے سے اُسکی کلیسیا بنجاتی
ہے۔ افسیوں ۱-۷ آیت۔ یہاں پر ذکر ہے کہ اس نے ہمکو خون سے خریدا ہے
ہمارے لئے خون بہایا گیا تھا۔ جس طرح سے مالک جب کوئی مکان بنانے
لگتا ہے تو ہر قسم کا سامان مول لیتا ہے۔ اسی طرح خدا نے ہم کو مسیح کے خون سے
خریدا ہے۔ یاد رہے کہ اس نے ازل سے ہمکو اپنی ہیکل کے لئے علیحدہ
کر لیا ہے۔

چوتھے بولنے والے پادری ملّو چند تھے۔ انکا بھی بہت سا حصہ سیالکوٹ
کنونشن کی بنیاد رکھنے میں تھا۔ آنصاحب نے بتایا کہ پنجاب کی کلیسیا کا خیمہ ہے
نہ کہ گھر۔ پر ہمکو اُسکا گھر بلکہ پکا اور پختہ گھر بنانا چاہئے جس طرح خیمہ آندھی و

بارش سے گر پڑتا ہے۔ اسی طرح ہم بھی شیطان کے حملوں سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ ہمکو چاہئے کہ ہم بھی اپنی حالت کو سدہاریں۔ اور خدا کی ہیکل کو مضبوط کریں۔

اس سال ایک عجیب بات کنونشن میں مشاہدہ میں آئی جو کبھی سیالکوٹ کنونشن میں نہ دیکھی گئی تھی۔ یعنے تمام لوگ ایک ساتھ بغیر کسی تفریق یا فرقہ بندی خداوند کی میز پر حاضر ہوئے۔ تیاری کے لئے بشپ رابن صاحب نے رات کی میٹنگ میں ایک پُر اثر درس دیا جس کا مضمون تھا "مردِ غمناک" وہ غم کا آشنا ہوا۔ اُنہوں نے بتلایا کہ یہ عجیب نام ہے جس سے ہمارا خداوند مسیح نامزد کیا گیا ہے۔ ہم مسیح کی الوہیت کے قائل ہیں تو پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ مسیح مردِ غمناک کہلایا۔ مسیح پر کونسا بوجھ تھا اور کس سبب سے وہ اُسکے اُٹھانیوالا ہوا؟ اُنہوں نے مسیح کی تمام زندگی اس کی مصیبتیں اور تکالیف مختصراً پیش کیں مسیح کا اپنے جلال اور باپ کی گود کو چھوڑ کر دنیا میں بلکہ ایک انسان کی صورت میں مجسم ہونا۔ ایک خود انکاری اور خاکساری کی بے نظیر مثال ہے۔ یہاں اُنہوں نے ایک پُر دلیل مثال دی۔ اُنہوں نے ذکر کیا کہ ایک دفعہ میں جا رہا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ چند سُور کیچڑ میں لت پت اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ اگر کوئی شخص انکی حالت سدہارنے کے لئے بھیجا جائے تو وہ شخص اس حالت کو کیسا ناپسند کریگا۔ اور اس حالت میں رہنا اُسکے لئے کیسا دشوار اور پُر از مصیبت ہوگا۔ لیکن ذرا مسیح کی حالت پر غور کیجئے کہ وہ ایک ایسی شاندار جگہ کو چھوڑ کر ہم گنہگاروں کی خاطر انسانی شکل اور جسم کو قبول کرتا ہے۔ اور یہاں پر ہی اُسکی تکالیف کا انجام نہیں ہوتا بلکہ وہ کسقدر سختی جھیلتا ہے۔ اور رُسوا کیا جاتا ہے۔ آپ کہینگے یہ سب کچھ ہو چکا اور اب مسیح کے لئے کوئی غم نہیں۔ وہ زمانہ قدیم میں بھی مردِ غمناک تھا۔ اور ابھی بھی مردِ غمناک ہے کاش کہ ہم کوشش کریں اور روح کی طاقت سے مسیح کی پیروی کریں۔

ایرک۔ بی۔ ڈانیل

•••

مسیحیوں کے رہائشی مکان

اپنے ہونے چاہئیں

کسی بزرگ کا قول ہے کہ دنیا میں ہر ایک شخص کے پاس ان تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ کلّی۔ جلّی۔ گلّی۔ ان میں سے کلّی و جلّی تو عیسائیوں کے پاس بلحاظ حیثیت بمقابلہ دیگر اہل ہند کے دس درجہ بڑھکر ہیں۔ بلکہ اپنا تمام روپیہ کھانے و کپڑے ہی میں یعنے کلّی و جلّی میں تنخواہ کی آمد سے پہلے ہی خرچ کر بیٹھتے ہیں۔ اگر سینکڑوں کی آمدنی والے ورہاکے۔ اور دہاکوں کی آمدنی والے اکایاں ماہ بماہ بچاتے رہیں۔ تو نوکری چھوٹ جانے یا بڑھاپا آنے کے وقت بیٹھنے کو جگہ تو ملے۔ اپنے ہم وطنوں میں عزت کی نگاہ سے تو دیکھے جاویں۔ سرکار میں بھی اُسی شخص پر بمقابلہ دوسرے کے زیادہ اعتبار ہوتا ہے جسکے پاس کلّی ہو۔ اگر تنگی بے حد بڑھ جاوے تو کلّی کو گروی رکھکر وقت ٹال سکتا ہے۔ اگر اپنی یا کسی عزیز کی مصیبت کے وقت ضمانت دینے کو دو شخص جاویں تو کلّی والے کی ضمانت بمقابلہ نہ کلّی رکھنے والے کے خواہ یہ لکھپتی ہی کیوں نہ ہو جلد منظور ہوگی۔ میونسپل کمیٹیوں۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں اور کونسلوں کے انتخاب کے وقت اگر اور کوئی حیثیت نہ بھی ہو۔ مگر اپنی کلّی ہو تو انسان ووٹ دینے کا حقدار بنجاتا ہے۔ لہذا ہر ایک مسیحی کے پاس اپنا رہائشی مکان ہونا ضروری امر ہے۔ اب تک مسیحی چند وجوہات سے اپنے اپنے مکان نہیں بنا سکے۔

اوّل۔ اُنکے انگریزی طرز رہائش کے باعث اُنکے اپنے بھائی اُن سے نفرت کرتے ہیں۔

دوئم۔ اس انگریزیّت کی وجہ سے اُنکے اخراجات اتنے بڑھ گئے ہیں کہ بچت ذرا بھی نہیں ہوتی۔

سوئم۔ غیر مسیحی برادران انکے مکانات کے بنانے میں جائز و ناجائز طریقہ سے

رکاوٹیں پیدا کرتے رہے ہیں۔

چہارم۔ صاحب حیثیت مسیحی برادران نے انکی مدد نہیں کی۔ کسی نے کرنی بھی چاہی تو اُنھوں نے منظور بھی نہیں کی۔ اب صاحب توفیق مسیحی اصحاب کو چاہئے کہ حتی المقدور اُنکی مدد کریں۔ اور اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچاویں۔ اور متوسط درجہ والے اور غریب مسیحیوں کو چاہئے کہ جب کوئی انکی مدد کرنا چاہے تو اُس مدد کو خوشی سے منظور کر کے اپنی قوم کی دینی و دنیوی حالت سدھاریں۔ اس خیال کو مد نظر رکھکر میں نے انتظام کیا ہے کہ گجرات ریلوے سٹیشن سے تقریبًا دو فرلانگ کے فاصلہ پر ایک سو بیس (۱۲۰) کنال اراضی پر عیسائیوں کی ایک بستی بنائی جاوے۔ دس مرلہ سے لیکر چار کنال زمین تک بلکہ زیادہ بھی جو کوئی لینا چاہے پندرہ روپیہ فی مرلہ یا تین صد (۳۰۰) روپیہ فی کنال (یعنے ۲۰ بیس مرلہ) خرید لے۔ قیمت اگر یکمشت نہ دے سکے تو بیس روپیہ ماہواری اقساط میں کر کے زمین اپنے نام منتقل کرالے۔ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ بیرون از گجرات کے رہنے والے مسیحی گجرات میں مکان کیوں بنائیں۔ اِسکا جواب یہ ہے کہ جنکے اپنے مکان دیگر شہروں میں ہیں یا جو آسانی سے ایسی سستی زمین خرید کر کسی اور جگہ اپنے مکان بنا کر بڑھاپا با عزت اور فارغ البالی سے کاٹ سکتے ہیں وہ تو یہاں پر نہ بنائیں لیکن جنکے اپنے مکان کہیں بھی نہیں ہیں اور جنکو بڑھاپے میں کام سے برطرف ہونے پر لاہور یا دوسرے بڑے شہر میں اپنی پوزیشن کے مطابق رہائش رکھنی پڑے انکے لئے از بس مفید ہے لاہور جیسے شہر میں مکان کا کرایہ ہی اِتنا دینا پڑیگا جتنے میں وہ اس گجرات والے موقعہ پر آسانی سے کھانے پینے کا گذارہ کر سکتے ہیں۔ انکو ضرور بڑھاپا آنے سے پہلے کم از کم ایک کنال زمین لے لینی چاہئے۔ اور تین صد (۳۰۰) روپیہ خرچ کر دینا چاہئے۔ اگر مکان بنانیکے لئے بائع روپیہ بچا سکے تو حسب مرضی خود چھوٹا یا بڑا مکان بنالے۔ اگر نہ بنا سکے تو جب دس بیس مکان بننگے تو اُس زمین کی قیمت کئی گنا بڑھ جاوے گی۔ فروخت کرلے۔ میں نے ایک دفعہ اڑھائی روپیہ فی مرلہ زمین خریدی پھر اُسکو آٹھ روپیہ مرلہ پھر پندرہ روپیہ مرلہ

پھر اُسکے بعد کا بقایا بیس پچیس چالیس پچاس ستر روپیہ مرلہ پر فروخت کی۔ ایک اور موقعہ پر میں نے کرکٹ فنڈ اور بنچ کے روپیہ سے پانچ روپیہ فی مرلہ زمین خریدی۔ اس میں سے ½ حصہ زمین جو کرکٹ فنڈ والی تھی گجرات کے عالیشان گرجا کے لئے گرجا فنڈ سے بغیر پیسہ وصول کئے دیدی۔ اور ½ حصہ میں نے اسّی روپیہ مرلہ پر فروخت کر دی۔ کیونکہ اسکے قریب آبادی آگئی تھی۔

بہت عرصہ نہیں گذرا۔ لاہور کے محلہ جات بنام مزنگ اور بھو ندُپورہ کے قریب جہاں پر اب پارک لین بنی ہے چالیس کنال زمین چالیس ہزار روپیہ میں عیسائیوں کو ملتی تھی۔ یعنے ایک ہزار روپیہ فی کنال۔ مگر اسوقت نہ لی۔ اب ضرور اُسکی قیمت بیس پچیس ہزار روپیہ فی کنال ہوگی۔ ہر جگہ یہی حال ہے اب جبکہ مکانات کی قیمت جنگ کے بعد کچھ گر گئی ہے۔ مگر سفید زمین کی پھر بھی خاصی قیمت ہے۔ آسمانی ورثہ سے دوسرے درجہ پر زمین کی ملکیت یا کلی کو پاک کلام نے رکھا ہے۔ جہاں بار بار حلیموں کو زمین کا مالک ہونیکی برکت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ گجرات ریلوے اسٹیشن کے اوپر ایک قصبہ ہے۔ جہاں کی صحت ایسی اچھی ہے کہ سرکاری افسران بعد پنشن یہاں رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور مکانات بنا لیتے ہیں۔ خوردنی اشیا بہ نسبت لاہور اور دیگر بڑے شہروں کے بہت سستی ہیں۔ تجارتی کاروبار بھی بڑی ترقی پر ہے۔ اور جو ٹکڑے میں عیسائیوں کو دینے کو تیار ہوں کاروباری علاقہ اس سے بہت قریب ہے۔ مَیں ذیل کے مضمون کا اشتہار چھپوا کر مشتہر بھی کرنے لگا ہوں۔ جو اصحاب اشتہار دیکھنا چاہیں وہ خوشی سے مجھ مشتہر سے منگا لیں۔

اشتہار زمین برائے مکانات

جو مسیحی اصحاب سستی زمین برائے مکانات کسی ریلوے سٹیشن اور قصبہ کے قریب کھلی اور صحت افزا جگہ پر خرید کرنا چاہتے ہیں۔ وہ گجرات ریلوے سٹیشن سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلہ پر بحساب پندرہ (۱۵) روپیہ فی مرلہ یا تین صد (۳۰۰) روپیہ فی کنال پر جتنی زمین خرید کرنی چاہیں مجھ مشتہر سے خرید لیں۔ اگر قیمت یکمشت ادا نہ کر سکیں تو

تین صد روپیہ کی ادائگی بیس روپیہ ماہوار پندرہ ماہ میں کرکے زمین اپنے نام منتقل کرالیں۔ اگر دس مرلہ بلکہ ۵ مرلہ تک بھی زمین لینا چاہیں وہ بھی مندرجہ بالا شرائط پر ملسکتی ہے۔ مگر یہ رعایت صرف اخیر فروری ۱۹۲۶ء تک ہوگی۔

نوٹ۔ اس آبادی کے ملحقہ آبادی میں اب بھی بیس پچیس بلکہ تیس روپیہ فی مرلہ زمین بک رہی ہے۔ جہاں پر تین چار صد احاطہ بک چکا ہے ان میں بہت سے مکانات دودوکانات بلکہ ایک کوٹھی بھی طیار ہو چکی ہے۔

جے۔ ڈانیل ہیڈ ماسٹر۔
گجرات پنجاب

قلمرو جموّں اور کشمیر میں مسیحی کلیسیا

ڈاکٹر ارنسٹ نیو صاحب کے اِس عنوان کے ایک نہایت دلچسپ مضمون میں سے چند اقتباسات مختصر ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

ریاست جمّوں و کشمیر رقبہ میں برطانیہ کلان کے برابر ہے اور ملک مصر سے سات گنی۔ آبادی اسکی قریب سوا تینتیس (۳۳¼) لاکھ آدمیوں کی ہے۔ علاقہ زیادہ پہاڑی اور غیر آباد ہونے کے باعث آبادی کی گنجائی انتالیس (۳۹) کس فی میل مربع ہے۔ بلحاظ فرقہ بندی کے زیادہ تعداد محمدیوں کی ہے۔ جموّں کے علاقے میں ہندو آبادی کشمیر سے نسبتاً زیادہ ہے۔ اور نیچ ذات کے لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ قلمرو جموں میں چرچ آف سکاٹلنڈ نے ۱۸۶۳ء میں مسیحی کام شروع کیا اُنکا حلقۂ خدمت خصوصاً تحصیل سری رنبیر سنگھ پورہ کے چند دیہات اور شہر جموّں میں ہے۔ ہندوستانی پاسٹر کی تنخواہ کا انتظام خود مقامی کلیسیا کرتی ہے۔ اس مشن کے متعلق ایک اینڈیور سوسائٹی قایم ہے۔ تین مدرسوں میں سے دو خاص شہر جموں میں ہیں

سنہ ۱۹۱۱ء میں مسیحیوں کی تعداد ۳۴۹۳ تھی اور سنہ ۱۹۲۱ء میں ۵۹۲۔ کلیسیا کا سسٹم جو پنچایت کے اصول پر قائم ہے سہ ماہی اپنے اجلاس میں انتظامی اور مالی معاملات پر غور کرتا ہے۔ کلیسیا کے جھگڑوں اور دیگر تنازعات وغیرہ کا فیصلہ کرسچن اینڈیور سوسائٹی کی ایک سب کمیٹی کرتی ہے۔ جموں میں چرچ آف انگلینڈ کی جماعت متعلق بہ ایس۔ پی۔ جی۔ ہے جسکے شرکا کی تعداد ۱۳۰ سے۔ ریاست جموں اور کشمیر میں مسیحیوں کی مجموعی تعداد سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے وقت ۴۳۹۰ تھی جس میں سے ۴۱۳۱ ہندوستانی تھے۔ یوروپین اور اینگلو انڈین جماعت خصوصاً شہر سرینگر اور اسکے مضافات میں مقیم ہے۔ لحاظ کلیسیا کے زیادہ تعداد دیسی بٹیرین مسیحیوں کی ہے۔ سنہ ۱۸۶۵ء میں چرچ مشنری سوسائٹی نے کشمیر میں میڈیکل مشن قائم کیا۔ یہ کام رفتہ رفتہ بہت ترقی کر گیا ہے۔ اور اس وقت سرینگر کا مشن ہسپتال نہایت وسیع پیمانے پر اعلیٰ خدمت انجام دے رہا ہے۔ اس عرصے میں گو بہت تھوڑے لوگوں نے بپتسمہ لیا مگر بیان کیا جاتا ہے کہ مسیحی مذہب کی تاثیر دور دور پھیل رہی ہے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ باوجود ایک عرصہ دراز کی مسیحی خدمت کے خاطر خواہ پھل پیدا نہیں ہوا۔ اسکی نسبت ڈاکٹر صاحب موصوف چند رکاوٹوں کا ذکر کرتے ہیں۔ محمدی لوگ تو اپنے گھر بار رشتہ داروں اور برادری کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اور اہل ہنود ذات پات کے بندھن میں ایسے جکڑے ہوئے ہیں کہ اسکو توڑنا پسند نہیں کرتے۔ دونوں فرقے ڈرتے ہیں کہ مسیحی مذہب اختیار کرنے سے وہ معاشرتی حقوق سے خارج کئے جائینگے کشمیر میں ابتک حقیقی مذہبی آزادی نہیں ہے۔ اور تبدیل مذہب کرنیوالوں کے خلاف سرکاری دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ علاوہ اس طبی خدمت کے ریاست کا جذام خانہ جسے میڈیکل مشن نے قائم کیا اسی مشن کے سپرد ہے۔ اس میں سے کئی ایک جذامی مسیحی مذہب اختیار کر چکے ہیں۔ مستورات کے لئے اسلام آباد اور سرینگر میں مشن کے شفاخانے ہیں۔ علاقہ لیہ میں موریوین مشن کا شفاخانہ اچھا کام کر رہا ہے وہاں پر ۹۹ لداخی مسیحیوں کی ایک جماعت بھی ہے جنمیں سے جوان عشائے ربانی

میں تحریک ہوتے ہیں فیصد بارہ مولا میں رومن کاتلک مشن کا ہائی سکول اور خیراتی شفاخانہ ہے۔ اور سری نگر میں ایک چھوٹا سا گرجا بھی ہے۔ سنٹرل ایشین مشن کے کارندے بالتستان اور شمالی کشمیر میں کام کر رہے ہیں بلحاظ تعلیم کے بمقابلہ دیگر ریاستہا کے کشمیر بہت پیچھے رہا ہوا ہے۔ مسیحیوں میں ۵۶ فیصدی خواندہ ہیں جو دیگر فرقوں کے مقابلے میں بڑی بھاری تعداد ہے۔ مگر اس میں یوروپین اور اینگلو انڈین آبادی بھی شامل ہے۔ خاص سری نگر میں پانچ برس عمر سے اوپر سب مسیحی خواندہ ہیں۔ تلہر و جموں میں جہاں مسیحیوں کی آبادی زیادہ تر ادنیٰ اقوام کے نومریدوں کی ہے سو کس فی ہزار پڑھے لکھے ہیں۔ اسکے مقابلے میں آریا اور محمدی بہت نیچے ہیں۔ کشمیر میں چرچ مشنری سوسائٹی کے متعلق بہت سے مدارس ہیں۔ خاص سری نگر میں چرچ آف انگلینڈ کی زنانہ مشنری سوسائٹی نے کئی ایک سکول لڑکیوں کے کھولے ہیں۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ گو مسیحی کلیسیا نے گزرے دس سال کے عرصے میں کشمیر میں نمایاں ترقی نہیں کی۔ مگر مسیحی مذہب کا اثر ملک میں پھیل رہا ہے۔ مدت کی بشارتی خدمت کے بعد ریاست میں عام طور پر انجیل کے حقائق سے واقفیت پیدا ہو گئی ہے مخالفت کی بجائے دوستانہ برتاؤ نظر آتا ہے۔ اور مذہبی تعصب کم ہوتا جا رہا ہے اور باوجود مخالفت کے بہت سے لوگ دلی طور پر مسیحی ہیں۔

ناصر

چند مفید تجاویز

پنجاب کرسچن کونسل کے تیرھویں سالانہ اجلاس میں جو اپریل مہینے کی ۱۹۰۱۵ تاریخوں پر لاہور میں منعقد ہوا بہت سے مضامین پر غور کی گئی۔ اور کثیر التعداد قراردادیں منظور ہوئیں۔ جن میں سے چند ایک ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

۱۔ **متحدہ مشن کی صحت گاہ۔** تپ دق کے مریضوں کے لئے ایک ایسی صحت گاہ (سینی ٹوریم) کی نسبت بحث ہوئی جسکی ضرورت اس صوبے میں

مدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ اس ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے چند تجاویز پر غور کیا گیا
(۱) کمبرج مشن دہلی نے کرنال میں اپنے زنانہ ہسپتال کی عمارت اس قسم کی صحت گاہ قائم کرنے کے لئے پیش کی۔
(۲) اے۔ پی مشن نے بمقام سپاٹو اپنی ایک کوٹھی اس مقصد کے لئے دینے پر رضا مندی ظاہر کی۔ (۳) خاص دھرم پور میں جہاں چند سال سے ایک صحت گاہ موجود ہے ایک نہایت موزون جائداد ہے جو پینتیس ہزار روپے پر خریدی جا سکتی ہے
(۴) میڈیکل مشنری ایسوسی ایشن نے الموڑہ کو ایک نہایت مناسب مقام قرار دیا جہاں اسی قسم کی ایک صحت گاہ پیشتر سے موجود ہے اور جہاں سرکاری امداد بھی ملتی ہے۔ اگر شمالی ہند کی تمام مشنیں بلکہ اس بنے بنائے کام کو چلائیں تو تھوڑی سی لاگت پر ایک عمدہ صحت گاہ مستقل طور پر قائم ہو سکتی ہے۔ (۵) آخری تجویز علاقہ راجپوتانہ کے مقامات تلونیا اور مدار کی نسبت پیش کی گئی۔ ان پانچوں تجاویز میں کوئی نہ کوئی نقص پایا گیا۔ مثلاً کرنال اور سپاٹو میں توسیع کی گنجائش نہیں۔ علاوہ ازیں سپاٹو میں جذام خانہ ہونے کے باعث تپ دق کے مریض وہاں رہنا پسند نہیں کرینگے۔ دھرم پور میں فقط مستورات کا علاج ہو سکتا ہے اور وہاں بھی توسیع کی گنجائش نہیں الموڑہ اور راجپوتانہ کے مقامات پنجاب سے دور فاصلہ پر ہیں۔ علاقہ مدراس میں مدناپال نامی مقام پر ایک صحت گاہ موجود ہے جو ہر پہلو نہایت موزون جگہ ہے۔ چودہ مشنری سوسائیٹیوں کی متحدہ کوشش سے اس میں نہایت اعلیٰ درجے کا کام ہو رہا ہے۔ پنجاب میں اسی کے نمونے پر صحت گاہ قائم ہونی چاہئے اسکی نسبت مزید غور کرنیکے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جو آئندہ اجلاس میں اپنی تجاویز پیش کرے گی۔ تجویز ہوا کہ فی الحال مرد مدار میں اور مستورات اور لڑکیاں تلونیا یا الموڑہ میں علاج کے لئے بھیجی جائیں۔

-:-

دی پنجاب کرسچین سنٹرل کوآپریٹو بینک لمیٹڈ لاہور

عرصہ چار سال کا ہوا کہ یہ بینک شہر لاہور میں کھولا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ
پنجاب کے دیہاتی مسیحیوں کی مالی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ اس انسٹیٹیوشن کے ذریعے سے جو لوگ
مسیحی مذہب میں شامل ہوتے ہیں ان کی مالی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ خواہ زراعت پیشہ ہوں یا
صنعتی یا حرفتی کاموں میں لگے ہوئے ہوں۔ ان لوگوں کو قرضی روپیہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے
مسیحی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے جو بنئے بقال وغیرہ بے تحاشا سود لے کر ان غریبوں کو
روپیہ ادھار دے بھی بیٹھے تھے وہ بھی انکار کر رہے ہیں۔ اگر ہم لوگ ان کی مدد کریں تو یہ
لوگ تنگی سے بچ نکلیں گے۔ اس بینک کے ذریعے سے شہری مسیحیوں کو موقع دیا جاتا
ہے کہ عمدہ سود کی شرح پر روپیہ امانت پر رکھوائیں۔ نیز بینک کے حصص خرید کر
عمدہ ڈیویڈنڈس و منافع کما دیں۔ پچھلا ڈیویڈنڈ ۵ فیصدی شرح کے حساب سے دیا گیا
تھا۔ پچھلے تین سال کے عرصہ میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ قرض دیا جا چکا ہے جو وقت مقررہ پر واپس
آتا رہا ہے اور تقریباً بارہ ہزار روپیہ سود امانت پر روپیہ رکھنے والوں کو پہنچ چکا ہے۔ سو یہ
بات وہی ہے کہ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔ حصص کی قیمت مبلغ ۵۰ روپیہ ہے
جو سالانہ انسٹالمنٹ (قسط) میں واجب الادا ہے۔ اس کے علاوہ شرح سود امانتی
روپیہ کے واسطے ذیل میں درج ہے:۔

تین ماہ کے فکسڈ ڈپازٹ (زرِ جمع مستقل) کے واسطے بشرح ½ ۴ فیصدی سالانہ
[illegible]
[illegible]

پچھلا بیلنس شیٹ منگوا کر بینک کی مالی حالت کا ملاحظہ فرماویں۔ بینک چلانے کے اخراجات
نہایت کم ہیں سوائے ایک پورے وقت کے اکاؤنٹنٹ کے باقی سب عہدیداران رضاکارانہ
قومی خدمت کرتے ہیں۔

المشتہر

بی ایل رلیا رام منیجر و سیکرٹری۔ وائی ایم سی اے لاہور

مسیحی پریس لاہور [illegible] باہتمام [illegible] چھپا [illegible] بی ایل رلیا رام نے شائع کیا